تالیف
قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

تخریج و تصحیح
پروفیسر حافظ محمد اصغر

مکتبہ اسلامیہ

جلد اول

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بہترین اور جامع کتاب

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

تالیف
قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

تخریج و تصحیح
پروفیسر حافظ محمد اصغر

کتاب .... رحمۃ للعلمین ﷺ

تالیف .... قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2013ء

قیمت ....

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 37244973-042 فیکس: 37232369-042

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2034256 ,2631204-041

e-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست مضامین رحمۃ للعالمین جلد اول

فہرست مضامین رحمۃ للعالمین جلد دوم

فہرست مضامین رحمۃ للعالمین جلد سوم

عرضِ ناشر

معزز قارئین! اس جہانِ فانی میں بہت کم شخصیات ایسی جامع الصفات ملتی ہیں کہ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کھلی ہوئی روشن کتاب کی مانند ہوتا ہے۔ ایسے جامع الکمالات بہت کم ملتے ہیں، جن کی خوبیوں اور کرامات کا اتنا چرچا ہوتا ہے کہ دنیا انہیں مرشد و رہنما تسلیم کرتی ہے۔ ایسے جامع المحاسن کم نظر آتے ہیں جن کے خُلق نے خَلق کو تسخیر کیا ہو اور جن کی خِلقت خَلقت کے لیے موجب رحمت ہو۔

بلاشبہ دنیا کی تمام بڑی شخصیات میں ایک روشن نام خیر الانام، سید ولدِ آدم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ جن کی بعثت سے قبل اقدارِ انسانی اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا۔ پورے پورے علاقے اور پورے پورے براعظم میں بھی ڈھونڈے سے ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا تھا جو علم دین اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو۔ انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا نور سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا تھا۔ کفر و شرک اور بے عملی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں۔ اہل اللہ کا ایسا قحط تھا کہ لوگ ننگے ہو کر ناچتے، عورتوں کو برہنہ نچاتے، شراب خود بناتے اور پیتے، جوئے میں عورتوں کو ہار دیتے۔ ایسی حالت میں جب دنیا گناہوں کی تاریکی میں روپوش ہو چکی تھی۔ وہ قومیں جو اپنے آپ کو روشنی کا مینار تصور کرتیں اور ہدایت کی شمعیں روشن کرنے کی مدعی تھیں۔ وہ سب کفر و شرک اور گناہ کی تاریکیوں کا ایک جزو بن کر رہ گئی تھیں۔

جہاں ہر طرف بتوں کی فرمانروائی تھی پجاریوں کی سیادت اور افسری تھی پورا ماحول اخلاقی رذائل، روحانی کثافت اور شر و فساد کی غلاظتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا پر آشوب بلا خیز اور تاریک ماحول گھٹا ٹوپ اندھیرے اور عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آفتاب ہدایت فاران کی چوٹیوں سے چمکا اور دنیا کے ہر حصہ کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کرنے لگا۔

محمد ﷺ تئیس برسوں تک برابر لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچاتے رہے۔ یہی نہیں آپ نے عملاً لوگوں کے سامنے اسوہ و قدوہ پیش کیا، ان کے اخلاق کو سنوارا، عبادات و رسوم کی اصلاح کی اور ان تمام باتوں کو وضاحت سے بیان کیا جن کا تعلق انسان کی انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور روحانی زندگی سے ہو سکتا ہے۔ آپ اٹھتے بیٹھتے، سفر و حضر، صلح و جنگ ہر حالت میں قرآن حکیم کی عملی تطبیق لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔

آپ ﷺ ساری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئے، کسی ایک ٹکڑے، ایک گوشے کے لیے نہیں تمام نوع انسانی کے لیے، اسود و احمر کے لیے، مشرق و مغرب کے لیے کسی خاص قوم کے لیے نہیں اقوام عالم کے لیے۔ حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے، ہوش اڑنے لگتے ہیں کہ زمانہ کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں۔ طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے اور بگڑتے رہے، مگر آپ کی بے داغ و بے غبار سیرت بدستور اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت سے برقرار ہے۔ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود تعلیماتِ نبوی ﷺ آج بھی نہ صرف زندہ و تابندہ ہیں بلکہ وسعت پذیر بھی ہیں۔

ایک گدا سے لے کر بادشاہ تک، سپاہی سے لے کر سالار تک، عورت سے لے کر مرد تک، بچے سے بوڑھے تک، غلام سے آقا تک، متعلم سے معلم تک، دیہاتی سے شہری تک، عربی سے عجمی تک غرض مشرق سے مغرب تک ہر شخص یہی محسوس کرے گا کہ یہ

سانچہ میرے لیے تراشا گیا ہے۔

محترم قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ علمی گہرائی، وسعت مطالعہ، فکرِ عمیق، اسلوب نگارش، اندازِ فکر، مؤرخانہ بصیرت اور ذوق انتخاب میں جو شان، جو فضل و کمال اللہ رب العالمین نے آپ کو عطا کیا تھا وہ شرف شاید پاک و ہند میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ برصغیر کی سرزمین اپنے اس سپوت پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ آپ نے سیرتِ پاک پر اردو زبان میں ''رحمۃ للعالمین'' لکھ کر سیرت نگاری میں ایک سنگ میل قائم کیا ہے۔ سیرتِ طیبہ سے متعلق مواد کا ایک ایسا گلدستہ اور مجموعہ جس کی مثال اردو زبان میں تو درکنار دیگر زبانوں میں بھی نہیں ملتی۔ جس کے غلغلہ سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔

یہ کتاب تو چمن میں سیر کے مترادف ہے۔ ایسے چمن کی سیر جہاں گلاب کے ہر رنگ کے پھول کھلے ہوں۔ یعنی یہ سیرت پر لکھی گئی تمام کتابوں کی خوشبوؤں کا مجموعہ ہے۔ ایک ایک سطر محبتِ رسول کی خوشبو میں بسی ہوئی، ایک ایک لفظ عقیدتِ رسول میں ڈوبا ہوا، جسے اہل علم نے سراہا، اہل دل نے نوازا۔

''رحمۃ للعالمین'' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی کتب (تورات، انجیل وغیرہ) سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ رسولِ ہاشمی پر یہود و ہنود اور نصاریٰ کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔

میرے لیے یہ بڑی سعادت ہے کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ تڑپ تھی کہ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ پر کوئی کتاب اپنے ادارہ کی طرف سے شائع کروں۔ اس کے لیے بڑی محنت کی اور محنت سے زیادہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں مانگیں عملِ اول کا ثمر محدود ہوسکتا ہے مگر عملِ دوم کا ثمر لامحدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں آج اس قابل ہوا ہوں کہ ''رحمۃ للعالمین'' جیسی عظیم الشان کتاب آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں۔

اس کتاب کو عصر حاضر کی جدتوں کا روپ دیا گیا جو کہ ایک محنت طلب اور شوق ولگن کا متقاضی عمل تھا۔ الحمدللہ ہمارے خلوص و لگن اور محنت کا ثمر آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ اس کتاب کو جاذب نظر، اہل ذوق کے تسکین ذوق اور اہل ادب کے حسن طلب کے لیے جہاں بہترین کمپوزنگ اور دیدہ زیب ٹائٹل کا جامہ پہنایا گیا وہاں اس کتاب کی افادیت کو دوچند کرنے کے لیے قدیم مطبوعہ نسخہ ہائے ''رحمۃ للعالمین'' (۱۹۲۱ء، ۱۹۳۳ء) سے تقابل اور تخریج وتصحیح کے بعد ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

اس مقدس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں برادرم حافظ محمد عباد کی محنت شاقہ اور محبت مخلصانہ شامل کاررہی۔

میں تہہ دل سے شکرگزار ہوں جن احباب نے اس کتاب کی اعداد وتقدیم کے تمام مراحل میں میری معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور روزِ قیامت اپنی خصوصی رحمت اور ''رحمۃ للعالمین'' کی شفاعت کا حقدار ٹھہرائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ دوران مطالعہ اگر کسی خطا پر مطلع ہوں تو متنبہ فرمائیں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔

محمد سرور عاصم

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

اور ان کے احوال و آثار

قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری کا مختصر شجرہ نسب یہ ہے: محمد سلیمان بن احمد شاہ بن معز الدین بن باقی باللہ......!

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے خاندان کے ایک بزرگ کا نام پیر محمد تھا۔ وہ عہد مغلیہ میں دہلی کے منصب قضا پر فائز تھے، اس لیے انہیں قاضی پیر محمد کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد خاندان کے ہر فرد کو قاضی کہا جانے لگا اور یہ خاندان ''قاضی خاندان'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ قاضی پیر محمد کی عدالتی مہر طویل عرصے تک اس خاندان میں محفوظ رہی۔

آگے چل کر ان کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اس اعتبار سے یہ علوی ہوئے، لیکن کسی نے اپنے نام کے ساتھ ''علوی'' نہیں لکھا۔

قاضی باقی باللہ

قاضی محمد سلیمان کے پردادا قاضی باقی باللہ ضلع فیروز پور (موجودہ ضلع فرید کوٹ مشرقی پنجاب) کے ایک چھوٹے سے گاؤں بڈھیمال میں اقامت گزیں تھے اور تیرھویں صدی ہجری کے معروف عالم و عابد حضرت غلام علی شاہ مجددی دہلوی کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ ان کے حکم کے مطابق انھوں نے بڈھیمال کی سکونت ترک کر کے منصور پور کو تبلیغ دین کا مرکز بنایا اور اس کے نواح میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔

قاضی باقی باللہ اپنے علاقے اور عہد کے ممتاز عالم دین اور تقویٰ شعار بزرگ تھے، ان کے اتقا اور تدین کے متعلق پرانے لوگوں اور ان کے خاندان میں بہت سی عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں، جن کے یہاں تذکرے کی ضرورت نہیں۔

منصور پور جسے قاضی باقی باللہ نے اپنا مرکز تبلیغ قرار دیا، سابق ریاست پٹیالہ (موجودہ ضلع پٹیالہ) کا ایک پرانا تاریخی قصبہ ہے جو ہندوستان کی تغلق حکومت کے دور سے آباد ہے اور انبالہ بٹھنڈا ریلوے لائن پر پٹیالہ سے بتیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

قاضی معز الدین

قاضی باقی باللہ کے بیٹے قاضی معز الدین بھی باپ کے ساتھ تبلیغ دین میں مشغول رہے۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کسب معاش کا ذریعہ کھیتی باڑی تھا۔ لوگوں کو فی سبیل اللہ قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے حدود اثر کا دائرہ منصور پور سے باہر نکل کر قرب و جوار کے قصبات و دیہات تک پھیل چکا تھا۔ لوگ دور دور سے احکام شرعیہ سیکھنے اور اوامر و نواہی سے باخبر ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ افسوس ہے قاضی باقی باللہ اور قاضی معز الدین کی تواریخ ولادت و وفات کا پتا نہیں چل سکا۔

قاضی احمد شاہ

قاضی معز الدین کے بیٹے قاضی احمد شاہ تھے جو قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے والد مکرم تھے۔ وہ ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) کو

منصور پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ دادا کی طرح علم و عمل اور تقویٰ و صالحیت کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ انہوں نے ریاست پٹیالہ کے محکمہ مال میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور اس محکمے کے افسروں کی جماعت میں شامل تھے اس خاندان کے یہ پہلے شخص تھے جو منصور پور سے ریاست کے صدر مقام پٹیالہ میں منتقل ہوئے اور جنہوں نے ریاست کے حلقہ ملازمین میں شرکت کی۔ علاقے کے قومی اور سماجی کاموں سے بالخصوص دلچسپی رکھتے تھے۔

سر سید احمد خاں جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے چندے کی مہم پر پنجاب آئے اور پٹیالے کا عزم کیا تو قاضی احمد شاہ نے ریاست کی حکومت اور وہاں کے مسلمانوں کی طرف سے راج پورہ ریلوے سٹیشن پر ان کا استقبال کیا، اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے ریاست پٹیالہ کی حدود شروع ہوتی تھیں۔

قاضی احمد شاہ اپنے وقت کے باعمل، تہجد گزار اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ اس زمانے میں حج بیت اللہ بہت مشکل تھا لیکن انہوں نے دو حج کیے۔ پہلا حج ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۶ء) میں کیا، دوسرا ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۷ء) میں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ''رحمۃ للعالمین'' کی جلد اول میں اپنے والد گرامی کے نام کے ساتھ ''حاجی مولوی قاضی'' کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے دینی و مذہبی علوم کہاں سے حاصل کیے اور کن اساتذہ سے حاصل کیے۔ آثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علوم انہوں نے اپنے والد گرامی اور جد امجد سے حاصل کیے ہوں گے۔

قاضی احمد شاہ ۲۸ محرم ۱۳۲۸ھ (۱۹ فروری ۱۹۱۰) کو پٹیالہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

نرینہ اولاد

قاضی احمد شاہ کی نرینہ اولاد تین بیٹے تھے، جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں: محمد سلیمان، عبدالرحمٰن اور محمد۔ سب سے چھوٹے محمد تھے، جو کم سنی میں وفات پا گئے تھے۔ ان سے بڑے قاضی عبدالرحمٰن تھے، جنھیں وکیل صاحب کہا جاتا تھا۔ عابد و زاہد، متقی اور منکسر المزاج۔ اللہ نے ان کو علم کی نعمت سے بھی نوازا تھا اور عمل کی دولت بھی عطا فرمائی تھی۔

فن ریاضی اور ہیئت و فلکیات میں خاص طور سے مہارت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی (متوفی ۱۳۱۳ھ) کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ انہیں وکیل صاحب کہا جاتا تھا اور اسی عرف سے معروف تھے۔ ریاست میں وکالت ایک نہایت ذمہ دارانہ منصب تھا، جس کے معنے تھے سفارت اور نمائندگی۔ یعنی ریاست کی سرکاری زبان میں وکیل کا اطلاق اس شخص پر ہوتا تھا، جسے ریاست کی طرف سے اندرون ملک کسی علاقے میں سفیر یا نمائندہ یا قونصلیٹ بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ قاضی عبدالرحمٰن طویل عرصے تک ریاست پٹیالہ کے اس منصب پر فائز رہے اور انھوں نے مختلف اوقات میں لدھیانہ، فیروز پور، ریاست الور اور ریاست جے پور میں بطریق احسن یہ فرائض انجام دیے۔

اس فقیر نے ۱۹۴۶ء میں ان کی زیارت بھی کی، اپنی سمجھ کے مطابق ان سے چند باتیں بھی کیں اور ڈھائی فرلانگ ان کے ساتھ پیدل چلنے کی سعادت بھی حاصل کی۔

تقسیم ملک کے بعد ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کی شب کو وہ لاہور پہنچے۔ کچھ عرصہ بیمار رہے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور ہی میں فوت ہوئے

اور کرشن نگر کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

قاضی محمد سلیمان

اب آئیے قاضی احمد شاہ کے سب سے بڑے فرزند عالی قدر حضرت علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی طرف......!

قاضی صاحب ۱۸۶۷ء (۱۲۸۴ھ) کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرح والدہ بھی نہایت صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ان کا نام ''اللہ جوائی'' تھا اور لوگ انھیں مائی جی کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنے بیٹوں کو وہ وضو کر کے دودھ پلایا کرتی تھیں۔ ایک بیٹا محمد چھوٹی عمر میں فوت ہو گیا تھا، باقی دونوں بیٹوں محمد سلیمان اور عبدالرحمٰن کی میاں بیوی نے بہت اچھی طرح تربیت کی۔

تعلیم

قاضی صاحب نے قرآن مجید اور اس دور کی مروّجہ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی قاضی احمد شاہ سے حاصل کی۔

اس وقت موضع کوم (ضلع لدھیانہ) میں ایک عالم دین مولانا عبدالعزیز فرد کش تھے جو صاحبِ جائداد اور امیر آدمی تھے۔ ریاست پٹیالہ میں ''جاکھل'' ریلوے سٹیشن کے قریب ان کی زمینیں تھیں۔ پٹیالہ شہر میں بھی ان کی ذاتی حویلی تھی۔ زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے ان کی پٹیالہ میں آمد و رفت رہتی تھی اور ان کا قیام اپنی حویلی میں ہوتا تھا۔ اپنے آبائی قصبے کوم میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا۔

قاضی صاحب نے ان سے استفادہ کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اپنے استاذ مولانا عبدالعزیز کوموی کا وہ بے حد تکریم کے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ۱۹۲۱ء میں وہ حج بیت اللہ کے لیے گئے تو مولانا عبدالعزیز کوموی کے صاحب زادے مولوی ضیاء الدین ان کے قافلۂ حج میں شامل تھے۔ اپنے سفر نامہ حجاز میں انھوں نے اپنے رفقائے سفر کے نام لکھے ہیں۔ مولوی صاحب ممدوح کا نام انھوں نے ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

''مولوی ضیاء الدین صاحب بن مولانا الاستاذ مولوی عبدالعزیز صاحب محدث بن عارف باللہ مولوی علاء الدین صاحب سکنہ کوم''

اس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے استاذ مولانا عبدالعزیز کوموی اپنے عہد کے ماہرِ علوم حدیث تھے اور ان کے والد کا اسم گرامی مولوی علاء الدین تھا، وہ بھی عالم دین اور صالح بزرگ تھے۔

فارسی کی تعلیم قاضی صاحب نے مہندرا کالج (پٹیالہ) کے فارسی کے پروفیسر منشی سکھن لال (کاستھ) سے حاصل کی جو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور آتش یا ناسخ کے شاگرد تھے۔

۱۸۸۴ء میں قاضی صاحب نے مہندرا کالج کی طرف سے پنجاب یونیورسٹی میں منشی فاضل کا امتحان دیا اور یونیورسٹی میں اول آئے۔ یہ سرکاری طور پر فارسی کی اعلیٰ تعلیم کا امتحان تھا۔ قاضی صاحب کی عمر اس وقت سترہ برس تھی۔ اس عمر میں وہ علوم عربیہ، دینیہ اور فارسی کی اعلیٰ مروّجہ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔

ملازمت

سرکاری ملازمت کے دائرے میں آنے کی عمر قانونی لحاظ سے کم از کم اٹھارہ سال تھی، لیکن قاضی صاحب اس سے چھ مہینے کم

یعنی ساڑھے سترہ برس کی عمر میں بحیثیت سررشتہ دار محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان کی ملازمت کا آغاز ریاست پٹیالہ کے محکمہ تعلیم کے سپرنٹنڈنٹ کے طور پر ہوا تھا اور وہ اس وقت ریاست کے تمام اہل کاروں سے کم عمر تھے۔ یہ ۱۸۸۵ء کی بات ہے۔

کم و بیش پندرہ سال وہ ریاست کے محکمہ تعلیم میں خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے حسنِ کار اور طریق عمل کے نہ صرف محکمہ تعلیم کے چھوٹے بڑے منصب دار مداح تھے بلکہ دیگر سرکاری محکموں سے تعلق رکھنے والے اہل کار بھی ان کی کارکردگی کو سراہتے اور اپنی مجلسوں میں بطور مثال اس کا ذکر کرتے تھے۔

محکمہ تعلیم سے قاضی صاحب کو عدلیہ کے محکمے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کیوں کر دیا گیا تھا؟

اس کا ایک خاص پس منظر ہے جس کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے۔

ریاست پٹیالہ کی سرحدیں فیروز پور، لدھیانہ اور حصار کے اضلاع سے ملتی تھیں۔ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ ان اضلاع اور بھٹنڈا کے قرب و جوار میں ڈکیتیوں کا وسیع سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکو ان اضلاع میں واردات کر کے ریاست پٹیالہ کی حدود میں داخل ہو جاتے تھے یا ریاست میں لوٹ کھسوٹ کر کے ان اضلاع میں سے کسی ضلعے میں چلے جاتے تھے اور ان کو پکڑنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس لیے کہ انگریزی علاقے کا کوئی شخص جرم کر کے ریاست میں آ جاتا تو انگریزی علاقے کی پولیس ریاستی حکام کی مدد کے بغیر اسے پکڑ نہیں سکتی تھی، اسی طرح ریاست میں گڑبڑ کر کے کوئی شخص اس کی حدود سے نکل کر انگریزی علاقے میں چلا جاتا تو اس علاقے کے حکام کے تعاون کے بغیر اسے گرفتار کرنا ممکن نہ تھا۔

یہ صورت حال بے حد پریشان کن تھی اور جرائم پیشہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ آخر کار جرائم پیشہ لوگوں کو گرفتار کرنے اور ان کے مقدمات کی سماعت اور فیصلے کے لیے ریاست پٹیالہ اور ان ضلعوں کے حکام پر مشتمل ایک مشترکہ ٹریبونل مقرر ہوا۔ ٹریبونل کا صدر مسٹر ٹام کنسن (انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب) تھا۔ ریاست کی طرف سے ایک سکھ آفیسر کو اس کا رفیق کار مقرر کیا گیا، بمشکل چار یا پانچ دن اس نے مسٹر ٹام کنسن کے ساتھ کام کیا ہو گا کہ ٹام کنسن نے ریاستی حکام کو تحریری اطلاع بھجوائی کہ یہ آفیسر بالکل نالائق ہے اور قانون کے کسی پہلو کو سمجھنے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ اسے الگ کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص کو رکھا گیا، وہ بھی چل نہ سکا اور اسے علیحدہ کر دیا گیا۔

ریاست کے اہل کار سخت پریشان ہوئے کہ پنجاب کا پولیس انسپکٹر جنرل کسی آفیسر پر مطمئن نہیں ہے۔ آخر سب کی نظر قاضی صاحب پر پڑی، فیصلہ ہوا کہ انھیں محکمہ تعلیم سے بدل کر ٹام کنسن کا رفیق کار یا مشیر بنا دیا جائے۔ اس وقت قاضی صاحب کی عمر بتیس تینتیس سال ہو گی۔

جمعے کے دن قاضی صاحب کو اس فیصلے سے مطلع کیا گیا تھا اور پیر کے دن انھیں نئی ذمے داری سنبھالنا تھی۔ انھوں نے ہفتے کے دن ضابطہ فوج داری پڑھنا شروع کیا اور اتوار کی شام تک اسے ختم کر ڈالا۔ صرف دو دن میں اس کے تمام پہلو ان کے غور و فکر کی گرفت میں آ گئے تھے۔

پیر کے دن کام شروع ہوا تو اسی دن قاضی صاحب کی خداداد صلاحیتیں ٹام کنسن پر اجاگر ہو گئی تھیں، وہ ان کے طرز عمل اور

اسلوب کار سے بے حد متاثر ہوا۔ اس ضمن میں اس نے حکومت پنجاب کو جو رپورٹ دی، وہ ایک سرٹیفکیٹ کی صورت میں حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ہے۔

Qazi Muhammad Suleman is a Judicial officer of exceptional qualities and the state is not making good use of his talents. I feel Qazi Sahib would be an ornament to British judiciary. His services be requisitioned.

یعنی قاضی محمد سلیمان بے مثال اوصاف کے مالک حاکم عدلیہ ہیں۔ ریاست میں اس جوہر قابل کی کما حقہ قدر افزائی نہیں ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں اگر ان کی خدمات انگریزی علاقے کی عدلیہ کے لیے حاصل کر لی جائیں تو یہ موتیوں کی طرح نکھر کر سامنے آئیں گے۔ ریاست کی بجائے ان کی صلاحیتوں سے انگریزی حکومت کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس کے بعد قاضی صاحب تمام عمر عدلیہ میں رہے اور تھوڑے عرصے میں اتنی ترقی کی کہ ریاست پٹیالہ کے سیشن جج بنا دیے گئے۔ اس نازک ترین محکمے میں ان کی زندگی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ جو ان سطور کے راقم کے علم میں آئے، لیکن ان کی تفصیلات میں جانے کا یہ محل نہیں۔ (قاضی صاحب کے حالات میں یہ فقیر ایک مستقل کتاب لکھ رہا ہے، یہ واقعات اس کتاب میں بیان کیے جائیں گے، ان شاء اللہ العزیز) مذکورہ کتاب لکھی جا چکی ہے اور بازار میں دستیاب ہے۔

تصانیف

قاضی صاحب آغازِ جوانی سے لے کر وفات سے کچھ عرصہ پیشتر تک ریاست پٹیالہ کے نہایت اہم ذمہ دارانہ مناصب پر فائز رہے۔ یہ مناصب وقت طلب بھی تھے اور بے حد توجہ طلب بھی...... ! لیکن سرکاری امور میں انتہائی مصروفیت کے باوجود انھوں نے علمی و تصنیفی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رکھیں۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ وغیرہ متعدد اہم عنوانات پر انھوں نے جس اسلوب میں اظہار خیال فرمایا، وہ سب سے اچھوتا اور منفرد نوعیت کا ہے۔ پھر عیسائیت اور مرزائیت کے مختلف پہلوؤں کو ایسے انداز میں موضوعِ تحقیق ٹھہرایا کہ اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے بجا ہے۔

کئی قسم کے خطوط ان کے نام آتے تھے، ان کا وہ جواب دیتے تھے۔ جماعت اہل حدیث اور بعض دیگر مسالک کے تبلیغی جلسوں میں بھی وہ شرکت فرماتے تھے۔ بعض جلسوں کی صدارتی ذمہ داری ان کے سپرد ہوتی تھی اور وہ ان میں تحریری خطباتِ صدارت پڑھتے تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے بھی کئی اجلاسوں کی انھوں نے صدارت کی اور تحریری خطبات ارشاد فرمائے۔ لوگوں سے میل جول کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے، اپنے اعزہ و اقارب اور احباب و متعلقین کے معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ مسجد میں روزانہ درس قرآن بھی ان کے فرائض میں شامل تھا۔ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ لوگ بذریعہ تحریر ان سے فقہی مسائل بھی دریافت کرتے اور وہ ان کا تحریری صورت میں جواب دیتے تھے۔ غرض ان کی زندگی کے شب و روز بہ درجہ غایت مصروفیت میں گزرتے تھے اور اللہ نے ان کو بے پناہ ہمت اور بوقلموں اوصاف سے نوازا تھا۔

ان کی تصانیف جیسا کہ عرض کیا گیا گوناگوں موضوعات پر مشتمل ہیں جو اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں اور لوگوں

نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور استفادہ کر رہے ہیں۔ میرا یہ منصب ہرگز نہیں کہ ان کے بارے میں زبان یا قلم کو حرکت دوں اور ان کے مندرجات پر کسی قسم کا اظہار رائے کروں۔ لیکن ممکن ہے، نئے دور کے بعض اصحابِ علم کی ان تصانیف تک رسائی نہ ہوئی ہو، اس لیے آیندہ سطور میں نہایت اختصار کے ساتھ ان حضرات کو ان سے متعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو آیئے سب سے پہلے تفسیر قرآن۔

۱: الجمال والکمال

یہ سورہ یوسف کی تفسیر ہے جو انھوں نے اس وقت تحریر فرمائی تھی، جب وہ پہلی دفعہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور کم وبیش تین مہینے مکہ مکرمہ میں ان کا قیام رہا تھا۔ کتاب کے شروع میں فرماتے ہیں کہ تفسیر سورہ یوسف لکھنے کا مدت سے شوق تھا، مکہ مکرمہ پہنچا تو یہ شوق زیادہ بڑھ گیا اور خیال آیا کہ اسی بلد الامین میں کچھ لکھ لیا جائے، جہاں اس سورت کا نزول ہوا تھا۔ چنانچہ وہیں انھوں نے یہ تفسیر مکمل فرمالی۔ البتہ تفسیر کے دس بارہ صفحے واپسی کے وقت جہاز میں لکھے اور آگے تیرہ چودہ صفحات میں ان مشاہیر کے مختصر حالات تحریر فرمائے، جن کا ذکر اس تفسیر میں آیا ہے۔

فقہی، تاریخی اور لغوی اعتبار سے تفسیر الجمال والکمال بہت سی معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اپنی نوعیت کی یہ پہلی تفسیر ہے، جس کے مختلف مقامات سے حضرت مصنف نے متعدد اہم مسائل کا استنباط کیا ہے۔ زبان، انداز، طرز بیان نہایت عمدہ اور دل نشین......!

۲: شرح اسماء اللہ الحسنٰی

اس موضوع کی یہ پہلی کتاب ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کی تفصیل سے شرح کی گئی ہے، ہر نام کے لغوی معنی بھی بیان کیے گئے ہیں اور اصطلاحی معنی بھی......! پھر قرآن مجید میں جہاں جہاں وہ نام آیا ہے، جس اسلوب سے آیا ہے اور جن معنوں میں آیا ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں بھی جس صورت میں اس کا تذکرہ ہوا ہے، اسے اجاگر کیا گیا ہے۔

۳: مہر نبوت

یہ سیرت نبوی ﷺ پر ان کی مختصر کتاب ہے، لیکن اس اختصار میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔ پہلی دفعہ ۱۸۹۹ء میں چھپی تھی۔ پھر بار بار چھپی۔

۴: اصحابِ بدر

اس کتاب میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، جنھوں نے کفر اور اسلام کی اولین جنگ میں شرکت فرمائی۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں تمام غازیان بدر کے حالات یک جا کیے گئے ہیں۔

۵: غایت المرام

قاضی صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے مسیحیت اور ان کی کتابوں: فتح اسلام، توضیح المرام، اور ازالہ اوہام کے

جواب میں دو کتابیں لکھیں اور مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئیں۔ پہلی کتاب یہی غایت المرام ہے جو ۱۸۹۳ء میں چھپی۔

۶: تائید الاسلام

دوسری کتاب تائید الاسلام ہے، جسے فاضل مصنف نے غایت المرام کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے۔ یہ کتاب پہلی کتاب سے پانچ سال بعد ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ دونوں کتابیں بے حد مقبول ہوئیں۔

۷: خطبات سلمان

قاضی صاحب کو ملک کی انجمنوں اور اداروں کے سالانہ جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جاتی تھی اور وہ شرکت فرماتے، بسا اوقات وہ ان میں تحریری خطبہ پڑھتے تھے۔ یہ ان کے دس خطبے ہیں، جن میں وہ خطبے بھی ہیں جو انھوں نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مختلف اجلاسوں میں ارشاد فرمائے۔ تمام خطبات نہایت عالمانہ اور بہت سے ضروری مسائل پر محیط ہیں۔

۸: تاریخ المشاہیر

اس کتاب میں متعدد ائمہ دین، فقہا و محدثین، مشائخ، شعرا و ادبا، مصنفین و مؤلفین اور ملوک و وزرا کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ قدیم رجال سے متعلق اردو کی یہ ایک مستند اور معلومات افزا کتاب ہے۔

۹: مسح جراب

یہ علامہ جلال الدین سیوطی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۰: استقامت

یہ ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے، جس کے متعلق قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں: میں دفتر جا رہا تھا کہ راستے میں پوسٹ مین نے مجھے ایک خط دیا، جس میں صاحب مکتوب نے ارقام فرمایا تھا، کہ اگر مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا تو میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ یہ جملہ پڑھ کر میں گھر کی طرف لوٹا کہ مبادا دیر ہو جائے اور وہ اسلام چھوڑ دے۔ چنانچہ آدھ گھنٹے میں یہ خط لکھا۔ ڈاک میں ڈالا اور پھر دفتر روانہ ہوا۔

بعد میں یہ خط ایک مستقل کتاب بن گیا، جس کی اشاعت ''استقامت'' کے نام سے ہوئی۔ صاحب مکتوب اسلام پر قائم رہا۔ یہ رسالہ ہر لحاظ سے لائق مطالعہ ہے۔

۱۱: مکاتیب سلمان

یہ چونتیس مکاتیب کا علمی اور تحقیقی مجموعہ ہے۔ مختلف حضرات نے قاضی صاحب سے جو استفسارات کیے، اس میں ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔

۱۲: برہان

غازی محمود دھرم پال اپنے دور کی ایک بہت بڑی اور معروف شخصیت کا نام تھا۔ چند الفاظ میں ان کا تعارف کرانا مشکل ہے، میں نے ان پر ایک طویل مضمون لکھا ہے۔ وہ ۳ فروری ۱۸۸۲ء کو ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں ''بہنوہ'' میں پیدا ہوئے،

والدین نے ان کا نام عبدالغفور رکھا تھا۔ بڑے ذہین اور پڑھے لکھے تھے۔ ۱۴ جون ۱۹۰۳ء کو انھوں نے گوجرانوالہ میں آریہ مذہب قبول کر لیا تھا اور اپنا نام دھرم پال رکھ لیا تھا۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کئی کتابیں لکھیں۔ پھر ان کی زندگی نے پلٹا کھایا اور قاضی صاحب نے ۴ مئی ۱۹۱۴ء کو ان کے نام ایک طویل خط لکھا، جسے پڑھ کر وہ قاضی صاحب کی خدمت میں آئے اور ۷ مئی ۱۹۱۴ کو دوبارہ مسلمان ہو گئے اور غازی محمود دھرم پال کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اسلام کی بے حد تبلیغ کی۔

جمعۃ المبارک کے روز ۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ کو لاہور میں وفات پائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفن ہوئے میری ان سے ملاقات رہتی تھی۔ ان کے ایک بیٹے منصور محمود فیصل آباد میں مقیم ہیں۔ لاہور میں بھی ان کے پانچ صاحب زادے اقامت گزیں ہیں۔ قاضی صاحب نے ان کے نام جو خط لکھا تھا، وہ ''برہان'' کے نام سے چھپا۔

۱۳: سفر نامہ حجاز

یہ ان کا پہلے حج کا سفر نامہ ہے۔ جو انھوں نے ۱۹۲۱ء میں کیا تھا۔ یہ سفر نامہ اس دور کی سرزمین حجاز کی بہت سی معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

۱۴: الصلوٰۃ والسلام

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا اردو ترجمہ۔

۱۵: انجیلوں میں خدا کا بیٹا

عیسائیت سے متعلق۔

۱۶: امام رازی کی تفسیر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا ترجمہ۔

۱۷: نماز مترجم

۱۸: تبیان الحج

حج وعمرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۹: آئینہ تصوف

امام غزالی کے بعض افکار کا ترجمہ۔

۲۰: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا اردو ترجمہ یہ مسودہ ضائع ہو گیا ہے۔

۲۱: ایک عرض کا جواب

عیسائیوں کے بارے میں۔

۲۲: رحمۃ للعالمین

سیرت طیبہ کے موضوع پر قاضی صاحب کی یہ نہایت اہم کتاب ہے۔ وہ اس موضوع پر تین قسم کی کتابیں لکھنا چاہتے تھے۔

ایک مختصر، دوسری متوسط اور تیسری مطوّل۔

مختصر کتاب کا نام انہوں نے ''مہر نبوت'' رکھا۔مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع کی یہ جامع کتاب ہے۔

متوسط کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کے دل کش اور محبت بھرے نام سے تصنیف کی۔مطوّل اور مفصل کتاب لکھنے کا منصوبہ ان کے دل ہی میں رہا۔قبل اس کے کہ وہ اس عظیم کام کا آغاز فرماتے، اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بلکہ ''رحمۃ للعالمین'' کی تیسری جلد ان کی وفات کے بعد طباعت واشاعت کے مراحل سے گزری۔

اس موضوع سے متعلق وہ دو کتابیں اور لکھنا چاہتے تھے۔

ایک سیرت نبوی قرآن کی روشنی میں۔

دوسری سیرت نبوی بائبل کی روشنی میں۔

اس موضوع پر انھوں نے چند باتیں لکھ بھی لی تھیں۔خیال یہ تھا کہ اسے جلد ہی تکمیل کی منزل تک پہنچا دیں گے، لیکن افسوس ہے زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔ جو ارادے انھوں نے جی میں باندھے تھے اور جو منصوبے ذہن میں ترتیب دیئے تھے وہ عمل میں نہ آسکے۔ اللہ کو یہی منظور تھا جو انھوں نے کر دیا، اور بلاشبہ یہ بھی عظیم الشان کام ہے۔ اللہ نے اسے شرف قبولیت بخشا اور اس نے بے حد شہرت پائی۔

اس کا نام قرآن مجید کی آیت کریمہ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [1] سے مستعار لیا گیا ہے۔ یہ وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے پیکر رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔

سیرت پر مختلف زمانوں اور زبانوں میں چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن کسی کتاب کا نام قرآن مجید سے اخذ نہیں کیا گیا۔ یہ واحد کتاب ہے، جسے یہ امتیاز حاصل ہے جس کا نام آیت قرآن سے ماخوذ ہے۔ مصنف مرحوم نے دلائل سے ثابت کر دکھایا ہے کہ نبی ﷺ کی ذات مطہر میں رحمۃ للعالمین کے تمام اوصاف بہ درجہ اتم موجود تھے۔

نبی ﷺ کے فضائل ومناقب اور محامد ومحاسن جس عقیدت وشیفتگی میں ڈوب کر قاضی صاحب نے اس کتاب میں تحریر فرمائے ہیں، اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

رحمۃ للعالمین کی پہلی جلد ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی اور شائع ہوتے ہی اس کی شہرت ملک میں پھیل گئی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے ملک کے مختلف سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا۔

جلد اول کی اشاعت کے تھوڑے عرصے بعد دوسری جلد تیار ہوگئی تھی اور کتابت کے مرحلے سے بھی گزر گئی تھی۔ لیکن جولائی ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمگیر جنگ عظیم شروع ہوگئی جو نومبر ۱۹۱۸ء تک (چار سال) جاری رہی۔ اس زمانے میں کاغذ انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے آتا تھا اور قاضی صاحب کے بقول ''جنگ شروع ہوجانے کی وجہ سے عمدہ کاغذ دست یاب نہ ہوا اور یہ مسودہ پڑا رہا۔'' بالآخر اچھا برا جو کاغذ ملا اس پر ۱۹۱۸ء میں کتاب شائع کر دی گئی۔

---

[1] ۲۱/ الانبیاء:۱۰۷۔

دوسری جلد کی اشاعت کے بعد تیسری جلد مکمل کر لی گئی تھی، لیکن قاضی صاحب بیمار پڑ گئے اس لیے اسے ترتیب نہ دیا جا سکا۔ مسودہ مرتب ہوا تو حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے اور واپسی پر ان کا انتقال ہو گیا، اس طرح اس کی اشاعت میں تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی اور انتقال کے تین برس بعد ۱۹۳۳ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔

''رحمۃ للعالمین'' کی تصنیف و اشاعت کا زمانہ ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۳۳ء تک کا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب عیسائی مشنری اور آریہ سماجی پرچارک، اسلام اور پیغمبر اسلام پر تحریری اور تقریری شکل میں تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ رحمۃ للعالمین کے فاضل مصنف اس صورت حال سے پوری طرح آگاہ تھے اور وہ معترضین کے اعتراضات کا نہایت سلیقے اور انتہائی شائستگی سے جواب دینے کی مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم کتاب میں پورے حوالوں کی مدد سے وہ نبی ﷺ کا دفاع بھی کرتے ہیں اور اعتراض کرنے والوں پر کمال دانش مندی سے حملے بھی کرتے ہیں۔

بائبل ان کے سامنے ہے، آریہ سماجیوں کی کتابیں ان کے پیش نظر ہیں اور مستشرقین جس انداز سے اسلام کو ہدفِ تنقید ٹھہراتے ہیں، اس سے وہ پوری طرح آگاہ ہیں۔ قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کے بارے میں وہ وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ پھر ان کی خاص قوت بیانیہ ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ ملکہ عطا فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی زبان میں بے حد خلوص ہے، قلم میں بدرجہ غایت مٹھاس ہے اور لہجے میں پختگی ہے۔ کسی مسئلے پر اظہار خیال کرتے وقت یہ تمام خوبیاں ان کے ہم رکاب ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے کتاب میں مضبوط دلائل اور مستحکم شواہد سے ثابت کیا ہے کہ نبی ﷺ کی ذات والا صفات میں تمام انبیائے کرام کے محاسن و کمالات نہایت احسن طریقے سے اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیئے تھے۔

اے کہ بر تخت سیادت زِ اَزل جا داری
آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

واقعات کی ترتیب میں حضرت مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر واقعہ درجہ صحت کو پہنچا ہوا ہو، اور باحوالہ ہو، چنانچہ جگہ جگہ کتب احادیث اور کتب سیرت کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ جو مواد یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے لیا گیا ہے، اس کی بھی باقاعدہ نشان دہی کی گئی ہے۔

نبی ﷺ کی ولادت کے متعلق بکرمی اور عیسوی سنین کے مہینوں کی تاریخ اور وقت ولادت کے تعین کا فلکیاتی نقطہ نظر سے جو حساب حضرت قاضی صاحب نے لگایا ہے، وہ دوسرے کسی سیرت نگار نے نہیں لگایا۔

زبان صاف، فصاحت و بلاغت سے مزین، ادیبانہ، شگفتہ، مؤثر اور دلآویز ہے۔

اس کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا اور اہل علم نے اس سے جو اعتنا کیا، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ سیرت کی یہ پہلی کتاب ہے جو برصغیر کی کئی مشہور یونیورسٹیوں، کالجوں اور متعدد مدرسوں میں داخل نصاب ہوئی، مثلاً اسے عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ عباسیہ بہاول پور، (جو اب جامعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے) جامعہ ملیہ دہلی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، انجمن حمایت اسلام کے اسلامیہ کالج اور اس کے ہائی سکولوں کے نصاب میں داخل کیا گیا۔ علاوہ ازیں ملک کے بہت سے اسلامی اور دینی و مذہبی مدرسوں میں یہ کتاب باقاعدہ طلبا کو سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی تھی۔

''رحمۃ للعالمین'' بے شمار دفعہ چھپی اور بہت سے اداروں نے شائع کی۔لیکن اس کی طلب میں کمی واقع نہیں ہوئی۔اس کی رفتار طلب وہی رہی، جو ابتدا میں تھی۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب بہت پڑھی جاتی ہے اور لوگ بکثرت اس سے استفادہ کررہے ہیں۔

تقسیم ملک سے قبل قاضی صاحب کے صاحب زادے قاضی عبدالعزیز منصور پوری نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ لیکن تقسیم کے زمانے میں یہ ترجمہ پٹیالہ ہی میں رہ گیا تھا۔پاکستان آنے کے بعد انھوں نے اس کا دوبارہ ترجمہ راولپنڈی میں اپنے صاحب زادے قاضی عبدالباری کے گھر کیا۔اس کی ایڈیٹنگ اور تصحیح وغیرہ قاضی عبدالباقی نے کی ہے۔اس میں جو کمی رہ گئی تھی، وہ پوری کردی گئی ہے،لیکن یہ ترجمہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔قاضی عبدالباقی نے اس پر بہت محنت کی ہے،اسے شائع ہونا چاہیے۔

کئی سال پہلے اس کا انگریزی ترجمہ دہلی کے ایک صاحب نے کیا تھا اور وہیں چھپا تھا،لاہور کے ایک اشاعتی ادارے نے اس کا عکس شائع کیا تھا،لیکن وہ ترجمہ صحیح نہیں تھا۔اس میں کئی واقعات چھوڑ دیے گئے ہیں،متعدد مقامات کے ہجے بھی غلط ہیں۔

عربی میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور بہت اچھا ترجمہ ہے۔اس طرح عرب ممالک کے اصحابِ علم بھی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

کچھ عرصہ پیشتر ہمارے دوست ڈاکٹر مجیب الرحمٰن نے بنگلہ زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ڈاکٹر صاحب ماشاء اللہ حضرت مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی کی تفسیر ابن کثیر کے اردو ترجمے کو بھی بنگلہ زبان میں منتقل کر چکے ہیں،اور بھی متعدد کتابوں کا انھوں نے بنگلہ میں ترجمہ کیا ہے۔وہ اردو،انگریزی اور بنگلہ زبان کے نامور مصنف ومترجم ہیں۔

انھوں نے راجشاہی یونیورسٹی سے ''بنگلہ زبان میں قرآن کی خدمت'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کیا تھا۔آج کل وہ امریکہ میں قیام فرما ہیں۔ان کی دو کتابیں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہو رہی ہیں۔ایک کتاب قرآن مجید سے متعلق ہے اور ایک مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی کے حالات اور ان کی تصنیفی خدمات پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر صاحب ممدوح کے فرمان کے مطابق اس فقیر کو ان دونوں کتابوں پر مقدمے لکھنے اور ان پر نظر ثانی کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

رحمۃ للعالمین کے مطالعے سے خوانندگان محترم کو معلوم ہوگا کہ قاضی صاحب کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے شگفتہ بیانی اور دلکش اسلوب نگارش سے نوازا ہے،اسی طرح بے حد عمدہ نکات پیدا کرنے کی صلاحیت سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔رحمۃ للعالمین کے شروع میں نبی ﷺ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''ہمارے نبی ﷺ موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سن ایک عام الفیل مطابق ۲۲۔اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔''

قاضی صاحب اولین سیرت نگار ہیں جنھوں نے تحریر کیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ''موسم بہار'' میں پیدا ہوئے۔یہ لفظ بے حد اہمیت کا حامل ہے اور اپنے اندر ایک خاص شان رکھتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبی ﷺ کی پیدائش موسم بہار میں ہوئی،اسی طرح آپ ﷺ کے پیغام،آپ کی تعلیم اور آپ کے اخلاق میں بھی موسم بہار کی سی خوش گوار کیفیت پائی جاتی ہے۔ جسمانی سرور کے ساتھ روحانی اور قلبی مسرت وانبساط بھی اس میں بدرجہ اتم موجود ہے،یعنی نبی ﷺ کی تعلیمات اور اسلام کا پیغام

اعتدال وتوازن کا کامل ترین نمونہ ہے، جسے قرآن ''وسط'' سے تعبیر کرتا ہے۔

کتاب کی تین الگ الگ جلدوں میں بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر جلد اپنے موضوع میں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اپنی جگہ ایک مستقل اکائی اور وحدت ہے۔ پہلی جلد کو لیجیے اس میں نبی ﷺ کی ولادت، بلکہ اس دور کے عرب کی اخلاقی، مذہبی اور تہذیبی حالت سے لے کر نبی ﷺ کی وفات تک کے تمام حالات ضبط کتابت میں آ گئے ہیں۔ اسی طرح دوسری اور تیسری جلدوں کے مضامین ومشمولات کا معاملہ ہے۔ ہر جلد اپنی جگہ مکمل اور اپنے مندرجات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

قاضی صاحب کی تحریر کی طرح ان کی تقریر اور زبانی گفتگو بھی ٹھوس دلائل پر مشتمل ہوتی تھی اور مخاطب ان کے طرز کلام اور مدلل خطاب سے بے حد متاثر ہوتا تھا۔ غازی محمود دھرم پال کا تذکرہ چند الفاظ میں پہلے ہو چکا ہے، وہ انہی کے مکتوب سے اثر پذیر ہو کر دوبارہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ تقسیم ملک کے زمانے میں غازی محمود دھرم پال لدھیانہ میں اقامت گزیں تھے۔ وہاں سے لاہور آنے کے کچھ عرصہ بعد انھوں نے ''جلاوطن'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا تھا۔ اس کا شمارہ نمبر۴، دسمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا، اس میں انہوں نے ''داستان غم'' بیان کی ہے، جو بہت سی دلچسپ معلومات کو اپنے دامن صفحات میں لیے ہوئے ہے۔ اپنے قبول اسلام کے متعلق قاضی صاحب کا ذکر انھوں نے بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ انھیں وہ اپنے لیے ''فرشتہ رحمت'' قرار دیتے ہیں۔ ان کی زبانی تقریر (یا گفتگو) کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

> ''قاضی صاحب اسلامی تعلیمات کا بحر ذخار ہیں، وہ اتنی صحیح معلومات دیتے ہیں کہ میرے جیسے نقاد کو جو اندھی تقلید کا قائل نہیں تھا، کسی جگہ انگلی رکھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ان کی تقریر اس طرح مجھ میں جذب ہوتی جاتی تھی، جس طرح کسی پیاسی زمین میں ہلکی ہلکی بارش جذب ہوتی جاتی ہو اور اس کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ جاتا ہو۔''
>
> (''جلاوطن'' دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۴۴)

قاضی صاحب علم، عمل، حسن اخلاق، پاکیزہ کردار اور صدق وصفا کا پیکر خوش نما تھے۔

وہ طویل قامت، متناسب الاعضاء، کشادہ جبیں اور ہنس مکھ تھے کھلا سینہ، موٹی موٹی خوب صورت آنکھیں، گورا رنگ، نورانی چہرہ، ستواں ناک، گھنی داڑھی۔ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ پہنتے، سر پر پٹیالے شاہی پگڑی اور پاؤں میں سلیم شاہی جوتا۔ یہ تھے ریاست پٹیالہ کے سیشن جج اور ریاست کی منڈیوں کے ناظم (عہدے کا نام تھا ناظم منڈیات ریاست پٹیالہ) رحمۃ للعالمین کے مصنف، دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ اور دیگر متعدد تعلیمی اور رفاہی اداروں کے رکن۔

انھوں نے دوسرے حج سے واپس آتے ہوئے جہاز میں وفات پائی اور نماز جنازہ مولانا اسماعیل غزنوی نے پڑھائی۔ بعد ازاں ان کی میت سمندر کی لہروں کے سپرد کر دی گئی۔ اس وقت جو لوگ اس سمندری جہاز میں سوار تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ تاحدِ نگاہ ان کی میت سمندر کے سینے پر بہتی چلی جا رہی ہے اور کسی سمندری جانور نے اسے نقصان نہیں پہنچایا۔ یہ رحمۃ للعالمین کے صاحبِ ورع وتقویٰ مصنف کا احترام تھا جو سمندری جانوروں نے کیا۔ یہ ۳۰ مئی ۱۹۳۰ کا واقعہ ہے کہ ارحم الراحمین نے ''رحمۃ للعالمین'' کے پاک باز مصنف کو اپنی ردائے رحمت میں لے لیا۔

(محمد اسحاق بھٹی)

بسم الله الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ . وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہٖ وَرَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی اِمَامِ الْاَنْبِیَاءِ وَخَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ ط

امابعد [1] سالہاسال سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ حضرت سیدولدآدم محمد النبی الامی ﷺ کی سیرت پر تین کتابیں لکھ سکوں۔

مختصر

متوسط

مطوّل

۱۸۹۹ء میں مختصر کتاب لکھ کر شائع کر چکا ہوں۔اس کا نام ''مہر نبوت'' ہے۔

متوسط کتاب کا نام ''رحمۃ للعالمین'' تجویز کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ختم ہوگی۔ یہ پہلی جلد ہے جسے ناظرین مطالعہ فرما رہے ہیں۔ دوسری جلد ۱۹۲۱ء میں طبع ہوئی تیسری جلد بھی ان شاءاللہ جلد شائع ہوگی۔ان کے بعد پھر سیرت نبوی ﷺ پر ایک کتاب پورے شرح وبسط کے ساتھ لکھی جائے گی۔(ان شاءاللہ تعالیٰ)

میں جانتا ہوں کہ میری یہ کتاب آنحضرت ﷺ کے محامد ومحاسن کا اظہار اسی قدر کر سکتی ہے۔جس قدر ذرّہ بے مقدار آفتاب عالم تاب کے انوار کو آشکارا کر سکتا ہے۔تاہم میں اس کتاب کے پیش کرنے کی جرأت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ شاید کسی ایک انسان ہی کو اس کے مضامین سے فائدہ پہنچ سکے۔مضامینِ کتاب کی نسبت اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ میں نے صحیح روایات ہی کے اندراج کرنے میں پوری کوشش وسعی کی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ سے بتضرّع والتجا یہ دعا ہے کہ وہ میری اس ناچیز محنت وعمل کو قبول فرما کر اس کا ثواب میرے والدِ ماجد حاجی مولوی قاضی احمد شاہ مرحوم (المتوفی ۲۸ محرم ۱۳۲۸ھ) کے نامۂ اعمال میں ثبت فرمائے۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [2]

المذنب:

راجی شفاعت وغفران

قاضی محمد سلیمان عفی اللہ عنہ

سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول۔

متوطن منصور پور علاقہ ریاست پٹیالہ۔

(جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ)

---

[1] دیباچہ طبع اول۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۲۷۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ❶ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَلَهُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ کَلِمَةٌ قَامَتْ بِهَا الْاَرْضُ وَالسَّمٰوٰتُ وَ خُلِقَتْ لِاَجْلِهَا جَمِیْعُ الْمَوْجُوْدَاتِ وَ بِهَا اَرْسَلَ اللّٰهُ رُسُلَهٗ وَاَنْزَلَ کُتُبَهٗ وَ شَرَعَ شَرَائِعَهٗ وَلِاَجْلِهَا نُصِبَتِ الْمَوَازِیْنُ وَ وُضِعَتِ الدَّوَاوِیْنُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَ هُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَا هُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمَ الطَّیِّبَاتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ شَاهِدًا عَلَی الْخَلَائِقِ اَجْمَعِیْنَ وَ نَذِیْرًا مُبِیْنًا وَرَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَمُبَشِّرًا لِلْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّهٖ اَمِیْنِهٖ عَلٰی وَحْیِهٖ وَ خَیْرِ مِنْ خَلْقِهٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَ قَائِدِ الْخَیْرِ وَ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ الْمَبْعُوْثِ بِالدِّیْنِ الْقَوِیْمِ وَالْمَنْهَجِ الْمُسْتَقِیْمِ وَعَلَی السَّابِقِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

اَهْدٰی اِلَیْهِ اِلٰهُنَا مُتَوَاتِرًا — دَارَ الصَّلٰوةِ الزُّهْرِ الْغَرَّاءِ
وَاِلٰی مَعَاشِرِ صَحْبِهِ الْعَالَمِیْنَ — وَالْاٰلِ الْکِرَامِ السَّادَةِ الْکُبَرَاءِ
مَا اهْتَزَّتِ الْاَرْوَاحُ مِنْ نَفَسِ الصَّبَا — وَ تَنَفَّسَ الْاَرْوَاحُ بِالْاَضْوَاءِ

اما بعد کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کی یہ جلد اول ہے جو ۱۹۱۲ء ۔ ۱۹۱۲ء کے بعد اب سہ بارہ بعد صحت چھپوائی گئی ہے۔ یوم اشاعت سے اس کتاب کو محدثین و مؤرخین، اُدبا ء اور فُضلا ء نے جس محبت اور عزت سے دیکھا اور جس کثرت سے اس کے مضامین کو کتابوں، رسالوں اور مضامین میں نقل کیا گیا ہے اور جس شغف سے طالب علموں، واعظوں اور خطیبوں نے اس پر توجہ کی اور اقصائے ملک تک جس طرح اس کی اشاعت ہوئی صُلحائے اُمّت نے جس تواتر کے ساتھ اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمایا، میں اس کے لیے اپنے مالک حکیم وعلیم کے افضالِ عظیمہ و نعم متکاثرہ کا نہایت درنہایت شکر گزار ہوں۔ ''جامع اوراق'' کو اس امر کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ ناچیز محنت اس طرح قبول کی جائے گی۔

❶ دیباچہ طبع سوم۔

﴿ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ ﴾ [1]

طبع سوم میں چند در چند معلومات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب دعا ہے کہ رب العالمین بقیہ کتاب کے بھی جلد شائع ہونے کی توفیق رفیق فرمائے۔ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

محمد سلیمان کان اللہ له

(ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ مطابق: جون ۱۹۲۴ء)

---

[1] ۲۸/ القصص: ۶۸، ۷۰۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُقَدّمہ

حضرت مسیح علیہ السلام سے قریباً دو ہزار سال پیشتر کا ذکر ہے کہ سلطنتِ بابل نہایت عروج پر تھی، سلطنت کی مالی حالت مستحکم اور فوجی طاقت زبردست تھی۔ دولت کثیر، امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں نخوت وغرور اس قدر بھر دیا تھا کہ اس نے سلطنت کے معبدِ اعظم میں اپنی سونے کی مُورت رکھوا کر حکم دیا تھا کہ مخلوق اسی کو سجدہ کرے اور اسی سے منت ونذر و نیاز مانگی جایا کرے۔

رب العالمین نے ان کی ہدایت کے لیے ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ (ان کا سلسلہ نسب ۹ واسطے سے حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے) بادشاہ کو توحید کی آواز پسند نہ آئی۔ کیونکہ اس کے قبول کرنے سے بادشاہ کو خدائی کے درجہ سے اتر کر بندہ بننا پڑتا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانا بھی جو بادشاہ رس تھا۔ اپنے خاندان کے نونہال سے ناراض ہو گیا، قوم اور سلطنت کی مخالفت دیکھ کر انہوں نے وطن چھوڑ دیا۔ سارہ رضی اللہ عنہا جو بیوی تھی اور لوط بن فاران جو ان کا برادر زادہ تھا، دونوں نے مہاجرت میں ان کا ساتھ دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی گزران کے لیے بھیڑ بکریاں رکھ لی تھیں۔ خدا نے ان میں برکت دی اور وہ بڑھ کر بہت سے گلے بن گئے۔

امساکِ بارش سے وہ سرسبز میدان جہاں ان کے گلے رہتے اور پلتے تھے، جب کفدست بیابان بن گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور مصر پہنچ گئے۔

مصر پر اس وقت جو حکمران تھا اس کا نام رقیون [1] تھا اور وہ دراصل بابل ہی کا باشندہ تھا۔ (ممکن ہے، مصر جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہم وطنی کے رشتہ کو وجہ تعارف خیال کر لیا ہو۔) بادشاہِ مصر نے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ملک کی خاتون سمجھ کر اپنے لیے پسند کیا، لیکن اسے خدا نے جلد معلوم کرا دیا کہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی کی بیوی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نے نہایت قدر و منزلت کی اور جب وہ وہاں سے وطن کو واپس ہوئے۔ تو اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ [2] بھی ساتھ کر دی، تا کہ اسی نیک خاندان میں اس کی تربیت ہو اور وہ اپنے ہی ملک اور قدیم نسل کے باشندوں میں بیاہی جائے۔ اپنے مہمان نواز بادشاہ کی خوش آئند آرزو کے پورا کرنے کی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا، خدا نے انہیں پہلوٹا بیٹا اسی کے بطن سے عنایت کیا۔ اس

---

[1] خطباتِ احمدیہ، ص: ۱۰۹ (دکتور فی الآداب حسن ابراہیم حسن مصری نے اپنی تالیف ''تاریخ عمرو بن العاص'' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر، جلد ۲، ص: ۱۸۲ میں اس بادشاہ کا نام طوطیس بن مالیا اور اس کے دار الخلافہ کا نام منف لکھا ہے۔ ص: ۱۸۳ پر طوطیس کو سلاطیس لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رقیون اس کا اصلی نام اور طوطیس اس کا شاہی نام تھا۔ اس مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی بادشاہ نے سیدہ ہاجرہ تک مصر کا غلہ پہنچانے کے لیے دریائے نیل سے بحر احمر تک نہر نکالی تھی جس کی بعد میں اور بانِ قیصر (نخوس) دارا نے بھی تجدید کرائی اور بالآخر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ازسر نو نکلوایا تھا۔

[2] ہاجرہ کو صرف یہی شرف حاصل نہیں کہ وہ شہزادی ہیں بلکہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ہاں بھی ان کا درجہ بالاتر تھا۔ کتاب پیدائش ۱۶/ ۷ تا ۱۱، ۲۱/ ۱۷ سے واضح ہے کہ خدا کے فرشتے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے خود آتے اور خدا کا حکم اسے پہنچایا کرتے تھے مگر سارہ بی بی کے سامنے کبھی کوئی فرشتہ نہیں آیا۔ کتاب پیدائش ۱۰/ ۱۸ سے ثابت ہے کہ سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے کی بشارت فرشتے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معرفت دی تھی۔

کا نام اسمٰعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اسحٰق علیہ السلام رکھا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ یہ دونوں ❶ بیٹے بڑے بابرکت ہوں گے اور بڑی بڑی قوموں کے جدِ اعلیٰ ہوں گے اور ان کی اولاد کثرت سے گنی نہ جائے گی، اس لیے باپ نے خدا کے حکم اور کنبہ والوں کی درخواست پر ان کے لیے علیحدہ علیحدہ ملک تقسیم کر دیئے تھے۔

شام کا ملک اسحٰق علیہ السلام کو دیا۔ کیونکہ بابل اس کے مشرق میں تھا اور اسحٰق علیہ السلام کو اپنے ننھیال سے قرب کا موقع ملا۔ عرب کا ملک اسمٰعیل علیہ السلام کو دیا۔ کیونکہ مصر اس کے مغرب میں تھا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنے ننھیال سے قریب تر رہنے کا موقع مل گیا اور بایں ہمہ دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے کہ ان کے درمیان کوئی تیسرا ملک نہ تھا۔ تا کہ وقت پر ایک بھائی دوسرے کی امداد واعانت کرتا رہے۔ ❷

اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی بنوجرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ بنوجرہم عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا، اور مضاض اپنے علاقے کا واحد فرماں روا ❸ تھا۔ اور اسحٰق علیہ السلام کی شادی اپنے ننھیال میں ہوئی تھی اس طرح ایک ہی نسل کے بچوں میں جسمانی بُعد بڑھتا رہا۔ لیکن رب العالمین وقتاً فوقتاً اس بُعد کو دونوں قوموں کے باہمی ملاپ اور معاونت سے دور فرماتا رہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خوف سے بھاگ کر عرب ہی میں پناہ لی تھی اور پھر جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نجات دے کر لائے، تب بیابان عرب ہی میں انہوں نے چالیس ۴۰ سال پورے کیے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی جب بادشاہ سموئیل کے خوف سے بھاگ کر اپنے ملک سے نکلے تھے تو عرب ہی میں آ کر ٹھہرے تھے۔

جب بنی اسرائیل کو بخت نصر نے تباہ کیا تھا۔ تو انہیں معد بن عدنان نے عرب ہی میں آرام اور عزت سے رکھا تھا۔

---

❶ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کا برابر کا درجہ اور برابر کی برکت مندرجہ ذیل حوالہ جات سے بخوبی ثابت ہے۔

(الف)	خدانے دردوغم	ہاجرہؓ کے	۱۶۔۱۱۔
	کتاب پیدائش کوسنا	سارہؓ کے	۱۸۔۱۴
(ب)	خدانے	ہاجرہؓ کے فرزند اسمٰعیل کا	۱۶۔۱۱
	نام رکھا	سارہؓ کے فرزند اسحٰق کا	۱۷۔۱۹
(ج)	خدانے	ہاجرہؓ کے فرزند اسمٰعیل کو	۱۷۔۲۰
	برکت دی	سارہؓ کے فرزند اسحٰق کو	۱۷۔۱۹
(د)	خدا	اسمٰعیل کے	۲۱۔۲۰
	ساتھ تھا	اسحٰق کے	۲۶۔۲۴
(ہ)	قوموں اور بادشاہوں	اسمٰعیل	۲۵۔۱۶
	کا باپ ہوگا	اسحٰق	۱۷۔۶

❷ پیدائش باب ۲۵ درس ۹ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کے بیٹے اسحٰق علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے دفن کیا، اس سے ظاہر ہے کہ دونوں بھائی کس طرح دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔ ❸ خلاصہ تاریخ العرب پروفیسر سیڈیو ص ۲۳۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیا علیہم السلام نے بھی اپنے الہامات میں بنی اسمٰعیل کی بابت بہت کچھ اشارے کیے ہیں۔

اس جگہ میرا مقصود صرف حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بابت کچھ لکھنے کا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اور ان کی والدہ کو اس جگہ آباد کیا تھا۔ جہاں اب مکہ آباد ہے۔ مقدس باپ نے نامور بیٹے کی شمولیت سے اس جگہ ایک مسجد بھی (مکعب شکل کی) بنادی تھی، اور خدا سے دعا کی تھی کہ وہ مالک الملک اس سنسان جگہ میں آباد ہونے والی قوم کی روزی کا خود سامان کرے، انہیں کھانے کے لیے عمدہ میوے، ترکاریاں ملتی رہیں [1] اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ایک عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی مقام پر پیدا ہو۔

اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں بارہ (۱۲) بیٹے ہوئے۔ [2] انہوں نے عرب کو آپس میں تقسیم کر لیا اور وہ بہت جلد اس قدر پھیل گئے کہ مغرب کی طرف مصر سے جو ان کا ننھیال تھا، جا ملے، اور جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے، جہاں باپ نے ان کے بھائیوں بنو قطورہ کو آباد کیا تھا اور شمال کی طرف ان کی بستیاں شام سے جا ملیں، جہاں ان کے بھائی بنو اسحٰق آباد تھے۔

اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم و تہذیب کے مالک ہو گئے اور بحر ہند اور بحیرہ احمر کی ایسی بندرگاہوں پر ان کا قبضہ ہو گیا، جہاں سے اس وقت کی تمام متمدن دنیا کی تجارت پر وہ اپنا قبضہ کر سکتے تھے، اور عرب کا اندرونی حصہ بھی ان کے پاس آ گیا۔ جو غیر اقوام سے بچاؤ کے لیے ہمیشہ ناقابلِ تسخیر حصار ثابت ہوا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ان کا دوسرا فرزند قیدار نہایت نامور ہوا ہے۔ قیدار کی اولادِ خاص مکہ میں آباد رہی۔ انہوں نے اپنے باپ کی طرح اس مقدس مسجد کے حقوق کو ہمیشہ پورا کیا، جو دنیا کے لیے توحید کی پہلی درسگاہ تھی۔

قیدار کی اولاد میں ۳۷ پشت کے بعد عدنانِ اول نہایت اولوالعزم شخص گزرا ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی عکؔ نے یمن میں سلطنت قائم کر لی تھی۔

عدنان کے بعد اس قوم پر بنی جرہم کا قبیلہ غالب آ گیا۔ اگرچہ وہ ان کے ماموں ہی تھے، تاہم بنو جرہم نے ان کو ۲۰۷ء میں مکہ سے نکال دیا تھا، کیونکہ بنو اسمٰعیل علیہ السلام نے اب تک بنو جرہم کا بت پرستی میں ساتھ نہ دیا تھا۔

---

[1] جو لوگ مکہ جاتے ہیں ان کو دو باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ ا:۔ زمین مکہ میں کوئی روئیدگی یا پیداوار نظر نہیں آتی۔ ۲:۔ مکہ کے بازاروں میں سبز و تر میوے، ترکاریاں بہت سستی اور بہتات سے ملتی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا اور اس سے دلیل پکڑی جاتی ہے کہ خدا نے دعا کے دوسرے جزو یعنی رسول پیدا کرنے کو بھی ضرور قبول کیا۔ نبی موعود کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہونا تورات کی کتاب استثناء، باب ۱۸/ ۱۷، ۱۸، ۱۹ سے اور مکہ (فاران) سے ظاہر ہونا استثناء ۳۳/۲ سے ثابت ہے۔

[2] حضرت یعقوب بن اسحٰق علیہما السلام کے بھی بارہ بیٹے ہوئے، بی بی لیاہ کے بطن سے چھ، راؤبین، شمعون، لاوی، یہودہ، یشاکر، زبلون، بی بی راحل کے بطن سے دو (یوسفؑ و بن یامین) زلفہ کے بطن سے جو بی بی لیاہ کی لونڈی تھی۔ دو (جاد اور آشیر) بلہہ کے بطن سے جو بی بی راحل کی لونڈی تھی، دو (دان، نفتالی) پیدائش ۲۹۔ ۳۰ باب۔ انہی بارہ کی اولاد سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے ہیں۔ جنہیں حضرت یعقوب، موسیٰ، داؤد، مسیح اور یوحنا علیہم السلام نے برکت یافتہ بتایا ہے۔ اگر عیسائیوں کا یہ بیان صحیح سمجھا جائے کہ بی بی ہاجرہ بھی بی بی سارہ کی لونڈی تھیں، جسے سارہ نے اپنے شوہر سے بیاہ دیا تھا، تب بھی بنی اسمٰعیل پر وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ جد، آشر، دان، نفتالی پر اور ان کی اولاد پر کوئی اعتراض نہیں رکھتے۔ جو بلہہ اور زلفہ کے بچے ہیں۔

لیکن قصی نے جو عدنان دوم سے پندرہویں پشت میں ہے، پھر مکہ پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اور اس نے مکہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد ۴۴۰ء میں رکھ کر مندرجہ ذیل عہدے قائم کیے۔

(۱) رفادہ (۲) سقایہ (۳) حجابۃ (۴) قیادہ

(۵) نیز قومی نشان بنایا، جسے ''لواء'' کہتے تھے۔

(۶) نیز قومی مجلس قائم کی جسے ''ندوہ'' یا ''دارالندوہ'' کہتے تھے۔

قصی کے بعد اس کا فرزند عبد مناف ❶، پھر اس کا فرزند ہاشم ❷ پھر اس کا فرزند عبدالمطلب ❸ (المولود ۴۹۷ء) پھر اس کا فرزند ابو طالب اپنے اپنے وقت میں مکہ کے محترم سردار ہوتے رہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جن کی سیرت پاک پر یہ متوسط کتاب لکھی گئی ہے۔ عبدالمطلب کے پوتے تھے۔

مذکورہ بالا بیان سے آپ سمجھ گئے ہیں کہ عرب میں بسنے والے کون تھے اور ان کا اپنے ہمسایہ ممالک کی قوموں کے ساتھ کیا تعلق تھا، لیکن ابھی ملک عرب کی نسبت مجھے کچھ اور بیان کرنا ضروری ہے۔

عرب کا محل وقوع

نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب جزیرہ نما ہے۔ جس کے مغرب میں بحر احمر اور جنوب میں بحر ہند، مشرق میں خلیج فارس اور شمال میں ملک شام ہے۔ اسے شام سے وہ سلسلۂ کوہ جدا کرتا ہے جو اس کے شمال میں چلا گیا ہے۔ اور مصر سے آبنائے سویز جو چالیس ۴۰ برس پیشتر خاکنائے سویز سے موسوم تھی، الگ کرتی ہے۔ ہندوستان اور عرب میں خلیج بحیرہ عرب ہے۔

عرب کی سرزمین

عرب وسعت میں مملکت فرانس سے تقریباً دو چند بڑا ہے۔ ملک کے مختلف حصے اپنی اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں، یمن کی وادی اور طائف کے پہاڑ ایسے سرسبز ہیں کہ ہندوپاک کے بہترین حصوں کو رشک آتا ہے۔ الحجر کی پتھریلی زمین اور وسط عرب کا وسیع ریگستان اس قدر بے آب و گیاہ ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ سے مقابلہ کھاتا ہے۔

عرب کی سیاسی حالت

ہم جس ستودہ صفات کے عہد سے اپنی کتاب کا آغاز کرنے والے ہیں، ان کی پیدائش کے وقت عرب کی ملکی اور اخلاقی حالت کا یہ حال تھا۔ کہ ان کے جنوب پر سلطنت حبش کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ ❹ کا قبضہ تھا۔ اندرون ملک بزعم خود آزاد تھا لیکن ہر ایک سلطنت اس پر قبضہ کرنے کے لیے ساعی تھی۔

---

❶ عبد مناف کا نام مغیرہ تھا، پیدائش کے بعد ان کو مناف بت کے مندر میں لے گئے تھے اس لیے عبد مناف مشہور ہو گئے تھے۔

❷ ہاشم کا نام عمرو تھا یہ شوربا میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر غریبوں کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لیے ہاشم نام پڑ گیا۔

❸ عبدالمطلب کا نام شیبہ تھا، جب یہ پیدا ہوئے تو سر کے چند بال سفید تھے اس لیے ماں نے ان کا نام شیبہ (بوڑھا) رکھا۔ مطلب ان کا چچا تھا جس نے یتیمی کے دنوں میں انہیں پالا تھا۔ اس شکر گزاری میں یہ تمام عمر عبدالمطلب کہلائے۔

❹ تاریخ العرب پروفیسر سیڈیو ص ۴۰۔

عرب کی اخلاقی حالت

اندرونی ملک کے باشندوں پر خود مختاری نے بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ان میں خود مختاری سے خود سری پیدا ہوگئی تھی، انہوں نے اپنی شجاعت و جرأت کا نشانہ اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا، بیکاری اور کاہلی نے جُوا اور شراب کی عادت پیدا کر دی، اور طبیعتِ ثانی بنا دی تھی، ممالک غیر سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے ان کی زبان اور نسل بیشک کھری تھی۔ لیکن فصاحت کا استعمال وہ زیادہ تر خود ستائی یا دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے، یا اپنے فحش کارناموں کو مشتہر کرنے کے لیے زبان کی ساری طاقت خرچ کر کے اپنے ساتھ اپنی معشوقہ کی بھی خوب تشہیر کیا کرتے تھے۔ الگ تھلگ رہنے نے مصاہرت (داماد بنانا) کی برائی ان کے ذہن میں قائم کر دی تھی اور مدعیان شرافت بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔

جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے انسانی دل و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ فطرت کی ہر ایک چیز پتھر، درخت، چاند، سورج پہاڑ، دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے اور اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھول چکے تھے، اس لیے انسانی حقوق کے لیے نہ کوئی ضابطہ تھا اور نہ ایسے حقوق کو صحیح مرکز پر لانے کے لیے کوئی قانون تھا۔ قتل انسان، رہزنی، حبسِ بے جا، تصرف ناجائز، مداخلت بے جا، عورتوں کو جبر یا پھسلاوٹ سے بھگا لے جانا، بیٹیوں کو زندہ پیوندِ خاک کر دینا اسی شجر کے ثمر تھے کہ بت پرستی نے ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ حقیر ہستی انسان ہی کو بنا دیا تھا۔ برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے ان کے دل و دماغ میں یہی نقش کر دیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت، ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن اور ان کے تدین سے بہتر کوئی تدین ہو ہی نہیں سکتا۔

عرب کی مذہبی حالت

عرب کے مختلف اطراف میں مختلف حکومتوں اور سلطنتوں کے تعلق کی وجہ سے تمام ملک میں مختلف مذاہب اور بھی پائے جاتے تھے۔ یہودی [1] عیسائی [2] صابی ایسے مذاہب ہیں جن کے نام سن کر ناواقف شخص دھوکہ کھا سکتا ہے کہ ان لوگوں میں ان مذاہب کی عمدگیوں کے نمونے بھی پائے جاتے ہوں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کی بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ اگر موسیٰ و عیسیٰ و شعیب و صالح علیہم السلام پیغمبروں کو ان کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ ہمارے ہی اصول پر چلنے والے لوگ ہیں۔

عام عیسائی ایک مسیح علیہ السلام کو ''ابن اللہ'' کہتے ہیں، لیکن عرب کے عیسائی مریم علیہا السلام کو خدا کی ''جورو'' اور فرشتوں کو خدا کی ''بیٹیاں'' بھی کہا کرتے تھے، اور بت پرست تو لات و عزّیٰ کو مؤنث خدا (لات مؤنث ہے الٰہ کا اور عُزیٰ مؤنث ہے عزیز کا) بھی

---

[1] یہودیوں کو جب یونانیوں نے اور سریانیوں نے اپنے علاقہ سے نکالا تو وہ عرب کی طرف چلے آئے اور بنو اسمٰعیل نے (اپنے ان چچازاد بھائیوں) کا خیر مقدم کیا اور ان کے مذہب نے حجاز اور نواحئے خیبر و مدینہ میں اچھی اشاعت پائی (از کتاب خلاصہ تاریخ العرب ص ۳۸)

[2] عیسائیت کو ۳۳۰ء میں بنو غسان نے قبول کر لیا اور پھر عراق، عرب، بحرین اور صحرائے فاران و دومۃ الجندل اور فرات و دجلہ کے دوآبہ میں یہی مذہب پھیل گیا اور اس دین کی اشاعت میں نجاشی اور قیصر نے باہم مل کر کوشش کی ۳۹۵ء تا ۵۱۳ء میں اسکی اشاعت پر بڑا زور دیا گیا اور یمن میں اناجیل بکثرت پھیل گئی تھیں۔ (ایضاً ص ۳۹)

کہا کرتے تھے۔

اس زمانہ کے عام یہودی حضرت عزیز علیہ السلام کو توریت کے ازبر لکھ دینے سے ''ابن اللہ'' کہا کرتے تھے مگر عرب کے یہودی اپنی قوم کے سب زن و مرد کو خدا کے بیٹے، بیٹی پیارے، پیاری کہا کرتے تھے۔ آتش پرست غالباً بیٹی، بہن کو گھر میں ڈال لیا کرتے تھے۔ مگر عرب کے ملحد اپنی حقیقی والدہ کو چھوڑ کر اپنے باپ کی تمام جوروؤں کو اپنی لونڈیاں بنا لیا کرتے تھے۔

عرب کی جملہ اقوام (باستثنائے بعض افراد) لکھنے پڑھنے سے بے خبر، علوم سے بے بہرہ، فنون سے عاری، تمدن سے ناواقف، مصالحت اور معافی سے ناآشنا تھے۔

ملحد اور دہریے بھی عرب میں آباد تھے، وہ حیات اور موت کو اتفاق اور وقت سے موسوم کر کے دنیا کے ہر انقلاب کو دورِ زمانہ سے منسوب کیا کرتے تھے۔

خدا کی ہستی کا اقرار اور جزا و سزا کا تصور، نیک و بد افعال پر نیک و بد نتائج مترتب ہونا ان کے نزدیک قابل تمسخر خیال تھا، ان جملہ عیوب کی وجہ سے عرب گویا جملہ مذاہب باطلہ اور تخیلات کی برائیوں کا مجموعہ تھا۔

عرب کا محل وقوع

اگر ہم عرب کو کرۂ ارض کے نقشہ پر دیکھیں تو اس کے محلّ وقوع [1] سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری (دونوں راستوں) سے دنیا کو اپنے داہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لیے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لیے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں، تو عرب ہی اس کے لیے موزوں ہے۔ خصوصاً اُس زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ، یورپ اور ایشیاء کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا۔ تو عرب کی آواز ان براعظموں میں جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔

---

[1] کرہ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجے تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ درجہ اور نصف ۶۰ ہوا۔ جب ۶۰ درجے کو ۸۰ درجے شمالی سے تفریق کریں تب ۲۰ رہ جاتے ہیں اور جب ۶۰ میں سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کر دیں۔ تب بھی ۲۰ درجہ شمالی رہ جاتے ہیں اور مکہ معظمہ ۲۱/۱/۲ درجے پر آباد ہے، اس لیے کل کرہ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔ (الف) یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مکہ کا نام لغت کی کتابوں میں ناف زمین ہے انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی۔ بلکہ قریباً وسط میں ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ وسطِ حقیقی کے قریب تر واقع ہوا ہے۔ ڈیڑھ درجہ کا جو تفاوت ہے وہ اس لیے ہے کہ مکہ ناف زمین ثابت ہو۔

(ب) اب اس طرح سمجھو کہ ملک عرب ۱۵ سے ۳۵ درجہ ہائے عرض بلد (شمالی) پر واقع ہے اور انہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام مشہور نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق میں آریہ و منگول اور مغرب میں حبشی و ہامائٹ (نسل عام) اور ریڈ انڈینز (امریکہ کے اصلی باشندے) ہیں۔ اور جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہنچانا مد نظر ہو تو عرب ہی اس کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ غالباً اس لیے بھی قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ ﴾ (۲/ البقرة:۱۴۳)

''ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے، تا کہ قوموں کے سامنے تم خدا کی شہادت ادا کرو۔'' فقط

رب العالمین نے (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) اسی لیے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب میں پیدا کیا اور ان کو بتدریج قوم اور ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔

نبی ﷺ کے اعلیٰ کام

ناظرین اس کتاب کو پڑھ کر معلوم کر سکیں گے کہ نبی ﷺ کا کام کس قدر مشکل تھا اور انہوں نے اس فرض کو کیسی خوش اسلوبی، صبر و حلم، استقامت اور تحمل سے شروع کیا۔ کیونکر تہذیب اور تمدن اور علم و اخلاق کو پھیلایا۔ کیونکر قوموں اور ملکوں کو ایک بنایا، کس طرح انسان کا درجہ بلند کیا، کس طرح توحید کی اشاعت کی اور انسان کے دل پر عظمت و کبریائی ربانی کا نقش قائم کرنے کے بعد کس طرح جملہ اشیاء و اسباب کا خادمِ انسان ہونا ثابت کر دیا۔

وحدت تعلیم

رسول کریم ﷺ نے کس طرح نسل اور قومیت کی خصوصیتوں اور ملک و مقام کی حالتوں اور امیری وغریبی کے امتیازوں اور فاتح و مفتوح کے تفاوتوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں کے مابہ الامتیازوں سے قطع نظر کر کے کیسی خوش اسلوبی سے سب کو دین واحد کے رشتہ سے متحد و متفق، یکساں و مساوی، ہم سطح و ہم خیال، ہم اعتقاد و ہم آواز بنایا۔

اور جب وہ اس عظیم الشان کام کو انجام دے چکے، بندوں کو خدا سے نزدیک اور قوموں کو قوموں سے قریب بنا چکے، نفرت و عداوت کی جگہ نصرت و اخوت کو بٹھا چکے، ظلمت اور جہالت کو نکال کر ان کے دل و دماغ پر نور صداقت و علم کو متمکن کر چکے، تب کیسی فارغ البالی، کشادہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ اس دنیا سے سدھار گئے۔

اسلام اور مختلف طبقات

نبی ﷺ کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کے لیے دیکھو کہ اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا گیا تھا۔ جو نیک پھل لائے تھے۔

نجاشی ملک حبشہ، جیفر ملک عمان، اکیدر شاہ دومۃ الجندل۔

نجد کے وحشی، تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکین دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔

مختلف مذاہب اسلامی وحدت میں

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ''یہودیت'' اور ورقہ بن نوفل ''عیسائیت'' اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ''ابراہیمیت'' کی مسند ہائے امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کیے جانے پر مفتخر ہیں۔

مساواتِ ظاہری واخوتِ باطنی

یہودیوں کا زر خرید غلام سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، "مِنَّـا اَهْلَ الْبَيْتِ" [1] کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے، اور بت پرستوں کے زر

---

[1] مستدرك حاكم، ص: ٥٩٨، ج٣؛ كتاب معرفة الصحابة باب ذكر سلمان حديث: ٦٥٣٩، ٦٥٤١ اور سیرت ابن هشام، ص: ٢٢٤، ج٣۔

خرید غلام بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی جس کی سطوت وہیبت سے قیصر وکسریٰ کے اندام پر لرزہ تھا، سید، سید (آقا، آقا) کہہ کر پکار رہا ہے۔ رنگوں کا اختلاف، زبانوں کا تبائن، قومیت کا تفرقہ، ملکی خصوصیات کا امتیاز سب کچھ جاتا رہا ہے۔ حسب و نسب کی شرافت کا زبان پر لانا، کمینگی کی دلیل بن گیا ہے۔ دین واحد نے سب کو ملتِ واحد بنا کر ایک ہی ولولہ دلوں میں، ایک ہی جوش طبیعتوں میں، ایک ہی خیال دماغوں میں، ایک ہی آوازۂ توحید زبانوں پر جاری کر دیا ہے۔

دشمنوں کا دوست بن جانا

دشمن دوست بن گئے، اور جان ستان، جاں نثار ثابت ہوئے ہیں۔ وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جو حبش میں نجاشی کے پاس قریش کا سفیر بن کر گیا تھا کہ مسلمانوں کو بطورِ اکسٹراڈیشن [1] مجرموں کے حاصل کرے۔ چند سال کے بعد وہی عمان کے بادشاہ کے پاس داعیٔ اسلام بن کر جاتا ہے اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی بشارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتا ہے۔

وہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو جنگِ اُحد میں بت پرستوں کے رسالہ کی کمانڈ کرتا ہوا مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد حاضر ہوتا ہے۔ لات وعزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے گراتا، اور اسلامی فتوحات میں گرم جوش جنرل کا درجہ پاتا ہے۔ وہی عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا۔ خود بخود مدینہ میں حاضر ہوتا اور اپنی قوم میں دعوتِ اسلام کی اجازت حاصل کر کے اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہی سہیل بن عمرو جو معاہدۂ حدیبیہ میں بت پرستوں کی جانب سے کمشنر معاہدہ تھا اور جس نے عہد نامہ میں اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لفظ ''رسول اللہ'' لکھے جانے پر انکار کیا تھا۔ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت، اور دین الٰہی کی تائید میں ایسی زبردست تقریر (خطبہ) کرتا ہے، جو سینکڑوں دلوں میں سکینہ اور ایمان بھر دیتی ہے۔

وہی عمر رضی اللہ عنہ جو تلوار لے کر گھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کرنے کے لیے نکلا تھا۔ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن شمشیر برہنہ لے کر کہہ رہا ہے کہ جو کوئی کہے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ وہی وحشی رضی اللہ عنہ جس نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو مارا، کلیجہ نکالا، اعضاء کاٹے، جنازہ بے حرمت کیا تھا۔ کچھ دنوں بعد مسلمان ہو جاتا، شرم وخجالت سے منہ سامنے نہیں کرتا اور بالآخر مسیلمہ جیسے کذاب کے قتل کو اپنی حرکت سابقہ کی تلافی سمجھتا ہے۔

وہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حقیقی چچا کا بیٹا ہو کر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں متواتر اشعار کہا کرتا تھا۔ جذبۂ توفیق سے خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جنگِ حنین کے میدان میں وہی اکیلا رکابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھامے نظر آتا ہے۔

وہی ابوسفیان بن حرب جو سات برس تک برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں فوجیں لاتا رہا اور مسلمانوں کے خلاف سارے ملک میں آتشِ فساد بھڑکاتا رہا۔ اسلام لاتا اور نجران کے عیسائی علاقہ پر حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ وہ طفیل دوسی رضی اللہ عنہ جو مکہ میں روئی کی ڈاٹ کانوں میں لگا کر پھرتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کانوں میں نہ پہنچے۔ بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو پہنچاتا تھا۔ وہ عبد یالیل ثقفی جس نے طائف میں غلاموں اور بچوں کو پتھراؤ کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا تھا۔ آخر مدینہ حاضر ہوا اور وہاں سے اپنی قوم کے پاس جواہر ایمان وایقان لایا تھا۔ وہی بریدہ بن الحصیب اسلمی جو قریش سے سو شتر سرخ کے انعام کا

[1] غیر ملکی مجرموں کو ملکی مجاز لوگوں کے حوالے کرنا۔

وعدہ لے کر آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کے لیے ستر سواروں کا دستہ لے گیا تھا، چند گھنٹے کے بعد نبی ﷺ کا علم بردار بن گیا۔ الغرض ایسی مثالوں کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

معجزات مادی و معجزات علمی

یہ سب کرشمے اس پاک تعلیم کے تھے جو آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتی جاتی تھی۔ اکثر انبیا علیہم السلام نے معجزے دکھائے۔ لاٹھی، سانپ، پتھر، دریا، آگ کی قلبِ ماہیت یا سلب خاصیت کا نظارہ دیکھنے والوں کو نظر آیا۔

لیکن نبی ﷺ (فداہ ابی وامی) نے عظیم الشان معجزہ دکھایا کہ دلوں کو بدل دیا اور روح کو پاکیزہ بنا دیا۔ انسان اور لاٹھی، انسان اور سانپ، انسان اور پتھر میں جتنا تفاوت ہے۔ وہی تفاوت اس معجزہ اور دیگر معجزات میں بھی ہے۔

اور یہی وہ چیز ہے جو آج تک ان سب دماغوں کی حیرت و محویت کا موجب ثابت ہوئی ہے جنہوں نے نبی ﷺ کے متعلق (باوجود مخالفت مذہب) کچھ کہنا یا کچھ لکھنا چاہا ہے۔

کاش! مسلمان اس پاکیزہ تعلیم کی قدر کریں، کاش! وہ نبی ﷺ کے پاک مقصد سے آگاہی حاصل کریں، کاش! وہ اسلام کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھیں، کاش! وہ اسلام کی بقا کو اپنی جانوں، اپنے بچوں، اپنے باپ، پیر، بزرگوں کی حیات و بقا سے زیادہ ضروری سمجھنے لگیں۔

ناظرین! نبی ﷺ کی سیرت میں یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس سے ہر طبقہ کا شخص ہدایت پا سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ دنیا کی ہوا میں سانس لینے سے پیشتر یتیم ہو چکے تھے، اس لیے مسکینی اور غربت ایسے اوصاف ہیں، جو حضور ﷺ کے ''توام'' ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کی خصوصیات اور زندگی کے گوناگوں حالات

عمر کے ابتدائی سال دیہاتی زندگی میں بسر ہوئے تھے۔ اس لیے سادگی و بے تکلفی نے حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ نشوونما پائی تھی۔ لڑکپن کا زمانہ ایسے وقت میں کٹا تھا، جب کہ قوم حرب الفجار وغیرہ لڑائیوں میں مصروف تھی۔ اس لیے امن بسیط اور ہمدردی عامہ کی قدر و منزلت شروع ہی سے حضور ﷺ کے خاطر نشین تھی۔

۲۵ سال کی عمر تک حضور ﷺ نے شادی نہیں کی، تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوانِ شباب کا عالم تھا، کمال عفت و عصمت، شرم و حیا سے بسر ہوا۔ دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے، کہ حضور ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر باشرم و باحیا تھے۔ [1]

آنحضرت ﷺ نے معاش کے لیے تجارت کو پسند فرمایا تھا۔ اور اس طرح ان بلند حوصلہ لوگوں کے لیے جو ثبات و استقلال، معاملہ فہمی و ضرورت شناسی، حلم و بردباری سے متصف ہوں، ہدایت فرمائی کہ تجارت سے بہتر اور کوئی معاش نہیں۔

مردانہ جمال میں کمال حسین، حسب و نسب میں عالی خاندان ہونے پر بھی ایک بیوہ عورت سے جو عمر میں حضور ﷺ سے پندرہ سال زیادہ تھی۔ پہلا نکاح کیا اور اس سے عقدِ بیوگان کی ضرورت اور عظمت پر نہایت شاندار نمونہ قائم فرمایا نیز واضح کر دیا کہ متاہل زندگی میں بھی ہم کیونکر شہوانی خیالات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ حدیث: ۳۵٦۲۔

یہ بیوی نہایت متموّل تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنی قانعانہ قابلیت اور زاہدانہ سیرت کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنی بیوی یا اپنے خاندان کی مالی امداد سے ہمیشہ مستغنی ثابت کیا اور اس طرح ''اپنی مدد آپ'' کرنے والوں کیلیے سرِ راہ ایک مشعل روشن فرمائی۔

آنحضرت ﷺ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی صادقانہ و ہمدردانہ زندگی کا اثر خونخوار عرب پر پھیلا دیا تھا اور سب کے دلوں میں اپنے لیے عزت ومحبت کے ساتھ جگہ بنالی تھی اور اس طرح پر راست بازوں کے لیے ایک درخشندہ مثال قائم فرمادی کہ کیونکر نیکی اور صداقت کی طاقت، ظلم اور جہالت کو مغلوب کرسکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تعاون وتمدن کی برکات اور طاقت کو سمجھا اور حلف الفضول کے قائم کرنے سے قیام امن اور حفاظت نوعِ انسانی کی جدید سڑک تیار کردی اور ان منتظمین کو جو سچے دل سے کسی ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اسی ملک کے باشندوں کو شریکِ انتظام کرلینے کے زریں اصول کا سبق دیا۔

حجرِ اسود کے نصب کرنے میں آنحضرت ﷺ نے بتادیا کہ جب مختلف اغراض اور مختلف مقاصد کے لوگ ایک جگہ فراہم ہو جائیں تو ان کو کیونکر مرکزِ واحد پر لاسکتے ہیں، نیز ثابت فرمادیا کہ خدشہ جنگ کے ٹال دینے اور امن کو مستحکم رکھنے کے لیے جنگی طاقت کی نہیں بلکہ اعلیٰ دماغی قابلیت کی ضرورت ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت کی مجموعی شان

- آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جملہ انبیا کی شان نظر آتی ہے۔
- آپ ﷺ مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے گئے اور ستائے گئے، پھر بھی صابر وشاکر ہی پائے گئے۔
- آپ ﷺ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرح بیابانوں اور بستیوں میں خدا کی آواز کو پہنچایا۔
- آپ ﷺ نے عیسیٰ رسول اللہ کی طرح خدا کے گھر کی عظمت وحرمت کو از سرِ نو زندہ فرمایا۔
- آپ ﷺ نے ایوب علیہ السلام کی صبر وشکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری کے دن کاٹے۔ لیکن پھر بھی آپ ﷺ کا دل خدا کی شناگزاری سے لبریز اور زبان ستائش گوئی سے زمزمہ سنج رہی۔
- آپ ﷺ نے نوح علیہ السلام کی طرح قوم کے برگشتہ بخت لوگوں کو خفیہ اور علانیہ، خلوت اور جلوت میں، میلوں اور جلسوں، گزرگاہوں اور راہوں پر، پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی، اور لوگوں کو ان کے افعال بد سے نفرت دلائی۔
- آپ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کی، مادرِ وطن کو چھوڑ کر شجرہ طیبہ اسلام کے لگانے کے لیے پاک زمین کی تلاش میں رہ نورد ہوئے۔
- آپ شبِ ہجرت کو داؤد علیہ السلام کی طرح دشمنوں کے نرغہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔
- اور یونس علیہ السلام کی طرح (جنہوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینویٰ میں اپنی منادی کو جاری کیا تھا) غارِ ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔
- آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح (جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کی غلامی سے آزاد کرایا تھا) شمالی عرب کو شاہ

قسطنطنیہ کی بند ملوکیت سے اور شرقی عرب کو کسرائے ایران کے حلقہ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہِ حبش کے طوقِ بندگی سے نجات دلائی۔

❁ آپ ﷺ نے سلیمان علیہ السلام کی طرح مدینہ میں خدا کے لیے ایک گھر بنایا، جو ہمیشہ کے لیے خدا کی یاد کرنے والوں سے معمور اور ضیائے توحید سے پُرنور رہا ہے، جسے کوئی بخت نصر جیسا ''سیاہ بخت'' ویران نہ کر سکا۔

❁ آپ ﷺ نے یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے ایذا رساں وستم پیشہ برادرانِ مکہ کے لیے نجد سے (بتوسط ثمامہ بن اثال) غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ کے دن ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ ❶ کا مژدہ سنا کر ''أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ'' ❷ کے فرمودہ سے انہیں پابندِ منت واحسان بنایا۔

وقت واحد میں آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحبِ حکومت تھے اور ہارون علیہ السلام کی طرح صاحبِ امامت بھی۔

ذات مبارک ﷺ میں نوح علیہ السلام کی سی گرمی، ابراہیم علیہ السلام جیسی نرم دلی، یوسف علیہ السلام کی سی درگزر، داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات، یعقوب علیہ السلام کا سا صبر، سلیمان علیہ السلام کی سی سطوت، عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری، یحییٰ علیہ السلام کا سا زہد، اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روحی کامل ظہور بخش تھی۔

اے کہ برتختِ سیادت زازل جا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

خورشیدِ رسالت میں اگرچہ تمام مقدس رنگ موجود تھے۔ لیکن ''رحمۃ للعالمین'' کا وہ نور تھا، جس نے تمام رنگتوں کو اپنے اندر لے کر دنیا کو ایک برگزیدہ وچیدہ (بیضا ونقیہ) روشنی سے منور کر دیا ہے۔ ذرۂ بے مقدار کو کیا تاب کہ خورشید عالم افروز کی جلوہ نمائی میں آئینہ داری کرے، اس لیے سادہ ومختصر حالات پیش کرتا ہوں۔ خداوند کریم میری حسنِ نیت پر نظر فرما کر میرے زلات کو عفو فرمائے اور برادرانِ اسلام میری کم بضاعت کو ملحوظ رکھ کر تقصیرِ خدمت کو معاف فرمائیں۔

خاکسار
محمد سلیمان

---

❶ ۱۲/ یوسف: ۹۲۔ ❷ طبری: ۲/ ۱۶۱۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ط

سیدنا محمد ﷺ [1] بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی، ہمارے نبی ہیں۔ دادا نے آنحضرت کا نام محمد (ﷺ) اور ماں نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پا کر احمد [2] رکھا تھا۔ [3] نبی ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام [4] (خلیل الرحمٰن و ابو الانبیاء) کی اولاد سے ہیں، جو ہاجرہ بی بی کے بطن سے ہوئی۔ ہاجرہ بادشاہِ مصر ''رقیون'' کی بیٹی تھی۔ خدا کے ہاں ان کا درجہ ایسا تھا کہ خدا کے فرشتے ان کے سامنے آیا کرتے اور خدا کے پیغام پہنچایا کرتے تھے۔ [5] ہاجرہ بی بی کے فرزند کا نام اسمٰعیل علیہ السلام ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے ہیں۔ باپ نے ان کو وادی میں اس جگہ آباد کیا تھا جہاں اب مکہ معظمہ ہے۔ خدا نے اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے زمزم کا چشمہ ظاہر کیا تھا۔ [6]

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو خدا نے بارہ بیٹے دیئے تھے۔ ان میں قیدار بہت مشہور ہیں، تورات میں ان کا ذکر بکثرت آیا ہے۔ [7] قیدار کی اولاد میں عدنان اور عدنان کی اولاد میں قصی بہت مشہور ہیں۔ جو چار واسطے سے نبی ﷺ کے دادا ہیں۔

نبی ﷺ کی ماں کا نام آمنہ ہے جو وہب کی بیٹی ہیں۔ وہب قبیلہ بنو زہرہ کا سردار تھا، ان کا سلسلہ نسب فہر (الملقب بہ قریش) کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ ددھیال اور ننھیال میں عرب کے بہترین قبیلہ، بہترین قوم اور شاخ میں سے ہیں۔

---

[1] لفظ محمد، حمد سے اسم مفعول ہے۔ یعنی مضاعف سے مبالغہ کے لیے ہے اور احمد بھی حمد سے واقع علی المفعول ہے۔ اسم محمد ﷺ سے حمد کی کثرت وکمیت اور اسم احمد سے صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ　　　فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

(خدا نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو، رب العرش تو محمود ہے اور آنحضرت محمد ﷺ ہیں) واضح ہو کہ نبی ﷺ کو حمد سے خاص مناسبت ہے، حضور کا نام محمد و احمد ہے اور حضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام محمود ہے۔ امت محمدیہ کا نام حمادون ہے اور آنحضرت کے لواء کا نام لواء حمد ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِیْرًا۔

[2] حدیث میں ہے کہ زمین پر میرا نام محمد ﷺ اور آسمان پر احمد ہے۔ توریت میں اسم مبارک محمد ﷺ اور انجیل میں احمد ﷺ ہے۔ (الریاض الانیقۃ للسیوطی، ص ۵۸، ۲۵۹)

[3] سیدہ آمنہ بی بی کو نام رکھنے کی بشارت فرشتے کی معرفت ایسے ہی ملی تھی۔ جیسے کہ فرشتے کی بشارت سے ہاجرہ بی بی نے اسمٰعیل کا نام (پیدائش ۱۶/۱۱) اور مریم نے یسوع کا نام (لوقا باب ۱، ۳۰ درس) رکھا تھا۔

[4] حضرت ابراہیم کا نام شروع میں ابرام تھا، خدا نے ابراہیم رکھا۔ اس کا معنی ''قوموں کا باپ'' ہیں (پیدائش ۱۷ باب ۵ درس) بنی اسمٰعیل و بنی اسرائیل و بنو عیصو و بنی قیطورہ انہی کی اولاد ہیں۔ پادری صاحبان جو صرف بنی اسرائیل کا نام ہی زبان پر رکھتے ہیں وہ غور کریں کہ ان کے قول کے مطابق حضرت ابراہیم قوموں کا باپ کیونکر ثابت ہوئے۔

[5] کتاب پیدائش ۱۶/ ۷ تا ۱۱ و ۲۱/ ۱۷۔

[6] زبور ۸۴ باب ۴۔ ۵۔ ۶ درس و پیدائش ۲۰/ ۱۹؛ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب یزفون حدیث: ۳۳۶۵۔

[7] یسعیاہ ۱/ ۱۶، زبور ۱۲۰/ ۵، یسعیاہ ۶۰/ ۷، یرمیاہ ۴۹/ ۲۸ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے نبی ﷺ موسم بہار ❶ میں دوشنبہ (پیر) ❷ کے دن ۹ ربیع الاول ❸ ۱ ھ عام الفیل ❹ مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء ❺ مطابق یکم جیٹھ ❻ ۶۲۸ بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق ❼ وقبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بچے تھے۔ ❽ والد بزرگوار کا آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے دادا نے خود بھی یتیمی کا زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ اپنے چوبیس ۲۴ سالہ نوجوان پیارے فرزند عبداللہ کی اس یادگار کے پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی گھر میں آئے اور بچے کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے۔ ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔ دعوت کھا کر لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے بچے کا نام کیا رکھا، عبدالمطلب نے کہا ''محمد'' ﷺ

''محمد'' ﷺ نام رکھا گیا، قوم نے اس نام پر تعجب کیا

لوگوں نے تعجب سے پوچھا، کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروّجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور تعریف کا شایان قرار پائے۔ ❾

شرفائے مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جب کہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے۔ دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے۔

---

❶ حضرت یحییٰ وحضرت داؤد علیہ السلام کی ولادت بھی فصل بہار میں ہوئی تھی۔ فَوَجْهِي وَالزَّمَانُ وَشَهْرُ وَضْعِي رَبِيعٌ فِي رَبِيعٍ فِي رَبِيعٍ

❷ نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں دوشنبہ کا دن خصوصیت رکھتا ہے۔ ولادت، نبوت، ہجرت، وفات، سب اسی دن ہوئی ہیں۔ اس سے مختلف تاریخوں کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ❸ تاریخ ولادت میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ طبری ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ۱/۴۵۳ وابن خلدون نے ۱۲ تاریخ اور ابوالفداء نے ۱۰ لکھی ہے، مگر سب کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن تھا۔ چونکہ دوشنبہ کا دن ۹ ربیع الاول کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا، اس لیے ۹ ربیع الاول ہی صحیح ہے تاریخ دول العرب والاسلام میں محمد طلعت عرب بک نے بھی ۹ تاریخ ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ واقعہ عام الفیل سے ۵۵ یوم بعد۔

❺ ۲۲ اپریل گریگورین رول کے مطابق ہے جس پر ستمبر ۱۷۵۲ء سے انگریزی تقویم کا حساب شروع ہوا ہے لیکن قاعدہ قدیم کے مطابق ۹ ربیع الاول مطابق ۱۹ اپریل ۵۸۱ء جولین کے تھی اور گریگورین نے اس ۱۹ کو ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروئے حساب قدیم قرار دیا فقط۔

❻ واضح ہو کہ شمسی سال کی صحیح مقدار ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہے، مگر سمت پروشٹھ کے جاری کرنے والوں نے ۲۳ منٹ ۲۳ سیکنڈ کی مقدار اس سے زیادہ تجویز کی۔ اس زیادتی کی وجہ سے سمت پروشٹھ سنہ عیسوی کے مقابلہ میں ۲۳ منٹ ۲۳ سیکنڈ کی تاخیر سے شروع ہوتا ہے۔ سمت پروشٹھ ۱ھ کا آغاز یوم یکشنبہ (مطابق ۱۴ مارچ ۵۶ق م جولین) ہوا تھا، یعنی اعتدال ربیعی سے ۹ یوم پہلے۔ مگر سمت ۶۲۸ پروشٹھ کا آغاز ۲۲ مارچ ۵۷۱ء کو ہوا تھا، یعنی اعتدال ربیعی سے ایک یوم بعد اور ہمارے زمانہ میں سمت ۱۹۷۲ پروشٹھ ۱۳ اپریل ۱۹۱۵ء کو شروع ہوا ہے یعنی اعتدال ربیعی سے ۲۳ یوم بعد۔ آئندہ بھی سمت پروشٹھ میں اسی تناسب سے یہ فرق بڑھتا رہے گا یعنی ۲/۱/۶۱ سال کے بعد سمت کا شروع ایک دن مؤخر ہوتا رہے گا۔ غرض سمت پروشٹھ میں جو غلطی متعلق مقدار سال شمسی کے ابتدائے قائمی سمت مذکور سے موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سمت ۶۲۸ پروشٹھ کا یکم جیٹھ بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء تھا۔ اور سمت ۱۹۷۲ پروشٹھ کا یکم جیٹھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۱۵ء کے ہے۔ ❼ یوم ولادت باسعادت کو مکہ معظمہ میں صبح صادق کا طلوع ۴ بج کر ۲۰ منٹ (دھوپ گھڑی کے حساب سے) یا ۹ بج کر ۵۷ منٹ (حساب مروجہ حال عرب سے) ہوا تھا اور آفتاب اس وقت برج حمل سے ۳۱ درجہ ۲۰ دقیقے پر تھا اور تاریخ یکم جیٹھ کے شروع ہونے پر ۱۳ گھنٹے ۱۲ منٹ گزر چکے تھے۔

❽ یسعیاہ ۹/۶ میں ہے ''ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا'' یہ بشارت نبی ﷺ کی بابت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ انجیل متی سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کی اور بھی بہنیں اور بھائی تھے اور وہ مریم علیہا السلام کے اکلوتے بچے نہ تھے۔ ❾ ابوالفدا ۱/ص ۱۱۰، نیز یسعیاہ ۹/۶ ''وہ اس نام سے کہلاتا ہے عجیب۔''

ایام رضاعت

اسی دستور کے موافق آنحضرت ﷺ کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ہر چھٹے مہینے لا کر ان کی والدہ اور دیگر اقرباء کو دکھلا جاتی تھیں، دو برس کے بعد آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ مائی حلیمہ آپ کو لے کر حضرت آمنہ کے پاس آئیں، حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ (وہاں کی آب و ہوا حضور ﷺ کے خوب موافق تھی) شاید مکہ کی آب و ہوا موافق نہ ہو، پھر مائی حلیمہ ہی کے سپرد کر دیا۔

والدہ مکرمہ کا انتقال

جب آنحضرت ﷺ کی عمر چار برس کی ہوئی، تو والدہ مکرمہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کی عمر چھ برس کی ہوئی، تو والدہ کا انتقال ہو گیا اور دادا نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لی۔ ❶

جب آنحضرت ﷺ کی عمر آٹھ برس ۱۰ دن کی ہوئی، تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ابو طالب کی تربیت

ابو طالب آنحضرت ﷺ کے چچا تھے اور آپ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی، اب وہ آنحضرت ﷺ کی نگرانی اور تربیت کے ذمہ دار بنے۔ ❷

بحیرہ راہب کی ملاقات

اکثر کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بارہ سال کے ہوئے تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ جبکہ وہ تجارتِ شام کو جاتے تھے، سفر میں گئے۔

بصریٰ میں بحیرہ راہب نے آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا کہ نبی موعود یہی نوجوان ہے۔ چچا سے کہا کہ اسے یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ۔ وہ اسے پہچان کر کہیں گزند نہ پہنچائیں، شفیق چچا نے آنحضرت ﷺ کو بصریٰ ہی سے واپس کر دیا۔ ❸

۱:۔ اس بارہ میں جو حدیث ❹ ترمذی وغیرہ میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ چچا نے واپس کرتے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ بلال کو بھیجا تھا۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صریح غلطی ہے۔ اول: تو اس وقت بلال رضی اللہ عنہ نہ ابو طالب کے پاس تھا، نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان دِنوں موجود ہی نہ ہو۔ ❺

۲:۔ قرآن مجید کی آیت ﴿ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ﴾ [۲/البقرۃ:۸۹] ❻

---

❶ ماخوذ از خطبات احمدیہ، ص: ۴۳۱، ۴۳۲ (مصنفہ سر سید احمد خان المتوفی ۱۳۱۵ھ و زاد المعاد)

❷ زاد المعاد، امام ابن قیمؒ ص: ۷۶، ج۱، فصل فی نسبہ۔ ❸ پادری صاحبان نے اتنی بات پر کہ "بحیرہ نصرانی ملا تھا" یہ شاخ و برگ اور بھی لگا دیے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد جو تعلیم آنحضرت ﷺ نے ظاہر کی تھی، وہ اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت ﷺ نے تثلیث اور کفارہ کا رد، مسیح علیہ السلام کے صلیب پر جان دینے کا بطلان، اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا۔ تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے۔ (محمد سلیمان)

❹ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی بدء نبوۃ النبی ﷺ، حدیث: ۳۶۲۰۔

❺ زاد المعاد: ۱/ ۷۷، فصل فی نسبه مصنفه: علامه ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳ رجب ۷۵۱ھ)۔

❻ "یہ لوگ نبی کے آنے سے پیشتر کافروں پر فتح اس کے ذریعہ پانے کی آرزو میں رہا کرتے، جب نبی ظاہر ہوا اور انہوں نے پہچان بھی لیا تب اس سے منکر ہو بیٹھے۔"

سے ثابت ہے کہ یہودی رسول موعود کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے آنے پر یہودیوں کو کافروں پر فتح ونصرت ہوگی۔ یہ اعتقاد ان کا اس وقت تک رہا، جب تک کہ حضور ﷺ کی بعثت نہ ہوئی، اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بحیرہ راہب کا قول غلط تھا، کیونکہ اگر یہودی اس لڑکپن میں آنحضرت ﷺ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضور ﷺ کو اپنی فتح ونصرت کا دیوتا سمجھ کر نہایت خدمت گزاری کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ''راہب کی داستان'' ناقابلِ اعتبار ہے۔

تجارت کا خیال

جب نبی ﷺ جوان ہوئے۔ تو آپ کا خیال پہلے تجارت کی طرف ہوا، مگر گھر کا روپیہ پاس نہ تھا۔ مکہ میں نہایت شریف خاندان کی ایک بیوہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھی۔ وہ بہت مالدار تھی، اپنا روپیہ تجارت میں لگائے رکھتی تھی۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ کی سچائی، دیانت داری، سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے خود درخواست کر دی کہ اس کے روپے سے تجارت کریں۔ آنحضرت ﷺ اس کا مال لے کر تجارت کو گئے۔ اس تجارت میں بہت نفع ہوا۔

اس سفر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی ان تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا، جو سفر میں خود دیکھی تھیں۔ ان اوصاف کو سن کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حالانکہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست نکاح کو رد کر چکی تھی۔

نکاح

جب یہ نکاح ہوا۔ تو آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور خدیجہ بی بی کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں وہ ۲۵ سال تک زندہ رہیں۔ آنحضرت ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی اکثر ان کا محبت سے ذکر کیا کرتے اور ان کی سہیلیوں سے بھی عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ اس شادی کے بعد آنحضرت ﷺ کا تمام وقت خدا کی عبادت اور بنی آدم کی بہبود وخیر اندیشی میں پورا ہوا کرتا تھا۔

قیام امن ونگرانی حقوق کی انجمن کا انعقاد

انہی دنوں میں آنحضرت ﷺ نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو ملک کی بے امنی، راستوں کا خطرناک ہونا، مسافروں کا لٹنا، غریبوں پر زبردستوں کا ظلم بیان کر کے ان سب باتوں کی اصلاح پر توجہ دلائی۔ آخر ایک انجمن قائم ہوگئی، جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم شامل تھے۔

اس انجمن کے ممبر مندرجہ ذیل عہد واقرار کیا کرتے تھے۔

(۱) ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

(۲) ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

(۳) ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

(۴) ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔ ❶

اس تدبیر سے بنی آدم کے جان و مال کی بہت کچھ حفاظت ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ اپنے نبوت کے زمانے میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کے لیے بلائے۔ تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کو تیار پایا جاؤں گا۔

ملک کی طرف سے ''صادق'' و ''امین'' کا نام آنحضرت ﷺ کو ملنا

ایسے ہی نیک کاموں کی وجہ سے ان دنوں میں لوگوں کے دلوں پر آنحضرت ﷺ کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے۔ بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر پکارتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۵ سال کی تھی، جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو (جس کی دیواریں سیلاب کے صدمے سے پھٹ گئی تھیں) از سر نو تیار کیا۔ ❷

عمارت کے بنانے میں تو سب ہی شامل تھے۔ مگر جب حجرِ اسود ❸ کے قائم کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا۔ کیونکہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ کام اسی کے ہاتھ سے سرانجام پائے، چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے بڑھ کر بڑی عمر کا تھا، یہ رائے دی کہ کسی کو حکم بنا کر اس کے فیصلے پر عمل کریں۔

آنحضرت ﷺ کا جملہ قبائل کی طرف سے حکم مقرر ہونا

اس رائے کو مانا گیا اور قرار دیا گیا کہ جو کوئی اب سب سے پہلے حرم میں آئے گا۔ وہی سب کا حکم سمجھا جائے گا۔ اتفاقاً آنحضرت تشریف لے آئے، آنحضرت کو دیکھنا تھا کہ "هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ" کے نعرے لگ گئے۔ ❹ (امین آ گیا، ہم اس کے فیصلے پر

---

❶ انگلستان میں نائٹ ہڈ کا آرڈر جس کے ممبر قریباً یہی اقرار کیا کرتے تھے، اس انجمن سے کئی صدیوں کے بعد قائم ہوا تھا۔

❷ کعبہ کی اول تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مع حضرت اسمٰعیل کے کی تھی۔ پھر بنی جرہم، بنو عمالقہ، قصی اور قریش نے اس کی تجدید کی تھی۔ تجدید عمارت کی ضرورت مرور زمانہ کے اثر یا صدمہ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی تھی۔ کسی غیر قوم کے قبضہ کر کے گرا دینے، منہدم کرنے کا واقعہ اس عمارتِ کعبہ کے ساتھ پانچ ہزار سال سے نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ ہیکل یروشلم کے ساتھ بارہا ایسے واقعات پیاپی اور متعدد بار ہوتے رہے اور یہ ایسا شرف ہے کہ دنیا کے کسی عبادت خانہ کو حاصل نہیں۔

❸ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں جس جگہ کو عبادت گاہ مقرر کرتے وہاں ایک لمبا ان گھڑا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے تھے۔ جیسے اب بھی مسلمان کھلی جگہ میں نماز پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی وغیرہ گاڑ لیا کرتے ہیں جسے ''سترہ'' کہتے ہیں، اس کا ثبوت کتاب پیدائش باب ۱۲، درس ۷، ۸۔ باب ۱۳ اور درس ۱۸۔ باب ۲۶ درس ۲۵ و باب ۲۸ درس ۱۸، ۱۹، ۲۲ و کتاب خروج باب ۲۵ و ۲۴ درس ۴ سے بخوبی ملتا ہے۔ حجر اسود بھی اسی قسم کا پتھر ہے اور یہ بھی ایک شہادت اس امر کی ہے کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے۔ اب کونے میں لگا دینے کے بعد یہ اتنا کام دیتا ہے کہ طواف کا شروع اور ختم اس جگہ پر جاتا ہے۔ مسلمانوں میں جو درجہ اس کا ہے وہ اس کے نام حجرِ اسود (کالا پتھر) سے ظاہر ہے۔ ایک دفعہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سنانے کے لیے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ''تو ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نفع نہ ضرر دے سکتا ہے۔'' (بخاري، عن عابس بن ربيعه، كتاب الحج، باب ما ذكر في الحجر الاسود، حديث: ١٥٩٧)

❹ ہم لکھ چکے ہیں کہ نبی ﷺ کو عرب کے لوگ نبوت سے پہلے صادق اور امین کہہ کر بلایا کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے ''الامین'' ہی حضور ﷺ کو کہا ہے۔ اب پہلے نبیوں کے پاک نوشتہ سے اس نام کی تصدیق ہوتی ہے۔ بائبل کے سب سے آخر میں مکاشفات یوحنا کی کتاب ہے۔ اس کتاب کے شروع میں یہ درس ہے۔ ''یسوع مسیح کا مکاشفہ، جو خدا نے اسے دیا تا کہ اپنے بندوں کو وے وہ باتیں جن کا جلد ہونا ضرور ہے دکھا دے۔'' اور اس سے یہ ثابت ہے کہ مکاشفات میں ان باتوں کا ذکر ہے جو یوحنا کے بعد دنیا میں ہونے والی تھیں، یہ بھی یاد رہے کہ سینٹ یوحنا حضرت مسیح علیہ السلام کا حواری ہے، جس نے یہ مکاشفہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دنیا سے جانے کے بعد دیکھا تھا۔ یوحنا کہتا ہے۔ ''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❁❁)

سب رضا مند ہیں)۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک چادر بچھائی، اس پر پتھر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا، پھر ہر ایک قبیلے کے سردار کو کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں۔ اسی طرح اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر اسے اٹھا کر کونے پر اور طواف کے سرے پر لگا دیا۔

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تدبیر سے ایک خونخوار جنگ کا انسداد کر دیا۔ ورنہ اس وقت کے اہل عرب میں ریوڑ کے پانی پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے، اشعار میں ایک قوم سے دوسری قوم کو اچھا بتانے جیسی ذرا ذرا سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی۔ کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔

(❁❁ گزشتہ سے پیوستہ) (الف) ایک نقرئی گھوڑا اور اس کا سوار (ب) امانتدار اور سچا کہلاتا ہے (ج) اور وہ راستی سے عدالت کرتا ہے (د) اور لڑتا ہے۔۱۲ (ہ) اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند (و) اور اس کے سر پر بہت سے تاج (ز) اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا کسی نے نہ جانا ۱۳ (ح) اور خون میں ڈوبا ہوا لباس وہ پہنے تھا۔ (ط) اور اس کا نام کلام خدا ہے ۱۴ (ی) اور وہ فوجیں جو آسمان میں ہیں صاف اور سفید اور کتانی لباس پہنے ہوئے نقرئی گھوڑوں پر سوار اسکے پیچھے ہولیں ۱۵ (ک) اور اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے کہ وہ اس سے قوموں کو مارے۔ (ل) اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکمرانی کرے گا۔ (م) اور وہ خود قادر مطلق خدا کے قہر و غضب کو لہو میں روندتا ہے ۱۶ (ن) اس کے لباس اور اس کی ران پر یہ نام لکھا ہے "بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند (مکاشفہ باب ۱۹)

اب میں نہایت اختصار سے اس کی شرح کر دینا چاہتا ہوں۔

(الف) نقرئی گھوڑے اور اس کے سوار کا ذکر مکاشفہ ۶۔۲ میں بھی ان الفاظ سے ہے۔۲۔ دیکھو ایک نقرئی گھوڑا اور وہ جو اس پر سوار تھا۔ کمان لیے ہے اور ایک تاج اسے دیا گیا اور وہ فتح کرتا ہوا اور فتح مند ہونے کو نکلا۔ مکاشفہ ۱۹۔۱۱ میں نقرئی گھوڑے کے سوار کے نام کی اور مکاشفہ ۶۔۲ میں اس کے صاحب کمان اور صاحب فتح ہونے کی علامت بیان کی گئی ہے، اور یہ علامات آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آتی ہیں۔

۱:۔ نبی ﷺ کی سواری میں بھی نقرئی گھوڑا تھا جسکا نام بحر تھا۔ (دیکھو، کتاب سفر السعادت)

۲:۔ آنحضرت ﷺ عربی کمان کو ہاتھ میں رکھتے، بسا اوقات خطبہ کے وقت بھی کمان ہاتھ میں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمان چلانے کی تاکید فرماتے۔ حدیث میں ہے:

((اِرْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا)) (بنی اسماعیل تیر چلاؤ تمہارے باپ تیر انداز تھے)

(بخاری، کتاب الجهاد، باب التحريض على الرمي، حديث: ۲۸۹۹)

۳:۔ آنحضرت ﷺ کے لیے فتح مبین ہونے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ جس کام کے لیے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ اسے بدرجہ کمال تک پہنچا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ کلیم اللہ اپنی امت کو وعدہ کی زمین میں پہنچانے سے پہلے اور مسیح علیہ السلام روح اللہ اپنی بہت سی باتیں بتلانے سے پہلے دنیا سے الگ ہو گئے اور نبی ﷺ تمام و کمال کا اعلان دے کر یہاں سے رخصت ہوئے۔ تو حضور ﷺ کی فتح مبین میں اور فتح مند ہونے میں کچھ شک نہیں رہ جاتا۔

(ب) "امانت دار اور سچا کہلاتا ہے۔" امانت دار (امین)

سچا (صادق) کا ترجمہ ہے، کہلاتا ہے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اسی نام سے بلایا کریں گے اور یہی معاملہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوتا رہا۔

(ج) "وہ راستی سے عدالت کرتا۔" "یسعیاہ۔" ۱۱ باب میں بھی ہے۔۴۔ وہ راستی سے مسکینوں کا انصاف کرے گا اور انصاف سے زمین کے خاکساروں کے لیے انفصال کرے گا۔ یوحنا نے اسی کو دوہرا کر بتلا دیا کہ اس کا تعلق زمانہ مابعد مسیح علیہ السلام سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷)

(د) "اور لڑتا ہے۔" راستی کے ساتھ لڑنے کی صفت بھی بتلائی گئی تاکہ کوئی پادری غلطی سے اس مکاشفہ کو کسی اور پر چسپاں نہ کرے۔ کیونکہ اس سوار کے لیے مجاہد غازی ہونا ضروری ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❁❁)

(۞۞ گزشتہ سے پیوستہ) (ھ) ''اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند'' نبی ﷺ کے حلیہ میں جو تمام پاک نوشتوں میں ہے۔آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں سرخی کا ہونا ضرور درج ہے۔ چنانچہ ایسا ہی تھا کہ مردمک انور کے گرداگرد سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔

(و) ''اس کے سر پر بہت سے تاج'' انبیاء کے پاک گروہ کو دیکھو، کوئی واعظ ہے (سلیمان علیہ السلام) کوئی مبشر ہے (عیسیٰ علیہ السلام) کوئی منذر ہے (نوح علیہ السلام) کوئی منجی ہے (موسیٰ علیہ السلام) کوئی مناظر ہے (ابراہیم علیہ السلام) کوئی مجاہد ہے (داؤد علیہ السلام) لیکن نبی ﷺ میں جملہ صفات، جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ اسی لیے اللہ پاک فرماتا ہے ﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۴۵۔۴۶)

(اے نبی ﷺ! ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور روشن کردینے والا سراج بنا کر بھیجا ہے۔ سر پر بہت سے تاج ہونے کے معنی یہی ہیں کہ وہ جامع صفات انبیاء (سے متصف) ہیں۔)

(ز) ''اس کا ایک نام لکھا ہے جسے اس کے سوا کسی نے نہ جانا۔'' آنحضرت ﷺ کا اسم پاک احمد ﷺ و محمد ﷺ وہ ہے جو پہلے کسی کا نام نہیں ہوا۔ مسیح علیہ السلام اور یسوع تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بیسیوں ہوئے۔

(ح) ''خون میں ڈوبا ہوا لباس وہ پہنے تھا۔'' نبی ﷺ کے ساتھ طائف میں منادی کرنے کے وقت ایسا ہی گزرا، کہ تمام جسم مبارک پتھر کھاتے کھاتے لہولہان ہو گیا تھا اور لباس خون میں تر..... جسم کا خون بہہ بہہ کر ایسا جم گیا کہ وضو کے لیے جوتا اتارنا مشکل ہو گیا تھا اور چونکہ اس سفر میں آنحضرت ﷺ تنہا تھے اس لیے یسعیاہ ۱۔۲۔۳/ ۶۳ بھی آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آتا ہے۔

(ط) ''کلام خدا'' نبی ﷺ کی یہ علامت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سب سے آخری وعظ (کتاب ۵ باب ۳۱) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آخری وعظ (یوحنا ۱۶/ ۱۳) میں خصوصیت سے بیان کی تھی۔ اب یوحنا حواری نے بھی بیان کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ یوحنا کے مکاشفہ تک کلام خدا والی علامت کا پورا ہونا باقی تھا۔

پس یہ قرآن ہی ہے جس کی بابت خدا خود فرماتا ہے: ﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ ﴾ (۵۳/ النجم: ۲۔۳) (نبی ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتا یہ تو وہ کلام خدا ہے جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔)

(ی) فرشتوں کا اور ملکوتی طاقتوں کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہونا قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ۝ ﴾ (۶۶/ التحریم: ۴) (یعنی فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔)

فرشتوں کے صاف سفید کپڑے نبی ﷺ کے اتباع میں ہیں۔ نبی ﷺ کو سفید لباس ہی محبوب تھا۔ آپ کے نشان (علم) کا رنگ بھی سفید تھا۔ امتناع جنگ اور قیام صلح کے لیے بھی سفید پھریرا ہی اڑایا کرتے تھے۔

(ک) ''اس کے منہ سے تیز تلوار نکلتی ہے۔'' یہ جہاد ہے اور جن لوگوں پر جہاد کیا گیا ان کا ذکر بھی اسی مکاشفہ ۱۹ باب کے ۱۷ سے ۲۱ تک میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(ل) ''لوہے کے عصا سے حکمرانی کرے گا'' زبور ۲۔۹ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ مکاشفہ میں زبور کے الفاظ دہرانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان الفاظ کا جو کوئی مصداق ہے وہ یوحنا کے بعد آنے والا ہے، پس وہ یقینا محمد ﷺ رسول اللہ ہیں کیونکہ پھر کوئی بھی حضور ﷺ کے سوا وحی، نبوت اور سلطنت محکم کا جامع نہیں ہوا۔

(م) ''وہ قادر مطلق کے قہر کے کولہو میں روندتا ہے۔'' سرکش قبائل کا تباہ و خراب ہونا، قیصر و کسریٰ کو نافرمانیٔ محمد ﷺ کی سزا ملنا، خدا کے قہر سے تھا۔

(ن) ''اس کے لباس و ران پر بادشاہوں کا بادشاہ، خداوندوں کا خدا لکھا ہوگا'' آنحضرت ﷺ کے القاب عالیہ میں سے امام الانبیاء، سید المرسلین ﷺ بھی ہیں اور یہی مراد مکاشفہ کے الفاظ کی ہے۔ (محمد سلیمان)

قرب زمانۂ بعثت

بعثت سے سات برس پہلے ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی۔ ❶ اور آنحضرت ﷺ اس روشنی کے معلوم کرنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔ ❷ اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوتی تھی۔

بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔

غارِ حرا میں عبادتیں کرنا

آنحضرت ﷺ اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کئی کوس پرے (دور) سنسان جگہ کوہ حرا ❸ کے ایک غار میں جس کا طول ۴ گز، عرض پونے دو گز تھا، جا بیٹھتے۔ عبادت کیا کرتے، اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر بھی ❹ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے، شہر میں نہ آیا کرتے۔ ❺

اب آنحضرت ﷺ کو خواب نظر آنے لگے۔ خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے تھے، دن میں ویسا ہی ظہور میں آ جاتا۔ ❻

---

❶ بخاری، مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ❷ سفر السعادت مشرح مطبوعة افضل المطابع كلكته چاپ: ۱۳۵۲ھ ص: ۳۱۔

❸ اب اسے جبل نور کہتے ہیں، مفصل حال ہمارے ''سفرنامہ حجاز'' میں ہے۔ ❹ "سفر السعادت" جمعاً للاقوال۔

❺ بخاری، کتاب التفسیر، سورة اقرأ باسم ربك الذى خلق؛ مسلم كتاب الايمان، باب بدء الوحى الى رسول الله ﷺ، حديث: ۴۰۳۔ ❻ بخاری، كتاب بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى الى رسول الله ﷺ، حديث: ۳؛ مسلم، كتاب الايمان، باب بدء الوحى الى رسول الله ﷺ، حديث: ۴۰۳۔

بعثت ونبوت

جب آنحضرت ﷺ کی عمر چالیس [1] سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو [2] ۹ ربیع الاول ۴۱ میلادی (مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء) کو بروز دوشنبہ ''روح الامین'' خدا کا حکم نبوت لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں تھے۔ روح نے کہا، محمد ﷺ! بشارت قبول فرمائیے آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں [3]

اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔ [4]

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی شہادت آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ اخلاق پر

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا، نہیں آپ کو ڈر کا ہے کا، میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، رانڈوں، یتیموں، بیکسوں کی دستگیری کرتے، مہمان نوازی فرماتے اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں، خدا آپ کو کبھی اندوہ گین نہ فرمائے گا۔ [5]

اب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی۔ اس لیے وہ نبی ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے رشتے کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

اس کتاب کے مقدمے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نجاشی اور قیصر کی کوششوں سے عیسائیت عرب میں آ چکی تھی۔ اس لیے بعثتِ محمدی ﷺ کے قریب عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ جو علمائے یہود و نصاریٰ سے بہت سی معلومات کا استفادہ کر چکے تھے اور دین جاہلیت کو چھوڑ کر یہ خبریں دیا کرتے تھے کہ عنقریب ایک رسول ظاہر ہونے والا ہے جو ابلیس اور اس کے لشکر پر غالب ہوگا۔ ان اشخاص میں عثمان بن حریث، عبید، زید بن عمرو، اور ورقہ بن نوفل کے نام خصوصیت سے مشہور ہیں۔ [6]

زید بن عمرو جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ وہ بزرگوار ہیں جنہوں نے رسولِ موعود کی تلاش میں دور دور کے سفر کیے تھے اور آخر یہ معلوم کر کے کہ وہ مکہ میں پیدا ہوں گے۔ اسی مبارک انتظار میں رہ کر انتقال کر چکے تھے۔

عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کی شہادت آنحضرت ﷺ کی نبوت پر

الغرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر نبی ﷺ نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبریل علیہ السلام کے آنے، بات کرنے کا واقعہ بیان

---

[1] بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، کتاب مناقب الانصار، باب مبعث النبی ﷺ، حدیث: ۳۸۵۱ حضرت موسیٰ کو بھی چالیس سال پورا ہونے پر نبوت ملی تھی۔ (دیکھو کتاب اعمال مشمولہ انجیل) [2] زاد المعاد، ص: ۷۷، ج ۱، فصل فی نسبہ میں ۸ ربیع لکھی ہے۔ دوشنبہ کے دن پر اتفاق ہے۔ چونکہ دوشنبہ کا دن ۹ کو پڑتا ہے اس لیے ۹ ہی صحیح ہے۔ [3] سفر السعادت مشرح، ص: ۳۵۔

[4] اس فقرے سے حضور ﷺ کا مطلب مشکلاتِ نبوت کا بیان تھا۔ بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۳۔ [5] بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۳؛ مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر: ۴۰۳۔ [6] خلاصہ ''تاریخ العرب'' پروفیسر سیڈیو۔

فرمایا۔ ورقہ جھٹ بول اٹھا، یہی ہے وہ ناموس جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب قوم آپ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔ کیا قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بولا: ہاں! اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی، اس سے (شروع میں) عداوت ہی ہوتی رہی ہے۔ کاش! میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور ﷺ کی نمایاں خدمت کروں۔ ❶

ابتدائے نزول قرآن

کچھ دنوں ❷ کے بعد فرشتہ پھر آیا اور نبی ﷺ کو جنہوں نے اب تک لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا، خدا کا وہ پاک نام اور پاک کلام پڑھایا جو سارے علموں کی کنجی اور ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے۔ روح الامین نے ان آیات کو پڑھا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ ﴾ [۹۶/العلق:۱تا۵]

”شروع ہے اللہ کے نام سے جو کمال رحمت اور نہایت رحم والا ہے۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو پانی کے کیڑے سے بنایا (ہاں) پڑھتا چلا جا۔ تیرا پروردگار تو بہت کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی (جس نے) انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔“ ❸

نماز کا آغاز

اس کے بعد ”روح الامین“ نبی ﷺ کو دامن کوہ میں لایا۔ نبی ﷺ کے سامنے خود وضو کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی وضو کیا۔ پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی ”روح الامین“ نے پڑھائی۔

تبلیغ کا آغاز

نبی ﷺ نے گھر پہنچ کر تبلیغ شروع کر دی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا (بیوی) علی (بھائی عمر آٹھ سال) ابوبکر (دوست) زید بن

---

❶ بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۳؛ مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ، حدیث: ۴۰۳؛ عن عائشہ رضی اللہ عنہا مشکوۃ ص: ۵۱۴۔ ورقہ مرحوم اس واقعہ سے چند دنوں بعد ہی فوت ہو گیا تھا۔ وہ نہایت ضعیف اور فاقد البصر ہو گیا تھا۔ بزرگوار ورقہ نے ہجرت کا ذکر یسعیاہ ۴۲ باب میں پڑھا ہوگا۔ ❷ علما کا اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت بماہ ربیع الاول ہوئی، نیز اتفاق ہے کہ ابتدائے وحی ۴۱ ویں سال کے شروع میں ہوئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتدائے وحی بھی بماہ ربیع الاول ہوئی۔ مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قرآن مجید کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ ابتدائے نزول قرآن بماہ رمضان ہے کچھ دنوں سے مراد اس عرصہ کا درمیانی فاصلہ قریباً چھ ماہ ہے جس میں وہ رویائے صادقہ آتے رہے جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ (۲۳ سال عہد نبوت کا چھیالیسواں حصہ = چھ ماہ) تھے۔ امام طبری، ص: ۵۲۸، ج ۱، ذکر الیوم الذی نبی فیہ نے نزول قرآن کی تاریخ ۱۷ یا ۱۸ رمضان روایت کی ہے۔ چونکہ ۱۸ رمضان ۱ نبوت کو یوم جمعہ تھا (بمطابق ۱۷ اگست ۶۱۰ء) اس لیے نزول قرآن مجید شب جمعہ ۱۸ رمضان کو تھا۔ ❸ اس خوبی کو دیکھئے کہ اللہ کا کلام جو انسان کی ہدایت کے لیے اترا۔ انسان کی ابتدائی حالت ہی سے شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے انسان کے لیے تعلیم کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ نبی کو خود خالق نے تعلیم دی ”مَا لَمْ يَعْلَمْ“ سے آنحضرت ﷺ کا ان پڑھ ہونا ظاہر ہے کتاب یسعیاہ ۲۹۔ ۱۲ میں ہے ”ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھئے“ قرآن مجید کے لفظاً و معناً کلام الٰہی ہونے کے لیے دیکھو استثناء ۱۵ تا ۲۰ درس ۱۸ اباب۔

حارث (مولیٰ) رضی اللہ عنہم پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے۔ [1]

ان اشخاص کا ایمان لانا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس ۴۰ سالہ ذراذرا سی حرکات وسکنات تک سے واقف تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی قوی دلیل ہے۔

بلال، عمرو بن عنبسہ و خالد بن سعد بن عاص رضی اللہ عنہم بھی چند روز کے بعد ہی مسلمان ہو گئے۔

''سابقین الاولین'' کے مختصر نام

ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے۔ تجارت کرتے تھے۔ مکہ میں ان کی دکان بزازی کی تھی، لوگوں سے ان کا بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے عثمان غنی، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، سعد بن ابی وقاص مسلمان ہوئے۔ پھر ابوعبیدہ، عامر بن عبداللہ بن الجراح (جن کا لقب بعد میں امین الامۃ ہوا) عبدالاسد بن بلال، عثمان بن مظعون، عامر بن فہیرہ ازدی، ابو حذیفہ بن عتبہ، سائب بن عثمان بن مظعون اور ارقم رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔

عورتوں میں خدیجہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل، اسما بنت عمیس، اسماء بنت ابو بکر، اور فاطمہ رضی اللہ عنہن خواہر (بہن) عمر فاروق نے اسلام قبول کیا۔

پہاڑ کی گھاٹیوں پر نماز

ان دنوں مسلمان پہاڑ کی گھائی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی تین سال تک لوگوں کو چپکے چپکے سمجھایا کرتے تھے اور پتھروں، درختوں، چاند، سورج کی پوجا سے ہٹا کر خدا کی بندگی سکھایا کرتے تھے۔ اب خدا کا حکم پہنچا۔

علانیہ تبلیغ کا حکم

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ [2] وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ ﴾ [3]

''اے درست کرنے والے (عالم کے) اٹھو۔ (گندے اعمال والوں کو) ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بزرگی کو پھیلاؤ اور پاک دامنی اختیار کرو۔ (مخلوق پرستی کی) نجاست سے علیحدگی اختیار کرو۔ احسان اس نیت سے نہ کرو کہ لوگوں سے اس کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ اپنے پروردگار کے لیے (رسالت کرتے ہوئے ہر ایک امتحان اور تکلیف میں) استقلال رکھو۔''

ان آیات سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

---

[1] علما میں اختلاف رہا ہے کہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ میں نے اس بحث کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ بحث ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ہونی چاہیے۔ [2] ازدثر الطائر تدثیراً درست ساخت طائر آشیانہ خودرا۔ منتہی الارب باب د۔ ث۔ ر۔ علامہ ابوالمسعود اپنی تفسیر جلد ۹ ص ۵۴ پر لکھتے ہیں۔ مدثر: ای الذی دثر ھذا الامور العظیم وعصب بہ۔ [3] ۷۴/ المدثر: ۱ تا ۷۔

نبی ﷺ کی نبوت کے مقاصد

۱: نافرمانوں کو ان کی خطرناک حالت سے آگاہ کرنا اور انجام سے ڈرانا۔

۲: اللہ کی ربوبیت اور کبریائی اور عظمت وجلال کا آشکار کرنا۔

۳: لوگوں کو اعتقاد اور اعمال اور اخلاق کی ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دینا۔

۴: پاکیزگی، صفائی اور پاکدامنی سکھانا۔

۵: الٰہی تعلیم مفت دینا۔ نہ ان پر احسان جتانا، نہ ان سے اپنے کسی فائدے کی توقع رکھنا۔

۶: اس کام میں جس قدر بھی مصائب اور شدائد جھیلنی پڑیں، سب کی برداشت کرنا۔

جو شخص نبی ﷺ کی پاک زندگی کے حالات پر غور کرے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کیسی خوبی سے ان سب مقاصد کو پورا کیا۔

نبی ﷺ کی تبلیغ کا کام بمدارج ذیل آہستہ آہستہ وسعت پکڑتا رہا۔

تبلیغ کے پنجگانہ مراتب

اول: قریب کے رشتہ دار اور خاص خاص احباب۔

دوم: قوم اور شہر کے سب لوگ۔

سوم: مکہ کے اطراف وجوانب کے قبیلے۔

چہارم: عرب کے جملہ حصص اور قبائل۔

پنجم: دنیا کی جملہ متمدنہ اقوام اور جملہ مشہور مذاہب۔

حضور ﷺ نے اس تبلیغ کے لیے نہایت استحکام، کمال استقلال اور کشادہ پیشانی ونزہت خاطر سے ہر قسم کی مصائب برداشت کرنے میں ثابت قدمی فرمائی تھی اور اپنی تعلیم کو دلائل بین اور براہین محکم سے ثابت کر دکھایا تھا۔

ناظرین اس کتاب میں تبلیغ کے ان پنجگانہ مراتب کے متعلق نبی ﷺ کی مساعی کا ذکر معلوم کر سکیں گے۔

بعثت کے وقت عالم کی حالت

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس وقت نبی ﷺ تبلیغ عالم کے لیے مبعوث ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی، وحشت ودرندگی کا دنیا پر تسلط تھا۔ انسانیت، تہذیب، اخلاق کے نام شاید ان کتابوں میں نظر آ سکتے تھے جن کا دلوں پر کوئی اثر نہ رہا تھا۔

الف: بنی اسرائیل تو مسیح علیہ السلام سے بھی پہلے سانپ اور سانپ کے بچے کہلانے کے مستحق ٹھہر چکے تھے۔ اب مسیح علیہ السلام کی لعنت سے ظاہری شکل وصورت کے سوا ان میں آدمیت کا ذرا بھی نشان باقی نہ رہا تھا اور ہمسایہ قوموں کے اثر سے ان میں بت پرستی قائم

ہو چکی تھی۔

ب: یورپ میں جہالت و وحشت کا دَور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں۔ نارتھمبر لینڈ، مڈ لینڈ، کون ٹیز، نارفوک، سوفوک، ساسیکس (اضلاع انگلستان) میں ''ورڈن بت'' کی پرستش ہوتی تھی۔ فرانس، برن ہلد، سگ برٹ، فرے دی گوٹن دی، ل ہے رک، نصف پر افسانہ زمانہ میں تھا، جب کہ پادریوں کے ایماء سے بہت سی بیہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں۔

فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے دریائے الب پر معرکہ آرا رہتا تھا۔ یہ لڑائی ۸۲ےء کے بعد تک جاری رہی۔ جبکہ ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بے رحمی سے شہر ورڈون میں ہلاک کیے گئے۔ ہنگری ان دنوں انتہا درجہ کی وحشی و ناشائستہ آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا جس کو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔ [1]

ج: ایران پر مزدکیہ کا زور تھا، جنھوں نے زن (عورت) زر (دولت) زمین کے وقف عام کر دینے سے اخلاق اور انسانی ترقیات کو ملیا میٹ کر دیا۔

د:۔ ہندوستان میں پرانوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔ [2] اور ''بام مارگی'' فرقہ قابو یافتہ تھا۔ وہ اپنے گندے اصولوں کی طرف بندگان خدا کی رہبری کرتے تھے۔ مندروں میں زن و مرد کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تھیں اور انہی کی پرستش کی جاتی تھی۔ عبادت خانوں کی در و دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کی جاتی تھیں، جن کے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آنی چاہیے۔

ھ: چین کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے منہ موڑ لیا تھا۔ ہر کام کے بت جدا جدا مقرر تھے کوئی بارش کا، کوئی اولاد کا، کوئی جنگ کا، کوئی امن کا، اور ہر ایک بت کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔ کانفیوشش کو چین کا مصلح سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت تک اس کا بھی ظہور نہ ہوا تھا۔

و: مصر میں عیسائیت زوروں پر تھی۔ مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ابنیت کی تعریف و تحدید، توحد و تفریق کے متعلق روز روز نئے اعتقادات پیدا ہوتے، نئے نئے فرقے بنتے تھے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا۔ اپنے مخالف کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی ہے جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے اور جن میں ہر ایک کو بجائے خود علم و تہذیب کے بڑے بڑے دعوے تھے۔

ز:۔ عرب کا قیاس انہی ممالک پر کر لیجئے اور قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ یہ ایسا ملک تھا کہ جہاں صدیوں سے نہ کسی بادشاہ کا تسلط ہوا تھا، نہ کوئی اثر قانون نے ڈالا تھا، نہ کوئی ہادی ان کی ہدایت کے لیے پہنچا تھا۔ اس حیوانی آزادی [3] پر بے علمی، جہالت اور اقوام متمدنہ سے علیحدگی اور اجنبیت نے ان کی حالت کو اور بھی زیادہ تباہ کر دیا تھا۔ اس بدترین حالت ہی نے ان کو زیادہ تر واجب الرحم ٹھہرایا اور رب العالمین نے اصلاح عالم کا آغاز اسی جگہ سے ہونا پسند فرمایا۔

---

[1] سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء ایڈیٹوریل نوٹ۔ [2] اردو تہذیب قدیم ہندوستان، مسٹر۔ آر۔ سی۔ دت ص ۳۷۔

[3] انسانی آزادی وہ ہے جو قانون اور مذہب کی پابندی کے تحت میں ہر شخص کو حاصل ہے اور حیوانی آزادی وہ ہے جو قانون اور مذہب کے اثر کو باطل ٹھہرا کر حاصل ہوئی ہو۔

اپنے کنبہ میں تبلیغ

نبی علیہ السلام نے حکم ربانی کے موافق تبلیغ عام کا کام شروع فرما دیا۔ قریبی رشتہ داروں کو سمجھانے کا حکم قرآن مجید میں خصوصیت سے تھا۔ ﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ [1] نبی ﷺ نے ایک روز سب کو کھانے پر جمع کیا۔ یہ سب بنی ہاشم ہی تھے۔ ان کی تعداد چالیس یا ایک کم، زیادہ تھی، اس روز ابولہب کی بکواس کی وجہ سے نبی ﷺ کو کلام کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اسلیے دوسری شب پھر انہی کی دعوت کی گئی۔ جب سب کھانا کھا چکے، دودھ پی کر فارغ ہو گئے، تب نبی ﷺ نے فرمایا۔

اپنے گھرانے کے لوگوں میں آنحضرت ﷺ کی تقریر

اے حاضرین! میں تم سب کے لیے دنیا اور آخرت کی بہبود لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

یہ سن کے سب کے سب چپ ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، نبی ﷺ نے ابوطالب سے کہا، تم اس کی بات مانا کرو اور جو کہا کرے، سنا کرو۔ یہ فقرہ سن کر مجمع خوب کھلکھلا کر ہنسا اور ابوطالب سے تمسخر کرنے لگا۔ دیکھو! محمد ﷺ نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ آج سے تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔ [2]

پہاڑی کا وعظ اور اہل مکہ کو عام تبلیغ

ایک روز نبی ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم مجھے بتلاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟

سب نے ایک آواز سے کہا ہم نے کوئی بات غلط یا بیہودہ تیرے منہ سے نہیں سنی، ہم یقین کرتے ہیں کہ تو صادق اور امین ہے۔ [3]

نبی ﷺ نے فرمایا: دیکھو! میں پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو۔ میں پہاڑ کے ادھر بھی نظر کر رہا ہوں اور ادھر بھی دیکھ رہا ہوں، اچھا اگر میں یہ کہوں کہ رہزنوں کا ایک مسلح گروہ دور سے نظر آ رہا ہے، جو مکہ پر حملہ آور ہوگا۔ کیا تم اس کا یقین کر لوگے؟ لوگوں نے کہا، بیشک! کیونکہ ہمارے پاس تیرے جیسے راست باز آدمی کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں، خصوصاً جب کہ وہ ایسے بلند مقام پر کھڑا ہے کہ دونوں طرف دیکھ رہا ہے۔

تمثیلاتِ نبوت

نبی ﷺ نے فرمایا: یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی۔ اب یہ یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے اور تم نے

---

[1] ٢٦/ الشعرآء: ٢١٤۔ [2] ابوالفداء، ص:١١٧؛ تاریخ طبری، ص:٥٤٣، ج١۔

[3] دیکھو مکاشفہ ١١/١٩۔

خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں عالم آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں، جیسا کہ دنیا پر تمہاری نظر ہے۔

اس دل نشین وعظ سے مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ نبوت کے لیے ایک مثال پیش کریں کہ کس طرح ایک شخص عالم آخرت کو دیکھ سکتا ہے، جب کہ ہزاروں اشخاص نہیں دیکھ سکتے۔

تبلیغ میں آنحضرت ﷺ کی کوششیں

اب نبی ﷺ نے سب کو عام طور پر سمجھانا شروع کیا۔ ہر ایک میلے میں ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتلاتے، بتوں، پتھروں، درختوں کی پوجا سے روکتے بیٹیوں کو مار ڈالنے سے ہٹاتے، زنا سے منع کرتے، جوا کھیلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔

آپ ﷺ کے وعظ کی بڑی بڑی باتیں

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے جسم کو نجاست سے، کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو گندی باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک وصاف رکھیں۔ وعدہ اور اقرار کی سخت پابندی کریں، لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں۔ خدا کی ذات کو نقص سے، عیب سے آلودگی سے پاک سمجھیں، اس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے بڑے سب کے سب خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت وتندرستی دینا۔ مرادیں پوری کرنا، اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔

منڈیوں اور میلوں میں آنحضرت ﷺ کا تبلیغ فرمانا

عرب میں عکاظ اور یعینہ اور ذی الحجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ دور دور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے، نبی ﷺ ان مقامات پر جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت فرمایا کرتے تھے۔

قریش کی مخالفت

مغرور قریش کو جو عرب میں اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے، جیسے سمندر میں وہیل مچھلی، نبی ﷺ کا وعظ پسند نہ آیا، اس کی چند وجوہات تھیں۔

(۱) وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان، انسانوں کے سمجھانے کے لیے آئے۔

(۲) وہ جزا و سزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔ اس لیے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی جواب دہی ہوگی ان کے نزدیک بالکل قابلِ تمسخر تھی۔

(۳) وہ خاندان اور شرافتِ بزرگان پر نہایت مغرور تھے اور انہیں اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کا قبول کرنا ایک قسم کی حقارت اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔

(۴) ان میں اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت رکھتے تھے، اور دشمن قبیلے کے ایک شخص کی تعلیم پر چلنا انہیں عار معلوم ہوتا تھا۔

(۵) وہ بت پرستی پر بالکل قانع تھے۔ اور اس سے برتر کسی مذہب میں کسی خوبی کا امکان بھی ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔

(۶) وہ زنا، جوا، رہزنی، قتل، عہد شکنی، آوارگی، ہر ایک قانون و قاعدہ کی بندش و قیود سے آزاد رہنے، بیشمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھنے کے عادی تھے اور اسلام کا قانون ان کو اپنی ''پیاری عادات'' کا دشمن معلوم ہوتا تھا۔

اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا فیصلہ کیا۔

اسلام کے خلاف قریش کی تدبیریں

اول تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ اسلام لانے والوں کو سخت اذیت دی جائے تا کہ جو مسلمان ہو چکے ہیں وہ واپس آ جائیں اور نئے لوگ اسے اختیار نہ کریں۔

قریش نے اسلام لانے والوں پر جو مظالم کیے، انہیں جو تکالیف اور اذیتیں دیں، ان کا مفصل بیان دشوار ہے۔ مختصر طور پر ان کے عذاب دہی کے طریقوں اور چند بزرگواروں کا حال مذکور ہوتا ہے۔

اسلام لانے والوں پر قریش کے جور و ستم

(۱) بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب امیہ نے سنا کہ بلال رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تو گونا گوں عذاب ان کے لیے ایجاد کیے گئے۔ ۱:۔ گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انہیں لیے پھرتے، رسی کا نشان گردن پر نمایاں ہو جاتا۔ ۲:۔ وادی مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا۔ ۳:۔ مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا۔ ۴:۔ دھوپ میں بٹھایا جاتا۔

۵:۔ بھوکا رکھا جاتا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان سب حالتوں میں ''أَحَدٌ أَحَدٌ'' کے نعرے لگاتے رہتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور خدا کے لیے آزاد کر دیا۔ [1]

(۲) عمار رضی اللہ عنہ [2] اور ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ سُمَیّہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو گئے تھے۔ ابوجہل نے انہیں گونا گوں عذاب پہنچائے، ایک دن نبی ﷺ نے انہیں عذاب سہتے دیکھا۔ فرمایا: ((اِصْبِرُوْا یَاآلَ یَاسِرْ فَإِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّةُ)) [3] (یاسر والو۔ صبر کرو۔ تمہارا مقام جنت ہے) کم بخت ابوجہل نے بی بی سمیہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور اسے جان سے مار ڈالا۔ [4]

(۳) ابوفکیہہ جن کا نام افلح رضی اللہ عنہ تھا، کے پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔ [5]

(۴) خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے سر کے بال کھینچے جاتے۔ گردن مروڑی جاتی۔ گرم پتھروں سے، بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔ [6]

(۵) یعینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عُبیس بے چاری لونڈیاں تھیں۔ اور ان کے سنگ دل آقا ان کو ایسی ہی سخت وحشیانہ سزائیں دیا کرتے تھے۔ قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہی نہ تھا، اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سنگدلی کا برتاؤ کیا

---

[1] دمشق میں ۲۰ھ کو بعمر ۶۳ سال وفات پائی۔ [2] جنگ صفین میں بعمر ۹۲۔ ۹۱ سال شہید ہوئے۔

[3] معجم کبیر طبرانی: ۲۴/ ۳۰۳ حدیث: ۷۶۹۔ [4] مدارج النبوة، جلد ۲، ص: ۵۶۔

[5] اعجاز التنزیل، ص: ۵۳۔ [6] مدینہ میں بعمر ۶۳ سال ۱۹ھ میں وفات پائی۔

کرتے۔ ❶

(۶) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر ان کے چچا کو ہوئی تو وہ کم بخت حضرت عثمان کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔

(۷) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ❷ کو ان کی ماں نے گھر سے نکال دیا تھا، اسی جرم میں کہ وہ اسلام لے آئے تھے۔

(۸) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش گائے، اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے۔ بعض کو گرم گرم لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا کرتے تھے۔

غرض ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ صرف اسلام کی صداقت ہی ان کا مقابلہ کر سکتی تھی، پہلی امتوں نے کھوٹے روپے لے کر انبیا کو گرفتار اور قتل تک کرا دیا تھا۔ ❸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی بدسلوکیاں

بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تاکہ رات کی اندھیاری میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں۔ گھر کے دروازے پر عفونتیں پھینکی جاتیں تاکہ صحت و جمعیت خاطر میں خلل پیدا ہو۔ ❹

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر فرمادیا کرتے کہ فرزندانِ عبد مناف! حقِ ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے اپنی چادر کو لپیٹ کر رسی جیسا بنایا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کیے، گردن مبارک بہت بھنچ گئی تھی، تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی اطمینانِ قلب سے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے، انہوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت بھی پڑھ کر سنائی۔

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ❺ [٤٠/ المؤمن:٢٨]

''کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو، اور صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس اپنے روشن دلائل بھی لے کر آیا ہے۔''

چند شریر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئے اور ان کو بہت زدوکوب کیا۔

ایک دوسری دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے، قریش بھی صحن کعبہ میں جا بیٹھے، ابو جہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے، اٹھا لائے اور اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوپر دھر دے۔ شقی القلب عقبہ اٹھا، نجاست بھری اوجھڑی اٹھا لایا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت کی جانب متوجہ تھے۔ کچھ خبر بھی نہ ہوئی۔ کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔

---

❶ اعجاز التنزیل، ص:٥٣۔ ❷ بخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد، حدیث: ٤٠٨٢۔ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ ❸ زاد المعاد، جلد ١، ص: ٢٤/ ١٢٩٧۔ ❹ تاریخ طبری، ص: ٥٥٣، ج١۔

❺ بخاری عن ابن عمرو بن العاص، کتاب مناقب الانصار باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المشرکین، حدیث: ٣٨٥٦۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی بھی موجود تھے۔ کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا تو حوصلہ نہ پڑا۔ مگر معصوم سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آ گئیں انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا۔ ① اور ان سنگدلوں کو سخت سست بھی کہا۔

ایذا رسانی کی باقاعدہ کمیٹیاں

قریش مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر جو جور و ستم ہو رہے تھے، اسے ہنوز ناکافی سمجھا، اس لیے بجائے متفرق کوششوں کے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔

مستہزئین کی جماعت

ایک کمیٹی قائم ہوئی جس کا امیر مجلس ابولہب تھا اور مکہ کے ۲۵ سردار اس کے ممبر تھے۔ اس کمیٹی میں حل طلب سوال ایک یہ بھی تھا کہ جو لوگ دور دراز سے مکہ میں آتے ہیں انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کہا جائے تاکہ وہ لوگ اس کی باتوں میں نہ پھنسیں اور اس کی عظمت کے قائل نہ ہوں۔

ایک نے کہا: ہم بتلایا کریں گے کہ وہ ''کاہن'' ہے۔

ولید بن مغیرہ (جو ایک خرانٹ بڈھا تھا) بولا۔ میں نے بہت سے کاہن دیکھے ہیں۔ ''لیکن کہاں تو کاہنوں کی تک بندیاں اور کجا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام'' ہم کو ایسی بات نہ کہنی چاہیے۔ جس سے قبائل عرب یہ سمجھ لیں کہ ہم جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

ایک نے کہا: ہم اسے ''دیوانہ'' بتایا کریں گے۔

ولید بولا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیوانگی سے کیا نسبت ہے؟

ایک بولا: اچھا ہم کہیں گے وہ ''شاعر'' ہے۔

ولید نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے، اصناف سخن ہم کو بخوبی معلوم ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو شعر سے ذرا مشابہت نہیں۔

ایک بولا: ہم بتایا کریں گے کہ وہ ''جادوگر'' ہے۔

ولید نے کہا جس طہارت و لطافت اور نفاست سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رہتا ہے۔ وہ جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے۔ جادوگروں کی منحوس صورتیں اور نجس عادتیں الگ ہی ہوتی ہیں۔

دشمنوں کا عجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف سے تعلیم نبوی پر کفار کی شہادت

اب سب نے عاجز ہو کر کہا، چچا تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کہا جائے۔ ولید نے کہا: سچ تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں عجب شیرینی ہے۔ اس کی گفتگو نورس حلاوت ہے، کہنے کو تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کلام ایسا ہے، جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر

---

① بخاری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين الهزيمة والزلزلة، حديث: ۲۹۳٤؛ مسلم، كتاب الجهاد، باب مالقي النبي صلی اللہ علیہ وسلم من أذى المشركين، حديث: ٤٦٤٩۔

وزن میں جدائی ہو جاتی ہے۔ ❶ اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آخر اس کمیٹی نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پر اتفاق کیا۔

دشمنوں کے ریزولیوشن آنحضرت ﷺ کے خلاف

''محمد ﷺ کو ہر طرح سے دق کیا جائے۔ بات بات میں اس کی ہنسی اڑائی جائے۔ تمسخر اور ایذا سے اسے سخت تکلیف دی جائے محمد ﷺ کے سچا سمجھنے والوں کو انتہا درجہ کی تکالیف کا شکار کیا جائے۔

ہجرت حبش

جب کفار نے مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا۔ تو نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اجازت دے دی کہ جو کوئی چاہے وہ اپنی جان و ایمان کے بچاؤ کے لیے حبش کو چلا جائے۔

اس اجازت کے بعد ایک چھوٹا سا قافلہ ۱۲ مرد اور ۴ عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ ❷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اس مختصر قافلہ کے سردار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدہ رقیہ (بنت النبی ﷺ) ان کے ساتھ تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی ہے۔ ❸

قریش نے مسلمانوں کا حبش تک تعاقب کیا

ان کے پیچھے اور بھی مسلمان (۸۳ مرد ۱۸ عورتیں) مکہ سے نکلے اور حبش کو روانہ ہوئے، ان میں نبی ﷺ کے چچیرے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا۔ مگر یہ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

حبش کا بادشاہ عیسائی تھا۔ مکہ کے کافر بھی اس کے پاس تحفے تحائف لے کر گئے اور جا کر کہا کہ ان لوگوں کو جو ہمارے ملک سے بھاگ کر آئے ہیں، ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ مسلمان دربار میں بلائے گئے، تب نبی ﷺ کے چچیرے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار میں یہ تقریر کی۔

دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر اسلام پر

اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے

---

❶ ابن هشام، جلد ١، ص: ٢٧٠، تحير الوليد بن المغيره فيما يصف به القرآن؛ شفاء قاضي عياض، ج ١، ص: ٥٥٩، فصل في اعجاز القرآن۔ ❷ زادالمعاد، جلد ٣، ص: ٢٣، فصل فلما اشتد البلاء اذن الله لهم بالهجرة۔

❸ رواه الحاكم في المستدرك، كتاب معرفة الصحابة ذكر رقية بنت رسول ﷺ، ج ٤، ص: ٤٧۔

ایک بزرگ کو مبعوث کیا۔ جس کے حسب ونسب، سچائی، دیانتداری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، رحم کریں، گناہوں سے دور رہیں، برائیوں سے بچیں، اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھا کریں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں، ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔ قوم نے جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تاکہ ہم ''وحدہ لاشریک'' کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے، تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لیے آئے۔ [1]

بادشاہ نے یہ تقریر سن کر کہا: مجھے قرآن سناؤ، جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسے ''سورہ مریم'' سنائی، بادشاہ پر ایسی تاثیر ہوئی کہ وہ رونے لگ گیا اور اس نے کہا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہی رسول ہیں۔ جن کی خبر یسوع مسیح علیہ السلام نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا۔'' پھر بادشاہ نے مکہ کے کافروں کو دربار سے نکلوا دیا۔

جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ حبش تک جانے کا بھی کچھ فائدہ نہ نکلا، تو انہوں نے کہا کہ آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے تو لالچ دیں، پھر دھمکی دیں۔ کسی طرح تو مان ہی جائے گا۔ یہ مشورہ کر کے مکہ کا مشہور مالدار سردار جس کا نام عتبہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے یوں تقریر کی۔

> ''میرے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالا مال ہو جائے۔ اگر تم عزت کے بھوکے ہو تو اچھا ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آ گیا ہے تو بتا دو کہ ہم تمہارا علاج کرائیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں، میری حقیقت تم کو قرآن کے اس کلام سے معلوم ہوگی۔''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ الخ۔ [2]

''یہ فرمان خدا کے حضور سے آیا ہے وہ بڑی رحمت والا اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ برابر پڑھی جانے والی کتاب ہے، عربی زبان میں سمجھ دار لوگوں کے لیے اس میں سب باتیں کھلی کھلی درج ہیں۔ جو لوگ خدا کا حکم مانتے ہیں ان کے واسطے اس فرمان میں بشارت ہے اور جو انکار کرتے ہیں ان کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ تاہم بہت سے لوگوں

---

[1] سیرت ابن ہشام، جلد ۱، ص: ۳۳۶ في ذکر ارسال قریش الی الحبشۃ۔ [2] ۴۱/ حٰمٓ السجدۃ: ۱ تا ۵۔

نے اس فرمان سے منہ موڑ لیا ہے وہ اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں اور ہمارے کان اس کے شنوا نہیں اور ہم میں اور تم میں ایک طرح کا پردہ ہے۔ تم اپنی (تدبیر) کرو ہم اپنی (تدبیر) کر رہے ہیں۔ اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں، مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے یہ بتادیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے، اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں اور صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے آخرت میں بڑا درجہ ہے۔''

کلام پاک کے سننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے گردن پشت پر ڈالے ہوئے سنتا رہا۔ اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ قریش، جو نتیجہ ملاقات معلوم کرنے کے مشتاق بیٹھے تھے، سردار عتبہ کے پاس جمع ہو گئے۔ پوچھا گیا، کیا دیکھا، کیا کہا، کیا سنا؟

جب لالچ کی تدبیر نہ چلی۔ تب سارے قبیلوں کے سردار اکٹھے ہوئے اور نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آ کر یوں تقریر کی:

''ہم نے آپ کا بہت ادب کیا، آپ کا بھتیجا ہمارے ٹھاکروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں، ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔''

سارے ملک کی عداوت کو دیکھ کر چچا کا دل محبت سے بھر گیا۔ اس نے نبی ﷺ کو بلایا اور سمجھایا کہ بت پرستی کا رد نہ کیا کرو۔ ورنہ میں بھی تمہاری کچھ حمایت نہیں کر سکوں گا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

''چچا اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لا رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر، تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ اس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔'' [1]

اس ناکامی کے بعد قریش مکہ نے مشاورت کی کہ محمد ﷺ کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے۔ اس مشاورت کے بعد انہوں نے نبی ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ سردارانِ قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے اور کعبہ کے اندر جمع ہیں۔

نبی ﷺ خوش خوش وہاں گئے، کیونکہ حضور ﷺ کو ان کے ایمان لے آنے کی بڑی ہی آرزو تھی۔ جب آنحضرت ﷺ جا بیٹھے تو انہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا:

''اے محمد ﷺ! ہم نے تجھے یہاں بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ بخدا ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو، جس قدر تو نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں، کوئی خرابی ایسی نہیں جو تیری وجہ سے ہم پر نہ آ چکی ہو۔

---

[1] سیرت ابن ہشام، جلد ۱، ص: ۲۶۶ طلب ابی طالب الی رسول الکف۔

اب تم یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنے اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے مال جمع کر دیں، اتنا کہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنا روپیہ نہ نکلے اور اگر شرف و عزت کے خواستگار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیں، اگر تم سلطنت کے طالب ہو تو تمہیں اپنا بادشاہ مقرر کر لیں اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جو چیز تمہیں دکھائی دیتی ہے، وہ کوئی جن ہے جو غالب آ گیا ہے تو ہم ٹونے ٹوٹکوں کے لیے مال صرف کر دیں تاکہ تم تندرست ہو جاؤ، یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم نے جو کچھ کہا۔ میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں، جو تعلیم میں لے کر آیا ہوں، وہ نہ طلبِ اموال کے لیے ہے، نہ جلبِ شرف یا حصولِ سلطنت کے واسطے ہے، بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب اتاری ہے، مجھے اپنا بشیر و نذیر بنایا ہے۔ میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچا دیئے ہیں۔ اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا ہے۔ اگر تم میری تعلیمات کو قبول کر لو گے تو یہ تمہارے لیے دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے اور اگر رد کرو گے، تب میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے لیے اور تمہارے لیے کیا حکم بھیجتا ہے۔''

قریش نے کہا:

''اچھا محمد ﷺ! اگر تم ہماری ان باتوں کو نہیں مانتے تو ایک اور بات سنو۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کس قدر سختی اور تنگی سے دن کاٹ رہے ہیں، پانی ہمارے پاس سب سے کم ہے اور گزران ہماری سب سے زیادہ تنگ ہے۔ اب تم خدا سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں 1 کو ہمارے سامنے سے ہٹا دے تاکہ ہمارے شہر کا میدان کھل جائے۔ نیز ہمارے لیے ایسی نہریں جاری کر دے جیسی شام و عراق میں جاری ہیں۔ نیز ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر دے۔ ان زندہ ہونے والوں میں قصیّ بن کلاب 2 ضرور ہو، کیونکہ وہ ہمارا سردار تھا اور سچ بولا کرتا تھا۔ ہم اس سے تیری بابت بھی پوچھ لیں گے۔ اگر اس نے تیری باتوں کو سچ مان لیا اور تو نے ہمارے دوسرے سوالوں کو بھی پورا کر دیا۔ تب ہم بھی تجھے سچا جان لیں گے۔ اور مان لیں گے کہ ہاں، خدا کے ہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے۔ اور اس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جیسا کہ تو کہہ رہا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں ان کاموں کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو اس تعلیم کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں نے خدا کے پیغامات تمہیں سنا دیئے ہیں۔ اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لو گے، تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے سرمایہ ہے۔ اور اگر رد کرو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔ جو کچھ اس نے میرا اور تمہارا فیصلہ کرنا ہو گا، فرمائے گا۔''

---

1 منکرانِ مکہ تو صرف مکہ کے پہاڑوں کو پرے ہٹا کر اپنا صحن کھلوانا چاہتے تھے۔ لیکن ایمان والوں کے لیے جبر الٹر سے لیکر کوہ قاف تک کوئی پہاڑ بھی روک نہ بن سکا اور تمام روئے زمین گھر کا صحن بن گیا۔ 2 آنحضرت کے دادا عبد مناف کے والد کا نام ہے، جس نے بنو جرہم کو مکہ سے نکالا اور قریش کے قبیلوں کو پھر اکٹھا کر کے مکہ میں آباد کیا اور رفادہ، دیت، سقایہ، لواء، سفارت، حجابہ، ازلام کی خدمات کو تقسیم کر دیا۔ (دیکھو رحمۃ للعالمین ج ۲)

قریش نے کہا:

''اچھا اگر تم ہمارے لیے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے ہی لیے خدا سے سوال کرو۔''

(۱) کہ وہ ایک فرشتے کو تمہارے ساتھ مقرر کردے، جو یہ کہتا رہا کرے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہم کو تمہاری مخالفت سے منع بھی کر دے۔

(۲) ہاں تم اپنے لیے یہ بھی سوال کرو کہ باغ لگ جائیں، بڑے بڑے محل بن جائیں خزانہ میں سونا چاندی جمع ہو جائے، جس کی تجھے ضرورت بھی ہے۔ اب تک تو خود ہی بازار میں جاتا اور اپنی معاش تلاش کیا کرتا ہے، ایسا ہو جانے کے بعد ہی ہم تمہاری فضیلت اور شرف کی پہچان حاصل کر سکیں گے اور تمہیں خدا کا رسول ❶ سمجھ سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں ایسا نہ کروں گا اور خدا سے بھی ایسا سوال نہ کروں گا۔ اور ان باتوں کے لیے میں مبعوث بھی نہیں ہوا، مجھے تو اللہ نے بشیر ونذیر بنایا ہے۔ تم مان لو تو تمہارے لیے ذخیرۂ دارین ہے، ورنہ میں صبر کروں گا اور خدا کے فیصلے کا منتظر رہوں گا۔''

قریش نے کہا:

''اچھا، تم آسمان کا ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرا دو، کیونکہ تمہارا زعم یہ ہے کہ اگر خدا چاہے، تو ایسا کر سکتا ہے۔ پس جب تک تم ایسا نہ کرو گے، ہم ایمان نہیں لائیں گے۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ خدا کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو ایسا کرے۔''

قریش نے کہا:

''محمد ﷺ! یہ تو بتاؤ کہ تیرے خدا نے تجھے پہلے سے یہ نہ بتایا کہ ہم تجھے بلائیں گے، ایسے ایسے سوال کریں گے، یہ یہ چیزیں طلب کریں گے، ہماری باتوں کا یہ جواب ہے اور خدا کا منشا ایسا ایسا کرنے کا ہے؟ چونکہ تیرے خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے، اس کا نام رحمٰن ❸ ہے۔ وہی تجھے ایسی باتیں سکھاتا ہے۔ ہم تو رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے، محمد ﷺ! دیکھو! آج ہم نے اپنے سب عذرات سنا دیے ہیں۔ اب ہم تجھ سے قسمیہ یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ ہم تجھے اس تعلیم کی اشاعت

---

❶ دنیوی ثروت و امارت، محل، دبستان، سرا وغیرہ جن کو اہل مکہ نے صداقت کا نشان ٹھہرایا تھا۔ وہ نشان ایمان والوں کے ساتھ خدا نے پورے کیے اور معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم فی الحقیقت دنیا کی بہتری کے لیے بھی سرمایہ ہے جیسا کہ آخرت کے لیے وہ بالضرور یہ ذخیرہ ہے۔

❷ جس عذاب کی درخواست ان لوگوں نے کی تھی۔ جنگ بدر کے دن وہ ان پر اترا اور انکار کرنے والوں اور تمسخر کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔

❸ خدا کے جو اسمائے حسنیٰ اسلام نے بتائے ہیں، ان میں رحمٰن ایسا نام ہے جس سے عرب ہرگز واقف نہ تھے۔ اس لیے وہ خدا کے نام رحمٰن سے بہت چڑا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ یہ کسی گم نام شخص کا نام ہوگا۔ ''رحمٰن'' رحمت سے مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی کمال رحمت والا۔

کبھی نہ کرنے دیں گے۔ حتیٰ کہ ہم مر جائیں یا تو مر جائے۔''

یہاں تک بات چیت ہوئی تھی کہ ایک ان میں سے بولا کہ ''ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔'' دوسرا بولا کہ ''محمد ﷺ! ہم تیری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ جب تک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آ جائیں۔''

نبی ﷺ آخری بات سن کر اٹھ کھڑے ہوئے، نبی ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بھی اٹھ کھڑا ہوا: یہ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی (عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا) تھا، اس نے کہا: ''محمد ﷺ! دیکھو تمہاری قوم نے اپنے لیے کچھ چیزوں کا تم سے سوال کیا۔ وہ بھی تم نے نہ مانا۔ پھر انہوں نے یہ چاہا کہ تو خود اپنے ہی لیے ایسی علامات کا اظہار کرے جس سے تیری قدر و منزلت کا ثبوت ہو سکتا ہو، اسے بھی تو نے قبول نہ کیا۔ پھر انہوں نے اپنے لیے تھوڑا سا وہ عذاب بھی چاہا، جس کا خوف تو دلایا کرتا ہے، تم نے اس کا بھی اقرار نہ کیا، بس! اب میں تم پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا، اگرچہ تو میرے سامنے آسمان کو زینہ لگا کر اوپر چڑھ جائے اور میرے سامنے اس زینے سے اترے۔ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں۔ اور وہ تیری شہادت بھی دیں۔ میں تو تب بھی تجھ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ [1]

نبی ﷺ اس ردو انکار پر بھی برابر قریش کو اسلام کی ہدایت کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ میری تعلیم ہی میں سب کچھ تمہارے لیے موجود ہے، جن دانشمندوں نے ایمان قبول کیا اور تعلیم نبوی پر کاربند ہوئے انہیں اس سے بھی زیادہ معارف و فوائد حاصل ہو گئے۔ جس کا سوال کفار نے کیا تھا۔

ہم کو اس موقع پر انجیل کا وہ مقام یاد آتا ہے۔ جس میں مسیح علیہ السلام کی آزمائش کے لیے شیطان نے کئی سوال کیے اور مسیح علیہ السلام نے ان کا جواب انکار میں دیا۔ [2] حقیقت یہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ رسول اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنی تعلیم پیش کیا کرتے ہیں معجزہ یا خرقِ عادت کو پیش نہیں کیا کرتے۔ کیونکہ پھر صفت ''ایمان بالغیب'' کی خوبی باقی نہیں رہتی اگرچہ کسی دیگر اوقات میں کسی ضرورت کے لیے ان معجزات کا صدور بھی بکثرت ہوتا رہتا ہے۔

امیر حمزہ کا اسلام

نبوت کے چھٹے برس کا ذکر ہے کہ ایک روز ہمارے نبی ﷺ کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل وہاں پہنچ گیا، اس نے نبی ﷺ کو پہلے گالیاں دیں اور جب نبی ﷺ گالیاں سن کے چپ رہے تو اس نے ایک پتھر حضور ﷺ کے سر پر پھینک مارا جس سے خون چلنے لگا۔ نبی ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی۔ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ قرابت کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ پھر نبی ﷺ کے پاس گئے اور کہا: ''بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں! تم مسلمان ہو جاؤ، تو مجھے بڑی

---

[1] سیرت ابن ھشام، جلد ۱، ص: ۲۹۸ حدیث رؤساء قریش مع الرسول۔ ناظرین نے دیکھا کہ اسلام کی عداوت میں عبداللہ کتنا سخت ہے، لیکن چند سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ فتح مکہ سے پیشتر یہی عبداللہ بجذبہ توفیق ربانی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لایا۔ اہل دانش جان سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا گرویدۂ اسلام ہو جانا نبی ﷺ کا ایسا معجزہ ہے جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جانے، نوشتہ لانے، فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جن کے دیکھ لینے کے بعد بھی عبداللہ ایمان نہیں لانا چاہتا تھا۔ [2] انجیل متی ۴ باب از ۱ تا ۱۱ درس۔

خوشی ہو۔“ حمزہ رضی اللہ عنہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے تین دن بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، یہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ قریش کی طرف سے بیرونی ممالک کی سفارت کا کام ان سے متعلق تھا۔ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہادری کے بھروسے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے، بدن پر سب ہتھیار سجا رکھے تھے۔ راستے میں ان کو پتہ لگا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بہن کے گھر گئے اور ان دونوں کو خوب مارا۔ ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ [1] ”عمر! تم پہلے وہ کتاب سن لو، جسے سن کے ہم ایمان لے آئے ہیں، اگر وہ تم کو اچھی نہ لگے تو ہم کو مار ڈالنا، عمر نے کہا: ”اچھا“۔ اس وقت ان کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی بھی تھا۔ جو عمر رضی اللہ عنہ کے آ جانے سے چھپ گیا تھا اس نے قرآن مجید (”طٰہٰ“ کا پہلا رکوع) سنایا۔ عمر رضی اللہ عنہ قرآن سن رہا تھا اور بے اختیار رو رہا تھا۔ غرض عمر رضی اللہ عنہ اس وقت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آیا، جو گھر سے قاتل بن کر نکلا تھا۔ وہ جاں نثار بن گیا آگے چل کر ان کا لقب ”فاروق“ ہوا۔

اس وقت تک مسلمان نماز اپنے گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے، کافر یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ جلے اور مسلمانوں کو بے حد تکلیف دینے لگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبیلہ سمیت تین سال تک پہاڑ کی گھاٹی کے اندر محصور رہے

جب کفار نے دیکھا کہ ایسی اذیتوں اور تکلیفوں پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم پر قائم ہے اور بے نظیر جرأت اور انتھک محنت سے اپنا کام کیے جاتا ہے۔ تو بماہِ محرم ۷ نبوت انہوں نے کہا کہ بنو ہاشم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے اگر چہ مسلمان نہیں ہوا۔ پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ آؤ ان سے رشتہ ناطہ کرنا چھوڑ دو۔ انہیں گلی بازار میں پھرنے نہ دو۔ ان کو کوئی چیز مول بھی نہ دو۔ [2]

اس بات کا معاہدہ لکھا گیا اور کعبہ پر لٹکایا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا قبیلہ مجبور ہو گئے۔ گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹی میں محبوس و محصور ہو کے رہنے لگے۔ قریش نے اجناسِ خوردنی کا جانا بھی بند کر دیا۔ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے کہ ان کی آواز گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی۔ [3]

تین برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان نے اسی طرح کاٹے اور جو مسلمان تھے وہ بھی اپنے گھروں میں قیدی بن کر رہنے لگے۔ حج کے دنوں میں جب کافر بھی دشمن سے لڑنا حرام جانتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی سے باہر نکلا کرتے تھے اور لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کا وعظ سنایا کرتے تھے۔ کم بخت ابولہب صبح سے شام تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا اور کہا کرتا۔ لوگو! یہ دیوانہ ہے۔ اس کی بات نہ سنو، جو کوئی اس کی بات سنے گا، اور مانے گا۔ وہ تباہ ہو جائے گا۔

تین برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سختی کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ جب ان کافروں نے گھاٹی پر سے پہرے اٹھا

---

[1] فاطمہ بنت الخطاب خواہر عمر فاروق اور زوجہ سعید بن زید۔ سعید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ زوجین، سابقین الاولین میں سے ہیں۔ سعید کے والد زید وہ ہیں جنہوں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں شام و فلسطین کا سفر کیا تھا۔ بالآخر یہود و نصاریٰ سے یہ بات پا کر کہ نبی آخر الزماں مکہ میں ہوں گے مکہ میں آ گئے تھے۔

[2] زاد المعاد، ص: ۲۹ جلد، ۳۔ [3] زاد المعاد، ص: ۳۰ جلد، ۳۔

لیے اور دیمک نے ان کے معاہدہ کا کاغذ کھالیا، جو کعبہ پر لٹکایا گیا تھا۔ تب نبی ﷺ باہر نکلے اور پھر وعظ کا سلسلہ شروع کر دیا۔

ایک روز نبی ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ وہاں مشرک سردار بیٹھے ہوئے تھے ابوجہل نے نبی ﷺ کو دیکھا اور تمسخر سے بولا۔ ''عبد مناف والو! دیکھو، تمہارا نبی آ گیا۔''

عتبہ بن ربیعہ بولا: ''ہمیں کیا انکار ہے، ہم میں سے کوئی نبی بن بیٹھے۔ کوئی فرشتہ کہلائے۔'' نبی ﷺ یہ باتیں سن کر لوٹے اور ان کے پاس آئے۔

پہلے عتبہ سے فرمایا: ''عتبہ! تو نے خدا اور رسول ﷺ کی حمایت کبھی بھی نہ کی، تو اپنی ہی بات کی پچ پر اڑا رہا۔ پھر ابوجہل سے فرمایا: ''تیرے لیے وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے۔ دور نہیں ہے کہ تو تھوڑا ہنسے گا، اور بہت روئے گا۔

پھر قریش سے فرمایا: ''تمہارے لیے وہ ساعت نزدیک آ رہی ہے کہ جس دین کا تم انکار کرتے ہو، آخر اسی میں داخل ہو جاؤ گے۔'' ❶

ناظرین اس کتاب میں دیکھیں گے کہ یہ پیشگوئی کیوں کر پوری ہوئی۔

ابو طالب کا انتقال

۱۰ نبوت میں نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد تھے انتقال ہو گیا۔ ابو طالب نے لڑکپن سے نبی ﷺ کی تربیت کی تھی اور جب سے آنحضرت ﷺ نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کی تھی، وہ برابر مددگار رہے تھے۔ اس لیے نبی ﷺ کو ان کے مرنے کا صدمہ ہوا۔

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال

ان سے تین دن پیچھے (بعد) نبی ﷺ کی پیاری بیوی طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ اس بیوی نے اپنا سارا مال وزر نبی ﷺ کی خوشی پر قربان اور راہ خدا میں صرف کر دیا تھا۔ یہ سب سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس بیوی کو خدا کا سلام پہنچایا تھا۔ اس بیوی کے گزر جانے کا رنج نبی ﷺ پر بہت ہوا۔

اب قریش نے نبی ﷺ کو زیادہ تر ستانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ ایک شریر نے نبی ﷺ کے سر پر کیچڑ پھینک دی۔ آنحضرت ﷺ اسی طرح گھر میں داخل ہوئے۔ نبی ﷺ کی بیٹی اٹھی۔ وہ سر دھلاتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پیاری بیٹی تم کیوں روتی ہو، تیرے باپ کی حفاظت خدا خود فرمائے گا۔'' ❷

نبی ﷺ کا تبلیغ کے لیے مختلف قبائل کی جانب سفر کرنا

اگرچہ ابو طالب کا سہارا جاتا رہا، اگرچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی بیوی جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہایت غم گسار تھی، جدا ہو گئی۔ مگر نبی ﷺ نے اب زیادہ جوش سے وعظ کا کام شروع کر دیا۔

چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد نبی اللہ مکہ سے نکلے اور بیرون جات کو وعظ کے لیے تشریف لے گئے۔ نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر

---

❶ طبری، ص: ۵۵۵، ج ۱۔ ❷ تاریخ طبری، ص: ۵۵٤، ج ۱، ذکر الخبر عما کان من امر النبی ﷺ۔

میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ پا طائف پہنچے۔ طائف میں بنوثقیف آباد تھے، سرسبز ملک اور سرد پہاڑ پر رہنے کی وجہ سے ان کے غرور کی کوئی حد نہ تھی، عبد یالیل، مسعود، حبیب، تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ان ہی سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت فرمائی۔ ان میں سے ایک بولا: ''میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈ وا دوں۔ اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو۔'' دوسرا بولا: ''کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا، جسے چڑھنے کی سواری بھی میسر نہیں۔ اس نے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔''

تیسرا بولا: ''میں تجھ سے کبھی بات ہی نہیں کرنے کا۔ کیونکہ تو اگر خدا کا رسول ہے۔ جیسا کہ تو کہتا ہے تب تو یہ خطرناک بات ہے کہ میں تیرے کلام کو رد کروں، اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔ تو مجھے شایاں نہیں کہ تجھ سے بات کروں۔''

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔''

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کہنا شروع فرمایا۔ ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا۔ وہ لوگ وعظ کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور لہو میں تربتر ہو جاتے۔ خون بہہ بہہ کر جوتے میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخیں لگائیں کہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہوئے۔ یہ جگہ عتبہ و شیبہ فرزندان ربیعہ کی تھی انہوں نے دور سے اس حالت کو دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ترس کھا کر اپنے غلام عداس کو کہا کہ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر اس شخص کو دے آؤ۔ غلام نے انگور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور زبان سے فرمایا: ''بسم اللہ'' اور پھر انگور کھانے شروع کیے۔

عداس نے حیرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور پھر کہا: ''یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کہاں کے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟''

عداس نے جواب دیا: ''میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم مرد صالح یونس بن متی علیہ السلام کے شہر کے باشندے ہو۔''

عداس نے کہا: ''آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس بن متی علیہ السلام کون تھا اور کیسا تھا؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ میرا بھائی ہے۔ وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔''

عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور اس نے نبی کا سر، ہاتھ، قدم چوم لیے۔

عتبہ و شیبہ نے دور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں کہنے لگے، لو غلام تو ہاتھوں سے نکل گیا۔ جب عداس اپنے آقا کے پاس لوٹ کر گیا تو انہوں نے کہا: ''کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں، سر چومنے لگ گیا تھا؟''

عداس نے کہا: ''حضور عالی! آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں، اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔''

انہوں نے عداس کوڈانٹ دیا کہ خبردار! کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا، تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔ [1] اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسول ﷺ کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے زید نے ان کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔ آبادی سے باہر لے گئے۔ پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ اس وقت جو دعا حضور ﷺ نے مانگی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

أَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَ أَنْتَ رَبِّيْ إِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ إِلٰى بَعِيْدٍ [2] يَتَجَهَّمُنِيْ أَوْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ أَمْرِيْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ أَنْ تَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ۔ [3]

"الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے، لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، کیونکہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ چاہتا ہوں۔ جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے۔ یا تیری نارضامندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔"

نبی ﷺ نے طائف سے واپس آتے ہوئے یہ بھی فرمایا: "میں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے، تو کیا ہوا؟ امید ہے کہ ان کی آیندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی۔ [4]

مختلف مقامات پر نبی ﷺ کا تبلیغ کے لیے جانا

مکہ میں واپس آ کر نبی ﷺ نے اب ایسا کرنا شروع کیا کہ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے یا مکہ سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا جاتا مل جاتا۔ اسے ایمان اور خدا پرستی کا وعظ فرماتے، انہی ایام میں قبیلہ بنو کندہ میں تشریف لے گئے۔

---

[1] طبری، ج ۱، ص: ۵۵۵ ذکر الخبر عما کان من امر النبی ﷺ۔

[2] طبری نے لفظ بعید روایت کیا ہے جس کا ترجمہ بیگانہ کیا گیا ہے۔ ابن ہشام وابن اثیر نے لفظ محمد روایت کیا ہے جس کے معنی دوست کے ہو سکتے ہیں۔

[3] زاد المعاد، ۳/ ۳۱۔

[4] صحیح مسلم عن عائشۃ ام المومنین ؓ، کتاب الجہاد، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین، حدیث: ۴۶۵۳۔

سردارِ قبیلہ کا نام ملیح تھا۔ نیز قبیلہ بنو عبداللہ کے ہاں بھی پہنچے، انہیں فرمایا کہ تمہارے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ تم بھی اسم با مسمیٰ ہو جاؤ! قبیلہ بنو حنیفہ کے گھروں میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے سارے عرب بھر میں سب سے بدتر طریق پر نبی ﷺ کا انکار کیا۔ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لے گئے۔ سردار قبیلہ کا نام بحیرہ بن فراس تھا۔ اس نے دعوت اسلام کا سن کر نبی ﷺ سے پوچھا۔ بھلا اگر ہم تیری بات مان لیں۔ اور تو مخالفین پر غالب آ جائے تو کیا تو یہ وعدہ کرتا ہے کہ تیرے بعد یہ امر مجھ سے متعلق ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے گا میرے بعد اسے مقرر کرے گا۔'' بحیرہ بولا: ''خوب! اس وقت تو عرب کے سامنے سینہ سپر ہم بنیں۔ اور جب تمہارا کام بن جائے، تو مزے کوئی اور اڑائے۔ جاؤ! ہم کو تیرے کام سے کچھ سروکار نہیں۔ قبائل کے سفر میں حضور ﷺ کے رفیق طریق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

سوید بن صامت رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا

انہی ایام میں نبی ﷺ کو سوید بن صامت ملا، اس کا لقب اپنی قوم میں کامل تھا۔ نبی ﷺ نے اسے دعوت اسلام فرمائی۔ وہ بولا: ''شاید آپ کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس بھی ہے۔'' نبی ﷺ نے پوچھا: ''تیرے پاس کیا ہے؟'' وہ بولا ''حکمت لقمان'' نبی ﷺ نے فرمایا ''بیان کرو'' اس نے کچھ عمدہ اشعار اپنے سنائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ اچھا کلام ہے۔ لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے، اور ہدایت و نور ہے۔'' اس کے بعد نبی ﷺ نے اسے قرآن سنایا اور وہ بے تامل اسلام لے آیا۔ جب یثرب لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے اسے قتل کر ڈالا۔ [1]

سفارت یثرب میں تبلیغ فرمانا، ایاس بن معاذ کا راہ یاب ہونا

انہی ایام میں ابو الحیسر انس بن رافع مکہ آیا۔ اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے بھی چند نوجوان تھے۔ جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا۔ یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے۔ نبی ﷺ ان کے پاس گئے اور جا کر فرمایا:

''میرے پاس ایسی چیز ہے، جس میں تم سب کی بہبود ہے۔ کیا تمہیں کچھ رغبت ہے؟'' وہ بولے ایسی کیا چیز ہے؟ فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں مخلوق کی طرف مبعوث ہوں، بندگانِ خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا ہی کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں۔ مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے۔'' پھر ان کے سامنے اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ جو ابھی نوجوان تھا۔ سنتے ہی بولا: ''اے میری قوم! بخدا یہ تمہارے لیے اس مقصد سے بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔''

انس بن رافع نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھائی اور ایاس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا بس چپ رہ! ہم اس کام کے لیے تو نہیں آئے۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے۔ یہ واقعہ جنگ بعاث سے جو اوس و خزرج میں ہوئی، پہلے کا ہے، ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا۔ مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح، تحمید و تہلیل و تکبیر جاری تھی۔ مرحوم کے دل میں نبی ﷺ کے اسی وعظ کا بیج بویا گیا تھا۔ [2] جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا۔

---

[1] طبری، ج ۱، ص: ۵۵۷۔ [2] طبری، ج ۱، ص: ۵۵۷۔

ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کی روداد قبول اسلام

انہی ایام میں ضماد ازدی مکہ میں آیا۔ یہ یمن کا باشندہ تھا اور عرب کا مشہور افسوں گر تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنات کا اثر ہے۔ تو اس نے قریش سے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج منتر سے کر سکتا ہوں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آؤ تمہیں منتر سناؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنایا:

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ أَمَّا بَعْدُ!

''سب تعریف اللہ کے واسطے ہے، ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور ہر کام میں اسی کی اعانت چاہتے ہیں۔ جسے خدا راہ دکھاتا ہے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا ہی رستہ نہ دکھائے اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا بندہ اور رسول ہے۔'' (اس کے بعد مدعا یہ ہے)

ضماد نے اسی قدر سنا تھا، بول اٹھا کہ انہی کلمات کو پھر سنا دیجئے۔ دو تین دفعہ اس نے انہی کلمات کو سنا اور پھر بے اختیار بول اٹھا۔ میں نے بہت سے کاہن دیکھے اور ساحر دیکھے، شاعر سنے، لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے بھی نہ سنا۔ یہ کلمات تو ایک اتھاہ سمندر جیسے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! خدارا، اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں اسلام کی بیعت کر لوں۔ [1]

مِعراج

۲۷ رجب ۱۰ نبوت کو معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوت السموات والارض کی سیر کرائی۔

اول مسجد الحرام سے بیت المقدس تک تشریف لے گئے۔ وہاں امام بن کر جماعتِ انبیا کو نماز پڑھائی۔ پھر آسمانوں کی سیر کرتے اور انبیا سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت معمور تک پہنچے اور وہاں سے ''قرب حضوری خاص'' حاصل ہوا اور گونا گوں وحی سے مشرف ہوئے۔ [2]

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ [3]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: ۲۰۰۸۔

[2] علامہ ابن القیم لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہما و امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ''اسریٰ'' روح مبارک کو ہوا تھا اور جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں ہوا تھا۔ علامہ موصوف کہتے ہیں کہ اسراء روحی میں اور خواب میں بہت تفاوت ہے۔ اسریٰ روحی سے مراد تو یہ ہے کہ روح مبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی اور خواب میں یہ بات نہیں ہوتی۔ یہ درجہ اتم و اکمل، اشرف و اعلیٰ ہے علمائے جمہور کا قول ہے کہ اسراء بدن و روح کے ساتھ تھا (زاد المعاد، ج ۳، ص: ۴۰ فصل انما كان الاسراء بروح۔) واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آج کل کے فلسفہ خشک کی بنیاد پر فضول ہے کیونکہ جس قادر مطلق نے اجرام سماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو خلا میں مقام رکھا ہے وہ جسم انسانی کے صغیر جرم کو خلا میں لے جانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ آج کل نائیٹروجن کی طاقت سے ہوائی جہاز اور جہازوں کے اندر آدمی اڑ رہے ہیں۔ اس لیے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کو بسواری براق (جو برق سے مشتق اور الکٹرسٹی کی طاقت خفیہ کی جانب اشارہ کن ہے) ملک السمٰوت کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ معراج جسم کے ساتھ اور بحالت بیداری تھی۔ (محمد سلیمان)

[3] حجة الله البالغة، ص: ۲۰۶، ج ۲، مبحث في سيرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَأُسْرِیَ بِهٖ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی ثُمَّ إِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وَإِلٰی مَاشَاءَ اللّٰهُ وَكُلُّ ذٰلِكَ لِجَسَدِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْيَقْظَةِ وَلٰكِنْ ذٰلِكَ فِیْ مَوْطِنٍ هُوَ بَرْزَخٌ بَيْنَ الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ لِأَحْكَامِهِمَا ـ فَظَهَرَ عَلَی الْجَسَدِ أَحْكَامُ الرُّوْحِ وَتَمَثَّلَ الرُّوْحُ وَالْمَعَانِی الرُّوْحِيَّةُ أَجْسَادًا وَلِذٰلِكَ بِأَنَّ لِكُلٍّ وَاقِعَةٍ مِنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ تَعْبِيْرٌ...... أَمَّا شَقُّ الصَّدْرِ وَمَلْؤُهُ إِيْمَانًا فَحَقِيْقَتُهُ، غَلَبَةُ أَنْوَارِ الْمَلَكِيَّةِ وَانْطِفَاءُ لَهَبِ الطَّبِيْعَةِ وَخُضُوْعُهَا لِمَا يَفِيْضُ عَلَيْهَا مِنْ حَظِيْرَةِ الْقُدْسِ ـ وَأَمَّا رُكُوْبُهُ عَلَی الْبُرَاقِ فَحَقِيْقَتُهُ إِسْتِوَاءُ نَفْسِهِ النُّطْقِيَّةِ عَلٰی نَسَمَتِهِ الَّتِیْ هِیَ الْكَمَالُ الْحَيْوَانِیُّ، فَاسْتَوٰی رَاكِبًا عَلَی الْبُرَاقِ كَمَا غَلَبَتْ أَحْكَامُ نَفْسِهِ النُّطْقِيَّةِ عَلَی الْبَهِيْمِيَّةِ وَ تَسَلَّطَتْ عَلَيْهَا وَأَمَّا إِسْرَاؤُهُ إِلَی الْمَسْجِدِالْأَقْصٰی فِلِأَنَّهُ مَحَلُّ ظُهُوْرِ شَعَائِرِ اللّٰهِ وَمُتَعَلَّقُ هِمَمِ الْمَلَأِ الْأَعْلٰی وَمَطْمَحُ أَنْظَارِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَكَأَنَّهُ كُوَّةٌ إِلَی الْمَلَكُوْتِ۔

وَأَمَّا مُلَاقَاتُهُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَمُفَاخَرَتِهٖ مَعَهُمْ فَحَقِيْقَتُهَا اجْتِمَاعُهُمْ مِنْ حَيْثُ ارْتِبَاطِهِمْ بِحَظِيْرَةِ الْقُدْسِ وَظُهُوْرُ مَا اخْتَصَّ بِهٖ مِنْ بَيْنِهِمْ مِنْ وُجُوْهِ الْكَمَالِ وَأَمَّا رُقِيُّهُ إِلَی السَّمٰوٰتِ سَمَاءً بَعْدَ سَمَاءٍ فَحَقِيْقَتُهُ الْإِنْسِلَاخُ إِلٰی مُسْتَوَی الرَّحْمٰنِ مَنْزِلَةً بَعْدَ مَنْزِلَةٍ وَمَعْرِفَةُ حَالِ الْمَلَائِكَةِ الْمُوَكَّلَةِ بِهَا مِمَّنْ لَحِقَ بِهِمْ مِنْ أَفَاضِلِ الْبَشَرِ وَالتَّدْبِيْرِ الَّذِیْ أَوْحَاهُ اللّٰهُ فِيْهَا وَالْإِخْتِصَامُ الَّذِیْ يَحْصُلُ فِیْ مَلْئِهَا ـ

وَأَمَّا بُكَاءُ مُوْسٰی فَلَيْسَ بِحَسَدٍ وَلٰكِنَّهُ مِثَالٌ لِفَقْدِهٖ عُمُوْمَ الدَّعْوَةِ وَ بَقَاءِ كَمَالٍ لَمْ يَحْصُلْهُ مِمَّا هُوَ فِیْ وَجْهِهٖ۔

وَأَمَّا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی فَشَجَرَةُ الْكَوْنِ وَتَرَتُّبُ بَعْضِهَا عَلٰی بَعْضٍ وَانْجِمَاعُهَا فِیْ تَدْبِيْرٍ وَاحِدٍ كَانْجِمَاعِ الشَّجَرَةِ فِی الْغَاذِيَةِ وَالنَّامِيَةِ وَنَحْوِهِمَا وَلَمْ تَتَمَثَّلْ حَيْوَانًا لِأَنَّ التَّدْبِيْرَ الْجُمْلِیَّ الْإِجْمَالِیَّ الشَّبِيْهُ لِلسِّيَاسَةِ الْكُلِّیِّ أَفْرَادُهُ وَإِنَّمَا أَشْبَهَ الْأَشْيَاءِ بِهِ الشَّجَرَةُ دُوْنَ الْحَيْوَانِ فَإِنَّ الْحَيْوَانَ فِيْهِ قُوٰی تَفْصِيْلِيَّةٌ وَالْإِرَادَةُ فِيْهِ أَصْرَحُ مِنْ سُنَنِ الطَّبِيْعَةِ ـ

وَأَمَّا الْأَنْهَارُ فِیْ أَصْلِهَا فَرَحْمَةٌ فَائِضَةٌ فِی الْمَلَكُوْتِ حَذْوَالشَّهَادَةِ وَحَيَاةٍ وَنَمَاءٍ فَلِذٰلِكَ تَعَيَّنَ هُنَالِكَ بَعْضَ الْأُمُوْرِ النَّافِعَةِ فِی الشَّهَادَةِ كَالنِّيْلِ وَالْفُرَاتِ ـ

وَأَمَّاالْأَنْوَارُ الَّتِیْ غَشِيَتْهَا تَدَلِّيَاتُ إِلٰهِيَّةٍ وَتَدْبِيْرَاتُ رَحْمَانِيَّةٍ تَلَعْلَعَتْ فِی الشَّهَادَةِ حَيْثُمَا اسْتَعَدَّتْ لَهَا ـ

وَأَمَّاالْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ فَحَقِيْقَتُهُ، التَّجَلِّیْ الْإِلٰهِیُّ الَّذِیْ يَتَوَجَّهُ إِلَيْهِ سَجَدَاتُ الْبَشَرِ وَتَضَرُّعَاتُهَا يَتَمَثَّلُ بَيْتًا عَلٰی حَذْوِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْكَعْبَةِ وَبَيْتِ الْمَقْدَسِ ـ

ثُمَّ أُتِيَ بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ فَاخْتَارَ اللَّبَنَ۔ فَقَالَ جِبْرِيْلُ هُدِيْتَ لِلْفِطْرَةِ وَلَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ لَغَوَتْ أُمَّتُكَ فَكَانَ هُوَ ﷺ جَامِعُ أُمَّتِهِ وَمَنْشَأُ ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ اللَّبَنُ اخْتِيَارَهُمُ الْفِطْرَةَ وَالْخَمْرَ اخْتِيَارَهُمْ لَذَّاتِ الدُّنْيَا وَأُمِرَ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ بِلِسَانِ التَّجَوُّزِ لِأَنَّهَا خَمْسُوْنَ بِإِعْتِبَارِ الثَّوَابِ۔ ثُمَّ أَوْضَحَ اللّٰهُ مُرَادَهُ تَدْرِيْجًا۔ لِيُعْلَمَ أَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوْعٌ وَأَنَّ النِّعْمَةَ كَامِلَةٌ وَتَمَثَّلَ هٰذَا الْمَعْنٰى مُسْتَنِدًا إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهُ أَكْثَرُ الْأَنْبِيَآءِ مُعَالَجَةً لِلْأُمَّةِ وَمَعْرِفَةً بِسِيَاسَتِهَا۔

''نبی ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا، سیر کرائی گئی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا۔ لیکن یہ ایک مقام ہے جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے۔ پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح اور معانی نے جسم قبول کر کے تمثل اختیار کیا۔ اسی لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک حقیقت ہے۔

۱: ''صدر کا چاک کرنا۔ اسے ایمان سے بھر دیا جانا۔'' اس کی حقیقت ہے، انوارِ ملکیہ کا غلبہ ہو جانا اور شعلہٗ طبیعت کا بجھ جانا اور جو کچھ حظیرۃ القدس سے طبیعت کو فیضان ہوتا ہے اس کے لیے مطیع بن جانا۔

۲: براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفسِ ناطقہ نسمہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آ جائے۔ پس آنحضرت ﷺ براق پر ایسی خوبی سے سوار ہوئے جیسا کہ حضور ﷺ کے نفسِ انسانی کے احکامِ قوت بہیمیہ پر غالب اور متسلّط تھے۔

۳: مسجدِ اقصیٰ تک سیر اس لیے ہے کہ وہ شعائرِ الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے۔ ملائے اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظر گاہ ہے گویا وہ ملکوت کی جانب ایک روزن ہے۔

۴: انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات اور مفاخرت کی حقیقت یہ ہے کہ حظیرۃ القدس سے ان کو اجتماعی ربط وضبط حاصل ہے۔ اور پھر ان اجماعی امور کی خصوصیات کا نہایت کاملیت اور خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ سے ظہور ہوا ہے۔

۵: آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھنے کی حقیقت درجہ بدرجہ تعلقاتِ طبعی سے نکل کر مستویٰ رحمٰن کی طرف جانا ہے۔ نیز احوالِ ملائکہ کی معرفت جو اس مقام سے خصوصیت رکھتے ہیں، نیز ملائکہ اور نسلِ انسانی کے ان بزرگوں کے احوال کی شناخت جو ملائکہ سے ملے ہوئے ہیں۔ نیز اس تدبیر کلیہ کی معرفت جو مقامِ مذکور میں وحی ربانی سے بتائی گئی، نیز ان امور کی شناخت جن پر ملائکہ مسابقت رکھتے ہیں۔

۶: واضح ہو کہ ''گریہ موسیٰ'' سے حسد کا اظہار مراد نہیں، بلکہ اظہار اس امر کا ہے کہ ان کی رسالت تمام دنیا کے لیے عام نہ تھی اور اس طرح ایک کمال باقی تھا جو حضرت موسیٰ کو حاصل نہ تھا۔

۷: سدرۃ المنتہیٰ درخت عالم ہے کہ ایک وجود دوسرے وجود پر مترتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ درخت کا بھی غذا اور نمو میں یہی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اس کی تمثیل نہیں دی گئی کیونکہ وہ تدبیر کلیہ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے وہ بھی مفرد ہے۔ اور اسی لیے بہترین مشابہت

اس کی درخت میں پائی جاتی ہے (کہ ایک ہی تنا پر مختلف شاخیں، ڈالیاں، ٹہنیاں اور پتے ہوتے ہیں اور غذا و نمو میں برابر سب مستفیض ہیں) اور حیوان میں یہ مشابہت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ حیوان میں قوائے تفصیلیہ بھی ہیں اور قوتِ ارادہ بھی ہے اور یہ سنن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

۸: دریاؤں کی اصل وہ رحمتِ فائضہ ہے جو عالم شہادت کے محاذی عالم ملکوت میں موجود ہے نیز حیات اور نمو بھی اسی اصل میں شامل ہیں، اسی لیے ظاہراً چند اسبابِ نافعہ مثل نیل وفرات وغیرہ کا تعین کیا گیا ہے۔

۹: رہے وہ انوار جنہوں نے اسے ڈھانپ لیا تھا۔ یہ وہ تدلیاتِ رحمانی اور تدبیراتِ الٰہیہ ہیں۔ جو عالمِ ظہور میں جلوہ گستر اور نور ریز ہیں، جہاں تک اس عالم میں ان کی استعداد پائی جاتی ہے۔

۱۰: بیت المعمور کی حقیقت وہ الٰہی تجلی ہے۔ جس کی طرف بندگانِ خدا کی دعاؤں اور سجدوں کا رخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ و بیت المقدس کے محاذ میں جیسا کہ لوگوں کا ان ہر دو کی بابت اعتقاد ہے۔ ایک گھر کا تمثل لیے ہوئے ہے۔

۱۱: شب معراج نبی ﷺ کے سامنے ایک برتن دودھ کا، ایک برتن شراب کا پیش کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے دودھ کو پسند فرمایا اور جبریل علیہ السلام نے بتادیا کہ آپ نے فطرتِ اصلیہ کو پسند فرمایا اگر شراب کا برتن آپ لے لیتے تو آپ کی امت بھٹک جاتی۔ دیکھو نبی ﷺ اپنی امت کو فطرت پر جمع کرنے والے تھے اور دودھ سے مراد یہی ہے کہ امت فطرت کو پسند کرے اور خمر سے مراد یہ تھی کہ ❶ لذات دنیا کو پسند کرے۔

۱۲: پانچ نمازوں کا تقرر بھی زبان تجویزی سے ہوا۔ یہ پانچ ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ گویا رب کریم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو (۵۰ کے برابر کا) کامل ہے اور حرج اور مرج اٹھا دیا گیا ہے۔ یہ مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سند سے متمثل کیا گیا ہے، کیونکہ جناب ممدوح امت کی اصلاح و درستی اور اصولِ سیاست امت کی شناخت میں اکثر انبیا علیہم السلام سے بڑھے ہوئے ہیں۔"

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا

انہی دنوں طفیل بن عمرو مکہ میں آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا۔ اور نواحیٔ یمن میں ان کے خاندان میں رئیسانہ حکومت تھی۔ طفیل بذاتِ خود شاعر و دانشمند شخص تھا۔ اہل مکہ نے آبادی سے باہر جا کر اس کا استقبال کیا اور اعلیٰ پیمانہ پر اس کی خدمت اور تواضع کی۔ طفیل کا اپنا بیان ہے کہ "مجھے اہل مکہ نے یہ بھی بتایا کہ یہ شخص جو ہم میں سے نکلا ہے، اس سے ذرا بچنا۔ اسے جادو آتا ہے۔ جادو سے باپ، بیٹے، زن و شوہر، بھائی بھائی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام ابتر کر دیے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری قوم پر بھی ایسی ہی کوئی مصیبت پڑے، اس لیے ہماری زور سے یہ نصیحت ہے کہ نہ اس کے پاس جانا نہ اس کی بات

---

❶ اکثر مصنفین نے معراج کا ذکر بعد از واپسی طائف کیا ہے۔ مگر امام طبری نے اپنی کتاب "تاریخ الملل والامم" میں ابتدائے نبوت سے دوسرے دن ہی معراج کا ہونا تحریر کیا ہے۔ ان کی تائید اس دلیل سے بخوبی ہوتی ہے کہ جب فرضیتِ نماز کا حکم شبِ معراج میں ہوا اور نبی ﷺ اور دوسرے مسلمان اسی وقت سے ہی برابر یہ نماز پڑھتے تھے تو نماز کی فرضیت کا حکم گیارہ سال تک کیونکر متاخر رہ سکتا ہے۔ لیکن حسب بیان شاہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۱ھ (مندرجہ شرح سفرِ سعادت ص ۳۶) کہ پہلے صرف دو نمازیں فجر و عصر کی فرض ہوئی تھیں۔ اب شبِ معراج کو پانچ نمازیں فرض ہوئیں، کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا۔

سننا اور نہ خود بات چیت کرنا۔''

یہ باتیں انہوں نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کر دیں کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا، تو کانوں کو روئی (پنبہ) سے بند کر لیتا۔ تاکہ محمد ﷺ کی آواز کی بھنک بھی میرے کان میں نہ پڑ جائے۔ ایک روز میں صبح ہی خانہ کعبہ میں گیا۔ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ چونکہ خدا کی مشیت یہ تھی کہ ان کی آواز میری سماعت تک ضرور پہنچے، اس لیے میں نے سنا کہ ایک نہایت عجیب کلام وہ پڑھ رہے ہیں، اس وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں۔ باعلم ہوں۔ اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے؟ اور کون سی روک ہے کہ میں اس کی بات نہ سنوں، اچھی بات ہوگی تو مانوں گا، ورنہ نہیں مانوں گا۔ میں یہ ارادہ کر کے ٹھہر گیا۔ جب نبی ﷺ واپس گھر کو چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا اور جب مکان پر حاضر ہوا تو نبی ﷺ کو اپنا واقعہ مکہ میں آنے، لوگوں کے بہکانے، پنبہ در گوش رہنے اور آج حضور ﷺ کی زبان سے کچھ سن پانے کا کہہ سنایا اور عرض کیا، مجھے اپنی بات سنایئے! نبی ﷺ نے قرآن پڑھا۔ بخدا! میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا نہ تھا جو اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہو۔''

الغرض طفیل اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ جسے قریش بات بات میں مخدوم و مطاع کہتے تھے۔ وہ بات کی بات میں محمد ﷺ کا دل و جان سے خادم اور مطیع بن گیا۔ قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت ہی شاق و ناگوار گزرا۔ [1]

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے شہر یثرب ہی میں تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا۔ تم جاؤ، مکہ میں اس شخص سے مل کر آؤ۔ اور پھر مجھے بتاؤ۔

انیس برادر ابوذر ایک مشہور فصیح شاعر، زبان آور تھا۔ وہ مکہ میں آیا۔ نبی ﷺ سے ملا۔ پھر بھائی کو جا کر بتایا کہ میں نے محمد ﷺ کو ایک ایسا شخص پایا۔ جو نیکیوں کے کرنے کا اور شر سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بولے، اتنی بات سے تو کچھ تسلی نہیں ہوتی۔ آخر خود پیدل چل کر مکہ پہنچے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی شناخت نہ تھی۔ اور کسی سے دریافت کرنا بھی وہ پسند نہ کرتے تھے۔ زمزم کا پانی پی کر کعبہ ہی میں لیٹ رہے۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے پاس کھڑے ہو کر کہا، یہ تو کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے۔ ابوذر بولے ہاں! علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اچھا میرے ہاں چلو۔ یہ رات کو وہیں رہے۔ نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کچھ پوچھا، نہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا۔ صبح ہوئی ابوذر رضی اللہ عنہ پھر کعبہ میں آ گئے۔ دل میں آنحضرت ﷺ کی تلاش تھی۔ مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پھر آ پہنچے، انہوں نے فرمایا: شاید تمہیں اپنا ٹھکانہ نہ ملا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بولے: ہاں! علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پھر ساتھ لے گئے۔ اب انہوں نے پوچھا تم کون ہو، اور کیوں یہاں آئے ہو؟'' ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ راز رکھو تو میں بتا دیتا ہوں۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے سنا تھا کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو نبی اللہ بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا۔ وہ یہاں سے کچھ تسلی بخش بات لے کر نہ گیا۔ اس لیے خود آیا ہوں۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم خوب آئے اور خوب ہوا کہ مجھ سے ملے۔ دیکھو، میں انہی کی خدمت میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ

---

[1] ملخصاً زاد المعاد فی قدوم وفد دوس، ج ۳، ص: ٦٢٤، ٦٢٥۔

چلو۔ میں پہلے اندر جا کر دیکھ لوں گا۔ اگر اس وقت ملنا مناسب نہ ہوگا تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ گویا جوتا درست کر رہا ہوں۔ الغرض ابوذر رضی اللہ عنہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے اور عرض کیا، مجھے بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بابت بیان فرمایا اور ابوذر رضی اللہ عنہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر رضی اللہ عنہ! تم ابھی اس بات کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ۔ جب تمہیں ہمارے ظہور کی خبر مل جائے، تب آ جانا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بولے بخدا میں تو ان دشمنوں میں اعلان کر کے جاؤں گا۔ اب ابوذر رضی اللہ عنہ کعبہ کی طرف آئے۔ قریش جمع تھے انہوں نے سب کو سنا کر بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ قریش نے کہا۔ اس بے دین کو مارو۔ لوگوں نے مار ڈالنے کے لیے مجھے مارنا شروع کیا۔ عباس رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا۔ کہا کم بختو! یہ تو قبیلہ غفار کا آدمی ہے جہاں تم تجارت کو جاتے اور کھجوریں لاتے ہو۔ لوگ ہٹ گئے۔ اگلے دن انہوں نے پھر سب کو سنا کر کلمہ پڑھا۔ پھر لوگوں نے مارا اور عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو چھڑایا اور یہ اپنے وطن کو چلے آئے۔ [1]

اسباب ہجرت

۱۱ نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکی میں شہر مکہ سے چند میل پرے مقام عقبہ [2] پر لوگوں کو باتیں کرتے سنا۔ اس آواز پر خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس پہنچا، یہ چھ آدمی تھے [3]، اور یثرب سے آئے تھے۔ ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی عظمت و جلال کا بیان شروع کیا۔ ان کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا۔ بتوں سے ان کو نفرت دلائی، نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دے کر گناہوں اور برائیوں سے منع فرمایا۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن فرمایا۔ یہ لوگ اگرچہ بت پرست تھے لیکن انہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا یہ ذکر کرتے سنا تھا کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ [4] اس تعلیم سے وہ اسی وقت ایمان لے آئے اور جب اپنے وطن کو لوٹ کر گئے تو دین حق کے سچے 'منادی' بن گئے۔

''وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم''

وہ ہر ایک کو یہ خوشخبری سناتے تھے کہ ''وہ [5] نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' جس کا تمام عالم کو انتظار تھا، آ گیا، ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا، ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا اور اس نے ہم کو اس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے ہیچ ہے۔

---

[1] بخاري، كتاب المناقب، باب قصة السلام ابى ذر الغفاري، حديث: ۳۵۲۲۔ ''مدارج النبوۃ'' میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ قریباً ایک ماہ تک آب زمزم ہی پر رہے۔ اس پانی نے پانی اور غذا کا کام کیا۔ ان کی توند نکل آئی۔ [2] یہ مقام الحرا اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔

[3] ابوامامہ، اسعد بن زرارہ، عوف بن الحارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، سعد بن ربیع، الاستیعاب، ج۱، ص۵۷، باب اسعد۔

[4] زاد المعاد، ج ۳، ص: ٤٤۔ [5] ناظرین لفظ ''وہ نبی'' کا مطلب سمجھنے کے لیے ''انجیل یوحنا'' باب اول کو ۱۹ سے ۲۸ ورس تک پڑھیں۔ یوحنا (یحییٰ) نے اقرار کیا کہ میں مسیح علیہ السلام نہیں ہوں ۲۱۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، پس آیا تو ''وہ نبی'' ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، اس سے مطلب نکلا کہ علمائے یہود اس زمانہ میں تین انبیاء کی آمد و ظہور کے منتظر تھے۔ الیاس، مسیح، وہ نبی۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیح بتایا اور مسیح نے یوحنا کو الیاس کہا۔ اب تیسرے کا ظہور باقی تھا۔ جو کتب سابقہ میں ''وہ نبی'' اور مسلمانوں کی زبان پر ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم'' کے خطاب سے یاد کیے گئے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''وہ نبی'' نہیں تو پادری بتائیں کہ مسیح کے بعد ''وہ نبی'' کہلانے والا کون ہوا؟

بیعت عقبہ اولیٰ

ان لوگوں کی بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال ۱۲ نبوت کو یثرب کے بارہ باشندے [1] مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ کے فیضان سے دولت ایمان حاصل کی۔ ان لوگوں نے جن باتوں پر نبی ﷺ سے بیعت کی تھی، وہ یہ ہیں۔

بیعت کی شرطیں

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا کاری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے، اور نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔

(۵) ہم نبی ﷺ کی اطاعت ہر ایک اچھی بات میں کیا کریں گے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے غلام چلا کرتے تھے، بدن پر دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک کبھی نہ پہنتے۔ مگر جب ان کو اسلام کی طفیل روحانی عیش حاصل ہوا۔ تب ان جسمانی آرائشوں اور نمائشوں کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا۔ جن دنوں یہ مدینہ میں دین حق کی منادی کرتے اور اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، ان دنوں ان کے کندھے پر صرف کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا۔ جسے اگلی طرف سے کیکر کے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ

مصعب رضی اللہ عنہ مدینے میں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر اترے تھے اور ان کو مدینے والے ''اَلْمُقْرِی'' [2] (پڑھانے والا استاد) کہا کرتے تھے۔ ایک دن مصعب رضی اللہ عنہ و اسعد رضی اللہ عنہ اور چند مسلمان ''بیئر مرق'' پر جمع ہوئے یہ غور کرنے کے لیے کہ بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں کیونکر اسلام کی منادی کی جائے۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے، اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہیں بھی خبر ہوئی۔ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

''تم کس غفلت میں پڑے ہو، دیکھو یہ دونوں ہمارے گھروں میں آ کر ہمارے بیوقوفوں کو بہکانے لگے، تم جاؤ انہیں جھڑک دو اور کہہ دو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں۔ میں خود ایسا کرتا۔ مگر اس لیے خاموش ہوں کہ

---

[1] ابو امامہ، عوف بن الحارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، معاذ بن حرث، ذکوان بن عبد قیس، خالد بن مخلد، عبادہ بن صامت، عباس بن عبادہ، ابو الہیثم، عویم بن ساعدہ۔ [2] طبری، ج ۱، ص: ۵۵۹۔

اسعد رضی اللہ عنہ میری خالہ کا بیٹا ہے۔"

اسید بن حضیر اپنا ہتھیار لے کر روانہ ہوا۔ اسعد رضی اللہ عنہ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو کہا، دیکھو! یہ قبیلے کا سردار آ رہا ہے، خدا کرے کہ وہ تیری بات مان جائے۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر وہ آ کر بیٹھ گیا تو میں اس سے ضرور کلام کروں گا۔ اتنے میں اسید رضی اللہ عنہ آ پہنچا اور کھڑا کھڑا گالیاں دیتا رہا۔ اور یہ بھی کہا کہ تم ہمارے احمق نادان لوگوں کو پھسلانے آئے ہو۔

مصعب رضی اللہ عنہ کے وعظ پر اسید رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا

مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا، کاش! آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں اگر پسند آئے، قبول فرمائیں ناپسند ہو تو اسے چھوڑ جائیں۔ اسید رضی اللہ عنہ نے کہا، خیر، کیا مضائقہ ہے۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ اسلام کیا ہے، اور پھر اسے قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ اسید نے سب کچھ چپ چاپ سنا۔ بالآخر کہا، ہاں یہ بتاؤ کہ جب کوئی تمہارے دین میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہلا کر، پاک کپڑے پہنا کر، کلمہ شہادت پڑھا دیتے ہیں اور دو رکعت نفل پڑھوا دیتے ہیں۔ اسید اٹھا۔ کپڑے دھوئے۔ کلمہ شہادت پڑھا اور نفل ادا کیے۔ پھر کہا میرے پیچھے ایک اور شخص ہے اگر وہ تمہارا پیرو ہو گیا تو پھر کوئی تمہارا مخالف نہ رہے گا۔ اور میں جا کر ابھی تمہارے پاس اسے بھیج دیتا ہوں۔ اسید یہ کہہ کر چلا گیا۔ ادھر سعد بن معاذ اس کے انتظار میں تھا دور ہی سے چہرہ دیکھتے ہی بولا۔ دیکھو، اسید کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ جب اسید آ بیٹھا تو سب نے پوچھا کیا ہوئی؟ اسید بولا میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری منشا کے خلاف کچھ نہ کریں گے۔ مگر وہاں تو ایک اور حادثہ پیش آیا۔ بنو حارثہ وہاں آ گئے تھے اور وہ اسعد بن زرارہ کو اس لیے قتل کرنے پر آمادہ ہیں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ غصہ میں بھر گیا اور اپنا حربہ سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔ اسے ڈر تھا کہ بنو حارثہ اس کے بھائی کو نہ مار ڈالیں۔ اس نے چلتے وقت یہ بھی کہا کہ اسید! تم کچھ بھی کام نہ بنا کر آئے۔

مصعب رضی اللہ عنہ کے وعظ پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ایمان قبول کرنا

سعد وہاں پہنچا، دیکھا کہ مصعب و اسعد رضی اللہ عنہما دونوں با اطمینان بیٹھے ہوئے ہیں، سعد سمجھا کہ اسید نے مجھے ان کی باتیں سننے کے لیے بھیجا ہے، یہ خیال آتے ہی انہیں گالیاں دینے لگا۔ اور اسعد رضی اللہ عنہ کو یہ بھی کہا کہ اگر میرے، اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمہاری کیا مجال تھی کہ ہمارے محلے میں چلے آتے۔ اسعد نے مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا۔ دیکھو یہ بڑے سردار ہیں اور اگر ان کو سمجھا دو تو پھر کوئی دو آدمی بھی تمہارے مخالف نہ رہ جائیں گے۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے سعد سے کہا، آیئے بیٹھ جایئے، کوئی بات کریں۔ ہماری بات پسند آئے تو قبول فرمایئے، ورنہ انکار کیجئے، سعد رضی اللہ عنہ حربہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید بھی سنایا، آخر سعد رضی اللہ عنہ نے بھی وہی سوال کیا جو اسید رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ الغرض سعد رضی اللہ عنہ اٹھا، نہایا، کپڑے دھوئے کلمہ پڑھا، نفل ادا کیے اور ہتھیار لے کر اپنی مجلس میں واپس آیا اور آتے ہی اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکار کر کہا۔

اے بنی عبدالاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟

سب نے کہا، تم ہمارے سردار، تمہاری رائے، تمہاری تلاش بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ بولا۔ سنو! خواہ کوئی مرد ہے یا عورت، میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک کہ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔

تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہوا

اس کے کہنے کا اثر یہ ہوا کہ بنی عبدالاشہل میں شام تک کوئی مرد اسلام سے خالی نہ رہا۔اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔مصعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم سے اسلام کا چرچا اسی طرح انصار کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا۔اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۱۳ نبوت کو ۷۳ مرد ۲ عورتیں یثرب کے قافلے میں مل کر مکہ آئے۔ان کو یثرب کے اہل ایمان نے اس لیے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منظوری حاصل کریں۔

یہ راست بازوں کا گروہ اسی متبرک مقام پر جہاں دو سال سے اس شہر یثرب کے مشتاق حاضر ہوا کرتے تھے۔رات کی تاریکی میں پہنچ گیا اور خدا کا برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیے ہوئے وہاں جا پہنچا۔ ❶

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) اس وقت ایک بات کام کی کہی۔انہوں نے کہا لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہیں۔اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگو تو پہلے سمجھ لینا کہ یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں ❷ کو دعوت دینا ہے،جو کچھ کرو،سوچ سمجھ کر کرو۔ورنہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ کرو۔

ان راست بازوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو کچھ بھی جواب نہ دیا۔ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں۔

عقبہ ثانیہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خدا کا کلام جو خدا کا پیغام انسان کی طرف ہے،پڑھ کر سنایا۔جس کے سننے سے وہ ایمان اور ایقان کے نور سے بھرپور ہو گئے۔

اب سب لوگوں نے عرض کی کہ خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے شہر میں چل کر بسے تاکہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) کیا تم دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے؟

(۲) اور جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں،کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے؟

ایمان والوں نے پوچھا۔ایسا کرنے کا ہم کو معاوضہ کیا ملے گا؟ ❸

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:بہشت (جو نجات اور خدا کی خوشنودی کا محل ہے)

ایمان والوں نے عرض کیا،اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کبھی چھوڑ نہ دیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! میرا جینا،میرا مرنا تمہارے ساتھ ہو گا۔

---

❶ طبری،ج ۱،ص: ۵۶۲۔

❷ سرخ لڑائیوں سے مراد سخت خونریز لڑائی اور سیاہ لڑائی تاریک انجام والی لڑائی مراد ہوتی ہے۔

❸ دیکھو پطرس کا سوال مسیح سے متی ۱۹/ ۲۷۔

اس آخری فقرے کا سننا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجب سرور ونشاط کے ساتھ جاں نثاری کی بیعت اسلام کرنے لگے۔ ❶ براء بن معرور رضی اللہ عنہ وہ پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی تھی۔

ایک شیطان نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ نظارہ دیکھا اور چیخ کر اہل مکہ کو پکار کر کہا۔ لوگو! آؤ دیکھو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے فرقے کے لوگ تم سے لڑائی کے مشورے کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اس کی آواز کی پروانہ کرو۔ عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ہو تو ہم کل ہی مکہ والوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں مجھے جنگ کی اجازت نہیں۔ ❷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ نقیب

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے (۱۲) شخصوں کا انتخاب کیا اور ان کا نام ''نقیب'' رکھا اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے اپنے لیے ۱۲ شخصوں کو چن لیا تھا۔ اسی طرح میں تمہیں انتخاب کرتا ہوں۔ تاکہ تم اہل یثرب میں جا کر دین کی اشاعت کرو۔ مکہ والوں میں، میں خود یہ کام کروں گا۔

ان کے نام یہ ہیں۔

قبیلہ خزرج کے ۹: اسعد بن زرارہ۔ رافع بن مالک۔ عبادہ بن صامت (یہ تینوں عقبہ اولیٰ میں بھی تھے) سعد بن ربیع۔ منذر بن عمرو۔ عبداللہ بن رواحہ۔ براء بن معرور۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام۔ سعد بن عبادہ۔

قبیلہ اوس کے ۳: اسید بن حضیر۔ سعد بن خیثمہ۔ ابوالھیثم بن تیہان رضی اللہ عنہم۔ ❸

قریش نے یثرب کے دو مسلمانوں کو گرفتار کیا

قریش کو دن نکلنے کے بعد کچھ بھنک سی معلوم ہوئی۔ وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے لیکن ان کا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو وہاں پایا۔ منذر رضی اللہ عنہ تو بھاگ گیا اور انکے ہاتھ نہ آیا۔ مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے پکڑ لیا۔ اسکی سواری کے اونٹ کا تنگ کھول کر اس کی مشکیں باندھ دیں۔ مکہ میں لا کر اسے مارتے اور اس کے سر کے لمبے بالوں کو کھینچتے تھے۔ یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ۱۲ اشخاص میں سے ایک نقیب ٹھہرایا تھا۔ انکا اپنا بیان ہے کہ جب قریش زدوکوب کر رہے تھے، تو ایک سرخ وسفید شیریں شمائل شخص انہیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس قوم میں کسی شخص سے مجھے بھلائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا، جب وہ میرے پاس آ گیا تو اس نے نہایت زور سے منہ پر طمانچہ لگایا۔ اس وقت مجھے یقین آ گیا کہ ان میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس سے امید خیر کی جا سکے، اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا، کیا قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ تجھے حق ہمسائیگی حاصل نہیں اور کسی سے بھی تیرا عہد و پیمان نہیں؟ میں نے کہا، ہاں! جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ جو عبد مناف کے پوتے ہیں، وہ تجارت کے لیے ہمارے ہاں جایا

---

❶ وہ نوشتہ پورا ہوا کہ ''نور تاریکی میں چمکتا ہے'' انجیل یوحنا باب ۱: ۵۔

❷ زاد المعاد، ج ۳، ص: ۴۸۔ ❸ الاستیعاب، ج ۱، ص: ۳۲ باب أسید۔

کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے۔ اس نے کہا، پھر انہی دونوں کے نام کی دہائی تجھے دینی اور اپنے تعلقات کا اعلان کرنا چاہیے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ تمہارا نام لے لے کر تمہیں پکار رہا ہے۔ ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے بتایا، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وہ بولے کہ ہاں! اس کا ہم پر احسان بھی ہے۔ انہوں نے آ کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو چھڑا دیا اور یہ ثابت قدم بزرگ یثرب کو سدھار گیا۔ ❶

مسلمانوں کو ترک وطن کی اجازت مل گئی

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکہ سے باہر نہیں گئے تھے۔ لیکن جن پر اب اتنے ظلم و ستم ہونے لگے تھے کہ پیارا وطن ان کے لیے آگ کا پہاڑ بن گیا۔ یثرب چلے جانے کی اجازت فرما دی۔ ان ایمان والوں کو گھر بار، خویش و اقارب، باپ، بھائی، زن و فرزند کے چھوڑنے کا ذرا غم نہ تھا۔ بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جا کر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کر سکیں گے۔

ہجرت کی دشواریاں

ہجرت کرنے والوں اور گھر چھوڑ کر جانے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔

۱: صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے آ گھیرا، کہا صہیب رضی اللہ عنہ! جب تو مکہ میں آیا تھا تو مفلس و قلاش تھا، یہاں ٹھہر کر تو نے ہزاروں کمائے۔ آج یہاں سے جاتا ہے، اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے کر چلا جائے یہ تو کبھی نہیں ہوگا۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا! اگر میں اپنا سارا مال و متاع تمہیں دے دوں، تب مجھے تم جانے دو گے؟

قریش بولے: ہاں!

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے سارا مال انہیں دے دیا اور یثرب کو روانہ ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ اس سودے میں صہیب رضی اللہ عنہ نے نفع کمایا۔ ❷

۲: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا، مجھے اونٹ پر چڑھایا، میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آ کر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا کہا: تو جا سکتا ہے مگر ہماری لڑکی کو نہیں لے جا سکتا۔ اب بنو عبدالاسد بھی آ گئے انہوں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تو جا سکتا ہے مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے تو نہیں لے جا سکتا۔ غرض انہوں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھا دیا۔ بنو عبدالاسد تو گود کے بچہ کو ماں سے چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو لے آئے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جو دین کے لیے ہجرت کرنا فرض سمجھتا تھا، زن و بچہ کے بغیر روانہ ہو گیا۔

---

❶ سعد بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ کیا سبق ملتا ہے؟ کہ اسلام کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے بھوک پیاس کی آزمائش، قوم و ملک کی عداوت کی آزمائش ضرر جسمانی و نقصان مالی کی آزمائش وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمائشوں پر پورا اترتا ہے، تب وہ خدا کے اس ابدی وعدے کا مستحق ٹھہر جاتا ہے جو قرآن اور انجیل اور تورات میں مومنین سے کیا گیا ہے کہ اس کی دنیا بھی عمدہ ہو گی۔ کیا کوئی شخص ان بزرگوں کی نسبت جو ایسی آزمائشوں کے بعد شیریں ثمر ثابت ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ بزور شمشیر مسلمان کیے گئے تھے؟ یا یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسے بزرگ کسی دوسرے کو بزور شمشیر مسلمان کرتے تھے۔

❷ سیرت ابن ہشام، ج۱، ص: ٤٧٧ منازل المهاجرين منزلة طلحة وصهيب۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا روز شام کو اسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے وہ الگ کی گئی تھی ۔ پہنچ جاتی گھنٹوں رودھو کر واپس آ جاتی، ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا۔ آخران کے ایک چچیرے بھائی کو رحم آیا۔ اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دلادی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے ۔ بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار ہو کر تن تنہا مدینہ کو چل دیں ۔ ❶

ایسی ہی مشکلات کا سامنا تقریباً ہر ایک صحابی کو کرنا پڑا تھا۔

۳: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عیاش رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ صحابی بھی ان کے ساتھ مدینہ چلنے کو تیار ہوئے تھے۔ عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے ۔ مگر ہشام بن عاصی رضی اللہ عنہ کی بابت کفار کو خبر لگ گئی ۔ ان کو قریش نے قید کر دیا۔

عیاش رضی اللہ عنہ مدینہ جا پہنچے تھے کہ ابوجہل مع اپنے برادر حارث کے مدینہ پہنچا۔ عیاش رضی اللہ عنہ ان کے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ایک ماں تھی۔

ابوجہل و حارث نے کہا کہ تمہارے بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے۔ اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاش رضی اللہ عنہ کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی ، نہ سایہ میں بیٹھوں گی ۔ اس لیے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر آ جانا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، عیاش رضی اللہ عنہ! مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری اماں کے سر میں کوئی جوں پڑ گئی تو وہ خود ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی دھوپ نے ذرا خبر لی تو وہ خود سایہ میں جا بیٹھے گی ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم کو جانا نہیں چاہیے۔

عیاش رضی اللہ عنہ بولے نہیں! میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آ جاؤں گا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، اچھا اگر یہی رائے ہے۔ تو سواری کے لیے میرا ناقہ لے جاؤ۔ یہ بہت تیز رفتار ہے اگر راستہ میں تمہیں ذرا بھی ان سے شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر بآسانی ان کی گرفت سے بچ کر آ سکو گے۔

عیاش رضی اللہ عنہ نے ناقہ لے لی ۔ یہ تینوں چل پڑے ایک روز راہ میں (مکہ کے قریب) ابوجہل نے کہا۔ بھائی ہمارا اونٹ تو ناقہ کے ساتھ ساتھ چلتا چلتا رہ گیا۔ بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ عیاش رضی اللہ عنہ بولا بہتر! جب عیاش رضی اللہ عنہ نے ناقہ بٹھائی تو دونوں بھائیوں نے اسے پکڑ لیا۔ مشکیں کس لیں اور مکہ میں اسی طرح لے کر داخل ہوئے ۔

یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو، بیوقوفوں ، احمقوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں ۔ اب عیاش رضی اللہ عنہ کو بھی ہشام بن عاصی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قید کر دیا گیا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے ، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پوری کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ مکہ میں آئے ۔ زندان خانے سے دونوں کو شباشب نکال کر لے گئے ۔ ❷

ان ہر سہ حکایات سے ناظرین یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہجرت کے وقت بھی مسلمانوں کو کیسی سخت مصیبتوں پر غالب آنا پڑتا تھا۔ گھر چھوڑنا بھی بلا خاص جدوجہد اور ابتلاء وامتحان کے آسان نہ تھا۔

---

❶ سیرت ابن هشام، ص: ٤٦٩، ج ١، ذکر المهاجرین الی المدینة ۔

❷ سیرت ابن هشام، ج ١، ص: ٤٧٤ فی هجرت عمرو قصة عیاش۔

ہجرت

جب مسلمان مکہ میں گنتی کے رہ گئے اور مشہور صحابہ میں سے صرف ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما باقی رہے۔تو قریش مکہ نے کہا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کر دینے کا اچھا موقع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے قریش کے سرداروں کی کمیٹی کا اجلاس

تدبیر قتل پر غور کرنے کے لیے دارالندوہ میں خفیہ اجلاس ہوا۔ دارالندوہ کو قصی بن کلاب نے قائم کیا تھا۔ یہ گویا قریش کا ایوان پارلیمنٹ تھا۔ اس اجلاس میں نجد کا ایک تجربہ کار بوڑھا شیطان بھی آ کر شامل ہوا تھا۔ اور قریش کے مشہور قبائل میں سے مندرجہ ذیل مشہور سردار موجود تھے۔

(۱) بنو عبد شمس میں سے شیبہ و عتبہ، فرزندان ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب۔

(۲) بنو نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر۔

(۳) بنو عبدالدار میں سے نضر بن حارث بن کلدہ۔

(۴) بنو اسد بن عبدالعزیٰ میں سے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام

(۵) بنو مخزوم میں سے ابوجہل بن ہشام

(۶) بنو سہم میں سے نبیہ و منبہ فرزندان حجاج۔

(۷) بنو جمح میں سے امیہ بن خلف۔ [1]

ایک بولا، اسے پکڑ کر گلے میں طوق و زنجیر ڈال کر ایک مکان میں قید کر دو، اور مکان کا دروازہ تیغہ کر دو تا کہ یہ بھی زہیر و نابغہ شاعروں کی موت کا مزہ چکھتا ہوا مر جائے۔

بوڑھا نجدی بولا، نہیں یہ ٹھیک نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قید ہونے کی خبر باہر نکلے بغیر نہ رہے گی۔ مسلمان اسے چھڑا لے جائیں گے اور طاقت پا کر تمہیں بھی فنا کر دیں گے۔

دوسرا بولا، ایک سرکش اونٹ پر بٹھا کر ہم اسے یہاں سے نکال دیں۔ ہماری طرف سے کہیں جائے، کہیں رہے، جئے خواہ مرے۔

بوڑھا نجدی بولا۔ نہیں یہ رائے بھی ٹھیک نہیں، کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دلآویز باتوں کو بھول گئے ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ جس سے بات کرتا ہے اسی کو اپنا بنا لیتا ہے، وہ دلوں پر کیسی آسانی سے قابو پا لیتا ہے۔ جہاں جائے گا۔ وہیں کے باشندے اس کے ساتھ لگ جائیں گے۔ اور بالآخر تم سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے کے چھوڑیں گے۔

---

[1] قرآن مجید میں ہے ﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ ﴾ (۸۶/ الطارق: ۱۵-۱۷) ''وہ تدبیریں کرتے ہیں اور خدا بھی تدبیر کرتا ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو نرمی و آہستگی سے چھوڑ دیجئے۔'' اس آیت کے ساتھ ان ۱۴ سرداروں کا انجام آپ دیکھئے کہ گیارہ سردار ایک دن میں (جنگ بدر) قتل ہوئے تھے اور تین ابوسفیان بن حرب، جبیر بن مطعم و حکیم بن حزام جو قتل سے بچے۔ وہ بالآخر مسلمان ہو گئے تھے۔

نبی ﷺ کے قتل کی تدبیر، قاتلوں کے انتخاب کا طریق

آخر ابوجہل نے ایسی تدبیر بتائی، جسے تمام جلسہ نے بالاتفاق منظور کر لیا تجویز اور تدبیر یہ تھی۔

(۱) عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد کا انتخاب کیا جائے۔

(۲) یہ سب بہادر رات کی تاریکی میں محمد ﷺ کے گھر کو گھیر لیں۔

(۳) جب محمد ﷺ صبح کی نماز کے لیے باہر نکلے، اس وقت یہ سب بہادر اپنی اپنی تلوار سے اس پر وار کریں اور اس کی بوٹی بوٹی کر دیں۔ اس تدبیر کا فائدہ یہ بتایا گیا کہ جس قتل میں تمام قبیلے شامل ہوں گے، اس کا بدلہ نہ تو محمد ﷺ کا قبیلہ لے سکے گا اور نہ محمد ﷺ کو سچا ماننے والے کچھ شر و فساد اٹھا سکیں گے۔

انسانی تدبیر کے مقابلہ میں الٰہی تدبیر

انسانی تدبیر کے مقابلے میں اب الٰہی طاقت اور ربانی حمایت کو دیکھئے کہ جب رات کو ان لوگوں نے نبی ﷺ کا گھر آ گھیرا۔ اس وقت خدا کے نبی ﷺ نے پیارے بھائی علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تم میرے بستر پر میری چادر لے کر سو رہو۔ ذرا فکر نہ کرنا۔ کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ان تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے اور خدا کا رسول ﷺ خدا کی حفاظت میں باہر نکلا اور ان دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا۔ اور سورہ یٰسین پڑھتا ہوا صاف نکل گیا۔ کسی نے نبی ﷺ کو جاتے نہ دیکھا۔ [1] یہ واقعہ ۲۷ صفر ۱۳ نبوت روز پنجشنبہ (۱۲ ستمبر ۶۲۱ء کا ہے۔)

خدا کا نبی ﷺ پیارے دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا۔ انہوں نے جلدی سے سفر کا ضروری سامان درست کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء نے اپنا کمربند کاٹ کر ستوؤں کے تھیلے کا منہ باندھا۔ اسی شب کی تاریکی میں دونوں بزرگوار چل پڑے۔ مکہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ''کوہ ثور'' ہے۔ اس کی چڑھائی سر توڑ ہے، راستہ سنگلاخ تھا۔ نکیلے پتھر نبی ﷺ کے پاؤں مبارک کو زخمی کر رہے تھے اور ٹھوکر لگنے سے بھی تکلیف ہوتی تھی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ آخر ایک غار تک پہنچے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو باہر ٹھہرایا، خود اندر جا کر غار کو صاف کیا تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے روزن بند کیے اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی تشریف لے آئیں۔

صبح ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ حسب معمول خواب سے بیدار ہوئے۔ قریش نے قریب جا کر انہیں پہچانا۔ پوچھا: محمد ﷺ کہاں ہے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ مجھے کیا خبر، کیا میرا پہرہ تھا؟ تم لوگوں نے انہیں نکل جانے دیا۔ اور وہ نکل گئے۔ قریش غصہ اور ندامت سے علی رضی اللہ عنہ پر پل پڑے۔ ان کو مارا اور خانہ کعبہ تک پکڑ لائے اور تھوڑی دیر تک حبس بے جا میں رکھا اور آخر چھوڑ دیا۔ [2] اب وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا باہر نکلی۔ ابوجہل نے پوچھا۔ لڑکی! تیرا باپ کدھر ہے؟ وہ بولی، بخدا مجھے معلوم نہیں۔

---

[1] خدا کے برگزیدہ نبی داؤد علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ کی مشابہت، داؤد علیہ السلام کھڑکی سے بھاگ کے بچ رہا۔ میکل نے ایک پتلا پلنگ پر لٹا رکھا اور بکریوں کی کھال تکیہ کی جگہ۔ اوپر سے چادر اوڑھا دی اور جب ساؤل نے ہرکارے داؤد علیہ السلام کے پکڑنے کو بھیجے، تو یہ بولی کہ وہ بیمار ہے ......الخ (کتاب السموائیل ۱۲-۱۳-۱۴ اور س ۱۹ باب)

[2] طبری، ج ۱، ص: ۵٦٨۔

بدزبان ودرشت خو، ابوجہل نے ایسا طمانچہ کھینچ مارا کہ اسماء کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔ ❶

ایک لڑکی کی ایمانی قوت

ہجرت کے متعلق ایک چھوٹی سی بات قابل ذکر ہے۔ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ میرے والد جاتے ہوئے گھر سے نقدروپیہ سب اٹھالے گئے تھے۔ یہ پانچ یا چھ ہزارروپے تھے۔ والد کے چلے جانے کے بعد میرے دادا ابوقحافہ ❷ نے کہا بیٹی میں سمجھتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تم کو دوہری تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ وہ خود بھی چلا گیا اور نقدو مال بھی ساتھ لے گیا۔ اسماء رضی اللہ عنہا بولی نہیں دادا جان۔ وہ ہمارے لیے کافی روپیہ چھوڑ گئے ہیں۔

اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک پتھر لیا، اس پر کپڑا لپیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ ہوا کرتا تھا وہاں رکھ دیا اور پھر دادا کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی۔ ابوقحافہ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ کہا دادا جان ہاتھ لگا کر دیکھو کہ مال موجود ہے۔ بوڑھے نے ٹٹولا اور پھر کہا۔

خیر، جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے تو اب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جانے کا چنداں غم نہیں، یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اچھا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے کافی انتظام کر گیا ہے۔

اسماء کہتی ہیں کہ یہ تدبیر میں نے بوڑھے دادا صاحب کے اطمینان قلب کے لیے کی تھی، ورنہ والد بزرگ تو سب کچھ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے) ساتھ لے گئے تھے۔ ❸

یہ چاند اور سورج دونوں تین ❹ روز تک اسی غار میں رہے، رات کی تاریکی میں اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما گھر سے روٹی دے جاتی۔ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اہل مکہ کی باتیں سنا جاتا۔ ❺ عامر بن فہیرہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کا غلام تھا اور جس کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ریوڑ تھا۔ وہاں بکریاں لے آتا۔

غار کا قیام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دودھ بقدر ضرورت لے لیتے اور وہ پھر ریوڑ سے آنے والوں کے نقشِ قدم کو تمام راستے سے مٹا دیتا۔ ❻ خدا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس صدق و خلوص کا یہ اجر دیا کہ ''إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' فرما کر جس معیت الٰہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم واصل تھے، اسی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا۔

غار سے روانگی

چوتھی شب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں، جن کو اسی سفر کے لیے خوب فربہ اور تیار کیا گیا تھا۔ ایک پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط (جسے رستہ بتانے پر نوکر رکھ لیا گیا تھا) سوار ہوئے۔ اور مدینہ کی جانب یکم

---

❶ طبری، ج ۱، ص: ۵۷۰۔ ❷ ابوقحافہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے دن یہ مسلمان ہوئے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان کو جملہ صحابہ میں یہ خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے خاندان کی چار نسلیں صحابی ہیں۔ ❸ ابن هشام، ج ۱، ص: ۴۸۸ ذكر ابى قحافة واسماء۔

❹ یونتن نبی نے داؤد علیہ السلام کو کہا جب تیری غیر حاضری پر تین دن گزر جائیں تو تو وہاں جائیو (اسموئیل باب ۲۰ درس ۱۹)

❺ ابن هشام، ج ۱، ص: ۴۸۶۔ ❻ بخاری، عن عائشة رضی اللہ عنہا، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع، حدیث: ۴۰۹۳۔

ربیع الاول روز دوشنبہ (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) کو روانہ ہوئے۔

ہجرت سے نبی ﷺ نے انبیائے سابقین کی سنت کو پورا کیا۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن اور حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام کی ہجرت کے واقعات بائیبل میں موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کے بعد نصرتِ الٰہی کی معیت کا ظہور ہوا، جیسے کہ پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا تھا۔

دلیل راہ نے درمیانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارہ کنارہ چلنا شروع کیا تھا۔ جب حضور ﷺ رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحل بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے، تب سراقہ بن مالک بن جعشم نے حضور ﷺ کا تعاقب کیا۔ عبدالرحمٰن بن مالک مدلجی جو سراقہ کا برادرزادہ ہے، بیان کرتا ہے۔

سراقہ خود سر پر لگائے نیزہ تانے، بدن پر ہتھیار سجائے، اپنی گھوڑی (عوذ نام) پر ہوا سے باتیں کرتا جارہا تھا کہ اس کی نظر حضور ﷺ پر پڑ گئی اس نے سمجھا کہ وہ کامیاب ہو گیا۔

اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گری، سراقہ نیچے آیا، اٹھا گھوڑی کو اٹھایا، سوار ہوا۔ پھر چلا۔ نبی ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور مالک سے لو لگائے بڑھے چلے جاتے تھے کہ حضور ﷺ کو دشمن کے قریب تر پہنچنے کی اطلاع عرض کی گئی۔ فرمایا: الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔ ادھر جب الفاظ مبارکہ زبان سے نکلے ادھر گھوڑی کے قوائم زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ گر پڑا اور سمجھ گیا کہ حفاظت الٰہی پر غالب آنا محال ہے۔

اس نے عاجزانہ الفاظ میں اپنی جان کی امان مانگی۔ امان دی گئی، سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا۔ پھر اس کی درخواست اور نبی ﷺ کے ارشاد پر عامر بن فہیرہ نے اسے خطِ امان بھی لکھ کر عطا فرمادیا۔ [1]

غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلے کا گزر خیمہ ام معبد پر ہوا۔ یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھی۔ سرِ راہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھہر کر ستایا کرتے تھے۔

یہاں پہنچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ وہ بولی نہیں، اگر کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔

خیمہ ام معبد پر آنحضرت ﷺ کا آرام وقیام

نبی ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ ام معبد نے کہا: ''کمزور ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔''

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی المدینة، حدیث: ۳۹۰۶، سراقہ اپنے دادا جعشم کی نسبت سے سراقہ بن جعشم مشہور ہے، سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کنانی ہے۔ علاقہ رابغ پر اسی کا قبیلہ قابض تھا۔ (الاستیعاب میں ہے کہ جب سراقہ واپس ہونے لگا تو نبی ﷺ نے فرمایا: سراقہ اس وقت تیری شان کیا ہوگی۔ جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن پہنائے جائیں گے، سراقہ واقعہ احد کے بعد مسلمان ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور مرصع زیورات فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے تو امیر المومنین نے سراقہ کو بلایا اور اس کے ہاتھوں میں سوارِ کسریٰ پہنائے اور زبان سے فرمایا۔ اللہ اکبر! اللہ کی بڑی شان ہے کہ کسریٰ کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے۔ الاستیعاب، باب سراقة، ج ۲، ۱۱۹۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اجازت ہے کہ ہم اس سے دودھ لیں؟''

ام معبد نے کہا: ''اگر حضور ﷺ کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دودھ لیجیے۔''

نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن مانگا، وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرت ﷺ اور ہمراہیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا۔ برتن بھر گیا یہ بھی ہمراہیوں نے پیا۔ تیسری دفعہ پھر برتن بھر گیا اور وہ ام معبد کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اور آگے کو روانہ ہو گئے۔

کچھ دیر کے بعد ام معبد کا شوہر آیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ کہاں سے آیا؟ ام معبد نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا۔ اور یہ دودھ اس کے قدوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا کہ یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا ذرا تم اس کی توصیف تو کرو۔ ام معبد بولی:۔

حلیہ مبارک آنحضرت ﷺ بزبان ام معبد

ام معبد نے آئینہ سیرت کے نقوش کی ان الفاظ میں تصویر کشی کی:

ظَاهِرُ الْوَضَاءَةِ أَبْلَجُ الْوَجْهِ حَسَنُ الْخُلُقِ لَمْ تَعِبْهُ ثَجْلَةٌ وَلَمْ تَزْرِ بِهِ صُعْلَةٌ وَسِيمٌ قَسِيمٌ فِي عَيْنَيْهِ دَعْجٌ۔ وَفِي أَشْفَارِهِ وَطَفٌ وَفِي صَوْتِهِ صَحَلٌ وَفِي عُنُقِهِ سَطَعٌ أَحْوَرُ أَكْحَلُ أَزَجُّ۔ أَقْرَنُ۔ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ۔ إِذَا صَمَتَ عَلَاهُ الْوَقَارُ۔ وَإِنْ تَكَلَّمَ عَلَاهُ الْبَهَاءُ أَجْمَلَ النَّاسِ وَ أَبْهَاهُمْ مِنْ بَعِيدٍ وَأَحْسَنُهُ وَأَحْلَاهُ مِنْ قَرِيبٍ حُلْوُ الْمَنْطِقِ۔ فَصْلٌ لَا نَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ كَانَ مَنْطِقُهُ خَرَزَاتٌ نَظْمٌ يَنْحَدِرْنَ رَبْعَةٌ لَا تَقْحَمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ وَلَا تَشْنَؤُهُ مِنْ طُولٍ غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا وَأَحْسَنُهُمْ قَدْرًا لَهُ رُفَقَاءُ يَحُفُّونَ بِهِ إِذَا قَالَ اسْتَمَعُوا لِقَوْلِهِ وَإِذَا أَمَرَ تَبَادَرُوا إِلَى أَمْرِهِ مَحْفُودٌ مَحْشُودٌ لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنَّدٌ۔

''پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ تو ندنکلی ہوئی، نہ چندیہ کے بال گرے ہوئے۔ زیبا۔ صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے۔ آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ۔ گویا دل بستگی لیے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دل فریب، قریب سے نہایت شریں و کمال حسین۔ شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے۔ نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کہ تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے رہتے ہیں۔ جب وہ حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم مطاع نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔''

یہ صفت سن کر وہ بولا کہ یہ ضرور صاحب قریش ہے۔ اور میں اسے ضرور جا کر ملوں گا۔ [1]

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص: ۵۶، ۵۷ مکہ سے باہر بدوی غیر مسلم قبائل میں آنحضرت ﷺ کو لوگ صاحب قریش کہتے تھے۔

نبوت کے تیرہ سال مکہ میں

سابقین واولین کی شان

نبوت کے تیرہ سال مکہ میں جس طرح گزرے، ان کا مختصر حال یہ تھا جو لکھا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد چند سینکڑوں سے زیادہ نہیں بڑھی تھی۔ لیکن یہ بھی عجیب کامیابی تھی کہ ان ایمان لانے والوں میں۔

(۱) علی، ابوبکر، عثمان، عمر رضی اللہ عنہم کی شان کے بزرگوار تھے۔ جن کی علمی فضیلت، عملی کشش وطاقت روشن ضمیری اور برترین قابلیت کے اوصاف نے چاردانگ عالم کی راہنمائی کی۔

(۲) یا مصعب بن عمیر، جعفر طیار، اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم کی سی اعلیٰ استعداد کے تھے۔ جنہوں نے یثرب وحبش ونجران کو وعظ کے ذریعے سے مسلمان کرلیا۔

(۳) یا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منصب کے تھے۔ جن کی علمی روایات سینکڑوں علمی نکات کی مخزن ہیں۔

(۴) یا زبیر وطلحہ وعمار ویاسر رضی اللہ عنہم کے درجے کے جن کی جاں نثاری وحق پسندی کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

(۵) یا بلال یا سمیہ اور کعب، خباب رضی اللہ عنہم کے نمونے کہ جنہوں نے اپنے استقلال واستقامت سے فرعون طبیعت ظالموں کو ظلم کرتے کرتے تھکا دیا تھا۔

(۶) یا سکران، شموس، ام حبیبہ، ختیس رضی اللہ عنہم کے حوصلے کے جنہوں نے دین حقہ کے لیے خویش واقارب، وطن ومولد کو چھوڑ کر حبش میں جا اقامت کی تھی۔

(۷) یا لبید اور سوید بن صامت الملقب کامل وانیس برادر ابوذر رضی اللہ عنہم جیسے فصیح وبلیغ جو ایک ایک تقریر یا ایک ایک قصیدے سے کئی کئی قبیلوں پر قابو پا لیتے تھے۔ اور جو دنیا میں اپنے سے بڑھ کر کسی کو حقائق دان معانی رس اور انسانی طبیعت کا رمز شناس نہ جانتے تھے۔

انہی ایام میں اسلام مکہ سے باہر بھی پھیل گیا تھا۔ جس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ جو ملک یمن کے ایک حصہ کا فرماں روا تھا۔ مکہ میں مسلمان ہوا تھا۔ اور اس طفیل کے طفیل اس کے ملک میں بھی اسلام پھیل گیا تھا۔

(۲) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان کا بھائی انیس رضی اللہ عنہ ان کی ماں اور نصف قبیلہ غفار۔

(۳) عیسائیانِ نجران میں سے ۲۰ کس۔

(۴) ضماد الازدی یمن کا مشہور کاہن۔

(۵) قبیلہ بنی الاشہل۔

(۶) تمیم ونعیم اور کچھ باشندگان ملک شام۔

(۷) حبش کے بہت لوگ وغیرہ۔ وغیرہ

اثنائے راہ میں بریدہ اور ۷۰ شخصوں کا مسلمان ہونا

نبی ﷺ یثرب کو جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں بریدہ اسلمی ملا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ قریش نے آنحضرت کی گرفتاری پر ایک سو اونٹ کا انعام مشتہر کیا تھا۔ اور بریدہ اسی انعام کے لالچ میں آنحضرت کی تلاش میں نکلا تھا۔ جب نبی ﷺ کے سامنے ہوا اور حضور ﷺ سے ہم کلام ہونے کا موقع بھی ملا۔ تو بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اپنی پگڑی اتار کر نیزہ پر باندھ لی، جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔

راستہ میں نبی ﷺ کو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ شام سے آ رہے تھے اور مسلمانوں کا تجارت پیشہ گروہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے سفید پارچہ جات پیش کیے۔ [1]

قبا میں پہنچنا

۸ [2] ربیع الاول ۱۳ نبوت روز دوشنبہ [3] (۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) مطابق ۱۰ تشری ۳۳۸۳ یہود تھی کہ خدا کا نبی ﷺ قبا میں پہنچ گیا۔ اہل یثرب نے جب سے سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ چھوڑ دیا ہے۔ روز صبح سے سر راہ ہمہ چشم بن کر بیٹھ جاتے اور جب تک ٹھیک دوپہر نہ ہو جاتی، بیٹھے رہتے۔ یہ بزرگوار ابھی واپس ہی گئے تھے کہ حضور ﷺ پہنچ گئے اور ایک شخص کے پکارنے سے سب جمع ہو گئے۔ اور خیر مقدم اللہ اکبر کے ترانے گاتے ہوئے آفتاب رسالت کے گرداگرد نور خیز شعاعوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اکثر مسلمان ایسے تھے جنہوں نے ہنوز دیدار پر انوار سے چشم ظاہر بین کو روشن نہ کیا تھا۔ انہیں نبی اللہ اور حضور ﷺ کے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شناخت میں اشتباہ ہو جاتا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس ضرورت کو تاڑ گئے اور سر مبارک پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

خدا کا رسول ﷺ پنجشنبہ تک یہاں ٹھہرا۔ اور اس سہ روزہ قیام ہی میں سب سے پہلا کام یہاں [4] یہ کیا کہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

اسی جگہ شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مکہ سے پا پیادہ سفر کرتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چند روز تک مکہ میں حسب ارشاد نبوی ﷺ اس لیے ٹھہر گئے تھے کہ جن لوگوں کی امانتیں آنحضرت ﷺ کے گھر میں موجود تھیں۔ وہ مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔

۱۲/ ربیع الاول ۱ھ [5] ہجرت کو جمعہ کا دن تھا۔ نبی ﷺ قبا سے سوار ہو کر بنی سالم کے گھروں تک پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ یہاں سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا۔ یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا۔

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی المدینة، حدیث: ۳۹۰۶۔

[2] ''سرور المحزون'' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ۔

[3] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی مدینة، حدیث: ۳۹۰۶۔

[4] تفسیر علامہ ابی السعود، ص: ۲۴۹ جلد ۸، تفسیر سورة الجمعة۔ مگر صحیح بخاری میں بضع عشر لیلة لکھا ہے۔

[5] مطابق ۲۷ دسمبر ۶۲۲ء زاد المعاد، ج ۳، ص: ۵۸ میں ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ لکھا ہے یہ غلط ہے۔

خُطبہ

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَوَّلِ جُمُعَةٍ جمعها بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ بَنِيْ سَالِمِ بْنِ عَوْفٍ أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهٗ وَأَسْتَعِيْنُهٗ وَأَسْتَغْفِرُهٗ وَأَسْتَهْدِيْهِ وَأُوْمِنُ بِهٖ وَلَا أَكْفُرُهٗ وَأُعَادِيْ مَنْ يَكْفُرُهٗ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ أَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَ النُّوْرِ وَالْمَوْعِظَةِ عَلٰى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وَ قِلَّةٍ مِنَ الْعِلْمِ وَ ضَلَالَةٍ مِنَ النَّاسِ وَانْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِنَ السَّاعَةِ وَقُرْبٍ مِنَ الْأَجَلِ۔ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهٗ خَيْرُ مَا أَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ أَنْ يَحُضَّهُ عَلَى الْأٰخِرَةِ وَ أَنْ يَأْمُرَهٗ بِتَقْوَى اللّٰهِ۔ فَاحْذَرُوْا مَا حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ مِنْ نَفْسِهٖ وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ نَصِيْحَةً وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ذِكْرًا۔ وَ إِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ عَلٰى وَجَلٍ وَمَخَافَةٍ مِنْ رَبِّهٖ عَوْنُ صِدْقٍ عَلٰى مَا يَبْغُوْنَ مِنْ أَمْرِ الْأٰخِرَةِ وَمَنْ يُصْلِحِ الَّذِيْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ أَمْرِهٖ فِيْ عَاجِلِ أَمْرِهٖ وَ ذُخْرًا فِيْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ حِيْنَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ إِلٰى مَا قَدَّمَ۔ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ۔ يَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ أَمَدًا بَعِيْدًا۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ وَالَّذِيْ صَدَّقَ قَوْلُهٗ وَأَنْجَزَ وَعْدَهٗ، لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ فَإِنَّهٗ يَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ۔ فَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِيْ عَاجِلِ أَمْرِكُمْ وَاٰجِلِهٖ فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ فَإِنَّهٗ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ أَجْرًا وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا وَ إِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُوَقِّيْ مَقْتَهٗ وَ يُوَقِّيْ عُقُوْبَتَهٗ وَ يُوَقِّيْ سَخَطَهٗ وَ إِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوْهَ وَ يُرْضِي الرَّبَّ وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ۔ خُذُوْا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ قَدْ عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ كِتَابَهٗ وَ نَهَجَ لَكُمْ سَبِيْلَهٗ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ يَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ فَأَحْسِنُوْا كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ وَ عَادُوْا أَعْدَاءَ اللّٰهِ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَأَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ وَ اعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ فَإِنَّهٗ مَنْ يُصْلِحُ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّاسِ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يَقْضِيْ عَلَى النَّاسِ وَلَا يَقْضُوْنَ عَلَيْهِ وَ يَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ۔ أَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ [1]

”رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ، جو مدینہ پہنچ کر بنی سالم بن عوف میں حضور ﷺ نے پڑھا تھا۔
حمد وستائش خدا کے لیے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ مدد، بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت یہ ہے کہ

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص: ۷۔

خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں ۔وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے۔اسی نے محمد ﷺ کو ہدایت ،نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا ہے، جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا پر نہ آیا تھا علم گھٹ گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی ۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے قرب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا۔ جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ یاب ہے اور جس نے اس کا حکم نہ مانا، وہ بھٹک گیا، درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے۔مسلمانو! میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔بہترین وصیت جو مسلمان، مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے۔ اور اللہ سے تقویٰ کے لیے کہے۔لوگو! جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنے کو کہا ہے۔ان سے بچتے رہو۔اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بڑھ کو کوئی ذکر ہے۔یاد رکھو! کہ امور آخرت کے بارے اس شخص کے لیے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے۔تقویٰ [1] بہترین مدد ثابت ہوگا۔اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ وظاہر میں درست کرے گا۔اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہوگی تو ایسا کرنا اس کے لیے دنیا میں ذکر، اور موت کے بعد (جب انسان کو اعمال کی ضرورت وقدر معلوم ہوگی) ذخیرہ بن جائے گا۔

لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا (تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔) ''انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی رکھے جائیں ۔خدا تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔'' اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا۔اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشادِ الٰہی موجود ہے:

''ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی۔اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔''

مسلمانو! اپنے موجودہ اور آیندہ ،ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش نظر رکھو! کیونکہ تقویٰ والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے۔یہ تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی بیزاری، عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے۔یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرہ کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کرتا ہے۔

مسلمانو! حظ اٹھاؤ۔مگر حقوق الٰہی میں فروگزاشت نہ کرو۔خدا نے اسی لیے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا رستہ دکھایا ہے کہ راست بازوں اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔لوگو! خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو، اور جو خدا کے دشمن ہیں انہیں دشمن سمجھو اور اللہ کے رستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔تا کہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو۔اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں۔لوگو! اللہ کا ذکر کرو۔ اور آیندہ زندگی کے لیے عمل کرو۔کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملہ کو درست کر دیتا ہے۔ہاں! خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں

[1] ''تقویٰ'' اس انسانی ملکہ کا نام ہے جو انسان کو منہیات ومنکرات سے روک دیتا ہے۔از ''محیط المحیط''۔

چلتا۔ خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ خدا سب سے بڑا ہے اور ہم کو (نیکی کرنے کی) طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔''

مدینہ میں داخلہ

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر نبی ﷺ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے اور اسی دن سے شہر کا نام ''مدینۃ النبی'' ہو گیا۔ جسے مختصراً ''مدینہ'' کہا جاتا ہے۔

داخلہ عجب شاندار تھا۔ گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے، نور خدا کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم بن گئے تھے۔ تشریف آوری کے اس شکوہ و احتشام کو دیکھ کر اہل کتاب کے عالم سمجھ گئے کہ ''حبقوق نبی'' کی کتاب باب ۳ درس ۳ کا مطلب آج کھلا۔

''اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے، کوہ فاران [1] سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔'' انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے لہجہ اور پاک زبانوں سے اس وقت یہ چند اشعار گا رہی تھیں۔ [2]

أَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
مِنْ ثَنِيَّاتِ [3] الْوَدَاعِ	چودھویں کا چاند ہے، ہم پر چڑھا
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ	شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا	ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ	بھیجنے والا ہے تیرا کبریا!

یہ انصار جن کی لڑکیوں نے یہ ترانہ سنجی کی ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے ۱۱، ۱۲، ۱۳ نبوت میں مکہ معظمہ پہنچ کر نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یا وہ ہیں، جو مصعب بن عمیر یا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہدایت سے اور تعلیم سے مدینہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔

---

[1] مجموعہ بائبل میں جس قدر کتابیں پہلے انبیاء علیہم السلام کی ہیں۔ ان میں مکہ کا نام ''فاران'' ہے کیونکہ اس جگہ پر فاران بن عوف بن حمیر نے اپنا قبضہ کیا تھا۔ تورات کی کتاب پیدائش ۲۱ باب، درس ۲۱ میں ہے۔ ''اسمٰعیل فاران کے بیابان میں رہا۔'' قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اس بیابان میں یہ مسجد تعمیر کی جو ابھی کعبہ کے نام سے مشہور ہے۔ پس تورات و قرآن مجید ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ ''فاران مکہ کا نام ہے۔'' فاران کا ذکر تورات کی کتاب اعداد، ۱۰ باب ۱۲ درس اور کتاب استثنائے ۳۳ باب ۲ درس میں بھی آیا ہے اور ان سب حوالہ جات سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ ''فاران مکہ کا نام ہے۔''

[2] کتاب یسعیاہ ۴۲ باب، ۱۱ درس میں ہے کہ سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ مدینہ کا نام سابق انبیاء کی کتابوں میں ''سلع'' ہے۔ مورخ طبری کے بیان سے ثابت ہے کہ جنگ خندق میں مسلمانوں نے جس جگہ خندق کھودی تھی۔ وہاں ایک ٹیلہ کوہ کا ہے، جس کا نام اہل مدینہ کی زبان پر سلع ہے۔

[3] ثنیات جمع ہے ثنیہ کی، ثنیہ ٹیلے کو کہتے ہیں۔ سفر ہجرت میں نبی ﷺ نے ثنیۃ البول، ثنیۃ الجابر، ثنیۃ مروان سے عبور فرمایا تھا۔ ثنیۃ وداع مدینہ کے قریب ایک ٹیلہ ہے۔ اہل مدینہ دوست کو یہاں تک چھوڑنے آیا کرتے تھے اس لیے اس نام سے مشہور ہوا۔ ان ثنیات کا ذکر یسعیاہ ۴۲۔ ۱۱ میں ہے۔ ''سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں (پکاریں) گے۔

بزرگ انصار [1] کچھ بڑے مال دار یا صاحب ثروت یا کسی بڑی جاگیر و املاک کے مالک نہ تھے۔ مگر دل کے ایسے غنی، اسلام کے ایسے فدائی، مسلمان بھائیوں پر اتنے قربان تھے کہ جب کوئی مہاجر ننگی تلواروں۔ [2] کھچی ہوئی کمانوں سے جان بچا کر بھوکا پیاسا مدینہ میں جا پہنچتا تھا تو ہر انصاری یہ چاہتا تھا کہ وہ مہاجر اسی کے پاس ٹھہرے۔ آخر قرعہ اندازی ہوتی تھی اور جس کے نام پر قرعہ نکل آتا، وہ مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا۔ مکان، اسباب، روپیہ، زمین، مویشی، غرض جو کچھ اس کی ملک میں ہوتا، اس کا آدھا حصہ اسی دن تقسیم کر کے دے دیتا اور پھر رات دن اس کی خدمت کے لیے مستعد رہتا۔ اپنی خوش قسمتی پر شکر کرتا کہ خدا نے دین کے ایک بھائی کو اس کا حصہ دار بنایا۔

مکہ اور مدینہ کے حالات کا مقابلہ

مکہ میں صرف ایک قوم قریش کا زور اور حکومت تھی اور سب کا مذہب بھی (زیادہ تر) بت پرستی تھا۔ مدینہ مختلف اقوام اور مذاہب کا مجموعہ تھا۔ وہاں بت پرست بھی تھے اور یہودی بھی۔ اور کم تعداد میں عیسائی بھی۔ یہودیوں کے کئی زبردست قبیلے بنونضیر، بنوقینقاع، بنوقریظہ تھے، جو اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ تجارت اور سودخواری کی وجہ سے بہت مالدار تھے۔ جب سے خدا کے برگزیدہ نبی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وعظ میں یہود کو یہ بشارت [3] سنائی تھی کہ۔

---

[1] انصار کے معنی ''مددگار'' ہیں۔ اسلام میں یہ لقب اہل مدینہ کا ہے۔ مہاجر کے معنی ''ہجرت کرنے والے'' کے ہیں۔ اسلام میں یہ لقب اہل مکہ کا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ گئے تھے۔

[2] یسعیاہ کی کتاب، ۲۱ باب میں ہجرت کا ذکر ہے، اول ہم اس کتاب کے درس نقل کرتے ہیں پھر اس کے بعض الفاظ کی صراحت کریں گے۔ (۱۳) ''عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے۔ ''اے ددانیوں کے قافلو!''
(۱۴) پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو، روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ (۱۵) کیونکہ یہ تلواروں کے سامنے سے، ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔
(۱۶) کیونکہ خداوند نے مجھ کو فرمایا، ہنوز ایک برس، ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ (۱۷) تیر اندازوں کی جو باقی رہے۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خداوند نے یوں فرمایا:۔

مندرجہ بالا آیات میں آیت ۱۵ میں مہاجرین کا ذکر ہے جو ظالم قریش کے سامنے سے جان و ایمان بچا کر بھاگے تھے اور مدینہ آ گئے تھے۔ آیت ۱۳ میں ددانیوں اور ۱۴ میں تیما والوں کو حکم ہے کہ ان کا استقبال کریں اور روٹی پانی سے ان کی تواضع کریں۔ واضح ہو کہ ''ددان'' نام ہے حضرت ابراہیمؑ کے پوتے لیقسان کے بیٹے، سبا کے بھائی کا، سبا اور ددان کی اولاد ملک یمن میں آباد ہوئی تھی۔ ''سیلِ عرم'' کے آنے سے یہ قبائل متفرق ہوئے، اوس و خزرج کے قبائل جو انصار کہلاتے ہیں، انہیں میں سے ہیں۔ مورخ ابن خلدون نے اسے صراحت سے بیان کیا ہے، اس آیت میں جیسا کہ یہ پیشگوئی کی ہے کہ مہاجرین کی ہجرت قریش کی تلواروں اور کمانوں کی وجہ سے ہوگی، ایسے ہی یہ پیش گوئی ہے کہ ان کے انصار نسل ددان سے ہوں گے، جیسا کہ ہوا۔ تیما نام ہے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے آٹھویں فرزند کا جن کی اولاد مدینہ کے عقب آباد ہوئی۔ اہل مدینہ و حوالی مدینہ کو نصرت و تائید کا حکم دینے کے بعد آیت ۱۶، ۱۷ میں ان ظالموں کا انجام بتایا ہے، یعنی قریش کا انجام۔ اس جگہ قریش کو قیدار والے بتایا ہے۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے فرزند کا نام ہے۔ قریش انہی کی نسل میں سے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اس واقعہ ہجرت کے ایک سال بعد کے بہادر کمان انداز گھٹ جائیں گے۔ اور ان کی شوکت کم ہو جائے گی چنانچہ ہجرت کے ایک ہی سال کے بعد جنگ بدر کا وقوع ہوا جس میں قریش کے نامی سردار مشہور بہادر مارے گئے اور انکے رعب داب، حشمت، عزت کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ جملہ آیات میں صاف صاف نام بتا کر پیشگوئی کی گئی ہے۔

[3] کتاب استثناء ۱۸ باب کا ۱۵ ادرس یہ ہے۔ ''خداوند تیرا خدا تیرے لیے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔'' اسی باب کے ۱۸، ۱۹ درس زیادہ صاف ہیں۔ وہ یہ ہیں ''۱۸، میں انکے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہود مدینہ نبی موعود کے منتظر تھے

خدا موسیٰ علیہ السلام کے بھائیوں میں سے موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی پیدا کرے گا۔ اس وقت سے یہود امید کیے ہوئے اور اسی امید پر مدینہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ بنی اسمٰعیل میں پیدا ہونے والا نبی یہود کے قومی ادبار کو دور کرنے والا، ان کی گزشتہ شان و شوکت، حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا اور جب سے یہود کو شام سے نکال دیا گیا اور ذلت و غلامی کے گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس وقت سے نبی موعود کے ظہور پر ان کی آنکھیں اور بھی زیادہ لگی ہوئی تھیں۔

اب اسماعیلی نبی کا مدینہ میں تشریف لانا سن کر یہودی بالخصوص بہت خوش ہو رہے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راستباز ٹھہراتا، اس کی تعلیم کو سچا بتاتا اور مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری و لاینفک جزو قرار دیتا اور اس کی بزرگی کر کے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے۔ ❶ تو اس وقت سب یہودی ہمارے نبی ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ جب سے خدا کے برگزیدہ بندہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے سب سے آخری وعظ میں دوسرے تسلی دینے والے کے آنے کی خبر دی تھی۔

عیسائیان مدینہ نبی موعود کے منتظر تھے

جو دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھائے گا اور عیسائیوں کو اس کے حکم پر چلنے کی تاکید کی تھی۔

(❀❀ گزشتہ سے پیوستہ) اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔'' ''۱۹۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔ نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔'' ان آیات کے تمسک سے مسلمانوں کا استدلال یہ ہے کہ۔

الف:۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں (دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۶۔۱۲ اور باب ۲۵، ۱۸)

ب:۔ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔ (دیکھو کتاب استثناء باب ۳۴۔۱۰)

اس لیے یہ پیش گوئی ہمارے نبی ﷺ کے لیے صاف ہے۔ آنحضرت ﷺ کا پتہ دیا گیا ہے کہ ''اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔'' یہ پتہ آنحضرت ﷺ کا ہی خاص ہے کیونکہ قرآن مجید کے سوا باقی کوئی کتاب (تورات، انجیل) ایسی نہیں جس میں کلام الٰہی کے الفاظ محفوظ رہے ہوں یا جس کی وحی لفظاً و معناً پہنچی ہو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو اقرار ہے اور انکار نہیں کہ موسیٰ کے دس احکام کے سوا اور کوئی عبادت توراۃ کی خدا کے لفظوں میں محفوظ نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں خصوصاً انجیل میں آسمانی وحی سے اترے ہوئے خدا کے الفاظ نہیں۔ اس اقرار کے بعد جملہ انبیاء علیہم السلام میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی رہ جاتے ہیں جن کو کلام کے بارے میں نبی ﷺ سے مماثلت ہے۔ ہمارے نبی ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں باہمی مماثلت و مشابہت بہت امور میں ہے مثلاً دونوں کا صاحب ہجرت، صاحب شریعت، صاحب جہاد ہونا۔ دونوں کو اکتالیسویں سال کے شروع میں نبوت ملنا اور یہ وہ امور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مجموعی طور پر بنی اسرائیل کے کسی نبی میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ مگر ہمارے نبی ﷺ میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس جگہ صرف اسی مماثلت پر غور و تدبر کرنا چاہیے جسے کتاب استثناء نے خود بیان کیا ہے قرآن مجید اس کی تصدیق یوں کرتا ہے۔

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ ﴾ [۵۳/ النجم:۳۔۴]

''محمد ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بول رہا ہے۔ یہ تو وہ کلام ہے جو خدا نے اس کے پاس بھیجا اور اس کے ناطقہ پر جاری ہے۔''

آپ جدید و قدیم عہد نامہ کی تمام کتابوں کو دیکھ جائیں۔ قرآن مجید کے سوا اس پیش گوئی کا کسی نے بھی حوالہ نہیں دیا اور دلیل نہیں پکڑی۔ بے شک یہ صفت نبی ﷺ کے لیے بہت ہی خاص ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ درس ۱۵ میں لفظ ''تیرے ہی درمیان سے'' الحاقی ہیں اس کے لیے تین روشن دلائل ہیں۔ ۱۲یونانی توراۃ میں یہ لفظ موجود نہیں۔

۲:۔ اسی باب کے درس ۱۸۔۱۹ میں کل پیشگوئی کو دوہرایا گیا ہے اس میں یہ لفظ موجود نہیں۔

۳:۔ لوقا نے اسی آیت کو اعمال ۲۲، ۲۳ باب ۳ میں درج کیا ہے اور اس میں تیرے ہی درمیان سے کے الفاظ نہیں لکھے۔

❶ وہ دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا وہ میری بزرگی کرے گا تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گا۔ ۱۳۔۱۴ اباب ۱۹ انجیل یوحنا۔

تب سے عیسائی بھی اس نبی ﷺ کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے ان کے ظلموں کا بدلہ لینے والا، عیسائیوں کو جلال بخشنے والا، مسیح علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنے والا ہو۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل [1] ابنیت، تثلیث، کفارہ، رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقتدارات کا رد کیا ہے۔ تب وہ بھی ہمارے نبی ﷺ کے دشمن ہو گئے۔

مدینے کی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے ناظرین کو عبداللہ بن ابی بن سلول کے حال پر بھی ایک مختصر نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ یہودیوں کے سوا مدینہ کا ممتاز ذی اثر شخص یہ بھی تھا۔ اوس وخزرج کے قبیلوں پر اس کا پورا رعب تھا اور اس کو توقع تھی کہ ان طاقتور قبیلوں کی مدد سے مدینے کی سب سے اعلیٰ طاقت میں ہی بن جاؤں گا۔ جب اس نے دیکھا کہ اوس وخزرج مسلمان ہو رہے ہیں۔ تو خود بھی (بعد از جنگ بدر) بظاہر مسلمانوں سے مل گیا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہود نبی ﷺ کے خلاف ہو گئے ہیں۔ تو اس نے چاہا کہ یہودیوں پر بھی اس کا پہلا اثر قائم رہے اور مسلمان ہو جانے والے قبائل بھی بدستور زیر اقتدار رہیں۔ اس لیے اس نے یہ رویہ اختیار کیا کہ مسلمانوں میں بیٹھ کر ان سے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے ان کے ساتھ اپنے اتحاد و صداقت کا دعویٰ کیا کرتا۔

اور چونکہ وہ فی الحقیقت اسلام کو اپنی آرزوؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا اس لیے جب موقع ملتا تو مسلمانوں کی ضرر رسانی میں بھی دریغ نہ کرتا۔ اس گروہ کا نام مسلمانوں نے ''منافق'' رکھا۔

مدینے کی یہ حالت تھی اور اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت اور منادی کے لیے اس جگہ بھی بہت سی دشواریوں کا سامنا تھا۔ ایک منصف اور غور کرنے والی طبیعت فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان سب موانع پر غالب آنا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ اشاعت اسلام میں جو کامیابی نبی ﷺ کو مدینہ منورہ میں بمقابلہ مکہ معظمہ ہوئی اس کا ذکر قرآن نے پہلے سے بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا:

﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ ﴾ [2]

''پچھلا تیرے پہلے سے بہتر ہوگا۔''

---

[1] ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی کتاب موسومہ ''مذہب وسائنس'' میں لکھا ہے کہ عیسائی مذہب اپنی ابتدا میں سالہا سال تک تین اصولوں کی تلقین کرتا رہا۔ حق اللہ: یعنی انسان کو چاہیے کہ خدائے بزرگ و برتر کی تعظیم کرے۔ حق الذات: یعنی انسان کو چاہیے کہ ذاتی طور پر نیک رہے۔ حق العباد: لازم ہے کہ ابنائے جنس کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ ان ترمیمات واصلاحات کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے جو مذہب عیسوی میں بیرونی عناصر کی آمیزش سے پیدا ہوئے۔ اور آج تک قائم ہیں۔ اول ٹرلیٹین کی تحریر مرقومہ ۲۰۰ء دیکھنی چاہیے جو اس نے قیصر سیویرس کے زمانہ میں جب کہ عیسائیوں پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے بمقام روما قلم بند کی تھی۔ اس تحریر میں تثلیث کا ذکر نہیں ہے اور کفارہ کا تو رد پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''خدا نے انسان کے اعمال حسنہ وسیئہ کے لحاظ سے جزا وسزا مقرر کی ہے۔ جو نیک ہوں گے انہیں لذت جاودانی عطا فرمائے گا اور جو بد ہوں گے انہیں ابدی شعلوں میں جھونک دے گا۔''

ڈاکٹر مذکور نے پھر لکھا ہے کہ ''قیصر قسطنطین کے عہد میں عیسائیت میں بت پرستی شامل ہوئی اور پادریوں کی پہلی کونسل اسی کی صدارت سے ۳۲۵ء میں قائم ہوئی۔ پھر کونسلوں کے انعقاد کی رسم پڑ گئی۔ ہر ایک کونسل مذہب اور اعتقاد میں نئی نئی ترمیمات اور اصلاحات عمل میں لانے لگی۔'' اس لیے ہم نے جو متن میں لفظ ''عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل'' درج کیا ہے بالکل صحیح ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ نبی ﷺ نے عیسائیوں کے جن مسائل میں اصلاح فرمائی تھی۔ آہستہ آہستہ اور جزاً جزاً مختلف طور پر عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے بھی ان اصلاحات کو قبول کر لیا ہے اور اپنے مذہب کا جزو بنا لیا ہے اگرچہ وہ اب تک اپنے اس سچے محسن محمد رسول اللہ ﷺ کے شکر گزار نہیں ہیں۔ مثلاً یونیٹرین کو دیکھئے کہ وہ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم نہیں کرتے، پراٹسٹنٹ فرقہ اسلام کے بعد پیدا ہوا جو رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقتدار کا سخت منکر ہے۔ وغیرہ۔ [2] ۹۳/ الضحیٰ: ٤۔

باب ا

استحکام امن کے لیے بین الاقوامی معاہدہ، قریش کی شرارتیں، سازشیں اور حملے، یہود کی عہد شکنی، سازشیں اور حملے، مسلمانوں کی کامیابی، منادان اسلام کو وعظ و انذار میں آزادی ملنا، اسلام کی وسعت، امن بسیط کا قیام۔

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مدینے میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ ان کے مذاہب بھی الگ الگ تھے۔ یہودیوں کے متعدد قبیلے خصوصاً بہت طاقتور تھے اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے۔

نبی ﷺ نے مدینے پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک ''معاہدہ'' بین الاقوامی اصول پر کرلیا جائے۔ تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی قومیت کی وحدت قائم رہے اور سب کو تمدن و تہذیب میں ایک دوسرے سے مدد و اعانت ملتی رہے۔

اس ''معاہدہ'' ❶ کے جستہ جستہ فقرات درج کیے جاتے ہیں:

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ۔

۱: یہ تحریر ہے محمد النبی ﷺ کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریشی اور یثرب کے باشندہ ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے اور کاروبار میں ان کے ساتھ شامل ہیں۔

إِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ۔

۲: یہ کہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

وَإِنَّ يَهُوْدَ بَنِيْ عَوْفٍ أُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۳: بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔

وَإِنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ حَارَبَ أَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ۔

۴: اور جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا تو اس کے برخلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے۔ مسلمان اس کی نصرت کریں گے۔

وَإِنَّ بَيْنَهُمُ النُّصْحَ وَالنَّصِيْحَةَ وَالْبِرَّ دُوْنَ الْإِثْمِ۔

۵: معاہدہ اقوام کے باہمی تعلقات، باہمی خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔

وَإِنَّ الْيَهُوْدَ يُنْفِقُوْنَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَادَامُوْا مُحَارِبِيْنَ۔

۶: جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔

---

❶ سیرت ابن هشام، ج۱، ص: ۵۰۱، ذکر هجرة الرسول ﷺ مطبوعه: مطبع بولاق مصرية۔

وَإِنَّ بِطَانَةَ يَهُوْدَ كَأَنْفُسِهِمْ۔

۷: یہودیوں کی دوست دار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔

وَإِنَّهُ لَمْ يَأْثِمِ امْرُءٌ بِحَلِيْفِهِ۔

۸: کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا۔

وَإِنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُوْمِ۔

۹: مظلوم کی مدد ونصرت کی جائے گی۔

وَإِنَّ يَثْرِبَ حَرَامٌ جَوْفُهَا لِأَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ۔

۱۰: مدینے کے اندر کشت وخون کرنا اس معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر حرام ہوگا۔

وَإِنَّ الْجَارَ كَالنَّفْسِ غَيْرَ مُضَارٍّ وَلَا إِثْمٍ۔

۱۱: زنہاری بھی معاہد قوموں جیسے سمجھے جائیں گے۔

وَإِنَّهُ مَاكَنَ بَيْنَ أَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ مِنْ حَدَثٍ أَوِ اشْتِجَارٍ يُخَافُ فَسَادُهُ فَإِنَّ مَرَدَّهُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَإِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

۱۲: اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے۔ جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمجھا جائے گا۔

گردونواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع

اس معاہدہ پر مدینہ کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ گردونواح کے قبیلوں کو بھی اسی معاہدہ میں شامل کر لیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔

(۱) جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ جاری رہتی اور خلق خدا کے خون سے خدا کی زمین کو رنگین کرتی رہتی ہے اس کا انسداد ہو جائے گا۔

(۲) قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

(الف): اس مبارک اور امن بخش ارادہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال وَدّان تک (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) سفر فرمایا اور قبیلہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا۔ اس عہد نامہ پر عمرو بن مخشی الضمری نے دستخط کیے تھے۔ [1]

(ب): اسی ارادہ سے بماہ ربیع الاول ۲ھ خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم رضوی کی طرف گیا اور ''کوہ بواط'' کے لوگوں کو شریک معاہدہ کر لیا۔

(ج): اسی سنہ میں بماہ جمادی الاخری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''ذی العشیرہ'' تشریف لے گئے۔ یہ مقام ینبوع اور مدینہ کے

---

[1] زاد المعاد، ج۳، ص: ۱٦٤، فصل في سياق مغازيه۔

درمیان ہے اور بنو مدلج سے معاہدہ لے کر مدینہ تشریف لائے ❶

اس مبارک ارادے کی تکمیل کے لیے اگر کافی وقت مل جاتا۔ تو دنیا پر آشکار ہو جاتا کہ ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' دنیا میں تلوار چلانے کو نہیں، بلکہ صلح پھیلانے اور امن قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ ❷

قریش نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا

قریش مکہ کو ایمان والوں اور نبی ﷺ کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ ان کے وطن چھوڑ کر ۳۰۰ میل پرے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔ پہلے بھی جب مسلمان حبش جا رہے تھے۔ اس وقت قریش نے حبش پہنچ کر ان کے گرفتار کرلانے کی کوششیں کی تھیں۔ مگر وہ ملک ایک بادشاہ کے ماتحت تھا اور سمندر درمیان میں حائل تھا۔ اس لیے وہاں کچھ اور زیادہ کارروائی نہ کر سکے۔ اب جو مسلمان مدینہ جا رہے تھے تو سب نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔ قریش مکہ نے پہلے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقا کو جو اوس و خزرج میں سے ہنوز بت پرست تھے، لکھ بھیجا۔

مسلمانوں کے خلاف قریش کی پہلی سازش

تم نے ہمارے شخص کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا ہے۔ اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا وہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ ہم سب یکبارگی تم پر حملہ کر دیں گے، تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔

اس خط کے آنے پر ابن ابی اور اس کے رفقا نے نبی ﷺ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس کی اطلاع مل گئی آپ ﷺ نے اس حملہ کرنے والے مجمع میں خود جا کر گفتگو فرمائی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: قریش نے تم سے ایسی چال کھیلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آ گئے تو تمہارا بہت زیادہ نقصان ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ تم ان کی بات سے انکار کر دو گے۔ کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) قتل کرو گے۔ اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں کا مقابلہ ہوگا۔

نبی ﷺ کی یہ تقریر ان کے ایسی دل نشین ہوئی کہ تمام مجمع منتشر ہو گیا۔ ❸

دوسری سازش

اس کے بعد قریش مکہ نے اندر ہی اندر یثرب کے یہودیوں سے سازش کرنی شروع کر دی اور جب خفیہ طور پر ان کو اپنے ساتھ ملا چکے۔ تب اپنی کامیابی کا پورا بھروسہ کر کے مسلمانوں کو کہلا بھیجا۔

قریش مکہ کی دھمکی

''تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے۔ ہم یثرب ہی پہنچ کر تمہارا استیاناس کر دیتے ہیں۔'' اس پیغام کے بعد

---

❶ زاد المعاد، ج۳، ص: ۱۶۶، فصل فی سیاق مغازیہ۔

❷ مسیح کا قول ہے ''مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں، بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ متی باب ۱۰ درس ۳۴۔

❸ سنن ابی داود، عن عبدالرحمن بن کعب، کتاب الخراج باب فی خبر النضیر، حدیث: ۳۰۰۴۔

انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

قریش کا مسلمانوں پر پہلا حملہ (کرز بن جابر کا مدینہ پر حملہ اور مویشیوں کی لوٹ)

ربیع الاول ۲ھ کا ذکر ہے کہ سردارانِ قریش میں سے ایک شخص کرز بن جابر الفہری یثرب پہنچا اور مدینے والوں کے مویشی جو باہر میدان میں چر رہے تھے۔ لوٹ کر لے گیا، اور صاف نکل گیا۔ گویا مدینے والوں کو اپنی طاقت دکھا گیا کہ ہم تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھروں سے تمہارے مویشی لے جا سکتے ہیں۔

پھر ماہِ رمضان ۲ھ کا ذکر ہے کہ ابوجہل نے مکے میں مشہور کر دیا کہ ہمارا قافلہ جو مال و زر سے مالا مال ہے اور شام سے آ رہا ہے، مسلمان اسے لوٹیں گے۔ اس شہرت سے اس کا مقصود یہ تھا کہ وہ سب لوگ جن کا مال تجارت میں لگا ہوا ہے اور وہ سب لوگ جن کے اقربا قافلے میں ہیں اور وہ سب لوگ جو مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ بالاتفاق مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

لشکر قریش کی تعداد اور ان کے قطعی ارادے کا یقین

ایک ہزار جانباز بہادروں کی خونخوار فوج لے کر (جن کی سواری میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے) ابوجہل مکہ سے نکلا، جس قافلے کی حفاظت کا بہانہ کر کے یہ فوجی اجتماع ہوا تھا۔ وہ مکہ میں بخیریت پہنچ بھی گیا۔ مگر ابوجہل اس فوج کو لیے ہوئے برابر مدینے کی جانب بڑھتا گیا۔ اب مسلمانوں کو کچھ بھی شک نہ رہا کہ قریش کی چڑھائی غریب مسلمانوں پر ہے۔

نبی ﷺ نے اس معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے قابل اطمینان جواب دیا۔ بار ثانی مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے قابل اطمینان جواب دیا۔ بار ثالث مشورہ فرمایا۔ اب انصار سمجھے کہ آنحضور ﷺ ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، شاید حضور ﷺ نے یہ سمجھا ہے کہ انصار اپنے شہر سے باہر نکل کر حضور ﷺ کی اعانت کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتے ہیں۔

انصار کی طرف سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ''ہم تو ہر حالت میں حضور ﷺ کے ساتھ ہیں، کسی سے معاہدہ فرمایئے کسی سے معاہدہ کو نامنظور کیجئے۔ ہمارے زر و مال سے جس قدر منشا مبارک ہو، لیجئے۔ ہم کو جو مرضی مبارک ہو، عطا کیجئے۔ مال کا جو حصہ ہم سے حضور ﷺ لے لیں گے۔ ہمیں وہ زیادہ پسند ہوگا۔ اس مال سے جو حضور ﷺ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔ ہم کو جو حکم حضور ﷺ دیں گے، ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اگر حضور ﷺ عمران کے چشمے تک چلیں گے تو ہم ساتھ ہوں گے۔ اگر حضور ﷺ ہم کو سمندر میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو حضور ﷺ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے۔'' مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم وہ نہیں کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح ﴿ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾ کہہ دیں [1] بلکہ ہم تو حضور ﷺ کے داہنے، بائیں، آگے پیچھے قتال کے لیے حاضر ہیں۔ مسلمان پہلے سے کچھ تیار نہ تھے۔ انصار و مہاجر مل ملا کر (۳۱۳) ایسے نکلے جو میدان میں جا سکیں۔

---

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص: ۱۷۳ فصل فی غزوۃ بدر الکبری ترجمہ آیت کا یہ ہے۔ ''جا تو اور تیرا خدا دونوں لڑو ہم تو یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

اب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی

اب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اسلام کو جنگ سے کوئی واسطہ ہی نہیں، لفظ ''اسلام'' کا مادہ سِلْم ہے جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔ جو مذہب دنیا کے لیے صلح کا پیغام لے کر آیا ہو۔ جس مذہب کے پیرو ایمان داروں کو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم ہو، وہ کیوں جنگ کرتے؟

حکمِ جہاد کی ضرورت

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چپ چاپ گھروں کو، املاک کو مکہ میں چھوڑ دیا اور حبش یا مدینہ چلے گئے تھے۔ لیکن اب ایسی صورت آ پڑی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ رہ گیا۔ اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے۔ تو نتیجہ یہ ہوتا کہ بکریوں کی طرح ذبح ہو جاتے اور سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ توحید کی منادی کرنے والا دنیا پر کوئی نہ رہ جاتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے پونے تین سال کے وعظ کے بعد جس ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑوں، لتوں اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جائیں۔ [1]

اسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی حالت پر رحم فرما کر ان کو بھی ۱۴ سال تک صبر کرنے اور ظلم و ستم برداشت کرتے رہنے کے بعد ان حملہ آور دشمنوں کی مدافعت کا حکم دے دیا۔

اجازت جہاد کا پہلا حکم

چونکہ یہ وہ پہلا حکم ہے، جس کی رو سے مسلمانوں کو اجازت ملی ہے۔ اس لیے اصل مع ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ ﴾ [2]

''جنگ کرنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور خدا ان کی مدد پر بیشک قادر ہے۔ یہ لوگ اپنے وطن سے بلا وجہ صرف اس لیے نکالے گئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے اور اگر بعض لوگوں (حملہ آوروں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں سے) اللہ پاک دفع نہ کراتا۔ تب ضرور عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے معابد اور ترسا کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اسم الٰہی کا ذکر کثیر ہوتا ہے گرادی جاتیں۔''

ناظرین! اس حکم میں مفصل طور پر وہ وجوہات درج ہیں۔ جو مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملنے کا باعث ہوئیں۔ اور اس حکم میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ جنگ جارحانہ ہے یا مدافعانہ۔

پہلی وجہ

''مدافعت کرنے والوں کا مظلوم اور حملہ آوروں کا ظالم ہونا ہے اور وہ یہ وجہ ہے جسے آجکل کا مروجہ قانون

---

[1] لوقا ۳۶/ ۲۲۔ [2] ۲۲/ الحج: ۳۹، ۴۰۔

''تعزیرات ہند'' بھی ''حفاظت خود اختیاری'' کے نام سے جائز ٹھہراتا ہے۔''

دوسری وجہ

''ان کا گھر بار سے نکالا جانا۔ املاک سے بے دخل کیا جانا اور وہ بھی صرف اختلاف عقیدہ کی بنیاد پر۔''

آشتی پسند ملک معظم ایڈورڈ ہفتم نے جو پیغام حکومت پچاس سالہ ہند کے جشن پر رعایا کو دیا تھا۔ اس میں نہایت فخریہ لہجہ سے (اور اس امر پر فخر کرنا بالکل صحیح اور مناسب تھا) یہ بھی درج کیا تھا کہ ''اس پچاس برس کے عرصہ میں کسی شخص کو بھی محض اختلاف عقیدہ کی وجہ سے اذیت نہیں دی گئی۔'' لیکن یہ مظلوم مسلمان سب کے سب وہی تھے جن کو ہر قسم کی ایذائیں اور جلاوطنی کی سزا محض توحید کی وجہ سے دی گئی۔

تیسری وجہ

ایسی عام ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف انہی کے ذاتی، قومی، مذہبی فوائد کے لحاظ سے نہیں دی گئی۔ بلکہ اس لیے بھی کہ مسلمانوں نے جو معاہدات، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مختلف اقوام کے ساتھ ابھی حال ہی میں کیے تھے اور جس فراخ دلی سے ہر ایک مذہب کے لیے مذہبی آزادی عطا کی تھی۔ اب اگر اس معاہدہ کی حفاظت میں مسلمان اپنی جانوں کو نہ لڑا دیں گے تو سب مذہبوں کی آزادی ملیامیٹ ہو جائے گی اور سب کے مندر، سب کے گرجے تہ خاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب کوئی قوم معاہدہ کی حفاظت کرنے والی ہی نہ رہے تو معاہدہ پر عمل کیوں کر ہو سکتا ہے؟

ان سب ضروری وجوہات نے مسلمانوں کے لیے ضروری ٹھہرا دیا کہ وہ باوجود بے سروسامان ہونے اور باوجود قلیل التعداد ہونے کے بھی ان حملہ آوروں کو مدینہ سے دور ہی روکیں۔ [1]

مسلمانوں پر قریش کا دوسرا حملہ یا جنگ بدر

رمضان ۲ھ میں خدا کا نبی ﷺ اپنے ساتھ مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے چلا۔ [2] اس لشکر کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔

یہ عجیب اتفاق دیکھو کہ اہل بدر کی تعداد بھی لشکر طالوت کے برابر تھی جب کہ وہ جالوت کے مقابلہ کو نکلا تھا۔ [3] جب بدر پہنچے تو دیکھا کہ دشمن کا لشکر جو تعداد میں ان سے سہ چند اور سامان میں ہزار چند زیادہ ہے، اترا ہوا ہے۔

جنگ سے ایک روز پہلے نبی ﷺ نے میدان جنگ کا ملاحظہ کیا اور بتایا کہ کل ان شاء اللہ فلاں دشمن اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہوں گے۔

۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ جنگ ہوئی۔ جنگ سے پہلے نبی ﷺ نے نہایت تضرع سے خدا کے حضور میں دعا کی اور یہ

---

[1] اسی طرح کے جھگڑے کئی سال تک مسلمانوں کو پریشان کرتے رہے۔ تلوار ہمیشہ ان کے خلاف اٹھائی گئی اور اسلام کو تلوار کے زور سے نیست و نابود کرنے کی کوششیں برابر کی گئیں، لیکن اسلام ہمیشہ پھیلتا گیا۔ اس کتاب میں غزوات کا ذکر مختصر لفظوں میں کیا جائے گا۔

[2] مہاجر زائد از ۶۲؛ انصار زائد از ۲۴۰۔

[3] بخاري، كتاب المغازي، باب عدة اصحاب بدر، حديث: ۳۹۵۷ عن براء رضی اللہ عنہ۔

بھی عرض کیا کہ اگر یہ مسلمان مارے گئے تو دنیا پر توحید کی منادی کرنے والا کوئی بھی نہ رہ جائے گا۔ مسلمانوں نے بھی دعائیں کیں۔ نصرت الٰہی سے مکہ والوں کو شکست ہوئی۔ ان کے ستر ۷۰ مشہور آدمی اسیر اور ۷۰ ستر بہادر مارے گئے ابوجہل بھی اسی جگہ مارا گیا۔ یہ ہی سب کو چڑھا کر لایا تھا۔ وہ چودہ ۱۴ سردار جو دارالندوہ میں آنحضرت ﷺ کے قتل کے مشورہ میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی گیارہ مارے گئے، تین جو بچ رہے تھے انہوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا تھا۔

الف: اس زمانے کا قانون جنگ۔

ب: مظلوم مسلمانوں کا جوش انتقام۔

ج: دیگر قبائل پر جنگی رعب قائم کرنے کی ضرورت اس امر کی مقتضی تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا۔ مگر خدائے رحیم کے ''نبی الرحمت ﷺ'' نے تاوان لے کر سب کو چھوڑ دیا، پڑھے لکھے اسیروں کا تاوان آنحضرت ﷺ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

اس واقعہ سے اس پیش گوئی کا بھی ظہور ہوا جو یسعیاہ نبی کی کتاب ۱۶، ۱۷/۲۱ میں ان الفاظ سے درج ہے:

فِیْ مُدَّةِ سَنَةٍ كَسَنَةِ الْأَجِيْرِ۔ يَفْنٰى كُلُّ مَجْدِ قِيْدَارٍ۔ وَ بَقِيَّةُ عَدَدِ قُسِيِّ أَبْطَالِ بَنِيْ قِيْدَارٍ تَقِلُّ۔

''ایک سال میں جو مزدور کے برس جیسا ہوگا۔ قیدار کی سب حشمت جاتی رہے گی اور بہادران بنو قیدار کے کمان اندازوں کی تعداد گھٹ جائے گی۔''

اور اس پیش گوئی کا بھی ظہور ہوا جو قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس جنگ کی اجازت کا حکم دیتے ہوئے فرمائی گئی تھی۔ جو یہ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴾

''خدا کو ان مظلوموں کی نصرت پر قدرت ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اس جنگ کا نام ''یوم الفرقان'' ہے کیونکہ اہل کتاب اور اہل اسلام کو ان پیشگوئیوں کی وجہ سے اسلام کی صداقت پر ایک عمدہ دلیل مل گئی تھی۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [1]

قریش کی تیسری سازش اور نبی ﷺ کے قتل کی تیاری

جنگ بدر سے چند روز بعد کا ذکر ہے کہ صفوان بن امیہ جس کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا۔ اور عمیر بن وہب، (جس کا بیٹا ہنوز مسلمانوں کے ہاتھ میں اسیر تھا) مکہ سے باہر سنسان جگہ میں جمع ہوئے اور نبی ﷺ کے خلاف باتیں کرنے لگے۔

عمیر بولا: ''اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور اگر مجھے اپنے کنبہ کے بے کس رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں خود مدینہ جاتا اور محمد ﷺ کو قتل ہی کر کے آتا۔''

---

[1] ''خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے اب اللہ کے تقویٰ کو اختیار کرو تا کہ اس کے شکر گزار رہو۔'' ۳/ آل عمران: ۱۲۳۔

صفوان بولا: ''تیرا قرض میں چکا دوں گا اور تیرے کنبے کا خرچ جب تک میں زندہ رہوں گا، میرے ذمہ ہوگا'' عمیر بولا: ''بہتر یہ راز کسی پر نہ کھلے۔'' پھر عمیر نے اپنی تلوار کی دھار کو تیز کرایا اور زہر میں اسے بھگویا اور مکہ سے روانہ ہوگیا۔

عمیر مدینے پہنچ کر مسجد نبوی ﷺ کے سامنے اپنا اونٹ بٹھا رہا تھا کہ اونٹ بول پڑا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور پہچانا اور دل میں سمجھ گئے کہ یہ شیطان ضرور مفسد ارادہ سے آیا ہے۔ اس لیے آگے بڑھ کر نبی ﷺ سے عرض کی کہ عمیر بن وہب مسلح چلا آرہا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے میرے پاس آنے دو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تلوار کے قبضہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کی گردن پکڑ کر نبی ﷺ کے سامنے لے گئے یہ دیکھا تو فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! اسے چھوڑ دو۔ عمیر! تم میرے پاس آجاؤ۔ عمیر نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا، کہو کس طرح آئے؟ کہا اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں۔ نبی ﷺ نے پوچھا۔ یہ تلوار کیسی ہے......؟ عمیر بولا یہ کیا تلوار ہے، اور ہماری تلواروں نے آپ کا پہلے بھی کیا کرلیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: تم سچ سچ بتاؤ۔ عمیر نے پھر اسی جواب کو دہرایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: دیکھو تو اور صفوان مکہ سے باہر سنسان پہاڑ میں گئے تھے۔ صفوان نے تیرا قرض اور تیرے کنبے کا خرچ اپنے اوپر لے لیا ہے اور تو نے میرے قتل کا وعدہ کیا ہے اور اسی ارادہ سے تو یہاں آیا ہے۔ عمیر تو یہ نہ سمجھا کہ میرا محافظ خدا ہے؟

عمیر کا اسلام لانا

عمیر یہ سن کر حیران ہوگیا۔ بولا۔ ''اب میرا دل مان گیا کہ آپ ضرور اللہ کے نبی اور رسول ﷺ ہیں۔ یہ بالکل آسان تھا کہ سماوی خبروں اور وحی کی بابت ہم آپ کو جھٹلاتے رہے۔ لیکن اب میں اس راز کی بابت کیا کہہ سکتا ہوں۔ جس کی خبر میرے اور صفوان کے سوا تیسرے کو نہیں، خدا کا شکر ہے جس نے میرے اسلام کا یہ بہانہ بنا دیا۔ نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اپنے بھائی کو دین سکھاؤ۔ قرآن یاد کراؤ۔ اور اس کے فرزند کو آزاد کردو۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے رسولِ خدا ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں مکہ ہی واپس جاؤں اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دوں۔ میرے دل میں آتا ہے کہ اب میں بت پرستوں کو اسی طرح ستایا کروں جس طرح پہلے مسلمانوں کو ستاتا رہا ہوں۔ عمیر کے مدینے جانے کے بعد صفوان کا یہ حال تھا کہ سردارانِ قریش سے کہا کرتا تھا۔ دیکھو چند روز میں کیا گل کھلنے والا ہے۔ کہ تم بدر کا صدمہ بھول جاؤ گے۔

جب صفوان کو خبر لگی کہ عمیر مسلمان ہوگیا تو اسے سخت صدمہ ہوا۔ اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ عمیر سے بات نہ کروں گا۔ نہ اسے کوئی فائدہ پہنچنے دوں گا۔ [1] عمیر مکہ میں آیا۔ وہ اسلام کی منادی کیا کرتا تھا اور اکثر لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے تھے۔

قریش کا تیسرا حملہ، غزوۃ السویق یا قرقرۃ الکدر

بدر میں شکست پانے کے بعد ابوسفیان نے نہانے دھونے سے قسم کھائی تھی۔ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لیا جائے۔ چنانچہ وہ دو سو سواروں کو لے کر مکہ سے نکلا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو رسالہ کو باہر چھوڑ کر خود تاریکی شب میں مدینے کے اندر

---

[1] ۸ ھ کے بعد یہ صفوان خود بھی، جو نبی ﷺ کا سخت دشمن تھا اور مکہ کا مشہور سردار تھا مسلمان ہوگیا تھا۔ طبری، ج ۲، ص: ۴۵ فی ذکر وقعۃ بدر الکبری۔

آیا۔ سلام بن مشکم یہودی سے ملا۔ رات بھر بادہ خواری ہوتی رہی۔ غالباً دونوں کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ مقابلہ کا وقت نہیں اس لیے ابوسفیان آخر شب وہاں سے نکلا۔ مسلمانوں کے پھل دار درختوں، کھجوروں کو آگ لگا کر، نیز ایک مسلمان اور اس کے حلیف کو قتل کر کے واپس چلا گیا۔

خبر ملنے کے بعد قرقرۃ الکدر تک تعاقب ہوا۔ اس لیے اس کا نام غزوہ قرقرۃ الکدر کہا جاتا ہے۔ ابوسفیان کا رسالہ ستو کی تھیلیاں گراتا گیا جسے مسلمانوں نے اٹھالیا تھا اس لیے اس کا نام ''غزوۃ السویق'' بھی ہوا۔

قریش کا چوتھا حملہ یا جنگ اُحد (۷ شوال یوم السبت ۳ ہجری)

قریش مکہ اگلے سال پھر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس دفعہ انہوں نے ملک سے عام چندہ جمع کیا تھا۔ ابوعزہ شاعر نے تہامہ میں گشت لگا کر بنوکنانہ کو قریش کی مدد پر آمادہ کر دیا تھا۔ تجارت شام کا پچاس ہزار مثقال سونا۔ ایک ہزار اونٹ جو ابھی تقسیم نہ ہوئے تھے۔ چندہ میں شامل کر دیئے گئے تھے۔

الغرض پانچ ہزار [1] بہادروں کا لشکر جس میں تین ہزار شُتر سوار، دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے مدینہ تک بڑھا چلا گیا۔ نبی ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ مگر کثرت رائے پر فیصلہ ہوا اور مسلمانوں نے اُحد کے سرخ پہاڑ تک جو مدینہ سے تین کوس پر ہو گا باہر نکل کر مقابلہ کیا۔

اسلامی لشکر میں ایک ہزار مرد تھے۔ عین وقت پر عبداللہ بن ابی بن سلول نے دغا دیا۔ اور اپنے ۳۰۰ شخصوں کو راہ ہی سے پھیر کر لے گیا۔ اس لیے ۷۰۰ مسلمانوں پر پانچ ہزار حملہ آوروں کی مدافعت کا (جو انتقام اور غصہ کے جوش میں بھرے ہوئے تھے) بار تھا۔ مسلمانوں نے ابتدا میں دشمن کو شکست دے دی تھی اور ان کے ۱۲ مشہور علم بردار (جن میں ۸ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مقتول ہوئے) مارے جا چکے تھے۔ لیکن مسلمان تیر اندازوں نے اس درہ کو چھوڑ دیا۔ جہاں انہیں نبی ﷺ نے قائم فرما دیا تھا۔ چالاک دشمن نے موقع تاڑ لیا اور چکر کاٹ کر، عقب سے ہو کر مسلمانوں کو دو طرف سے بیچ میں لے لیا۔ مسلمانوں کا اس وقت سخت نقصان ہوا اور لشکر کا بڑا حصہ تتر بتر ہو گیا۔

نبی ﷺ کے پاس صرف ۱۲ اصحابی [2] ابوبکر، عمر، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔ دشمنوں نے خدا کے نبی ﷺ پر پتھر پھینکے۔ ابن قمیہ کے پتھر سے نبی ﷺ کی پیشانی، ابن شہاب کے پتھر سے نبی ﷺ کا بازو زخمی ہوا۔ عتبہ کے پتھر سے نبی اللہ ﷺ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ نبی ﷺ پھر ایک غار میں گر گئے تھے، خبر اڑ گئی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ مدینہ سے محترم خواتین دوڑی دوڑی آئیں۔

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمات میدان جنگ میں

یہاں آ کر فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے باپ کے زخموں کو دھویا۔ پیشانی کا خون تھمتا نہ تھا۔ اس میں چٹائی جلا کر بھری۔ علی

---

[1] ناسخ التواریخ۔ دیگر کتب میں تین ہزار تعداد درج ہے۔

[2] بخاري عن براء بن عازب، كتاب التفسير، باب والرسول يدعوكم، حديث: ٤٥٦١۔

مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس وقت ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے۔ عائشہ صدیقہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما نے مشکیزے اٹھائے اور زخمیوں کو پانی لا لا کر پلاتی تھیں۔ [1] میدان جنگ میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ [2]

جنگ کے نقصانات میں سے بڑا بھاری نقصان یہ تھا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو مدینہ میں بطور ''معلم اسلام'' آئے تھے اور جن کے وعظ سے اوس وخزرج کے قبیلے مسلمان ہوئے تھے۔شہید ہوئے تھے۔ [3]

عورت کے دل میں شوہر کا درجہ

ان کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھا۔ اسی روز اس کا بھائی اور ماموں بھی شہید ہوئے تھے۔ پہلے اسے بھائی کی شہادت کی خبر ملی اس نے ''إِنَّا لِلّٰه'' پڑھا اور بھائی کے حق میں دعا کی۔ پھر اسے بتایا گیا کہ تیرا شوہر بھی شہید ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے بے اختیار چیخ ماری۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو اس کے دل میں شوہر کی کس قدر محبت تھی۔ [4]

مائی صفیہ کا استقلال

اسی جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ (اسد اللہ ورسولہ) بھی شہید ہوئے۔ دشمنوں نے ان کے اعضا کاٹ کر ان کی لاش کو بھی بے حرمت کیا تھا۔ جنگ کے بعد صفیہ رضی اللہ عنہا مادر زبیر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھنے آئی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے ماں کو دور ہی سے روکا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑ دی گئی اور بے حرمت کی گئی ہے۔ لیکن یہ تو ہمارے لیے فخر کا مقام ہے بیٹا! میں نہ روؤں گی نہ چلاؤں گی۔ صرف دعا پڑھ کر لوٹ جاؤں گی۔'' [5]

انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا جوش وجاں نثاری

اسی جنگ میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جام شہادت پیا تھا۔ اس بہادر نے چند بہادر مسلمانوں کو دیکھا کہ ہتھیار پھینک دیئے ہیں اور مغموم بیٹھے ہیں، پوچھا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ انس رضی اللہ عنہ نے نہایت جوش سے کہا موتوا علیٰ ماما‌ت علیہ رسول اللہ ''آؤ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے ہم بھی اسی کام میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیں، اب زندہ رہ کر کیا کریں گے۔'' یہ جاں نثار اسی جوش میں حملہ کرتے ہوئے ۷۰ زخم جسم پر کھانے کے بعد شہید ہو گیا۔ [6]

اسی جنگ میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ ایک نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں۔ پوچھا، کیا حال ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، تم مجھے اب مردہ ہی سمجھو۔ لیکن مہربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دینا۔

---

[1] مسلم عن انس کتاب الجهاد، باب غزوة احد، حديث: ٤٦٤١ و باب غزوة النساء مع الرجال، حديث: ٤٦٨٣۔

[2] بخاری، كتاب المغازي، باب غزوة احد، حديث: ٤٠٤٣۔ [3] حضرت مصعب پر ایک دھاری دار چادر کا کفن ڈالا گیا۔ پاؤں برہنہ رہے۔ ان پر گھاس رکھی گئی۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا لم يجد كفنا، حديث: ١٢٧٦۔

[4] تاريخ طبری فی ذکر غزوة احد، ج٢/ ٧٤۔ [5] تاريخ طبری فی ذکر غزوة احد، ج٢/ ٧٢۔

[6] تاريخ طبری، ج٢، ص: ٦٦۔

جان توڑتے وقت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا پیغام بجانب اہل اسلام

اور میری طرف سے یہ بھی گزارش کرنا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو کسی امت کی ہدایت پر نہ دی گئی ہو۔قوم کو میری طرف سے یہ کہہ دینا کہ جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں سے باقی رہے۔اس وقت تک اگر دشمن نبی ﷺ تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔'' ❶

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے گیا۔ان کی چھاتی پر ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی تھی جسے وہ بار بار چومتے اور پیار کرتے تھے۔میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی لڑکی ہے وہ مجھ سے بھی برتر تھا اور قیامت کے دن وہ ''نقیبان محمدی'' میں شمار کیا جائے گا۔ ❷

عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ نے کس مزے سے جان دی

اسی جنگ میں عمارۃ بن زیاد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے جس نے جان دیتے ہوئے اپنے رخسار نبی ﷺ کے تلووں سے لگا دیے تھے۔ ❸ اس تاریخی واقعہ کو اس شعر میں خوب ادا کیا گیا ہے۔ ؎

سر بوقتِ ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب ، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

ابودجانہ، حنظلہ، علی مرتضیٰ، طلحہ رضی اللہ عنہم کی شجاعت و مردانگی

ابودجانہ، حنظلہ (غسیل الملائکہ) طلحہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی بے نظیر شجاعت کمال استقامت اور جاں نثاری کے بھی نہایت شاندار واقعات اس جنگ میں ظاہر ہوئے۔طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا اور آنحضرت ﷺ کی جانب آنے والے تیر ہاتھ پر روکے۔یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا تھا۔ ❹

بنو دینار کی عورت کی قوت ایمانی کا کمال

بنو دینار کی ایک عورت تھی، جس کا باپ، بھائی اور شوہر اس جنگ میں شہید ہوئے تھے وہ کہتی تھی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بابت بتاؤ۔لوگوں نے کہا کہ وہ بفضل خدا صحیح و سالم ہیں۔کہا، مجھے دکھا دو، جب دور سے چہرہ مبارک دیکھ لیا تو بے اختیار کہہ اٹھی:

كل مصيبة بعدك جلل ❺

''اب ہر ایک مصیبت کی برداشت ہو سکتی ہے۔''

رحمۃ للعالمین کی درگزر، معافی اور ظالموں کے لیے دعا

اسی جنگ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے (جبکہ حضور ﷺ کو بھی کئی زخم آئے تھے) عرض کیا۔کاش!

---

❶ تاریخ طبری، ج۲، ص: ۷۲۔ ❷ زاد المعاد، ج۳، ص: ۲۰۷۔ ❸ تاریخ طبری، ج۲، ص: ٦٦۔

❹ بخاری، کتاب المغازی، باب اذ همت الطائفتان منكم، حدیث: ٤٠٦٣۔ ❺ طبری: ۲/ ۷٤۔

آپ ان مشرکین پر بددعا فرمائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰکِنْ بُعِثْتُ دَاعِیًا وَ رَحْمَةً اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ)) ❶

''میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا مجھے تو خدا کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنایا گیا ہے۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ (مجھے) نہیں جانتے۔''

قریش کی چوتھی جنگ اور دس واعظانِ اسلام کا مارا جانا

جنگ احد کے بعد دشمنوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور پامال کرنے کی مختلف تدابیر پر عمل کیا۔ چنانچہ ۴ھ میں:۔

(۱) قریش نے قوم عضل اور قارہ کے سات شخصوں کو گانٹھ کر مدینہ میں نبی ﷺ کے پاس بھیجا کہ ہمارے قبیلے اسلام لانے کو تیار ہیں ہمارے ساتھ معلم کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دس بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم ❷ کو جن کے سردار عاصم بن ثابت ❸ تھے۔ ان کے ساتھ کر دیا۔ جب یہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی زد میں پہنچ گئے تو ان کے دو سو جوان آئے کہ انہیں زندہ گرفتار کر لیں۔ آٹھ صحابی مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور دو بزرگوار خبیب بن عدی و زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما گرفتار کر لیے گئے۔ سفیان ہزلی انہیں مکہ لے گیا اور قریش کے پاس فروخت کر آیا۔

خبیب و زید رضی اللہ عنہما صحابہ قید میں

قریش نے انہیں حارث بن عامر کے گھر میں چند روز بھوکا پیاسا قید رکھا، ایک دن حارث کا بچہ تیز چھری سے کھیلتا ہوا خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے بچے کو زانو پر بٹھایا اور اُس سے چھری لے کر رکھ دی، جب بچہ کی ماں نے یکا یک دیکھا کہ اس کا بچہ چھری لے کر اس قیدی کے پاس ہے۔ جسے چند روز سے انہوں نے بے آب و دانہ رکھا تھا۔ تو اس نے بے اختیار چیخ ماری۔

مسلمان کا کام غدر کرنا نہیں

خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ سمجھتی ہے کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا۔ نہیں جانتی کہ مسلمانوں کا کام غدر کرنا نہیں۔ ظالم قریش والوں نے چند روز کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ کو صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا: ''اگر اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔'' دونوں بزرگواروں نے جواب دیا: ''جب اسلام باقی نہ رہا تو جان کو رکھ کر کیا کریں گے۔''

اب قریش نے پوچھا کہ کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا، دو رکعت نماز پڑھ لینے کی ہمیں مہلت دی جائے۔ مہلت دی گئی۔ انہوں نے نماز ادا کی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا۔ لیکن سوچا کہ دشمن یہ نہ کہیں کہ موت سے ڈر گیا ہے۔ ❹ بے رحموں نے دونوں کو صلیب پر لٹکا دیا اور نیزہ والوں سے کہا کہ نیزہ کی اُنی سے ان کے جسموں کے ایک ایک

---

❶ شرح شفاء قاضی عیاض (المتوفی ۵۴۴ھ)، ج ۱، ص ۲۳۷۔

❷ ابن ہشام ۳/۱۲۹ میں چھ اور صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب هل يستأسر الرجل، حديث: ۳۰۴۵ میں دس ہیں۔

❸ یہ عاصم بن ثابت عمر فاروق کے نانا تھے۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرجيع، حديث: ۴۰۸۶۔

❹ بخاری، کتاب الجهاد، باب هل يستأسر الرجل، حديث: ۳۰۴۵، عن عبدالله بن عياض۔

حصہ پر چرکے لگائیں۔

اللہ اکبر! ان کا دل اسلام پر کتنا قائم تھا۔ ان کو دین حق پر کتنی استقامت تھی۔ ان کو ہمیشہ کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا کتنا یقین تھا کہ ان تمام تکلیفوں اور اذیتوں کو برداشت کرتے ہوئے ذرا اف تک نہ کی۔

جان اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا موازنہ

ایک سخت دل نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہو اب تو تم بھی پسند کرتے ہو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھنس جائے اور میں چھوٹ جاؤں۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے نہایت جوش سے جواب دیا۔ ''خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی لگے۔ [1]

خدا کے اس برگزیدہ بندہ فتی الفتیان (جوانمردترین جوانمرداں) نے مقتل اور تماشائیوں کے ہجوم میں صلیب کے نیچے کھڑے ہو کر فی البدیہہ اشعار کہے ہیں، ان سے اس منظر کی پوری کیفیت اور اس بزرگوار کی صداقت و محبت اسلام کی پاکیزہ صورت نظر آتی ہے۔

لَقَدْ [2] جَمَعَ أَلْأَحْزَابُ حَوْلِيْ أَلبوْا — قَبَائِلَهُمْ وَاسْتَجْمَعُوْا كُلَّ مَجْمَعِ

وَكُلُّهُمْ مُبْدِى الْعَدَاوَةِ جَاهِدٌ — عَلَىَّ لِأَنِّى فِى وِثَاقٍ بِمَضْيَعِ

وَقَدْ جَمَّعُوْا أَبْنَاءَ هُمْ وَنِسَاءَ هُمْ — وَقُرِّبْتُ مِنْ جِذْعٍ طَوِيْلٍ مُمَنَّعِ

وَقَدْ خَيَّرُوْنِى الْكُفْرَ وَالْمَوْتُ دُوْنَهُ — وَقَدْ هَمَلَتْ عَيْنَاىَ مِنْ غَيْرِ مَجْزَعِ(ن۱)

فَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا — وَلَا جَزَعًا إِنِّىْ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعِىْ

وَمَالِىَ حِذَارُ الْمَوْتِ إِنِّىْ لَمَيِّتٌ — وَلٰكِنْ حِذَارِىْ حَجْمُ نَارٍ مُلَفَّعِ

فَذَا الْعَرْشِ صَبِّرْنِىْ عَلٰى مَا يُرَادُبِىْ — فَقَدْ بَضَّعُوْا لَحْمِىْ وَقَدْ يَاسَ مَطْمَعِىْ

إِلَى اللّٰهِ أَشْكُوْ غُرْبَتِىْ ثُمَّ كُرْبَتِىْ — وَمَا أَرْصَدَ الْأَحْزَابُ لِىْ عِنْدَ مَصْرَعِىْ

فَوَ اللّٰهِ مَا أَرْجُوْ إِذَا مِتُّ مُسْلِمًا — عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِى اللّٰهِ مَصْرَعِىْ

وَذٰلِكَ فِىْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَاء — يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

''انبوہ در انبوہ لوگ میرے گرداگرد کھڑے ہو رہے ہیں اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا لیا ہے۔ یہ سب کے سب عداوت نکال رہے ہیں اور میرے برخلاف جوش دکھا رہے ہیں اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔ قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا رکھا ہے۔ اور مجھے ایک مضبوط بند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔

---

[1] طبری، ج ۲، ص: ۷۹ وابن ھشام، ج ۳، ص: ۱۷۲۔

[2] از سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۱۷۶ صحیحین میں صرف اشعار نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ مروی ہیں۔ برادران اسلام کو استقامت اور صداقت کا یہ نمونہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ شعر نمبر ۷ سے تواضع وانکسار اور جلال ربانی کے سامنے اپنی خشیت و نیاز کا سبق لینا چاہیے۔ زاد المعاد میں دوسرا اور پانچواں شعر نہیں ہے۔ حاشیہ پر جو ن کی علامت سے الفاظ درج کیے گئے ہیں۔ یہ زاد المعاد، ج ۳، ص ۲۴۵ سے لیے گئے ہیں۔ ن ۱: ذرفت۔ ن ۲: مدمع۔

انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت سہل ہے۔میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں، میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا اور نہ روؤں گا اور چلاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔موت سے مجھے اس لیے ڈر نہیں کہ میں مر جاؤں گا۔لیکن میں تو لپیٹ والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں۔اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی اور مجھے شکیبائی کے لیے فرمایا ہے۔اب انہوں نے زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ کوٹ دیا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے۔میں اپنی درماندگی اور بے وطنی و بے کسی کی فریاد اور ان ارادوں کی (جو میرے جان توڑنے کے بعد یہ لوگ رکھتے ہیں) خدا سے کرتا ہوں۔بخدا! جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو میں یہ پروا نہیں کرتا کہ راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیونکر جان دیتا ہوں۔خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے یہ بالکل امید ہے کہ وہ پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے۔''

سب سے آخر میں یہ دعا تھی: أَللّٰهُمَّ بَلَّغْنَا رِسَالَةَ رَسُوْلِكَ فَبَلِّغْهُ مَا يُصْنَعُ بِنَا ''اے خدا ہم نے تیرے رسول ﷺ کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیئے۔اب تو اپنے رسول ﷺ کو ہمارے حال کی اور ان کی کرتوتوں کی خبر فرما دے۔''

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ (جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے تھے) ان کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی یکبارگی بیہوش ہو جایا کرتے۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے وجہ پوچھی۔وہ بولے مجھے نہ کوئی مرض ہے، نہ کچھ شکایت ہے۔جب خبیب رضی اللہ عنہ کو صلیب پر چڑھایا گیا، تو میں اس مجمع میں موجود تھا مجھے جس وقت خبیب رضی اللہ عنہ کی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔میں کانپ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

ایک اور سازش اور ستر معلمین اسلام کا قتل کیا جانا

ابو براء عامر نے بھی ایسا ہی فریب کیا۔وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ملک نجد کی تعلیم و ہدایت کے لیے کچھ منادی کرنے والے میرے ساتھ بھیج دیجئے۔اس کا بھتیجا نجد کا رئیس تھا۔عامر نے یقین دلایا تھا کہ منادی کرنے والوں کی حفاظت کی جائے گی۔نبی ﷺ نے منذر بن عمرو انصاری کو مع ستر صحابہ [1] کے جو قراء وفضلا ومنتخب بزرگوار تھے۔اس کے ساتھ کر دیا۔جب وہ بئر معونہ پر جا پہنچے جو بنی عامر کا علاقہ تھا۔تو وہاں سے حرام بن ملحان کو نامۂ نبوی دے کر طفیل حاکم کے پاس بھیجا گیا۔اس نے اس سفیر کو قتل کرا دیا۔جبار بن سلمیٰ ایک شخص تھا جس نے حاکم کے اشارے سے ان کی پشت میں نیزہ مارا تھا جو چھاتی سے نکل گیا۔انہوں نے گرتے ہوئے کہا: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ''قسم ہے کعبہ کے خدا کی۔میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔''

قاتل کا مقتول کے آخری کلمہ سے اسلام لانا

قاتل پر اس فقرہ نے ایسا اثر کیا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گیا۔

حاکم نے باقی سب کو بھی قتل کرا دیا۔کعب بن زید نے جو کشتگان خنجر تسلیم کی اوٹ میں چھپ کر بچ رہے تھے۔اس واقعہ کی خبر

---

[1] زاد المعاد، ج۳، ص:۲۴۷ فصل في وقعة بئر معونة بحواله بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة ذات الرجيع، حديث: ۴۰۹۱، ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۸۴ حدیث بئر معونہ میں ۴۰ کی تعداد ہے۔

آنحضرت ﷺ کو پہنچائی۔

قریش کا پانچواں حملہ عہد شکنی یا فتح مکہ

اسی سال ۸ھ مسلمانوں کو اضطراراً ماہ رمضان میں مکہ پر فوج کشی کرنی پڑی وجہ یہ ہوئی کہ ۶ھ میں جو معاہدہ قریش نے نبی ﷺ سے بمقام حدیبیہ کیا تھا۔ اس کی ایک دفعہ میں یہ تھا: ''دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔'' اس شرط میں جو قوم نبی ﷺ کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں اور جو قوم قریش کی طرف ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں۔

اس کے موافق بنی خزاعہ نبی ﷺ کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے۔ معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے بھی بنو بکر کو اسلحہ سے امداد دی۔ عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو (معاہدہ پر اسی نے دستخط کیے تھے) صفوان بن امیہ (مشہور سرداران قریش) خود بھی نقاب پوش ہو کر مع اپنے حوالی وموالی کے بنوخزاعہ پر حملہ آور ہوئے۔ [1]

ان بے چاروں نے امان بھی مانگی۔ بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ بھی لی۔ مگر ان کو ہر جگہ بے دریغ تہ تیغ کیا گیا یہ مظلوم جب "الٰهك الٰهك" (اپنے خدا کے واسطے، اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تھے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے **لَا إِلٰهَ الْيَوْمَ** [2] (آج خدا کوئی چیز نہیں)۔

مظلوموں کے بچے کھچے چالیس آدمی، جنہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی مظلومی اور بربادی کی داستان سنائی۔ عمرو بن سالم الخزاعی نے پُر درد نظم میں تمام واقعات گوش گزار کیے۔ اس نظم کے جستہ جستہ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا
وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُوَكَّدَا
وَجَعَلُوْا لِيْ فِيْ كَدَاءٍ رُصَّدَا
وَزَعَمُوْا أَنْ لَسْتُ أَدْعُوْ أَحَدَا
وَهُمْ أَذَلُّ وَأَقَلُّ عَدَدَا
هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدَا [3]
وَقَتَّلُوْنَا رُكَّعاً وَسُجَّدًا [4]

''قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی۔

---

[1] تاریخ طبری، ج ۲، ص: ۱۵۳، ذکر الخبر عن فتح مکہ۔

[2] سیرت ابن ہشام، ذکر الأسباب الموجبة المسیر الی مکة، ج ۳، ص: ۳۹۰۔

[3] وتیر پایاں مکہ کی جانب ایک چشمہ کا نام ہے، جس میں بنوخزاعہ آباد تھے۔ معجم البلدان، باب الواو والتاء، ج ۵، ص: ۳۶۰۔

[4] اس مصرعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ اگرچہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ بنی خزاعہ کی مدد جب نبی ﷺ نے فرمائی تھی، وہ مسلمان نہ ہوئے تھے (منقول از طبری: ۲/ ۱۵۳ و سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص: ۳۵)

انہوں نے اس مضبوط معاہدے کو جو آپ ﷺ سے کیا تھا، توڑ ڈالا۔

ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا۔

وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آئے گا۔

وہ تو ذلیل ہیں اور قلیل ہیں۔

انہوں نے وتیر میں ہم کو سوتے ہوئے جالیا۔

ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں پارہ پارہ کر دیا۔''

(۱) معاہدے کی پابندی۔ (۲) فریق مظلوم کی دادرسی (۳) دوست دار قبائل کی آیندہ حفاظت کی غرض سے نبی ﷺ مکہ کی جانب سوار ہو گئے۔ دس ہزار کی جمعیت ❶ ہمرکاب تھی۔ دو منزل چلے تھے کہ راہ میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابوامیہ آنحضرت ﷺ سے ملاقی ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی ﷺ کو سخت ایذائیں دی تھیں اور اسلام کے مٹانے میں بڑی بڑی کوششیں کی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھا اور اپنا رخ پھیر لیا۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔

یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے۔ اور عبداللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسف علیہ السلام نے معافی کی درخواست کی تھی۔ تم بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر انہی الفاظ کا استعمال کرو۔ نبی ﷺ کے عفو و رحم سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ انہوں نے نبی ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر یہ آیت پڑھی: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۝﴾ ❷

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

---

❶ بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، حدیث ٤٢٧٦۔ اب پڑھیے غزل الغزلات ۵ باب ۱۰ درس ''میرا محبوب سرخ و سفید ہے دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے۔'' ملاحظہ کیجیے اسی باب میں درس ۱۶، جو اردو بائبل آج کل مشن ملک میں پھیلا رہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے اے یروشلم کی بیٹیوں، یہ میرا پیارا یہ میرا جانی ہے۔'' مگر عبرانی بائبل کے الفاظ یہ ہیں۔'' خلو محمدیم زہ دودی وزہ رعی۔ بلوث یروشلایم۔'' اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ ''وہ تو ٹھیک محمد ﷺ ہے، میرا خلیل، میرا حبیب یہی ہے، اے دختران یروشلم۔'' پادری صاحبان کا اتفاق ہے کہ غزل الغزلات میں ہیکل (قبلہ) نے کسی موعود بزرگ کے عشق میں ترانہ گایا ہے۔ اس کے بعد پادری صاحبان اسے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں لیکن جب اس ترانہ کے مصنف حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود ہی نام مبارک ''محمد'' بھی فرما دیا اور ان کا پتہ دے دیا کہ وہ ہیکل میں دس ہزار آدمیوں کے درمیان آئے گا تو اب ممدوح کا صحیح پتہ لگ جانے میں کوئی شبہ نہیں رہا، عبرانی لفظ ''محمدیم'' کا ترجمہ عشق انگیز کرنا سراپا غلط ہے۔ شاید کوئی کہے کہ اس پیش گوئی سے نبی ﷺ کا دس ہزار فوج کے ساتھ خاص مکہ پر آنا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے مکہ کا نام دکھانے کے لیے دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب استثناء ۳۳ باب ۱، درس ۲،۱ میں ہے۔ ''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ علیہ السلام مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔'' سینا سے آنے سے موسیٰ علیہ السلام اور شعیر سے خداوند کے ساتھ آنے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ باقی پیش گوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت ہے جو دس ہزار صحابہ کے ساتھ فاران والوں پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ آتشی شریعت سے مراد نورانی اور آسمانی شریعت ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے آگ میں سے کلام سنا تھا۔ ''ان کے لیے'' سے مراد یہ تھی کہ اہل مکہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو جائیں گے۔ ❷ ۱۲/ یوسف: ۹۱۔

"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ـ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔"

اس وقت ابوسفیان نے عجب جوش ونشاط سے یہ اشعار پڑھے۔

لَعَمْرِيْ إِنِّيْ يَوْمَ أَحْمِلُ رَايَةً ۔۔۔ لِتَغْلِبَ خَيْلُ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدِ

لَكَا لِمُدْلِجِ الْحَيْرَانِ أَظْلَمَ لَيْلُهُ ۔۔۔ فَهٰذَا وَانِيْ حِيْنَ هُدٰى وَأَهْتَدِيْ

هَدَانِيْ هَادٍ غَيْرُ نَفْسِيْ وَدَلَّنِيْ ۔۔۔ عَلَى اللّٰهِ مَنْ طَرَدْتُهُ كُلَّ مُطَرَّدِ

''قسم ہے کہ جن دنوں میں نشانِ جنگ اس لیے اٹھایا کرتا تھا کہ ''لات'' (بت کا نام) کا لشکر محمد ﷺ کے لشکر پر غالب آ جائے، ان دنوں میں اس خارپشت جیسا تھا جو اندھیری رات میں ٹکریں کھاتا ہو۔ اب وہ وقت آ گیا کہ میں ہدایت پاؤں اور سیدھے رستے ہو جاؤں مجھے ہادی نے نہ کہ میرے نفس نے ہدایت دی ہے اور خدا کا راستہ مجھے اس شخص نے بتایا ہے جسے میں نے دھتکار دیا اور چھوڑ دیا تھا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا، ہاں تم تو مجھے چھوڑتے ہی رہے تھے۔ [1]

نبی ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ اہل مکہ کو اس آمد کی خبر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا [2] کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ تک پہنچ کر باہر خیمہ زن ہو گئے اور اہل شہر کو باخبر کرنے کے لیے لشکر میں الاؤ روشن کرنے کا حکم دیا، تب ان کو خبر ہوئی۔

دوسری صبح نبی ﷺ نے حکم دیا کہ فوج مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو۔ اور ان احکام کی پابندی کرے۔

فوج کو ہدایت اور احکام رحم

(۱) جو کوئی شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔

---

[1] زاد المعاد، فصل فی فتح الأعظم، ج۳، ص: ٤٠٠۔ [2] صحیح بخاری عن ابن مغفل، کتاب المغازی، پ ۱۷؛ سیرت ابن ہشام، ذکر الاسباب الموجبة المسیر الی مکة، ج ۳/ ۹۲؛ فتوح البلدان بلاذری، ص: ٤٥ ملاحظہ کیجئے ملاکی نبی کی کتاب ۳ باب اورس اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں وہ عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو۔ وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آ دے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آ ئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ ۲۔ پر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا؟

اس الہامی عبارت سے ثابت ہے کہ رسول معہود وموعود کا انتظار اس کی علامات معلوم کرنے کا شوق سب کو لگا ہوا تھا اور انبیا علیہم السلام سلف اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اس کی علامات بیان کر دیں۔ ملاکی نبی علیہ السلام کی کتاب عہد نامہ قدیم کی سب سے آخری کتاب ہے اس لیے اس پیشگوئی کے مصداق یا تو حضرت مسیح علیہ السلام ہو سکتے ہیں یا ہمارے دعویٰ کے موافق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ مسیح علیہ السلام بوجوہات ذیل اس پیش گوئی کے مصداق نہیں۔ ۱:۔ متی نے اس پیش گوئی کو حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت نہیں بتایا حالانکہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی پیش گوئیوں کو انجیل میں جمع کر دیا ہے۔ ۲:۔ قدیم مصنفین میں سے اور کسی فاضل عیسائی نے بھی اسے مسیح علیہ السلام کی بابت نہیں کیا۔ ۳:۔ مسیح علیہ السلام کو سب عیسائی ابن اللہ کہتے ہیں نہ کہ رسول ۴:۔ ہیکل میں دشمن ان کے سامنے مغلوب نہیں ہوئے بلکہ دشمنوں نے مسیح کو مغلوب کر لیا۔ نبی ﷺ پر یہ پیش گوئی بوجوہات ذیل صادق آتی ہے۔ ۱:۔ ''اپنی ہیکل'' کا لفظ موجود ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس مکان کی طرف آئے گا۔ جسے ہیکل ہونے کا درجہ خود اسی نے بخشا ہو۔ چنانچہ کعبہ کو آنحضرت ﷺ نے ہی ''قبلہ'' قرار دیا تھا اور فتح مکہ سے قریباً سات برس پہلے قرار دے چکے تھے۔ ۲:۔ ''ناگہاں آئے گا'' خود آنحضرت ﷺ کی دعا یہ تھی۔ أَللّٰهُمَّ اضْرِبْ عَلٰى أَذَانِهِمْ حَتّٰى نَبْغَتَهُمْ بَغْتَةً۔ (بلاذری) اور ایسا ہی ہوا۔
۳:۔ لفظ رب الافواج بطور براعت الاستہلال ہے کہ وہ اس وقت فوجوں کے ساتھ ہوگا۔ ۴:۔ اہل مکہ میں سے کوئی بھی مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا تھا۔ ۵:۔ لفظ عہد کا رسول انہی معنوں میں ہے۔ جس میں لفظ وہ نبی یوحنا بپتسمہ (یحییٰ نبی) نے استعمال کیا ہے اور مسیح نے انکار کیا کہ میں وہ نبی نہیں ہوں۔ (دیکھو یوحنا اباب ۲۲ ورس)

(۲) جوکوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۳) جوکوئی شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۴) جوکوئی شخص ابوسفیان کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۵) جوکوئی شخص حکیم بن حزام کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۶) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

(۸) اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

شہر میں داخل ہونے والے دستوں میں سے صرف اس دستہ کا جو خالد بن ولید کے ماتحت تھا، کچھ مقابلہ ہوا جس میں اہل مکہ کو بھاگنا پڑا باقی سب دستے بلا مزاحمت شہر میں داخل ہو گئے۔ مقابلہ میں دو مسلمان ۲۸ مقابل کام آئے۔

خدا کا برگزیدہ رسول ﷺ جس وقت (۲۰ رمضان) شہر میں داخل ہوا، اس وقت سر جھکائے [1] قرآن مجید (سورۃ الفتح) کی تلاوت فرما رہا تھا۔ اور اونٹ کی سواری پر بیت اللہ کو جا رہا تھا [2]۔ اور اونٹ پر اپنے ساتھ آزاد کردہ غلام زید کے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کر رکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر پہلے خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ اس وقت بیت اللہ کے گرداگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کمان کے گوشے (یا چھڑی کی نوک سے) ہر ایک بت کو گراتے جاتے تھے اور زبان مبارک سے یہ پڑھ رہے تھے:

(۱) ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ [3]

(۲) ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴾ [4]

اس کام سے فارغ ہو کر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا۔ ان کے خاندان میں مدت سے کعبہ کی ''کلید برداری'' چلی آتی تھی۔ ابتدائے یوم نبوت میں ایک دفعہ نبی ﷺ نے اسی عثمان سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو۔ اس نے انکار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ اچھا تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا، اسے عطا کروں گا۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ کیا اس روز قریش کے سب ہی مرد ذلیل و تباہ ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ اور بھی زیادہ عزت

---

[1] اہل حکومت ایسی فتوحات کے موقع پر بڑی طمطراق سے مفتوح شہر میں داخل ہوا کرتے ہیں۔

[2] حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے کاموں کی مماثلت:۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ الفتح، حدیث: ٤٨٣٥ اب یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۲۱ درس ۶ تا ۹ دیکھو، جس میں ایک گدھے کے سوار اور ایک اونٹ کے سوار کا ذکر بطور پیش گوئی کیا گیا ہے۔ گدھے کے سوار حضرت مسیح علیہ السلام ہیں اور اونٹ کے سوار محمد رسول اللہ ﷺ (دونوں پر خدا کا درود ہو) ہر دو کے حالات کا مقابلہ کرو۔ حضرت مسیح ''بیت ایل'' (بیت المقدس) میں گدھے پر سوار ہو کر گئے۔ دوکانداروں، کبوتر فروشوں وغیرہ کو وہاں سے نکالا اور خدا کے گھر کو مقدس ٹھہرایا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ بیت اللہ میں اونٹ پر چڑھ کر گئے اور بتوں کو وہاں سے نکالا۔ ان ہر دو مقدسین نے یسعیاہ نبی کی پیش گوئی کو سچا ٹھہرایا۔ [3] ۱۷/ بنی اسرائیل:۸۱۔

[4] ٣٤/ سبا:٤٩؛ بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ الرأیة یوم الفتح، حدیث:٤٢٨٧۔ پہلی اور دوسری آیات میں بت پرستی کو باطل بتا کر یہ بھی اظہار فرمایا ہے کہ اب اس گھر میں بت نہ رکھے جائیں گے۔ چودھویں صدی گزر رہی ہے اور پیش گوئی کی صداقت آشکارا ہو رہی ہے جو نبی باعلام ربانی ایسی زبردست اور واضح پیش گوئیوں کا اظہار فرماتا تھا۔ اس کے برگزیدہ اور صادق ہونے میں کیونکر کوئی شخص شبہ کر سکتا ہے؟

واقبال سے ہوں گے۔

اب نبی ﷺ نے کلید لے کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔ اندر جا کر ہر ایک گوشے میں اللہ اکبر کے ترانے گائے اور پھر نماز شکرانہ پڑھتے ہوئے۔ نہایت عجز و نیاز سے رب العزت کے سامنے پیشانی کو خاک پر رکھ کر سجدہ کیا۔

اسی عرصہ میں مکہ کے وہ سب سردار اور سب بڑے بڑے لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے:

(۱) بیسیوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا یا کرایا تھا۔

(۲) سینکڑوں مسلمانوں کو اذیت دے دے کر گھر بار سے نکالا تھا۔

(۳) دین اسلام کو تباہ کرنے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے لیے حبش، شام، نجد اور یمن تک کے سفر کیے تھے۔

(۴) جنہوں نے بارہا مدینے پر حملے کر کے مسلمانوں کو (۳۰۰ میل پرے چلے جانے کے بعد بھی) چین سے نہیں رہنے دیا تھا۔

یعنی وہ سب لوگ جو مسلمانوں کے فنا کرنے میں زر سے، مال سے، زور سے، تدبیر سے، ہتھیار سے، تزویر سے اپنا سارا زور لگا چکے تھے اور اپنی ناپاک کوششوں میں ۲۱ سال تک برابر منہمک رہے تھے۔

خدا کا رسول ﷺ جسے خدا نے تمام مخلوق کے واسطے رحمت بنایا۔ جب عبادت سے فارغ ہو کر باہر رونق افروز ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ (عم رسول ﷺ) نے عرض کی کہ کلید بیت اللہ بنی ہاشم کو عطا فرمائی جائے۔

حق بحقدار

نبی ﷺ نے فرمایا: ((اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْبِرِّ وَالْوَفَا)) ''آج کا دن تو سلوک کرنے، پورے عطیات دینے کا ہے'' پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اسی کو کلید مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا۔ وہ ظالم ہوگا۔

فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ کی تقریر مفتوحین اور دشمنوں کے سامنے

اب رحمۃ للعالمین اس گردن زدنی و کشتنی جماعت کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ نُخْوَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَظُّمَھَا بِالْآبَاءِ، اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ۔ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط﴾ [1] اِذْھَبُوْا اَفَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ)) [2]

''اے جماعت قریش! خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباء واجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا (سچ تو یہ ہے) سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور گوت و قبیلے سب پہچان کے لیے بنا دیے۔ اور خدا کے ہاں تو اس کی عزت زیادہ ہے، جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔ پھر فرمایا، جاؤ تم آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مؤاخذہ نہیں۔''

---

[1] ٤٩/ الحجرات:١٣۔ [2] طبری، ج٢، ص:١٦١۔

اسلام لانے والوں سے بیعت اور اس کی شرائط

پھر نبی ﷺ نے کوہ صفا پر بیٹھ کر مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول فرمائی، اس موقع پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک ایک شخص کو پیش کرتے تھے۔ ❶

بیعت کرنے والوں کو مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔

(۱) میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات میں، صفات میں اور استحقاق عبادت واستحقاق استعانت میں شریک نہ کروں گا۔

(۲) میں چوری نہ کروں گا، زنا نہ کروں گا، خون ناحق نہ کروں گا لڑکیوں کو جان سے نہ ماروں گا، کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

(۳) میں امور حق میں نبی ﷺ کی اطاعت بقدر استطاعت کروں گا۔ ❷

عورتوں سے مزید اقرار بیعت

عورتوں سے مزید اقرار یہ بھی لیے جاتے تھے۔

کسی کے سوگ میں منہ نہ نوچیں گی، طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی، نہ سر کے بال کھسوٹیں گی، نہ گریبان چاک کریں گی، نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی اور نہ قبر پر سوگواری سے بیٹھیں گی۔

عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ

عورتوں سے بیعت لینے کا طریق یہ تھا کہ پانی کے باسن میں آنحضرت ﷺ اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لیتے، پھر بیعت کرنے والی اس باسن میں اپنا ہاتھ ڈالتی۔ دوسرے مواقع پر صرف زبانی اقرار لے کر ہی تکمیل بیعت فرمایا کرتے۔

فتح سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر ڈالے۔ جب وہ اس ارادہ سے قریب پہنچا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

کیا فضالہ آتا ہے؟

فضالہ بولا: ''ہاں''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟''

فضالہ نے کہا: ''کچھ نہیں۔ میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا۔''

نبی ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: ''اچھا، تم اپنے خدا سے اپنے لیے معافی کی درخواست کرو۔'' یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے بہت اطمینان قلب حاصل ہوا اور آنحضرت ﷺ کی محبت اس قدر میرے دل

---

❶ طبری، ج ۲، ص: ۱۶۱۔ ❷ طبری، ج ا، ص: ۱۶۲، اس بیعت کے الفاظ کو جو اقبال مندی اور عروج میں لوگوں سے کہلوائے گئے، بیعت عقبہ اولی کے الفاظ سے جو نبی ﷺ نے اندھیری رات کے پردہ میں شہر سے باہر جا کر اہل مدینہ سے کہلوائے تھے ملا کر دیکھو ذرا بھی فرق معلوم نہیں ہوگا۔ یہی ہے کسوٹی جو آپ ﷺ کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔

میں پیدا ہوگئی کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔

میں یہاں سے گھر کو چلا۔ راستہ میں میری معشوقہ ملی۔ جس کے پاس میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے کہا، فضالہ ایک بات سنتے جاؤ۔ میں نے جواب دیا۔ نہیں، نہیں! خدا اور اسلام ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں۔ [1]

نبی ﷺ کی پاک سیرت کا بیان نامکمل رہ جائے گا اگر ''عفو تقصیرات'' کا جو مکہ میں فرمائی گئیں ذکر نہ کیا جائے۔ واضح ہو کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تمام فوج کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ کسی شخص پر حملہ نہ کریں۔ لیکن چار مرد، دو عورتیں [2] جو اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے واجب القصاص تھے۔ اعلان کر دیا گیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

ان چار مردوں میں سے صرف ابن خطل کو قتل کیا گیا۔ یہ پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے غلام کو اس لیے قتل کر دیا کہ وقت پر کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ قتل کے بعد مکہ بھاگ آیا۔ باقی تین عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن الاسود اور عبداللہ بن ابی سرح کو معافی دی گئی۔

۱: عکرمہ علاوہ ازیں کہ ابوجہل کا بیٹا تھا اور بارہا مسلمانوں سے جنگ کر چکا تھا۔ اب حال میں بھی بنوخزاعہ کو جو مسلمانوں کے حلیف تھے، تباہ کرنے کا باعث یہی تھا۔

۲: ہبار نے سیدہ زینب بنت رسول ﷺ کے جب کہ وہ مکہ سے مدینہ کو ہودج میں بیٹھی جا رہی تھیں، نیزہ مارا اور کجاوا گرا دیا تھا، اس صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور بالآخر اسی صدمہ سے انہوں نے وفات پائی تھی۔

۳: عبداللہ بن ابی سرح کہنے لگا تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے اور محمد ﷺ تو مجھ سے سن کر لکھوا دیتے ہیں۔

اللہ اکبر۔ ایسے مجرمین پر رحم فرمانا ''نبی الرحمۃ'' ہی کا کام ہے۔

دو عورتوں میں سے ایک عورت کو جو قتل عمد کا ارتکاب کر چکی تھی، سزائے قصاص دی گئی تھی معافی پانے والوں میں ہند زوجہ ابوسفیان بھی ہے۔ اس عورت نے نبی ﷺ کے چچا کا کلیجہ سینہ سے نکال کر دانتوں سے چبایا، ان کی ناک، کان کو کاٹ کر دھاگے میں پرو کر گلے کا ہار بنایا تھا۔ وحشی کو بھی معافی دی گئی جس نے امیر حمزہ (اسد اللہ ورسولہ) کو دھوکے سے مارا تھا۔ اور پھر نعش کو بے حرمت کیا تھا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عسکر (لشکر) نے مکہ فتح نہیں کیا تھا بلکہ خلق محمدی اور عفو و رحم مصطفوی ﷺ نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔ [3]

فتح کے بعد غنیمت کے طور پر کفار کے مال و جنس پر قبضہ کرنے کا تو کیا ذکر ہے۔ مہاجرین مسلمان جو مکہ ہی سے اجڑ کر گئے تھے۔ ان کے گھروں پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا، اب مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اپنی جائیدادوں کے واپس دلائے جانے کی درخواست کی۔ لیکن نبی ﷺ نے ان کی اس درخواست کو بھی نامنظور فرمایا۔ [4] گویا حضور ﷺ کا مدعا یہ تھا کہ جن چیزوں کو تم خدا کے لیے چھوڑ چکے۔ اب ان کی واپسی کا کیوں سوال کرتے ہو؟

فتح مکہ کا بیان (جس کے ضمن میں انبیاء گزشتہ کے کئی صحیفوں کی پیش گوئیاں مندرج ہیں) ختم کرنے سے پیشتر میں ناظرین کو

---

[1] زاد المعاد، ج۳، ص:۴۱۲۔ [2] سنن ابو داود عن سعد رضی اللہ عنہ، کتاب الجهاد، باب قتل الأسير، حديث: ۲۶۸۳۔

[3] علما میں اختلاف ہے کہ مکہ فتح ہوا یا صلح سے اس پر قبضہ ہوا۔ [4] زاد المعاد، ج۳، ص:۱۱۶۔

ایک اور زبردست پیش گوئی پر توجہ دلاتا ہوں۔

قرآن مجید میں سورۂ یوسف ہے جس کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔ اس سورہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ ﴾ ❶ یہ غیب کی خبریں ہیں، جن کی وحی تیرے اوپر بھیجی جاتی ہے۔

اب ناظرین حضرت یوسف وعلیٰ آبائہ السلام (جوالکریم ابن الکریم ابن الکریم کے خطاب سے مخاطب ہیں) کے حالات سے نبی کریم ﷺ کے حالات کی مماثلت معلوم کریں۔

۱: حضرت یوسف علیہ السلام پر بوجہ ان کے روحانی کمالات کے ان کے بھائیوں نے حسد کیا۔ اسی طرح نبی ﷺ پر بھی آپ کے بھائیوں نے حسد کیا۔

۲: حضرت یوسف علیہ السلام ''چاہ'' کے اندر رہے اور نبی کریم ﷺ غار کے اندر۔

۳: حضرت یوسف علیہ السلام نے چند سال ''زندان'' میں بسر کیے تھے اور آنحضرت ﷺ نے چند سال شعب ابی طالب میں محصور ہو کر کاٹے۔

۴:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو وطن سے باہر مصر میں جا کے جاہ وجلال ملا اور آنحضرت ﷺ کو وطن سے باہر مدینہ میں جا کر کامیابی ہوئی۔

۵: حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے قحط کے دنوں میں ان کے بھائی التجا لے کے گئے، آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی حضور ﷺ کے بھائیوں نے ایسی درخواست پیش کی۔ صحیح بخاری باب استسقاء میں ہے ❷ کہ جب مکہ میں شدید قحط پڑا تو ابو سفیان نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ کہا، يَا مُحَمَّدُ جِئْتَ تَأْمُرُنَا بِصِلَةِ الرَّحِمِ فَادْعُوا اللّٰهَ لَنَا. ''محمد ﷺ! آپ تو اپنی تعلیم میں رحم اور قرابت داروں سے حسن سلوک کا حکم دیا کرتے ہیں۔ دیکھئے! ہم قحط سے مر رہے ہیں۔ دعا کیجئے کہ یہ مصیبت ٹلے۔'' اور آنحضرت ﷺ کی دعا سے قحط رفع ہوا تھا۔

۶: حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے کنعان کو اپنے بھائیوں کے لیے غلہ بھجوایا۔ اور آنحضرت ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو حکم دے کر نجد سے مکہ میں غلہ بھجوایا تھا۔

۷: حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کو بالآخر ان کے بھائیوں نے تسلیم کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی عظمت کا بھی ان کے بھائیوں کو بالآخر اعتراف کرنا پڑا تھا۔

۸: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ایذا دہندہ بھائیوں کے لیے ﴿ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ ﴾ ❸ کی دعا فرمائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے چچیرے بھائی ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن امیہ کو جنھوں نے برسوں حضور ﷺ کو ستایا تھا اسی دعا سے شادکام فرمایا تھا۔

۹: حضرت یوسف علیہ السلام کے علو مرتبت کا اظہار انکے والد یعقوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ اور آنحضرت علیہ السلام کی رسالت پر فتح مکہ

---

❶ ۱۲/ یوسف: ۱۰۲۔ ❷ بخاري، كتاب الاستسقاء، باب اذا استشفع المشركون بالمسلمين عند القحط، حديث: ۱۰۲۰۔

❸ ۱۲/ یوسف: ۹۲۔

کے دن حضور ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ جن کو حدیث میں ''صنواب'' مثل پدر فرمایا گیا، ایمان لائے تھے۔

۱۰: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ کہہ کر معاف فرمایا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے بھائیوں کو جنہوں نے ہزارہا اذیتیں دی تھیں، اسی کلام طیب سے خورسند (شادماں) فرمایا تھا۔

چونکہ ان سب حالات کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو مکہ میں دے دی گئی تھی اور ''سورۂ یوسف'' کا اعلان مکہ ہی میں منکروں کے اندر ہو چکا تھا۔ جن کا ظہور اتم فتح مکہ تک ہو گیا۔ اس لیے سورہ مذکور کو بھی فتح مکہ سے مناسبت خاص ہے اور تمام سورۃ آنحضرت ﷺ کے لیے پیش گوئی کا حکم رکھتی ہے۔

فتح مکہ کے نتائج، اسلام میں بکثرت داخل ہونے کی وجوہات

فتح مکہ کے بعد (جو صلح اور معافی سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے) اسلام لانے والوں کی تعداد کثیر در کثیر ہو گئی تھی، اس کے چند اسباب ہیں:۔

۱: بہت سے قبائل اسلام سے اس لیے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے ہم عہد تھے اور اسلام لانا بمنزلہ عہد شکنی کے تھا۔

۲: بہت سے قبائل اسلام سے اس لیے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے۔ مگر ان کے تعلقات یا رشتہ داری قریش کے ساتھ وابستہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ اسلام لانے سے وہ تعلقات بھی منقطع ہو جائیں گے اور یہ لوگ قریش کے غیظ وغضب کے مورد بھی بن جائیں گے۔

۳: بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا مکہ پر قابض ہو جانا ہی صحیح نشان ان کی صداقت کا اور مقبول خدا ہونے کا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سینکڑوں سال سے قومی روایات ان میں چلی آتی تھیں کہ مکہ پر کوئی ایسا شخص فتح نہیں پا سکتا، جس کے ساتھ رب العالمین کی نصرت و تائید نہ ہو۔

فَيَقُوْلُوْنَ اُتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ [1]

''وہ قبائل کہا کرتے تھے کہ اسے اپنی قوم سے سلجھ لینے دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو ضرور سچا نبی ہے۔''

۴: ہنوز مختلف قبائل میں بیسیوں بوڑھے ایسے موجود تھے۔ جنہوں نے فاتحین یمن ابرہہ حبشی کے چالیس [2] ہزار لشکر جرار کو مکہ

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب: ٥٤، حدیث: ٤٣٠٢۔

[2] اصحاب فیل کا ذکر: فرنچ پروفیسر سیڈیو نے اپنی کتاب خلاصہ تاریخ العرب ص ۳۳ میں لشکر حبش کی تعداد چالیس ہزار تحریر کی ہے اور لکھا ہے کہ جنرل ابرہۃ الاشرام نے (جو یمن میں نجاشی کا نائب سلطنت بھی بن گیا تھا) صنعاء میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا۔ جس کی عمارت نہایت عجیب تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ عرب کا سارا ملک اس گرجا کے سالانہ حج کو آیا کرے، جیسا کہ کعبہ کے حج کو جاتے ہیں۔ جب اسے دیگر تدابیر میں کامیابی نہیں ہوئی، تب کعبہ کے گرانے کو آیا تھا۔ عبداللہ بن زبعری شاعر قدیم اپنے قصیدہ میں اس واقعہ کی بابت کہتا ہے ۔

وَاسْئَلْ أَمِيْرَ الْجَيْشِ عَنَّا مَارَأَى ۔۔۔ وَلَسَوْفَ يُنْبِي الْجَاهِلِيْنَ عَلِيْمُهَا

سِتُّوْنَ أَلْفًا لَمْ يَؤُبُوْا أَرْضَهُمْ ۔۔۔ بَلْ لَمْ يَعِشْ بَعْدَ الْإِيَابِ سَقِيْمُهَا

''ذرا پوچھو کہ آرمی کے جنرل نے کیا کچھ دیکھا، جسے خبر ہے وہ بے خبروں کو بتا دے گا کہ ساٹھ ہزار میں سے کوئی بھی اپنے ملک کو زندہ نہ گیا تھا اور کوئی مرتا پڑتا واپس گیا بھی تو وہ بھی نہ بچا تھا۔'' چونکہ پروفیسر سیڈیو نے لکھا ہے کہ جنرل ارباط (ARYAT) ستر ہزار فوج لے کر ۵۲۵ء میں آیا تھا اس لیے عجب نہیں عربی شاعر کا بیان تعداد فوج کے متعلق صحیح ہو اور اشرم جو ارباط کا نائب و قاتل ہے۔ یمن میں دس ہزار فوج چھوڑ کر ساٹھ ہزار فوج مکہ پر لایا ہو۔

پرحملہ آور ہوتے دیکھا تھا۔اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے اور ابرہہ کی خاص سواری کا ہاتھی محمود [1] نسل کا تھا۔

ان بوڑھوں نے اپنی آنکھوں سے آج سے ساٹھ برس [2] پیشتر ان حبشیوں کو مکہ پر حملہ کرتے بھی دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اہل مکہ ان کے ڈر سے گھر بار کو چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جار ہے تھے اور شہر میں ایک بھی شخص حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے والا نہ رہ گیا تھا۔ بایں ہمہ انہوں نے دیکھا تھا کہ فوج خستہ و برباد ہوئی اور سردار فوج باحال تباہ و خراب ایسی حالت میں بھاگا کہ نہ فوج ساتھ تھی، نہ ہاتھی، بلکہ سب کے لاشے مکہ سے چار کوس پر پڑے سڑ رہے تھے۔

سردار عبد مناف اور ابرہہ کا مکالمہ

ان بوڑھوں کو اب تک عبد مناف اور ابرہہ کی گفت وکلام بھی یاد تھی کہ جب ابرہہ کا لشکر مکہ کی سرحد پر آ اترا۔تو انہوں نے اہل مکہ کے مویشی، جو جنگل میں چر رہے تھے، پکڑ لیے۔ان میں عبد مناف کے بھی سو اونٹ تھے۔عبد مناف ہمارے نبی ﷺ کے پردادا تھے۔اور اس وقت مکہ کے سردار وہی تھے۔خوب لمبے، چوڑے، سرخ و سفید، شکل سے امارت ورعب برستا تھا۔یہ خود حبشیوں کے لشکر میں گئے اور سردار فیل خانہ کی وساطت سے ابرہہ کو ملے۔اس نے تعظیم دی، برابر بٹھایا اور پوچھا کس طرح تشریف لائے۔

عبد مناف نے کہا، ہمارے مویشی آپ کی فوج نے پکڑ لیے ہیں۔براہ مہربانی ان کے چھوڑ دینے کا حکم دیجئے۔

ابرہہ بولا: جب آپ آئے تھے۔تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت پیدا ہوئی تھی، لیکن آپ کی باتیں سن کر اب نہ وہ وقعت قائم رہی نہ عزت۔

عبد مناف نے پوچھا: یہ کیوں؟

ابرہہ بولا: دیکھو میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے اس عبادت خانے کو گرا دوں، جسے تم سب سے زیادہ مقدس مکان سمجھتے ہو۔اور جس کے سامنے میرے تعمیر کردہ کلیسا کی وقعت وعزت، عرب کی نگاہ میں اب تک کچھ بھی نہیں ہوئی۔تم اپنے اس مقدس مکان کے بچاؤ کا ذرا بھی ذکر نہیں کرتے اور اپنے مویشیوں کو اس سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہو۔

عبد مناف نے کہا: نہیں، میں مویشیوں کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا۔بات یہ ہے کہ میں مویشیوں کا مالک ہوں اور مجھے ان کی فکر ہے اور اس گھر کا مالک ایک اور ہے اسے اپنے گھر کا خود ہی خیال ہوگا۔مجھے اس فکر کی ضرورت نہیں۔

الغرض جب مکہ پر مسلمانوں کا ایسی کامیابی اور آسانی کے ساتھ قبضہ ہوا۔تو اسلام لانے والوں کے سامنے سے معاہدات کی روک اٹھ گئی۔قریش کا دباؤ اور رعب بھی جاتا رہا اور مسلمانوں کا ''مقبولِ خدا'' ہونا بھی انہوں نے اپنے مقرر کردہ معیار کے موافق دیکھ لیا اور ان وجوہات سے اسلام لانے والوں کی کثرت ہوگئی۔

۴: سب سے آخری اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ اب اسلام کی حقیقت کے سمجھانے اور اسلام کی تبلیغ کرنے میں واعظین اسلام کے سامنے کوئی روک ٹوک اور دقت باقی نہ رہی تھی۔واعظ آزادی سے منادی کرتے تھے سامعین آزادی واطمینان سے وعظ سنتے تھے اور

---

[1] ہاتھیوں کی ایک عظیم الخلقت نوع تھی جواب دنیا سے ناپید ہوگئی ہے۔انگریزی زبان میں اس نسل کا نام (MAMATH) ہے۔عرب نے اسی کو معرب کر کے محمود بنالیا ہے۔(از تاریخ الدول العرب)

[2] ہمارے زمانہ ۱۹۱۲ء میں فتح دہلی اور محاصرہ لکھنؤ کے سپاہی زندہ ہیں بلکہ جنگ کریمیا کے دیکھنے والے بھی۔

اسلام کی ''کشش کامل'' لوگوں کو اپنی جانب خود بخود کھینچ لیتی تھی۔

ہوازن ثقیف کے حملے کی مدافعت یا جنگ حنین، شوال ۸ھ

فتح مکہ ہو جانے سے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے جن کی حد مکہ سے ملتی تھی۔ سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں تو اہل مکہ کے جس قدر باغات اور جاگیرات طائف میں ہیں۔ وہ بلا دغدغہ (بلاخوف) ہمارے ہو جائیں گے [1] اور مسلمانوں سے بت شکنی کے جرم کا انتقام بھی لیا جا سکے گا۔

انہوں نے بنی مضر اور بنی ہلال کے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور چار ہزار بہادر لے کر مکہ کو روانہ ہوئے اور وادی حنین میں آ اترے۔ انہوں نے اپنے سردار مالک بن عوف کے مشورہ سے اپنے زن و بچہ، مال و مویشی کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ مالک نے اس تدبیر کا یہ فائدہ بتایا کہ زن و بچہ، مال و مویشی کو چھوڑ کر کوئی شخص بھی میدان جنگ سے راہ فرار نہیں اختیار کرے گا۔

یہ خبر سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی (جو کعبہ کے متصل اور حرم کی سرزمین پر جنگ کرنا مناسب سمجھتے تھے) مکہ سے آگے بڑھے۔

اسلامی لشکر میں مکہ کے دو ہزار اشخاص اور بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس تعداد میں نومسلم بھی شامل تھے اور بت پرست معاہد بھی۔ فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ فوج کو اپنی کثرت پر غرور بھی ہو گیا تھا اور اسی لیے وہ مراحل حزم و احتیاط سے دور بھی تھی۔

دشمن نے ایک تنگ و دشوار گزار درّہ میں گھات لگائی اور اپنے تیر اندازوں کو وہاں بٹھایا۔ جب لشکر اسلام کا اگلا حصہ (جس میں زیادہ تر ''طلقائے مکہ'' یا ایسے لاابالی نوجوان تھے کہ کسی کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے یا لڑائی کی ضرورت کے موافق نہ تھے [2]) دشمن کی زد میں بے خبر جا پہنچا۔ تو انہوں نے اتنے تیر برسائے کہ ان کو سراسیمہ ہو کے بھاگنے ہی کی سُوجھی۔ قریباً ایک سو صحابی میدان میں کھڑے رہ گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چاروں طرف سے حملہ آوروں کو بڑھتے اور اپنے لشکر کو بھاگتے دیکھا۔ تو ''بے نظیر شجاعت و استقامت کا نمونہ'' دکھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے اترے اور یہ فرمانا شروع کیا:

أَنَـــا الـــنَّبِـــيُّ لَا كَـــذِبْ أَنَـــا ابْـــنُ عَبْـــدِالْـــمُـــطَّـــلِـــبِ [3]

''میں نبی ہوں، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں''

مطلب یہ تھا کہ میرے صدق کا معیار کسی فوج کی شکست یا فتح نہیں ہے بلکہ میری صداقت خود میری ذات سے ہوتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ (عم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار کے پتے سے بلانا شروع کیا۔ وہ سب آواز سنتے ہی ''کبوتروں کی ٹکڑی'' کی طرح ایک آواز پر ہی [4] پلٹے۔ اب فوج کی ترتیب از سر نو کی گئی انصار و مہاجرین کو آگے بڑھایا گیا۔ غنیم اس حملہ سے بھاگ نکلا اور دو حصوں میں منتشر ہو گیا۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری مترجم، ص:۹۳۔

[2] مسلم عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ، کتاب الجهاد، باب غزوة حنين، حديث: ٤٦١٥۔

[3] بخاری عن براء، كتاب المغازی، باب قول الله ويوم حنين اذ أعجبتكم، حديث: ٤٣١٥۔

[4] حدیث میں گائے کے اپنے بچوں کی طرف پلٹنے کا ذکر ہے دیکھئے: صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة حنين، حديث: ٤٦١٢؛ صحيح بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۱: ان کا سردار مالک بن عوف جنگی مردوں کو لے کر قلعہ طائف میں جا ٹھہرا۔

۲: دوسرا گروہ جس میں ان کے اہل و عیال تھے اور زر و مال تھا۔ اوطاس کی گھاٹی میں جا چھپا۔

نبی ﷺ نے قلعہ طائف کے محاصرہ کا حکم دیا اور اوطاس کی طرف ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر دشمن کے اہل و عیال اور زر و مال پر قبضہ کر لیا۔ جب نبی ﷺ کو اوطاس کا نتیجہ معلوم ہوا۔ تو قلعہ کے محاصرہ کو اٹھا دینے کا حکم دیا کیونکہ ان لوگوں پر اہل و عیال کے جاتے رہنے کی بھاری مصیبت پڑ چکی تھی۔

اوطاس میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار زن و بچہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ [1]

نبی ﷺ ابھی میدان جنگ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ کہ قبیلہ ہوازن کے چھ سردار آئے اور انہوں نے رحم کی درخواست پیش کی۔

ان میں وہ لوگ تھے جنہوں نے طائف میں نبی ﷺ پر پتھر برسائے تھے اور آخری مرتبہ وہاں سے زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لائے تھے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں خود تمہارا انتظار کر رہا تھا (اور اسی انتظار میں قریباً دو ہفتے ہو گئے کہ مال غنیمت بھی تقسیم نہ کیا گیا تھا۔ [2] میں اپنے حصہ کے اور اپنے خاندان کے حصہ کے قیدیوں کو بآسانی چھوڑ سکتا ہوں اور اگر میرے ساتھ صرف انصار و مہاجر ہی ہوتے تو سب کا چھوڑ دینا بھی مشکل نہ تھا۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ اس لشکر میں میرے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں۔ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے۔ اس لیے ایک تدبیر کی ضرورت ہے۔ تم کل نماز صبح کے بعد آنا اور مجمع عام میں اپنی درخواست پیش کرنا۔ اس وقت کوئی صورت نکل آئے گی۔ فرمایا تم خواہ مال کا لینا پسند کرو یا اہل و عیال کا۔ کیونکہ حملہ آور لشکر کو خالی رکھنا دشوار ہے۔

دوسرے دن وہی سردار آئے اور انہوں نے مجمع عام میں اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔

بے نظیر فیاضی اور رحم

نبی الرحمۃ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے رہا کرتا ہوں۔ انصار و مہاجرین نے کہا ''ہم بھی اپنے اپنے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے آزاد کرتے ہیں۔''

اب بنی سلیم و بنی فزارہ رہ گئے۔ ان کے نزدیک یہ عجیب بات تھی کہ حملہ آور دشمن پر (جو خوش قسمتی سے زیر ہو گیا ہو) ایسا رحم و لطف کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد نہ کیا۔ نبی ﷺ نے انہیں بلایا۔ ہر ایک قیدی کی قیمت، چھ اونٹ قرار پائی۔ یہ قیمت نبی ﷺ نے ادا کر دی۔ اور اس طرح باقی قیدیوں کو بھی آزادی دلائی۔ پھر سب قیدیوں کو اپنے حضور سے

---

[1] یرمیاہ نبی کی کتاب ۴۹ باب ۲۸ درس دیکھو۔ جس میں مکہ کی فتح اور جنگ حنین کا ذکر اور اس بھاری غنیمت کے ملنے کا بیان ہے۔ کتاب کے الفاظ یہ ہیں ''اٹھو قیدار پر چڑھو اور پورب کے لوگوں کو ہلاک کر دو۔ ان کے خیموں اور ان کے گلوں کو وے لیں گے اور ان کے سارے برتنوں اور ان کے اونٹوں کو وے اپنے لیے لیتے جائیں گے۔'' واضح ہو کہ قیدار سے مراد مکہ پر چڑھائی ہے جہاں قریش فرزندان قیدار آباد تھے اور پورب والوں سے مراد حنین و طائف کے لوگ ہیں۔ دیکھو حنین مکہ سے پورب کی طرف ہے۔

[2] صحیح بخاری عن المسور و مروان، کتاب المغازی، باب غزوۃ حنین، حدیث: ۴۳۱۸۔

لباس پہنا کر رخصت فرما دیا۔

دودھ پلائی کی بیٹی کی عزت

ان قیدیوں میں ''دائی حلیمہ'' کی بیٹی ''شیماء بنت الحارث'' بھی تھی۔ نبی ﷺ نے اس دودھ کی بہن (ہمشیرہ) کو پہچانا اور اس کی نشست کے لیے اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔ فرمایا! اگر تم میرے پاس ٹھہرو، تو بہتر ہے۔ اگر قوم میں واپس جانا ہے تو اختیار ہے۔ اس نے واپس جانا چاہا اور اسے عزت و اکرام کے ساتھ اس کی قوم میں بھیج دیا گیا۔

مخلصین کے اخلاص کا نمونہ

مال غنیمت نبی ﷺ نے اسی جگہ تقسیم فرما دیا۔ عطیے کے بڑے بڑے حصے ان لوگوں کو عنایت فرمائے تھے، جو تھوڑے دن سے اسلام لائے تھے۔ انصار کو جو نہایت مخلصین تھے، ان میں سے کچھ بھی نہ دیا تھا۔ فرمایا: انصار کے ساتھ میں خود ہوں۔ لوگ مال لے کر اپنے اپنے گھر جائیں گے اور انصار نبی ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے گھروں میں داخل ہوں گے۔

انصار اس فرمودہ پر اتنے خوش تھے کہ مال والوں کو یہ مسرت حاصل نہ تھی۔

دو شاہد اندمرا خیبر و حنین کہ تو
دہی بجود ہر آنچہ بہ فتح بستانی

فصل

(یہودیوں کی شرارتیں، عہد شکنی، حملے اور مسلمانوں کی مدافعتیں)

لفظ ''یہود'' سے اگرچہ صرف وہی ایک قبیلہ مراد ہونا چاہیے جو ''یہودا ابن یعقوب'' کی نسل سے تھا۔ لیکن اصطلاحاً ''بنی اسرائیل'' کے بارہ قبائل ہی کا قومی نام یہی پڑ گیا۔ بنی اسرائیل اپنے ابتدائی زمانہ میں خدا کی مقبول اور برگزیدہ قوم تھی۔ لیکن آخر میں وہ خدا سے اس قدر دور ہوتے گئے کہ خدا کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے ''رحم دل'' نے ان کی حالتوں کو دیکھ کر انہیں ''سانپ'' اور ''سانپ کے بچے'' بتایا تھا اور یہ بھی خبر دی تھی کہ خدا کی بادشاہت اس قوم سے لے جا کر ایک دوسری قوم کو دے دی جائے گی، جو اس کے اچھے پھل لائے۔ [1]

جب اس بشارت کے ظہور کا وقت آ گیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہترین تعلیم کی تبلیغ شروع کی، تو یہود نے سخت پیچ و تاب کھایا اور آخر یہی فیصلہ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی ویسا ہی ظلم و ستم کا ''آماجگاہ'' بنایا جائے، جیسا کہ مسیح علیہ السلام کو بنا چکے تھے۔

یہود اگرچہ ہجرت کے پہلے ہی سال معاہدہ کر کے امن عامہ کا پیمان باندھ چکے تھے۔ لیکن ''فطری شرارت'' نے زیادہ دیر تک چھپا رہنا پسند نہ کیا۔ معاہدہ سے ڈیڑھ سال ہی کے بعد شرارتوں کا آغاز ہو گیا۔ جب مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ بدر کی جانب گئے ہوئے تھے۔

---

[1] متی ۲۱، باب: ۳۴۔۴۴۔

یہود کی پہلی شرارت بلوہ، قتل اور اخراج بنوقینقاع

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان عورت بنوقینقاع کے محلے میں دودھ بیچنے گئی۔ چند یہودیوں نے شرارت کی اور اسے سربازار برہنہ کر دیا۔ عورت کی چیخ و پکار سن کر ایک مسلمان موقع پر جا پہنچا۔ اس نے طیش میں آ کر فساد انگیز یہودی کو قتل کر دیا۔ اس پر سب یہودی جمع ہو گئے۔ اس مسلمان کو بھی مار ڈالا اور بلوہ بھی کیا۔ نبی ﷺ نے بدر سے واپس آ کر یہودیوں کو اس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لیے بلایا۔ انہوں نے معاہدہ کا کاغذ بھیج دیا اور خود جنگ پر آمادہ ہو گئے۔

یہ حرکت اب ''بغاوت'' تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے ان کو یہ سزا دی گئی کہ مدینہ چھوڑ دیں اور خیبر میں جا آباد ہوں۔

یہود کی دوسری شرارت، نبی ﷺ کے قتل کی سازش اور بنونضیر کی جلاوطنی

قریش کی پہلی سازش کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے کہ قریش نے مدینہ کے بت پرستوں کو نبی ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کی بابت خط لکھا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی زیرکی و دانائی سے ان کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اب بدر میں شکست پانے کے بعد قریش نے یہود کو پھر لکھا۔

''کہ تم جائیدادوں اور قلعوں کے مالک ہو، تم محمد ﷺ سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے تمہاری عورتوں کی پازیبیں تک اتار لیں گے۔'' اس خط کے ملنے پر بنونضیر نے عہد شکنی کا اور آنحضرت ﷺ سے فریب کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ❶

۴ھ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ ایک قومی چندہ فراہم کرنے کے لیے بنونضیر کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا اور تدبیر یہ کی کہ ابن حجاش ملعون دیوار کے اوپر جا کر ایک بھاری پتھر نبی ﷺ پر گرا دے اور حضور ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ آنحضرت ﷺ کو وہاں جا بیٹھنے کے بعد ''باعلام ربانی'' اس شرارت کا علم ہو گیا اور حفاظت الٰہی سے بچ کر چلے آئے۔ ❷

بالآخر بنونضیر کو یہ سزا دی گئی کہ خیبر جا کر آباد ہو جائیں۔ انہوں نے چھ سو اونٹوں پر اسباب لادا، اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا، باجے بجاتے ہوئے نکلے اور خیبر جا بسے۔ ❸

یہود کی تیسری سازش، ملک کی عام بغاوت

اور اس کا انجام ''جنگ احزاب یا غزوہ خندق''

۵ھ کا مشہور واقعہ جنگ خندق ہے۔ ❹ بنونضیر خیبر پہنچ کر بھی امن سے نہیں بیٹھے، انہوں نے یہ عزم کیا کہ مسلمانوں کا قلع

---

❶ ابوداود عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك، کتاب الخراج، باب فی خبر النضیر، حدیث: ۳۰۰٤۔

❷ سیرت ابن ہشام: ج۱ص ۵۶۳ ابن کثیر سورۂ مائدہ آیت ۱۱۔ ❸ یسعیاہ نبی کی کتاب ۶/۳۰ میں پیش گوئی موجود ہے۔ ''باغی لڑکے دولت و خزانہ لے کر اس قوم کے پاس جاتے ہیں۔ جس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔'' کچھ فائدہ ہونے کا ظہور جنگ خیبر میں ہوا تھا۔

❹ ہم نے اس جنگ کو یہودیوں کی جنگ میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ یہودی ہی تمام قبائل کو اشتعال دلانے اور مدینہ پر چڑھا کر لانے والے تھے۔ اگرچہ حملہ آوروں میں قریش بھی شامل تھے اور دیگر بت پرست قومیں بھی اور زیادہ تعداد بت پرستوں ہی کی تھی۔

قمع کرنے کے لیے ایک متفقہ کوشش کی جائے، جس میں عرب کے تمام قبائل اور جملہ مذاہب کے جنگ جو شامل ہوں۔

انہوں نے بیس سردار مامور کیے کہ عرب کے تمام قبیلوں کو حملہ کے لیے آمادہ کریں۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذی قعدہ ۵ھ میں دس ہزار ❶ کا خونخوار لشکر جس میں بت پرست، یہودی وغیرہ سب ہی شامل تھے۔ مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ قرآن مجید میں اس لڑائی کا نام "جنگ احزاب" ہے۔

۱: قریش، بنو کنانہ، اہل تہامہ زیر کمان ابوسفیان بن حرب تھے۔

۲: بنی فزارہ۔ زیر کمان عقبہ بن حصین۔

۳: بنی مرہ۔ زیر کمان حارث بن عوف۔

۴: بنی اشجع و اہل نجد زیر کمان مسعود بن ذحیلہ۔ ❷

مسلمانوں نے جب ان لشکروں سے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو شہر کے گرد خندق کھود لی۔ دس دس آدمیوں نے چالیس چالیس گز خندق تیار کی تھی۔ ❸

صحابہ رضی اللہ عنہم خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا ❹

"ہم وہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی ہے۔"

خندق کھودنے، پتھر توڑنے، مٹی ہٹانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدد دیتے تھے سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے۔ اور ابن رواحہ کے اشعار ذیل کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔

أَللّٰهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا	اے خدا تیرے سوا ہم کو ہدایت تھی کہاں
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا	کیسے پڑھتے ہم نمازیں، کیسے دیتے ہم زکوٰۃ
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا	اے خدا ہم پر سکینہ کا تو فرما دے نزول
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا	دشمن آ جائے تو ہم کو کر عطا یا رب ثبات
إِنَّ الْأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا	بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں
إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا ❺	فتنہ گر ہیں وہ نہیں بھاتی ہمیں فتنہ کی بات

مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ اسلامی لشکر مدینہ ہی کے اندر اس طرح پر اترا کہ سامنے خندق تھی اور پس پشت "کوہ سلع" ❻

---

❶ زاد المعاد، ج۳، ۲۷۱۔ ❷ طبری جلد ۲، ص:۹۱۔ ❸ طبری، ج۲، ص:۹۱۔

❹ بخاری عن انس رضی اللہ عنہ، کتاب المغازی، باب غزوۃ خندق، حدیث: ۴۰۹۹۔

❺ بخاری عن براء رضی اللہ عنہ، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، حدیث: ۴۱۰۶۔

❻ زاد المعاد، ج۳، ص:۲۷۱۔

بنوقریظہ یہودی (جو مدینہ میں آباد تھے اور جن پر بپابندیٔ معاہدہ مسلمانوں کا ساتھ دینا ضروری ولابدی تھا۔) ان سے شب کی تاریکی میں حیی بن اخطب یہودی ''سردار بنونضیر'' جا کر ملا اور انہیں نقضِ عہد پر آمادہ کر کے اپنی طرف ملا لیا۔ نبی ﷺ نے اپنے کئی نقیب (حواری) بھی ان کے پاس بار بار سمجھانے کو بھیجے۔ مگر انہوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ ''محمد ﷺ کون ہے کہ ہم اس کی بات مانیں اس کا ہم سے کوئی عہد و پیمان نہیں۔ ❶

اس کے بعد بنوقریظہ نے شہر کے امن و امان میں بھی خلل ڈالنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو خطرہ میں ڈال دیا۔ بناچاری ان تین ہزار مسلمانوں میں سے بھی ایک حصہ کو شہر کے امن عامہ کی حفاظت کے لیے علیحدہ کرنا پڑا۔ بنوقریظہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جب باہر سے دس ہزار دشمن کا جرار لشکر حملہ آور ہو گا اور شہر کے اندر غدر پھیلا کر ہم مسلمانوں کی عافیت تنگ کر دیں گے تو دنیا پر مسلمانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

نبی ﷺ کو چونکہ طبعًا جنگ سے نفرت تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے یہ بھی صحابہ سے مشاورت کی کہ حملہ آور سرداران غطفان سے ایک تہائی پیداوار ثمر (میوہ) پر صلح کر لی جائے۔ لیکن انصار نے جنگ کو ترجیح دی، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کے متعلق تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جن دنوں ہم لوگ اور یہ حملہ آور قبائل، شرک کی نجاست میں آلودہ اور بت پرستی میں مبتلا تھے ان دنوں بھی ہم نے ان کو ایک چھوہارہ تک نہیں دیا۔ آج جب خدا نے ہمیں اسلام سے مشرف فرما دیا ہے۔ تو ہم انہیں کیونکر پیداوار کا ثلث (ایک تہائی حصہ) دے سکتے ہیں۔ ان کے لیے تو ہمارے پاس تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ❷

حملہ آور فوج کا محاصرہ بیس دن تک رہا۔ کبھی کبھی اکے دُکے کا مقابلہ بھی ہوا۔ عمر بن عبدود جو اپنے آپ کو ایک ہزار جوانوں کے برابر سمجھا کرتا تھا۔ حیدر کرار علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ بھی مقابلہ میں ہلاک ہوا۔ اہل مکہ نے نوفل کی لاش لینے کے لیے دس ہزار درہم مسلمانوں کو پیش کیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لاش دے دو، قیمت درکار نہیں۔ ❸

جب وہ اس عرصہ میں محصور مسلمانوں سے کوئی مورچہ نہ لے سکے۔ تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ آخر ایک رات تمام لشکر اپنے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر ''رفو چکر'' ہو گیا۔

بنوقریظہ کا انجام

اس مصیبت سے رہائی کے بعد نبی ﷺ نے بنوقریظہ کو بلا بھیجا کہ وہ سامنے آ کر اپنے اس طرزِ عمل کی وجہ بیان کریں۔ اب بنوقریظہ قلعہ بند ہو بیٹھے اور لڑائی کی پوری تیاری کر لی۔ اس وقت مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب جو بنوقریظہ کو مسلمانوں سے مخالف بنانے آیا تھا۔ اب تک ان کے قلعے کے اندر موجود ہے۔

بنوقریظہ کا یہ غدر ان کی پہلی حرکت ہی نہ تھی۔ بلکہ جنگ بدر میں انہوں نے قریش کو (جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے) ہتھیاروں سے مدد دی تھی۔ مگر اس وقت ''رحم دل نبی ﷺ'' نے ان کا یہ قصور معاف فرما دیا تھا۔

اب ان کے قلعہ بند ہو جانے سے مسلمانوں کو مجبوراً لڑنا پڑا۔ بماہ ذی الحجہ محاصرہ کیا گیا جو ۲۵ دن تک رہا۔ محاصرہ کی سختی سے

---

❶ سیرت ابن هشام، ج۳، ٤، ص: ۲۲۲۔ ❷ طبری، ج۲، ص: ۹٤، وسیرت ابن هشام، ج۳، ص: ۲۲۳۔

❸ ابن هشام، ج۳، ص: ۲۵۳۔

بنوقریظہ تنگ آ گئے۔انہوں نے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو جن سے ان کا پہلے سے ربط وضبط تھا، بیچ میں ڈالا اور نبی ﷺ سے منوالیا کہ بنوقریظہ کے معاملے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو (جو اوس کے سردار قبیلہ تھے) حکم (سرپنچ اور منصف) تسلیم کیا جائے۔ جو فیصلہ سعد کردے خدا کا نبی ﷺ اسی کو منظور کر لے۔

یہود نے سعد رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا

بنوقریظہ قلعہ سے نکل آئے اور مقدمہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ خدا جانے بنوقریظہ کے یہودیوں اور اوس کے مسلمانوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بناتے ہوئے کیا کیا امیدیں ان پر لگائی ہوں گی۔ مگر ضروری تحقیقات کے بعد اس جنگی مرد نے یہ فیصلہ دیا۔

۱: بنوقریظہ کے جنگ جو مرد قتل کیے جائیں۔

۲: عورتیں اور بچے مملوک بنائے جائیں۔

۳: مال تقسیم کیا جائے۔

اس فیصلہ کی تعمیل کے متعلق صحیح بخاری میں جو روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے ❶ اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آور مرد قتل کیے گئے تھے۔لیکن اس حدیث میں عورتوں اور بچوں کے مملوک بنائے جانے کا کچھ ذکر نہیں۔ اس فیصلہ کے متعلق ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ یہودیوں کو ان کے اپنے منتخب کردہ منصف نے قریباً وہی سزا دی ❷ تھی جو یہودی اپنے دشمنوں کو دیا کرتے تھے اور جو ان کی شریعت میں ہے۔

ہمارے پاس یہ امر باور کرنے کی وجوہات اور نظائر موجود ہیں کہ اگر بنوقریظہ اپنا معاملہ نبی کریم ﷺ کے سپرد کر دیتے۔ تو ان کو زیادہ سے زیادہ جو سزا دی جاتی وہ یہ ہوتی کہ ''جاؤ! خیبر میں آباد ہو جاؤ۔'' بنوقینقاع اور بنونضیر کا معاملہ اس کی نظیر ہے۔ نبی ﷺ نے تو ان بنوقریظہ میں سے بھی بعض کو رحم شاہانہ سے اس فیصلہ کی تعمیل سے مستثنیٰ فرما دیا تھا۔ مثلاً زبیر یہودی کے لیے مع اہل وعیال وفرزند و مال رہائی کا حکم دے دیا تھا اور رفاعہ بن شموئیل یہودی کی بھی جان بخشی فرما دی۔ ❸

---

❶ ''قریباً وہی سزا'' اس لیے لکھا گیا ہے کہ یہودی اپنے قیدیوں کو اس سے زیادہ سخت سزا دیا کرتے تھے۔ کتاب توراۃ میں گنتی کا ۳۱ باب از ۶ تا ۳۵ درس ناظرین پڑھ کر دیکھیں۔'' ۹۔ بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں، ان کے بچوں کو اسیر کیا، ان کے مویشی اور بھیڑ بکری اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ ۱۰۔ اور انکے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا۔ ۱۴۔ موسیٰ غصہ ہوا۔ ۱۵۔ کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا؟ ۱۷۔ تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کر دو اور ہر عورت جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو۔ ۱۸۔ لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں۔ ان کو اپنے لیے زندہ رکھو۔'' رگ وید چوتھے منڈل کے منتر ۱۶ ارچا ۱۰ میں ہے۔

''اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ وغارت کیا۔'' صفحہ ۳۴۔ قدیم ہندوستانی رگ وید۔ منڈل ۱۰ منتر ۴۹۔ رچا ۷

''ہم نے داسوں (غلاموں) کو دو ٹکڑوں میں قطع کر دیا۔ قضا وقدر نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا تھا۔'' صفحہ ۳۸۔ رگ وید منڈل ۲ منتر ۲۰، رچا ۶، ۷۔

وہ اندر جس نے ورترا کو قتل کیا اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تہ وبالا کر دیئے وہ جو کالے داسوں کی فوجوں کو تباہ کرتا ہے۔ ص ۲۷ اردو ترجمہ قدیم ہندوستان کی تہذیب مصنفہ، مسٹر آر۔ سی دت صاحب۔ ❷ بخاري، كتاب المغازي، باب مرجع النبي ﷺ من الاحزاب، حديث: ٤١٢١۔ ❸ تاريخ طبري، ج ۲، ص: ۱۰۲، ۱۰۳۔

فصل

(عیسائیوں سے جنگ)

عیسائی اقوام سے نبی ﷺ کا برتاؤ اچھا رہا۔ایک دو حاکمان ملک نے شخصی طور پر آنحضرت ﷺ سے عناد کیا۔لیکن جمہور کا اس سے تعلق نہ تھا۔تفصیل سے اس کی توضیح ہوتی ہے کہ صرف ایک عیسائی سردار کے ساتھ ایک جنگ ہوئی اور ایک (جنگی) سفر ان کے حملہ آور ہونے کی خبر اڑ جانے پر کیا گیا ہے اور بس۔

''داعیٔ اسلام کا انتقام یا جنگ موتہ'' بماہ جمادی الاول ۸ ھ

موتہ شام کے ایک قصبہ کا نام ہے۔یہاں کے سردار شرحبیل بن عمرو غسانی نے نبی ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو جو دعوتِ اسلام کا خط لے کر روانہ ہوا تھا،قتل کرا دیا تھا۔

مظلوم حارث رضی اللہ عنہ کے قتل سے سفیروں کی جانیں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔اس لیے نبی ﷺ نے قریباً تین ہزار کی ایک فوج روانہ کی۔حاکم غسان نے اپنی کارروائی پر ندامت کا بھی اظہار نہ کیا۔وہ تو مقابلہ پر تیار ہو گیا۔اتفاق سے ہرقل بادشاہ اس علاقہ میں آیا ہوا تھا اور موآب میں ایک لاکھ لشکر کی جمعیت سے ٹھہرا ہوا تھا۔عرب کے صحرا نشین،عیسائی قبائل لخم،جذام،بہرا، بلی،قیس وغیرہ کے بھی قریباً ایک لاکھ آدمی شہنشاہ ہرقل کی آمد پر وہاں جمع تھے اس لیے حاکم غسان نے کچھ شاہی فوج بھی منگوا لی اور قبائل کو بھی جمع کر لیا۔غرض دشمنوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔مسلمان مجبور اُلڑے۔زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جو نبی ﷺ کے پروردہ،نہایت عزیز اور فوج کے کمانڈر تھے) مارے گئے [1]۔جعفر طیار رضی اللہ عنہ (جو نبی ﷺ کے چچیرے اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بڑے بھائی تھے بعمر ۳۳ سال) [2] ۹۰ زخم سامنے کی طرف کھا کر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (بزرگ صحابی) جنہوں نے جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد فوج کی کمان سنبھال لی تھی،شہید ہو گئے۔پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کو سنبھالا اور ڈیڑھ دن کی سخت جنگ کے بعد اپنے سے چالیس گنا زیادہ فوج کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔اس جنگ میں ۹ تلواریں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں مارتے ٹوٹی تھیں۔ [3]

نبی ﷺ نے مدینے میں بیٹھے ہوئے ان بزرگوں کے مارے جانے اور جنگ کے آخری انجام کا حال صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسی دن بیان فرما دیا تھا۔اسی جنگ کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' کا خطاب عطا ہوا تھا۔ [4]

---

[1] سیرت ابن هشام، ج ۳، ص: ۳۷۸؛ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ چھاتی میں نیزہ کھا کر گھوڑے سے گرے،ان کے ہاتھ میں نشان (جھنڈا) تھا۔جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نشان سنبھال لیا۔حملہ آوروں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی کھونچیں کاٹ دیں۔یہ پیدل ہو گئے۔ایک دشمن نے ان کا داہنا بازو تلوار سے اڑا دیا۔انہوں نے بائیں ہاتھ سے نشان سنبھال لیا۔دوسرے دشمن نے دوسرا بازو تلوار سے اڑا دیا۔اس لیے ان کا لقب ''ذوالجناحین'' ہوا۔(ابن خلدون)

[2] بخاری عن ابن عمر، کتاب المغازی، باب غزوة موتة، حدیث: ٤٢٦١۔ [3] بخاری عن قیس بن ابی حازم، کتاب المغازی، باب غزوة موتة حدیث: ٤٢٦٥۔ [4] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة موتة، حدیث: ٥٢٦٢۔

جیش عسرت یا سفر تبوک رجب ۹ھ ❶

ایک قافلہ شام سے آیا اور انہوں نے ظاہر کیا کہ قیصر کی فوجیں مدینے پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار اور فراہم ہو رہی ہیں عرب کے عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ، غسان وغیرہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ گویا وہ اس شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ جو بمقام موتہ، قیصر کے حاکم اور قیصر کی فوج کو ہوئی تھی۔

نبی ﷺ نے خیال فرمایا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت عرب کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے پہلے مناسب ہے تاکہ اندرون ملک کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔

یہ مقابلہ ایسی سلطنت سے تھا۔ جو نصف دنیا پر حکمران تھی اور جس کی فوج ابھی حال ہی میں سلطنت ایران کو نیچا دکھا چکی تھی۔
مسلمان بے سروسامان تھے، سفر دور دراز کا تھا، عرب کی مشہور گرمی زوروں پر تھی۔ مدینے میں میوے پک گئے تھے، میوے کھانے اور سایہ میں بیٹھنے کے دن تھے۔

نبی ﷺ نے تیاریٔ سامان کے لیے عام چندہ کی فہرست کھولی۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۹۰۰ اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیئے۔ ان کو "مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ" کا خطاب ملا۔ ❷

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام اثاث البیت نقد وجنس کا نصف جو کئی ہزار روپیہ تھا، پیش کیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ لائے، اگرچہ وہ قیمت میں کم تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے سوا اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑ آئے تھے۔

ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے دو سیر چھوہارے لاکر پیش کیے اور یہ بھی عرض کی کہ ''رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے چار سیر چھوہارے مزدوری کے لایا تھا۔ دو سیر بیوی بچے کے لیے چھوڑ کر باقی دو سیر لے آیا ہوں۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ قیمتی مال ومتاع کے اوپر بکھیر دو۔ غرض ہر صحابی نے اس موقع پر ایسے ہی خلوص اور فراخ دلی سے کام لیا۔ تقریباً ۸۲ شخص جو دکھاوے کے مسلمان تھے، بہانے کر کے گھروں میں رہ گئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق نے ان لوگوں کو اطمینان دلایا تھا کہ اب محمد ﷺ اور اسکے ساتھی مدینے واپس نہ آسکیں گے۔ قیصر انہیں قید کر کے مختلف ممالک میں بھیج دے گا۔

خدا کا نبی ﷺ تیس ہزار کی جمعیت سے تبوک کو روانہ ہوا۔

مدینہ میں سباع بن ❸ عرفطہ کو خلیفہ بنایا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ❹ کو مدینہ میں اہل بیت کی ضروریات کے لیے مامور فرمایا۔
لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ ۱۸ شخصوں کے لیے ایک اونٹ مقرر تھا۔ رسد کے نہ ہونے سے اکثر جگہوں پر درختوں

---

❶ چونکہ کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس لیے میں نے اس کا نام سفر رکھا ہے۔ مؤرخین اسے غزوہ تبوک اس لیے لکھتے ہیں کہ سفر بغرض مدافعت فوجی تھا۔

❷ ترجمہ یہ ہے کہ فاقہ زدہ لشکر کا سامان بنا دینے والا (ابن خلدون)۔

❸ بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك، حديث: ٤٤١٦۔ ❹ طبري، ج ٢، ص: ١٨٣۔

کے پتے کھانے پڑے جس سے ہونٹ سوج گئے تھے۔ پانی بعض جگہ ملا ہی نہیں۔ اونٹوں کو (اگرچہ سواری کے لیے پہلے ہی کم تھے۔) ذبح کر کے ان کی امعاء کا پانی پیا کرتے تھے۔ ❶

الغرض صبر و استقلال سے تمام تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے تبوک پہنچ گئے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی منقبت

ابھی تبوک کے راستے میں ہی تھے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ منافقین بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چڑانے اور کھجانے لگے تھے۔ کوئی کہتا نکما کہہ کر چھوڑ دیا، کوئی کہتا ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ ان باتوں سے شیر خدا کو غیرت آئی۔ دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ لمبے لمبے سفر اور سخت گرمی کی تکلیف سے پاؤں متورم تھے اور چھالے پڑ گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا تَرْضیٰ أَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسیٰ إِلَّا أَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ))

"علی تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ویسے ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے گو (لیکن) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

یہ سن کر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خوش و خرم مدینے کو واپس تشریف لے گئے۔ ❷

تبوک پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قیام فرمایا۔ اہل شام پر اس دلیرانہ حرکت کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے عرب پر حملہ آور ہونے کا خیال اس وقت چھوڑ دیا اور اس حملہ آوری کا بہترین موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

تبوک ❸ میں ایک نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر اور نہایت جامع وعظ فرمایا تھا۔ ذیل میں اسے مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ ہم نے اس میں صرف اس قدر تصرف کیا ہے کہ ہر فقرہ پر نمبر شمار لگا دیئے ہیں۔ اللہ پاک کی بہترین حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِیْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ۔ ۱۔ ہر ایک کلام سے صدق میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے۔

---

❶ مدارج النبوة، ج۲ ص:۴۴۹۔ ❷ بخاری عن مصعب بن سعد عن ابیه، کتاب المغازی، باب غزوة تبوك، حدیث: ٤٤١٦۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اس وقت چھوڑ گئے تھے۔ جب انہوں نے کوہ طور پر ۴۰ دن کا میقات پورا کیا تھا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مفصل ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو خلیفہ ہوئے ان کا نام یوشع بن نون ہے۔

❸ فلاڈلفیا کا قدیم کنیسا جس کا ذکر مکاشفات یوحنا ۳ باب ۷ تا ۱۳ درس میں ہے، تبوک ہی کے متصل تھا۔ عرب اسے القصر کہتے تھے۔ حجاز ریلوے کی سڑک میں اس کے کھنڈر بھی پائے گئے۔ زمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس جگہ عیسائی قومیں آباد تھیں۔ اس لیے ایام قیام تبوک میں ان اقوام میں تبلیغ اسلام بھی کی گئی اور ان سے معاہدات بھی کیے گئے۔ عیسائیت پر قائم رہنے والی اقوام کو مذہب کی آزادی دی گئی اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں نے اپنے اوپر لیا۔ اس طرف چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی عیسائیوں کی تھیں مثلاً اکیدر دومۃ الجندل میں حکمران تھا اور یوحنا ایلہ کا فرمان روا تھا' ان کی حکومتوں کو قائم رکھا گیا اہل اذرح بھی عیسائی تھے اور آزاد قبائل تھے ان کو ان کی حالت پر چھوڑ آگیا۔ معاہدات میں جس فیاضی بے تعصبی بلکہ محبت کا اظہار کیا گیا ہے وہ آج تک مسلمہ ہے۔ عیسائیوں نے نئے یروشلم اور خدا کا نیا نام جس کا ذکر مکاشفات ۳ باب ۱۲ درس میں ہے اسی جگہ سنا تھا..... اکیدر والی دومۃ الجندل جسے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شکار کھیلتے گرفتار کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معاہدہ کرنے کے بعد پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

وَأَوْثَقَ الْعُرَى كَلِمَةُ التَّقْوَى	۲۔سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے۔
وَخَيْرَ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيمَ	۳۔سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔
وَخَيْرَ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ ﷺ	۴۔سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔
وَأَشْرَفَ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللّٰهِ	۵۔سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے۔
وَأَحْسَنَ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ	۶۔سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے۔
وَخَيْرَ الْأُمُوْرِ عَوَازِمُهَا	۷۔بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔
وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا	۸۔امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہو۔
وَأَحْسَنَ الْهُدٰى هُدَى الْأَنْبِيَاءِ	۹۔انبیا کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے۔
وَأَشْرَفَ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَآءِ	۱۰۔شہیدوں کی موت، موت کی سب قسموں سے بزرگ تر ہے۔
وَأَعْمَى الْعُمٰى أَلضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدَى	۱۱۔سب سے بڑھ کر اندھا پن وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو جائے۔
خَيْرَ الْأَعْمَالِ مَانَفَعَ	۱۲۔عملوں میں وہ عمل اچھا ہے جو نفع دہ ہو۔
وَخَيْرَ الْهُدٰى مَا اتُّبِعَ	۱۳۔بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں۔
وَشَرَّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ	۱۴۔بدترین کوری دل کی کوری ہے۔
وَالْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى	۱۵۔بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔
وَمَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى	۱۶۔تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے۔
وَشَرَّ الْمَعْذِرَةِ حِيْنَ يَحْضُرُ الْمَوْتُ	۱۷۔بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو جان کنی کے وقت کی جائے۔
وَشَرَّ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	۱۸۔بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کو ہوگی۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّا يَأْتِي الْجُمُعَةَ إِلَّا دُبُرًا	۱۹۔بعض لوگ جمعہ کو آتے ہیں مگر دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔
وَ مِنْهُمْ مَنْ لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ إِلَّا هُجْرًا	۲۰۔ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔
وَمِنْ أَعْظَمِ الْخَطَإِ اللِّسَانُ الْكَذَّابُ	۲۱۔سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے۔
وَخَيْرَ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ	۲۲۔سب سے بڑی تونگری دل کی تونگری ہے
وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى	۲۳۔سب سے عمدہ توشہ تقویٰ ہے۔

وَرَأْسَ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ	۲۴۔ دانائی کا سر یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو۔
وَخَيْرَ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوْبِ الْيَقِيْنُ	۲۵۔ دل نشین ہونے کے لیے بہترین چیز یقین ہے۔
وَالْاِرْتِيَابَ مِنَ الْكُفْرِ	۲۶۔ شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ) ہے۔
وَالنِّيَاحَةَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ	۲۷۔ بین سے رونا جاہلیت کا کام ہے۔
وَالْغُلُوْلَ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ	۲۸۔ چوری کرنا عذاب جہنم کا سامان ہے۔
وَالسُّكْرَ كَيٌّ مِّنَ النَّارِ	۲۹۔ بدمست ہونا آگ میں پڑنا ہے۔
وَالشِّعْرَ مِنْ إِبْلِيْسَ	۳۰۔ شعر ابلیس کا (حصہ) ہے۔
وَالْخَمْرَ جُمَّاعُ الْإِثْمِ	۳۱۔ شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے۔
وَشَرَّ الْمَأْكَلِ مَالُ الْيَتِيْمِ	۳۲۔ بدترین روزی یتیم کا مال کھا جانا ہے۔
وَالسَّعِيْدَ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ	۳۳۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے۔
وَالشَّقِيَّ مَنْ شَقِيَ فِيْ بَطْنِ أُمِّهٖ	۳۴۔ اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی بدبخت ہو۔
وَمِلَاكَ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهٗ	۳۵۔ عمل کا سرمایہ اس کا بہترین انجام ہے۔
وَشَرَّ الرُّؤْيَا رُؤْيَا الْكَذِبِ	۳۶۔ بدترین خواب وہ ہے جو جھوٹا ہو۔
وَكُلَّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيْبٌ	۳۷۔ جو بات ہونے والی ہے وہ بہت قریب ہے۔
وَسِبَابَ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ	۳۸۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔
وَقِتَالَهٗ كُفْرٌ	۳۹۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔
وَأَكْلَ لَحْمِهٖ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ	۴۰۔ مومن کا گوشت کھانا (اسکی غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے۔
وَحُرْمَةَ مَالِهٖ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ	۴۱۔ مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون۔
وَمَنْ يَتَعَالَ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ	۴۲۔ جو خدا سے استغنا کرتا ہے، خدا اسے جھٹلاتا ہے۔
وَمَنْ يَغْفِرْ يُغْفَرْ لَهٗ	۴۳۔ جو کسی کا عیب چھپاتا ہے، خدا اس کے چھپاتا ہے۔
وَمَنْ يَعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ	۴۴۔ جو معافی دیتا ہے، اسے معافی دی جاتی ہے۔
وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَأْجُرْهُ اللّٰهُ بِهٖ	۴۵۔ جو غصہ پی جاتا ہے، خدا اسے اجر دیتا ہے۔
وَمَنْ يَصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ	۴۶۔ جو نقصان پر صبر کرتا ہے، خدا اسے اجر دیتا ہے۔
وَمَنْ يَبْتَغِ السُّمْعَةَ يُسَمِّعِ اللّٰهُ	۴۷۔ جو چغلی کو پھیلاتا ہے، خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔

وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُضَعِّفِ اللّٰهُ لَهُ	۴۸۔ جو صبر کرتا ہے خدا اسے بڑھاتا ہے۔
وَمَنْ يَعْصِی اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ	۴۹۔ جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا اسے عذاب دیتا ہے۔
ثُمَّ اسْتَغْفَرَ ثَلاثًا	۵۰۔ پھر تین دفعہ استغفار پڑھ کر آنحضرت ﷺ نے اس خطبہ کو ختم کر دیا [1]

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی وفات

ایام قیام تبوک میں ذوالبجادین کا انتقال ہوا۔ اس مخلص کے ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ مفلس و مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم پر کس قدر مزید لطف و عنایات فرمایا کرتے تھے۔

ان کا نام عبداللہ تھا، ابھی بچے ہی تھے کہ باپ مر گیا۔ چچا نے پرورش کی تھی۔ جب جوان ہوئے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام دے کر ان کی حیثیت درست کر دی تھی۔ عبداللہ نے اسلام کے متعلق کچھ سنا اور دل میں ''توحید'' کا ذوق پیدا ہوا۔ لیکن چچا سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اظہار اسلام نہ کر سکا۔ جب نبی ﷺ فتح مکہ سے واپس گئے تو عبداللہ نے چچا سے جا کر کہا:

> ''پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور آپ کب مسلمان ہوتے ہیں، لیکن آپ کا حال وہی پہلے کا سا چلا جاتا ہے۔ میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت فرمائیے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔''

چچا نے جواب دیا:

> ''دیکھ! اگر تو محمد ﷺ کا دین قبول کرنا چاہتا ہے تو میں سب کچھ تجھ سے چھین لوں گا۔ تیرے بدن پر چادر اور تہبند تک باقی نہ رہنے دوں گا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

> ''چچا صاحب! میں مسلمان ضرور بنوں گا اور محمد ﷺ کی اتباع ہی قبول کروں گا۔ شرک اور بت پرستی سے میں بیزار ہو چکا ہوں۔ اب جو آپ کی منشا ہے، کیجیے، اور جو کچھ میرے قبضے میں زر و مال وغیرہ ہے سب سنبھال لیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک روز یہیں دنیا پر چھوڑ جانا ہے۔ اس لیے میں ان کے لیے سچے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔''

عبداللہ نے یہ کہہ کر بدن کے کپڑے تک اتار دیئے اور ''مادر زاد برہنہ'' ہو کر ماں کے سامنے گیا۔ ماں یہ دیکھ کر حیران ہوئی، کہ کیا ہوا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں مؤمن اور موحد ہو گیا ہوں۔ نبی ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔ ستر پوشی کے لیے کپڑے کی ضرورت ہے مہربانی فرما کر دیجیے۔ ماں نے ایک کمبل دے دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کمبل پھاڑا۔ آدھے کا تہبند بنا لیا۔ آدھا اوپر لیا اور مدینے کو روانہ ہو گیا۔ علی الصبح مسجد نبوی میں پہنچ گیا اور مسجد سے تکیہ لگا کر منتظرانہ بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ جب مسجد مبارک میں

[1] بیہقی (المتوفی ٤٥٨ھ) فی الدلائل، ج٥، ص: ٢٤١ وحاکم من حدیث عقبة بن عامر منقول از زاد المعاد، ج٣، ص: ٥٤٢۔

آئے تو اسے دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو۔ کہا، میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ فقیر و مسافر ہوں، عاشقِ جمال اور طالبِ ہدایت ہو کر درِ دولت تک آ پہنچا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور ذوالبجادین لقب، تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ [1] میں شامل ہو گیا۔ نبی ﷺ سے قرآن سیکھتا اور دن بھر عجب ذوق و شوق اور جوش و نشاط سے پڑھا کرتا۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ اعرابی اس قدر بلند آواز سے پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کی قراءت میں مزاحمت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! اسے کچھ نہ کہو۔ یہ تو خدا اور رسول ﷺ کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے غزوہ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمایئے کہ میں بھی راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ جب عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی ﷺ نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا: ''الٰہی! میں کفار پر اس کا خون حرام کرتا ہوں۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میں تو شہادت کا طالب ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب غزوہ کی نیت سے تم نکلو اور پھر تپ آ جائے اور مر جاؤ۔ تب بھی تم شہید ہی ہو گے۔'' تبوک پہنچ کر یہی ہوا کہ تپ چڑھی اور عالم بقا کو سدھار گئے۔ [2] بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ کے دفن کی کیفیت دیکھی ہے۔

مخلص عرب کی تدفین میں نبی ﷺ کا اسوہ

رات کا وقت تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس کی لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے۔ نبی ﷺ بھی اس کی قبر میں اترے تھے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرما رہے تھے۔

أَدَبًا إِلَى أَخِيكُمَا (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو) آنحضرت ﷺ نے قبر پر اینٹیں بھی اپنے ہاتھ سے رکھیں اور پھر دعا میں فرمایا:

''الٰہی! آج کی شام تک میں اس سے خوشنود رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔'' [3]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''کاش، اس قبر میں میں دبایا جاتا۔''

نبی ﷺ تبوک سے مع الخیر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

---

[1] صفہ چبوترے کو کہتے ہیں مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبوترہ تھا جو لوگ گھر بار تج کر دنیا کا زر و مال آسائش و آرام چھوڑ کر تعلیم دین اور اسلام کے لیے آیا کرتے تھے وہ اس چبوترے پر ٹھہرا کرتے تھے۔ اس لیے اہل صفہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ عاشقان صداقت بھوک پیاس کی مصیبت اور گرمی سردی کی تکالیف برداشت کرتے مگر دنیا کی کوئی تکلیف اسلام کی تعلیم اور قرآن مجید کا درس لینے سے ان کی روک نہ بن سکتی تھی۔ انہی میں سے وہ لوگ تیار ہوتے تھے جو مختلف ملکوں میں جا کر اشاعت اسلام کرتے تھے۔ انہیں میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو پانچ ہزار احادیث کے راوی اور اسلام کے مبلغ ہیں۔ زیادہ مفصل حال ہماری کتاب ''سبیل الرشاد یعنی سفر نامہ حجاز'' ص ۲۵۰ طبع ۱۹۲۴ء میں پڑھنا چاہیے۔

[2] سیرت ابن ھشام، ج ۲، ص: ۵۲۷۔ [3] مدارج النبوۃ، ص: ۴۵۹، ج ۲۔

جو منافقین یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب محمد ﷺ اور اس کے دوست قید ہو کر کسی دور دست جزیرہ میں بھیجے جائیں گے اور صحیح و سالم مدینہ نہ پہنچیں گے وہ اب پشیمان ہوئے اور انہوں نے ساتھ نہ چلنے کے جھوٹ موٹ عذر بنائے۔ نبی ﷺ نے سب کو معافی دے دی۔ لیکن تین مخلص صحابی بھی تھے جو اپنی معمولی سستی و کاہلی کی وجہ سے ہمرکاب جانے سے رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی صداقت کی وجہ سے ایک امتحان بھی دینا پڑا۔

ان میں سے ایک بزرگ صحابی نے اپنے متعلق جو کچھ اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔ میں اسی کو اس جگہ لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

یہ بزرگوار کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہیں اور ۷۳ سابقین میں سے ہیں۔ جو عقبہ کی بیعت ثانیہ میں حاضر ہوئے تھے اور شعراء خاص میں سے تھے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا امتحان سخت طریق سے

کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سفر میں میرا گھر پر رہ جانا ابتلاء محض تھا۔ ایسا کرنے کا نہ میرا ارادہ تھا اور نہ کوئی عذر تھا۔ سفر کا جملہ سامان مرتب تھا۔ عمدہ اونٹنیاں میرے پاس موجود تھیں۔ میری مالی حالت ایسی اچھی تھی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس سفر کے لیے میں نے دو مضبوط شتر بھی خرید کیے تھے۔ حالانکہ اس سے پیشتر میرے پاس دو اونٹ کبھی نہ ہوئے تھے۔ لوگ سفر کی تیاری کرتے تھے اور مجھے ذرا تردد نہ تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جس روز کوچ ہوگا، میں چل پڑوں گا۔ لشکر اسلام جس روز روانہ ہوا، مجھے کچھ تھوڑا سا کام تھا۔ میں نے کہا: خیر میں کل جا ملوں گا۔ دو تین روز اسی طرح سستی اور تذبذب میں گزر گئے۔ اب لشکر اتنی دور نکل گیا تھا کہ اس سے مل سکنا مشکل ہو گیا۔ مجھے نہایت صدمہ تھا کہ یہ کیا ہوا۔

میں ایک روز گھر سے نکلا مجھے ان منافقین کے سوا جو جھوٹ موٹ عذر کرنے کے عادی تھے یا جو معذور تھے۔ اور کوئی بھی راستے میں نہ ملا۔ یہ دیکھ کر میرے تن بدن کو رنج و غم کی آگ لگ گئی۔ یہ دن میرے اسی طرح گزر گئے کہ نبی ﷺ واپس بھی تشریف لے آئے۔ اب میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کیا کہوں اور کیونکر خدا کے رسول کے عتاب سے بچاؤ کروں۔ لوگوں نے مجھے بعض حیلے بہانے بتائے مگر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ نجات سچ ہی سے مل سکتی ہے۔ آخر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا، تبسم خشم آمیز تھا میرے تو ہوش اسی وقت جاتے رہے۔

نبی ﷺ نے پوچھا: کعب تم کیوں رہ گئے تھے کیا تمہارے پاس کوئی سامان مہیا نہ تھا؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس تو سب کچھ تھا۔ میرے نفس نے مجھے غافل بنا دیا۔ کاہلی نے مجھ پر غلبہ کیا۔ شیطان نے مجھ پر حملہ کیا اور اب مجھے حرمان و خذلان کے گرداب میں ڈال دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنے گھر ٹھہرو اور حکم الٰہی کا انتظار کرو۔

بعض لوگوں نے کہا دیکھا! اگر تم بھی کوئی حیلہ بنا لیتے تو ایسا نہ ہوتا۔ میں نے کہا: ''وحی الٰہی سے میرا جھوٹ کھل جاتا اور پھر میں کہیں کا بھی نہ رہتا معاملہ کسی دنیادار سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول کے ساتھ ہے۔'' میں نے دریافت کیا کہ ''جو حکم میرے لیے ہوا ہے کسی اور کے لیے بھی ہوا ہے؟'' لوگوں نے کہا۔ ''ہاں! ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی بھی یہی حالت ہے۔'' یہ سن کر مجھے ذرا تسلی ہوئی کہ دو مرد صالح اور بھی مجھ جیسی حالت میں ہیں۔

کعب رضی اللہ عنہ کے پاس والی غسان کا خط

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ہمارے ساتھ بات چیت نہ کرے اور نہ ہمارے پاس آ کر بیٹھے، اب زندگی اور دنیا ہمارے لیے وبال معلوم ہونے لگی۔ ان دنوں میں ہلال اور مرارہ تو گھر سے بھی باہر نہ نکلے کیونکہ وہ بوڑھے بھی تھے، لیکن میں جوان اور دلیر تھا۔ گھر سے نکلتا، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جاتا۔ نماز پڑھ کر مسجد مبارک کے ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم محبت بھری نگاہ اور گوشۂ چشم سے مجھے دیکھا کرتے۔ میری شکستگی کو ملاحظہ فرمایا کرتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنکھ اٹھاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرماتے۔

مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ کوئی مجھ سے بات کرتا نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک روز میں نہایت رنج والم میں مدینہ سے باہر نکلا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ میرا چچیرا بھائی تھا اور ہم دونوں میں نہایت محبت تھی سامنے اس کا باغ تھا وہ باغ میں کچھ عمارات بنوا رہا تھا۔ میں اس کے پاس چلا گیا۔ اسے سلام کیا تو اس نے جواب تک نہ دیا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا ''ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک کا میرے دل پر اثر نہیں۔ پھر تم کیوں مجھ سے بات نہیں کرتے؟ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اب بھی جواب نہ دیا جب میں تین بار اسی بات کو دہرایا تو چچیرے بھائی نے صرف اس قدر جواب دیا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خوب معلوم ہے۔ مجھے بہت رقت ہوئی اور میں خوب رویا۔ میں شہر میں لوٹ آیا تو مجھے ایک عیسائی ملا۔ یہ مدینے میں مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے بتا دیا کہ وہ یہی شخص ہے۔ اس کے بادشاہ غسان کا ایک خط میرے نام تھا۔ خط میں لکھا تھا:

''ہم نے سنا ہے کہ تمہارا آقا تم سے ناراض ہو گیا ہے، تم کو اپنے سامنے سے نکال دیا ہے اور باقی سب لوگ بھی تم پر جور و جفا کر رہے ہیں۔ ہم کو تمہارے درجہ و منزلت کا حال بخوبی معلوم ہے اور تم ایسے نہیں ہو کہ کوئی تم سے ذرا بھی بے التفاتی کرے۔ یا تمہاری عزت کے خلاف تم سے سلوک کیا جائے۔ اب تم یہ خط پڑھتے ہی میرے پاس چلے آؤ اور آ کر دیکھو کہ میں تمہارا اعزاز و اکرام کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

کعب رضی اللہ عنہ کا والی غسان کو جواب

خط پڑھتے ہی میں نے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت مجھ پر پڑی۔ اس سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج ایک عیسائی مجھ پر اور میرے دین پر قابو پانے کی آرزو کرنے لگا ہے اور مجھے کفر کی دعوت دیتا ہے۔ اس خیال سے میرا رنج و اندوہ چند در چند بڑھ گیا۔ خط کو قاصد کے سامنے ہی میں نے آگ میں ڈال دیا اور کہہ دیا ''جاؤ، کہہ دینا کہ آپ کی عنایات و التفات سے مجھے اپنے آقا کی بے التفاتی لاکھ درجہ بہتر و خوش تر ہے۔

میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک شخص آیا ہوا، موجود ہے۔ اس نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ''تم اپنی بیوی سے علیحدہ رہا کرو۔'' میں نے پوچھا ''کیا طلاق کا حکم دیا ہے؟'' کہا نہیں صرف علیحدہ رہنے کو فرمایا ہے۔ یہ سن کر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا مجھے معلوم ہوا کہ ہلال رضی اللہ عنہ اور مرارہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہی حکم پہنچا ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال رضی اللہ عنہ کمزور اور ضعیف ہے اور اس کی خدمت کے لیے کوئی خادم بھی

نہیں۔ اگر اذن ہو تو میں اس کی خدمت کرتی رہوں فرمایا: ''ہاں اس کے بستر سے دور رہو'' عورت نے کہا ''یا رسول اللہ! ہلال کا غم و رنج سے ایسا حال ہے کہ اسے تو اور کوئی بھی خیال نہیں رہا۔''

اب مجھے لوگوں نے کہا کہ تم بھی اتنی اجازت لے لو کہ تمہاری بیوی تمہارا کام کاج تو کر دیا کرے میں نے کہا: ''میں تو ایسی جرأت نہیں کرنے کا کیا خبر حضور ﷺ اجازت دیں یا نہ دیں اور میں تو جوان ہوں، اپنا کام خود کر سکتا ہوں مجھے خدمت کی ضرورت نہیں۔''

الغرض اسی طرح مصیبت کے پچاس ❶ دن گزر گئے۔ ایک رات میں اپنی چھت پر لیٹا ہوا تھا اور اپنی مصیبت پر سخت نالاں تھا کہ کوہ سلع ❷ پر چڑھ کے جو میرے گھر کے قریب تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آواز دی: ''کعب رضی اللہ عنہ کو مبارک ہو کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی۔'' یہ آواز سنتے ہی میرے دوست احباب دوڑ پڑے اور مبارک باد کہنے لگے کہ مخلص کی توبہ قبول ہوئی۔ میں نے یہ سنتے ہی پیشانی کو خاک پر رکھ دیا اور سجدہ شکرانہ ادا کیا اور پھر دوڑا دوڑا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نبی ﷺ مہاجرین و انصار میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر مہاجرین نے مبارک باد دی اور انصار خاموش رہے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک خوشی و مسرت سے ماہ چہاردہ (چودھویں کے چاند) کی طرح تاباں و درخشاں ہو رہا تھا اور عادت مبارکہ تھی کہ خوشی میں چہرہ مبارک اور بھی زیادہ روشن ہو جاتا تھا۔ مجھے فرمایا:

> ''کعب مبارک! اس بہترین دن کے لیے! جب تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ کوئی دن تجھ پر آج تک ایسا مبارک نہیں گزرا۔ آؤ تمہاری توبہ کو رب العالمین نے قبول فرما لیا ہے۔''

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس قبولیت کے شکرانے میں اپنا کل مال راہ خدا میں صدقہ دیتا ہوں۔ ❸ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں!'' میں نے عرض کیا۔ نصف۔ فرمایا: ''نہیں!'' میں نے عرض کیا: ثلث۔ فرمایا: ''ہاں! ثلث خوب ہے اور ثلث بھی بہت ہے۔''

---

❶ سفر تبوک میں نبی ﷺ کو غالباً ۵۰ دن ہی لگے تھے اس لیے پیچھے رہ جانے والوں کو اتنے ہی دن مسلمانوں اور عیال سے قریباً تنہائی میں کاٹنے پڑے۔

❷ مدینہ کا نام سلع ہے۔ (ایک تحقیق) سلع کا ذکر بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، حدیث: ۴۴۱۸ میں آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلع کی پہاڑی مدینے کے اندر ہے اور کعب بن مالک صحابی کا گھر اس کے پاس تھا اور طبری نے جنگ خندق کے بیان میں بروایت ابن اسحاق یہ روایت لکھی ہے: وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى جَعَلُوْا ظُهُوْرَهُمْ إِلٰى سِلَعٍ فِيْ ثَلَاثَةِ الْأٰفِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَضَرَبَ هُنَالِكَ عَسْكَرَهُ وَالْخَنْدَقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقَوْمِ، طبری، ذکر الخبر عن غزوۃ الخندق، ج ۲، ص: ۹۳۔

اس سے ثابت ہے کہ جنگ خندق میں جب مسلمانوں نے مدینہ میں محصور ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا اس وقت اسلامی لشکر سلع کے قریب اترا تھا اور اس وقت مسلمانوں کا رخ خندق کی طرف اور پشت سلع کی طرف تھی۔ حسان بن ثابت کا جنگ خندق کی نسبت شعر ہے جس میں عمرو بن عبدِ ود کے مرنے کا ذکر ہے۔

امسی الفتی عمرو بن ودّ ثاویاً　　　بجنوب سلع ثاره لم ینظر

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق پر جو قصیدہ لکھا اس کا ایک شعر یہ ہے

الا ابلغ قریشاً ان سلعاً　　　وما بین العریض الی العماد

اب ان ہر دو روایات کے ساتھ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۲ درس ۱۱ کو دیکھیں جس میں سلع کے باشندوں کا بیان ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انبیا کی کتابوں میں مدینہ کا نام ''سلع'' ہے۔

❸ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك، حدیث: ٤٤١٨۔

خاتمہ حروب

الحمد للہ کہ اس فتنہ وشر کا جو دشمنوں نے برسوں سے اٹھا رکھا تھا اور جس نے عرب کے تمام قبائل کو بغاوت کی زہر آلود ہوا سے آلودہ کر رکھا تھا۔ خاتمہ ہو گیا۔ ان سب لڑائیوں کے دوران میں ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' کی بینظیر فیاضی اور لاثانی رحم دلی کا ظہور اس کثرت وفور سے ہوا کہ دنیا نے جنگ کے شجاعانہ اور مہذب اصول یہیں سے معلوم کیے۔

لاثانی، فیاضی ورحمدلی

یہ وہ ناگزیر لڑائیاں تھیں۔ جن میں اللہ کا برگزیدہ رسول و نبی اور مسلمان اضطراراً تقریباً سات سال کے درمیانی عرصہ میں شریک ہوتے رہے۔

ناظرین! کسی جنگ میں نہیں دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ابتدا کی ہو۔ یہ تمام لڑائیاں صرف حملہ آوروں کے حملوں کو روکنے اور ان کے شر سے بچنے کے لیے کی گئی تھیں۔ نبوت کے تمام زمانے میں ایک شخص بھی اس لیے قتل نہیں ہوا کہ وہ بت پرست یا پارسی یا عیسائی یا یہودی تھا۔

مذہب اسلام میں جبر واکراہ نہیں

قرآن مجید میں اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے بخوبی واضح فرما دیا تھا کہ دنیا میں مذاہب واعتقاد کا اختلاف ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک رہے گا، اس لیے مذہب کے لیے کسی شخص پر جبر کرنا جائز نہیں۔ مندرجہ ذیل آیات اس مطلب کے لیے صاف ہیں:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ [1]

''دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی اچھی طرح ظاہر ہو گئی ہے۔''

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ [2]

''اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر سب کے سب باشندے ایمان لے آتے۔ کیا تو ان لوگوں پر جبر کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ ﴾ [3]

''اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ اور وہ تو ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ بجز ان کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے اور ان کو اسی لیے پیدا کیا ہے۔''

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ [4]

''تو اسے ہدایت نہیں دے سکتا جس سے محبت کرتا ہے۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔''

﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ ﴾ [5]

''جو کچھ باتیں یہ لوگ کرتے ہیں ہم جانتے ہیں اور تو اُن پر جبر نہیں کر سکتا۔ ہاں، قرآن کا وعظ کر پھر جو کوئی عذاب الٰہی

---

[1] ٢/ البقرہ:٢٥٦۔ [2] ١٠/ یونس:٩٩۔ [3] ١١/ ہود:١١٨۔ [4] ٢٨/ القصص:٥٦۔ [5] ٥٠/ ق:٤٥۔

سے ڈرتا ہے وہ ڈرے۔''

﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۙ﴾ ❶

''وعظ کرتا رہ۔ کیونکہ تو وعظ کرنے والا ہی ہے اور تو ان پر داروغہ نہیں ہے۔''

اسیران جنگ

جنگ کا ذکر ختم کرنے سے پیشتر مناسب ہے کہ اس برتاؤ کا ذکر کر دیا جائے۔ جو نبی ﷺ اسیران جنگ کے ساتھ فرماتے تھے۔

اسیران جنگ اور اسلام

اسلام سے پیشتر دنیا میں جتنی قومیں اور سلطنتیں تھیں، وہ اسیران جنگ کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کرتی تھیں۔ جسے سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

نبی ﷺ کا طریق عمل قیدیوں کے ساتھ صرف دو ہی طرح کا تھا۔

الف: فدیہ لے کر آزاد کر دینا۔

ب: بلا کسی فدیہ کے آزاد کر دینا۔

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگ بدر میں قیدی ہاتھ لگے تھے۔ یہ اہل مکہ تھے ان سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن کوئی نہ تھا۔ نبی ﷺ نے پہلے اس معاملہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی شوریٰ میں پیش کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک جانب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جن کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں سے جرمانہ لے لیا جائے اور انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اس رائے کی تائید میں انہوں نے دو دلائل پیش کیے تھے۔

۱: زر جرمانہ سے ہم اپنے ساز و سامان کی درستی کر لیں گے۔

۲: آزادی پانے کے بعد ممکن ہے کہ ان قیدیوں میں سے خدا کسی کو اسلام کی ہدایت فرما دے۔

دوسری جانب عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے ان کی رائے تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ وہ اپنی رائے کی تائید میں کہتے تھے۔

۱: یہ لوگ کفر کے امام اور شرک کے پیشوا ہیں ان کی گردنیں اڑانی چاہئیں۔

۲: خدا نے ہم کو ان پر غلبہ دیا ہے، اس لیے مسلمانوں کا قصاص لینا چاہیے۔

نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا جو قیدی زر جرمانہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ ان کے لیے تجویز فرمایا کہ وہ اولادِ انصار کو لکھنا سکھا دیں ❷ (یا کوئی اور ہنر سکھا دیں)۔

بعض لوگ اب تک سمجھتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے زیادہ صحیح تھی۔ وہ حدیث کے اگلے حصے سے دلیل پکڑتے ہیں۔ حدیث میں یہ ہے کہ اگلے روز عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گریہ کرتے دیکھا تھا۔ لیکن علما کا ایک گروہ اس استدلال کے بعد بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہے۔ بوجوہ ذیل:

---

❶ ۸۸/ الغاشیۃ:۲۱، ۲۲۔ ❷ فتح الباری، ج ٦، ص:۲٤۳۔

۱: قرآن مجید میں بھی رائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بابت پہلے سے حکم موجود تھا۔

۲: اس رائے میں رحمت ملحوظ ہے جو سب چیزوں سے وسیع تر ہے۔

۳: نبی ﷺ نے اس حدیث میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ابراہیم علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام اور عمر رضی اللہ عنہ کو نوح علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے۔

۴: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے نبی ﷺ کی رائے موافق تھی۔

۵: بالآخر رب العالمین نے بھی اسی رائے کو برقرار رکھا۔

۶: ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال صحیح ہوا کہ اسیران جنگ میں سے بہت لوگ بعد میں از خود مسلمان بھی ہوئے اور سر دست زر جرمانہ (تاوان جنگ) سے مسلمانوں نے اپنی حالت کو بھی درست کر لیا۔

الف: الغرض جنگ بدر کے ۷۲ قیدیوں میں سے ۷۰ کو آنحضرت ﷺ نے جرمانہ لے کر آزاد فرما دیا تھا۔ان قیدیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا گیا تھا۔ بہت سے قیدیوں کے بیانات موجود ہیں جنہوں نے اقرار کیا۔کہا ہے کہ اہل مدینہ بچوں سے بڑھ کر ان کی آسائش کا اہتمام کرتے تھے۔صرف دو قیدی (عقبہ بن ابی معیط ونضر بن حارث) قتل کرائے گئے تھے۔ یہ سزا ان کے سابقہ جرائم کا نتیجہ تھی۔جنہوں نے انہیں واجب القتل ٹھہرا دیا تھا۔

ب: جنگ بدر کے بعد غزوہ بنو المصطلق میں سو سے زیادہ زن ومرد قید ہوئے تھے۔ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے بلا کسی شرط وبلا کسی جرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا۔وہ سب بلا معاوضہ آزاد کر دیے گئے تھے اور ان میں سے ایک عورت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ نے ام المومنین ہونے کا درجہ عطا فرمایا تھا۔

د: جنگ حنین میں چھ ہزار زن ومرد کو بلا کسی شرط وجرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا۔بعض اسیروں کی آزادی کا معاوضہ آنحضرت ﷺ نے اپنی طرف سے اسیر کنندگان کو ادا کیا تھا۔اور پھر اکثر اسیروں کو خلعت وانعام دے کر رخصت فرمایا تھا۔

ان جملہ نظائر سے ثابت ہے کہ ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' اپنے حملہ آور دشمنوں پر قابو اور غلبہ پا لینے کے بعد کس قدر الطاف فرمایا کرتے تھے۔کتب احادیث میں ایک واقعہ قیدیوں سے قیدیوں کے تبادلہ کا بھی ملتا ہے۔ [1]

جنگ اور مصلحت الٰہیہ

نبی ﷺ کی اس پاک تعلیم ہی کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں اگرچہ عراق وشام مصر وعرب ایران وخراسان کے سینکڑوں شہر فتح کیے گئے۔مگر کسی جگہ بھی حملہ آوروں، جنگ آزماؤں یا رعایا میں کسی کو لونڈی، غلام بنانے کا ذکر نہیں ملتا۔مغلوب دشمن سے تاوان جنگ لینے کا بھی کہیں اندراج نظر نہیں آتا۔اگرچہ مسلمانوں کے لیے یہ لڑائیاں سخت آزمائش تھیں لیکن رب العالمین کی اس میں بھی شاید یہ حکمت ہو کہ اسلام دنیا کے لیے جنگ کا بھی وہ نمونہ پیش کر دے جو انسانی ہمدردی اور رحم والطاف سے لبریز ہو۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب التفضيل وفداء المسلمين بالأسارى، حديث: ٤٦/ ١٧٥٥۔

باب ۲

مختلف مذاہب اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام کے لیے سفیر وفرامین کا بھیجا جانا، بعض کا مسلمان ہو جانا، بعض کا اظہار ادب کرنا، بعض کا گستاخی سے پیش آنا، اور اس کا انجام

نبی ﷺ کی نبوت میں جو ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت میں موجود نہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں تر خصوصیت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اسلام کو کل دنیا کا مذہب واحد کہہ کر پیش کیا ہے۔

اور اسی لیے نبوت کے اس ابتدائی زمانے ہی سے جب کہ شہر مکہ کے رہنے والے بھی اسلام سے بخوبی واقف نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دیگر اقوام اور دیگر ادیان کے لوگوں میں بھی تبلیغ کرنا شروع کر دیا تھا۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ، صہیب رومی، سلمان فارسی، عداس نینوائی رضی اللہ عنہم وہ بزرگوار ہیں جو حبش، یونان، ایران اور وسط ایشیا کی طرف سے ثمر اولین بن کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

نبی ﷺ کا کل عالم کے لیے رسول ہونا

قرآن مجید کی آیات اس بارہ میں بہت صاف ہیں:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ [1]

۱: ''ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لیے بشارت پہنچانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔''

﴿ هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ [2]

۲: خداوہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ وہ سب دینوں پر غلبہ حاصل کرے۔''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [3]

۳: ''ہم نے تجھے تمام اہل عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ [4]

۴: ''ان سے کہہ دو کہ اے انسانی نسل کے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔''

ان آیات مبارکہ کے ارشاد کی تبعیت ہی میں رسول اللہ ﷺ نے ذیل کے مراسلات مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کے سرکردگان کے پاس روانہ فرمائے تھے اور ہر ایک کو لکھ دیا تھا کہ اسلام سے انکار کرنے کا وبال نہ صرف اس لیے پڑے گا کہ تم نے اپنی ذات کے لیے انکار کر دیا۔ بلکہ تمہارے انکار کی وجہ سے چونکہ تمہاری قوم بھی ہدایت سے رکے گی' اس لیے ان کی ضلالت وگمراہی کا وبال بھی تم پر ہی پڑے گا، کیونکہ اس فرمان میں شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ سرکردہ قوم ہونے کی وجہ سے تم کو مخاطب کیا گیا ہے۔

---

[1] ۳۴/ سبا:۲۸۔ [2] ۶۱/ الصف:۹، ۴۸؛ الحجرات: ۲۸۔ [3] ۲۱/ الانبیاء:۱۰۷۔ [4] ۷/ الاعراف:۱۵۸۔

دعوت عامہ کی نظیر موجود نہ تھی

رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ اسلام کی بابت یہ ایسی کارروائی فرمائی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی سابقہ مذہب کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی کہ ان کے بانیانِ مذہب نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔

چونکہ ہم ہر ایک سچے مذہب کے ہادی کی دل سے عزت وعظمت کرتے ہیں اس لیے ان کی خاموشی سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ مقدس بزرگوار اپنے مذہب کو خود بھی اسی قوم سے مخصوص سمجھتے تھے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے۔ ❶

اب اگر ان کے متبعین ان کے مسلک سے تجاوز کرتے ہیں تو یہ ان کا اپنا فعل ہے، جو مذہبی حیثیت سے سند نہیں بن سکتا۔ ۷ھ المقدس کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ نبی ﷺ نے پادشاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط مبارک اپنے سفیروں کے ہاتھوں روانہ فرمائے جو سفیر جس قوم کے پاس بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان جانتا تھا تاکہ تبلیغ بخوبی کر سکے۔ ❷

اب تک نبی ﷺ نے کوئی مہر نہ بنائی تھی۔ جب شاہانِ عالم کے نام خطوط لکھے گئے تو ان پر مہر کرنے کے لیے خاتم تیار کی گئی یہ چاندی کی تھی تین سطور میں اس طرح یہ عبارت کندہ تھی۔ ❸

اللہ رسول محمد

ان خطوط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خط عیسائی بادشاہوں کے نام تھے۔ ان میں خصوصیت سے یہ آیت مبارک بھی تھی:

﴿ قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ ﴾ ❹

''اے اہل کتاب! آؤ۔ ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے تمہارے دین میں مساوی ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کے سوا خدائی کا درجہ ہم اپنے جیسے انسانوں کے لیے تجویز نہ کریں۔''

اب ہم مختصر طور پر ان سفارتوں کا حال درج کرتے ہیں۔

بادشاہ حبش کے نام

اصحم بن ابجز بادشاہ حبش الملقب بہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے یہ بادشاہ عیسائی تھا۔ تاریخ طبری سے اس خط کی نقل درج کی جاتی ہے۔

---

❶ مقدس مسیح فرماتے ہیں: میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ ❷ خصائص الکبریٰ، جلد دوم، ص: ۱۱٦، بروایت ابن ابی شیبۃ۔ ❸ بخاری، کتاب اللباس، باب نقش الخاتم، حدیث: ۵۸۷۲، ۵۸۷۳، رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ انگشتری ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم اپنی خلافت کے زمانہ میں پہنتے رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آخر عہد خلافت میں یہ انگشتری مدینہ کے ایک چاہ مراریس کے اندر گر گئی تھی بہت تلاش کی گئی نہ ملی۔

❹ ۳/ آل عمران: ٦٤۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ مَلَكِ الْحَبْشَةِ۔ أَسْلَمَ أَنْتَ فَإِنِّيْ أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ السَّلَامَ الْمُؤْمِنَ الْمُهَيْمِنَ وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْبُتُوْلِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِيْنَةِ فَحَمَلَتْ بِعِيْسَى فَخَلَقَهُ اللّٰهُ مِنْ رُوْحِهِ وَنَفْخِهِ كَمَا خَلَقَ اٰدَمَ بِيَدِهِ وَنَفْخِهِ وَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَالْمُوَالَاةِ عَلَى طَاعَتِهِ وَأَنْ تَتَّبِعَنِيْ وَتُؤْمِنَ بِالَّذِيْ جَاءَنِيْ فَإِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكَ ابْنَ عَمِّيْ جَعْفَرًا وَنَفَرًا مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِذَا جَائَكَ فَأَقِرَّهُمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ وَجُنُوْدَكَ إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نُصْحِيْ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ [2]

’’خدا کے نام سے جو بڑی رحمت اور دائمی رحم والا ہے۔

یہ خط اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے۔ تجھے سلامتی ہو۔ میں پہلے اللہ کی ستائش کرتا ہوں۔ جو ملک، قدوس، سلام مومن [1] اور مہیمن ہے اور میں ظاہر کرتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں جو مریم بتول طیبہ عفیفہ کی جانب بھیجا گیا اور انہیں عیسیٰ علیہ السلام کا اس سے حمل ٹھہر گیا۔ خدا نے عیسیٰ کو اپنی روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا تھا اب میری دعوت یہ ہے کہ تو خدا پر جو اکیلا اور لاشریک ہے ایمان لے آ۔ اور ہمیشہ اسی کی فرمانبرداری میں رہا کر اور میری اتباع کر میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں قبل ازیں اس ملک میں اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج چکا ہوں تم اسے بآرام ٹھہرا لینا۔ نجاشی تم تکبر چھوڑ دو کیونکہ میں تم کو اور تمہارے دربار کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا۔ اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے۔

نجاشی اس فرمان پر مسلمان ہوگیا اور جواب میں یہ عریضہ تحریر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ بْنِ أَبْجَرَ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ مِنَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الَّذِيْ هَدَانِيْ إِلَى الْإِسْلَامِ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغَنِيْ كِتَابُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ مَاذَكَرْتَ مِنْ أَمْرِ عِيْسٰى فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

خدا کے نام سے جو بڑی رحمت اور دائمی رحم والا ہے۔

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی الاصحم بن ابجر کی طرف سے۔ اے نبی اللہ کے آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں۔ اسی خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ حضور کا فرمان میرے پاس پہنچا۔ عیسیٰ کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ بخدائے زمین و

---

[1] ’’مومن‘‘ جو خدا کا نام ہے۔ اس کے معنی ہیں: ’’ایمان عطا کرنے والا‘‘

[2] طبری، ج ۲، ص: ۱۳۱، ذکر الخبر عن عمرۃ النبی ﷺ۔

إِنَّ عِیْسٰی مَایَزِیْدُ عَلٰی مَاذَکَرْتَ ثُفْرُوْقًا۔ إِنَّهٗ کَمَا قُلْتَ وَ قَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهٖ إِلَیْنَا۔ وَقَدْ قَرَّبْنَا ابْنَ عَمِّكَ وَأَصْحَابَهٗ فَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَادِقًا مُصَدِّقًا وَقَد بَایَعْتُكَ وَبَایَعْتُ ابْنَ عَمِّكَ وَأَسْلَمْتُ عَلٰی یَدَیْهِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَیْكَ بِابْنِی أَرْهَابْنَ الْأَصْحَمَ بْنَ أَبْجَرَ فَإِنِّی لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِیْ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ أٰتِیَكَ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنِّیْ أَشْهَدُ أَنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ ❶

آسمان، وہ اس سے ذرہ برابر بھی بڑھ کر نہیں، ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ ہم نے آپ کی تعلیم سیکھ لی ہے اور آپ کا چچیرا بھائی اور مسلمان میرے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، سچے ہیں اور راستبازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں۔ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ میں نے آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر حضور ﷺ کی بیعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا ہے اور میں حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے فرزند ارھا کو روانہ کرتا ہوں۔ میں تو اپنے ہی نفس کا مالک ہوں۔ اگر حضور کا منشا یہ ہوگا کہ میں حاضر خدمت ہو جاؤں تو ضرور حاضر ہو جاؤں گا کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ حضور ﷺ جو فرماتے ہیں وہی حق ہے، اے خدا کے رسول آپ پر سلام۔

شاہِ بحرین کا اسلام

۲: منذر بن ساوی شاہِ بحرین تھا۔ شہنشاہ فارس کا خراج گزار تھا۔ علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے۔ یہ بھی مسلمان ہوگیا۔ اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہوا۔ اس نے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لکھا تھا کہ بعض لوگوں نے تو اسلام کو از حد پسند کیا ہے۔ بعض نے کراہت کا اظہار کیا ہے، بعض نے مخالفت کی ہے۔ میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی بہت ہیں۔ ان کے لیے جو ارشاد ہو کیا جائے۔ نبی ﷺ نے جواب میں تحریر فرمایا:

((وَمَنْ یَنْصَحْ إِنَّمَا یَنْصَحُ لِنَفْسِهٖ))

((وَمَنْ قَامَ عَلٰی یَهُوْدِیَّتِهٖ أَوْ مَجُوْسِیَّتِهٖ فَعَلَیْهِ الْجِزْیَةُ))

۱۔ جو نصیحت پکڑتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے۔

۲۔ جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، وہ جزیہ (خراج رعیتانہ) دیا کرے۔

۳: جیفر و عبد فرزندان جلندی۔ ملک عمان کے نام عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔

عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب میں عمان پہنچا تو پہلے عبد کو ملا۔ یہ سردار تھا اور اپنے بھائی کی نسبت زیادہ نرم و خوش خلق تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا سفیر ہوں اور تمہارے پاس اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔

سفیرِ اسلام کی دربارِ عمان میں گفتگو

عبد بولا۔ میرا بھائی عمر میں مجھ سے بڑا اور ملک کا مالک ہے۔ میں تمہیں اس کی خدمت میں پہنچا دوں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس

---

❶ طبری، ج ۲، ص: ۱۳۲۔

چیز کی دعوت دیتے ہو؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اکیلے خدا کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں ۔ نیز اس شہادت کی طرف کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا بندہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عبد نے کہا: عمرو تو سردار قوم کا بیٹا ہے۔ بتلاؤ کہ تیرے باپ نے کیا کیا' کیونکہ ہم اسے نمونہ بنا سکتے ہیں۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، وہ مر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا تھا۔ کاش! وہ ایمان لاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی کا اقرار کرتا۔

میں بھی اپنے باپ کی رائے ہی پر تھا حتیٰ کہ خدا نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی۔

عبد: تم کب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار ہو گئے ہو؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔

عبد: کہاں؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: نجاشی کے دربار میں اور نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔

عبد: وہاں کی رعایا نے نجاشی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

عمرو بن عاص: اسے بدستور بادشاہ رہنے دیا اور انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

عبد: (تعجب سے) کیا بشپ پادریوں نے بھی؟

عمرو بن عاص: ہاں

عبد۔ دیکھو عمرو رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہو۔ انسان کے لیے کوئی چیز بھی جھوٹ سے بڑھ کر ذلت بخش نہیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: میں نے جھوٹ نہیں کہا اور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز بھی نہیں۔

عبد: ہرقل نے کیا کیا۔ کیا اسے نجاشی کے اسلام لانے کا حال معلوم ہے؟

عمرو بن عاص: ہاں

عبد: تم کیونکر ایسا کہہ سکتے ہو؟

عمرو بن عاص: نجاشی ہرقل کو خراج دیا کرتا تھا۔ جب سے مسلمان ہوا، کہہ دیا ہے کہ اب وہ اگر ایک درہم بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔

ہرقل تک یہ بات پہنچ گئی۔ ہرقل کے بھائی بناق نے کہا۔ یہ نجاشی حضور کا ادنیٰ غلام اب خراج دینے سے انکار کرتا ہے اور حضور کے دین کو بھی اس نے چھوڑ دیا ہے۔ ہرقل نے کہا۔ پھر کیا ہوا۔ اس نے اپنے لیے ایک مذہب پسند کر لیا، اور قبول کر لیا۔ میں کیا کروں؟ بخدا اگر اس شہنشاہی کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔

عبد: دیکھو عمرو رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہو۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: قسم ہے خدا کی! سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد: اچھا بتاؤ۔ وہ کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے؟ اور کن چیزوں سے منع کرتا ہے؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: وہ اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور معصیت الٰہی سے روکتے ہیں۔ وہ زنا اور شراب کے استعمال سے اور پتھروں، بتوں اور صلیب کی پرستش سے منع فرماتے ہیں۔

عبد: کیسے اچھے احکام ہیں جن کی وہ دعوت دیتے ہیں۔ کاش! میرا بھائی میری رائے کو قبول کرے۔ ہم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ایمان لائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرے بھائی نے اس پیغام کو رد کیا اور دنیا ہی کا راغب رہا تو وہ اپنے ملک کے لیے بھی سراپا نقصان ثابت ہوگا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو اس ملک کا بادشاہ تسلیم فرمالیں گے۔ وہ صرف اتنا کریں گے کہ یہاں کے اغنیا سے صدقہ وصول کر کے یہاں کے غربا میں تقسیم کرادیا کریں گے۔

عبد: یہ تو اچھی بات ہے، مگر صدقہ سے کیا مراد ہے؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے مسائل بتائے جب یہ بتایا کہ اونٹ میں بھی زکوٰۃ ہے تو عبد بولا کیا وہ ہمارے مویشی میں سے بھی صدقہ دینے کو کہیں گے۔ وہ تو خود ہی درختوں کے پتوں سے پیٹ بھر لیتا ہے اور خود ہی پانی جا پیتا ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں اونٹوں میں سے بھی صدقہ لیا جاتا ہے۔

عبد: میں نہیں جانتا کہ میری قوم کے لوگ جو تعداد میں زیادہ ہیں اور دور دور تک بکھرے پڑے ہیں وہ اس حکم کو مان لیں گے۔

الغرض عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں چند روز ٹھہرے۔ عبد روز روز کی باتیں اپنے بھائی کو پہنچا دیا کرتا تھا۔ ایک روز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بادشاہ نے طلب کیا۔ چوبداروں نے دونوں جانب سے بازو تھام کر انہیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ بادشاہ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ چوبداروں نے چھوڑ دیا۔ یہ بیٹھنے لگے چوبداروں نے پھر ٹوکا۔ انہوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ نے کہا: بولو! تمہارا کیا کام ہے؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خط دیا جس پر مہر ثبت تھی۔

جیفر نے مہر توڑ کر خط کھولا، پڑھا اور پھر بھائی کو دیا۔ اس نے بھی پڑھا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بھائی زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: قریش کا کیا حال ہے؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: سب نے طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا اس کے ساتھ رہنے والے کون لوگ ہیں؟

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو رضا و رغبت سے قبول کیا۔ سب کچھ چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اختیار کر لیا ہے اور پوری فکر و غور اور عقل و تجربہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانچ کر لی ہے۔

بادشاہ نے کہا: اچھا، تم کل پھر ملنا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دوسرے روز بادشاہ کے بھائی سے پہلے ملے۔ وہ بولا کہ اگر ہماری حکومت کو صدمہ نہ پہنچے تو بادشاہ مسلمان ہو جائے گا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پھر بادشاہ سے ملے۔

بادشاہ عمان کا اسلام

بادشاہ نے کہا، میں نے اس معاملے میں غور کیا۔ دیکھو! اگر میں ایسے شخص کی اطاعت اختیار کرتا ہوں جس کی فوج ہمارے ملک تک نہیں پہنچی تو میں سارے عرب میں کمزور سمجھا جاؤں گا۔ حالانکہ اگر اس کی فوج اس ملک میں آئے تو میں ایسی سخت لڑائی لڑوں کہ تمہیں کبھی سابقہ نہ ہوا ہو۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر، میں کل واپس چلا جاؤں گا۔

دوسرے دن بادشاہ نے انہیں آدمی بھیج کر بلایا اور دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور رعایا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا۔ ❶

گورنرانِ دمشق و یمامہ کا انکار

:۴ منذر بن حارث بن ابوشمر، دمشق کا حاکم اور شام کا گورنر تھا۔ شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ اس کے پاس بطور سفارت بھیجے گئے تھے۔ یہ پہلے تو خط پڑھ کر بہت بگڑا۔ کہا میں خود مدینے پر حملہ کروں گا۔ بالآخر سفیر کو باعزاز رخصت کیا مگر مسلمان نہ ہوا۔

:۵ ہوذہ بن علی۔ حاکم یمامہ، عیسائی المذہب تھا۔ سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ نامہ مبارک اس کے پاس لے گئے تھے۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کر لی جائے' تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ہوذہ اس جواب سے تھوڑے دنوں بعد ہلاک ہو گیا۔

:۶ جریج بن متی ''الملقب بہ مقوقس'' ❷ شاہ اسکندریہ و مصر عیسائی المذہب تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس سفیر ہو کے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے خط کے آخر میں تحریر فرما دیا تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو تمام مصر (اہل قبط) کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمہاری گردن پر ہو گا۔

مبلغ اسلام کی دربارِ مصر میں تقریر

سفیر نے خط پہنچانے کے علاوہ بادشاہ کو ان الفاظ میں خود ہی سمجھایا تھا۔

صاحب! آپ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص ہو چکا ہے جو۔ "أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى "(میں تم لوگوں کا بڑا خدا ہوں) کہا کرتا تھا اور خدا نے اسے دنیا اور آخرت کی رسوائی دی۔ جب خدا کا غضب بھڑکا تو وہ ملک وغیرہ کچھ بھی نہ رہا۔ اس لیے لازم ہے کہ تم دوسروں کو دیکھو اور عبرت پکڑو۔ یہ نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت لیا کریں۔ بادشاہ نے کہا: ہم خود ایک مذہب رکھتے ہیں اسے ترک نہیں کریں گے۔ جب تک کہ اس سے بہتر دین کوئی نہ ملے۔

حاطب رضی اللہ عنہ بولا! میں آپ کو دین اسلام کی جانب بلاتا ہوں جو جملہ دیگر مذاہب سے کفایت کنندہ ہے نبی ﷺ نے سب ہی

---

❶ زاد المعاد، ج۳، ص: ۶۹۵ فصل کتابه ﷺ الی ملك عمان۔ ❷ لفظ ''مقوقس'' کی اصلیت میں علمائے مصر و یورپ و عرب میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ جریج بن متی کو یورپین مؤرخین نے (جیورج بن مینا) بھی لکھا ہے۔ یہ رومی النسل تھا۔ مگر ماں غالباً قبطی تھی۔

کو دعوت اسلام فرمائی ہے۔ قریش نے مخالفت کی ہے اور یہود نے عداوت لیکن سب میں سے محبت ومودت کے ساتھ قریب تر نصاریٰ رہے ہیں۔ بخدا جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بشارت دی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ قرآن مجید کی دعوت ہم آپ کو اسی طرح دیتے ہیں۔ جیسے آپ اہل توراۃ کو انجیل کی دعوت دیا کرتے ہیں۔

جس نبی کو جس قوم کا زمانہ ملا' وہی قوم اس کی امت سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے آپ پر لازم ہے کہ اس نبی کی اطاعت کریں' جس کا عہد آپ کو مل گیا ہے اور یہ سمجھ لیں کہ ہم آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس کا جواب

مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی کے بارے میں غور کیا۔ ہنوز مجھے کوئی رغبت معلوم نہیں ہوئی۔ اگرچہ وہ کسی مرغوب شے سے نہیں روکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ نہ وہ ساحر ضرر رساں ہیں نہ کاہن کاذب اور ان میں تو نبوت ہی کی علامت پائی جاتی ہے۔ بہرحال میں اس معاملہ پر مزید غور کروں گا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو ہاتھی کے دانت کے ڈبے میں رکھوا کر مہر لگوا کر خزانہ میں رکھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف بھیجے اور جواب خط میں یہ بھی لکھا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے۔ مگر میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ رسول ملک شام میں ہوں گے۔

دُلدُل۔ مشہور خچر اسی نے تحفے میں دیا تھا۔ [1]

۷: ہرقل شاہ قسطنطنیہ یا روما کی مشرقی شاخ سلطنت کا نامور شہنشاہ عیسائی المذہب تھا۔ دحیہ بن خلیفۃ الکلبی رضی اللہ عنہ [2] اس کے پاس نامہ مبارک لے کے گئے تھے۔ یہ بادشاہ سے بیت المقدس کے مقام پر ملے۔ ہرقل نے سفیر کے اعزاز میں بڑا شاندار دربار کیا اور سفیر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کرتا رہا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے مزید تحقیقات کرنا بھی ضروری سمجھا۔ حکم دیا کہ اگر ملک میں کوئی شخص مکہ کا آیا ہوا موجود ہو تو پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ان دنوں ابوسفیان مع دیگر تاجران مکہ شام آیا ہوا تھا۔ [3] اسے بیت المقدس پہنچایا اور دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر نے ہمراہی تاجروں سے کہا کہ میں ابوسفیان سے سوال کروں گا۔ اگر یہ کوئی جواب غلط دے تو مجھے بتا دینا۔

ابوسفیان و ہرقل کے مابین گفتگو

ابوسفیان ان دنوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھ والے میرا جھوٹ ظاہر کر دیں گے تو میں بہت سی باتیں بناتا۔ مگر اس وقت قیصر کے سامنے مجھے سچ سچ ہی کہنا پڑا۔

سوال و جواب یہ ہیں۔

---

[1] زاد المعاد، ج۳، ص: ۶۹۲ فصل فی کتابہ الی مقوقس ملك مصر۔

[2] دحیہ کا سلسلہ نسب ثور بن کلب تک منتہی ہوتا ہے جو قضاء کی بڑی شاخ ہے یہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور جملہ مشاہدات مابعد میں شامل ہوئے۔

[3] بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، کتاب الجهاد، باب دعاء النبی الی الاسلام والنبوة، حدیث: ۲۹۴۰، ۲۹۴۱ و کتاب الشهادات۔

قیصر: محمد ﷺ کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف وعظیم۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا: ''سچ ہے نبی شریف گھرانے کے ہوتے ہیں تا کہ ان کی اطاعت میں کسی کو عار نہ ہو۔''

قیصر: محمد ﷺ سے پہلے بھی کسی نے عرب میں یا قریش میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: ''نہیں''

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا: ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اپنے سے پہلے کی تقلید اور ریس کرتا ہے۔''

قیصر: نبی ہونے کے دعوے سے پہلے کیا وہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا یا اس کو جھوٹ بولنے کی کبھی تہمت دی گئی تھی۔

ابوسفیان: ''نہیں''

ہرقل نے اس جواب پر کہا: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ جس شخص نے لوگوں پر جھوٹ نہ بولا۔ وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔''

قیصر: اس کے باپ دادا میں سے کوئی شخص پادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: ''نہیں''

ہرقل نے اس جواب پر کہا: ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ نبوت کے بہانے سے باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

قیصر: محمد ﷺ کے ماننے والے مسکین غریب لوگ زیادہ ہیں یا سردار اور قوی لوگ؟

ابوسفیان: مسکین حقیر لوگ۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا: ''ہر ایک نبی کے پہلے ماننے والے مسکین غریب لوگ ہی ہوتے رہے ہیں۔''

قیصر: ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے۔

ابوسفیان: بڑھ رہی ہے۔

ہرقل نے کہا: ''ایمان کا یہی خاصہ ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔''

قیصر: کوئی شخص اس کے دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے۔

ابوسفیان: ''نہیں''

ہرقل نے کہا: ''لذت ایمان کی یہی تاثیر ہے کہ جب دل میں بیٹھ جاتی اور روح پر اپنا اثر قائم کر لیتی ہے۔ تب جدا نہیں ہوتی۔''

قیصر: ''یہ شخص کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتا ہے؟''

ابوسفیان: نہیں! لیکن امسال ہمارا معاہدہ اس سے ہوا ہے۔ دیکھئے کیا انجام ہو۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ میں صرف اس میں اتنا فقرہ ایزاد کر سکا تھا مگر قیصر نے اس پر کچھ توجہ نہ کی اور یوں کہا۔ بیشک نبی عہد

شکن نہیں ہوتے۔عہد شکنی دنیادار کیا کرتا ہے، نبی دنیا کے طالب نہیں ہوتے۔

قیصر: کبھی اس شخص کے ساتھ تمہاری لڑائی بھی ہوئی؟

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی وہ غالب رہا (بدر میں) اور کبھی ہم (احد میں)۔

ہرقل نے کہا۔"خدا کے نبیوں کا یہی حال ہوتا ہے۔لیکن آخر کار خدا کی مدد اور فتح ہی ان کو حاصل ہوتی ہے۔"

قیصر: اس کی تعلیم کیا ہے۔

ابوسفیان: ایک خدا کی عبادت کرو۔باپ دادے کے طریق (بت پرستی) کو چھوڑ دو۔نماز، روزہ، سچائی، پاکدامنی، صلہ رحم کی پابندی اختیار کرو۔

ہرقل نے کہا:"نبی موعود کی یہی علامتیں ہم کو بتائی گئی ہیں۔میں سمجھتا تھا کہ نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔لیکن یہ نہ سمجھتا تھا کہ وہ عرب میں سے ہوگا۔ابوسفیان! اگر تم نے سچ سچ جواب دیے ہیں تو وہ ایک روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں (شام و بیت المقدس) ضرور قابض ہو جائے گا۔کاش! میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور نبی کے پاؤں دھویا کرتا۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک پڑھا گیا ارکین دربار اسے سن کر بہت چیخے اور چلائے اور ہم کو دربار سے باہر نکال دیا گیا۔میرے دل میں اسی روز اپنی ذلت کا نقش اور آنحضرت ﷺ کی آئندہ عظمت کا یقین ہو گیا۔

کسریٰ (شاہِ فارس) کو تبلیغ

۸: خسرو پرویز۔کسریٰ ایران، نصف مشرقی دنیا کا شہنشاہ۔زردشتی مذہب رکھتا تھا۔عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس نامہ مبارک لے کے گئے تھے۔نامہ مبارک کی نقل یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسَ۔ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَأَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ فَإِنِّيْ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِنَّ إِثْمَ الْمَجُوْسِ عَلَيْكَ ۔

"اللہ رحمان و رحیم کے نام سے محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بزرگ فارس کے نام۔سلام اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا اور خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہے۔اور یہ شہادت ادا کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں۔مجھے جملہ نسل آدم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذاب الٰہی کا ڈر سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا

ہو۔تو مسلمان ہوجا سلامت رہے گا ورنہ قوم مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔''

خسرو نے نامۂ مبارک دیکھتے ہی غصہ سے چاک کر ڈالا اور زبان سے کہا: ''میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھے خط لکھتا ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔''

اس کے بعد خسرو نے باذان کو جو یمن میں اس کا وائسرائے (نائب السلطنت) تھا اور عرب کا تمام ملک اسی کے زیر اقتدار یا زیر اثر سمجھا جاتا تھا۔ یہ حکم بھیجا کہ اس شخص نبی ﷺ کو گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کر دو۔

گورنر یمن کا فوجی دستہ آپ ﷺ کی گرفتاری کے لیے

باذان نے ایک فوجی دستہ مامور کیا۔ فوجی افسر کا نام خرخسرو تھا۔ ایک ملکی افسر بھی ساتھ روانہ کیا۔ جس کا نام بابویہ تھا۔ بابویہ کو یہ ہدایت تھی کہ نبی ﷺ کے حالات پر گہری نظر ڈالے اور آنحضرت ﷺ کو کسریٰ کے پاس پہنچا دے۔ لیکن اگر آپ ساتھ جانے سے انکار کریں تو واپس آ کر رپورٹ کرے۔

جب یہ فوجی دستہ طائف پہنچا تو اہل طائف نے بڑی خوشیاں منائیں کہ اب محمد ﷺ ضرور تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ شہنشاہ کسریٰ نے اسے گستاخی کی سزا دینے کا حکم دے دیا ہے۔

قتل خسرو کی آپ ﷺ کا باعلام الٰہی خبر دینا

جب یہ افسر مدینہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ کل کو پھر حاضر ہوں۔ دوسرے روز نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج رات تمہارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک کر ڈالا۔ جاؤ اور تحقیق کرو۔ افسر یہ خبر سن کر یمن کو لوٹ گئے۔ وہاں وائسرائے کے پاس سرکاری اطلاع آ چکی تھی کہ خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے اور تخت کا مالک ''شیرویہ'' ہے، جو باپ کا قاتل تھا۔ [1]

گورنر و اہل یمن کا اسلام لانا

اب باذان نے نبی ﷺ کے عادات و اخلاق اور تعلیم و ہدایت کے متعلق کامل تحقیقات کی اور تحقیقات کے بعد مسلمان ہو گیا۔ دربار کا اور ملک کا بیشتر حصہ بھی مسلمان ہو گیا۔

جو سفیر نبی ﷺ نے بھیجا تھا اس نے واپس آ کر عرض کیا کہ شاہ ایران نے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا۔ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَزَّقَ مُلْكَهُ)) ''اس نے اپنی قوم کے فرمانِ سلطنت کو چاک کر دیا ہے۔'' [2]

ناظرین! اس مختصر اور پر ہیبت جملہ کو دیکھیں اور سوا تیرہ سو برس کی ''تاریخ عالم'' میں تلاش کریں کہ کسی جگہ اس قوم کی سلطنت کا نشان بھی ملتا ہے جو اس واقعہ سے پیشتر چار پانچ ہزار برس سے نصف دنیا پر شہنشاہی کرتی تھی اور جس کی فتوحات بارہا یونان و روما کو نیچا دکھا چکی تھیں؟ ہرگز نہیں......!!

---

[1] فتح الباری، ج ۸، ص: ۱۲۷، حدیث: ۴۴۲۴ کے ضمن میں یہ مکمل واقعہ لکھا ہے۔ ناظرین نبی ﷺ کے نامہ مبارک کے الفاظ ''اسلم تسلم'' پر مکرر غور کریں اس میں درج تھا کہ اگر مسلمان ہو جائے گا تب سلامت رہے گا۔ یہ تہدید نہ تھی بلکہ اخبار عن الغیب (پیشگوئی) تھی۔ [2] مسند احمد، ج ٤، ص: ٧٥۔

چند والیان ملک کا مشرف باسلام ہونا

مناسبت مقام سے اس جگہ ان والیان وحکمرانان ملک کے نام بھی درج کیے جاتے ہیں ۔جنہیں نبی ﷺ کے مقرر کردہ ''منادان اسلام'' سے اسلام کی حقیقت معلوم ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

۱: ثمامہ نجد کا حکمران تھا ۶ ھ میں مسلمان ہوا۔ [1]

۲: جبلہ ۔عرب کی مشہور وقدیم سلطنت غسان کا حکمران تھا ۷ ھ میں مسلمان ہوا۔

۳: قردہ بن عمرو ۔خزاعی ،علاقہ شام پر قیصر کی طرف سے گورنر تھا۔ جب یہ مسلمان ہوا تو قیصر نے سامنے بلایا اور حکم دیا کہ اسلام چھوڑ دے ۔قردہ نے انکار کیا۔ قیصر نے اسے قید کر دیا اور پھر قتل کرا دیا۔ خدا کے پیارے بندے نے دولت' حکومت' عزت اور جان سب چیزیں ترک کر دیں مگر اسلام ترک نہ کیا۔

۴: اکیدر۔ دومۃ الجندل کا حکمران تھا ۹ ھ میں مسلمان ہوا۔

۵: ذی الکلاع حمیری ۔یمن وطائف کے بعض اضلاع میں اس کی حکومت تھی اور زبردست قبیلہ حمیر کا یہ بادشاہ تھا۔ یہ اپنے آپ کو خدا کہلایا کرتا اور لوگوں سے سجدہ کرایا کرتا تھا۔ اس نے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک دن میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کیے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں سلطنت از خود چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آ کر رہا اور زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔

---

[1] ثمامہ بن اثال نے مسیلمہ کذاب کے فتنہ میں اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں ۔ نبی ﷺ نے ان کے پاس اس بارے میں فرات بن حبان کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

باب ۳

نبی ﷺ کے عہد میں اسلام کی اشاعت جس حسن وخوبی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کی مختصر کیفیت ان وفود (ڈیپوٹیشنوں) سے اندازہ کی جاسکتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ کی خدمت میں دور دراز سے آیا کرتے تھے۔

ڈیپوٹیشن کا آنا، واپس جانا، ہر منزل اور راہ پر مختلف قوموں اور قبیلوں سے ملنا اور اسلام کی آواز کو سب لوگوں کے کان تک پہنچانا۔ کیسی خوبی سے انجام پاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی مدافعانہ جنگیں تو جن میں بمجبوری شامل ہونا پڑا۔ ملک کے ایک محدود دائرہ ہی میں تھیں۔ لیکن ان ڈیپوٹیشنوں کو دیکھو کہ ملک کے ہر گوشہ اور ہر حصے سے چلے آتے تھے۔

ہدایت اور اسلام ہی وہ چشمے ہیں جو نبی ﷺ نے چٹیل میدان میں بہادیے تھے۔ جس کی طرف تمام پیاسے چلے آتے تھے۔

دعوت عام کی دوسری زبردست دلیل ان وفود کا حاضر ہونا ہے۔ جن قبائل کے وفود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ میں نے ان قبائل کے نام فہرست میں درج نہیں کیے جن کا نبی ﷺ کی خدمت میں آنا، ملکی اغراض یا ذاتی فوائد کے لیے تھا۔

دوس، صداء، ثقیف، عبدالقیس، بنی حنیفہ، طے، اشعریین، ازد، فروہ جذامی، ہمدان، طارق بن عبداللہ، تجیب، بنی سعد ہذیم، بنو اسد، بہراء، عذرا، خولان، محارب، غسان، بنی الحارث، بنی عیش، غامد، بنی فزارہ، سلامان، نجران، نخع۔

ذیل میں وفود مندرجہ بالا کے مختصر سے حال درج کیے جاتے ہیں۔

وفد دوس

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ذکر اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ اسلام کے بعد جب یہ بزرگوار وطن کو جانے لگا، تو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمایئے کہ میری قوم بھی میری دعوت پر مسلمان ہو جائے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی۔ خدایا! طفیل کو تو ایک نشان (آیت) بنا دے۔ طفیل گھر پہنچا تو بوڑھا باپ ملنے کے لیے آیا۔ طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا: بابا جان! اب نہ میں تمہارا ہوں اور نہ آپ میرے ہیں۔ بوڑھے نے کہا: یہ کیوں! طفیل نے کہا: میں تو محمد ﷺ کا دین قبول کر کے اور مسلمان ہو کے آیا ہوں۔ بوڑھے نے کہا: بیٹا جو تیرا دین ہے۔ وہی میرا بھی ہے۔ طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا۔ خوب تب آپ اٹھیئے۔ غسل فرمایئے، پاک کپڑے پہن کر تشریف لایئے تاکہ میں اسلام کی تعلیم دوں۔ پھر طفیل کی بیوی آئی، اس سے بھی اسی طرح بات چیت ہوئی اور وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ اب طفیل نے اسلام کی منادی شروع کر دی لیکن کچھ لوگ مسلمان نہ ہوئے۔

طفیل رضی اللہ عنہ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ عرض کیا کہ میری قوم میں زنا کی کثرت ہے (چونکہ اسلام زنا کو سختی سے حرام ٹھہراتا ہے) اس لیے لوگ مسلمان نہیں ہوتے۔ حضور ﷺ ان کے لیے دعا فرمائیں۔ نبی ﷺ نے زبان سے کہا: ((اَللّٰھُمَّ اھْدِ

دَوْسًا)) ''اے خدا! دوس کو سیدھا راستہ دکھا۔ پھر طفیل سے فرمایا۔ جاؤ!۔'' ❶

دعوت اسلام کرنے والوں کے لیے ضروری ہدایات

لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ ان سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرو۔ اس دفعہ طفیل کو اچھی کامیابی ہوئی۔ ۵ھ میں دوس کے ستر' اسی خاندانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے۔ ساتھ لے کر مدینہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیبر گئے ہوئے ہیں۔ اس لیے خیبر ہی پہنچ کر اس نے شرف حضوری حاصل کیا اور یہ سب لوگ بھی خیبر ہی میں نبی ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ نبی ﷺ کے چچیرے بھائی (جعفر رضی اللہ عنہ) بھی حبش سے وہاں کے حبشی قبائل جن کو مسلمان کر چکے تھے' لے کر خیبر ہی جا پہنچے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا حبش سے وہاں کے نومسلموں کو لے کر اور حضرت طفیل بن عمرو کا یمن سے دوس کے نومسلم خاندانوں کو لے کر خیبر میں پہنچ جانا۔ گویا یہودیوں کو خدا کی طرف سے یہ بتا دینا تھا' کہ جس نبی کی تعلیم ایسے دور دراز ملکوں میں ''دلوں کے قلعوں'' کو آسانی سے فتح کر رہی ہے۔ اس کی مخالفت میں اپنے اینٹ پتھر کے قلعوں پر بھروسہ کرنا کس قدر بے بنیاد بات ہے۔

وفدِ صداء

یہ وفد ۸ھ میں حاضر خدمت نبوی ﷺ ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس قوم کا ایک شخص زیاد بن حارث صدائی حاضر ہوا۔ پھر دوبارہ وہی زیاد قوم کے پندرہ سرکردہ لوگوں کو لے کر آیا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ان کی تواضع کے لیے مامور ہوئے' ان کے واپس جانے کے بعد ان کے قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔

زیاد نے نبی ﷺ سے عرض کیا، ہمارے ہاں صرف ایک کنواں ہے۔ سرما میں اس کا پانی کافی ہوتا ہے لیکن گرما میں وہ خشک ہو جاتا ہے۔ اس لیے تمام قوم متفرق ہو کر یہ موسم پورا کرتی ہے۔

بے خبروں کو اسلام کے سیکھنے کی بہت ضرورت ہے

ہمارا قبیلہ ابھی جدید الاسلام ہے۔ تعلیم و تعلم کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ دعا فرمایئے کہ کنویں کا پانی ختم نہ ہوا کرے۔
نبی ﷺ نے فرمایا: تم سات کنکریاں اٹھا لاؤ۔ زیاد لے آیا۔ نبی ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر پھر واپس دے دیا۔
فرمایا ایک ایک کنکری اس کنویں میں گرا دینا ہر ایک کنکری پر اللہ اللہ پڑھتے جانا۔ زیاد کا بیان ہے کہ پھر اس چاہ میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ اس کے قعر کا پتہ ہی نہ لگا کرتا۔ ❷

وفد ثقیف کا حال

ثقیف میں سے سب سے پہلا شخص جو تعلیم اسلام حاصل کرنے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تھا۔ وہ عروہ بن مسعود ثقفی تھا یہ اپنی قوم کا سردار تھا اور صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کا وکیل بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا۔ جنگ ہوازن و ثقیف کے بعد جذبہ توفیق الٰہی سے مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ عروہ کے گھر میں دس بیویاں تھیں۔

---

❶ زاد المعاد، ج۳، ص:۶۲۶۔ ❷ زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٦٦ فصل فی قدوم وفد صداء۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم ان میں چار ❶ کو رکھ کر باقی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ❷

جب عروہ رضی اللہ عنہ اسلام سیکھ چکے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اب مجھے اپنی قوم میں جانے اور قوم میں اسلام کی منادی کرنے کی اجازت فرمادی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری قوم تمہیں قتل کردے گی۔ عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! میری قوم کو مجھ سے اتنی محبت ہے جتنی کسی عاشق کو اپنے معشوق سے ہوتی ہے۔ یہ بزرگوار اپنی قوم میں آیا اور وعظ اسلام شروع کردیا۔ ایک روز یہ اپنے بالا خانہ میں نماز پڑھ رہے تھے، کسی شقی نے تیر چلایا، جس سے یہ شہید ہوگئے۔ اگرچہ عروہ رضی اللہ عنہ جانبر

---

❶ اس قصہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ عرب میں کثرت زوجات کا رواج پہلے سے تھا اور کوئی پابندی نہ تھی کہ ایک مرد ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرے۔ اسلام نے اس مطلق العنانی کو رد کیا۔ لامحدود کو محدود بنایا اور کثرت کے لیے سب سے آخری تعداد چار مقرر کی۔ آج کل بہت لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے چار کو بھی کیوں جائز رکھا۔ ایسا اعتراض کرنے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کے رواج کثرت زوجات میں کوئی اصلاح کی تھی؟ اگر نہیں کی تو یہ بھی اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے جملہ مذاہب عالم میں سے اس مسئلہ کے متعلق ایک حد مقرر کی۔ انجیل متی ۲۵ باب کو شروع سے پڑھ کر دیکھو۔ جس میں ایک دلہا کے ساتھ دس کنواریوں کی شادی کا ذکر ہے۔ جن میں ۵ تو دلہا کے ساتھ گئیں اور ۵ اپنی نادانی سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔ یہ تمثیل کثرت زوجات کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دو، تین، چار تک اجازت دے کر پھر یہ فرمایا گیا ہے ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾ (٤/ النساء:٣) ''اگر یہ اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں کے لیے عدل نہ کرسکو گے تب صرف ایک بیوی کرنا۔'' پھر یہ بھی فرمادیا ﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ﴾ (٤/ النساء: ١٢٩) ''تم کبھی اپنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کرسکو گے اگرچہ تم خود بھی ایسا کرنا چاہو۔'' پس یہ اسلام ہی ہے جس نے دنیا کی تمام مذہبی کتابوں سے پیشتر ''تب صرف ایک بیوی کے الفاظ کو قانونی اور حکمی طور پر بیان کیا ہے۔ اسلام کے لیے یہی فخر اور فضل کافی ہے۔ کتاب ہذا کے موضوع سے یہ زائد ہے کہ یہاں ایک سے زیادہ بیوی کے جواز پر عقلی و نقلی دلائل بیان کیے جائیں۔ لیکن مختصراً اس جگہ اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ جب قومی عزت و وقار کا حصہ کثرت آبادی پر ہو تب اس وقت قومی عزت کے لیے ایک سے زیادہ بیوی کرنا ضروری ہو جاتا ہے گویا ذاتی آرام ایک سے زیادہ بیوی کرنے میں نہیں رہا۔ لیکن دنیا کے عقل مند جانتے ہیں کہ مبارک وہ ہیں جو قوم کے لیے اپنے آپ کی قربانی کردیتے ہیں۔

❷ لفظ ''طلاق'' سے بھی یورپین مصنفین بہت برہم ہوا کرتے ہیں۔ وہ یہ امر فراموش کردیتے ہیں کہ جسٹس کوٹ میں طلاق کی کامل آزادی عیسائیوں کے لیے بحال رکھی گئی ہے۔ وہ یہ بھی فراموش کردیتے ہیں کہ آج دنیا میں صرف یورپ ہی ہے جہاں طلاق بکثرت دی جاتی ہے اور طلاق منظور کرنے کی عدالتیں جداگانہ یورپ ہی میں ہیں۔ اسلام نے تو یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب کی بے روک ٹوک طلاق پر بہت سی قیود بڑھادیں۔ جس سے طلاق کی رسم قریباً ملیامیٹ ہو گئی۔ (۱) مہر زوجہ طلاق کی روک ہے۔ طلاق شرعی تین ہیں۔ ہر ایک طلاق ایک حیض کے بعد ہونی چاہیے۔ یہ تین مہینے کی میعاد بھی طلاق کے لیے روک ہے۔ (۲) آخری طلاق تک خاوند، بیوی ایک گھر میں رہیں۔ یہ تدبیر بھی طلاق کی روک کے لیے ہے۔ (۳) طلاق پر دو گواہ ضروری ہیں اور یہ بھی اہل غیرت کے لیے جو غیر کے سامنے اپنا پردہ کھولنا نہیں چاہتے طلاق کی روک ہے۔ (۴) مطلقہ عورت پہلے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی۔ جب تک کوئی اور اس سے نکاح نہ کرلے اور پھر اتفاق وقت سے نہ چھوڑ دے۔ یہ سخت دشوار شرط بھی طلاق کے لیے روک ہے۔ (۵) سب سے بڑھ کر ((أَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللهِ الطَّلَاقُ)) (ابو داود، کتاب الطلاق، باب فی کراهية الطلاقة، حديث: ٢١٧٨) ''سے زیادہ طلاق کو روکنے والی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ ''جائز کاموں میں سب سے زیادہ قابل نفرت کام خدا کے نزدیک طلاق ہے۔'' (۶) قرآن مجید میں ہے: نبی ﷺ نے اپنے صحابی زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ ﴾ (٣٣/ الاحزاب: ٣٧) ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو (اور طلاق دینے میں) اللہ سے ڈر۔'' لیکن سارے قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں کہ کسی کو طلاق دینے کی بابت کہا گیا ہو۔ (۷) قرآن مجید نے ''ظہار'' کو لغو ٹھہرایا۔ حالانکہ عرب کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق تھی اس سے بھی طلاق کی کمی ہوگئی۔ (۸) قرآن مجید نے ''ایلاء'' کی اصلاح کی۔ حالانکہ عرب میں یہ بھی طلاق ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا۔ اور اس سے بھی طلاق میں کمی پیدا ہوئی۔

(۹) قرآن مجید نے لازم ٹھہرایا ہے کہ ناچاقی و بدسلوکی کی حالت میں ایک ثالث شخص شوہر کے کنبہ کا اور ایک شخص ثالث بیوی کے کنبہ کا مقرر کیے جائیں۔ اور یہ دونوں مل کر میاں بیوی کی شکایات سن کر ان میں اصلاح کرادیں۔ یہ تدبیر بھی طلاق کی روک کے لیے ہے۔ اگر کسی مذہب نے طلاق کی روک میں اتنی اور ایسی تدابیر کی تعلیم دی ہے تو وہ پیش کرے۔ ان احکام کا عملی نتیجہ دیکھو کہ مسلمانوں میں طلاق کا استعمال شاذ و نادر کیا جاتا ہے۔ لیکن یورپ میں جو عدم جواز طلاق کے مسئلہ پر مفتخر ہے۔ کوئی شہر، کوئی قصبہ، کوئی محلہ ایسا نہ ملے گا جہاں طلاق کی دو چار مثالیں نہ مل سکیں۔ (محمد سلیمان)

نہ ہوئے۔لیکن جو آواز انہوں نے قوم کے کانوں تک پہنچائی تھی وہ دلوں پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ قوم نے اپنے چند سرکردوں کو منتخب کیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں اس لیے بھیجا کہ اسلام کی نسبت پوری واقفیت حاصل کریں۔

یہ وفد ۹ ھ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تھا۔وفد کا سردار عبد یا لیل تھا۔جس کے سمجھانے کو نبی ﷺ کوہ طائف پر ۱۰ نبوت میں گئے تھے اور اس نے وعظ کے سننے سے انکار کر کے آبادی کے لڑکوں اور اوباشوں کو نبی ﷺ کی تضحیک وتحقیر کے لیے مقرر کر دیا تھا اور جس کے اشارہ سے طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے گئے، کیچڑ پھینکی گئی تھی۔

قوم کی عزت کا سبق

نبی ﷺ نے وہاں سے آتے ہوئے یہ فرما دیا تھا کہ میں ان کی بربادی کے لیے دعا نہیں کروں گا کیونکہ اگر یہ خود اسلام نہ لائیں گے۔تو ان کی آیندہ نسلوں کو خدا ایمان عطا کرے گا۔اب وہی دشمن اسلام خود بخود اسلام کے لیے اپنے دل میں جگہ پاتے اور دلی شوق وروحی طلب سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یہ (اہل ثقیف) میری قوم کے لوگ ہیں۔کیا میں انہیں اپنے پاس اتارلوں اور ان کی تواضع کروں؟

نبی ﷺ نے فرمایا:((لَا أَمْنَعُكَ أَنْ تُكْرِمَ قَوْمَكَ))''میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو۔لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو۔جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے۔''

الغرض ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگائے گئے۔جہاں سے یہ قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھتے بھی دیکھتے۔اس تدبیر سے ان کے دلوں پر اسلام کی صداقت کا اثر پڑا۔اور انہوں نے نبی ﷺ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کر لی۔انہوں نے بیعت سے پہلے یہ اجازت چاہی کہ ہم کو ترک نماز کی رخصت دی جائے۔نبی ﷺ نے فرمایا:((لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ))''جس میں نماز نہیں،اس میں کوئی بھی خوبی نہیں۔''پھر انہوں نے کہا۔اچھا ہمیں جہاد کے لیے نہ بلایا جائے۔اور نہ زکوۃ ہم سے لی جائے۔آنحضرت ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی۔اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔ [1]

عبد یا لیل نے جوان کا سردار تھا۔مختلف اوقات میں نبی ﷺ سے مندرجہ ذیل مسائل پر بھی گفتگو کی۔

ا: زنا حرام ہے

یارسول اللہ ﷺ زنا کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ہماری قوم کے لوگ اکثر وطن سے دور رہتے ہیں۔اس لیے زنا کے بغیر کچھ چارہ ہی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:زنا تو حرام ہے،اور اللہ پاک کا اس کے لیے یہ حکم ہے:

---

[1] سنن ابوداود، عن وهب وعثمان بن ابی العاص، کتاب الخراج، باب جاء فی خبر الطائف، حدیث: ٣٠٢٦، آنحضرت کے ہدی مبارک کو دیکھو کہ کس حکمت سے نو مسلموں پر شرائع اسلام کی تعلیم کا بار ڈالا کرتے تھے۔''دعوت اسلام''ص ۶۲ ھ میں ہے کہ والدیمیر زار روس مسلمان ہونے کو تیار تھا اس شرط پر کہ وہ شراب کا پینا ترک نہ کرے گا۔اس وقت کے عالم نے اس شرط کو قبول نہ کیا۔زار مذکور (جو بت پرستی سے متنفر ہو گیا تھا) مایوس ہو کر عیسائی بن گیا۔اگر اس عالم کو ہدی محمدی ﷺ سے واقفیت ہوتی تو آج سلطنت روس میں قریباً سب مسلمان ہوتے۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ ❶

''تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ تو سخت بے حیائی اور بہت برا طریق ہے۔''

۲: سود کا روپیہ لینا حرام ہے

یا رسول اللہ! سود کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو بالکل ہمارا ہی مال ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنا اصل روپیہ لے سکتے ہو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا ﴾ ❷

''اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے، وہ بھی چھوڑ دو۔''

۳: شراب کا استعمال حرام ہے

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمر (شراب) کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو ہمارے ہی ملک کا عرق ہے اور اسکے بغیر تو ہم رہ نہیں سکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ❸

''اے ایمان والو! شراب، جوا، انصاب و ازلام ناپاک اور گندے ہیں۔ شیطان کے کام ہیں ان سے بچا کرو' تا کہ فلاح پاؤ۔''

دوسرے روز اس نے آ کر کہا، خیر ہم آپ کی باتیں مان لیں گے لیکن ''رَبَّہ'' کو کیا کریں۔ (ربہ مؤنث ہے لفظ رب کا۔ جس دیوی کے بت کو یہ پوجا کرتے تھے، اسے ربہ کہا کرتے تھے)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے گرا دو۔

وفد کے لوگوں نے کہا: ''ہائے ہائے۔ اگر ربہ کو خبر ہو گئی کہ ہم اسے گرانا چاہتے ہیں تو وہ ہم لوگوں کو تباہ ہی کر ڈالے گی۔'' عمر بن خطاب نے کہا: ''افسوس ابن عبد یالیل تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ تو صرف پتھر ہی ہے۔ ابن عبد یالیل نے کھسیانہ ہو کر کہا، عمر رضی اللہ عنہ! ہم تجھ سے بات کرنے نہیں آئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اسے گرانے کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لیں کیونکہ ہم تو اسے کبھی نہیں گرانے کے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خیر میں گرا دینے والے کو بھی بھیج دوں گا۔'' ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اس شخص کو آپ ہمارے بعد روانہ کیجئے گا۔ وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔ ❹

---

❶ ۱۷/ بنی اسرائیل: ۳۲۔ ❷ ۲/ البقرة: ۲۷۸۔ ❸ ۵/ المائدہ: ۹۰۔

❹ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد یالیل جو طائف کا حکمران رئیس تھا ایک ہوشیار شخص تھا۔ وہ اپنے آپ کو جاہل قوم کا نشانہ بننے سے بچانے کے لیے بظاہر اعتراضات و سوالات کرتا تھا تا کہ قوم یہ نہ کہے کہ بحث مباحثہ کیے بغیر مسلمان ہو گیا۔ جاہلوں کے سمجھانے کی یہ بھی اچھی تدبیر ہے۔

الغرض یہ لوگ جتنے حاضر تھے' وہ مسلمان ہو کر وطن کو واپس چلے گئے۔ انہوں نے چلتے وقت کہا کہ ہمارے لیے کوئی امام مقرر کر دیجئے۔

ان ہی میں ایک شخص عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ تھا۔ جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ وہ قوم سے خفیہ خفیہ قرآن مجید اور احکام شریعت سیکھتا رہا تھا۔ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کبھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھ لیا کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ان کا امام مقرر فرما دیا۔

وفد نے راستہ میں یہ مشورہ کیا کہ اپنا اسلام چھپا کر پہلے قوم کو مایوس کر دینا چاہیے۔ جب یہ وطن پہنچ گئے، تو قوم نے پوچھا۔ کہو: کیا حال ہوا؟

وفد نے کہا: ہمیں ایک سخت خو، درشت گو شخص سے سابقہ پڑا جو ہمیں انہونی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ مثلاً لات وعزیٰ کو توڑ دینا، تمام سودی روپیہ کو چھوڑ دینا، شراب، زنا کو حرام سمجھنا قوم نے قسم کھا کر کہا ہم ان باتوں کو کبھی نہیں مانیں گے۔

وفد نے کہا: اچھا ہتھیاروں کو درست کرو، اور جنگ کی تیاری کرو۔ قلعوں کی مرمت کر لو۔ دو دن تک ثقیف اسی ارادے پر جمے رہے۔ تیسرے روز خود بخود ہی کہنے لگے۔

بھلا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم کیونکر لڑ سکیں گے۔ سارا عرب تو اس کی اطاعت کر رہا ہے۔ پھر وفد کے لوگوں سے کہا: جاؤ! جو کچھ بھی وہ کہتا ہے قبول کر لو۔

وفد نے کہا: اب ہم تم کو صحیح صحیح بتاتے ہیں۔ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویٰ میں اور وفا میں، رحم میں اور صدق میں، سب ہی سے بڑھ کر پایا۔ ہم تم سب کو اس سفر سے بڑی برکت حاصل ہوئی۔

قوم نے کہا: تم نے ہم سے یہ راز کیوں پوشیدہ رکھا اور ہم کو ایسے سخت غم والم میں کیوں ڈالا۔ وفد نے کہا: ہمارا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطانی غرور نکال دے۔ اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

چند روز کے بعد وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے اشخاص۔ بماتحتی خالد بن ولید پہنچ گئے۔ انہوں نے لات کے گرا دینے کی کارروائی کا آغاز کرنا چاہا۔ ثقیف کے سب مرد وزن، بوڑھے، بچے اس کام کو دشوار سمجھے ہوئے تھے۔ پردہ نشین عورتیں بھی یہ تماشا دیکھنے نکل آئی تھیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کے توڑنے کے لیے تیر چلایا۔ مگر اپنے زور میں خود ہی گر پڑے۔

یہ دیکھ کر ثقیف والے پکار اٹھے، خدا نے مغیرہ کو دھتکار دیا اور ربہ ❶ نے اسے قتل کر ڈالا۔ اب خوش ہو ہو کر کہنے لگے ''تم کچھ ہی کوشش کرو، مگر اسے نہیں گرا سکتے۔''

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خفا ہو کر کہا۔ ثقیف والو! تم بہت ہی بیوقوف ہو۔ یہ پتھر کا ٹکڑا کر بھی کیا سکتا ہے؟ لوگو! خدا کی عافیت کو قبول کرو اور اسی کی بندگی کرو۔

پھر مندر کا دروازہ بند کر کے مغیرہ نے اول اس بت کو توڑا اور پھر مندر کی دیواروں پر چڑھ گیا اور انہیں گرانا شروع کر دیا۔ باقی مسلمان بھی دیواروں پر جا چڑھے اور اس عمارت کا ایک ایک پتھر گرا کر چھوڑا۔

---

❶ ''ربہ'' دیوی کو کہا کرتے تھے۔

مندر کا پجاری کہنے لگا کہ مندر کی بنیاد انہیں ضرور غرق کر دے گی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو بنیاد بھی ساری کھود ڈالی اور اس طرح اس قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔ [1]

وفد عبد القیس کا حال

قبیلہ عبد القیس کا وفد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کس قوم سے ہو۔ عرض کیا قوم ربیعہ سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''خوش آمدید'' فرمایا۔

انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں ہم شہر حرام ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے صاف واضح طور پر سمجھا دیا جائے۔ جس پر ہم بھی عمل کرتے رہیں اور قوم کے باقی ماندہ اشخاص بھی۔

فرمایا: میں چار چیزوں پر عمل کرنے کا اور چار چیزوں سے بچتے رہنے کا حکم دیتا ہوں۔ جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اکیلے خدا پر ایمان لانا، اس سے مراد یہ ہے کہ (اس کی واحدانیت) "لا اله الا الله محمد رسول الله" کی شہادت ادا کرنا۔ (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) رمضان کے روزے اور مال غنیمت سے خمس نکالنا۔

چار چیزیں جن سے بچنے کا حکم ہے یہ ہیں:

(۱) دُبا (تونبا) (۲) حنتم (لاکھی برتن) (۳) نقیر (شراب کے لیے لکڑی کا ایک برتن) (۴) مزفت (قیر آلود برتن) ان باتوں کو یاد رکھو اور پچھلوں کو بتا دو۔ [2]

انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کو کیا معلوم ہے کہ نقیر کیا ہوتی ہے۔ فرمایا: جانتا ہوں۔ کھجور کے درخت میں زخم لگا کر عرق نکالتے اور اس میں کھجوریں ڈالا کرتے ہو۔ اس پر پانی ڈالتے ہو، اس میں جوش پیدا ہوتا ہے، جب جوش بیٹھ جاتا ہے، تب پیا کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ تم سے کوئی (اس نشہ میں) اپنے چچیرے بھائی کو قتل بھی کر ڈالے (عجیب بات یہ کہ اسی وفد میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے نقیر کے نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا تھا)۔ ان لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیسے برتن میں پانی پیا کریں۔ فرمایا: مشکوں میں۔ جن کا منہ باندھ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں چوہے بکثرت ہوتے ہیں اس لیے وہاں چمڑے کی مشکیں سالم نہیں رہ سکتی ہیں۔ فرمایا خواہ سالم ہی نہ رہیں۔

اسی وفد کے ساتھ جارود بن العلاء بھی آیا تھا۔ یہ مسیحی المذہب تھا۔ اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس وقت بھی ایک مذہب رکھتا ہوں۔ اگر ہم اسے چھوڑ کر آپ کے دین میں داخل ہو جائیں تو کیا آپ ہمارے ضامن بن سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! میں ضامن بنتا ہوں۔ کیونکہ جس مذہب کی میں دعوت دے رہا ہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے جس پر تم اب ہو۔

---

[1] زاد المعاد، فصل فی قدوم وفود العرب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج۳، ص:۵۹۹۔ [2] بخاری، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، کتاب المغازی، باب وفد عبد القیس، حدیث: ۴۳۶۸۔ اس قوم میں شراب بکثرت پی جاتی' بنائی جاتی' ذخیرہ رکھی جاتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت شراب کا حکم دیتے وقت ان ظروف کا استعمال بھی منع فرما دیا جن میں شراب پی جاتی یا رکھی جاتی تھی۔ جب قوم سے شراب کی عادت چھوٹ گئی' تب ان برتنوں کے استعمال سے ممانعت بھی دور کر دی گئی تھی۔ اس لیے مسلمان بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسی حکمت اور عمدگی سے تعلیم دیا کرتے تھے۔

جارود کے ساتھ اور بھی عیسائی مسلمان ہو گئے تھے۔ ❶

وفد بنی حنیفہ

بنو حنیفہ کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کی کوشش سے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی۔ یہ وفد مدینہ آ کر مسلمان ہوا تھا۔ اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ وہ مدینہ آ کر لوگوں میں کہنے لگا کہ اگر محمد ﷺ یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا تو میں بیعت کروں گا۔ نبی ﷺ نے یہ سنا۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک کھجور کی چھڑی تھی۔ فرمایا میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت نہیں لینا چاہتا۔

اگر وہ بیعت نہ کرے گا تو خدا اسے تباہ کرے گا۔ اس کا انجام خدا تعالیٰ نے مجھے دکھا دیا ہے۔ یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں۔ وہ مجھے ناگوار معلوم ہوئے۔ خواب ہی میں مجھے معلوم ہوا کہ انہیں پھونک سے اڑا دو۔ میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے میں خیال کرتا ہوں کہ ان سے مراد مسیلمہ صاحب یمامہ اور عنسی (صاحب صنعا) ہے۔ ❷

مسیلمہ کذاب نے اگرچہ رسالت کا دعویٰ کیا تھا مگر نبی ﷺ کو بھی رسول ﷺ تسلیم کرتا تھا۔ اس سے مدعا اس کا غالباً یہ تھا کہ اس علاقہ کے مسلمان مخالف نہ ہوں۔

۱۰ھ میں مسیلمہ اور نبی ﷺ میں یہ خط و کتابت بھی ہوئی تھی:

مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ لَنَا نِصْفُ الْأَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُهَا وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا لَا يُنْصِفُوْنَ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

''خدا کے رسول مسیلمہ کذاب کی طرف سے خدا کے رسول محمد ﷺ کے نام واضح ہو کہ نصف زمین ہماری اور نصف قریش کی ہے۔ مگر قریش انصاف نہیں کرتے۔ آپ پر سلام ہو۔''

نبی ﷺ نے جواب دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ إِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔

''اللہ کے نام سے جو کمال رحمت اور دائمی رحم والا ہے۔ خدا کے نبی محمد ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ وارث بناتا ہے اور عاقبت تو خدا ترس لوگوں کے لیے

---

❶ زاد المعاد، ج ۳، ص ۶۰۶ قصہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ صحیحین میں نہیں ہے۔ مختصراً حوالہ پچھلے صفحہ پر گزر چکا ہے۔

❷ بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفة، حدیث: ٤٣٧٣، ٤٣٧٤ ...... مسیلمہ اور عنسی' دو کذاب شخص گزرے ہیں۔ جنہوں نے نبی ﷺ کی دیکھا دیکھی نبوت کا دعویٰ کر لیا تھا۔ خدا نے دونوں کو تباہ کر دیا۔ کامیابی اور ابدی صداقت کی رفاقت اسی کو ملی جو خدا کا سچا رسول تھا۔ قرآن مجید میں پیش گوئی موجود ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (٦١/ الصف:٩)

''خدا نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایتوں اور صداقتوں کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ باقی سب مذہبوں کے اوپر ظہور پائے۔''

ہے۔ سلام ہو اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے۔'' (کتب ابی بن کعب ❶)

رسول اللہ ﷺ کا خط حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ کذاب نے ان کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کٹوا دیئے تھے۔ ❷

وفد طے کا بیان

قبیلہ طے کا وفد جس کا سردار زید الخیل تھا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے ہوئی وہ دیکھنے کے وقت اس سے کم ہی نکلا۔ ایک زید الخیل اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر اس کا نام زید الخیر رکھ دیا۔ یہ سب لوگ ضروری گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ ❸

وفد اشعریین کا حال

قبیلہ اشعریہ (جو اہل یمن تھے) کا وفد حاضر ہوا۔ ان کے آنے پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ''اہل یمن آئے، جن کے دل نہایت نرم اور ضعیف ہیں۔'' ❹

''ایمان یمنیوں کا ہے، اور حکمت یمنیوں کی، مسکنت بکریوں والوں میں، فخر اور غرور اونٹ والوں میں جو مشرق کی طرف رہتے ہیں۔'' ❺

جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غَدًا نَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَ حِزْبَهٗ

''کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمد ﷺ اور ان کے ساتھ والوں سے ملیں گے'' ❻

وفد ازد کا حال

یہ وفد سات شخصوں کا تھا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے ان کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہم مومن ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر ایک قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ بتاؤ کہ تمہارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

ایمان کی حقیقت

انہوں نے عرض کیا کہ ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں۔ پانچ وہ ہیں جن پر اعتقاد رکھنے کا اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم

---

❶ فتوح البلدان فی ذکر الیمامۃ۔ ❷ فتوح البلدان، بلاذری فی ذکر الیمامۃ، اس جگہ ناظرین کی اطلاع کے لیے اس قدر درج کر دینا ضروری ہے کہ مسیلمہ کذاب پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی تھی مسیلمہ وحشی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ وحشی وہی ہیں جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں یہ کہا کرتے تھے کہ ''اگر کفر میں' میں نے ایک عظیم الشان مسلمان کو مارا تھا تو اسلام میں آ کر ایک بڑے بھاری کافر کو بھی مارا ہے خدا نے میرے گناہ کی تلافی کر دی۔'' ❸ زاد المعاد، ۳/۶۱۶ زید الخیر شاعر' خطیب' بہادر زبان آور تھے ان کے دو بیٹے مکنف و حریث بھی صحابی ہیں۔

❹ بخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین واهل الیمن، حدیث: ٤٣٨٧۔

❺ بخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین واهل الیمن، حدیث: ٤٣٩٠۔

❻ زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦١٨ فصل فی قدوم وفد الأشعریین۔

آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے لوگوں نے دیا ہے۔ پانچ وہ ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں۔

عمل کی پندرہ باتیں

پانچ باتیں جن پر حضور ﷺ کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا یہ ہیں:

ایمان خدا پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔

پانچ باتیں عمل کرنے کی ہم کو بتائی گئی ہیں۔

لا الہ الا اللہ کہنا، پانچ وقت کی نمازوں کا قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت الحرام کا حج کرنا، جسے راہ کی استطاعت ہو۔ پانچ باتیں جو پہلے سے معلوم ہیں یہ ہیں، آسودگی کے وقت شکر کرنا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، قضائے الٰہی پر رضا مند ہونا، امتحان کے مقامات میں راست بازی پر قائم رہنا، اعدا کو شماتت (گالی) نہ دینا۔

پانچ اور باتیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنہوں نے ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم وعالم تھے اور ان کی دانش مندی سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا انبیا تھے، اچھا پانچ چیزیں اور بتا دیتا ہوں تا کہ پوری بیس خصلتیں ہو جائیں۔

(الف) وہ چیزیں جمع نہ کرو، جسے کھانا نہ ہو۔

(ب) وہ مکان نہ بناؤ، جس میں بسنا نہ ہو۔

(ج) ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو، جنہیں کل کو چھوڑ دینا ہو۔

(د) خدا کا تقویٰ رکھو، جس کی طرف لوٹ کر جانا اور جس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

(ہ) ان چیزوں کی رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گی، جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

ان لوگوں نے نبی ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔ [1]

فروہ بن عمرو الجذامی رضی اللہ عنہ کی سفارت آنے کا ذکر

عرب کا جتنا شمالی حصہ سلطنت قسطنطنیہ کے قبضہ میں تھا اس سارے علاقہ کا گورنر ''فروہ بن عمرو'' تھا۔ اس کا دارالحکومت معان تھا، فلسطین کا متصلہ علاقہ بھی اسی کی حکومت میں تھا۔

نبی ﷺ نے اسے نامہ مبارک (دعوت اسلام کا) بھیجا تھا۔ فروہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کے لیے سفید رنگ کا قیمتی خچر ہدیہ میں بھیجا تھا۔

جب بادشاہ قسطنطنیہ کو اس کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع ملی، تو اسے حکومت سے واپس بلا لیا۔ پہلے اسلام سے پھر جانے کی ترغیب دیتا رہا۔ جب فروہ رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا گیا۔ آخر یہ رائے ہوئی کہ اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ شہر فلسطین میں عفراء نامی تالاب پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ جب وہ پھانسی کے نیچے پہنچا تو اس نے یہ شعر پڑھے۔ [2]

---

[1] زاد المعاد، ص: ٥١٢۔ از کتاب معرفة الصحابة لابی نعیم المتوفی ٤٤٠ھ۔

[2] ان اشعار میں پھانسی کی پہیلی ہے۔ زاد المعاد، ج ٣، ص: ٦٤٦ فصل فی قدوم رسول فروة۔

أَلَا هَلْ أَتٰى سَلْمٰى بِأَنَّ خَلِيْلَهَا عَلٰى مَاءِ عَفْرَاءِ فَوْقَ إِحْدٰى الرَّوَاحِلِ
عَلٰى نَاقَةٍ لَمْ يَضْرِبِ الْفَحْلُ أُمَّهَا مُشَذَّبَةٌ أَطْرَافُهَا بِالْمَنَاجِلِ

جان دینے سے پیشتر یہ شعر بھی پڑھا۔

بَلِّغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِيْنَ بِأَنَّنِيْ سَلْمٌ لِرَبِّيْ أَعْظُمِيْ وَمَقَامِيْ

وفدِ ہمدان

یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا۔ ان میں اشاعت اسلام کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔ وہ وہاں چھ ماہ تک رہے۔ اسلام نہ پھیلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس قبیلہ میں اشاعت اسلام کے لیے مامور فرمایا۔ ان کے فیضان سے تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خط جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو سجدہ شکرانہ ادا کیا اور زبان مبارک سے فرمایا: ((أَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ)) (ہمدان کو سلامتی ملے)

یہ وفد انہی لوگوں کا تھا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے اور دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونے آئے تھے۔ مالک بن نمط نے مندرجہ ذیل اشعار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نہایت ذوق سے پڑھے تھے۔

إِلَيْكَ حَاوَزْنَ سَوَادَ الرِّيْفِ فِي هَبَوَاتِ الصَّيْفِ وَالْخَرِيْفِ
مُخَطَّمَاتٌ بِحِبَالِ اللِّيْفِ [1]

وفد طارق بن عبداللہ

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ کے ''سوق المجاز'' میں کھڑا تھا۔ اتنے میں ایک شخص وہاں آیا، جو پکار پکار کر کہتا تھا:
((يَآ أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا))
''لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے۔''

ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے پیچھے آیا، جو اسے کنکریاں مارتا تھا اور کہتا تھا۔
يَآ أَيُّهَا النَّاسُ لَا تُصَدِّقُوْهُ فَإِنَّهٗ كَذَّابٌ.
''لوگو! اسے سچا نہ سمجھو، یہ تو جھوٹا شخص ہے۔''

میں نے دریافت کیا کہ یہ کون کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بنی ہاشم میں سے ایک ہے جو اپنے آپ کو رسول اللہ سمجھتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا عبدالعزیٰ ہے (ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔) [2]

طارق کہتا ہے کہ اس کے بعد برسوں گزر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ جا رہے۔ اس وقت ہماری قوم کے چند لوگ جن میں، میں

---

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص: ۶۲۳ فصل فی قدوم وفد همدان۔ [2] اس واقعہ سے اندازہ کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی محنت اور صبر و استقلال سے قوموں کو توحید کی دعوت دی تھی۔ دشمن کہتے ہیں اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔

بھی تھا۔ مدینہ گئے تا کہ وہاں کی کھجوریں مول لائیں ۔ جب مدینہ کی آبادی کے متصل پہنچ گئے تو ہم اس لیے ٹھہر گئے کہ سفر کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے بدل کر شہر میں داخل ہوں گے۔

اتنے میں ایک شخص آیا۔ جس پر دو پرانی چادریں تھیں، اس نے سلام کے بعد پوچھا کہ کدھر سے آئے ہو، کدھر جاؤ گے؟ ہم نے کہا کہ ربذہ سے آئے ہیں اور یہیں تک قصد ہے۔ پوچھا مدعا کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ کھجوریں خرید کرنی ہیں۔

ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا جس کے مہار ڈالی ہوئی تھی۔

اس شخص نے کہا یہ اونٹ بیچتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں! اس قدر کھجوروں کے بدلے دے دیں گے۔ اس شخص نے یہ سن کر قیمت گھٹانے کی بابت کچھ بھی نہیں کہا اور مہارِ شتر سنبھال کر شہر کو چلا گیا۔ جب شہر کے اندر جا پہنچا۔ تو اب آپس میں لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ اونٹ ایسے شخص کو دے دیا جس سے ہم واقف تک نہیں اور قیمت وصول کرنے کا کوئی انتظام ہی نہ کیا۔

ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین (سردار قوم کی) عورت بھی تھی۔ وہ بولی کہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کے روشن حصہ جیسا تھا۔ اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کروں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا۔ کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور قیمت شتر کی کھجوریں بھیجی ہیں۔ (تمہاری ضیافت کی کھجوریں الگ ہیں) کھاؤ پیو اور قیمت کی کھجوروں کو ناپ کر پورا کرلو۔ جب ہم کھا پی کر سیر ہوئے تو شہر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہی شخص مسجد کے منبر پر کھڑا وعظ کر رہا ہے۔ ہم نے مندرجہ ذیل الفاظ آپ کے سنے۔ [1]

تَصَدَّقُوْا، فَإِنَّ الصَّدَقَةَ خَيْرٌ لَكُمْ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى أُمَّكَ وَ أَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ وَأَدْنَاكَ أَدْنَاكَ ۔

”لوگو! خیرات دیا کرو۔ خیرات کا دینا تمہارے لیے بہتر ہے۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ماں کو، باپ کو، بہن کو، بھائی کو، پھر قریبی کو اور دوسرے قریبی کو دو۔“

وفدِ تجیب

قبیلہ تجیب کے تیرہ شخص حاضر ہوئے تھے۔ یہ اپنی قوم کے مال مویشی کی زکوٰۃ لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے فقرا پر تقسیم کر دو۔ انہوں نے عرض کی۔

یا رسول اللہ ﷺ! فقرا کو دے کر جو بچ رہا ہے۔ ہم وہی لے کر آئے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان سے بہتر کوئی وفد اب تک نہیں آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہدایت خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہے، خدا جس کی بہبود چاہتا ہے اس کے سینہ کو ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦٥٠ فصل في قدوم وفد طارق بن عبداللہ۔ توحید کا سبق طارق نے مکہ میں اور اخلاق حسنہ کا سبق مدینہ میں پایا تھا اور بالآخر اپنی قوم سمیت مسلمان ہو گیا تھا۔

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا سوال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے تھے۔ ❶

یہ لوگ ''قرآن اور سنن ہدیٰ'' کے سیکھنے میں بہت ہی راغب تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی تواضع کے لیے خاص طور پر معین کر دیا تھا۔

یہ لوگ واپسی کی اجازت کے لیے بہت ہی اضطراب ظاہر کرتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ تم یہاں سے جانے کے لیے کیوں گھبراتے ہو؟

کہا: دل میں یہ جوش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے جو انوار ہم نے حاصل کیے۔ نبی اللہ کی گفتار سے جو فیوض ہم نے پائے اور جو برکات اور فوائد ہم کو یہاں آ کر حاصل ہوئے۔ ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو جلد پہنچائیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو عطیات سے سرفراز کیا اور رخصت فرمایا۔ پوچھا، کوئی شخص تم میں سے باقی بھی رہا ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں ایک نوجوان لڑکا ہے۔ جسے اسباب کے پاس ہم نے چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا اسے بھی بھیج دینا۔ وہ حاضر ہوا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے میری قوم کے لوگوں پر لطف و رحمت کی ہے۔ مجھے بھی کچھ مرحمت فرمائیے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟

کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میرا مدعا اپنی قوم کے مدعا سے الگ ہے۔

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اسلام کی محبت سے آئے ہیں اور صدقات کا مال بھی لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟

التماس دعا

کہا، میں اپنے گھر سے صرف اس لیے آیا تھا کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔ نبی ﷺ نے اس کے لیے یہی دعا فرما دی۔ ۱۰ھ کو جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ تو اس قبیلہ کے لوگ پھر حضور ﷺ سے ملے۔ نبی ﷺ نے پوچھا اس نوجوان کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس جیسا شخص کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور اس جیسا قانع کوئی سنا ہی نہیں گیا، اگر دنیا بھر کی دولت اس کے سامنے تقسیم ہو رہی ہو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ❷

وفد بنی سعد ہذیم

یہ قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ تھا۔ جس وقت یہ مسجد نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ نبی ﷺ ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر ہم کو کوئی کام بھی نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے ایک طرف ہو کر الگ بیٹھے رہے۔ جب آنحضرت ﷺ ادھر سے فارغ ہوئے۔ ان کو بلایا۔ پوچھا، کیا تم مسلمان ہو؟ انہوں

---

❶ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث رسول، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قلم بند نہیں کی گئیں۔ وہ اس واقعہ پر زیادہ غور کریں۔

❷ زاد المعاد، ج ۳، ص: ۶۵۱ فصل فی قدوم وفد تجیب۔ جو لوگ تبلیغ اسلام کی خدمت اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ انہیں اس نوجوان کے نمونہ پر عمل کرنا چاہیے۔

نے کہا: ہاں! فرمایا، تم اپنے بھائی کے لیے دعا میں کیوں شامل نہ ہوئے۔

آدمی اسلام لاتے ہی مسلمان ہو جاتا ہے

عرض کیا، ہم سمجھتے تھے کہ بیعت رسول ﷺ سے پہلے ہم کوئی کام بھی کرنے کے مجاز نہیں۔ فرمایا جس وقت تم نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے تم مسلمان ہو گئے ہو۔ اتنے میں وہ مسلمان بھی آ پہنچا جسے یہ لوگ اپنی سواریوں کے پاس بٹھا آئے تھے، وفد نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہم سے چھوٹا ہے اور اسی لیے ہمارا خادم ہے۔ فرمایا: ہاں!

((أَصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ)) (چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے) خدا اسے برکت دے۔ اس دعا کی یہ برکت ہوئی کہ وہی قوم کا امام اور قرآن مجید کا قوم میں سب سے اچھا جاننے والا ہو گیا۔ جب یہ وفد لوٹ کر وطن گیا تو تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ [1]

وفد بنو اسد

یہ دس شخص تھے جن میں وابصہ بن معبد اور طلحہ بن خویلد بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ اصحاب کے ساتھ اندر مسجد میں تشریف فرما تھے ان میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم شہادت دیتے ہیں کہ خدا اکیلا ہے، لاشریک ہے اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دیکھیے یا رسول اللہ ﷺ! ہم از خود حاضر ہو گئے ہیں اور آپ نے تو ہمارے پاس کوئی آدمی بھی نہ بھیجا۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [2]

"یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ، بلکہ خدا تم پر اس بات کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے بھی ہو۔"

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی!
منت شناس زو کہ بخدمت بداشتت

پھر ان لوگوں نے سوال کیا کہ جانوروں کی بولیوں اور شگونوں وغیرہ سے فال لینا کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے انہیں منع فرمایا۔

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ایک بات باقی رہ گئی ہے، یعنی خط کشی (رمل) اس کی بابت کیا ارشاد ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا تھا، جس کسی کو صحت سے وہ علم مل گیا۔ بے شک وہ تو علم ہے۔ [3]

وفد بھراء

یہ لوگ مدینے میں آئے۔ مقداد رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے آ کر اونٹ بٹھائے، مقداد رضی اللہ عنہ نے گھر والوں سے کہا کہ ان کے لیے کچھ کھانا تیار کرو اور خود ان کے پاس گئے اور خوش آمدید کہہ کر اپنے گھر لے آئے۔ ان کے سامنے "حیس" رکھا گیا، حیس ایک

---

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦٥٢ فصل في قدوم وفد بني سعد۔ [2] ٤٩/ الحجرات: ١٧۔ [3] زاد المعاد، ج ۳ ص: ٦٥٥۔

کھانا ہے جو کھجور اور ستو ملا کر گھی میں تیار کیا جاتا ہے۔ گھی کے ساتھ کبھی چربی بھی ڈال دیا کرتے ہیں۔

طعام میں برکت

اسی کھانے میں سے کچھ نبی ﷺ کے لیے مقداد رضی اللہ عنہ نے بھیجا۔ نبی ﷺ نے کچھ کھا کر وہ برتن واپس فرما دیا۔ اب مقداد رضی اللہ عنہ ❶ دونوں وقت وہی پیالہ ان مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ مزے لے لے کر کھایا کرتے، خوب کھایا کرتے مگر کھانا کم نہ ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر ایک روز اپنے میزبان سے پوچھا:

مقداد رضی اللہ عنہ! ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والوں کی خوراک ستو جو، وغیرہ ہیں۔ تم تو ہمیں ہر وقت وہ کھانا کھلاتے ہو جو ہمارے ہاں بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جو ہر روز ہم کو میسر بھی نہیں آ سکتا اور پھر ایسا لذیذ کہ ہم نے کبھی ایسا کھایا بھی نہیں۔

مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا صاحبو! یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے، کیونکہ اسے آنحضرت ﷺ کی انگشت ہائے مبارک لگ چکی ہیں۔

یہ سنتے ہی سب نے باتفاق کہا اور اپنا ایمان تازہ کیا کہ بے شک ''وہ اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ لوگ مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے، قرآن اور احکام سیکھے اور واپس چلے گئے۔ ❷

وفد عذرہ کا بیان

بماہ صفر ۹ ھ یہ وفد حاضر ہوا تھا۔ ۱۲ شخص اس میں تھے۔ ان میں حمزہ بن نعمان بھی تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بنی عذرہ ہیں، اور قصی کے (ماں کی طرف سے) بھائی ہیں، ہم نے ہی قصی کو ترقی دلائی اور خزاعہ و بنی بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ اس لیے ہم کو قرابت بھی حاصل ہے اور نسبت بھی۔ آنحضرت نے مرحبا و خوش آمدید فرمایا۔

اور یہ بھی بشارت سنائی کہ عنقریب شام فتح ہو جائے گا، ہرقل ان کے علاقہ سے بھاگ جائے گا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کاہنوں سے جا کر سوال نہ کیا کریں اور جو قربانیاں وہ کیا کرتے ہیں آیندہ نہ کریں۔ اب صرف عید الاضحیٰ کی قربانی باقی رہ گئی۔ یہ لوگ کچھ دن مدینہ طیبہ میں رہے اور پھر انعام و جائزہ سے مشرف ہو کر رخصت ہوئے۔ ❸

وفد خولان

یہ دس شخص تھے۔ جو بماہ شعبان ۱۰ ھ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے آ کر عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کے پسماندگان کی جانب سے وکیل ہو کر آئے ہیں۔ خدا اور رسول ﷺ پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کا ہم پر احسان ہے۔ یہاں محض زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ مقداد بن عمرو بن ثعلبہ قوم کندہ سے ہیں بوجہ تبنیت قرشی الزہری کہلاتے تھے' نجبائی رسول اور فضلائے صحابہ میں سے ہیں ۳۵ ھ میں بعمر ۷۰ سال وفات پائی' مدینہ میں دفن ہوئے۔ ❷ زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٥٦۔

❸ زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٥٧ فصل في قدوم وفد عذرة۔

((مَنْ زَارَنِی بِالْمَدِیْنَۃِ کَانَ فِیْ جَوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ))

''جس نے مدینہ میں آ کر میری زیارت کی، وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا۔'' ❶

پھر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: عم انس کا کیا ہوا؟ (یہ ایک بت کا نام ہے، جو اس قوم کا معبود تھا) وفد نے عرض کیا۔ ہزار شکر ہے کہ اللہ نے حضور ﷺ کی تعلیم کو ہمارے لیے اس کا بدل بنا دیا ہے بعض بوڑھے اور بوڑھی عورتیں رہ گئی ہیں، جو اس کی پوجا کیے جاتی ہیں۔

اب ان شاء اللہ ہم اسے جا کر گرا دیں گے۔ ہم مدتوں دھوکے اور فتنے میں رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی دن کا واقعہ تو سناؤ۔

وفد نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ہم نے سو نر گاؤ جمع کیے اور وہ سب کے سب ایک ہی دن عم انس کے لیے قربان کیے گئے اور درندوں کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ حالانکہ ہم کو گوشت اور جانوروں کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔

انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ چوپایوں اور زراعت میں سے عم انس کا حصہ برابر نکالا جاتا تھا۔ جب کوئی زراعت کرتا تو اس کا وسطی حصہ عم انس کے لیے مقرر کرتا۔ اور ایک کنارے کا خدا کے نام مقرر کر دیتا۔ اگر کھیتی کو ہوا مار جاتی تو خدا کا حصہ تو عم انس کے نام کر دیتے مگر عم انس کا حصہ خدا کے نام پر نہ کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرائض دین سکھائے اور خصوصیت سے ان باتوں کی نصیحت فرمائی۔

نبی ﷺ کی تعلیم کا نمونہ (چند نصیحتیں)

(۱) عہد کو پورا کرنا۔

(۲) امانت کا ادا کرنا۔

(۳) ہمسایہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔

(۴) کسی ایک شخص پر بھی ظلم نہ کرنا۔ یہ بھی فرمایا کہ ظلم (قیامت) کے دن تاریکی ہوگا۔ ❷

وفد محارب

یہ دس اشخاص تھے، جو قوم کے وکیل ہو کر ۱۰ ھ میں آئے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ ان کی مہمانی کے لیے مامور تھے۔ صبح و شام کا کھانا وہی لایا کرتے تھے۔ ایک روز ظہر سے عصر تک کا پورا وقت نبی ﷺ نے انہیں کو دیا۔ ان میں سے ایک شخص کو نبی ﷺ نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے تم کو پہلے بھی دیکھا ہے۔

یہ شخص بولا: خدا کی قسم! ہاں حضور ﷺ نے مجھے دیکھا بھی تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی اور میں نے بدترین کلام سے حضور ﷺ کو جواب دیا۔ اور بہت بری طرح حضور ﷺ کے کلام کو رد کیا تھا۔ یہ بازار عکاظ کا ذکر ہے۔ جہاں حضور ﷺ لوگوں کو سمجھاتے پھرتے تھے۔

---

❶ سنن بیہقی، حدیث: ٤١٥٢۔ ❷ زاد المعاد، ج ٣، ص: ٦٦٢، ٦٦٢ فصل فی قدوم وفد خولان۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! ٹھیک ہے۔

اس شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور ﷺ کی مخالفت کرنے والا اور اسلام سے دور دور رہنے والا نہ تھا۔

وہ سب تو اپنے آبائی مذہب پر ہی مر گئے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آج تک باقی رکھا اور حضور ﷺ پر ایمان لانا مجھے نصیب ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب کے دل خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہیں۔ اس شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میری پہلی حالت کے لیے معافی کی دعا فرمائیے۔

اسلام سب پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام ان سب باتوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر میں ہوئی ہوں۔ [1]

وفد غسان کا حال رمضان ۱۰ھ

قبیلہ غسان کے تین شخص ۱۰ھ میں نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی قوم کی ہدایت کا ارادہ کر کے واپس گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اشاعت اسلام میں کامیابی نہ ہوئی، ان میں سے دو پہلے وفات پا چکے تھے اور ایک اس وقت تک زندہ رہا، جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے شام کو فتح کیا تھا۔ [2]

وفد بنی الحارث

یہ وفد شوال ۱۰ھ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ ان کے علاقہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اشاعت اسلام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ان کی تعلیم سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں اطلاع بھیج دی اور خود ان کی تعلیم کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔ نبی ﷺ نے لکھ بھیجا کہ تم واپس آ جاؤ اور اس قوم کے چند سرکردہ لوگوں کو بھی ساتھ لاؤ۔ اسی وفد میں قیس بن الحصین اور عبداللہ بن فراد وغیرہ تھے۔

نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: کیا وجہ ہے کہ جاہلیت میں جس کسی نے تم سے جنگ کی وہ مغلوب ہی ہوا؟

مغلوب نہ ہونے کی باتیں

انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہم خود کسی پر چڑھ کر نہیں جاتے۔ جب لڑائی کے لیے جمع ہو جاتے ہیں تو پھر متفرق نہیں ہوتے۔ اپنی طرف سے ظلم کی ابتدا نہیں کرتے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: سچ ہے، یہی وجہ ہے۔ [3]

---

[1] زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٦٤ فصل فی قدوم وفد محارب۔

[2] زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٦٩ فصل فی قدوم و فدغسان۔

[3] زاد المعاد، ج۳: ص: ٦٢١، ٦٢٢ فصل فی قدوم و فد بنی الحارث۔

وفد بنی عیش کا حال (ہجرت کی بابت فیصلہ)

یہ وفد انتقال مبارک سے چار ماہ پیشتر آیا تھا۔ یہ علاقہ نجران کے باشندے تھے یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم نے منادانِ اسلام سے سنا ہے کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

((لَا إِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهُ))

ہمارے پاس زر و مال بھی ہے اور مویشی بھی، جن پر ہماری گزران ہے، پس اگر ہجرت کے بغیر ہمارا اسلام ہی ٹھیک نہیں، تو مال و متاع ہمارے کیا کام آئیں گے۔ اور مویشی ہمیں کیا فائدہ دیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم سب کچھ فروخت کر کے سب کے سب خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِتَّقُوا اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتُمْ فَلَنْ يَلِتَكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا))

''تم جہاں آباد ہو، وہیں رہ کر خدا ترسی کو اپنا شیوہ بنائے رکھو۔ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آنے کی۔'' [1]

اس جواب میں نبی ﷺ نے یہ بتا دیا ہے کہ سب مسلمانوں کو مرکز اسلام میں جمع ہو کر اسلامی رقبہ کو محدود و تنگ کر لینا مناسب نہیں۔ مسلمانوں کو مختلف و دور دست ملکوں میں پہنچنا، اور اسلام کی دعوت کو پہنچانا چاہیے۔ جو لوگ اب ترک وطن کر کے اسلامی ملکوں میں جا بسنے کو بہتر سمجھتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کرنا آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے اور صوابدید مذہب کے بھی خلاف ہے۔

وفد غامد کا بیان

یہ وفد ۱۰ھ میں آیا تھا۔ اس میں دس آدمی تھے۔ یہ مدینہ سے باہر اترے ایک لڑکے کو بٹھا کر، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے پوچھا کہ تم اسباب کے پاس کسے چھوڑ کر آئے ہو۔ لوگوں نے کہا: ایک لڑکے کو۔ فرمایا: تمہارے بعد وہ سو گیا۔ ایک شخص آیا۔ خورجی چرا کر لے گیا۔ ایک شخص بولا، یارسول اللہ ﷺ! خورجی تو میری تھی۔ فرمایا، گھبراؤ نہیں۔ وہ لڑکا اٹھا۔ چور کے پیچھے پیچھے بھاگا، اسے جا پکڑا۔ سب اسباب صحیح سالم مل گیا ہے۔

یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت سے جب واپس پہنچے تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی طرح اس کے ساتھ یہ ماجرا ہوا تھا۔ یہ لوگ اسی امر پر مسلمان ہو گئے۔ نبی ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا کہ انہیں قرآن یاد کرائیں اور شرائع اسلام سکھائیں۔ جب وہ واپس جانے لگے تو انہیں شرائع اسلام ایک کاغذ پر لکھوا کر دے دیے گئے۔ [2]

وفد بنی فزارہ

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو بنی فزارہ کا ایک وفد جس میں دس پندرہ آدمی شامل تھے۔ خدمت مبارک

---

[1] زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٧٠ فصل فی قدوم وفد بنی عبس۔

[2] زاد المعاد، ج۳، ص: ٦٧١ فصل فی قدوم وفد غامد۔

میں حاضر ہوا۔ ان کو اسلام کا اقرار تھا۔ ان کی سواری میں لاغر، کمزور اونٹ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری بستیوں کا کیا حال ہے؟

ایک نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بستیوں میں قحط ہے، مویشی مر گئے۔ باغ خشک ہو گئے، بال بچے بھوکے مر رہے ہیں، آپ خدا سے دعا کریں کہ ہماری فریاد سنے، آپ ہماری سفارش خدا سے کریں، خدا ہماری سفارش آپ سے کرے۔

خدا کسی کی شفاعت نہیں کرتا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خدا ان باتوں سے پاک ہے، خرابی ہو تیرے لیے۔ بھلا میں تو خدا کے پاس شفاعت کروں گا، لیکن خدا کس کے پاس شفاعت کرے؟ وہ معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب سے بزرگ تر ہے، آسمانوں اور زمین پر اسی کا حکم ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم میں بارش کے لیے دعا فرمائی۔ جو الفاظ کہ محفوظ ہیں وہ یہ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا طَبَقًا وَاسِعًا عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ۔ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍ۔ اَللّٰهُمَّ سُقْيَا رَحْمَةٍ لَا سُقْيَا عَذَابٍ وَلَا هَدْمٍ وَلَا غَرَقٍ۔ وَلَا مَحَقٍ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْأَعْدَاءِ))

''اے خدا! اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب کر، اپنی رحمت کو پھیلا دے، اور اپنی مردہ بستیوں کو زندہ کر دے، الٰہی ہم پر فریاد رس بارش جو راحت رساں، آرام بخش ہو، جلد آئے، دیر نہ لگائے، نفع پہنچائے، ضرر نہ کرے۔ سیراب کر دے، الٰہی ہم کو رحمت سے سیراب کر دے، نہ عذاب و ہدم و غرق و محق سے بھر دے۔ الٰہی بارش باراں سے ہمیں، سیراب کر دے۔ اور دشمنوں پر ہم کو نصرت عطا فرما۔'' ❶

وفد سلامان (شوال ۱۰ھ)

یہ سات شخص تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے۔ انہی میں حبیب بن عمرو تھا۔ انہوں نے سوال کیا تھا کہ سب اعمال سے افضل کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا۔''

ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے زبان سے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ فِيْ دَارِهِمْ))

حبیب نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ان مبارک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمائیے۔ نبی ﷺ مسکرائے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کر دی۔''

جب یہ وفد اپنے وطن لوٹ کر گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی تھی جس دن نبی ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔ ❷

---

❶ زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦٥٣ فصل فی قدوم بنی فزارۃ۔

❷ زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦٧٠ فصل فی قدوم وفد سلامان۔

وفد نجران

ان جملہ روایات پر جو وفد نجران کے عنوان کے تحت دواوین احادیث میں پائی جاتی ہیں۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیانِ نجران کے معتمد دو دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے،اس لیے اسی ترتیب سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابوعبداللہ حاکم کی روایت [1] (عن یونس بن بکیر) میں ہے کہ نبی ﷺ نے اہل نجران کو دعوت اسلام کا خط تحریر فرمایا تھا۔

جب اسقف نے اس خط کو پڑھا تو اس کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور وہ کانپ اٹھا۔اس نے فوراً شرحبیل بن وداعہ کو بلایا۔یہ قبیلہ ہمدان کا شخص تھا۔کوئی بڑا کام بغیر اس کی رائے کے حاکم یا مشیر یا پادری طے نہیں کیا کرتے تھے۔

اسقف نے اسے خط دیا اور اس نے پڑھ لیا،تو۔۔۔۔

اسقف بولا:ابومریم!فرمایئے!آپ کی کیا رائے ہے؟

شرحبیل نے کہا:''صاحب!یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل [2] میں نبوت بھی ہوگی۔ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو،لیکن نبوت کے متعلق میری کیا رائے ہو سکتی ہے؟کوئی دنیوی بات ہوتی تو میں اس پر پورا غور کر سکتا اور اپنی رائے عرض کر سکتا تھا۔اسقف نے کہا:''اچھا بیٹھ جایئے۔''

اسقف نے پھر ایک دوسرے شخص کو جس کا نام عبداللہ بن شرحبیل تھا اور قوم حمیر سے تھا بلایا اور نامۂ نبوی ﷺ دکھا کر اس کی رائے دریافت کی۔اس نے شرحبیل کا سا جواب دیا۔

اسقف نے پھر ایک تیسرے شخص حبار بن قیس کو بلایا۔یہ بنو الحارث بن کعب میں سے تھا۔نامہ دکھایا اور رائے دریافت کی۔اس نے بھی ان دونوں کا سا جواب دیا۔

جب اسقف نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی جواب نہیں دیتا۔تو اس نے حکم دیا کہ گھنٹے بجائے جائیں اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکائے جائیں۔ان کا دستور تھا کہ اگر کوئی عظیم مہم درپیش ہوتی تو لوگوں کے بلانے کا طریقہ دن کے لیے یہ تھا کہ گھنٹے بجاتے اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکا دیتے اور رات کے لیے یہ تھا کہ گھنٹے بجاتے اور پہاڑی پر آگ روشن کر دیتے۔اس گرجے کے متعلق تہتر گاؤں تھے۔جن میں ایک لاکھ سے زیادہ جنگجو مردوں کی آبادی تھی۔وادی کے بالائی اور نشیبی حصہ کا طول ایک

---

[1] زاد المعاد: ۳/ ۶۲۹۔ [2] اولاد اسمٰعیل میں نبوت ہونے کی بابت بائیبل کی کتابوں میں بہت سے حوالے ملتے ہیں۔اول:یہ کہ اسحٰق اور اسمٰعیل علیہما السلام سے خدا نے برابر کے وعدے کیے تھے۔دوم:۔یہ کہ عرب میں پیدا ہونے والے نبی کے نشانات اور علامات کی پیش گوئیاں بہت سے انبیا نے کی ہیں اور چونکہ عرب میں صرف اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہی آباد ہوئی تھی اس لیے ان پیش گوئیوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی موعود اسماعیلی ہوگا۔سوم:۔موسیٰ علیہ السلام کی بیان کردہ پیش گوئی اس بارہ میں بہت واضح ہے درس ۱۸ میں......''ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا' اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔'' کتاب استثناء باب ۱۸۔یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب کتاب' صاحب شریعت' صاحب جہاد' مہاجر و غازی ہیں اور منہ میں کلام سے مطلب وحی کے اصل الفاظ کا محفوظ رہنا ہے' یہ خصوصیت صرف قرآن مجید ہی کی ہے' بائیبل کے مجموعہ میں سے کسی کتاب کو یہ درجہ حاصل نہیں کہ اس کے الفاظ بھی اصلی محفوظ رہے ہوں۔اس پیش گوئی کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی دوسری پیش گوئی بھی پڑھو۔''خداوند سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔اس کے ہاتھ میں شریعت روشن ہے۔ ملائکہ کے لشکر کے ساتھ آیا ہے۔''اس میں فاران کا پتہ درج ہے جو مکہ کا نام ہے۔شرحبیل نے انہی حوالہ جات کا خیال کر کے مندرجہ بالا فقرہ استعمال کیا تھا۔

اسپ سوار کے ایک دن کی راہ تھا۔ جب کل علاقہ کے یہ لوگ (سب کے سب عیسائی تھے) جمع ہو گئے تو اسقف نے وہ نامہ مبارک سب کو سنایا اور رائے دریافت کی۔ مشورہ کے بعد قرارداد یہ ہوئی کہ شرحبیل اور عبداللہ اور حبار کو نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا جائے۔ وہ وہاں کے سب حالات معلوم کر کے مفصل بتائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت

یہ لوگ مدینہ پہنچے اور چند روز نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق گفتگو بھی کی۔ اسی گفتگو پر ان آیات کا نزول ہوا:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ ﴾ [1]

''عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک آدم کی سی ہے خدا نے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا کہ (انسان زندہ) بن جا۔ وہ زندہ ہو گیا سچی بات تیرے پروردگار کی جانب سے یہی ہے اب تم اس رسی کو لمبا کھینچنے والوں میں نہ رہو اور جو کوئی تم سے اس علم کے بعد جھگڑا کرے۔ اسے کہہ دو! کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں تم اپنی اولاد کو بلاؤ، اسی طرح ہماری عورتیں اور تمہاری عورتیں ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر خدا کی طرف متوجہ ہوں۔ اور خدا کی لعنت جھوٹے پر ڈالیں۔''

ان آیات کے نزول پر نبی ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھی بلایا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا (سیدۃ نساء العالمین) بھی باپ کی پس پشت آ کھڑی ہو گئیں [2]

ان عیسائیوں نے علیحدہ ہو کر بات چیت کی۔ شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔ دیکھو تمام وادی کے لوگ اکٹھے ہوئے، تب انہوں نے ہم کو بھیجا تھا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بادشاہ ہے، تب بھی اس سے مباہلہ کرنا ٹھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ تمام عرب میں سے ہم ہی اس کی نگاہ میں کھٹکتے رہیں گے۔ اور اگر یہ نبی ﷺ مرسل ہے، تب تو اس کی لعنت کے بعد ہمارا پرکاہ بھی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ اس لیے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہم اس کی ماتحتی قبول

---

[1] ۳/آل عمران: ۵۹، ۶۰، ۶۱۔ عیسائیوں کی تعلیم اور مقولہ ہے کہ تثلیث کو بلا دلیل مان لینا چاہیے۔ قرآن کریم نے اول دلیل دی کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو اس سے وہ خدا یا فرزند خدا نہیں ہو سکے، دیکھو آدم بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے چونکہ یہ یقین تھا کہ دلیل کارگر نہ ہو گی، اس لیے بحث کے لیے ایک اچھوتا پہلو نکالا۔ یعنی خدا سے دعا مانگنا اور جھوٹے پر لعنت برسانا یہ ظاہر ہے کہ اگر مسیح علیہ السلام خدا یا ابن خدا ہیں تو ایسے لوگوں کی ضرور حمایت کریں گے، جو ان کا اصل درجہ دنیا پر ظاہر کر رہے ہیں لیکن اگر یہ غلط ہے تو خدا خود فیصلہ فرما دے گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ مباہلہ صرف توحید کے اثبات اور استحکام کے لیے نکالا ہے جب کہ باب استدلال بند ہو، یہ لازم نہیں کہ ذرا ذرا سے اختلافات کو ہم مباہلہ سے طے کرانے کے خواہش مند ہوں۔

[2] دیگر روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی بھی درج ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل علی حدیث: ۳۲/ ۲۴۰۴۔ ان کے جمع کرنے سے مقصد عیسائیوں کو دکھا دینا تھا کہ ہم ابھی مباہلہ کو تیار ہیں۔ گو ان کی زن و فرزند اس وقت مدینہ میں نہ تھے۔

کریں اور رقم جزیہ کا فیصلہ بھی اسکی رائے پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ جہاں تک میں نے سمجھا ہے یہ سخت مزاج نہیں ہے۔ دونوں ساتھیوں نے اتفاق کیا۔ اور انہوں نے جا کر عرض کر دیا کہ مباہلہ سے بہتر ہمارے لیے یہ ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ کے خیال میں کل صبح تک ہمارے لیے بہتر معلوم ہو، وہ ہم پر مقرر کر دیا جائے۔

اگلے روز حضرت نے ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ اور ایک معاہدہ جسے مغیرہ صحابی نے لکھا تھا اور ابوسفیان بن حرب، غیلان بن عمرو، مالک بن عوف، اقرع بن حابس صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادات اس پر ثبت تھیں۔ انہیں مرحمت فرمایا معاہدہ کا ایک فقرہ خاص طور پر ناظرین کے لیے ملاحظہ طلب ہے، کہ آنحضرت ﷺ عیسائیوں کو کیسی فیاضی سے مراعات وحقوق مرحمت فرماتے تھے:

((لِنَجْرَانَ جَوَارُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَعَشِيْرَتِهِمْ وَتَبِعِهِمْ وَأَنْ لَا يُغَيِّرُوْا مِمَّا كَانُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِهِمْ وَلَا مِلَّتِهِمْ وَلَا يُغَيَّرُ كُلُّ مَا تَحْتَ أَيْدِيْهِمْ مِنْ قَلِيْلٍ أَوْ كَثِيْرٍ وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ رِبِيَّةٌ وَلَا دَمَ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا يُحْشَرُوْنَ وَلَا يُعْشَرُوْنَ وَلَا يَطَأُ أَرْضَهُمُ الْجَيْشُ)) ...... الخ [1]

''نجران والوں کو خدا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت حاصل ہو گی جان اور مذہب اور زمین اور جائیداد کے متعلق ان سب کو جو حاضر یا غائب ہیں صاحب قبلہ ہیں یا اتباع کرنے والے ہیں ان کی حالت میں اور حقوق میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے، اسے نہ بدلا جائے گا۔ پچھلے زمانہ کے شبہات یا قتل کے تنازعات کے باعث ان پر مقدمات نہ چلائے جائیں گے۔ وہ بیگار میں نہ پکڑے جائیں گے۔ ان سے دہ یکی (عشر) نہ لی جائے گی، ان کے علاقہ سے فوج نہ گزرے گی۔''

فرمان حاصل کر کے یہ لوگ نجران کو واپس چلے گئے۔ بشپ (اسقف) اور دیگر سر برآوردہ لوگوں نے ایک منزل آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی۔ ڈیپوٹیشن نے یہ فرمان اسقف کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ چلتے چلتے ہی اس فرمان کو پڑھنے لگا۔ اس کا چچیرا بھائی بشر بن معاویہ جس کی کنیت ابوعلقمہ تھی، اس کے برابر تھا (وہ بھی اس تحریر کے معنی کی طرف اس قدر متوجہ ہوا کہ بے خیال ہو گیا) اور اونٹنی نے اسے زمین پر گرا دیا۔ اس نے گرتے ہی کہا۔ ''خرابی ہو اس شخص کی، جس نے ہم کو اس قدر تکلیف میں ڈالا ہے۔''

بشر نے یہ اشارہ نبی ﷺ کی طرف کیا تھا۔

اسقف بولا۔ دیکھ تو کیا کہتا ہے۔ ''بخدا وہ تو نبی مرسل ﷺ ہے۔''

بشر نے جواب دیا۔ بخدا! اب میں بھی ناقہ کا پالان اسی کے پاس جا کر اتاروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا رخ بدل دیا اور مدینہ کو چل پڑا۔

اسقف نے اس کے پیچھے پیچھے ناقہ کو لگایا، چلا چلا کر کہتا تھا کہ میری بات تو سنو۔ میرا مطلب تو سمجھو میں نے یہ فقرہ اس لیے کہا تھا کہ ان قبائل میں مشتہر ہو جائے۔ تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے اس سند کے حاصل کرنے میں کوئی حماقت کی ہے یا فیاضی قبول کر لی ہے۔ حالانکہ دیگر قبائل نے اب تک اس کی فیاضی کو قبول نہیں کیا ہے اور ہماری طاقت اور شوکت اوروں سے بڑھ کر بھی ہے۔

---

[1] زاد المعاد: ۳/ ٦٣٥۔

بشر بولا، نہیں نہیں بخدا! نہیں اب میں نہیں رکنے کا تیرے مغز سے ایسی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی تھی۔ بشر نے پھر یہ اشعار پڑھے اور مدینہ کو چلا گیا۔

إِلَيْكَ تَعْدُو قَلِقًا وَضِيْنُهَا

مُعْتَرِضًا فِي بَطْنِهَا جَنِيْنُهَا

مُخَالِفًا دِيْنَ النَّصَارٰى دِيْنُهَا

یہ بشر تو خدمت نبوی ﷺ میں پہنچ کر وہیں حضور میں رہا اور بالآخر درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ اب اس ڈیپوٹیشن کا بقیہ حال سنو۔

جب یہ لوگ نجران پہنچ گئے۔ تو نجران کے گرجا میں رہنے والے ایک منک (راہب) نے بھی کسی سے یہ تمام داستان سن پائی کہ ایک نبی تہامہ میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا خط آیا تھا۔ یہاں سے تین شخص اس کے پاس بھیجے گئے تھے۔ وہ اس سے سند لے کر آئے تھے، اسقف وہ سند پڑھ رہا تھا۔ اس کا بھائی سواری سے گر گیا۔ اس نے نبی کو برا بھلا کہا۔ اسقف نے منع کیا اور بتایا کہ وہ سچا نبی ہے اسے برا نہ کہو۔ وہ سن کر مدینہ کو چلا گیا اسقف نے بہتیرا روکا، نہ رکا۔

راہب نے جو گرجا کے برج کے بالائی حصہ پر (سالہا سال سے) رہا کرتا تھا، چیخنا شروع کر دیا کہ مجھے اتار دو۔ ورنہ میں اوپر سے کود پڑوں گا۔ خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔ یہ راہب بھی چند تحائف لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔

ایک پیالہ، ایک عصا، ایک چادر اس نے بطور تحفہ پیش کی تھی۔ وہ چادر خلفائے عباسیہ کے عہد تک برابر محفوظ رہی تھی۔ راہب نے کچھ عرصہ تک مدینہ میں ٹھہر کر اسلامی تعلیم سے واقفیت حاصل کی اور پھر آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اور واپس آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا تھا۔ مگر نبی ﷺ کی حیات طیبہ تک واپس نہ گیا تھا۔

(۲) اس ڈیپوٹیشن سے کچھ عرصہ کے بعد اسقف ابوالحارث جو گرجا کا امام تھا، قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ جس کا نہایت ادب اور احترام کیا کرتے تھے اور عام لوگ اکثر کرامات وغیرہ اس کی ذات سے منسوب کیا کرتے تھے اور جو یہ شخص اپنے مذہب کا مجتہد شمار ہوتا تھا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا اس کے ساتھ ایہم نامی علاقہ کا جج اور حاکم بھی تھا۔ اسے سید کے لقب سے ملقب کرتے تھے اور عبدالمسیح الملقب عاقب بھی تھا، جو سارے علاقہ کا گورنر اور امیر بھی تھا۔ باقی ۲۴ مشہور سردار اور تھے کل قافلہ ۶۰ سواروں کا تھا۔

یہ عصر کے وقت مسجد نبوی ﷺ میں پہنچے تھے۔ وہ ان کی نماز کا وقت تھا (غالبًا) اتوار کا دن ہوگا۔ نبی ﷺ نے ان کو اپنی مسجد میں نماز پڑھ لینے کی اجازت فرما دی تھی اور انہوں نے مسجد سے شرق کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی تھی۔ بعض مسلمانوں نے انہیں مسجد نبوی ﷺ میں عیسائی نماز پڑھنے سے روکنا چاہا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا۔

یہودی بھی انہیں دیکھنے آتے تھے اور کبھی کبھی کسی مسئلہ پر گفتگو بھی ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ نبی ﷺ کے سامنے یہودیوں نے بیان کیا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ان عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے اس بحث پر قرآن مجید کی ان آیات کا نزول ہوا۔

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [1]

"ان سے کہو کہ اے کتاب والو! ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں کیوں جھگڑا کرتے ہو، تورات اور انجیل تو اس کے بعد اتری ہیں، جن باتوں میں تمہارے پاس کچھ علم تھا اس میں تو جھگڑے ہی تھے۔ مگر جس بارہ میں کچھ بھی علم نہیں، اس میں جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ (اس بارہ میں) اللہ جانتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھا نہ عیسائی تھا وہ تو پکا موحد تھا اور وہ مشرک بھی نہ تھا۔ [2] ساری خلقت میں ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ ہیں جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور ان پر ایمان رکھنے والے لوگ خدا مومنین کا دوست دار ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز نہیں

ایک دفعہ یہودیوں نے (مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر اعتراض کرنے کی غرض سے) کہا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بھی عبادت کرنے لگیں جیسا کہ عیسائی عیسیٰ کی عبادت کیا کرتے ہیں۔"

نجران کا ایک عیسائی بولا۔

ہاں! محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب بتا دیجئے، کیا آپ کا یہی ارادہ ہے اور اسی عقیدہ کی دعوت آپ دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ! کہ میں اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت کروں یا کسی دوسرے کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں۔ خدا نے مجھے اس کام کے لیے نہیں بھیجا اور مجھے ایسا حکم بھی نہیں دیا۔ اس واقعہ پر قرآن مجید میں ان آیات کا نزول ہوا۔ [3]

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ [4]

"جس بشر کو خدا کتاب اور حکم اور نبوت عنایت کرے۔ یہ اس کے شایاں نہیں کہ وہ پھر لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کے سوا میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہا کرتا ہے کہ کتاب الٰہی کو سیکھ کر اور شریعت کا درس پا کر تم اللہ والے بن جاؤ۔ یہ نبی تو نہیں کہتا کہ فرشتوں کو یا نبیوں کو بھی رب بنا لو۔ بھلا وہ کفر کے لیے کہہ سکتا ہے۔ تم لوگوں کو جو اسلام لا چکے ہو۔"

محمد بن سہیل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آل عمران کی شروع سے ۱۸۰ آیات تک کا نزول بھی اسی وفد کی موجودگی میں ہوا تھا۔ [5] جب یہ واپس جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر ایک سند انہوں نے حاصل کی۔ جس میں گرجاؤں اور پادریوں کی

---

[1] ۳/ عمران: ٦٥ تا ٦٨۔ [2] عرب کے مشرکین جو بت پرستی کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر ہے۔ اس فقرہ میں مشرکین کا رد ہے۔ [3] زاد المعاد: ٤/ ٦٣١۔ [4] ۳/ آل عمران: ۷۹، ۸۰۔ [5] زاد المعاد: ۳/ ٦٣١۔

بابت زیادہ صراحت تھی اس فرمان کی پوری نقل ذیل میں کی جاتی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

((مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ إِلَى الْأُسْقُفِ أَبِي الْحَارِثِ وَأَسَاقِفَةِ نَجْرَانَ وَ كَهَنَتِهِمْ وَرُهْبَانِهِمْ وَأَهْلِ بِيَعِهِمْ وَرَقِيْقِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَسُوْقَتِهِمْ وَعَلٰى كُلِّ مَاتَحْتَ أَيْدِيْهِمْ مِنْ قَلِيْلٍ أَوْ كَثِيْرٍ جَوَارُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ۔ لَا يُغَيَّرُ أُسْقُفٌ مِنْ أُسْقِفَةٍ وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَّةٍ وَلَا كَاهِنٌ مِنْ كَهَانَتِهِ وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِهِمْ وَلَا سُلْطَانُهُمْ وَلَا مِمَّا كَانُوْا عَلَيْهِ عَلٰى ذٰلِكَ جَوَارُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ أَبَدًا مَا نَصَحُوْا وَأَصْلَحُوْا عَلَيْهِمْ غَيْرَ مُنْقَلِبِيْنَ بِظَالِمٍ وَلَا ظَالِمِيْنَ))(كتبه المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ۔) [1]

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے)

''یہ تحریر محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے۔ اسقف ابوالحارث کے لیے نجران کے دیگر اسقفوں، کاہنوں، راہبوں، انکے معتقدوں، غلاموں، اس مذہب والوں، پولیس والوں کے متعلق اور ان کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو ان کے ہاتھ میں ہیں، سب کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت حاصل ہوگی۔ گرجا کے چھوٹے بڑے عہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا نہ جائے گا، کسی کے حق میں یا اختیارات میں مداخلت نہ کی جائے گی انکی موجودہ حالت میں تغیر نہ ہو گا۔ بشرطیکہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر اندیش رہیں۔ نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں۔''

(تحریر کنندہ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ)

چلتے وقت انہوں نے درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے، جسے جزیہ [2] ادا کر دیا کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ ''یہ شخص میری امت کا امین ہے۔'' [3]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے فیضان صحبت سے علاقہ میں اسلام پھیل گیا تھا۔

وفد نخع کا بیان

یہ نصف محرم ۱۱ھ میں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تھا۔ اس کے بعد کوئی وفد حاضر نہیں ہوا۔ یہ دو سو اشخاص تھے اور معاذ

---

[1] فتوح البلدان، بلاذری۔

[2] لفظ جزیہ (جو ایرانی لفظ گزیہ کا معرب ہے اور اس لفظ کے ساتھ یہ رسم ''جزیہ لگانے کی'' بھی عرب میں ایران سے پہنچی تھی۔ جب کہ عرب کا ایک حصہ قبل از اسلام ایران کے ماتحت تھا اور دربار ایران اس بارہ میں رومن ایمپائر کے قانون پر عمل کرتا تھا۔) مگر اب جزیہ پر بہت سے اعتراضات کیے گئے اور مسلمانوں کی طرف سے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں۔ میں اس جگہ مختصر طور پر صرف ایک روایت کا حوالہ دوں گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی جزیہ کس اصول پر لگایا جاتا ہے اور کیونکر جزیہ ادا کرنے والے مفتوحین کو فاتحین کے اعلیٰ حقوق حاصل ہو جاتے تھے، فقہ کی معتبر ترین کتاب میں ہے۔ ''اگر وہ لوگ جن سے جزیہ لینا چاہیے، جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں (الف) ان کی حفاظت اسی طور پر کرنا چاہیے، جیسے مسلمانوں کی (ب) اور انکے لیے وہی قواعد ہوں گے جو مسلمانوں کے لیے ہیں۔ کیونکہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کفار (غیر مسلم) جزیہ اس لیے ادا کرتے ہیں کہ ان کے خون کو مسلمانوں کے خون کی اور انکے مال کو مسلمانوں کے مال کی حیثیت حاصل ہو جائے۔'' (ہدایہ مطبوعہ کلکتہ ص ۴۱۲۔ ہدایہ انگریزی ترجمہ چارلس ہملٹن جلد ۲ ص ۱۴۲۔)

[3] زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦٣٧ فصل في قدوم وفد نجران۔

بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آئے تھے ان کو دار الضیافہ (مہمان خانہ) میں اتارا گیا تھا۔

چار خواب اور ان کی تعبیریں

ایک شخص ان میں زرارہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے راستہ میں خواب دیکھے جو عجیب تھے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: بیان کرو۔

ایک خواب اور اسکی تعبیر

کہا: میں نے دیکھا ہے کہ ایک بکری نے بچہ دیا ہے جو سپید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری عورت کے بچہ ہونے والا تھا؟ اس نے کہا: ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ہاں فرزند پیدا ہوا ہے، جو تیرا بیٹا ہے۔

زرارہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ابلق ہونے کے کیا معنی ہیں؟

نبی ﷺ نے فرمایا: قریب آؤ پھر آہستہ سے پوچھا کیا تیرے جسم پر برص کے داغ ہیں، جسے تم لوگوں سے چھپاتے رہے ہو؟

زرارہ نے کہا: قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آج تک میرے اس راز کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔

نبی ﷺ نے فرمایا: بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے۔

دوسرا خواب اور اس کی تعبیر

زرارہ نے دوسرا خواب سنایا کہ میں نے نعمان بن منذر [1] کو دیکھا کہ گوشوارے، بازوبند، خلخال پہنے ہوئے ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اس کی تاویل ملک عرب ہے۔ جو اب آسائش و آرائش حاصل کر رہا ہے۔

تیسرا خواب اور اس کی تعبیر

زرارہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے، جس کے کچھ بال سفید کچھ سیاہ ہیں اور زمین سے باہر نکلی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا! یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے۔

چوتھا خواب اور اس کی تعبیر

زرارہ نے عرض کیا:

میں نے دیکھا کہ ایک آگ زمین سے نمودار ہوئی۔ میرے اور میرے بیٹے عمر کے درمیان آ گئی اور وہ آگ کہہ رہی ہے جھلسو جھلسو، نابینا ہو، نابینا ہو، لوگو اپنی غذا، اپنا کنبہ، اپنا مال مجھے کھانے کے لیے دو۔

---

[1] نعمان بن منذر عرب کا مشہور و قدیم بادشاہ گزرا ہے۔ جس کی حکومت و حکمت زبانِ زد عرب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ ایک فساد ہے، جو آخر زمانہ میں ہوگا۔

زرارہ نے عرض کیا، کہ یہ کیسا فتنہ ہوگا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے۔ آپس میں پھوٹک پڑ جائے گی۔ ایک دوسرے سے ایسے گتھ جائیں گے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنجہ ڈالنے میں گتھ جاتی ہیں۔ بدکاران دنوں اپنے آپ کو نیکوکار سمجھے گا۔ مومن کا خون پانی سے بڑھ کر خوشگوار سمجھا جائے گا۔

اگر تیرا بیٹا مر گیا تب تو اس فتنہ کو دیکھ لے گا۔

تو مر گیا تو تیرا بیٹا دیکھ لے گا۔

زرارہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ دیکھوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ الٰہی! یہ اس فتنہ کو نہ پائے۔

زرارہ کا تو انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا بچ رہا۔ اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کو توڑ دیا تھا۔ [1]

---

[1] زاد المعاد، ج ۳، ص: ۶۸۷ فصل فی قدوم وفد النخع۔

باب۴

مدینہ میں د۱۰ سالہ قیام نبوی ﷺ کے اہم واقعات اور وفات

نبی ﷺ جب مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچے۔ تو ابھی اطمینان سے قیام بھی نہیں کیا تھا کہ دشمنان مکہ نے متواتر سازشوں، حملوں، لڑائیوں سے نبی ﷺ اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔

راقم کتاب کو چونکہ ہجرت کے بعد ہی یہ حالات لکھنے پڑے۔ اس لیے ترتیب مضامین بھی کسی قدر پریشان ہوگئی ہے۔

اب اس باب میں ان اہم واقعات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ جو ایام قیام مدینہ میں ہوئے۔ میں نے اختصار کے لیے قریباً ہر سال کے متعلق ایک واقعہ ضرور قلم بند کیا ہے۔

اس باب میں غور کرنے سے ناظرین کو سیرت پاک آنحضرت ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوں گیں۔ جن کے مطابق ضرورت ہے کہ امت اپنا رویہ درست کرے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ .

تعمیر مسجد نبوی

مسجد نبوی جس جگہ بنائی گئی ہے۔ نبی ﷺ کی ناقہ خود بخود اس جگہ آ کر بیٹھ گئی تھی۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے۔

یہ جگہ دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ جو اسعد بن زرارہ (نقیب محمدی ﷺ) کی تربیت ونگرانی میں تھے۔ اسعد نے پہلے سے یہاں نماز کی مختصر سی جگہ بنا رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ نے مسجد کے لیے اس جگہ کو پسند فرمایا۔ تو ان یتیم لڑکوں نے قیمت لینے سے انکار کیا۔ اور قبیلہ بنو النجار نے چاہا کہ اس کی قیمت ادا کرنے کی اجازت انہیں مل جائے۔ نبی ﷺ نے دونوں باتیں منظور نہ فرمائیں۔ زمین کی قیمت دس دینا رطے ہوئی اور نبی ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ قیمت دلا دی اور پھر زمین کو ہموار و درست کر کے مسجد بنائی گئی۔ جس کا طول سو گز تھا۔ مسجد کی تعمیر میں نبی ﷺ اینٹ پتھر خود بھی اٹھا کر لاتے تھے اور زبان مبارک سے فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَةِ۔ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ)) [1]

''الٰہی! فائدہ تو آخرت ہی کا فائدہ ہے، تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اینٹ گارا لاتے تھے اور یہ شعر رجز میں پڑھتے تھے:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالرَّسُوْلُ يَعْمَلُ لِذٰلِكَ فَالْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

''رسول خدا ﷺ کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں یہ بڑی ہی گمراہی کا کام ہے۔''

---

[1] بخاري عن انس، كتاب الصلوٰة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، حديث: ٤٢٨۔

مسجد کی دیواریں جو کچی اینٹوں کی تھیں، تین گز بلند تھیں۔ کھجور کے تنے ستون کی جگہ اور کھجور کے پٹھے کڑی شہتیر کی جگہ ڈالے گئے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: چھت ڈال لیں، تو اچھا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں موسیٰ علیہ السلام جیسا عریش ہی خوب ہے۔ ❶ یہ چھت ایسی تھی کہ اگر بارش ہو جاتی تو پانی ٹپکتا۔ مٹی گرتی، فرش کیچڑ سا ہو جاتا۔ مؤمنین اسی پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ ❷

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ۱ھ

حضرت ''عبداللہ'' یہود کے بڑے فاضلوں میں سے ہیں۔ یوسف صدیق علیہ السلام سے ان کا سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کرتے ہوئے سن لیا۔ ذیل کے الفاظ یاد کر لیے تھے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ

وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ

وَصِلُوا الْأَرْحَامَ

وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ.

''لوگو! اپنے، بیگانے سب کو سلام کیا کرو۔

کھانا کھلایا کرو۔

قرابت داروں سے اچھا برتاؤ رکھو۔

رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تم خدا کی عبادت کیا کرو۔'' ❸

یہ دل نشین کلمات سن کر ان کا قلب نور ایمان سے منور ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کیا تو پہلے نبیوں کی کتابوں کی پیشگوئیوں کو ذات مبارک پر منطبق پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں آئے اور چند مشکل مسائل جن کی بابت ان کا خیال تھا کہ نبی اللہ ہی ان کا جواب دے سکتا ہے، دریافت کیے۔ جواب باصواب سن کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حضور پر ایمان لے آیا ہوں۔ لیکن اظہار اسلام

---

❶ زاد المعاد، ج ۳، ص: ٦٣ فصل فی بناء المسجد۔

❷ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں کچھ تصرف نہیں کیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مسجد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کو شامل کیا جو انہوں نے مسجد کے لیے ہبہ فرمایا تھا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی سنگین دیواریں بنائیں اور پتھر کے ستون لگائے اور سیگون کی چھت ڈالی، بخاری، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، حدیث: ٤٤٦ اور فرش پر عقیق کی کنکریاں بچھائیں۔ مروان بن الحکم نے اپنے عہد سلطنت میں ایک مقصورہ محراب کی جانب بڑھایا اور اس پر پچی کاری کا کام کرایا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہد سلطنت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد امارت مدینہ میں از سر نو اس کی عمارت کو تعمیر کرایا۔ شام و مصر روم و قبط کے ۸۰ انجینئر منتخب کر کے اس کی نگرانی کے لیے بھیجے۔ یہ عمارت سنگ مرمر کی تھی اور پہلی عمارت سے کچھ زیادہ بھی تھی ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ مہدی عباسی نے اپنے عہد سلطنت میں پھر کچھ اضافہ کیا۔ پچھلی طرف سے سو گز زمین اور شامل کی گئی۔ مکمل ہونے کے بعد مسجد کا طول ۳۰۰ گز عرض ۲۰۰ گز ہو گیا تھا۔ یہ تعمیر ۱۶۲ھ میں ختم ہوئی۔ خلیفہ متوکل نے اس عمارت کی مرمت ۲۴۷ھ میں کرائی تھی۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴ حالیہ عمارت جو ہمارے زمانہ میں ہے یہ سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی تعمیر کردہ ہے۔ (مفصل حال ہماری کتاب ''سبیل الرشاد'' میں ہے۔)

❸ سنن ترمذی، کتاب الزهد، باب حدیث افشوا السلام، حدیث: ٢٤٨٥۔

کے لیے چاہتا ہوں کہ اول میری قوم کے لوگوں کو بلا کر دریافت فرمالیا جائے کہ ان کی رائے میرے لیے کیا ہے۔ نبی ﷺ نے اکابر یہود کو طلب فرمایا۔ عبداللہ بن سلام چھپ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تمہاری قوم میں کیسے ہیں۔ سب نے کہا وہ ''عالم بن عالم سید بن سید'' [1] ہیں اور ہم سب سے بہتر ہیں۔ یہود یہ کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ او جھل سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے سامنے آ گئے۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ مسلمان ہو گئے۔ تو اسی وقت کہنے لگے کہ تو ''جاہل بن جاہل، ذلیل بن ذلیل'' شخص ہے اور ہم میں سب سے بدتر ہے۔

خداوند کریم نے اس بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ کے اسلام سے جملہ ''یہود'' پر اپنی حجت ختم فرما دی۔

فاضل راہب کا اسلام ۱ھ

حضرت عبداللہ بن سلام کے بعد ابو قیس صرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ عیسائی المذہب راہب، نہایت فصیح شاعر و واعظ اور الٰہیات کے فاضل تھے۔ اس بزرگ کے اسلام سے خداوند رحیم نے جملہ ''نصاریٰ'' پر حجت ختم فرمائی۔

نماز

سن اول ہجرت میں فرض نماز میں دو رکعتوں کا اضافہ ہوا۔

دو رکعتیں سفر کے لیے مقرر رکھی گئیں اور حضر میں نماز ظہر، عصر و عشاء کے لیے چار رکعتیں کر دی گئیں۔ ایام قیام مکہ میں دو ہی رکعتوں کا حکم رہا تھا۔

جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکہ میں کیوں کر ہر ایک مسلمان اسلام لاتے ہی غریب الوطن بن جاتا تھا کیونکہ اقارب اور احباب اس سے بیگانہ و اغیار بن جاتے تھے اور کیونکر ہر ایک مسلمان ہر وقت مکہ چھوڑ دینے پر آمادہ اور مستعد رہتا تھا۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکہ میں سب مسلمان مسافرانہ ہی رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ خداوند کریم نے بھی ان کو مدینہ میں جانے کے بعد ہی مقیم تسلیم فرمایا۔

نماز اسلام کا وہ رکن ہے جو مسلمان پر سب سے پہلے فرض ہوتا ہے۔ (سات برس کے بچہ کا پڑھنا مستحب اور دس برس کے بچہ کا پڑھنا فرض ہے) اور سب سے آخر تک فرض رہتا ہے۔ (تا دم مرگ) نماز کی فرضیت صحت و بیماری، خوشی و غم، سفر و حضر اور خوف و خطر۔ غرض کسی حالت میں بھی مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی۔ خواہ ہم گرم تر ملک میں ہوں یا سرد سے سرد تر ملک میں، کسی جگہ بھی، کوئی موسم، کوئی عارضہ ایسا نہیں، جو مسلمان کو نماز کی معافی دیتا ہو۔

۱: مدت العمر تک عبادت الٰہی کی مداومت رکھنا کمال استقلال کا مظہر ہے۔ ہر روز پنجگانہ نماز کے اوقات کی حفاظت رکھنا، پابندی اوقات کی زبردست تعلیم ہے۔ جسم اور لباس اور مکان کو نجاست اور آلودگی سے پاک وصاف رکھنے کا اہتمام صحت جسمانی کے قیام کی بہترین تدبیر ہے۔ دل و زبان، اعضاء و دماغ کو عظمت الٰہی اور جلال کبریائی۔ کے سامنے مؤدب و مہذب رکھنا، نورانیت روحانی کے لیے عجیب روشنی ہے۔

۲: نماز میں جس قدر پابندی ہے۔ وہ جلد سو جانے اور جلد جاگ اٹھنے کی جس طرح تعلیم دیتی ہے۔ وہ جس طرح ہر

---

[1] بخاري عن انس بن مالك، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: ۳۹۱۱۔

ایک ''ٹائم ٹیبل'' کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں شہوانی ونفسانی خیالات کو نماز کے ذریعے سے کیسا ملیامیٹ کیا گیا ہے۔

۳: نماز کے لیے مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی، تمدن اور ترقی کی جان ہے۔ اتحاد و یگانگت اور تبادلۂ خیالات کا پاک ترین ذریعہ ہے۔ ایک جاہل بہت سی باتیں نظیر و نمونہ سے سیکھ سکتا اور ایک عالم بآسانی تبلیغ کر سکتا ہے۔ ایک امیر غریب کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مساوات کا سبق لیتا اور ایک غریب امیر کے برابر بیٹھ کر سچے دین کے انصاف سے اپنی روح کو خورسند کر سکتا ہے۔

۴: جو لوگ نماز چھوڑ دیتے ہیں یا مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی میں سستی کرتے ہیں۔ وہ ان اخلاقی فضائل سے محروم رہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کے فرد ایسے اعلیٰ اخلاق سے خالی ہوں گے، وہ کیا ہوں گے۔

خداوند کریم نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ﴾ ❶

''نماز، نماز پڑھنے والوں کو ناپاک کاموں اور لائق انکار فعلوں سے روک دیتی ہے اور اللہ کے ذکر میں تو فوائد اور فیوض، انوار و اسرار اس سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑھ کر ہیں۔''

مواخات (بھائی چارہ)

اللہ جل جلالہٗ نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بتایا ہے، اور یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ ﴾ ❷

''اور تم سب خدا کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم لوگ تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔ جس سے خدا نے تمہیں نجات اور خلاصی عنایت کی۔''

(۱) اس اخوت کا اثر یہ تھا کہ ایک مسلمان کسی مخالف قوم سے معاہدہ کر لیتا تھا اور کل قوم اس معاہدہ کی پابندی کامل طور پر کرتی تھی۔

ایک مسلمان اگر کسی دور دست ملک میں چلا جاتا تھا۔ تو تمام قوم اس کی خیر و عافیت کے لیے بے تاب رہتی تھی اور اگر وہ کسی ظالم کے ظلم کا شکار ہو جاتا تو تمام قوم اس کے انتقام اور خون بہا لینے کو اپنا اعلیٰ فرض جانتی تھی۔

قوم کے ہر ایک یتیم، ہر ایک رانڈ ہر ایک طالب علم کی ضروریات کا پورا کرنا ہر مسلمان اپنے لیے ایسا ہی فرض سمجھتا تھا، جیسا اپنی اولاد اور ماں جائے بھائی کی اولاد و بیوہ کے لیے سمجھتا تھا۔

(۲) اس اخوت سے بڑھ کر ایک اور اخوت تھی، جسے نبی ﷺ ایک ایک شخص کے ساتھ قائم فرمایا کرتے۔ ایسی اخوت مکہ میں (الف) اہل مکہ کے درمیان اور (ب) مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان۔ نیز باہمی اہل مدینہ کے درمیان قائم ہوئی وہ زیادہ تر مشہور ہے۔ اس مواخات کے بعد باہمی تعلقات کا اثر یہاں تک ہوا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کی وراثت ❸ میں سے حصہ لیتا

---

❶ ۲۹/ العنکبوت: ٤٥۔ ❷ ۳/ آل عمران: ۱۰۳۔

❸ تقسیم وراثت کا دستور اس وقت تک رہا جب تک کہ قوم میں رفاہت اور آسودگی عام نہ ہوئی۔ اس کے بعد وراثت ورثا کی طرف منتقل کر دی گئی۔

ر بھائی بننے سے پہلے گھنٹہ کے بعد امیر بھائی غریب بھائی کو اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کا نصف تقسیم کر دیتا تھا۔ مؤرخین
ان بزرگوں کے نام بھی درج کیے ہیں، جن میں یہ سلسلہ مستحکم کیا گیا تھا۔ ہم تبرکاً چند اسمائے مبارک درج کرتے ہیں۔

۱:	(الف) محمد رسول اللہ ﷺ	علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
۲:	(ب) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خارجہ بن زید عقبی بدری رضی اللہ عنہ
۳:	عمر فاروق رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک بدری رضی اللہ عنہ
۴:	عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت عقبی بدری رضی اللہ عنہ
۵:	جعفر بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ	معاذ بن جبل عقبی بدری رضی اللہ عنہ
۶:	ابوعبیدہ بن جراح قرشی الفہری رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ بدری اہتزلہ عرش الرحمٰن رضی اللہ عنہ
۷:	عبدالرحمٰن بن عوف قرشی الزہری رضی اللہ عنہ	سعد بن ربیع عقبی بدری رضی اللہ عنہ
۸:	زبیر بن العوام قرشی الاسدی رضی اللہ عنہ	سلمہ بن سلامۃ عقبی رضی اللہ عنہ
۹:	طلحہ بن عبیداللہ قرشی العدوی رضی اللہ عنہ	کعب بن مالک عقبی رضی اللہ عنہ
۱۰:	مصعب بن عمیر قرشی العبدری رضی اللہ عنہ	ابی بن کعب عقبی بدری رضی اللہ عنہ
۱۱:	سعید بن زید قرشی العدوی رضی اللہ عنہ	ابوایوب عقبی بدری رضی اللہ عنہ
۱۲:	ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ
۱۳:	عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۱۴:	سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ''حکیم الامت''
۱۵:	(ج) منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ	ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ [1]

دنیا میں ''اخوت'' کا ایسا اعلیٰ نمونہ اسلام کے سوا کسی اور جگہ نظر نہیں آتا۔

اذان

۲ھ میں اذان کا طریقہ جاری ہوا۔

اذان کی ضرورت اول اس لیے محسوس ہوئی کہ سب لوگ مل کر ایک وقت پر نماز ادا کر سکیں۔ مشورہ طلب امر یہ تھا کہ لوگوں کے جمع کرنے کے واسطے کون سا طریق اختیار کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ بلند مقام پر آگ روشن کر دی جایا کرے (جیسا کہ مجوس

[1] تاریخ ابن خلدون، الهجرة، ج ۲، ص:۱٦۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا مختار یہ تھا کہ مواخات میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کو شامل کیا گیا تھا اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مواخات میں اپنے ساتھ شامل کیا ہو کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ بھی مہاجر ہیں۔ دیگر علما نے اس رائے کو قبول نہیں کیا اور انہوں نے اور بھی چند ایسی نظیریں بیان کی ہیں جن میں فریقین مہاجر تھے، اور یہی قوی مذہب ہے۔ سلسلہ مواخات میں نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔ اول تو اس لیے کہ وہ رشتہ میں آنحضرت ﷺ کے بھائی لگتے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر کسی ایسے مسلمان کو بھائی بناتے جو رشتہ میں نہ ہوتا تو آئندہ طرح طرح کی مشکلات جدیدہ پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

میں دستور ہے) کسی نے مشورہ دیا کہ سینگ (بگل) بجایا جایا کرے (جیسا کہ یہود کا معمول تھا) کسی نے مشورہ دیا کہ گھنٹے بجائے جایا کریں، (جیسا کہ نصاریٰ کیا کرتے تھے) آنحضرت ﷺ نے کسی مشورہ کو پسند نہ فرمایا۔ دوسرے دن عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یکے بعد دیگرے نبی ﷺ سے آکر عرض کیا کہ انہوں نے خواب میں ان الفاظ کو سنا ہے۔ جواب اذان میں کہے جاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے انہی الفاظ کے بآواز بلند پکارنے کو مشروع فرمادیا۔ ❶ یہ الفاظ نبی ﷺ کے اس منشائے عالی کو پورا کرتے ہیں، جو تشریع احکام میں ہمیشہ منظورِ نظرِ اقدس رہا ہے۔

اذان اطلاع دہی کا وہ سادہ اور آسان طریق ہے کہ عالمگیر مذہب کے لیے ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ اذان درحقیقت اصول اسلام کی اشاعت اور اعلان ہے۔ مسلمان اسی کے ذریعے سے ہر آبادی کے قریب جملہ باشندگان کے کانوں تک اپنے اصول پہنچا دیتے اور راہ نجات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رسالوں (ٹریکٹوں) کی تقسیم اور نگر کیرتن (گرنتھ) کے شبد بھی اس خوبی کو نہیں پا سکتے۔ اذان ثابت کرتی ہے کہ اسلام نے ''گھونگوں'' اور ''دھاتوں'' کو انسانی آواز پر ترجیح نہیں دی اور یہ بھی ایک طریق بت پرستی کے انسداد اور توحید کی تائید کا ہے۔

سلمان فارسی کا اسلام لانا

۲ ھ میں سلمان فارسی مسلمان ہوئے۔ یہ اصفہان کے باشندے تھے۔ ان کے مذہب قدیم میں ابلق گھوڑے کی پرستش کی جاتی تھی۔

دین حقہ کی تلاش میں گھر سے نکلے اور عرب تک آئے کسی نے ان کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچ دیا تھا۔ دس سے زیادہ مذاہب کے بعد یہ یہودی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ جس یہودی کے پاس رہا کرتے تھے وہ اکثر ایک پیدا ہونے والے نبی کے اوصاف بیان کیا کرتا تھا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نبی ﷺ کو دیکھا۔ تو ان علامات و آثار واخبار سے جو اپنے آقا سے سنے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا اور مسلمان ہو گئے اور ملک فارس کا ''پہلا پھل'' کہلائے۔

تحویل قبلہ ۲ ھ

نبی ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس بارہ میں کوئی حکم الٰہی موجود نہ ہوتا۔ اس میں اہل کتاب سے موافقت فرمایا کرتے۔ ❷ نماز آغاز نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی۔ مگر قبلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اس لیے مکہ کی تیرہ سالہ اقامت کے عرصہ میں نبی ﷺ نے بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رکھا۔ مدینہ میں پہنچ کر بھی یہی عمل رہا۔ مگر ہجرت کے دوسرے سال (یا ۱۷ ماہ کے بعد) ❸ خدا نے اس بارے میں حکم نازل فرمایا۔ یہ حکم نبی ﷺ کی دلی منشا کے موافق تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ دل سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ وہ مسجد بنائی جائے۔ جس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جسے مکعب شکل کی عمارت ہونے کی وجہ سے

---

❶ بخاری، الاذان، باب بدء الاذان، حدیث: ٦٠٤۔ ❷ عن ابن عباس، تیسیر الوصول جلد۱، باب السلم والفرق۔

❸ ابن خلدون، ج ۲، ص: ۱۹ صرف القبلة فی السنة الثانیة۔

''کعبہ'' اور صرف عبادت الٰہی کے لیے بنائے جانے کی وجہ سے ''بیت اللہ'' اور عظمت وحرمت کی وجہ سے ''مسجد الحرام'' کہا جاتا تھا۔

اس حکم میں جو اللہ پاک نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے۔

(۱) یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک جملہ جہات سے یکساں نسبت رکھتا ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ ﴾ ❶

(۲) اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عبادت کے لیے کسی نہ کسی طرف کا مقرر کر لینا طبقات مردم میں شائع رہا ہے۔

﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا ۚ ﴾ ❷

(۳) اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی طرف منہ کرنا۔ اصل عبادت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ ❸

(۴) اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تعیین قبلہ کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ متبعین رسول کے لیے ایک ممیز علامت قرار دی جائے۔

﴿ لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ ﴾ ❹

یہی وجہ تھی کہ جب تک نبی ﷺ مکہ میں رہے اس وقت تک بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا، کیونکہ مشرکین بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے اور کعبہ کو تو انہوں نے خود ہی اپنا بڑا معبد بنا رکھا تھا۔ اس لیے شرک چھوڑ دینے اور اسلام قبول کرنے کی بین علامت مکہ میں یہی رہی کہ مسلمان ہونے والا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرے۔

جب نبی ﷺ مدینہ پہنچے۔ وہاں زیادہ تر یہودی یا عیسائی ہی آباد تھے۔ وہ مکہ کی مسجد الحرام کی عظمت کے قائل نہ تھے اور بیت المقدس کو تو وہ ''بیت ایل یا ہیکل'' تسلیم کرتے ہی تھے۔ اس لیے مدینہ میں اسلام قبول کرنے اور آبائی مذہب چھوڑ دینے کی علامت یہ ٹھہرائی گئی کہ مکہ کی مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جایا کرے۔

حکم الٰہی کے مطابق یہی مسجد ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا قبلہ قرار دی گئی۔ اس مسجد کو قبلہ قرار دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دی ہے:

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ۚ ﴾ ❺

''یہ مسجد دنیا کی سب سے پہلی مبارک عمارت ہے۔ جو عبادت الٰہی کی غرض سے مکہ میں بنائی گئی اور تمام عالموں کے لیے ہدایت ہے۔''

پس چونکہ اسے تقدیم زمانی اور عظمت تاریخی حاصل ہے اس لیے اس کو قبلہ بنایا جانا مناسب تھا۔

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ۚ ﴾ ❻

''اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام بنیادیں بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی۔''

دوم: یہ کہ اس مسجد کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جد اعلیٰ

---

❶ ۲/ البقرۃ:۱۱۵۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱٤۸۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۱۷۷۔
❹ ۲/ البقرۃ:۱٤۳۔ ❺ ۳/ آل عمران:۹٦۔ ❻ ۲/ البقرۃ:۱۲۷۔

ہیں۔اس لیے ان شاندار قوموں کے پدر بزرگوار کی مسجد کو قبلہ قرار دینا گویا اقوام ثلثہ کو اتحاد نسبی و جسمانی کی یاد دلا کر اتحاد روحانی کے لیے دعوت دینا اور متحد بن جانے کا پیغام ﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ ﴾ ❶ سنا دینا تھا۔

میں یقین کرتا ہوں کہ کعبہ کے تقدم زمانی اور عظمت تاریخی کا انکار کوئی مذہب بھی نہیں کر سکتا۔ یہودی اور عیسائی متفق ہیں کہ یروشلم کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے قائم کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی اس لیے کہ کعبہ کی تعمیر یروشلم کی تعمیر سے تقریباً ۹۲۱ سال اور حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار نو سو اکیس سال پیشتر کی ہے۔مسٹر آر۔سی دت نے اپنی تاریخ ''سویلیزیشن آف انشینٹ انڈیا'' میں متعدد عالموں کی شہادات کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کی تہذیب کا پہلا دور جو وید کا ابتدائی زمانہ ہے۔مسیح علیہ السلام سے چودہ سو سال ❷ سے دو ہزار سال پیشتر کا تھا۔ نیز لکھا ہے کہ اس دور میں کوئی مندر نہ تھا۔ ❸ اس سے ثابت ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت آریہ ورت میں بھی کوئی مندر موجود نہ تھا۔

مجموعہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو پہلے سے بتا دیا تھا کہ جو مسجد آخر میں قبلہ قرار دی جائے گی وہ درجہ میں پہلے قبلہ سے برتر ہوگی۔

نمونہ کے لیے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

اول: یسعیاہ نبی کی کتاب کا ۶۰ باب ملاحظہ کیجئے اس میں تمام عبارت مکہ کی تعریف میں ہے خصوصاً ۵ درس سے دیکھو۔

''سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔''

(۶) ''اونٹنیں کثرت سے تجھے آ کے چھپالیں گی۔مدیان اور عیفہ کے اونٹ وہ سب جو سبا کے ہیں آویں گے۔وہ سونا اور لوبان لاویں گے اور خداوند کی بشارت سنا دیں گے۔''

(۷) ''قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔''

واضح ہو کہ ''شوکت کے گھر'' ٹھیک لفظی ترجمہ ''بیت الحرام'' کا ہے اور خانہ کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں مذکور ہے۔جس سے پہلے نوشتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔اس گھر کو بزرگی دینے سے مطلب اسے قبلہ قرار دینا ہے۔

یہ بات کہ اس مقام پر شوکت کے گھر سے مراد کعبہ ہے۔نہ کہ کوئی اور مقام۔اس دلیل سے صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ درس ۶، ۷ میں مدیان، عیفا، سبا، قیدار اور نبیط کے لوگوں کا جمع ہونا۔قربانیاں کرنا بتایا گیا ہے۔یہ پانچوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے ہیں جو عرب میں آباد ہوئے اور جن کی نسل کے قبیلے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوئے۔نہ عیسائی تھے نہ یہودی تھے اور ان سب نے مل کر صرف ایک مذبح منیٰ ہی پر قربانیاں پیش کی تھیں۔قوموں کے نام منیٰ کا پتہ، عرب کا قاطبۃً مسلمان ہو جانا، حجۃ الوداع میں سب کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا، ایسے تاریخی واقعات ہیں۔جو مندرجہ بالا آیت کے معنی کو بالکل یقینی بنا دیتے ہیں۔

---

❶ ۲/ البقرۃ: ۲۰۸۔ ❷، ❸ مترجمہ اے۔ڈی۔احمد صاحب جے پوری ص ۷۔۸۔

دوم: حجی نبی (ق م ۵۲۰ سال) کی کتاب میں ہے:

''اس پچھلے گھر کا جلال پہلے گھر کے جلال سے زیادہ ہوگا۔ رب الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان کو سلام [1] (سلامتی یا اسلام) بخشوں گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔'' باب ۲ درس ۲

سوم: مکاشفات یوحنا ۳ باب ۱۲ درس میں ہے:

(۱۲) ''میں اسے جو غالب ہوتا ہے۔ اپنے خدا کی ہیکل کا ستون بناؤں گا۔ اور اپنے خدا کے شہر یعنی نئے یروشلم کا نام جو میرے خدا کے حضور سے آسمان سے اترتا ہے اور اپنا نیا نام اس پر لکھوں گا۔ جس کا کان ہے سنے کہ روح کلیساؤں سے کیا کہتی ہے۔''

یوحنا نے نئے یروشلم اور نئے نام کا ذکر کیا ہے۔ نیا یروشلم کعبہ ہے اور خدا کا نیا نام جس سے اہل عرب بھی باوجود اہل زبان ہونے کے ناواقف تھے اسم پاک ''رحمٰن'' [2] ہے جسے اسلام ہی نے ظاہر کیا۔ نئے یروشلم کا آسمان سے اترنا، یہ معنی رکھتا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کا حکم آسمان سے نازل ہوگا۔ قرآن مجید میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ ﴾ [3]

''ہم نے دیکھا کہ تم آسمان کی طرف اپنا چہرہ کر کے دیکھ رہے ہو۔ اس لیے حکم ہے کہ جو قبلہ تمہیں پسند ہے اسی کی طرف پھر جاؤ۔''

چہارم: زبور ۸۴ میں ہے:

عربی

۴: "طُوْبٰى لِلسَّاكِنِيْنَ فِيْ بَيْتِكَ أَبَداً يُسَبِّحُوْنَكَ۔" (سلاه)

۵: "طُوْبٰى لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ طُرُقُ بَيْتِكَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔"

۶: "عَابِرِيْنَ فِيْ وَادِي الْبُكَاءِ يُصَيِّرُوْنَهُ يَنْبُوْعًا۔"

"أَيْضًا بِبَرَكَاتٍ يُغَطُّوْنَ مَوْرَةَ۔" [4]

---

[1] عربی بائبل مطبوعہ ۱۸۷۱ء مقام آکسفورڈ ص ۱۳۳۹۔ پر اس آیت میں لفظ اسلام اور اردو بائبل مطبوعہ مرزا پور ۱۸۷۱ء میں لفظ سلامتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا حق ہے کہ اس کا ترجمہ اسلام کریں۔ کیونکہ ہر نماز کے بعد مسلمان اسی لفظ سلام کا استعمال اس دعا میں بھی کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

[2] اہل عرب اس اسم سے یعنی ''رحمٰن'' سے جس کا نزول قرآن میں ہوا، بہت ناراض ہوتے تھے۔ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ﴾ (۲۵/ فرقان: ۲۰) ''جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟'' ﴿ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (۲۱/ انبیاء: ۳۶) ''رحمٰن کا ذکر آجانے پر وہ بہت انکار کرتے ہیں۔'' سہیل نے انعقادِ صلح حدیبیہ کے وقت کہا تھا۔ وَمَا الرَّحْمٰنُ فَوَاللّٰهِ لَا نَعْرِفُهٗ ''خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کون ہے۔'' بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، حدیث: ۲۷۳۱۔ [3] ۲/ البقرة: ۱۴۴۔

[4] کتاب المقدس طبع بنفقة الجمعية البرطانيه والاجنبية لاجل انشار الكتاب المقدسة فی مطبعة المدرسة من المدينة اوكسفورد سنة ۱۸۷۱ مسيحيه۔

اُردو

۴: ''مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں وہ سدا تیری ستائش کریں گے۔'' (سلاہ)

۵: ''مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے، ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔''

۶: ''وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہیں، اسے ایک کنواں بناتے۔''

''یہی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی۔'' (کتاب مقدس مطبوعہ آرفن سکول مرزاپور ۱۸۷۰ء)

انگریزی

(4) Pleased are they that dwell in thy house, they will be still praising thee. (Selah).

(5) Blessed is the man whose strength is in thee, in whose heart are the ways of them.

(6) Who passing through the valley of Baca make it a well; the rain also filleth the pools.

ان ہر سہ زبان کی عبارات سے جو ایک ہی مشن سوسائٹی کی شائع کردہ ہیں۔ متفق طور پر مندرجہ ذیل باتیں حاصل ہوتی ہیں:

(۱) درس چہارم کی رو سے یہ کہ خدا کا ایک گھر ہے۔ اور وہاں کے باشندوں کو مبارک بتایا گیا ہے اور ان کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی تسبیح وستائش کرتے ہوں گے۔

(۲) درس پنجم کی رُو سے یہ کہ ان لوگوں کی عزت وقوت کا باعث اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اور اسباب دنیوی ان کی عزت وقوت کا باعث نہ ہوں گے۔

(۳) درس ششم کی رُو سے لفظ ''بکا'' عربی، اردو، انگریزی تینوں زبانوں میں موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ بکا وہ اسم معرفہ (پروپر ناؤن) ہے جو کسی زبان میں بھی نہیں بدلا گیا۔ اور انگریزی تحریر میں اسمائے معرفہ کا پہلا حرف بڑے حرف سے لکھے جانے کا جو قاعدہ ہے۔ اسی کے مطابق انگریزی کی بائیبل میں لفظ بکا کا پہلا حرف بی بھی بڑی بی (B) کے ساتھ لکھا ہے۔

(۴) لفظ ''وادی'' عربی واردو میں لفظ ویلی (valley) جو بمعنی وادی ہے، انگریزی میں لفظ بکا سے پہلے موجود ہے۔

(۵) ہر سہ زبان کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ وہاں بسنے والے وادی ''بکا'' [1] میں ایک کنواں بھی بنائیں گے۔ اب ہم ان سب کا ثبوت دیتے ہیں:

(الف) ساکنین بیت اللہ جس کا ذکر درس ۴ میں ہے۔ وہ اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

---

[1] ابن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ کی سیرت ج ۱، ص ۱۱۴۔ "إِنَّ بَكَّةَ إِسْمُ الْبَطْنِ مَكَّةَ لِأَنَّهُمْ يَتَبَاكُوْنَ فِيهَا" دوسرا قول وجہ تسمیہ کی بابت یہ ہے: إِنَّهَا مَا سُمِّيَتْ بِبَكَّةَ، إِلَّا إِنَّهَا كَانَتْ تَبُكُّ أَعْنَاقَ الْجَبَابِرَةِ إِذَا أَحْدَثُوْا فِيهَا شَيْئًا۔

قرآن مجید میں ہے ﴿ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ ❶ ''اے خدا میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں جس میں روئیدگی نہیں ہوتی، تیرے عزت والے گھر کے پاس آباد کیا ہے۔''

(ب) یہ وادی جس کی صفت آیت بالا میں ''غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ'' ہے۔ اسی کا نام قرآن مجید کی دوسری آیت میں ''بکہ'' ہے۔ ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ﴾ ❷ ''پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے۔ وہ ہے جو ''بکا'' میں ہے۔'' اب قرآن اور زبور کا اتفاق ہو گیا کہ مکہ کا نام خدا کے ہاں ''بکۃ'' ہے۔

(ج) ایک کنواں بنانے کا ثبوت باقی رہا، جو وادی بکا میں ہو۔ بخاری کی حدیث (کتاب الانبیاء ص ۳۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کے یہاں آنے، آباد ہونے کی بابت ایک طویل و مسلسل حدیث ہے۔ اس کے فقرہ نمبر ۲۰ میں یہ عبارت ہے ''فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِيَ سَعَتْ'' ''جب ہاجرہ اس وادی میں پہنچی تو وہاں (پانی کے لیے) دوڑی'' پھر فقرہ نمبر ۲۹ میں ہے: وَغَمَزَ عَقِبَهُ عَلَى الْأَرْضِ قَالَ فَانْبَثَقَ الْمَاءُ فَدَهِشَتْ أُمُّ إِسْمٰعِيلَ فَجَعَلَتْ تَحْفِرُ۔ ''فرشتہ نے ایڑی زمین پر ماری، پانی ابل پڑا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں حیران ہو گئی پھر اسے کھود کر کنواں بنانے لگی۔'' ❸

ناظرین! آپ نے دیکھا کہ زبور کے اس مقام میں ''بکہ'' کا نام بھی نکل آیا۔ وہاں کی مسجد کا نام ''بیت اللہ'' بھی ثابت ہو گیا۔ وہاں ایک کنوئیں کا ہونا بھی تحقیق ہو گیا اور وہاں کے رہنے والوں کو مبارک ہونا۔ ہمیشہ یاد خدا میں رہنا بھی ثابت ہو گیا۔

ہمارے مضمون ''تحویل قبلہ'' کی مناسبت سے یہ کافی دلیل ہمارے مدعا کی ہے۔

اس کے بعد اس قدر اور بھی گزارش کر دینا چاہتا ہوں کہ درس ۵ میں عربی عبارت کا مفہوم، اردو اور انگریزی زبور کی عبارت اور مفہوم سے زیادہ صاف ہے۔

عربی میں ہے: ''طُرُقُ بَيْتِكَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔'' اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''ان کے دلوں میں تیرے گھر کی راہیں ہیں۔'' لیکن اردو زبور میں ہے: ''ان کے دل میں تیری راہیں ہیں'' اور انگریزی میں ہے:

In whose heart are the ways of them.

اردو اور انگریزی نے لفظ بیت (گھر) کا ترجمہ اڑا دیا ہے۔ اردو میں ''تیری راہیں'' اور انگریزی میں Them ''ان کی راہیں'' لکھا۔ قرآن پاک اس بارے میں صاف ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ ❹

''اے میرے خدا! میں نے اپنی اولاد کو اس وادی میں جہاں روئیدگی نہیں، تیرے شوکت والے گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے خدا یہ اس لیے کیا کہ یہ سب (بسنے والے) نمازوں کو قیام دیں۔ اب تو لوگوں کے دلوں میں ان بسنے والوں کی محبت ڈال دے اور ان کو ہر طرح کے میووں کی روزی دیا کر، کہ یہ شکر گزار رہیں۔''

---

❶ ١٤/ ابراهيم: ٣٧۔ ❷ ٣/ آل عمران: ٩٦۔

❸ بخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله واتخذ الله ابراهيم خليلا، حديث: ٣٣٦٤۔ ❹ ١٤/ ابراهيم: ٣٧۔

دوسری عرض یہ ہے کہ درس ۵ کا پہلا جزو عربی میں یہ ہے: " طُوْبٰی لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ "اس میں لفظ ''اناس'' بصیغہ جمع ہے اور ''عزہم'' میں ''ہم'' بھی ضمیر جمع ہے۔ لیکن اردو میں یہ الفاظ ہیں: ''مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ اور انگریزی میں یہ الفاظ ہیں۔ blessed is the man whose sthrength is in thee. اردو میں لفظ ''انسان'' اور ''جس''۔ اور انگریزی میں لفظ ''مین'' اور ''ہوز'' واحد کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ عربی ترجمہ کی صحت اور اردو انگریزی ترجمہ کی غلطی اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اسی درس کے دوسرے جزو میں اردو میں ''ان کے'' اور انگریزی میں ''them'' جمع کے لیے موجود تھے۔

عربی توراۃ کا فقرہ: "طُوْبٰی لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ۔" دراصل فقرہ نمبر ۴ طُوْبٰی لِلسَّاكِنِيْنَ فِيْ بَيْتِكَ ہی کی صفت ہے۔ الغرض توراۃ کے اس مقام سے بکہ، بیت اللہ، زمزم، اولادِ اسمٰعیل صاف طور پر ثابت ہیں۔ وللہ الحمد۔

فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے اسی گھر کو جو وادی بکا میں ہے۔ ہمارا قبلہ بنایا نہ کہ یروشلم کو۔ کیونکہ ایک ایسے دین (اسلام) کے لیے جس کی بابت ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ ❶ (وہ سب دینوں پر اپنا غلبہ کرے) فرمایا گیا ہے۔ اسی گھر کا قبلہ ہونا مناسب تھا۔ نہ کہ اس کا جسے ہر ایک کافر فاتح نے توڑا اور ویران کیا اور بالآخر ''سنڈ اس'' کی جگہ بنایا اور وہاں کے رہنے والوں کو کئی کئی دفعہ غلام بننا، قیدی ہونا اور جلاوطن ہونا پڑا۔

خدا نے زبور کی مندرجہ بالا آیات ۴، ۵ میں جو وادیٔ بکا کے بیت اللہ کے پاس رہنے والوں کو مبارکباد دی ہے۔ اس کا ہزاروں برس سے یہ بھی اثر رہا ہے کہ اس قوم پر اور اس گھر (کعبہ) پر کسی غیر قوم کا قبضہ نہیں ہوا۔

زکوٰۃ

علم الاقتصاد یا تمدن یا پولیٹیکل اکانومی کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افرادِ قوم میں سے بلحاظ فقر و دولت کیونکر ایک تناسب قائم کیا جائے۔

زکوٰۃ اور تمدن انسانی

حکیم سولون کے عہد سے لے کر آج تک کوئی انسانی دماغ اس عقدہ کی گرہ کشائی نہیں کر سکا۔ یورپ میں نہلسٹ (جن کا مقصد یہ ہے کہ جملہ املاک و امتیازات پر افرادِ قوم کا مساوی حق تصرف اور یکساں حق مالکیت ہو۔) سوشیالسٹ (جن کا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملک میں کر دیا جائے)۔

نیشنلسٹ (جن کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے۔) یہ فرقے اسی لیے پیدا ہو گئے کہ اس مسئلہ کا حل کر سکیں۔

املاک پر سے حق ملکیت مالکان کا اٹھا دیا جانا۔ اس قدر عملاً محال ہے کہ دنیا میں کبھی بھی اس کا رواج نہ ہوگا۔ اسی لیے قرآن مجید نے اس بارہ میں پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے:

---

❶ ٦١/ الصف: ٩۔

﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ ﴾ ❶

''رزق میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر برتری دی ہے اور جن کو یہ برتری ملی ہے۔ وہ اپنا حصہ ان لوگوں کو جن کے وہ مالک ہو چکے ہیں۔ (اس لیے) واپس نہ کریں گے کہ سب آپس میں برابر ہو جائیں۔''

اسلام نے جو مسلمانوں کو دنیا کی برترین متمدن قوم بنانا چاہتا ہے۔ اس مسئلہ پر توجہ کی اور اسے ہمیشہ کے لیے طے کر دیا اور اسی کا نام ''فرضیت زکوٰۃ'' ہے۔

زکوٰۃ ۲ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ نبی ﷺ کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی مسکینوں کا ہمدرد، غریبوں پر رحم کرنے والا، درد مندوں کا غمگسار تھا اور اسلام میں شروع سے ہی مساکین اور غربا کی دستگیری پر مسلمانوں کو خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تھی۔ ان کی ہمدردی کو غربا کا رفیق بنایا جاتا تھا اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غربا، مساکین کے لیے بہت کچھ کیا بھی کرتے تھے۔ تاہم کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا۔ جس پر بطور آئین وضابطہ کے عمل کیا جاتا ہو۔ اس لیے دولت مند جو کچھ بھی کرتے تھے، اپنی فیاضی و نیک دلی سے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض اور اسلام کا تیسرا رکن (کلمہ شہادت اور نماز کے بعد) قرار دیا۔ زکوٰۃ، درحقیقت اس صفت ہمدردی ورحم کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے۔ جو انسان کے دل میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ قدرتاً وفطرتاً موجود ہے۔

زکوٰۃ، ادا کرنے سے ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاق انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی اور بخل و امساک کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے اور یہ فائدہ بھی ہے کہ غربا و مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا رہتا ہے اور اس لیے بے حد دولت کا جمع ہو جانا بھی اس میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ فائدہ بھی ہے کہ غربا کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک انس ومحبت اور اس کی دولت وثروت کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود وقائم سمجھتے ہیں۔ گویا دولت مند مسلمان کی دولت ایک ایسی کمپنی کی دولت کی مثال پیدا کر لیتی ہے۔ جس میں ادنیٰ واعلیٰ حصے کے حصہ دار شامل ہوتے ہیں۔

قوم کو یہ فائدہ ہے کہ بھیک مانگنے کی رسم قوم سے بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔

اسلام نے مساکین کا حق امرا کی دولت میں بنام نہاد زکوٰۃ اموال نامیہ یعنی ترقی کرنے والوں میں مقرر کیا ہے جن میں سے ادا کرنا بھی ناگوار نہیں گزرتا۔ اموال نامیہ میں تجارت، زراعت اور مویشی (بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے) نقدیت معادن اور دفائن شمار ہوتے ہیں۔ ❷

اب یہ دکھانا ضروری ہے، کہ جو نقد وجنس زکوٰۃ سے حاصل ہو، اس کے مستحق کون کون لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ

---

❶ ١٦/ نحل: ٧١۔ ❷ جنس اور مقدار زکوٰۃ کی شرح کتب فقہ میں درج ہے وہاں دیکھنی چاہیے اس کا موضوع اس کتاب سے زائد ہے۔

اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۭ﴾ ❶

زکوٰۃ وصدقات کا مال

(۱) فقیروں اور

(۲) مسکینوں کے لیے ہے (فقیر و مسکین کا فرق کتب فقہ میں دیکھو)۔

(۳) اور تحصیل داران زکوٰۃ کے لیے (جن کی تنخواہیں ادا ہوں گی)۔

(۴) اور ان لوگوں کے لیے جن کی دل افزائی اسلام میں منظور ہو۔ یعنی نو مسلم لوگ۔

(۵) اور غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے۔

(۶) اور ایسے قرضداروں کا قرضہ چکانے کے لیے جو قرض نہ اتار سکتے ہوں۔

(۷) اور اللہ کے رستہ میں (یعنی دیگر نیک کاموں کے لیے) ❷

(۸) اور مسافروں کے لیے۔

جن آٹھ مدات پر زکوٰۃ کی تقسیم کی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے ملک اور قوم اور افراد کی نوعی و شخصی ضروریات کو کیسی خوبی سے پورا کر دیا گیا ہے۔

غلامی کی تائید میں عیسائیت کی تعلیم

اس تقسیم کے نمبر ۵ پر مزید غور کرنا چاہیے کہ اسلام، اسلامی سلطنت کی کل آمدنی کو ۸ مدات پر تقسیم کر کے پانچویں مد آزادی غلاماں قرار دیتا ہے۔ جو لوگ تاریخ پر عبور رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ غلامی دنیا کے تمام متمدن ممالک چین، ہندوستان، مصر، روما، ایران میں ہزاروں سال سے رائج تھی۔ رحم دل مسیح علیہ السلام نے غلامی کے خلاف ایک حرف بھی بیان نہیں کیا۔ مگر پولوس نے غلامی کو تقویت دینے کے لیے ضرور زور دیا ہے۔ پولوس کہتے ہیں:

> ''اے غلامو! تم ان کی جو جسم کی نسبت تمہارے خاوند ہیں۔ اپنے دلوں کی صفائی سے ڈرتے اور تھرتھراتے ہوئے ایسے فرمانبردار بنو جیسے مسیح علیہ السلام کے۔ (افسیون باب ۶ درس ۵)

علی ہذا القیاس دیکھو (تمطاؤس باب ۶۔ ۱و۲۔ طیطاؤس ۱۔ ۹ نیز پطرس ۲۔ ۱۸)

احکامِ اسلام برائے آزادیٔ غلامان

پس یہ اسلام ہی ہے جس نے دنیا میں سب سے پہلے غلاموں کی تائید میں وعظ شروع کیا اور اس بارہ میں مختلف مدارج مقرر کیے۔

اول:۔ آزادیٔ غلامان کو نیکی کا اصل اصول بتایا۔ ﴿وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ﴾ ❸

دوم:۔ آزادیٔ غلامان کو حصول نجات کا ذریعہ بنایا۔ ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝﴾ ❹

---

❶ ۹ التوبہ:۶۰۔ ❷ [illegible] ❸ ۲/ البقرۃ:۱۷۷۔ ❹ ۹۰/ البلد:۱۱، ۱۳۔

سوم:۔ آزادیٔ غلامان کو بعض تقصیرات میں بطورِ تعزیر و کفارہ کے مقرر فرمایا ہے۔ مثلاً قتل خطا (جسے حالیہ قانونِ قتل ''مستلزم السزا'' کہتا ہے) کی تین حالتوں میں۔

(الف)	مقتول مسلمان ہو۔	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (۹۲:۵)
(ب)	مقتول مسلمان ہو مگر دشمن قبیلہ کا فرد ہو	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (۹۲:۵)
(ج)	مقتول (غیر مسلم اور) زیر معاہدہ قوم میں سے ہو۔	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (۹۲:۵)
(د)	نقض یمین کا کفارہ۔	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (۹۲:۵)
(ہ)	ظہار کا کفارہ	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (۵۸:۳)
(و)	رمضان کا ایک روزہ توڑنے کا کفارہ	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (حدیث شریف)
(ز)	آقا غلام کو سخت مارے۔ اس کا کفارہ۔	ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (حدیث شریف)

بالآخران سب کے بعد اسلامی سلطنت کی آمدنی کا آٹھواں حصہ ہمیشہ کے لیے اسی کام کے لیے خالص کر دیا ہے۔

انیسویں صدی میں انگلستان نے آزادی غلامان پر لاکھوں روپے صرف کیے تھے۔ یہ ایسا فخر ہے کہ یورپ کی کوئی سلطنت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ لیکن اسلام کے الٰہی حکم کو دیکھو کہ تیرہ سو برس پہلے سے اس کام کے لیے کل آمدنی کا ایک آٹھواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، کیا کوئی اہل دل اب بھی ایسا ہے جو اسلام کی اس فضیلت کا انکار کرے گا۔

بینک اور افلاس

تقسیم زکوٰۃ کے نمبر ۶ پر بھی غور کرنا چاہیے۔ حالیہ زمانہ نے قرضداروں کی سہولت کے لیے بینک قائم کیے ہیں۔ لیکن بنکوں کے قیام کا نتیجہ یہ ہے کہ سینکڑوں املاک غریب لوگوں کے قبضہ سے نکل نکل کر بنک کے پاس چلی گئی ہیں اور خاص خاص لوگوں کے سوا عوام میں افلاس و تنگدستی کی ترقی ہو گئی ہے قرض کا بلا سود کے ملنا محال ہو گیا ہے اور انہی مشکلات کی وجہ سے بعض طبائع نے جواز سود کی صورتوں کے نکالنے میں موشگافیاں کی ہیں۔ لیکن دیکھو اسلام کا احسان کہ اس نے قرض سے برباد ہونے والوں کے بچاؤ کا کیسا عجیب انتظام کیا ہے۔

بے شک سود کی حرمت کا حکم سنانا بھی اسلام ہی کا حق ہے۔ جس نے قرضداروں کی گلوخلاصی کے لیے ایسے عجیب انتظامات بھی کیے ہیں۔

اب زکوٰۃ کے متعلق یہ حدیث یاد رکھنی چاہیے:

((إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتُ مِنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ)) [1]

''یہ صدقہ کا مال لوگوں کی میل کچیل ہوتا ہے۔ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کے کنبہ والوں کے لیے یہ حلال نہیں۔''

اس حرمت کے حکم میں نبی ﷺ کے ساتھ حضور ﷺ کا کنبہ، چچے، پھوپھیاں، چچیرے بھائی اور ان کی سب اولاد اوران

---

[1] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقات، حدیث: ۲٤۸۲۔

سب کے لونڈی غلام بھی داخل ہیں۔تا کہ کسی شخص کو نبی ﷺ کی ذات عالی پر کسی قسم کے وہم کا شائبہ بھی نہ گزر سکے۔

رمضان ۲ ھ مقدس (فرضیت رمضان اور اس کے فوائد)

رمضان کے روزے بھی ہجرت کے دوسرے ہی سال فرض ہوئے اور سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن قرار پایا۔

۱: روزے صحت کو بڑھاتے ہیں۔

۲: امرا کو غربا کی حالت سے عملی طریق پر باخبر کرتے ہیں۔

۳: شکم سیروں اور فاقہ مستوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دینے سے قوم میں مساوات کے اصول کو تقویت دیتے ہیں۔

۴: قوت ملکیہ کو قوی اور قوت حیوانیہ کو کمزور بناتے ہیں۔

۵: قرآن مجید نے خاص طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ روزے خدا ترسی کی طاقت انسان کے اندر محکم کر دیتے ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [1] ''تاکہ تم تقویٰ والے بن جاؤ۔''

تقویٰ کی مثالوں پر غور کرو کہ

گرمی کا موسم ہے۔روزہ دار کو سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔تنہا مکان میں ٹھنڈا پانی اس کے سامنے موجود ہے۔مگر وہ پانی نہیں پیتا۔

روزہ دار کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔بھوک کی وجہ سے جسم میں ضعف بھی محسوس کرتا ہے،کھانا میسر ہے۔کوئی شخص اسے دیکھ بھی نہیں رہا،مگر وہ کھانا نہیں کھاتا۔

پیاری دل پسند بیوی پاس موجود ہے۔محبت کے جذبات اس کی خوبصورتی سے تمتع لینے کی تحریک کرتے ہیں۔الفت نے دونوں کو ایک دوسرے کا شیدا بنا رکھا ہے۔لیکن روزہ دار اس سے پہلوتہی اختیار کرتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ خدا کے حکم کی عزت اور عظمت اس کے دل میں اس قدر جاگزیں ہوگئی ہے کہ کوئی جذبہ بھی اس پر غالب نہیں آسکتا اور روزہ ہی اسکے دل میں عظمت اور جلال الٰہی قائم ہونے کا باعث ہوا ہے۔یہ ظاہر ہے کہ جب ایک ایماندار خدا کے حکم کی وجہ سے جائز،حلال،پاکیزہ خواہشات کے چھوڑ دینے کی عادت کر لیتا ہے تو وہ بالضرور خدا کے حکم کی وجہ سے حرام،ناجائز اور گندی خواہشات وعادات کو چھوڑ دے گا۔اور ان کے ارتکاب کی کبھی جرأت نہ کرے گا۔یہی وہ اخلاقی برتری ہے جس کا روزہ دار کے اندر پیدا کر دینا اور مستحکم کر دینا شرع کا مقصود ہے۔

اسی لیے حدیث صحیح میں ہے:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) [2]

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱۸۳۔ [2] بخاری، کتاب الصوم، باب ومن لم یدع قول الزور، حدیث: ۱۹۰۳۔

''جو روزہ دار جھوٹ کہنا، لغو بکنا اور لغو وفضول کاموں کا کرنا، چھوڑ نہیں دیتا تو خدا کو کچھ پروا نہیں ہے اگر وہ کھانا، پینا چھوڑ دیتا ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

((إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ)) ①

''جب کوئی شخص کسی دن روزہ رکھے تو نہ کوئی بیہودہ لفظ زبان سے نکالے نہ بکواس اور شور کرے اور اگر کوئی اور شخص اسے گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تب کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں (گالی کا جواب دینا، جھگڑا کرنا مجھے شایان نہیں)۔''

روزہ اور چاند کی تاریخیں

(الف) رمضان کا مہینہ قمری حساب پر رکھا گیا ہے۔ کیونکہ جب نصف دنیا پر سردی کا موسم ہوتا ہے تو دوسرے نصف حصہ پر گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ قمری مہینہ اُدل بدل کر آنے سے کل دنیا کے مسلمانوں کے لیے مساوات قائم کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شمسی مہینہ مقرر کر دیا جاتا تو نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ سرما کی سہولت میں اور نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ گرما کی سختی اور تکلیف میں رہا کرتے اور یہ امر عالمگیر مذہب کے اصول کے خلاف ہوتا۔

(ب) روزہ رکھنا دشوار نہیں ہے مگر جس شخص کے شہوانی خیالات ہوں یا جو جسمانی ناز و تنعم ہی کو زندگی کا شیریں مقصد سمجھتا ہو۔ اس کے لیے روزہ رکھنا بیشک سخت گراں ہے۔ رمضان کا اسلام میں فرض ہونا بلکہ رکن اسلام ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ اسلام کس قدر ایمانی اور ملکوتی طاقتوں کو بڑھانے والا اور کس قدر جسمانی و شہوانی خیالات کو ملیا میٹ کر دینے والا ہے۔ ②

۳ھ کے رمضان میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کے پہلوٹھے فرزند ہیں۔

ام الخبائث شراب کو اسلام نے حرام کیا

۴ھ کی برکات میں سے بڑی برکت یہ ہے کہ شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کچھ لوگ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ میں انہیں شراب پلا رہا تھا۔ اتنے میں منادی ہونے لگی کہ شراب حرام ہوگئی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی کہہ دیا کہ جتنی شراب باقی ہے اسے باہر پھینک دو۔ اس روز مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب بہہ نکلی تھی۔

آج دنیا کے مختلف ملکوں میں مختلف اقوام ٹمپرنس سوسائیٹوں کے ذریعے سے انسداد شراب کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہ جملہ اقوام اسلام کی اس تعلیم کے زیر بار احسان ہیں کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے شراب کی قلیل و کثیر مقدار کو حرام مطلق قرار دیا ہے۔

---

① بخاري، كتاب الصوم، باب هل يقول اني صائم اذا شتم، حديث: ۱۹۰۴۔

② مسیح نے فرمایا۔ ۱۷ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر پر چکنائی لگا اور منہ دھو۔ ۱۸ تا کہ آدمی پر نہیں بلکہ تیرے باپ پر جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے روزہ دار ظاہر ہو اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے آشکارا تجھے بدلا دے۔ (انجیل متی ۶۔ باب ۱۷۔۱۸)

اسلام نے شراب کا نام ''ام الخبائث'' رکھا ہے (برائیوں اور پلیدیوں کی ماں) انسان کے جسم پر، رویہ پر، اخلاق پر، ملک کے امن وانتظام پر، قبائل کی عادات پر، فوج کی اطاعت اور قوت پر، جو برا اثر شراب کا تجربہ اور مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ شراب کے لیے ''ام الخبائث'' کیسا موزوں اور زیبا نام ہے۔

بعض لوگ اسلام کی صداقت پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ اسلام نے شہوانی خیالات کو تحریک دے کر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی تحریص دلائی ہے۔ ان پر ذرا غور کرنا چاہیے کہ شراب کو حرام ٹھہرانے والا کس قدر شہوانی خیالات کا دشمن ہو گا اور جس مذہب میں شراب ہی حرام ہو اس میں داخل ہونے سے عیاش طبیعتوں کو کتنی جھجک ہو گی۔

ولادت وشہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

اسی سال ۴ھ کے شعبان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ جو عشرہ محرم ۶۱ھ میں میدان کربلا میں نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے ان کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان و مال وحرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسی جنگ میں صبر واستقلال، رضا وتوکل، احقاقِ حق واتباع صداقت کے ایسے نمونے دکھائے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان وتربیت کا اثر ونتیجہ تھا۔

ثمامہ بن اثال سردار نجد کا مسلمان ہونا ۵ھ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی جانب روانہ فرمائے تھے، وہ واپس ہوتے ہوئے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لائے تھے۔ فوج والوں نے انہیں مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ لا باندھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تشریف لا کر دریافت کیا کہ ''ثمامہ کیا حال ہے؟''

ثمامہ نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا حال اچھا ہے، اگر آپ میرے قتل کیے جانے کا حکم دیں گے تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہو گا اور اگر آپ انعام فرمائیں گے تو ایک شکر گزار پر رحمت کریں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہیے، بتا دیجیے۔

دوسرے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ سے پھر وہی سوال کیا۔ ثمامہ نے کہا: کہ میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ احسان فرمائیں گے تو ایک شکر گزار شخص پر فرمائیں گے۔

تیسرے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ثمامہ سے وہی سوال کیا اس نے کہا کہ میں اپنا جواب دے چکا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔

ثمامہ رہائی پا کر ایک کھجور کے باغ میں گیا جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھا۔ وہاں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوٹ کر آ گیا اور آتے ہی کلمہ پڑھ لیا۔

ثمامہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے خدا کی کہ سارے عالم میں آپ سے زیادہ اور کسی شخص سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن اب تو آپ ہی مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں۔

بخدا! آپ کے شہر سے مجھے نہایت نفرت تھی، مگر آج تو مجھے وہ سب مقامات سے پسندیدہ تر نظر آتا ہے۔ بخدا! آپ کے دین سے بڑھ کر مجھے کسی دین سے بغض نہ تھا لیکن آج تو آپ ہی کا دین محبوب تر ہو گیا ہے۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی عرض کیا کہ میں اپنے وطن سے مکہ کو عمرہ کے لیے جا رہا تھا۔ راستہ میں گرفتار کرلیا گیا۔ اب عمرہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ نبی ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی بشارت (مبارک) دی اور عمرہ کے ادا کرنے کی اجازت فرمائی۔

آپ ﷺ کا جانی دشمنوں سے حسن سلوک

ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ پہنچا تو وہاں کے ایک شخص نے پوچھا، کہو تم صابی بن گئے؟ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، میں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ اور اسلام قبول کیا ہے اور اب یہ یاد رکھنا کہ ملک یمامہ سے تمہارے پاس ایک دانہ گندم بھی نہ آئے گا۔ جب تک کہ نبی ﷺ کی اجازت نہ ہوگی۔ [1]

ثمامہ نے اپنے ملک میں پہنچتے ہی مکہ کی طرف آنے والا اناج غلہ بند کر دیا۔ غلہ کی آمد رک جانے سے اہل مکہ بلبلا اٹھے اور آخر نبی ﷺ ہی سے انہیں التجا کرنی پڑی۔ نبی ﷺ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ غلہ بدستور جانے دے (ان دنوں اہل مکہ نبی ﷺ کے جانی دشمن تھے) اس قصہ سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے کیونکر ایک شخص کو جان بخشی فرمائی، جو خود بھی اپنے آپ کو واجب القتل سمجھتا تھا۔ [2]

اور نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کے پاکیزہ حالات اور اخلاق کا کیسا گہرا اثر لوگوں پر پڑتا تھا کہ ثمامہ جیسا شخص جو اسلام اور مدینہ اور آنحضرت ﷺ سے سخت نفرت و عداوت رکھتا تھا۔ تین روز کے بعد بخوشی خود مسلمان ہوگیا تھا۔ بلکہ نبی ﷺ کی نیکی اور طینت کی پاکی و رحم دلی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مکہ کے جن کافروں نے آنحضرت ﷺ کو مکہ سے نکالا تھا۔ اور بدر، احد اور خندق میں اب تک نبی ﷺ اور مسلمانوں کے تباہ و برباد کرنے کے لیے ساری طاقت صرف کر چکے تھے، ان کے لیے ''رحمۃ للعالمین'' یہ پسند نہیں فرماتے کہ ان کا غلہ روک دیا جائے اور ان کو تنگ و ذلیل کر کے اپنا فرمانبردار بنایا جائے۔

صلح حدیبیہ ۶ ھ مقدس

اس سال نبی ﷺ نے اپنا ایک خواب مسلمانوں کو سنایا، فرمایا: ''میں نے دیکھا۔ گویا میں اور مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔'' اس خواب کے سننے سے غریب الوطن مسلمانوں کو اس شوق نے جو بیت اللہ کے طواف کا ان کے دل میں تھا، بے چین کر دیا اور انہوں نے اسی سال نبی ﷺ کو سفر مکہ کے لیے آمادہ کرلیا۔ مدینہ سے مسلمانوں نے سامان جنگ ساتھ نہیں لیا۔ بلکہ قربانی کے اونٹ ساتھ لیے اور سفر بھی ذیقعدہ کے مہینہ میں کیا۔ جس میں عرب قدیم رواج کی پابندی سے جنگ ہرگز نہ کیا کرتے تھے۔ اور جس میں ہر ایک دشمن کو بھی بلا روک ٹوک مکہ میں آنے جانے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ جب مکہ ۱۹ میل رہ گیا تو نبی ﷺ نے مقام حدیبیہ سے قریش کے پاس اپنے آنے کی اطلاع بھیج دی اور آگے بڑھنے کی اجازت بھی ان سے چاہی۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کا اسلامی تاریخ میں ''ذوالنورین'' لقب ہے۔ سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لشکر اسلامی

---

[1] بخاری عن ابی هريرة، كتاب المغازی، باب وفد بنی حنيفة، حديث: ٤٣٧٢۔

[2] ثمامہ سید ملک نجد کے گرفتار کیے جانے کی وجہ ہر چند کہ اس روایت میں بیان نہیں ہوئی لیکن یہ یقینی ہے کہ گرفتاری بالضرور کسی جرم کے بعد ہوئی تھی۔ غور کیجیے ثمامہ کے الفاظ پر کہ وہ خود اپنے آپ کو واجب القتل تسلیم کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے جب اسے بلا کسی شرط کے بلا کسی معاوضہ کے اور بلا تکلیف تبدیل مذہب کے آزاد فرما دیا تو اس کے دل پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق و احسان نے وہ کام کیا کہ اس کی ہدایت کا سامان ہوگیا۔

میں یہ خبر پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل یا قید کر دیا ہے۔اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے سروسامان جمعیت سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ ❶ کہ اگر لڑنا بھی پڑا تو ثابت قدم ❷ رہیں گے، بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو ❸ تھی۔قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ ❹

اس بیعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا داہنا ہاتھ قرار دیا اور انکی جانب سے اپنے داہنے ہاتھ پر بیعت کی۔اس بیعت کا حال سن کر قریش ڈر گئے اور ان کے سردار یکے بعد دیگرے حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔عروہ ❺ بن مسعود جو قریش کی جانب سے آیا تھا۔اس نے قریش کو واپس جا کر کہا:

''اے قوم! مجھے بارہا نجاشی (بادشاہ حبش) قیصر (بادشاہ قسطنطنیہ) کسریٰ (بادشاہ ایران) کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔مگر مجھے کوئی بھی ایسا بادشاہ نظر نہ آیا، جس کی عظمت اس کے درباروالوں کے دل میں ایسی ہو، جیسے اصحاب محمد رضی اللہ عنہم کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔''

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتا ہے تو اس کا آب دہن زمین پر گرنے نہیں پاتا، کسی نہ کسی کے ہاتھ ہی پر گرتا ہے اور وہ شخص اس آب دہن کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے۔

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے سب مبادرت (جلدی) کرتے ہیں۔اب وہ وضو کرتا ہے تو آب مستعمل وضو کے لیے ایسے گر پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی۔جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ان کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب ہے کہ وہ اس کے سامنے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔میری رائے ہے کہ ان سے صلح کر لو، جس طرح بھی بنے۔ ❻

سوچ سمجھ کر قریش صلح کرنے پر آمادہ ہوئے۔صلح کے لیے مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں۔

۱: دس سال تک باہمی صلح رہے گی۔جانبین کی آمدورفت میں کسی کو روک ٹوک نہ ہوگی۔

۲: جو قبائل چاہیں، قریش سے مل جائیں اور جو قبائل چاہیں وہ مسلمانوں کی جانب شامل ہو جائیں۔دوستدار قبائل کے حقوق بھی یہی ہوں گے۔

۳: اگلے سال مسلمانوں کو طواف کعبہ کی اجازت ہوگی۔اس وقت ہتھیار ان کے جسم پر نہ ہوں۔گو سفر میں ساتھ ہوں۔

۴: اگر قریش میں سے کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر چلا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو قریش کے طلب کرنے پر واپس کر دیں گے۔لیکن اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش سے جا ملے، تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

آخری شرط سن کر تمام مسلمان، بجز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا اٹھے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بارے میں زیادہ پرجوش تھے لیکن

---

❶ بخاري، كتاب الجهاد، باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا، حديث: ٢٩٥٩، ٢٩٦٠۔

❷ بخاري، كتاب الجهاد، باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا، حديث: ٢٩٥٨۔

❸ بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: ٤١٥٠۔ ❹ ٤٨/ الفتح:١٨۔

❺ یہ عروہ جو آج قریش کا سفیر بن کر آیا تھا۔چند سال کے بعد خود بخود مسلمان ہو گیا تھا اور اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے سفیر اسلام بن کر گیا تھا۔

❻ بخاري عن مسور بن مخرمة، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد، حديث:٢٧٣٢۔

نبی ﷺ نے ہنس کر اس شرط کو بھی منظور فرما لیا۔

معاہدہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ انہوں نے شروع میں لکھا۔

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ"

سہیل جو قریش کی طرف سے مختارِ معاہدہ تھا۔ بولا، بخدا ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کسے کہتے ہیں۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔

نبی ﷺ نے وہی لکھ دینے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر لکھا۔ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان منعقد ہوا ہے۔

سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا ہے۔ اور نبی ﷺ نے اس کی درخواست پر محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔ [1]

عہد نامہ کب واجب العمل ہوتا ہے

معاہدہ کی آخری شرط کی نسبت قریش کا خیال تھا کہ اس شرط سے ڈر کر کوئی شخص آیندہ مسلمان نہ ہوگا۔ لیکن یہ شرط ابھی طے ہی ہوئی تھی اور عہد نامہ لکھا ہی جا رہا تھا۔ دونوں طرف سے معاہدہ پر دستخط بھی نہ ہوئے تھے کہ سہیل بن عمرو (جو اہل مکہ کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے کا اختیار رکھتا تھا) کے سامنے ابو جندل اسی جلسہ میں پہنچ گیا، ابو جندل رضی اللہ عنہ مکہ میں مسلمان ہو گیا تھا۔ قریش نے اسے قید کر رکھا تھا اور اب وہ موقع پا کر زنجیروں سمیت ہی بھاگ کر لشکر اسلامی میں پہنچا تھا۔ سہیل نے کہا کہ اسے ہمارے حوالہ کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عہد نامے کے مکمل ہو جانے پر اس کے خلاف نہ ہوگا۔ یعنی جب تک عہد نامہ مکمل نہ ہو جائے اس کی شرائط پر عمل نہیں ہو سکتا۔ سہیل نے بگڑ کر کہا کہ تب ہم صلح ہی نہیں کرتے۔ نبی ﷺ نے حکم دیا اور ابو جندل کو قریش کے سپرد کر دیا گیا۔

قریش نے مسلمانوں کے کیمپ میں اس کی مشکیں باندھیں، پاؤں میں زنجیر ڈالی اور کشاں کشاں لے گئے، نبی ﷺ نے جاتے وقت اس قدر فرما دیا تھا کہ ابو جندل! خدا تیری کشایش کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا۔ [2]

ابو جندل رضی اللہ عنہ کی ذلت اور قریش کا ظلم دیکھ کر مسلمانوں کے اندر جوش اور طیش تو پیدا ہوا۔ مگر نبی ﷺ کا حکم سمجھ کر ضبط و صبر کیے رہے۔

حملہ کرنے والے اسی اعداء کو معافی

نبی ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی ۸۰ آدمی کوہ تنعیم سے صبح کے وقت جب کہ مسلمان نماز میں مصروف تھے اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کے اندر قتل کر دیں۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں ازراہ رحم دلی و عفو چھوڑ دیا اسی واقعہ پر قرآن مجید میں اس آیت کا نزول ہوا:

---

[1] بخاری عن مسور بن مخرمۃ، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، حدیث: ۲۷۳۲ یہی سہیل جو آج اسم مبارک محمد کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کرتا ہے چند سال کے بعد دلی شوق اور امنگ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ انتقال نبوی ﷺ کے بعد مکہ معظمہ میں اس نے اسلام کی حقانیت پر ایسی زبردست تقریر کی تھی جو ہزاروں مسلمانوں کے لیے استحکام و تازگی ایمان کا باعث ٹھہری تھی۔ بیشک یہ اسلام کا عجیب اثر ہے کہ وہ جانی اور دلی دشمنوں کو دم بھر میں اپنا فدائی بنا لیتا ہے۔

[2] بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، حدیث: ۲۷۳۲۔

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ ❶

''خداوہ ہے جس نے وادی مکہ میں تمہارے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ بھی (ان پر قابو پانے کے بعد) ان سے روک دیئے۔''

برکاتِ معاہدہ

الغرض یہ سفر بہت خیر و برکت کا موجب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے معاندین کے ساتھ معاہدہ کرنے میں فیاضی، حزم، دور بینی اور حملہ آور دشمنوں کی معافی میں عفو اور ''رحمۃ للعالمینی'' کے انوار کا ظہور دکھایا۔ حدیبیہ ہی سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اسی معاہدہ کے بعد ''سورۃ الفتح'' کا نزول حدیبیہ میں ہوا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ معاہدہ ہمارے لیے فتح ہے؟ فرمایا: ہاں! ❷ ابوجندل رضی اللہ عنہ نے زندان مکہ میں پہنچ کر دین حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ جو کوئی اس کی نگرانی پر مامور ہوتا، وہ اسے توحید کی خوبیاں سناتا، اللہ کی عظمت و جلال بیان کر کے ایمان کی ہدایت کرتا۔ خدا کی قدرت کہ ابوجندل اپنے سچے ارادے اور سعی میں کامیاب ہو جاتا اور وہ شخص مسلمان ہو جاتا۔ قریش اس دوسرے ایمان لانے والے کو بھی قید کر دیتے۔ اب یہ دونوں مل کر تبلیغ کا کام اسی قید خانہ میں کرتے۔

الغرض اس طرح ایک ابوجندل رضی اللہ عنہ کے قید ہو کر مکہ پہنچ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کے اندر قریباً تین سو اشخاص ایمان لے آئے۔

اب قریش پچھتائے کہ ہم نے کیوں عہد نامے میں ان ایمان والوں کو واپس لینے کی شرط درج کرائی۔ پھر انہوں نے مکہ کے چند منتخب شخصوں کو نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ عہد نامہ کی اس شرط سے دستبردار ہوتے ہیں۔ ان نو مسلموں کو اپنے پاس بلا لیجئے۔ نبی ﷺ نے معاہدہ سے خلاف کرنا پسند نہ فرمایا۔ ❸

---

❶ ٤٨/ الفتح :٢٤۔ ❷ بخاری، عن ابو وائل کتاب الجزیة، باب ١٨، حدیث: ٣١٨٢۔

❸ **ابوجندل، ابوبصیر اور ابوالعاص کے واقعات:** ابوجندل رضی اللہ عنہ کی طرح ایک شخص ابوبصیر رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ مسلمان ہو کر مدینہ پہنچا۔ قریش نے اسے واپس لانے کے لیے دو شخص نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیا۔ راستہ میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو دھوکہ دے کر مار دیا۔ دوسرا نبی ﷺ کی خدمت میں اطلاع کے لیے گیا، اس کے پیچھے ہی ابوبصیر بھی پہنچا۔ نبی ﷺ نے اسے فساد انگیز فرمایا۔ اس عتاب سے خوفزدہ ہو کر وہ وہاں سے بھی بھاگا۔ قریش نے ابوجندل اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ کو چونکہ مدینہ آنے کی اجازت نہ تھی اس لیے اس نے مکہ سے شام کے راستہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ جو قافلہ قریش کا آتا جاتا اسے لوٹ لیتا (کیونکہ قریش فریق جنگ تھے) ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے ساتھ جا ملا۔ ایک دفعہ ابوالعاص بن ربیع کا قافلہ بھی شام سے آیا۔ ابوجندل وغیرہ ابوالعاص سے واقف تھے، سیدہ زینب بنت رسول ﷺ کا اس سے نکاح ہوا تھا (گو ابوالعاص کے مشرک رہنے سے افتراق ہو چکا تھا) ابوجندل نے قافلہ کو لوٹ لیا مگر کسی جان کا نقصان نہ کیا اس لیے کہ ابوالعاص ان میں تھا۔ ابوالعاص وہاں سے سیدھا مدینہ آیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وساطت سے ماجرا کی اطلاع نبی ﷺ تک پہنچائی۔ نبی ﷺ نے معاملہ صحابہ کے مشورہ پر چھوڑ دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوالعاص کی تائید میں فیصلہ کیا۔ جب ابوجندل کو اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سارا اسباب رسی اور مہار شتر تک ابوالعاص کو واپس کر دیا۔ ابوالعاص مکہ پہنچا سب لوگوں کا روپیہ پیسہ اسباب لوٹایا۔ پھر منادی کرائی کہ اگر کسی کا کوئی حق مجھ پر رہ گیا ہو تو بتا دے، سب نے کہا تو بڑا امین ہے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے کہا اب میں جاتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں، مجھے ڈر تھا کہ اگر اس سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو لوگ الزام لگاتے کہ ہمارا مال مار کر مسلمان ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کو بھی اب مدینہ بلا لیا۔ تاکہ وہ قریش کو نہ لوٹ سکیں۔

اس وقت عام مسلمان بھی سمجھ گئے کہ معاہدہ کی وہ شرط جو ظاہراً اہم کو ناگوار تھی، اس کا منظور کر لینا کس قدر مفید ثابت ہوا۔

''ابوجندل رضی اللہ عنہ کے حال سے کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟''

ابوجندل کے قصہ سے ہر شخص جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم کا مادہ رکھتا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی صداقت کیسی الٰہی طاقت کے ساتھ پھیل رہی تھی اور کس طرح طالبان حق کے دل پر قبضہ کر رہی تھی کہ وطن کی دوری، اقارب کی جدائی، قید، ذلت، بھوک، پیاس، خوف وطمع، تلوار، پھانسی غرض دنیا کی کوئی چیز اور کوئی جذبہ ان کو اسلام سے نہ روک سکتا تھا۔

صلح کا حقیقی فائدہ

امام زہری رحمہ اللہ نے معاہدہ کی دفعہ اول کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ جانبین سے آمد و رفت کی روک ٹوک کے اٹھ جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ لوگ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور اس طرح ان کو اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے مواقع ملے اور اسی وجہ سے اس سال اتنے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے پیشتر کسی سال اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔

مسلمانوں کا طواف کعبہ کے لیے جانا اور اس کے نتائج ۷ھ مقدس

معاہدہ حدیبیہ کی شرط دوم کی رو سے مسلمان اس سال مکہ پہنچ کر عمرہ کرنے کا حق رکھتے تھے۔ اس لیے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مکہ پہنچا، مکہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں آنے سے تو نہ روکا۔ لیکن خود گھروں کو قفل لگا کر کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر جس کے نیچے مکہ آباد ہے، چلے گئے۔ پہاڑ پر سے مسلمانوں کے کام دیکھتے رہے۔

خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک عمرہ کے لیے مکہ میں رہا اور پھر ساری جمعیت کے ساتھ مدینہ کو واپس چلا گیا۔

ان منکروں پر مسلمانوں کے سچے جوش، سادہ اور مؤثر طریق عبادت کا اور ان کی اعلیٰ دیانت وامانت کا (کہ خالی شدہ شہر میں کسی کا ایک پائی کا بھی نقصان نہ ہوا تھا) عجیب اثر ہوا۔ جس نے سینکڑوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔

یہود کی چوتھی سازش، مدینہ پر حملہ کی تیاری، لشکر اسلام کا آگے بڑھ کر انہیں لینا

جنگ خیبر، محرم ۷ھ

خیبر مدینہ سے شام کی جانب تین منزل پر ایک مقام کا نام ہے۔ یہ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا۔ آبادی کے گرداگرد مستحکم قلعے بنائے ہوئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر حدیبیہ سے پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن (ایک ماہ سے کم) ہی ہوئے تھے کہ یہ سننے میں آیا کہ خیبر کے یہودی پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ [1] اور جنگ احزاب کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی کھوئی ہوئی جنگی عزت وقوت کو ملک بھر میں بحال کرنے کے لیے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ انہوں نے قبیلہ بنوغطفان کے چار ہزار جنگجو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ اگر مدینہ فتح ہو گیا تو پیداوار خیبر کا نصف حصہ ہمیشہ بنوغطفان کو دیتے رہیں گے۔

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد، ص: ۷۔

مسلمان محاصرہ کی سختی کو جو پچھلے سال جنگ احزاب میں انہیں اٹھانی پڑی تھی۔ ہنوز نہیں بھولے تھے۔ اس لیے سب مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ اس حملہ آور دشمن کو آگے بڑھ کر لینا چاہیے۔

نبی ﷺ نے اس غزوہ میں صرف انہی صحابہ کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی تھی جو

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ ❶

کی بشارت سے ممتاز تھے اور جن کو ﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا ﴾ ❷ کا مژدہ مل چکا تھا۔ ان کی تعداد (۱۴۰۰) چودہ سو تھی، جن میں سے دو سو (۲۰۰) اسپ سوار تھے۔

مقدمہ لشکر کے سردار عکاشہ بن ❸ محصن اسدی رضی اللہ عنہ اور میمنہ لشکر کے سردار عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ سردار میسرہ کوئی اور صحابی تھے۔ بیس صحابیہ عورتیں بھی شامل تھیں جو بیماروں اور زخمیوں کی خبر گیری اور تیمارداری کے لیے ساتھ ہوئی تھیں۔ ❹

لشکر اسلام آبادیٔ خیبر کے متصل رات کے وقت پہنچ گیا تھا۔ لیکن نبی ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ رات کو لڑائی شروع نہ کرتے تھے۔ ❺ اور نہ کبھی شب خون مارتے اس لیے لشکر اسلام نے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ معرکہ کے لیے اس مقام کا انتخاب مرد جنگ آزما حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ یہ میدان اہل خیبر اور بنوغطفان کے درمیان پڑتا تھا ❻ اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوا کہ جب بنوغطفان یہودیان خیبر کی مدد کے لیے نکلے تو انہوں نے لشکر اسلام کو سدراہ پایا اور اس لیے چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کا بڑا کیمپ اسی جگہ رہے گا۔ اور حملہ آور فوج کے دستے کیمپ سے جایا کریں گے۔ لشکر کے اندر فوراً مسجد تیار کر لی گئی تھی۔ ❼ اور جنگ کے دوش بدوش تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی جاری فرما دیا گیا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس کیمپ کے ذمہ دار افسر تھے۔

قصبہ خیبر کے قلعے جو آبادی کے دائیں بائیں واقع تھے، شمار میں دس تھے۔ جن کے اندر دس ہزار مرد رہتے تھے۔ ❽

ہم ان کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ❾

(۱) قلعہ ناعم (۲) قلعہ نطاۃ (۳) حصن صعب بن معاذ (۴) حصن قلعہ الزبیر۔

یہ چاروں حصون نطاۃ کے نام سے نامزد تھے۔

(۵) حصن شق (۶) حصن البر (۷) حصن ابی۔

یہ تینوں حصون شق کے نام سے نامزد تھے۔

---

❶ (٤٨/ الفتح:١٨) ''خدا تعالیٰ ان مومنوں سے خوش ہوا جو درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کے اندر کا حال جان لیا۔'' ❷ ۴۸/ الفتح: ۲۰۔ خدا نے تم سے بڑی بڑی فتوحات کا وعدہ کیا ہے جو تم حاصل کرو گے۔

❸ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ نبی ﷺ نے بشارت دی تھی کہ یہ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ بدر، احد، خندق اور دیگر مشاہد میں حاضر ہوئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بعمر ۴۵ سال شہید ہوئے۔ ❹ مدارج النبوۃ، ج ۲، ص: ۳۱٤۔

❺ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث: ٤١٩٧۔ ❻ تاریخ طبری، ج ۲، ص: ١٣٥۔

❼ بخاری عن سوید بن النعمان، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث: ٤١٩٥۔

❽ فتح الباری۔ بعض کتابوں میں قلعوں کی تعداد ۶، ۷ بھی درج ہے۔ ❾ سیرت محمدیہ ﷺ مولوی کرامت علی۔

(۸) حصن قموص طبری (۹) حصن وطیح (۱۰) حصن سلالم جسے حصن بنی الحقیق بھی کہتے ہیں۔

یہ تینوں حصون کتیبہ کے نام سے نامزد تھے۔

محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حملہ آور فوج کا سردار بنایا گیا۔ اور انہوں نے قلعہ نطاۃ پر جنگ کا آغاز کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حملہ آور فوج میں شامل ہوئے تھے۔ باقی ماندہ فوجی کیمپ زیر نگرانی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھا۔

محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پانچ روز تک برابر حملہ کرتے رہے۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ پانچویں یا چھٹے روز کا ذکر ہے کہ محمود رضی اللہ عنہ میدان جنگ کی گرمی سے ذرا ستانے کے لیے پائین قلعہ دیوار کے سایہ میں لیٹ گئے۔ کنانہ بن الحقیق یہودی نے انہیں غافل دیکھ کر ایک پتھر ان کے سر پر دے مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ فوج کی کمان محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان کے بھائی نے سنبھال لی اور شام تک کمال شجاعت و دلاوری سے لڑتے رہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ یہودیوں کے نخلستان کو کاٹا جائے۔ کیونکہ ان لوگوں کو ایک ایک درخت ایک ایک بچہ کے برابر پیارا ہے۔ اس تدبیر سے اہل قلعہ پر اثر ڈالا جا سکے گا۔ اس تدبیر پر عمل شروع ہو گیا تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر التماس کیا کہ یہ علاقہ یقیناً مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہونے والا ہے۔ پھر ہم اسے اپنے ہاتھوں کیوں خراب کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس نخلستان کے کاٹنے کے بارہ میں امتناعی حکم بھیج دیا۔

شام کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی مظلومانہ شہادت کا قصہ خود ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَأُعْطِيَنَّ (أَوْلَيَأْتِيَنَّ) الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ)) [1]

''کل فوج کا نشان اس شخص کو دیا جائے گا (یا وہ شخص نشان ہاتھ میں لے گا) جس سے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا۔''

یہ ایسی تعریف تھی جسے سن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے دن کی کمان ملنے کے آرزومند ہو گئے تھے۔

اس رات پاسبانی لشکر کی خدمت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ انہوں نے گرداوری کرتے ہوئے ایک یہودی کو گرفتار کیا اور اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں تھے۔ جب فارغ ہوئے تو یہودی سے گفتگو فرمائی۔ یہودی نے کہا کہ اگر اسے اور اس کے زن و بچہ کو جو قلعہ کے اندر ہیں۔ امان عطا ہو تو وہ بہت سے جنگی راز بتا سکتا ہے۔ یہ وعدہ اس سے کر لیا گیا۔ یہودی نے بتایا کہ نطاۃ کے یہودی آج کی رات اپنے زن و بچہ کو قلعہ شق میں بھیج رہے ہیں اور نقد و جنس کو قلعہ نطاۃ کے اندر دفن کر رہے ہیں، مجھے وہ مقام معلوم ہے جب مسلمان قلعہ نطاۃ لے لیں گے تو میں وہ جگہ بتا دوں گا۔ بتایا کہ قلعہ شق کے تہ خانوں میں قلعہ شکنی کے بہت سے آلات منجنیق وغیرہ موجود ہیں جب مسلمان قلعہ شق فتح کر لیں گے تو میں وہ تہ خانے بھی بتا دوں گا۔

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث: ۴۲۰۹۔

صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ انہیں آشوب چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہوتا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے تو نبی ﷺ نے لب مبارک جناب مرتضیٰ کی آنکھوں کو لگا دیا اسی وقت آنکھیں کھل گئیں۔ نہ آشوب کی سرخی باقی تھی اور نہ درد کی تکلیف۔ پھر فرمایا: ''علی جاؤ! راہ خدا میں جہاد کرو۔ پہلے اسلام کی دعوت دو، بعد میں جنگ۔ علی رضی اللہ عنہ اگر تمہارے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ کام بھاری غنیمتوں کے حاصل ہو جانے سے بہتر ہوگا۔''

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ ناعم پر جنگ کی طرح ڈالی۔ مقابلہ کے لیے قلعہ کا مشہور سردار مرحب میدان میں نکلا۔ یہ اپنے آپ کو ہزار بہادروں کے برابر کہا کرتا تھا۔

اس نے آتے ہی یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّىْ مَرْحَبُ   شَاكِي السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ إِذَا اللُّيُوْثُ أَقْبَلَتْ تَحَرَّبُ

''خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار سجانے والا بہادر تجربہ کار مرحب ہوں۔ جب لوگوں کے ہوش مارے جاتے ہیں تو میں بہادری دکھایا کرتا ہوں۔''

اس کے مقابلہ کے لیے عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ نکلے۔ وہ بھی اپنا رجز پڑھتے جاتے تھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّىْ عَامِرٌ شَاكِي السَّلَاحِ بَطَلٌ مُغَاوِرُ۔

''خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار چلانے میں استاد نبرد آزما تلخ ہوں، میرا نام عامر ہے۔''

مرحب نے ان پر تلوار سے وار کیا۔ عامر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈھال پر روکا اور مرحب کے حصہ زیریں پر وار چلایا۔ مگر ان کی تلوار جو لمبائی میں چھوٹی تھی، ان ہی کے گھٹنے پر لگی، جس کے صدمہ سے یہ بالآخر شہید ہو گئے۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نکلے۔

رجز حیدری رضی اللہ عنہ سے میدان گونج اٹھا آپ فرماتے تھے:

أَنَا الَّذِىْ سَمَّتْنِىْ أُمِّىْ حَيْدَرَه   أَكِيْلُكُمْ بِالسَّيْفِ كَيْلَ السَّنْدَرَه كَلَيْثِ بِغَابَاتٍ شَدِيْدٌ قَسْوَرَه۔ [1]

''میں ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر غضبناک رکھا ہے۔ میں اپنی تلوار کی سخاوت سے تمہیں بڑے بڑے پیمانے عطا کروں گا۔ میں شیر ببر، سخت حملہ آور، مرد میدان ہوں۔''

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی ہاتھ تلوار کا ایسا لگایا کہ مرحب کے خود آہنی کو کاٹتا، عمامہ کو قطع کرتا، سر کے دو ٹکڑے بناتا ہوا گردن تک جا پہنچا۔

مرحب کا بھائی یاسر نکلا، اسے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے خاک میں سلا دیا۔

اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عام حملہ سے قلعہ ناعم فتح ہو گیا۔

اسی روز قلعہ صعب کو حضرت خباب بن المنذر رضی اللہ عنہ [2] نے محاصرہ سے تیسرے دن بعد فتح کر لیا۔ قلعہ صعب سے مسلمانوں کو جو، کھجور، چھوہارے، مکھن، روغن زیتون، چربی اور پارچہ جات کی مقدار کثیر ملی۔ فوج میں قلت رسد سے جو تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ

---

[1] طبری، ج ۲، ص: ۱۳۷۔ [2] خباب بن المنذر انصاری اسلمی، ابو عمرو کنیت اور ذوالرائے لقب تھا۔ غزوہ بدر میں ۳۳ سال کے تھے میدان جنگ بدر کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ نے انکی رائے کو پسند فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔

رفع ہو گئی۔ اسی قلعہ سے آلات قلعہ شکن بھی برآمد ہوئے۔ جس کی خبر یہودی جاسوس دے چکا تھا۔ اس سے اگلے روز قلعہ نطاۃ فتح ہو گیا۔ اب قلعہ الزبیر پر جو ایک پہاڑی ٹیلہ پر واقع تھا اور اپنے بانی زبیر کے نام سے موسوم تھا۔ حملہ کیا گیا۔ دو روز کے بعد ایک یہودی لشکر اسلام میں آیا، اس نے کہا۔ یہ قلعہ تو مہینہ بھر تک بھی تم فتح نہیں کر سکو گے۔ میں ایک راز بتا تا ہوں۔ اس قلعہ کے اندر پانی ایک زیر زمین نالہ کے راہ سے جاتا ہے، اگر پانی کا راستہ بند کر دیا جائے، تو فتح ممکن ہے۔ مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ اب اہل قلعہ، قلعہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں آ کر لڑے اور مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر قلعہ فتح کر لیا۔

پھر حصن اُبی پر حملہ شروع ہوا۔ اس قلعہ والوں نے سخت مدافعت کی۔ ان میں سے ایک شخص جس کا نام غروان تھا۔ مبارزت کے لیے باہر نکلا۔ خباب رضی اللہ عنہ مقابلہ کو گئے اس کا بازو راست کٹ گیا وہ قلعہ کو بھاگا۔ خباب رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا اور اس کی رگ پاشنہ (ایڑی) کو بھی کاٹ ڈالا۔

وہ گر پڑا اور پھر قتل کر دیا گیا۔ قلعہ سے ایک اور مبارز نکلا۔ جس کا مقابلہ ایک مسلمان نے کیا۔ مگر مسلمان اس کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔ اب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نکلے انہوں نے جاتے ہی اس کے پاؤں کاٹ دیئے اور پھر قتل کر ڈالا۔

اب مسلمانوں نے حصن البر پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے قلعہ نشینوں نے مسلمانوں پر اتنے تیر برسائے اور اتنے پتھر گرائے کہ مسلمانوں کو بھی مقابلہ میں منجنیق کا استعمال کرنا پڑا۔ منجنیق وہی تھے جو حصن صعب سے غنیمت میں ملے تھے۔ منجنیقوں سے قلعہ کی دیواریں گرائی گئیں اور قلعہ فتح ہو گیا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا ۸ھ

انہی ایمان لانے والوں میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ جو جنگ احد میں کافروں کے رسالہ کے افسر تھے اور مسلمانوں کو انہوں نے سخت نقصان پہنچایا تھا۔

یہ وہی خالد رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اسلامی جنرل ہونے کی حیثیت سے مسیلمہ کذاب کو شکست دی۔ تمام عراق اور نصف شام کا ملک فتح کیا تھا۔ مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن اور ایسے جانباز اعلیٰ سپاہی کا خود بخود مسلمان ہو جانا، اسلام کی سچائی کا معجزہ ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ۸ھ

انہی ایمان لانے والوں میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ قریش نے ان ہی کو مسلمانوں سے عداوت اور بیرونی معاملات میں اعلیٰ قابلیت رکھنے کی وجہ سے اس ڈیپوٹیشن (وفد) کا سردار بنایا تھا۔ جو شاہ حبش کے پاس گیا تھا۔ تاکہ وہ حبش میں گئے ہوئے مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرے۔ اسی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ملک مصر کو فتح کیا تھا۔ ایسے مدبر و ماہر سیاست اور فاتح ممالک کا مسلمان ہو جانا بھی اسلام کا اعجاز ہے۔

انہی اسلام لانے والوں میں عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو کعبہ کے اعلیٰ مہتمم و کلید بردار تھے۔ جب یہ نامی سردار (جن کی شرافت، حسب و نسب سارے عرب میں مسلمہ تھی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ جا پہنچے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج اہل مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہم کو دے ڈالے۔''

عدی بن حاتم طائی کا ایمان لانا ۹ ھ

اس مشہور سردار کے ایمان لانے کی تقریب یہ ہوئی کہ ۹ ھ میں یمن کے قبیلہ بنی طے نے بغاوت کی تھی۔ اس وقت اس علاقہ کے حاکم اعلیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے فسادیوں کو پکڑ کر مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ ان میں حاتم طائی مشہور سخی کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کیا:

''میں سردار قوم کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا، غریبوں پر رحم کیا کرتا۔ وہ مر گیا۔ بھائی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اب آپ مجھ پر رحم کریں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں۔'' اس کے بعد اسے معہ اس کے متعلقین کے چھوڑ دیا۔ اور زادِ راہ اور لباس بھی عنایت فرمایا۔

عدی بن حاتم کا قصہ

عدی بن حاتم کا اپنا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے سخت نفرت تھی۔ کیونکہ میں عیسائی المذہب تھا، اپنی قوم کا سردار تھا، میری قوم غنیمت کا ایک چہارم حصہ مجھے ادا کیا کرتی تھی۔ میں اپنے دل میں کہا کرتا تھا کہ میں سچے دین پر بھی ہوں۔ اور اپنے علاقہ کا بادشاہ بھی ہوں۔ اس لیے مسلمان ہونے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنے شتر خانہ کے داروغہ کو کہہ رکھا تھا کہ دو عمدہ اونٹ جو تیز رفتار ہوں، ہر وقت میرے مکان پر موجود رکھا کرے اور جب اسے اس علاقہ میں مسلمانوں کے آنے کی خبر ملے۔ مجھے فوراً بتائے ایک روز داروغہ آیا: کہا، صاحب! محمدی فوج کے آ جانے پر جو کچھ کرنے کا ارادہ ہو، وہ کر گزریئے۔ کیونکہ مجھے دور سے کچھ جھنڈے نظر آتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اونٹ منگائے۔ بیوی، بچہ اور زر و مال کو لادا اور شام کو چل دیا۔ میری بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رہائی حاصل کرنے کے بعد میرے پاس شام ہی میں پہنچی، اس نے اپنی رہائی کی تمام کیفیت سنائی۔ میری بہن نہایت دانا اور عقیل تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا، میری رائے یہ ہے کہ تو جلد اس کے پاس چلا جا۔ کیونکہ اگر وہ نبی ہے، تب تو سابقین کی فضیلت کو کیوں ضائع کیا جائے اور اگر وہ بادشاہ ہے، تب بھی اس کے پاس جانے سے ذلیل نہ ہوگا، کیونکہ تو تو ہی ہے۔ (تو خود ہی اپنی قابلیتوں میں بے نظیر ہے) بہن کے مشورہ پر میں مدینے میں آیا۔ اس وقت نبی اللہ مسجد میں تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ فرمایا: کون؟ میں نے کہا۔ عدی بن حاتم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر چلے۔ راستہ میں ایک کھوسٹ بڑھیا ملی۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اس کے پاس کھڑے رہے اور وہ اپنی لمبی داستان سناتی رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا، یہ شخص بادشاہ تو ہرگز نہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں پہنچے، ایک چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پٹھے بھرے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے پھینک دیا۔ فرمایا: اس پر بیٹھو۔ میں نے کہا: نہیں، حضور بیٹھیں۔ فرمایا: نہیں! تم ہی بیٹھ جاؤ۔ میں گدے پر بیٹھ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے۔ اب پھر میرے دل نے گواہی دی کہ یہ بادشاہ ہرگز نہیں۔

اب نبی ﷺ نے فرمایا: تم تو رکوسی ❶ ہو۔ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: تم تو اپنی قوم سے غنیمت اور پیداوار کا چہارم لیا کرتے ہو۔ میں نے کہا ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا تو تیرے دین میں جائز نہیں۔ میں نے کہا سچ ہے اور میں نے دل میں کہا یہ ضرور نبی ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

نبی ﷺ نے پھر فرمایا: عدی! شاید اس دین میں داخل ہونے سے تم کو یہ امر مانع ہے کہ سب لوگ غریب ہیں۔ بخدا! ان میں اس قدر مال ہونے والا ہے کہ کوئی شخص مال لینے والا باقی نہ رہے گا۔

عدی! اس دین میں داخل ہونے سے تم کو شاید یہ امر بھی مانع ہے کہ ہم لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں اور ہمارے دشمن بہت ہیں۔ بخدا وہ وقت قریب آ رہا ہے۔ جب تو سن لے گا کہ ''اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا ڈر خوف نہ ہوگا۔''

عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر بھی مانع ہے کہ حکومت اور سلطنت آج کل دوسری قوموں میں ہے۔ واللہ! وہ وقت قریب آ رہا ہے، جب تو سن لے گا کہ ارض بابل کا سفید محل (نوشیرواں کا درباری دیوان خانہ) مسلمانوں کے ہاتھ پر مفتوح ہوگا۔

عدی! بتاؤ کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے کہنے میں تجھے کیا تامل ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوسکتا ہے؟

عدی! بتاؤ کہ ''اللہ اکبر'' کے کہنے میں تجھے کیا عذر ہے۔ کیا اللہ سے بھی کوئی بڑا ہے؟

عدی کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد میں مسلمان ہوگیا۔ میرے اسلام لانے سے نبی ﷺ کے چہرہ پر بشاشت اور فرحت نمایاں تھی۔

عدی کہتا ہے کہ اس ارشاد نبوی ﷺ کے بعد دو سال پورے ہو چکے تھے اور تیسرا سال جا رہا تھا کہ میں نے ارض بابل کے محلات کو بھی فتح شدہ دیکھ لیا۔ اور ایک بڑھیا کو قادسیہ سے مکہ تک حج کے لیے اکیلی آتے بھی دیکھ لیا اور مجھے امید ہے کہ تیسری بات بھی پوری ہو کر رہے گی۔ ❷

حج اسلام کا پانچواں رکن

اسلام کا پانچواں رکن حج ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام وہ پیغام محبت ہے۔ جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتا، بیگانوں کو یگانہ، اور آشناؤں کو صدیق بنا دیتا ہے۔

احکام اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ افراد مختلفہ کو ملت واحدہ بنا کر کلمہ واحدہ پر جمع کر دیا جائے۔

الف: اہل محلّہ میں محبت و اتحاد پیدا کرنے، قائم رکھنے کے لیے پنجگانہ نمازوں کے وقت اہل محلّہ پر محلّہ کی مسجد میں جمع ہونا واجب کیا گیا ہے۔

---

❶ ر۔ک۔و۔س۔ی (رکوسی) عیسائیوں کے ایک قدیم فرقہ کا نام ہے۔

❷ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۸۷ا عدی بن حاتم نے ۶۷ھ میں بعمر ۱۲۰ سال کوفہ میں وفات پائی۔

ب: اہل شہر میں محبت وتعلقات بڑھانے کے لیے ہفتہ میں ایک باران کا جامع مسجد میں اکٹھا ہونا مل کرنماز جمعہ ادا کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

ج: اہل شہراور دیہات کے قرب وجوار کے رہنے والوں میں تعارف وتعلق، محبت وشناسائی قائم کرنے کے لیے سال میں دوبار عیدین کی نماز کوسنن ہدیٰ میں قرار دیا گیا ہے۔ ہر دو موقعوں پر دیہات والے شہر کی طرف آتے ہیں اور شہر والے شہر سے نکل کران کے ملاقی ہوتے اور مل جل کرعبادت الٰہی کرتے ہیں۔

اسلامی عالم میں رابطۂ دین کے مضبوط کرنے مختلف نسلوں، مختلف قوموں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص کودین واحد کی وحدت میں شامل ہونے کے لیے ''حج'' عمر بھر میں ایک دفعہ ان سب اشخاص پر جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں، فرض کیا گیا ہے۔

۲: حج میں سب کے لیے وہ سادہ بن سلا لباس جونسل انسانی کے پدراعظم آدم علیہ السلام کا تھا، تجویز کیا گیا ہے۔ تاکہ ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ایک ہی قرآن، ایک ہی کعبہ پرایمان رکھنے والے ایک ہی صورت، ایک ہی لباس میں ایک ہی سطح پر نظر آئیں۔ اور چشم ظاہر بین کو بھی اتحاد معنوی رکھنے والوں کے اندر کوئی اختلاف ظاہری محسوس نہ ہو سکے۔

۳: حج کے لیے وہ مقام قرار دیا گیا ہے۔ جہاں صابی، یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے جداعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ بنائی تھی۔ چونکہ اقوام بالا کا مجموعہ دنیا کی دیگر اقوام سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس مقام کے اختیار کرنے کی تائید کثرت رائے اور قدامت زمانہ دونوں طرح ہوتی ہے۔

حج کے فوائد عظیمہ

۴: حج سے مقصود شوکت اسلام کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کوسفر بحر وبر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی اس مقصود کے ضمن میں داخل ہیں۔

بادشاہ کا جو مقصود شاندار درباروں (مثل کارونیشن) کے انعقاد سے۔

ایک مارشل کا جو مقصود عظیم فوجی ریویو سے۔

کانفرنس کا مقصود، سالانہ جلسوں کے انعقاد اور ڈیلی گیٹوں کے اجتماع سے۔

ایوان تجارت کا جو مقصود عالمگیر نمائشوں کے قیام سے۔

آثار قدیمہ کے جویا، صنادید عالم کے متلاشی، عالمان طبقات الارض، واقفان علم الالسنہ، اور محققان تاریخ اقوام وماہرین جغرافیہ عالم کو جن باتوں کی تلاش وطلب ہوتی ہے وہ سب امور حج سے پورے ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں حج ۹ ھ میں فرض ہوا۔ اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنایا اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ہمراہ کیا۔ تاکہ سب کو حج کرائیں۔

ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ براءت کا اعلان کریں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سورۂ براءت کی پہلی چالیس آیتوں کو مع ان احکام کے پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا۔ 1 اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔ 2

۱۰ھ ہجری: اس سال نبی ﷺ نے حج کا ارادہ کیا۔ اور جملہ اطراف میں اطلاع بھیج دی گئی کہ نبی ﷺ حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد انبوہ در انبوہ خلقت مدینہ طیبہ میں جمع ہو گئی۔ اس انبوہ میں ہر درجہ و ہر طبقہ کے شخص تھے۔

نبی ﷺ کا حج

ذی الحلیفہ میں نبی ﷺ نے احرام باندھا۔ اور یہیں سے "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔" کا ترانہ بلند کیا اور مکہ معظمہ کو احرام کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس مقدس کاروان کے ساتھ راستہ میں ہر ہر جگہ سے فوج در فوج لوگ شامل ہوتے جاتے تھے۔ 3

نبی کریم ﷺ کا راہ میں جب کسی ٹیلہ یا کریوہ سے گزر ہوتا تھا۔ تین تین بار تکبیر آواز بلند فرماتے تھے۔ 4

جب مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں 5 تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے اور پھر بالائے مکہ سے ان سب قوموں اور انبوہ کو لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور روز روشن میں کعبۃ اللہ کا طواف کر کے اللہ تعالیٰ کے جلال کو آشکارا فرمایا۔ 6

---

1 دیکھو یسعیاہ ۳۵ باب ۸ درس۔ وہ جو ناپاک ہے اس پر سے گزر نہ کرے گا۔ وہ انہیں کے لیے ہے۔

2 بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، كتاب الحج، باب "لا يطوف بالبيت عريان" حديث: ١٦٢٢۔

3 حجة الله البالغة، ج ٢، ص: ٦١۔

4 عن جابر بن عبدالله، بخاري، كتاب الشهادة۔ اب دیکھو، یسعیاہ باب ۴۲، درس ۱۱ "بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔"

5 اس وقت إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى کی شان اس قافلہ سالار پر نمودار تھی۔

6 اسی موقع کے متعلق یسعیاہ نبی کی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے کہا ہے: "اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا۔ ۲۔ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر، لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اسکا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ ۳۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ ۴۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر، وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں، وہ تجھ پاس آتے ہیں، تیرے بیٹے دور سے آویں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جاویں۔ ۵۔ تب تو دیکھے گی۔ ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹ کثرت سے آ کے تجھے چھپالیں گے۔ مدیان اور عیفہ کے جوان اونٹ وہ سب جو سبا کے ہیں آ دیں گے، وہ سونا اور لبان لائیں گے اور خداوند کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے۔"

نبی ﷺ کا مکہ سے ہجرت فرما جانا۔ مکہ کے لیے داغ اور کعبہ کے لیے موجب حسرت تھا لیکن اب پورے جاہ و جلال کے ساتھ توحید خالص کا اظہار و استحکام اور اشاعت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہونا اور کعبہ کا طواف کرنا بے شک بیت اللہ کے لیے دوچند مسرت کا باعث ہے۔ اول تو بچھڑے ہوئے فرزندان دین کا ملنا۔ دوم دین حقہ کا باشوکت ہونا۔ واضح ہو کہ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا۔ جو قتورہ بی بی کے بطن سے تھا اور عیفہ مدیان کے فرزند کا نام ہے۔ سبا بن یقسان بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ (کتاب پیدائش ۲۵ باب ۱ تا ۴ درس) یہ سب عرب میں آباد ہوئے اور اس حج میں وہ قبائل بھی حاضر ہوئے جن کے مورث اعلیٰ مدیان، عیفہ، سبا ہیں۔ اس لیے پیش گوئی (جس میں صراحت سے پتہ و نشان دیا گیا تھا) بالکل پوری ہوئی۔

زیارت کعبۃ اللہ سے فارغ ہو کر صفا اور مروہ کے پہاڑوں پر تشریف لے گئے۔ ان کی چوٹیوں پر چڑھ کر کعبہ کی جانب رخ کر کے کلمات توحید و تکبیر پڑھے۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ کے ترانے گائے۔ [1]

آٹھویں ذی الحج کو قیام گاہ مکہ سے روانہ ہو کر منیٰ ٹھہرے۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، صبح کی نمازیں منیٰ میں ادا فرمائیں۔

نویں ذی الحج کو آنحضرت ﷺ طلوع آفتاب کے بعد وادی نمرہ میں آ کر اترے۔ اس وادی کے ایک جانب عرفات اور دوسری جانب مزدلفہ ہے۔ دن ڈھلنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو کر عرفات میں تشریف لائے۔ تمام میدان سرتاسر لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر ایک شخص تکبیر و تہلیل، تمجید و تقدیس میں مصروف تھا۔ [1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۶۳۔ عربی کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور ستائش بھی اسی کے لیے شایان ہے وہ سب چیزوں کی قدرت رکھتا ہے خدا جس کے سوا عبادت کا کوئی بھی شایان نہیں ایک ہے، اسی نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ اسی نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اسی نے خود تمام فوجوں کو شکست دی۔''

ناظرین، ان کلمات قدسی میں اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بھی ہے اور مادہ پرست لوگوں کو نصرت الٰہی بھی بہ شکل مصور دکھائی گئی ہے۔ چند سال ہوئے یہی محمد ﷺ اسی مکہ میں اکیلا تھا۔ پھر اس کی دعوت پر ایک ایک دو دو آدمی اس کے ساتھ ملتے گئے۔ وہ سب اسی کوہ صفا کے دامن اور ارقم صحابی کے گھر میں تختے بند کر کے جمع ہوا کرتے تھے پھر کچھ اور زیادہ ہو گئے تو ملک نے ان کی مخالفت کی، کچھ حبش کو چلے گئے، کچھ رہ گئے تو زندان خانوں میں ڈالے گئے۔ محمد ﷺ بھی تین سال تک محصور رہے۔ آخر مکہ مسلمانوں کے لیے ناقابل سکونت ثابت ہوا۔ اور سب لوگ مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ محمد ﷺ کا جانا رات کی تاریکی میں تھا۔ ایک رفیق کے سوا اس وقت کوئی بشر ساتھ نہ تھا۔ دشمنوں کو ان کے بچ جانے کا رنج ہوا۔ ان کے مامن اور قیام گاہ پر نو برس تک برابر حملے کرتے رہے۔ آخر سب تھک تھکا کر بیٹھ رہے۔ اب وہی محمد ﷺ ہے، وہی مکہ ہے، وہی عرب ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے توحید کے نعرے لگائے جاتے اور فتح و نصرت ربانی کے ترانے سنائے جاتے ہیں، شخص واحد کا ایسی عداوتوں، مخاصموں، جنگوں اور تزویروں کے بعد ایسی لاثانی کامیابی حاصل کرنا ''اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ'' ہی سے تفسیر ہو سکتا ہے۔ یسعیاہ میں ہے: ''سلع (مدینہ) کے بسنے والے لوگ ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے۔'' (ص ۴۲/۱۱)۔

[1] تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ (یسعیاہ۔ ۴۲۔ ۱) دیکھو مکاشفات یوحنا ۱۴ باب ۱۔ (مکاشفات کے متعلق یہ درس یاد رکھنا چاہیے) ''یسوع مسیح کا مکاشفہ جو خدا نے اسے دیا تا کہ اپنے بندوں کو دے، باتیں جن کا جلد ہونا ضرور ہے، دکھا دے۔'' اس سے ظاہر ہے کہ مکاشفات جو مسیح کے اس دنیا سے جانے کے بعد ہوئے۔ زمانہ مابعد مسیح سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔

۱۴ باب	شرح باب ہذا
الف: پھر جو میں نے نگاہ کی اور دیکھا کہ برہ سیہون پہاڑ پر کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار۔	الف: برہ سے اصطلاح مکاشفات میں وہ گراں مایہ وجود مراد ہے جو بعد از رب سب سے برتر ہو۔ یہاں رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ سیہون سے مراد مقدس پہاڑ ہوتی ہے۔ یہاں پہاڑی سے عرفات کی پہاڑی مراد ہے ایک لاکھ چوالیس ہزار کی تعداد صحابہ جو حج میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ احادیث میں مذکور ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❀❀)

اس وقت ایک لاکھ چوالیس ہزار (یا چوبیس ہزار) کا مجمع احکام الٰہی کی تعمیل کے لیے ہمہ تن حاضر تھا۔ نبی ﷺ نے پہاڑی پر چڑھ کر اور قصواء پر سوار ہو کر خطبہ کا آغاز فرمایا:

نبی ﷺ کا خطبہ بیوم حجۃ الوداع

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَاأُرَانِي وَ إِيَّاكُمْ نَجْتَمِعُ فِي هٰذِهِ الْمَجْلِسِ أَبَدًا ۞ ا۔لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

(۞۞ گزشتہ سے پیوستہ) ب: جن کے ماتھوں پر اس کے باپ کا نام لکھا تھا

ب:۔ یہ درس ترجمہ ہے۔ ''سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ'' کا۔

ج: ۲۔ پھر میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، جو بہت پانیوں کے شور اور بڑے گرجنے کی آواز کی مانند تھی اور میں نے بربط نوازوں کی آواز جو اپنی بربط بجاتے تھے، سنی۔

ج: اس میں عام آوازہ تسبیح و تحمید کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بنی اسرائیل بربط اور باجہ کے ساتھ اپنی دعائیں پڑھا کرتے تھے۔

د: اور وہ تخت کے سامنے اور ان چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے گویا نیا گیت گا رہے تھے۔

د: نیا گیت سے زبان عربی مراد ہے جو اہل کتاب کے لیے نئی تھی۔ گویا گانے سے ظاہر ہے کہ گانا نہ ہوگا بلکہ تغنی و ترنم ہوگا۔

ہ۔و: اور کوئی اُن ایک لاکھ چوبیس ہزار کے سوا جو زمین سے خریدے گئے تھے۔ اس گیت کو سیکھ نہ سکا۔

ہ: رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس خطبہ کے سننے کا شرف ایک لاکھ ۲۴ ہزار ہی کو ملا تھا۔

و: خریدے جانے کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ

ز: یہ وہ لوگ ہیں جو عورتوں کے ساتھ گندگی میں نہ پڑے کہ کنوارے ہیں۔

ز: مومنین کی یہ صفت قرآن مجید میں بایں الفاظ ہے۔
وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ۔

ح: یہ وے ہیں جو برے کے پیچھے جاتے ہیں جہاں کہیں وہ جاتا ہے۔

ح: صحابہ کی یہ صفت قرآن مجید میں بایں الفاظ ہے۔
وَالَّذِينَ مَعَهُ نیز بالفاظ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ۔

ط: یہ خدا اور برے کے لیے پہلے پھل ہو کے آدمیوں سے مول لیے گئے ہیں۔

ط: یہ صفت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔
اَلْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ۔ نیز بالفاظ حدیث اختارهم الله لرسوله۔

ی:۔ ۵۔ اور ان کے منہ میں مکر پایا نہ گیا، کیونکہ وہ خدا کے تخت کے آگے بے عیب ہیں۔

ی: یہ صفت قرآن مجید میں بدیں الفاظ بیان ہوئی۔
إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔

إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِ كُمْ هٰذَا۔ وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضَلَّالاً يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ [2]

۲۔لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ۔

۳۔لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔

وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ۔

جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ بناتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا، میں چھوڑتا ہوں۔

وَ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَ أَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ۔

جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں۔ وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ۔

۴۔لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہو) نہ آنے دیں۔لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔

وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

---

[1] معدن الاعمال، حدیث نمبر: ۱۱۰۷۔ عن وابصۃ رضی اللہ عنہ رواہ ابن عساکر۔

[2] بخاری عن ابی بکرۃ، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث: ٤٤٠٦۔

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللهِ۔

۵۔لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ أَلَا فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّونَ بَيْتَ رَبِّكُمْ وَأَطِيعُوا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ ①

۶۔لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی ہے۔خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔اپنے مالوں کی زکوۃ نہایت دلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔خانہ خدا کا حج بجالاؤ۔اور اپنے اولیائے امور وحکام کی اطاعت کرو۔جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے۔

وَأَنْتُمْ تُسْئَلُونَ عَنِّي۔ فَمَاذَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟

۷۔لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتادو کہ تم کیا جواب دو گے؟

قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ

سب نے کہا: ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ

قَدْ بَلَّغْتَ

آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔

وَأَدَّيْتَ

آپ نے رسالت ونبوت کا حق ادا کر دیا۔

وَنَصَحْتَ

آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا (اس

فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةَ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيُنْكِتُهَا إِلَى النَّاسِ

وقت) نبی ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔آسمان کی طرف انگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

(فرماتے تھے) اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں۔)

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

اے خدا گواہ رہنا (کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں) اے

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

خدا شاہد رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں۔)

ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ②

---

① معدن الاعمال، حدیث: ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، عن ابی امامہ: رواہ طبری، ج ۲، ص: ۲۰۶ وابن عساکر۔

② عن جعفر صادق، عن محمد باقر بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث: ۲۹۵۰۔

أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلِّغُهُ أَنْ يَكُوْنَ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ۔ ❶

۸۔ دیکھو! جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو، جو موجود نہیں ہیں۔ اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

ناظرین! اس خطبہ نبوی ﷺ کو پڑھیں۔ غور سے پڑھیں۔ ذرا تفکر و تدبر سے پڑھیں کہ آنحضرت ﷺ نے کیوں کر اپنے الوداعی خطبہ میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور کیوں کر قرآن مجید پر عمل کرنے والے کے لیے یہ حتمی وعدہ کیا ہے کہ وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔

(۲) کیوں کر مسلمانوں کے باہمی جان و مال و عزت کو محفوظ فرمایا ہے۔

(۳) کیوں کر بیویوں کے حقوق پر نہایت مستحکم الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔

(۴) کیوں کر اپنی ذات مبارک کے متعلق اپنے عمر بھر کے کارناموں کے متعلق ہمارے باپ دادوں سے گویا مہریں کرالی ہیں۔

(۵) کیوں کر ہر ایک مسلمان کو تبلیغ اور اشاعت اسلام کا ذمہ دار و جواب دہ قرار دیا ہے۔

یہی ہیں وہ اصول واحکام جن پر عمل کرنا مسلمانوں کو دنیا اور دین میں سربلند کر سکتا ہے۔ اور جن کا ترکِ عمل انہیں "خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةَ" کا مصداق بناتا ہے۔

نبی کریم ﷺ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ اس آیت کا نزول ہوا۔ ❷

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ ❸

''آج ❹ میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے

---

❶ عن ابی بکر، بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، حدیث: ٤٤٠٦۔

❷ بخاری عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کتاب المغازی، باب حجته الوداع، حدیث: ٤٤٠٧۔ اب پڑھو مکاشفات ۱۴ باب۔ جس کے ایک سے پانچ درس تک پچھلے صفحہ پر درج ہیں۔ چھٹا درس اب درج کیا جاتا ہے۔

۶۔ ''اور میں نے ایک اور فرشتہ کو انجیل ابدی لیے ہوئے دیکھا کہ آسمان کے بیچوں بیچ اڑ رہا تھا، تاکہ زمین کے رہنے والوں اور سب قوموں اور فرقوں اور اہل زبان اور لوگوں کو خوشخبری سنائے۔''

پادری ڈبلیو ہوپر صاحب ایم اے نے جنہوں نے طالبان علم الٰہیات وافادہ عامہ کلیسا کے لیے تفسیر مکاشفات لکھی ہے اور کرسچن نالج سوسائٹی پنجاب نے ۱۸۸۹ء میں اسے چھپوایا ہے۔ اس درس کے تحت میں صفحہ ۱۴۰ پر لکھا ہے عیسائیوں کا ایک فرقہ جو فرنسسکی کے نام سے موسوم ہے اس درس سے ایک ابدی انجیل میں پیش گوئی نکالتا تھا (وہ فرقہ کہتا ہے) کہ یہ انجیل جواب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس ابدی کے سامنے عہد عتیق کی طرح منسوخ ہو جائے گی اور اس انجیل سے بہتر ایک انجیل نکلے گی جس کا نام ''ابدی انجیل'' ہوگا۔ وہ لوگ لفظ ابدی پر زیادہ زور دیتے تھے۔ ان کا معلم نیو یا قیم تھا۔ ہوپر صاحب کی رائے کے اندراج کا صرف یہ مطلب ہے کہ عیسائیوں نے انجیل ابدی کے لفظ سے کسی دوسری کتاب کا نازل ہونا سمجھا ہے۔ الحمد للہ! وہ قرآن مجید ہے اور چونکہ آیت اکملت (مذکورہ) یوم الحجہ کو نازل ہوئی تھی۔ اس لیے یوحنا حواری نے میدان حج کے مکاشفہ ہی کے وقت اس ابدی انجیل کو دیکھا۔ آسمانوں کے بیچوں بیچ فرشتہ کے اڑنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم ان ملکوں میں جو منطقۃ البروج کے سیدھے خطوط کے تحت میں واقع ہوں گے۔ یعنی دنیا کے آباد اور متمدن ملک ان میں قرآن مجید کی منادی جلد پہنچ جائے گی۔ اور جو ممالک قطبین کے قریب ہیں۔ ان میں منادی دیر میں پہنچے گی۔

❸ ٥/ المائدۃ:٣۔

❹ لفظ ''آج'' نبی ﷺ کے زمانۂ نبوت کی جانب ہی اشارہ نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ اس کا اشارہ ہزاروں سال پیشتر کے زمانہ کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے۔''

(گزشتہ سے پیوستہ) جانب ہے۔اس ''آج'' کا مطلب سمجھنے کیلیے عہد عتیق وعہد جدید کی کتابوں کو ملاحظہ فرمایئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچویں کتاب استثناء ہے،اس کا آخری باب تینتیسواں ۳۳ ہے۔وہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

۱۔ ''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔۲۔ اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔اور اس کے دہنے ہاتھ پر ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔،عیسائی علماء کا بھی اتفاق ہے کہ یہ آیندہ کے لیے پیش گوئی ہے اور مسلمان بھی یہی تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے بعد کے آنے والوں کو منتظر و شائق بنا کر دنیا سے سدھار جاتے ہیں۔ عہد عتیق کی آخری کتاب ملاکی نبی کی کتاب ہے،جو حضرت موسیٰ سے ۱۰۵۴ سال بعد ہوئی۔اس کتاب کے آخری باب کا شروع اس طرح ہوتا ہے۔''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا،اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا،اور خداوند جس کی تلاش میں تم ہو،ہاں عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو،وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آدے گا۔دیکھو وہ یقیناً آدے گا۔رب الافواج فرماتا ہے [1] ملاکی باب ۳۔''اس سے معلوم ہوا کہ عہد عتیق کی آخری کتاب بھی ہم کو منتظر بنا کر ختم ہو جاتی ہے۔اب عہد نامہ جدید شروع ہوتا ہے۔جسے انجیل بھی کہتے ہیں،انجیل کو دیکھو۔حضرت مسیح نے اپنے سب سے آخری وعظ میں (جس کے بعد اپنی امت کو انہوں نے کوئی وعظ نہیں سنایا) یہ الفاظ بیان کیے تھے:۔

۱۲۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں کہوں۔پر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔

۱۳۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے۔تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا۔اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گا۔لیکن جو کچھ وہ سنے گا۔سو کہے گا اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا۔

۱۴۔ وہ میری بزرگی کرے گا۔(دیکھو انجیل یوحنا ۱۶ باب)

ان حوالہ جات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ وانجیل ہم کو کل دنیا کی انتظار میں چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتی ہیں اور صرف قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو اس انتظار کا خاتمہ کر دیتا اور آخری شاہی فرمان ﴿الیوم اکملت لکم﴾ کا اعلان فرماتا ہے''آج'' کا لفظ ہزاروں سال کے منتظرین کو بشارت سناتا اور تکمیل کی خوشخبری سے مسرور بناتا ہے۔

عالمانِ طبقات الارض و فاضلانِ سائنس جب آفرینش عالم کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے ہیں۔تو کہا کرتے ہیں کہ موجودہ عالم،موجودہ حالت پر ہزاروں تغیرات کے بعد اور ہزاروں سال کے بعد پہنچا ہے۔گویا عالم کی جو موجودہ حالت ایسی مکمل معلوم ہوتی ہے کہ اس سے برتر و بہتر کا کوئی نقشہ بھی ہمارے وہم وخیال،تصور وگمان میں نہیں آسکتا۔یہ ہزاروں سال کی ترتیب وتہذیب کا نتیجہ ہے۔

پس اسی طرح ہم نہایت وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا لفظ ''الیوم''(آج) بھی یہی بتا رہا ہے کہ انسانی نسل کے لیے پسندیدہ ترین مذہب کی یہ مکمل صورت بھی سینکڑوں مختص المقام اور مختص الاقوام شریعتوں اور مختص الاحوال حکموں کے بعد ہزاروں سال گزر جانے پر جلوہ آرا ہوئی ہے اور اب اس کا حق ہے کہ وہ سب جگہ اور ہر ایک قوم میں،ہر ایک شخص کو ابدی بشارت پہنچائے ارحم الراحمین کے رحم اور رحمانیت اور غفور الودود کی غفران ومحبت کی خوشخبری ہر ایک دل شکستہ دل گناہگار اور عاصی تباہ کار کو سنائے۔سب کیلیے سلامتی اور برکت کے دروازے کھول دے۔سب کے لیے ابدی سرور،رضوان ربانی کا نزول مہیا کرے اور ان اسباب کے فراہم ہو جانے پر اعلان کر دے کہ آج مذہب کی تکمیل ہو گئی۔آج نعمت الٰہی کے بھرپور خزانے فرزندان آدم علیہ السلام کے حوالے کر دیے گئے۔ناظرین! میں حضرت مسیح علیہ السلام کی مندرجہ بالا پیش گوئی کے متعلق بھی اس جگہ کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔اس پیشگوئی کی بابت میں نے کئی فاضل پادری صاحبان سے گفتگو کی۔ان میں سے جو صاحب اس پیشگوئی کو ہمارے نبی ﷺ کی بابت تسلیم نہیں کرتے۔وہ کہتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا ظہور مسیح علیہ السلام کے ۱۲ حواریوں پر پنتیکست کے دن جس کا ذکر اعمال کے دوسرے باب میں ہے،ہوا تھا۔اس روز روح القدس حواریوں پر اتری تھی۔وہ مختلف بولیاں بولنے لگ گئے تھے۔ہر ایک کے سر پر آگ کے زبانے (شعلے) چمکتے ہوئے سب کو نظر آتے تھے۔

میں نے جواب دیا کہ پنتیکست کے دن جو کچھ ہوا،اسے سینٹ پطرس ہم تم سے پہلے بیان کر چکا ہے۔ٹھیک اسی وقت جب کہ روح القدس سب حواریوں پر اور پطرس پر موجود تھی۔اعمال کے ۲ باب ۱۴،۱۵،۱۶ درس پڑھو۔''۱۴۔تب پطرس نے ان گیارہوں کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی آواز بلند کی۔اور ان سے کہا۔اے یہودی مردو یروشلم کے سب رہنے والو! یہ جانو اور کان سے میری باتیں سنو۔۱۵۔کہ یہ جیسا کہ تم سمجھتے ہو،نشے میں نہیں،کیونکہ ابھی پہر دن آیا ہے۔۱۶۔بلکہ یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا۔''پس جب سینٹ پطرس روح القدس کی مدد سے بتا چکا کہ پنتیکست کا تعلق یوایل (یونہ یونس) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(❁❁ گزشتہ سے پیوستہ) نبی کی پیش گوئی) سے ہے اور مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی سے نہیں۔ تو اب کسی پادری کا حق نہیں رہا کہ اسے مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی سے متعلق بنائے۔ یہ دلیل تو زبردست بیرونی شہادت تھی۔ اب اندرونی شہادت بھی جو خود مسیح علیہ السلام کے الفاظ سے ملتی ہے پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ انجیل یوحنا ۱۶ باب کے درس ۱۲ کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں مسیح علیہ السلام نے نہیں بتائی تھیں۔ آنے والا روحِ حق وہ باتیں بتائے گا۔ مگر پنتیکست کے دن حواریوں پر کوئی نئی تعلیم ظاہر نہیں ہوئی۔

۲۔ درس ۱۳ میں ہے کہ روح حق آئندہ کی خبریں دے گا۔ مگر پنتیکست کے دن حواریوں پر کوئی نئی تعلیم ظاہر نہ ہوئی۔

۳۔ درس ۱۳ میں ہے کہ روح حق آئندہ کی خبریں دیگا۔ مگر پنتیکست کے نہ روح القدس اور نہ حواری نے کوئی پیش گوئی کی ہے۔ درس ۱۴ میں ہے کہ وہ روح حق مسیح علیہ السلام کی بزرگی کرے گا پنتیکست کے دن روح نے مسیح علیہ السلام کی بابت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ صاف یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی ہمارے نبی ﷺ کے متعلق واضح اور روشن ہے اور تھوڑی سی وضاحت یہ ہے۔ اول: مسیح علیہ السلام نے ۱۲ درس میں فرمایا ہے:۔ میری اور باتیں ہیں کہ میں کہوں۔ پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ایسی باتیں جو مسیح علیہ السلام نے بیان نہیں کیں اور نبی ﷺ نے بیان فرمائیں بے شمار ہیں۔ یہ باتیں زیادہ تر احسانیات کے متعلق ہیں مثلاً تفکر فی اللہ تفکر فی صفات اللہ، تفکر فی افعال اللہ، تفکر فی ایام اللہ، تفکر فی الموت و مابعدہ، توحید فی العبادۃ، توحید فی الاستعانت، تنزیہ الحق، تقدیس رب، صدیقیت، محدثیت شہادت۔ فناء عن النفس، بقاء بالحق وغیرہ۔ ان کے بعد احوال قبر، احوال حشر، ابواب نجات ہیں۔ ان کے بعد ابواب مصالح اور ابواب ارتفاقات ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انجیل میں ان کی بابت یا تو بیان ہی نہیں ہوا ہے یا کسی قدر بیان ہے تو تمثیل اور تشبیہ کے نقاب میں روپوش۔

دوم:۔ مسیح علیہ السلام نے درس ۳ میں فرمایا ہے: ''وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا'' اسی کے موافق قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ﴾ ''محمد ﷺ وہ ہے جو ساری سچائی لے کر آیا ہے''۔ ﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''محمد ﷺ دنیا کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' یہ ظاہر ہے کہ جو معلم شریعت وحکمت دین اور دانش کی مکمل تعلیم دیتا ہو۔ ساری صداقت اور کامل سچائی اسی کے پاس ہوگی مسیح علیہ السلام نے اسی درس میں فرمایا ہے۔ ''وہ اپنی نہ کہے گا لیکن جو کچھ وہ سنے گا۔ سو کہے گا'' اللہ پاک نے قرآن مجید میں بھی نبی ﷺ کی توصیف انہی الفاظ سے فرمائی ہے۔ ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ﴾ [۵۳/النجم: ۳ تا ۵] ''محمد ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا جو کچھ وہ سناتا ہے یہ تو وحی ہے جو اسکے پاس بھیجی گئی اور کامل طاقتوں والے نے اسے سکھائی۔

سوم:۔ مسیح علیہ السلام نے ۱۴ درس میں کہا ہے: وہ میری بزرگی کرے گا۔ چنانچہ قرآن مجید اور احادیث پاک کی سب کتابیں ان الفاظ سے مملوٴ ہیں۔ جو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے مسیح علیہ السلام کی بزرگی کی بابت نکلے۔ بہت سے یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، جو کہتے تھے کہ ہم لوگ آپ پر ایمان لانے کو تیار ہیں۔ مگر ہم مسیح علیہ السلام کو سچا نہیں مان سکتے، آنحضرت ﷺ صاف فرمادیتے تھے کہ جو کوئی مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا وہ مجھ پر بھی ایمان نہیں لاتا۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہر ایک مسلمان مسیح علیہ السلام کی بزرگی اور عظمت کا دل سے قائل ہے، ان پر ایمان رکھتا ہے، ان کو پانچ اولوالعزم رسولوں میں سے ایک جانتا ہے۔ اس طرح ۶۰ کروڑ مسلمان دنیا پر مسیح کی شہادت ہر وقت ادا کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام سے پہلے عیسائیوں کے پاس ایک بھی بیرونی گواہ موجود نہ تھا اور اب بھی مسلمانوں کے سوا کوئی ان کی شہادت نہیں دیتا ہے۔ جس سے مریم صدیقہ کی پاکیزگی۔ مسیح کی ولادت فوق از عادت اور مسیح کے معجزات کی تائید ہوتی ہو۔ عیسائی صاحبان غور کریں کہ ''یہ میری بزرگی کرے گا'' کا ظہور اس سے بڑھ کر اور کیا متصور ہو سکتا ہے۔ ہاں ۱۳ درس کا ایک فقرہ رہ گیا۔ مسیح علیہ السلام نے بتایا کہ وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

جن عیسائی عالموں نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ نہیں کیا وہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ نے کوئی پیش گوئی نہیں کی۔ جب میں یہ بات ان میں سے کسی کے منہ سے سنتا ہوں۔ تو اول مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اسکی معلومات ہماری کتابوں کی بابت کس قدر کم ہیں۔ دوم تعجب ہوتا ہے کہ جب انہیں خبر نہیں تو پھر ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت وہ کیوں کرتے ہیں۔ اگر میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیوں پر اس جگہ مفصل لکھنے لگوں تو بجائے خود ایک کتاب بن جائے۔ اس لیے میں ان شاء اللہ اس کی بابت کبھی علیحدہ لکھوں گا۔ اس جگہ مختصر طور پر ذکر کرنا اس لیے ضروری ہے کہ درس ۱۳ کی تشریح اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کی تصدیق ہو جائے۔

پہلی پیشگوئی:۔ اہل مکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ملیا میٹ کرنے میں ہر ایک ممکن کوشش پورے زور سے کی تھی۔ ان کی عداوت ایسی سخت اور مسلسل تھی کہ کوئی وجہ ایسا قیاس کرنے کی نہ پائی جاتی تھی کہ یہی لوگ ایک دن اسلام کے خادم، مسلمانوں کے بھائی نبی ﷺ کے فدائی ہو جائیں گے۔ لیکن قرآن مجید نے پہلے سے پیشگوئی کر دی تھی۔ ﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝ ﴾ ''وہ اسلام کی صداقت کو کچھ عرصہ کے بعد جان لیں گے۔'' اس پیش گوئی کا ظہور آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں ہو گیا اور سب اہل مکہ مسلمان ہو گئے تھے۔ جن میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بھی تھے جو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوا تھا۔ اور عمرو بن العاص جیسے بھی تھے جو مسلمانوں کو قید کرانے کے لیے شاہ حبش کے پاس گیا تھا اور عثمان بن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے بھی جو نبی ﷺ کو عبادت کے لیے کعبہ کے اندر گھسنے نہ دیتا تھا۔ وغیرہ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❁❁)

۞۞ گزشتہ سے پیوستہ) دوسری پیشگوئی:۔ عرب کے تمام قبائل اور جملہ اہل مذاہب نے اسلام کو جھٹلانے پر اتفاق کرلیا تھا۔ بت پرست، مجوس، صابی، عیسائی، یہودی، ملحد، اگر چہ آپس میں سخت اختلاف رکھتے تھے۔ تاہم وہ سب نبی ﷺ کے جھٹلانے، اسلام کو پامال کرنے پر متفق تھے کوئی علامت ایسی نہ تھی کہ ایسے مختلف دعاوی، مختلف خواہشات والے کیونکر اسلام کی صداقت ماننے والے بن جائیں گے۔ مگر قرآن مجید نے یہ پیش گوئی کردی تھی ﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ ''ہم ان کو جلدی ہی اپنے نشانات ان کے گردوپیش اور خود ان کے اندر بھی ایسے دکھائیں گے کہ ان پر یہ بات بخوبی روشن ہوجائے گی کہ اسلام سچا ہے۔'' یہ پیش گوئی اپنی پوری طاقت سے ظہور میں آئی اور نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں عرب کے ہر ایک مذہب، ایک قبیلہ نے اسلام کی سچائی کو سمجھا، جانا دیکھا اور اس پر ایمان لایا۔

تیسری پیشگوئی:۔ ایرانی سلطنت، رومی سلطنت کے ساتھ جنگ کر رہی تھی، رومیوں کو شکست ہوئی، ایرانی آتش پرست تھے، رومی اہل کتاب عیسائی تھے۔ ایرانیوں سے بت پرستان مکہ کو اور رومیوں سے مسلمانوں کو طبعاً فطرتاً ہمدردی تھی۔ جب عیسائی سلطنت کو شکست ہوئی تو مکہ کے بت پرست خوب اچھلے کودے اور اپنے لیے بھی فال لینے لگے کہ ہم بھی مسلمانوں پر اسی طرح غالب ہوجائیں گے۔ مسلمان نہایت دل شکستہ ہوئے۔ قرآن پاک نے پیش گوئی کی: ﴿ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۝ ﴾ ''عیسائی اپنے ملک کی سرحد پر مغلوب ہوگئے ہیں۔ مگر وہ چند سال کے اندر اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔'' جہاں تک انسانی عقل و تجربہ کا دخل تھا۔ جہاں تک موجودہ قرآن سے نتیجہ نکالا جاسکتا تھا۔ پیش گوئی کا کسی کو یقین نہ آتا تھا۔ کیونکہ عیسائیوں کو ایسی شکست ملی تھی کہ چند سال تک تو وہ پنپ بھی نہ سکتے تھے۔ ابی بن خلف نے نہایت شوخی سے قرآن کو جھٹلانے کے لیے اشتہار دیا کہ اگر پیش گوئی سچی نکلی تو میں ۲۰۰ شتر ہار جاؤں گا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اظہار صداقت دین کے لیے اس سے شرط لگائی۔ نزول آیت سے آٹھویں سال ٹھیک وہی ہوا جو قرآن مجید نے بتایا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط جیت لی۔ یہ وہ پیشگوئی ہے جسکی تائید قسطنطنیہ اور ایران کی تاریخوں سے بھی ہوتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ زبان عرب میں لفظ ''بِضْعَ'' اکائیوں پر بولا جاتا ہے، ایک سے نو تک شمار اس میں شامل ہوتا ہے۔

چوتھی پیش گوئی:۔ نبوت کا ابتدائی عہد تھا۔ وحی کا آغاز ہو کر وقفہ پڑ گیا تھا۔ کافروں نے نبی ﷺ کے چڑانے، کھجانے کے لیے کہنا شروع کردیا کہ محمد ﷺ کا خدا روٹھ گیا۔ محمد ﷺ کو اس نے چھوڑ دیا۔ اس واقعہ پر خدا کا جو کلام نبی ﷺ کی تسکین کے لیے اترا۔ اس میں ایک پیش گوئی بھی کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے۔ ﴿ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ ﴾ ''آپ کا پچھلا زمانہ پہلے سے بہتر و اعلیٰ ہوگا۔'' وحی کے متعلق اس پیش گوئی کا ظہور دیکھو۔ وہ مدنی سورتیں ہیں جن میں البقرۃ، آل عمران، مائدہ، انعام بھی موجود ہیں۔ جو بلحاظ احکام و اسرار و افضال و تفصیل ان سورتوں پر فوقیت رکھتی ہیں، جو مکی ہیں۔ جن میں صرف عقائد یا اجمالی احکام ہیں۔ آیت کا مقتضی ہے کہ آنحضرت ﷺ دم بدم ترقی کرتے رہیں گے۔ اور آپ کی کامیابی کا ظہور مسلسل ہوتا رہے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی تمام زندگی اس پیش گوئی کی مصداق اور مصدق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی زندگی کی بابت ایسی صریح پیش گوئی دشمنوں کے سامنے عین معارضہ و مقابلہ کے وقت نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ موید من اللہ نہ ہو۔ چونکہ لفظ آخرت اس آیندہ زندگی کی نسبت بھی بولا جاتا ہے۔ جس کا آغاز یوم الحساب سے ہوگا۔ اس لیے مسلمانوں کا ایمان اس پیش گوئی کی نسبت اسی آیت کے تمسک سے یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ افضلیت و شرف کا پورا ظہور اس عالم میں جملہ اہل عالم پر ہوگا۔ اور چونکہ دنیاوی زندگی میں اس پیش گوئی کی صداقت کا ظہور لحظہ بلحظہ ہوتا رہا ہے اس لیے مسلمانوں کا مندرجہ بالا اعتقاد ایک صحیح و مضبوط بنیاد پر ہے۔

پانچویں پیشگوئی:۔ آنحضرت ﷺ کے فرزند کا انتقال ہوگیا۔ دشمن خوشیاں منانے لگے کہ اب محمد ﷺ کا نام لیوا بھی نہ رہا۔ قرآن مجید نے اس بارے میں پیش گوئی فرمائی۔ ﴿ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ ﴾ نیز فرمایا ﴿ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ ﴾ ''کوثر'' لفظ کثرت سے مبالغہ کا صیغہ ہے، اس میں وہ جملہ عطیات و انعامات ظاہری و باطنی بھی شامل ہیں جو نبی ﷺ کو ملے تھے یا جنت میں ملیں گے (جن میں ایک حوض کوثر بھی ہے) نیز امت محمدیہ ﷺ کی وہ عظیم الشان تعداد بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے، جو دن میں بیسیوں بار نبی ﷺ کے نام پر برکت بھیجتی، آپ کی صداقت کی شہادت دیتی، حضور کے نام نامی و اسم گرامی کی دنیا میں اشاعت کرتی ہے۔ اور دنیا کا کوئی براعظم، کوئی ملک، کوئی صوبہ مسلمانوں سے خالی نہیں۔ اس کے بالمقابل ان دشمنان خدا کا نام ایسا ملیا میٹ ہوا کہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ پیش گوئی آج بھی پوری صداقت کے ساتھ دنیا کے سامنے اپنا نور پھیلا رہی ہے۔

چھٹی پیشگوئی:۔ مسلمان مکہ سے باہر نکالے جاتے تھے۔ وہ بے خانماں اور بے ساز و سامان تھے۔ تمام ملک دشمن تھا اور بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ لوگ جلد دنیا سے فنا ہوجائیں گے۔ اس وقت قرآن مجید نے بطور پیش گوئی اعلان کیا۔ ﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ﴾ (۲۴/النور:۵۵) ''خدا تم میں سے ایمان والوں، نیک عمل والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ انہیں الارض کا خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ خدا نے تم سے پہلے لوگوں کو وہاں کا خلیفہ بنایا۔'' مسلمانوں سے پہلے جو قوم خدا کی برگزیدہ قوم کہلاتی تھی، وہ بنی اسرائیل ہیں، الارض وہ وعدہ کی زمین ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ۞۞)

(۞۞ گزشتہ سے پیوستہ) جس کی بابت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، موسیٰ وداود علیہم السلام کے ساتھ خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ابد تک فرزندان ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی ہے۔ (کتاب پیدائش ۲۴ باب ۷ درس) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اس وعدہ کا ظہور بنی اسرائیل کے ساتھ ہوتا رہا۔ ہزاروں سال تک وہی اسی زمین کے مالک وحاکم رہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں بتایا کہ اب وہ وعدہ ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ کے مسلمانوں کے ساتھ پورا کیا جائے گا۔ اس پیش گوئی نے ہزاروں سال کی ہسٹری کو بدل دیا اور شام کا ملک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں (جن کی خلافت کا اس آیت میں ذکر ووعدہ ہوا ہے) مسلمانوں کو مل گیا۔ آج تیرہ سو برس کی تاریخ اس پیش گوئی کی صداقت کو تسلیم کر رہی ہے اور ہر ایک انکار کرنے والے کے لیے بین و روشن علامت موجود ہے کہ شام کا ملک کس کے پاس ہے اور خدائے زمین و زمان اپنا ابدی وحتمی وعدہ اب کس قوم کے ساتھ پورا کر رہا ہے۔

ساتویں پیشگوئی:۔ مخالفین مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں سے جن قبائل کے معاہدے تھے، وہ مخالفین کی تعداد وطاقت، کثرت وشوکت دیکھ کر مسلمانوں کی مدد کرنے سے ہٹ بیٹھے تھے۔ رب کریم نے نصرت غیبی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے حملہ سے بچایا۔ تب معاہد قومیں نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں اور تقصیر خدمات کی معافی کی درخواست پیش کی، ان کے لیے قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا۔ ﴿ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ ﴾ (۴۸/ الفتح:۱۶) ''تمہیں آیندہ ایک اور زیادہ طاقتور قوم کے مقابلہ کے وقت بلایا جائے گا۔ ان سے جنگ ہوگی یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔'' (اگر تم اس وقت مدد دو گے تو یہ قصور معاف ہو جائے گا۔) نبی ﷺ کی مبارک زندگی کے بعد سلطنت ایران، جنوبی عرب پر، اور سلطنت قسطنطنیہ شمالی عرب پر اپنی سابقہ حکومت بحال کرنے کی تدابیر اختیار کرنے لگی تھیں۔ خلیفہ رسول اللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قیام وحفاظت کے لیے ان طاقتوں کو کمزور کر دینا ضروری سمجھا۔ اس لیے پہلے سلطنت قسطنطنیہ کے ساتھ عراق وشام میں اور پھر سلطنت ایران کے ساتھ فارس وخراسان میں نبرد آزمائی وجنگ جوئی کی نوبت آئی۔ ان لڑائیوں میں عرب کی وہ سب قومیں جو پہلے مخلفین کا نام پا چکی تھیں اور جن کی تقصیر خدمت کی معافی کو قرآن نے آیندہ امداد پر موقوف رکھا تھا، شامل ہوئی تھیں۔ اس آیت کے ساتھ اب یہ آیت بھی پڑھ لینی چاہیے۔ ﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ ﴾ (۴۸/ الفتح:۲۰۔۲۱) ''خدا نے تم مسلمانوں کے ساتھ بڑی بڑی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے۔ ان میں سے یہ تو پہلی غنیمت ہے جو جلدی سے مل گئی ہے۔ پھر فرمایا: اس کے سوا اور غنیمتیں ہیں جن کے حاصل کرنے کی تم میں قدرت نہیں۔ مگر خدا نے ان پر احاطہ کر لیا ہے۔'' ممالک بالا میں مسلمانوں کو فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں۔ قرآن کی پیش گوئی بچند وجوہ پوری ہوئی۔ ۱:۔ مقصرین خدمت کو فی الواقع آزمائش کا دوسرا موقع ملا۔ ۲:۔ مسلمانوں کا جن سلطنتوں سے پالا پڑا۔ فی الحقیقت وہ بڑی مہیب وزبردست تھیں۔ ۳:۔ اس مقابلہ کا انجام وہی نکلا جو قرآن مجید نے بتایا تھا۔ جو سامنے لڑے وہ تباہ ہوئے اور مسلمانوں کو فتوحات عظیمہ ومغانم کثیرہ ملے۔ جو محبت سے ملے وہ تحقیق سے مسلمان ہو گئے۔ اس پیش گوئی کی صداقت کو عرب، شام، ایران، خراسان کی تاریخیں پیش کر رہی ہیں، اگر کوئی چاہے تو ممالک مصر، افریقہ، نوبہ، اندلس کو بھی اسی ذیل میں شامل کرے۔

اب بطور نمونہ کتب احادیث کی پیش گوئیوں میں سے بھی ایک پیش گوئی کا اندراج کرتا ہوں۔ ناظرین کو یہ یاد رہے کہ ہمارے عیسائی بھائی احادیث کے حوالے منظور نہیں کیا کرتے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ یہ کتابیں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بعد مرتب ہوئیں ہیں۔ کاش! وہ مسلمانوں ہی کے طرز عمل سے سبق سیکھیں کہ ہم کیوں کر اناجیل اربعہ کے حوالہ جات کو سنتے، مانتے اور خود استعمال کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ عیسائی ان کو معتبر سمجھتے ہیں۔ ورنہ عیسائی کتابوں میں بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ سب کتابیں مسیح علیہ السلام سے بہت عرصہ بعد مکمل کی گئی ہیں اور عیسائی علما کے نزدیک ان کے مصنفین، زمانہ تالیف اور بعض عبارتوں کے متعلق بہت کچھ اختلاف وشک، نیز قابل رفع تناقض موجود ہے۔

خیر میں اب حدیث درج کرتا ہوں: عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ الْقُرَشِيِّ أَنَّهُ قَالَ عِنْدَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله تعالیٰ عنه سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَالرُّوْمُ أَكْثَرُ النَّاسِ فَقَالَ لَهُ عَمْرٌو أَبْصِرْ مَا تَقُوْلُ قَالَ أَقُوْلُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَئِنْ قُلْتَ ذَالِكَ إِنَّ فِيْهِمْ لَخِصَالاً أَرْبَعًا إِنَّهُمْ لَأَحْلَمُ النَّاسِ عِنْدَ فِتْنَةٍ وَأَسْرَعُهُمْ إِفَاقَةً بَعْدَ مُصِيْبَةٍ وَأَوْشَكُهُمْ كَرَّةً بَعْدَ فَرَّةٍ وَخَيْرُهُمْ لِمِسْكِيْنٍ وَيَتِيْمٍ وَضَعِيْفٍ وَخَامِسَةٌ حَسَنَةٌ جَمِيْلَةٌ وَأَمْنَعُهُمْ مِنْ ظُلْمِ الْمُلُوْكِ۔ ''مستورد قرشی نے عمرو بن العاص (المتوفی ۴۳ھ) کے روبرو کہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: قیامت اس وقت قائم ہوگی۔ جب یورپین سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔ عمرو نے کہا: دیکھ تو کیا کہتا ہے۔ مستورد نے کہا: میں تو وہی کہتا ہوں۔ جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ عمرو نے کہا تب تو ٹھیک ہے بیشک ان میں چار خصلتیں ہیں: ۱۔ وہ مصیبت کے وقت نہایت بردبار ہیں۔ ۲۔ مصیبت کے بعد بہت جلد ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ ۳۔ بھاگنے کے بعد سب سے پہلے پھر حملہ کرتے ہیں۔ ۴۔ مسکین ویتیم وضعیف کے لیے سب لوگوں سے بہتر ہیں۔ ایک پانچویں صفت اور ہے جو عمدہ ہے، وہ بادشاہوں کے ظلم کو سب لوگوں سے بڑھ کر روکتے ہیں۔'' واضح ہو کہ یہ حدیث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ۞۞)

یوم النحر کو نبی ﷺ نے ۶۳ شتر اپنے ہاتھ سے اور ۳۷ شتر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ذبح کیے۔ یہ قربانی منیٰ کے مقام پر کی گئی تھی۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قربان گاہ چلی آتی تھی۔ قربانی سے فارغ ہو کر نبی ﷺ بیت اللہ میں آئے اور طواف افاضہ ادا کیا۔ قربانی اور طواف میں سب نے آنحضرت ﷺ کی اقتدا کی۔

ہزاروں اونٹ، مینڈھے، برے، بھیڑیں قربانی کی گئیں۔ ❶

حج سے نبی ﷺ کا مقصود شعائر اللہ کی تعظیم، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے سنن ہدیٰ کا احیاء، کفار کے مشرکانہ رسوم کا ابطال، توحید خالص کا اعلان اور تعلیم اسلام کی اشاعت عامہ تھا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے امت کو اس حج میں آخری تبلیغ فرمائی تھی۔ اس لیے اس حج کا نام ''حجۃ البلاغ'' بھی ہے اور چونکہ اس حج میں آنحضرت ﷺ نے امت سے کلمات تودیع فرمائے تھے۔ اس لیے اس کا نام ''حجۃ الوداع'' بھی ہے۔

الغرض نبی ﷺ اس عظیم الشان کامیابی کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے سامنے توحید کی تعلیم و عمل اور البلاغ والوداع کے بعد مسرور و مبہج مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔ راہ میں بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نسبت کچھ

(گزشتہ سے پیوستہ) مسلم کتاب الفتن باب تقوم الساعۃ والروم اکثر الناس، حدیث ۷۲۷۹ کی ہے۔ امام مسلم کا رجب ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ اس لیے ہر ایک مخالف کو اس قدر تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ پیش گوئی مسلمانوں میں تیسری صدی کے اندر پھیل چکی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کل دنیا پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ علم و حکمت، زور و طاقت، تمدن و سیاست میں مسلمان سب سے فائق تر تھے، اس وقت یہ کہنا کہ یہ تمام برتری و بزرگی خاک میں مل جائے گی اور دنیا میں یورپین عیسائی قوموں کی حکومت ہو جائے گی، بالکل عقل و فکر سے باہر تھا اور مسلمانوں کے لیے فال بد بھی تھا۔ مگر امام مسلم نے اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا کیونکہ ان کو صحیح طور پر معلوم ہو گیا کہ ضرور یہ ارشاد نبی پاک ﷺ کا ہے۔ بالآخر صدیوں کے بعد اس بات کا ظہور ہو رہا ہے۔ آج کوئی بتائے کہ کون سا ملک ہے جو عیسائی سلطنتوں کی حکومت یا ڈپلومیسی کے اثر سے باہر ہے۔ اس لیے پیشگوئی کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں اور جب یہ پیش گوئی صحیح ہوئی تو مسیح نے ۱۳ درس ۱۶ باب یوحنا میں ہمارے نبی ﷺ کی جو علامت بتائی گئی تھی وہ بھی بالکل پوری ہو گئی۔ اس قدر لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ عیسائی بھائی حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشاد پر عمل کریں اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کریں۔ جن کی خبر نہایت روشن علامات کے ساتھ انجیل میں دی گئی ہے۔

❶ پڑھو یسعیاہ ۶ باب ۷ ''قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی، نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔'' ناظرین، بنایوت و قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کا نام ہے (دیکھو کتاب پیدائش ۲۵ باب ۱۳ درس) قبائل قریش قیدار کی اولاد ہیں اور دیگر اکثر قبائل بنیات (نبیط، بنایوت، نبایوت یہ سب ایک ہی نام کے ہجے ہیں) کی اولاد ہیں۔ اس فقرہ میں اللہ پاک نے بتایا ہے کہ عرب کے تمام قبائل اس وقت قربانی کریں گے۔ اس درس میں قربان گاہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مذبح بتایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ قربان گاہ ہے جہاں کی قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اسی جگہ کو قدیم سے قربان گاہ مقبول الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہے اس کے بعد فقرہ یہ ہے کہ میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔ واضح ہو کہ شوکت کا گھر ترجمہ لفظ ''بیت الحرام'' کا ہے اور اللہ پاک نے بھی کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں بتایا ہے ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ﴾ ''اللہ نے کعبہ کو شوکت کا گھر بنایا ہے تا کہ مخلوق آ کر وہاں قیام کرے۔'' قبائل عرب کے نام، منیٰ کا پتہ۔ منیٰ اور بیت اللہ کا ساتھ ساتھ ذکر، یہ ایسی باتیں ہیں جو پیش گوئی کو نبی ﷺ کے حج کے ساتھ خاص کرتی ہیں۔

یسعیاہ کے ۶۰ باب کی ایک سے ۶ درس ہم اسی مضمون کے شروع میں درج کر آئے ہیں۔ اب شروع باب کو ملا کر پڑھو۔ درس ۵ میں مدیان، عیفہ و سبا کے نام بھی ہیں اور یہ سب قبائل حج میں موجود تھے۔ درس ۵ میں سبا کے سونا اور لبان لانے کا ذکر ہے۔ سبا ملک یمن ہی کا نام ہے کیونکہ سبا نے ہی اسے آباد کیا تھا۔ جس سال آنحضرت ﷺ نے حج فرمایا ہے۔ علی مرتضیٰ اس سال یمن کے حاکم و مبلغ تھے۔ وہ حج کے لیے یمن سے سیدھے مکہ کو آئے تھے اور ملک سبا (یمن) کا زر محصول انہوں نے اسی جگہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ ایسی صاف پیش گوئی ہے کہ ہمارے منچلے عیسائی بھائی کوئی صحیح تاویل اس کی نہیں کر سکتے۔

کچھ شکایات نبی ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچائیں۔ شکایات کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند افعال سے تھا۔ جو حکومت یمن میں جناب مرتضوی رضی اللہ عنہ سے تقسیم مال غنیمت وغیرہ کے متعلق صادر ہوئے تھے۔

خطبہ غدیر

درحقیقت شکایت کی بنیاد بریدہ رضی اللہ عنہ کا قصور فہم تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے خم غدیر پر ایک فصیح خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی شان و منزلت کا اظہار فرمایا اور علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ)) ''جس کا میں مولیٰ ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا مولیٰ ہے۔''

اس خطبہ کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس شرف کی مبارکباد دی اور بریدہ رضی اللہ عنہ نے بقیۃ العمر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت و متابعت کو پورا کیا۔ بالآخر یہ بزرگوار جنگ جمل میں شہید ہوئے تھے۔

۱۱ھ: یہ وہ سال ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے حق رسالت ادا کرنے کے بعد اپنے بھیجنے والے کی جانب معاودت فرمائی۔ رحلت سے ۲ ماہ پہلے اس سورہ کا نزول ہوا تھا:

﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ [1]

''جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچ گئی اور تو نے لوگوں کو فوج در فوج دین الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ تو اب اللہ کی تحمید و تسبیح کیجئے۔ وہی ہے جو رجوع کرنے والا ہے۔''

نبی ﷺ سمجھ گئے کہ اس سال میں کوچ کی اطلاع دی گئی ہے۔ [2]

آخری رمضان ۱۰ھ میں نبی ﷺ نے ۲۰ یوم کا اعتکاف فرمایا۔ حالانکہ ہر سال دس یوم کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ [3] اپنی پیاری بیٹی فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو اس کی وجہ یہی بتائی تھی کہ مجھے اپنی موت قریب معلوم ہوتی ہے۔ [4] حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں بھی حضور ﷺ نے امت سے فرمادیا تھا کہ میں عنقریب دنیا چھوڑنے والا ہوں۔ [5]

شروع ماہ صفر ۱۱ھ میں سرور کائنات ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری بھی شروع کر دی۔ ایک روز حضور ﷺ احد تشریف لے گئے اور شہدائے احد کے ''گنج شہیداں'' پر نماز پڑھی وہاں سے واپس ہو کر سر منبر فرمایا: ''لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں۔ اور تمہاری شہادت دینے والا ہوں۔ واللہ! میں اپنے حوض کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے ممالک کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے مگر ڈر ہے کہ ''منافست'' نہ کرنے لگو۔'' [6]

---

[1] ۱۱۰/ النصر: ۱ تا ۳۔ [2] طبرانی، عن جابر رضی اللہ عنہ، بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، حدیث: ۴۴۳۰۔

[3] بخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان، حدیث: ۲۰۴۴، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

[4] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث: ۳۶۲۳، عن عائشۃ، عن فاطمۃ رضی اللہ عنہا۔

[5] مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرمی جمرۃ العقبۃ، حدیث: ۳۱۳۷، عن جابر رضی اللہ عنہ۔ [6] بخاری عن عقبہ بن عامر، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد، حدیث: ۴۰۴۲۔ ''منافست'' ایک دوسرے سے بڑھ نکلنے کی کوشش کو کہتے ہیں۔

پھر ''گورستان بقیع'' میں آدھی رات کو قدم رنجہ فرمایا اور آسودگان بقیع کے لیے دعا فرمائی۔ [1] ہر دو جگہ ''إِنَّا بِكُمْ لَلَاحِقُونَ'' کا جملہ پڑھا۔ گویا ان کو مژدۂ تشریف آوری سنایا۔ پھر ایک روز مسلمانوں کو جمع فرمایا اور ارشاد کیا:

''مرحبا، مسلمانو! اللہ تم کو اپنی رحمت میں رکھے۔ تمہاری شکستہ دلی کو دور فرمائے، تم کو رزق دے، تمہاری مدد کرے، تم کو رفعت دے، تمہیں بامن و امان رکھے۔ میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اللہ ہی کو تمہارا خلیفہ بناتا ہوں۔ اور تم کو اسی سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ میں ''نذیر مبین'' ہوں۔ دیکھنا! اللہ کی بستیوں میں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری کو اختیار نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں فرمایا ہے:''

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [2]

''یہ آخرت کا گھر ہے۔ ہم ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور بہترین انجام تو پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ [3]

''کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں؟'' [4]

آخر میں فرمایا: ''سلام تم سب پر، اور ان سب پر جو بذریعہ اسلام میری بیعت میں داخل ہوں گے۔''

آغازِ مرض

۲۹ صفر، روز دوشنبہ تھا۔ نبی ﷺ ایک جنازہ سے واپس آ رہے تھے۔ راہ ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ پھر تپ شدید لاحق ہوا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جو رومال حضور ﷺ نے سر مبارک پر باندھ رکھا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا، سینک آتا تھا۔ بدن ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ کو برداشت نہ ہوئی۔ میں نے تعجب کیا۔ فرمایا: انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی لیے ان کا اجر سب سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

بیماری میں ۱۱ یوم تک مسجد میں آ کر خود نماز پڑھاتے رہے۔ بیماری کے سب دن ۱۳ یا ۱۴ تھے۔

آخری ہفتہ

آخری ہفتہ، نبی ﷺ نے طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پورا فرمایا تھا۔ [5]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی نبی ﷺ بیمار ہوا کرتے تو یہ دعا کرتے اور اپنے ہاتھ جسم پر پھیر لیا کرتے۔

---

[1] مسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة، حدیث: ٥٨٤؛ دارمی عن ابی مویهبة رضی اللہ عنہ، مولی آنحضرت ﷺ۔

[2] ٢٨/ القصص: ٨٣۔ [3] ٣٩/ الزمر: ٦٠۔

[4] زرقانی، ج ١٢، ص: ١١٥، المقصد العاشر الفصل الأول۔ بحواله واحدی بسنده عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ۔

[5] بخاری، عن عبدالله بن عتبة بن مسعود، کتاب المغازی، باب مرض النبی، حدیث: ٤٤٥٠۔

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔ [1]

''اے نسلِ انسانی کے پالنے والے، خطر کو دور فرما دے اور صحت عطا کر۔ شفا دینے والا تو ہی ہے اور اسی شفا کا نام شفا ہے، جو تو عنایت کرتا ہے۔ ایسی صحت دے کہ کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑے۔''

ان دنوں میں، میں نے یہ دعا پڑھی تھی اور نبی ﷺ کے ہاتھوں پر دم کر کے چاہا کہ جسم اطہر پر مبارک ہاتھوں کو پھیر دوں۔ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ ہٹا لیے اور فرمایا: اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَأَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى [2]

پانچ یوم قبل از رحلت

چہار شنبہ تھا، کہ نبی ﷺ نے مخضب [3] میں بیٹھ کر سات چاہات (کنوؤں) کی سات مشکوں کا پانی سر پر ڈلوایا۔ اس تدبیر سے کچھ سکون ہوا۔ طبیعت ہلکی معلوم ہوئی تو نور افروز مسجد ہوئے۔ فرمایا: تم سے پہلے ایک قوم ہوئی ہے جو انبیا و صلحا کی قبور کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔ تم ایسا نہ کرنا۔

فرمایا: ان یہودیوں، ان نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے جنہوں نے انبیاؑ کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔ [4]

فرمایا: میرے بعد میری قبر کو ایسا نہ بنا دیجیو کہ اس کی پرستش ہوا کرے۔ [5]

فرمایا: اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے جس نے قبور انبیاء کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں۔ دیکھو میں تبلیغ کر چکا۔ الٰہی تو اس کا گواہ رہنا۔ الٰہی تو اس کا گواہ رہنا نماز پڑھائی، نماز کے بعد منبر پر اجلاس فرمایا، منبر پر یہ حضور ﷺ کی آخری نشست تھی۔ [6]

پھر حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''میں تم کو انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ میرے جسم کے پیرہن اور میرے زادِ راہ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے واجبات کو پورا کر دیا ہے اور اب ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرنا اور لغزش کرنے والوں سے درگزر کرنا۔ [7]

فرمایا: ایک بندہ کے سامنے دنیا و مافیہا کو پیش کیا گیا ہے۔ مگر اس نے آخرت ہی کو اختیار کیا۔ اس امر کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سمجھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں، ہمارے زر و مال حضور پر نثار ہوں۔ [8]

---

[1] بخاری، کتاب المرض، باب دعاء العائد للمريض، حدیث: ٥٦٧٥۔ [2] ایضًا۔ [3] مخضب پتھر کا تغار یا تانبا کا ٹب۔

[4] صحیحین عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا، بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاته، حدیث: ٤٤٤١؛ مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور حدیث ١١٨٤۔ [5] موطا امام مالك عن عطاء بن يسار، کتاب الصلاة، باب جامع الصلاة۔ [6] زرقانی، جلد ١٢، ص: ١١٣، المقصد العاشر الفصل الاول۔

[7] زرقانی، جلد ١٢، ص: ١١٣، المقصد العاشر الفصل الاول۔

[8] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی واصحابه، حدیث: ٣٩٠٤، عن عائشة رضی اللہ عنہا ودارمی ومسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر، حدیث: ٦١٧٠ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔

چار یوم قبل از رحلت

پنجشنبہ کا ذکر ہے کہ شدت مرض بڑھ گئی اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا۔ ''لاؤ میں تمہیں لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔'' بعض نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت درد غالب ہے۔ قرآن ہمارے پاس موجود ہے اور یہ ہم کو کافی ہے۔ اس پر آپس میں اختلاف ہوا۔ کوئی کہتا تھا، سامان کتابت لے آؤ کہ ایسا نوشتہ لکھا جائے کوئی کچھ اور کہتا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب اٹھ جاؤ۔ اس کے بعد اسی روز (پنجشنبہ کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وصیتیں فرمائیں۔ [1]

۱: یہود کو عرب سے نکال دیا جائے۔

۲: وفود کی عزت و مہمانی ہمیشہ اسی طرح کی جائے جیسا کہ معمول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

۳: تیسری وصیت سلیمان الاحول کی روایت میں بیان نہیں ہوئی۔ [2] مگر صحیح بخاری کی کتاب الوصایا میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔ [3]

پنجشنبہ مغرب

اس روز مغرب تک کی سب نمازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی تھیں۔ نماز مغرب میں سورۂ والمرسلات کی تلاوت فرمائی [4] اس سورت کی آخری آیت بھی قرآن پاک کی جلالتِ شان کو آشکارا کرتی ہے۔

﴿ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴾ [5]

''یعنی قرآن پاک کے بعد اور کس کلام پر ایمان لاؤ گے۔''

پنجشنبہ عشاء

نماز عشاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جانے کا تین بار عزم فرمایا۔ ہر دفعہ جب وضو کے لیے بیٹھے، بے ہوشی طاری ہوتی رہی۔ آخر فرمایا: کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو نماز پڑھائے [6] اس حکم سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔

دو یا ایک یوم قبل از رحلت

شنبہ یا یک شنبہ کا ذکر ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ظہر قائم ہو چکی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ٤٤٣٢۔ میں اصل حدیث یہ ہے۔ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ يَوْمَ حَضَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فَقَالَ النَّبِيُّ هَلُمُّوْا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ۔ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَ عِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ اخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغْوَ وَالْإِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قُوْمُوْا فقط۔

[2] بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی، حدیث: ٤٤٣١۔ [3] بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، حدیث: ٢٧٤٠۔

[4] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ٤٤٢٩۔ [5] ٧٧/ المرسلات: ٥٠۔

[6] بخاری، کتاب الأذان، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، حدیث: ٦٨٧؛ مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استخلاف الامام، حدیث: ٩٣٦۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر سہارا دیے ہوئے شرف افزائے جماعت ہوئے ۔صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے ،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو۔ پھر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھ کر نماز میں داخل ہو گئے ۔ اب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے تھے اور باقی سب لوگ صدیق کی تکبیرات پر نماز ادا کر رہے تھے ۔ [1]

ایک یوم قبل از رحلت

یک شنبہ کے دن سب غلاموں کو آزاد فرما دیا ان کی تعداد بعض روایات میں چالیس بیان ہوئی ہے ۔گھر میں نقد سات دینار موجود تھے وہ غربا کو تقسیم کر دیے اس دن کی شام کو (آخری شب) صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے عاریتاً منگوایا تھا۔سلاحات مسلمانوں کو ہبہ [2] فرمائے ۔زرۂ نبوی ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جو میں رہن [3] تھی ۔

آخری دن

دوشنبہ کے دن نماز صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ اٹھایا ، جو حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور مسجد طیبہ کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی ۔تھوڑی دیر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نظارۂ پاک کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔(صحیح مسلم عن انس) ملاحظہ فرماتے رہے ۔اس نظارہ سے رخ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی ۔اس وقت وجہ مبارک ورق قرآن معلوم ہوتا تھا۔ [4]

صحابہ رضی اللہ عنہم کا شوق اور اضطراب سے یہ حال ہو گیا تھا کہ رخ پرنور ہی کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔صدیق رضی اللہ عنہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے ۔ وہ پیچھے ہٹنے لگے ،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو۔ یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ چھوڑ دیا ۔ یہ نماز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے مکمل فرمائی ۔ [5]

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا ۔

دن چڑھا تو پیاری بیٹی فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو بلایا ، کان میں کچھ بات کہی ، وہ رو پڑیں پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس پڑیں ۔ بتول پاک سے روایت ہے کہ پہلی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی تھی کہ اب میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں ۔اور دوسری بات یہ فرمائی تھی کہ اہل بیت میں سے تم ہی میرے پاس سب سے پہلے پہنچو گی (یعنی انتقال ہو گا ۔) [6]

اسی روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ’’سیدۃ نساء العالمین‘‘ ہونے کی بشارت ارزانی فرمائی ۔ [7]

......سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دیکھ کر کہا ۔آہ ! کتنا کرب ہے ۔فرمایا کہ تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی

---

[1] بخاری ، کتاب الاذان ، باب من قام الی جنب الامام ، حدیث: ٦٨٣؛ مسلم ، کتاب الصلاۃ ، باب استخلاف الامام ، حدیث: ٩٣٦۔ [2] بخاری عن عمرو بن الحارث أخی ام المؤمنین جویریۃ رضی اللہ عنہا ، کتاب الوصایا ، باب الوصایا ، حدیث: ٢٧٣٩۔
[3] بخاری عن اسود عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ، کتاب المغازی ، باب: ٨٧ ، حدیث: ٤٤٦٧۔ [4] بخاری ، کتاب الأذان ، باب اھل العلم والفضل أحق بالامامۃ ، حدیث: ٦٨٠؛ مسلم ، کتاب الصلاۃ باب استخلاف الامام ، حدیث: ٩٤٤۔ عن انس رضی اللہ عنہ چہرۂ اقدس کو ورق قرآن سے تشبیہ روایت انس رضی اللہ عنہ میں ہے یہ ایک عجیب اور پاک تشبیہ ہے ورق قرآن پر طلائی کام ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ تاباں پر زردئ مرض ہی ہوئی تھی ۔لہٰذا تابانی اور رنگ مرض میں طلاء سے اور تقدس میں قرآن پاک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ [5] ایضًا۔ [6] بخاری عن عروۃ عن عائشۃ ، کتاب المغازی ، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، حدیث: ٤٤٣٤۔ [7] بخاری ، کتاب المناقب ، باب علامات النبوۃ فی الاسلام ، حدیث: ٣٦٢٤ عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آخری دن کا نہیں بلکہ آخری ہفتہ کا ہے۔

کرب نہ ہوگا۔ ❶

……پھر حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ دونوں کو چوما اوران کے احترام کی وصیت فرمائی۔ ❷

……پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بلایا اوران کو نصیحتیں فرمائیں۔

……پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا انہوں نے سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔ ان کو بھی نصیحت فرمائی۔ اس وقت تف مبارک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک پر پڑ رہا تھا۔ ❸

……اسی موقع پر فرمایا: ((اَلصَّلٰوۃُ الصَّلٰوۃُ وَ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ))

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت یہی تھی۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار دہراتے رہے۔ ❹

حالتِ نزع رواں

اب نزع کی حالت طاری ہوئی۔ اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سہارا دیئے ہوئے پس پشت بیٹھی تھیں۔ پانی کا پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ چہرۂ مبارک کبھی سرخ ہوتا، کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبان مبارک سے فرماتے تھے: ((لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ)) ❺

اتنے میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک پر نظر ڈالی۔ تو صدیقہ نے اپنے دانتوں سے مسواک کو نرم بنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی۔ پھر ہاتھ کو بلند فرمایا اور زبان قدسی سے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی))

اسی وقت ہاتھ لٹک گیا۔ پتلی اوپر کو اٹھ گئی۔ ❻

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری یوم دوشنبہ ❼ وقت چاشت ❽ تھا کہ جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا اس وقت عمر مبارک ۶۳ سال قمری پر ۴ دن تھی۔

﴿ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴾ ❾

﴿ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴾ ❿

---

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ٤٤٦٢۔ ❷ مدارج النبوۃ، ج٢، ص: ٥٥٤۔

❸ زرقانی، بحوالہ ابن سعد وفی سندہ الواقدی وحرام بن عثمان متروکان؛ مدارج النبوۃ، ج٢/ ٥٥٥۔

❹ سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ١٦٢٥ وخصائص الکبریٰ، جلد ٢۔

❺ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ٤٤٤٩۔ یعنی اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ موت میں تلخی ہوا ہی کرتی ہے۔

❻ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عن عائشۃ، حدیث: ٤٤٤٩۔

❼ بخاری، کتاب الجنائز، باب موت یوم الاثنین، حدیث: ١٣٨٧۔

❽ صخرۃ النھار، تاریخ ابو الفداء بعض روایات میں ہے وہی وقت جب نبوت ملی تھی۔ بعض میں ہے وہی وقت جب مدینہ (قبا) پہنچے تھے۔

❾ ٢/ البقرۃ: ١٥٤۔ ❿ ٢١/ الانبیاء: ٣٤۔

سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اس حادثہ پر کہا:

یَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبَّاهُ یَا أَبَتَاهُ إِلٰی جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ۔ یَا أَبَتَاهُ إِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاهُ۔

''پیارے باپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کو قبول فرمایا۔ اور فردوس میں نزول فرمایا۔ آہ! جبریل علیہ السلام کو خبر انتقال کون پہنچا سکتا ہے۔''

(پھر فرمایا) الٰہی! روح فاطمہ کو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دے۔ الٰہی! مجھے دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسرور بنا دے۔ الٰہی! مجھے اس مصیبت کے ثواب سے تو بے نصیب نہ رکھ اور بروز محشر شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ فرما۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس ہائلہ (ہولناک سانحہ) پر کہا۔

دریغ! وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے فقر کو غنا پر اور مسکینی کو توانگری پر اختیار فرمایا۔

حیف! وہ دین پرور صلی اللہ علیہ وسلم! جو امت عاصی کے فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا۔

جس نے! ہمیشہ بڑی استقامت واستقلال سے نفس کے ساتھ محاربہ کیا۔

جس نے! منہیات کو ذرہ بھر بھی نگاہ التفات سے نہ دیکھا۔

جس نے! بر واحسان کے دروازے ارباب فقر واحتیاج پر کبھی بھی بند نہ کیے۔

جس کے! ضمیر منیر کے دامن پر دشمنوں کی ایذا واضرار کا ذرہ بھی غبار نہ بیٹھا۔

حیف! وہ جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے۔

جس کی! نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا۔

آج.........دنیا سے رخصت ہوا۔ ❶

.........خبرِ وفات سے صحابہ رضی اللہ عنہم، سراسیمہ حیران ودیوانہ وسرگرداں تھے۔ کوئی جنگل کو نکل بھاگا۔ کوئی ششدر ہو کر جہاں تھا، وہیں رہ گیا۔

.....عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ اللہ کے رسول نے ارتحال فرمایا۔

.....ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر میں گئے۔ جسم اطہر دیکھا۔ منہ سے منہ لگایا۔ پیشانی کو چوما۔ آنسو بہائے پھر زبان سے کہا:

''میرے پدر و مادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار۔ واللہ، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں وارد نہ کرے گا۔ یہی ایک موت تھی، جو آپ پر لکھی ہوئی تھی۔'' ❷

پھر مسجد میں آئے، وفات پُر آیات کے اعلان کا خطبہ پڑھا۔ حمد وصلوۃ کے بعد کہا:

أَمَّا بَعْدُ فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللّٰهُ ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ

❶ مدارج النبوّة، شاہ عبدالحق محدث دهلوی، ج۲، ص:۵۵۶۔

❷ بخاری عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۴۴۵۳

أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ❶

''واضح ہو کہ جو کوئی شخص تم میں سے محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ رحلت کر گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بیشک اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے۔ اسے موت نہیں، اللہ نے خود فرمایا ہے۔ محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے، کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا شہید ہو گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ ہاں جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔'' ❷

غسل و تکفین

نبی کریم ﷺ کو غسل دیتے ہوئے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ کہہ رہے تھے:

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَالَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْأَنْبَاءِ وَأَخْبَارِ السَّمَاءِ خَصَصْتَ حَتّٰى صِرْتَ مُسَلِّيًا عَمَّنْ سِوَاكَ وَعَمَمْتَ حَتّٰى صَارَ النَّاسُ فِيْكَ سَوَاءً وَلَوْلَا إِنَّكَ أَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزْعِ لَأَنْفَدْنَا عَلَيْكَ مَاءَ الشُّئُوْنِ وَلَكَانَ الدَّاءُ مُمَاطِلًا وَالْكَبِدُ مُحَالِفًا وَقَلَالُكَ وَلٰكِنَّهُ مَانَمْلِكُ رَدَّهُ وَلَا نَسْتَطِيْعُ دَفْعَهُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ اذْكُرْنَا عِنْدَ رَبِّكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ بَالِكَ۔ ❸

''میرے مادر و پدر آپ پر قربان۔ آپ کی موت سے وہ چیز جاتی رہی جو کسی دوسرے کی موت سے نہ گئی تھی یعنی نبوت اور غیب کی خبروں اور وحی آسمانی کا انقطاع ہو گیا۔ آپ کی موت خاص صدمہ عظیم ہے کہ اب سب مصیبتوں سے دل سرد ہو گیا اور ایسا عام حادثہ ہے کہ سب لوگ اس میں یکساں ہیں۔ اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور آہ و زاری سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم آنسوؤں کو آپ پر بہا دیتے۔ پھر بھی یہ درد لا علاج اور یہ زخم لازوال ہی ہوتا اور ہماری یہ حالت بھی اس مصیبت کے مقابلہ میں کم ہوتی اس مصیبت کا تو علاج ہی نہیں اور یہ غم تو جانے والا ہی نہیں۔ میرے والدین حضور ﷺ پر نثار، پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا اور ہم کو اپنے دل سے بھول نہ جانا۔''

نبی ﷺ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ ❹

نماز جنازہ

نعش مبارک، اسی جگہ رکھی گئی، جہاں انتقال ہوا تھا۔ نماز جنازہ پہلے کنبہ والوں نے، پھر مہاجرین نے پھر انصار کے مردوں نے اور عورتوں نے، پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں امام کوئی نہ تھا۔ حجرۂ مبارک تنگ تھا۔ اس لیے دس دس شخص اندر جاتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر باہر آتے، تب اور دس اندر جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا۔ اس لیے تدفین مبارک شب ❺ چہار

---

❶ ۳/ ال عمران: ۱٤٤۔ ❷ بخاری عن ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ، حدیث: ٤٤٥٤۔

❸ نہج البلاغۃ، ص: ۳٥٥، طبعہ دار الکتاب اللبنانی بیروت۔

❹ شرح مسلم للنووی وکتاب الام لامام شافعی رحمہ اللہ، ج۱، ص: ۳۰۳ کتاب الجنائز باب فی کم یکفن المیت۔

❺ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہے کہ نماز جنازہ کی ادائیگی کی یہ تجویز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتائی تھی۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے اتفاق فرمایا تھا۔

شنبہ کو یعنی رحلت سے قریباً ۳۲ گھنٹے بعد عمل میں آئی۔ [1]

إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی جاتی تھی:

إِنَّ اللّٰـهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ أٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ لَبَّيْكَ أَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ صَلَوٰةُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ إِلَيْكَ بِإِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ۔ [2]

---

[1] الکافی للشیخ یعقوب، ملا باقر حیات القلوب جلد دوم باب ۶۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔ شیخ طبری از امام محمد باقر روایت کردہ است کہ دہ دہ نفر داخل می شدند۔ وچنیں برآں حضرت نماز ے کردند۔ بے امامے درروز دوشنبہ وشب سہ شنبہ تا صبح وروز سہ شنبہ تا شام۔ تا آنکہ خرد وبزرگ ومرد وزن از اہل مدینہ واہل اطراف مدینہ ہمہ برآں جناب چنیں نماز کردند۔ (ص ۶۶۴ چاپ لکھنؤ) ''اسلامی تاریخ'' بعد از غروب شروع ہوتی ہے۔ میں نے اس لیے منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو شب چہار شنبہ لکھا ہے اور ملا باقر صاحب نے اسی کو تا شام سہ شنبہ تحریر فرمایا ہے۔ صحت تعین وقت کے لیے گھنٹوں کا شمار کیا گیا۔ (الکافی جلد دوم)

[2] زرقانی، ج ۱۲، ص: ۱۶۶، المقصد العاشر الفصل الاول۔

باب ۵

خُلقِ مُحمدی ﷺ

جو واقعات لکھے جا چکے ہیں۔ ان سے مختصر طور پر ان مشکلات کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، جن کا سامنا نبی ﷺ کو اپنی نبوت کے اظہار، اپنی تعلیم کی اشاعت اور اس تعلیم کے قبول کرنے والوں کی حفاظت میں کرنا پڑا۔

ایک ایسے ملک میں جہاں کوئی حکومت اور قانون نہ ہو۔ جہاں خونریزی اور قتل معمولی بات ہو، جہاں کے باشندے وحشت اور غارت گری میں درندوں کے مشابہ اور جہالت اور لایعقلی میں انعام (جانوروں) سے بدتر ہوں۔ ایک ایسے دعویٰ کا پیش کرنا جو تمام ملک کے نزدیک عجیب اور جملہ قبائل میں مخالفت کی فوری آگ لگا دینے والا ہو، کچھ آسان نہ تھا۔ پھر اس دعویٰ کا ایسی حالت میں سرسبز ہونا کہ کروڑوں اشخاص کی انتہائی مخالفت اس کے ملیامیٹ کرنے پر دل سے جان سے، زر سے مال سے، سالہا سال متفق رہی ہو۔ بالکل تائید ربانی کا ثبوت ہے۔

گزشتہ واقعات کے ضمن میں نبی ﷺ کے اخلاق ومحاسن، صفات ومحامد کی چمک ایسی نمایاں ہے۔ جیسی ریت میں کندن ......اوران واقعات ہی سے یہ پتہ لگتا ہے کہ مظلومی وبیچارگی اور قوت وسطوت کی متضاد حالتوں میں یکساں سادگی وغربت کے ساتھ زندگی پوری کرنے والا، صرف وہی ہوسکتا ہے جس کے دل پر ناموس الٰہی نے قبضہ کرلیا ہو اور اسے علائق دنیوی سے پاک کردیا ہو۔

نبی ﷺ کی زندگی کے مبارک واقعات ہر ملک اور ہر طبقہ کے فرد اور جماعتوں کے لیے بہترین نمونہ اور مثال ہیں۔ اس باب کے تحت میں، میں مختصر طور پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کا جو ''عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ'' کے مصداق ہیں، ذکر کروں گا۔

''خلق محمدی ﷺ'' ایسا لفظ ہے کہ اب بہترین بزرگوں کے عادات واخلاق، اطوار وشمائل کے اظہار کے لیے مشبہ بہ (تمثیل) بن گیا ہے۔

میں اس جگہ کمالات نبوت اور خصوصیات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہیں کروں گا۔ صرف وہ سادہ حالات لکھنے مقصود ہیں۔ جن کو کوئی ازلی سعادت منداپنے لیے نمونہ بنا سکتا ہے۔ ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [1]

''تمہارے لیے رسول اللہ کا بہترین نمونہ موجود ہے۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ''امی'' تھے۔ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور بعثت ونبوت کے زمانے تک کسی عالم کی صحبت بھی میسر نہ ہوئی تھی۔

تیرافگنی، شہسواری، نیزہ بازی، سجع گوئی، قصیدہ خوانی، نسب دانی اس زمانے کے ایسے فنون تھے۔ جنہیں شریف خاندان کا ہر ایک نوجوان حصول شہرت وعزت کے لیے ضرور سیکھ لیا کرتا تھا اور جن کے بغیر کوئی شخص ملک اور قوم میں عزت یا کوئی امتیاز حاصل نہ کرسکتا تھا۔ نبی ﷺ نے ان فنون میں سے کسی کو بھی (اکتسابًا) حاصل نہ کیا تھا اور نہ کسی پر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

نبی ﷺ کی نسبت فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے:

---

[1] ۳۳/الاحزاب:۲۱۔

''آنحضرت ﷺ خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکر خدا کرنے والے، لغویات سے دور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔ انصاف کے معاملے میں قریب و بعید آنحضرت ﷺ کے نزدیک برابر ہوتا تھا۔ مساکین سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ غربا میں رہ کر خوش ہوتے، کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے، اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے۔ جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے، جب تک کہ وہی نہ چلا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کمال محبت فرمایا کرتے۔ سفید زمین پر (بلا کسی مسند و فرش کے) نشست فرمایا کرتے، اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے۔'' [1] ''دشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے تھے۔'' [2]

حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ مویشی کو چارہ خود ڈال دیتے۔ اونٹ کو باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دوھ لیتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے۔ خود اسے اٹھا لیتے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ خورد و بزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے۔ جو کوئی ساتھ ہو لیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے۔ غلام و آقا، حبشی و ترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے۔ رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لیے کہتا، قبول فرما لیتے۔ جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا، اسے برغبت کھاتے۔ رات کے کھانے میں سے صبح کے لیے اور صبح کے کھانے میں سے شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے۔ نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے، مگر (کھل کھلا کر) ہنستے نہ تھے۔ اندوہگیں تھے، مگر ترش رو نہ تھے۔

متواضع، جس میں دنایت نہ تھی۔ باہیبت، جس میں درشتی نہ تھی۔ سخی تھے، مگر اسراف نہ تھا۔

ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے۔ سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے۔ [3]

حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جو کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے یکبارگی آ جاتا۔ وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آ بیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔ [4]

کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک خدمت کی، اس عرصہ میں انہیں کبھی اف (ہونھ) تک نہ کہا۔ زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آتی تھی۔ نہ کسی پر لعنت کیا کرتے تھے۔ دوسرے کی اذیت و آزار پر نہایت صبر کیا کرتے، خلق خدا پر نہایت رحمت فرماتے۔ ہاتھ یا زبان مبارک سے کبھی کسی کو شر نہ پہنچا۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے ہر شخص کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی بادشاہت کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔ [5]

---

[1] خلاصہ تاریخ العرب پروفیسر سیڈیو ص ۴۲۔ [2] شرح شفاء عیاض، ج ۱، ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

[3] کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالی (التوفی ۵۰۵ ھ) ص ۲۸۰ مطبوعہ نول کشور ۱۸۸۲ء۔

[4] حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۲۰۵ فقرہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کے کلام کا ترجمہ ہے فرماتے ہیں:

مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مُحَبَّةً عَشِقَهُ.

[5] حجة الله البالغة، ج ۲، ص: ۲۰۵۔

صحیح بخاری میں ہے:

آنحضرت ﷺ مطیع کو بشارت پہنچاتے۔ عاصی کو ڈر سناتے۔ بے خبروں کو پناہ دیتے خدا کے بندہ و رسول ﷺ۔ جملہ کاروبار کو اللہ پر چھوڑ دینے والے۔ نہ درشت خو، نہ سخت گو، چیخ کر نہ بولتے، بدی کا بدلہ ویسا نہ لیتے۔ معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے۔ گناہگار کو بخش دیتے۔ ان کا کام کجی ہائے مذاہب کو درست کر دینا ہے۔ ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان دیتی، غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف، سکینہ ان کا لباس، نکوئی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرت ہے۔ ان کی شریعت سراپا راستی، ان کی ملت اسلام، ہدایت ان کی راہنما ہے۔ وہ ضلالت کو اٹھا دینے والے، گمناموں کو رفعت بخشنے والے مجہولوں کو نامور کر دینے والے، قلت کو کثرت اور تنگ دستی کو غنا سے بدل دینے والے ہیں۔ ❶

سکوت اور کلام

نبی کریم ﷺ اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔ بلا ضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے آنحضرت ﷺ نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے۔ کلام میں آورد ذرا نہ تھی۔ گفتگو ایسی دلآویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دل و روح پر قبضہ کر لیتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ وصف ایسا مسلمہ تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے اور جاہل دشمن اسی کا نام سحر و جادو رکھا کرتے۔ سلسلہ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا جس میں لفظاً و معناً کوئی خلل نہ ہوتا۔ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا۔ ❷

ہنسنا رونا

نبی ﷺ کبھی کھل کھلا کر ہنسنا پسند نہ کرتے تھے۔ تبسم ہی آپ کا ہنسنا تھا۔

نماز تہجد میں بسا اوقات آنحضرت ﷺ رو پڑا کرتے۔

---

❶ یسعیاہ نبی کی کتاب کا ۴۲ باب آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے۔ اس باب کے مندرجہ ذیل درس ناظرین اس جگہ ملاحظہ کریں۔ ''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔ ۲۔ وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے۔ ۴۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا۔ جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ ۵۔ خداوند جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا جو زمین کو اور انہیں جو اس سے نکلتے ہیں پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں، سانس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں، روح بخشتا۔ یوں فرماتا ہے، میں خداوند نے تجھے صداقت کے لیے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے لیے نور تجھے دوں گا۔ ۷۔ کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑا دے۔''، تمام باب ملاحظہ طلب ہے۔ پادری ان الفاظ کو مسیح کے لیے کہتے ہیں لیکن یہ الفاظ تو اس کے حق میں ہیں۔ جسے خدا کہتا ہے ''میرا بندہ'' اور پادریوں کو انکار ہے اور اقرار نہیں کہ مسیح خدا کا بندہ تھا مع ہذا درس ۱۱ میں بیابان عرب کا ذکر ہے اور قیدار کا نام موجود ہے، جو ہمارے نبی ﷺ کے دادا کا نام ہے۔ نیز سلع کا ذکر ہے جو مدینہ طیبہ کا قدیم نام ہے اور مدینہ کے اندر جو پہاڑی ہے وہ اب تک اسی نام سے موسوم ہے درس ۱۳ میں اسی موعود کا جنگی مرد ہونا بیان کیا گیا ہے۔ درس ۱۷ میں ذکر ہے کہ بت پرستوں کو اس سے ذلت و پشیمانی حاصل ہوگی وغیرہ۔ یہ جملہ علامات ایسی ہیں جو مسیح علیہ السلام پر صادق نہیں اور حضرت محمد ﷺ کے لیے خصوصیت رکھتی ہیں۔ کعب احبار رحمہ اللہ اس مقام کو خاص آنحضرت ﷺ کے لیے ہی بتایا کرتے تھے۔

❷ زاد المعاد، ج۱، ص:۱۸۲، فصل فی ہدیہ ﷺ فی کلامه وسکوته۔

کبھی کسی مخلص کے مرنے پر آبدیدہ ہو جاتے۔

آنحضرت ﷺ کے فرزند ابراہیم سلام اللہ علیہ دودھ پیتے میں گزر گئے تھے۔ جب انہیں قبر میں رکھا گیا۔ تو حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا:

((تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزُنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَ إِنَّا عَلَيْكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ)) ❶

''آنکھوں میں نم ہے، دل میں غم ہے، پھر بھی ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے پروردگار کو پسندیدہ ہے۔ ابراہیم! ہم کو تیری وجہ سے رنج ہوا۔''

ایک دفعہ اپنی نواسی سانس توڑتی (دختر زینب) کو گود میں اٹھایا۔ اس وقت حضور ﷺ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ کیا؟ فرمایا: یہ وہ رحم دلی ہے، جو خدا اپنے بندوں کے دلوں میں بھر دیتا ہے اور اللہ بھی اپنے انہیں بندوں پر رحم کرے گا جو رحم دل ہیں۔ ❷

ایک دفعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید سنا رہے تھے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ ❸

''تب کیسی ہوگی جب ہر ایک امت پر خدا ایک ایک گواہ کھڑا کرے گا اور آپ کو ہم سب امتوں پر شہادت کے لیے کھڑا کریں گے۔''

فرمایا: بس ٹھہرو! ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو نبی ﷺ کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ ❹

غذا کے متعلق ہدایت

رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے ❺ کھانا کھاتے ہی سو جانے سے منع فرمایا کرتے۔ ❻ تقلیل غذا کی رغبت دلایا کرتے۔ فرمایا کرتے معدہ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے ایک تہائی پانی کے لیے، ایک تہائی حصہ خود معدہ (سانس) کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ ❼

پھلوں، ترکاریوں کا استعمال ان کی مصلح چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔ ❽

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك، حديث: ٦٢/ ٢٣١٥؛ البخاري: ١٣٠٣۔

❷ بخاري عن اسامه بن زيد رضي الله عنه، كتاب الايمان والنذور، باب قول الله واقسموا بالله جهد ايمانهم، حديث: ٦٦٥٥۔

❸ ٤/ النسآء: ٤١۔

❹ بخاري، كتاب التفسير، عن ابن مسعود رضي الله عنه، باب فكيف اذا جئنا من كل امة، حديث: ٤٥٨٢۔

❺ زاد المعاد، جلد ٤، ص: ٢٢٣۔

❻ زاد المعاد، جلد ٤، ص: ٢٢٣۔

❼ زاد المعاد جلد ٤، ص ١٨۔

❽ زاد المعاد، ج ٤، ص: ٢٢٣۔

مرض اور مریض

متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو اس سے محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے۔ (1) بیمار کو طبیب حاذق سے علاج کرانے کا حکم فرماتے (2) اور پرہیز کرنے کا حکم دیتے۔ (3)

طبیب نادان

نادان طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے۔ (4)

حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال کرنے سے منع فرماتے۔ ارشاد فرماتے اللہ نے حرام چیزوں میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی۔ (5)

عیادت بیماراں

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو کوئی بیمار ہو جاتا، اس کی عیادت فرمایا کرتے، عیادت کے وقت مریض کے قریب بیٹھ جاتے۔ بیمار کو تسلی دیتے۔ لاباس طهور (یا کفارة) ان شاء اللہ فرمایا کرتے۔ مریض کو پوچھ لیتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے اگر وہ شئے اس کو مضر نہ ہوتی تو اس کا انتظام کر دیا کرتے۔ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اس کی عیادت کو بھی تشریف لے گئے۔ (6)

علاج

حالت مرض میں دوا کا استعمال خود فرمایا اور لوگوں کو بھی علاج کرنے کا ارشاد فرماتے:

((يَا عِبَادَ اللهِ تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ)) قَالُوْا مَا هُوَ قَالَ: ((الْهَرَمُ)) (7)

''اے بندگانِ خدا دوا کیا کرو۔ کیونکہ خدا نے ہر مرض کی شفا مقرر کی ہے۔ بجز ایک مرض کے۔'' لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: ''کھوسٹ (بڑھاپا)''

خطبہ خوانی

زمین یا منبر پر کھڑے ہو کر یا شتر و ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ فرمایا کرتے۔ جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام استغفار پر ہوا کرتا۔

---

(1) زاد المعاد، جلد ۲، ص: ۵۰، به تمسك حديث، صحيح مسلم، عن جابر عن عبدالله وصحيح بخاری تعليقًا من حديث ابی هريرة رضی اللہ عنہ وصحيحين عن حديث ابی هريرة رضی اللہ عنہ؛ مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوی ولا طيرة، بخاری، كتاب الطب، باب لاهامة، و باب لا عدوی۔ واضح ہو کہ ترمذی، كتاب الاطعمة، باب ماجاء فی الاكل مع المجذوم، حديث: ۱۸۱۷، کی حدیث "أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ" کی بابت ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ" صحیح میں ہے مگر خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی بابت شک سا ہو گیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کر دیا تھا۔ افادات ابن القیم رحمہ اللہ۔

(2) زاد المعاد، جلد ٤/ ۱۳۲۔ (3) زاد المعاد، جلد ٤/ ۱۰۳۔ (4) زاد المعاد، ج ٤، ص: ۱۳۵ فصل فی هديه فی تضمين من طب، بخاری عن اسامه بن زيد رضی اللہ عنہ كتاب الايمان والنذور؛ سنن ابی داود، كتاب الديات، باب فيمن تطبب ولا يعلم منه طب فأعنت، حديث: ٤٥٨٦۔ (5) زاد المعاد، ج ٤، ص: ۱۵٤ فصل فی هديه صلی اللہ علیہ وسلم فی المنع من التداوی بالمحرمات۔

(6) زاد المعاد، ج ۱، ص: ٤٩٤ فصل فی هديه فی عيادة المرضی۔

(7) زاد المعاد، جلد ٤/ ۱۳، بحواله مسندِ امام احمد (المتوفی ۲٤۱ھ)۔

قرآن مجید اس خطبہ میں ضرور ہوتا اور قواعد اسلام کی تعلیم اس خطبہ میں دی جایا کرتی تھی:

كَانَ يَخْطُبُ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ بِمَا تَقْتَضِيْهِ حَاجَةُ الْمُخَاطِبِيْنَ وَمَصْلِحَتُهُمْ۔ ❶

''خطبہ میں وہ باتیں ضرور بیان کی جاتی تھیں۔ جن کی سر دست مسلمانوں کو ضرورت ہوتی اور وقت و ضرورت کے اعتبار سے خطبہ میں سب کچھ بیان ہوا کرتا۔''

ایسے خطبات جمعہ کے دن ہی پر موقوف نہ ہوتے، بلکہ جب ضرورت اور موقع ہوتا تب ہی لوگوں کو کلام پاک سے مستفید فرمایا کرتے تھے۔

خطبہ کے وقت ہاتھ میں کبھی عصا ہوتا، کبھی کمان۔ ان پر اثنائے تقریر میں ٹیک بھی لگا لیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت تلوار کبھی ہاتھ میں نہ ہوتی تھی۔ نہ اس پر ٹیک لگایا کرتے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''جاہلوں کا قول ہے کہ نبی ﷺ منبر پر تلوار لے کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ گویا اشارہ یہ تھا کہ دین بزور شمشیر قائم کیا گیا ہے۔'' علامہ موصوف فرماتے ہیں جاہلوں کا یہ قول غلط ہے۔

(۱) تلوار پر خطبہ میں ٹیک لگانا ثابت نہیں۔

(۲) خطبہ خوانی کا آغاز مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ بذریعہ قرآن فتح ہوا تھا نہ کہ بذریعہ شمشیر، پھر علامہ موصوف یہ فرماتے ہیں کہ دین تو وحی سے قائم ہوا ہے۔ ❷

صدقہ وہدیہ

صدقہ کی کوئی چیز ہرگز استعمال نہ کرتے۔ البتہ ہدیہ قبول فرماتے: مخلصین صحابہ رضی اللہ عنہم نیز عیسائی اور یہودی جو چیزیں تحفۃً بھیجتے انہیں قبول فرما لیتے۔ ان کے لیے خود بھی تحفے ارسال فرماتے۔ مگر مشرکین کے ہدایا لینے سے انکار فرماتے۔

مقوقس متی شاہ مصر کے بھیجے ہوئے خچر پر حضور ﷺ نے سواری فرمائی اور جنگ حنین کے دن وہی خچر آنحضرت ﷺ کی سواری میں تھا۔ لیکن عامر بن مالک کے بھیجے ہوئے گھوڑے کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ ❸

جو قیمتی تحائف آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کرتے۔ اکثر اوقات انہیں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا کرتے۔

اپنی تعریف (تخییر بین الانبیاء سے ممانعت)

اپنی ایسی تعریف جس سے دوسرے نبی کی کمی نکلتی پسند نہ فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے:

---

❶ زاد المعاد، فصل فی هدیه ﷺ فی خطبة، ج۱، ص: ۱۸۹۔

❷ زاد المعاد، ج۱، ص: ۱۹۰۔ ❸ زاد المعاد، ج۵، ص: ۷۸۔

((لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ)) ❶ ''نبیوں کے ذکر میں ایسی طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دوسرے کے مقابلہ میں کمی نکلتی ہو۔''

ایک بیاہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بزرگوں کے تاریخی کارنامے گا رہی تھیں۔ انہوں نے یہ بھی گایا کہ ''ہمارے درمیان ایسا نبی ہے جو کل (فردا) کی بات آج بتا دیتا ہے۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: یہ نہ کہو۔ ❷ جو پہلے کہتی تھیں وہی کہے جاؤ۔

اظہار حقیقت یا خوش عقیدہ پن کی اصلاح

سیدنا ابراہیم فرزند رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ اس روز سورج گرہن بھی ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج بھی گہنا یا گیا۔ نبی ﷺ نے لوگوں کے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سورج چاند کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہنایا کرتے۔ ❸

مصلحت عامہ کا لحاظ

جب قریش نے اسلام سے پہلے کعبہ کی عمارت بنائی تو انہوں نے کچھ تو عمارت ابراہیمی میں اندر کی جگہ باہر چھوڑ دی۔ پھر کرسی اتنی اونچی رکھی کہ زینہ لگانا پڑے اور بیت اللہ میں دروازہ بھی صرف ایک ہی رکھا۔ نبی ﷺ نے ایک روز عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُ عَهْدِهِمْ بِكُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ)) ❹

''قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں ورنہ میں اس عمارت کو گرا دیتا۔ کعبہ میں دو دروازے رکھتا، ایک آنے کا ایک جانے کا۔''

۲: جب منافقین کے شر انگیز افعال و حرکات حد سے بڑھ گئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں (بے خبر لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگا۔)

بشریت و رسالت

نبی ﷺ ان احکام کو جو شان رسالت سے ظاہر ہوتے۔ ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت ثابت ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی فرماتے۔

---

❶ بخاري، كتاب الخصومات، باب ما يذكر في الأشخاص، حديث: ٢٤١٢۔

❷ بخاري، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح، حديث: ٥١٤٧۔

❸ بخاري، كتاب الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس، حديث: ١٠٤٣۔

❹ بخاري عن ابن زبير عن عائشة رضی اللہ عنہا، امام بخاری نے اس حدیث نمبر ۱۲۶ کا باب ان الفاظ میں لکھا ہے: باب من ترك بعض الاختيار مخافة ان يقصر فهم بعض الناس ''یہ باب کتاب العلم میں ہے۔

ا: ایک دفعہ فرمایا میں بشر ہوں۔ میرے سامنے تنازعات پیش ہوتے ہیں۔ کوئی شخص دوسرے فریق سے اپنے مدعا کو بہتر طریق پر ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ جس سے گمان ہو جاتا ہے کہ وہ سچا ہے۔ اور میں اسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس اگر کسی شخص کو کسی مسلمان کے حصے میں سے اس فیصلہ کے بموجب کچھ ملتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ یہ ایک آگ کا ٹکڑا ہے اب خواہ لے خواہ چھوڑ دے۔ ❶

۲: بریرہ رضی اللہ عنہا لونڈی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیث اس کے شوہر کی سفارش کی جس سے وہ بوجہ آزادی (حریت) علیحدہ ہو چکی تھی، بریرہ نے پوچھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ حکم دے رہے ہیں۔ فرمایا: نہیں میں سفارش کرتا ہوں۔ وہ بولی مجھے مغیث کی حاجت نہیں۔ ❷

۳: اہل مدینہ نر کھجور کا بور (پیوند) مادہ کھجور پر ڈالا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے۔ اہل مدینہ نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھل درختوں پر کم لگا۔ لوگوں نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی۔ فرمایا، دنیا کے کام تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ جب میں کوئی کام دین کا بتایا کروں، تو اس کی پیروی کیا کرو۔ ❸

بچوں پر شفقت

بچوں کے قریب سے گزر فرماتے تو ان کو خود السلام علیکم کہا کرتے۔ ❹ ان کے سر پر ہاتھ رکھتے۔ انہیں گود میں اٹھا لیتے۔

بوڑھوں پر عنایت

فتح مکہ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے، ضعیف، فاقد البصر باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت اسلام کرانے کے لیے لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بوڑھے کو کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔

ارباب فضل کی قدر و منزلت

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو خندق میں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ یہود ان بنو قریظہ نے اپنا حکم اور منصف تسلیم کر کے بلایا تھا۔ جب وہ مسجد تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو قبیلہ اوس کے تھے فرمایا:

((قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ)) ❺

ا: ''اپنے سردار کی پیشوائی کو جاؤ،، لوگ گئے ان کو آگے بڑھ کر لے آئے۔

۲: حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کی تائید اور مخالفین کے جواب میں اشعار نظم کر کے لاتے تو ان کے لیے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منبر رکھ دیا جاتا جس پر چڑھ کر وہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

---

❶ بخاری، عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا، کتاب المظالم، باب اثم من خاصم فی باطل، حدیث: ۲۴۵۸۔

❷ بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زوج بریرۃ، حدیث: ۵۲۸۳۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقالہ شرعًا......، حدیث: ۴۱/ ۲۳۶۳ و ۱۴۰/ ۲۳۶۲۔

❹ بخاری عن انس رضی اللہ عنہ، کتاب الاستیذان، باب التسلیم علی الصبیان، حدیث: ۶۲۴۷۔

❺ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب سعد بن معاذ، حدیث: ۳۸۰۴۔

خادم کے لیے دعا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت کی اس عرصہ میں کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ یہ کام کیوں نہ کیا ایک روز ان کے حق میں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ مَا أَعْطَيْتَهٗ))

''الٰہی اسے مال بھی بہت دے اور اولاد بھی بہت دے اور جو کچھ اسے عطا کیا جائے اس میں برکت بھی دے۔'' ❶

ادب وتواضع

۱: مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔

۲: جو کوئی مل جاتا اسے سلام پہلے خود کر دیتے۔

۳: مصافحہ کے لیے خود پہلے ہاتھ پھیلا دیتے۔

۴: صحابہ کو کنیت کے نام سے پکارتے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی طریق ہے)۔

۵: کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے۔

۶: اگر نماز نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آ بیٹھتا، تو نماز کو مختصر کر دیتے اور اس کی ضرورت پوری کر دینے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہوتے۔

۷: اکثر متبسم رہتے۔ ❷

۸: آنحضرت ﷺ کی ایک ناقہ کا نام عضباء تھا۔ کوئی جانور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا اور عضباء سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں کو یہ بہت ہی شاق گزرا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهٗ)) ❸

''دنیا میں خدا کی سنت یہی ہے کہ کسی کو اٹھاتا ہے تو اسے نیچا بھی دکھاتا ہے۔''

۹: ایک شخص آیا، اس نے نبی ﷺ کو ''يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ'' (برترین خلق) کہہ کر بلایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ((ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ)) ''یہ شان تو ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔'' ❹

۱۰: ایک شخص حاضر ہوا وہ نبی ﷺ کی ہیبت سے لرز گیا نبی ﷺ نے فرمایا:

((هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنِّيْ لَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ تَأْكُلُ الْقَدِيْدَ)) ❺

---

❶ بخاري عن انس، كتاب الدعوات، باب دعوة النبي ﷺ لخادمه بطول العمر، حديث: ٦٣٤٤۔

❷ ماخوذ از شرح شفاء فصل في حسن عشرته: ١/ ٢٦٨۔

❸ بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، حديث: ٦٥٠١۔

❹ ابوداود، كتاب السنة، باب في التخيير بين الأنبياء، حديث: ٤٦٧٢۔

❺ بخاري، غربا خشک گوشت کھایا کرتے تھے۔ ابن ماجه، كتاب الاطعمة، باب القديد، حديث: ٣٣١٢۔

''کچھ پروانہ کرو۔ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں۔ جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔''

شفقت ورافت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

کوئی شخص بھی اچھے خلق میں آنحضرت ﷺ جیسا نہ تھا۔ خواہ کوئی صحابی بلاتا یا گھر کا کوئی شخص، نبی ﷺ اس کے جواب میں لبیک (حاضر) ہی فرمایا کرتے۔ ❶

۲: عبادت نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے، تاکہ امت پر اس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو۔

۳: جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کو اختیار فرماتے۔ ❷

۴: اللہ پاک کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جس کسی شخص کو میں گالی دوں یا لعنت کروں۔ وہ گالی اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ، رحمت و بخشش اور قرب کا ذریعہ بنادی جائے۔

۵: فرمایا ایک دوسرے کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں، تو سب کی طرف سے صاف سینہ جاؤں۔ ❸

۶: وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرمایا کرتے، تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ ❹

۷: ایک بار سورج گرہن ہوا۔ نماز کسوف میں نبی ﷺ روتے تھے اور دعا میں فرماتے تھے:

((رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِيْ أَنْ لَّاتُعَذِّبَهُمْ وَ أَنَا فِيْهِمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَ نَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ)) ❺

''اے پروردگار تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو (بہر دو صورت) عذاب نہ دیا جائے گا۔ (۱) جب تک میں ان کے درمیان موجود ہوں۔ (۲) جب تک یہ استغفار کرتے رہیں۔ اب اے خدا میں موجود ہوں اور سب استغفار بھی کر رہے ہیں۔''

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوْبِهَا فَاسْتُجِيْبَ لَهَا فَجَعَلْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِّأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) ❻

''ہر ایک نبی کے لیے ایک دعا تھی وہ مانگتے رہے اور دعا قبول ہوتی رہی میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت روز قیامت کے لیے محفوظ رکھا ہے۔''

عدل ورحم

اگر دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے اور اگر کسی شخص کا نفس مبارک کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

---

❶ شرح شفاء فصل فی حسن عشرته، ج۱، ص: ۲۷۱۔ ❷ بخاری عن عائشة رضی الله عنها، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث: ۳۵۶۰۔ ❸ شرح شفاء فصل فی الشفقة والرأفة، ج۱، ۲۷۷۔

❹ بخاری، کتاب العلم، باب ماکان النبی ﷺ یتخولهم بالموعظة، حدیث: ٦٨، عن ابن مسعود رضی الله عنه۔

❺ زاد المعاد، جلد۱، ص: ۴۹، ابوداود، کتاب صلاة الاستسقاء، باب من قال یرکع رکعتین، حدیث: ۱۱۹۴۔

❻ بخاری عن انس رضی الله عنه، کتاب الدعوات، باب لکل نبی دعوة مستجابة حدیث: ٦٣٠٤۔

۱: فاطمہ نامی ایک عورت نے مکہ میں چوری کی، لوگوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو، سنو! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کرتی، تو میں حد جاری کرتا۔ ❶

۲: سواد بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ورس کا ایک رنگین کپڑا پہن کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط خط فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم میں ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو قصاص لوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹ اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔ ❷

اعداء پر رحم

(۱) مکہ میں سخت قحط پڑا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں بھی کھانی شروع کر دیں۔ ابوسفیان بن حرب (ان دنوں دشمن غالی تھا۔) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو لوگوں کو صلہ رحم (حسن سلوک باقرابتداراں) کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ دیکھئے آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دعا کیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور خوب بارش ہوئی۔

۲: ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے نجد سے مکہ کو جانے والا غلہ بند کر دیا۔ اس لیے کہ اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

۳: حدیبیہ کے میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نماز صبح پڑھ رہے تھے ستر اسی آدمی چپکے سے کوہ تنعیم سے اترے تا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کر دیں۔ یہ سب گرفتار ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کسی فدیہ یا سزا کے آزاد فرما دیا۔ ❸

جود و کرم

(۱) سائل کو کبھی رد نہ فرماتے۔ زبان مبارک پر حرف انکار نہ لاتے اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا، تو سائل سے عذر کرتے، گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔

(۲) ایک شخص نے آ کر سوال کیا۔ فرمایا: میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو، میں پھر اسے اتار دوں گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چپ سے کر گئے۔ ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب دیجئے۔ رب العرش مالک ہے تنگ دستی کا کیا ڈر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار آشکارا ہو گئے۔

فرمایا: ہاں! مجھے یہی حکم ملا ہے۔ ❹

(۳) ایک بار ایک سائل کو آدھا وسق غلہ قرض لے کر دلایا۔ قرض خواہ تقاضا کے لیے آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ایک وسق

---

❶ بخاري عن عائشة رضي الله عنها، كتاب الحدود، باب اقامة الحدود على الشريف والوضيع، حديث: ٦٧٨٧۔

❷ شرح شفاء قاضي عياض فصل...... ج ٢/ ٣٦٥۔ ❸ مسلم، كتاب الجهاد، باب قول الله وهو الذى كف ايديهم عنكم، حديث: ٤٦٧٩؛ ابوداود، كتاب الجهاد، باب في المن على الأسير، حديث: ٢٦٨٨۔

❹ شرح شفاء فصل في الجود: ١/ ٢٥١۔

غلہ دے دو۔ آدھا تو قرض کا ہے، آدھا ہماری طرف سے جود وسخا کا ہے۔ ❶

(۴) فرمایا کرتے، اگر کوئی شخص مقروض مرجائے اور باقی مال نہ چھوڑے تو ہم اسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ وارثوں کا حق ہے۔ ❷

شرم وحیا

(۱) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حیا تھی۔ ❸ جب کوئی ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی جاتی، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کراہت ہوتی، تو چہرہ مبارک سے فوراً معلوم ہو جاتا تھا۔

(۲) عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے بلکہ عام الفاظ میں اس حرکت وفعل کی نہی فرما دیتے۔ ❹

(۳) عادات ومعاملات میں اپنی جان پر تکلیف اٹھا لیتے مگر دوسرے شخص کو از راہ شرم کام کرنے کو نہ فرماتے۔

(۴) جب کوئی عذر خواہ سامنے آ کر معافی کا طالب ہوتا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرم سے گردن مبارک جھکا لیتے۔

(۵) عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ کبھی نہیں دیکھا۔ ❺

صبر وحلم

(۱) زید بن سعنہ ایک یہودی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قرض دینا تھا۔ وہ ایک روز آیا۔ آتے ہی چادر آپ کے شانہ سے اتار لی۔ جسم کے کپڑے پکڑ لیے اور بڑانے لگا کہ عبدالمطلب والے بڑے نادہند ہوتے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور، اس کے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے۔ مجھے حسن ادائگی کے لیے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھاتے۔ پھر زید رضی اللہ عنہ کی جانب حضور مخاطب ہوئے، فرمایا: ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا قرض ادا کر دو۔ بیس صاع زیادہ بھی دینا کہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا بھی تھا۔ ❻

(۲) ایک اعرابی آیا، اس نے زور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو جو موٹے کنارے کی تھی، جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں گڑ گیا اور نشان پڑ گیا۔ اعرابی نے اب زبان سے یہ کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مال خدا جو تمہارے پاس ہے۔ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے۔ اس میں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا خاموشی کے بعد فرمایا: مال بیشک خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں، بالآخر حکم فرمایا: کہ ایک بار شتر جو اور

---

❶ عن ابی هريرة، شرح شفاء فصل فی الجود: ۱/ ۲۵۳۔

❷ عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترك مالا فلأهله، حديث: ۶۷۳۱۔

❸ بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حديث: ۳۵۶۲۔

❹ شرح شفاء ص: ۱/ ۲۶۳؛ ابوداود، کتاب الأدب، باب فی حسن العشرة، حديث: ۴۷۸۸۔

❺ الترمذی فی الشمائل وشفاء: ۱/ ۲۶۴۔

❻ شرح شفاء عياض، فصل فی الحلم، ج ۱، ص: ۲۴۳؛ رواہ البیہقی۔ اس کے بعد زید مسلمان ہو گیا۔

ایک بار شتر کھجوریں اسے دی جائیں۔ ❶

(۳) طائف میں آنحضرت ﷺ وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے حضور ﷺ پر کیچڑ پھینکی، آوازے لگائے، اتنے پتھر مارے کہ حضور ﷺ لہو سے تر بہ تر اور بیہوش ہو گئے۔ پھر بھی یہی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے، تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔

عفو ورحم

(۱) عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ذات مبارک کی بابت کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ❷

(۲) جنگ احد میں کافروں نے نبی ﷺ کے دانت توڑے، سر پھوڑا۔ حضور ﷺ ایک غار میں بھی گر گئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان پر بددعا فرمائیے نبی ﷺ نے فرمایا، میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا۔ خدا نے مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد یہ دعا فرمائی ''اے خدا میری قوم کو ہدایت فرما۔ وہ (مجھے) نہیں جانتے ہیں۔'' ❸

(۳) ایک درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ سو گئے، تلوار شاخ سے آویزاں کر دی۔ غورث بن الحراث آیا۔ تلوار نکال کر نبی ﷺ کو گستاخانہ جگایا۔ بولا، اب تم کو کون بچائے گا۔

فرمایا، اللہ! وہ چکر کھا کر گر پڑا۔ آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھالی، فرمایا: اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ وہ حیران ہو گیا۔ فرمایا، جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔ ❹

(۴) ہبار نے آنحضرت ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے نیزہ مارا۔ وہ ہودج سے نیچے گر گئیں اور حمل ساقط ہو گیا، اور بالآخر یہی صدمہ ان کی موت کا باعث ہوا۔ ہبار نے عفو کی التجا کی اور اسے معاف فرمایا۔ ❺

(۵) فرمایا زمانہ جاہلیت سے لے کر جن باتوں پر قبائل میں باہمی جنگ وجدل چلا آتا ہے۔ میں سب کو معدوم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا دعویٰ اور اپنے چچا کی رقوم قرضہ کو معاف کرتا ہوں۔ ❻

صدق وامانت

(۱) جانی دشمن بھی نبی ﷺ کے ان اوصاف کے قائل تھے۔ صادق وامین، بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کا خطاب پڑ گیا تھا۔ انہی اوصاف کی وجہ سے قبل از نبوت بھی لوگ اپنے مقدمات کو انفصال کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے۔ ❼

(۲) ایک روز ابوجہل نے کہا: محمد ﷺ! میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا۔ لیکن تیری تعلیم پر میرا دل ہی نہیں ٹھہرتا۔ ❽

---

❶ بخاری، کتاب الاستقراض، باب استقراض الابل، حدیث: ۲۳۹۰؛ مسلم، کتاب المساقات، باب جواز اقتراض الحیوان، حدیث: ۴۱۱۵۔ ❷ بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث: ۳۵۶۰۔

❸ شرح شفاء عیاض، فصل فی الحلم، ج۱، ص: ۲۳۷۔

❹ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوه ذات الرقاع، حدیث: ۴۱۳۵ وشفاء فصل فی الحلم، ج۱، ص: ۲۴۰۔

❺ ۷ھ دیکھو بیان فتح مکہ۔ ❻ ابوداود، کتاب المناسك، باب صفة حج النبی ﷺ حدیث: ۱۹۰۵۔

❼ شرح شفاء قاضی عیاض فصل فی العدل، ج۱، ص: ۲۹۵۔ ❽ شرح شفاء فصل فی العدل، ج۱/ ۲۹۶۔

(۳) شب ہجرت کو کفار نے تو آنحضرت ﷺ کے قتل کا مشورہ اور اتفاق کیا تھا۔ اور حضور ﷺ نے پیارے چچیرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے پیچھے چھوڑا کہ ان کی امانتوں کو ادا کر کے آنا۔

عفت وعصمت

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ ایام جاہلیت کی رسموں میں سے میں نے کبھی کسی میں بھی حصہ نہیں لیا۔ صرف دو دفعہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بچا لیا۔ دس برس سے کم عمر تھی۔ میں نے اس چرواہے کو جس کے ساتھ میں بکریاں چراتا تھا۔ کہا، اگر تم میری بکریاں سنبھالے رکھو تو میں مکہ (آبادی کے اندر) جاؤں۔ جیسے اور نوجوان کہانیاں کہتے سنتے ہیں، میں بھی کہانیاں کہوں سنوں۔ اس ارادہ سے میں شہر کو آیا۔ پہلے ہی گھر پہنچا تھا کہ وہاں دف ومزامیر بج رہے تھے اس گھر میں بیاہ تھا میں انہیں دیکھنے لگا۔ نیند نے غلبہ کیا۔ میں سو گیا، جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی، ایک دفعہ پھر ایسی ہی نیت سے آیا تھا۔ اسی طرح نیند آ گئی اور وقت گزر گیا۔ ان دو واقعات کے سوا میں نے کبھی مکروہات جاہلیت کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ [1]

عہد نبوت سے پہلے کا ذکر ہے۔ زید بن عمرو بن نفیل نے نبی ﷺ کی دعوت کی، دسترخوان پر گوشت بھی آیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّیْ لَا اٰکُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰی أَنْصَابِکُمْ وَ لَا اٰکُلُ إِلَّا مَا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ))

''میں وہ گوشت نہیں کھاتا جو بتوں یا استھانوں کی قربانی کا ہو۔ میں تو صرف وہی گوشت کھایا کرتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔'' [2]

زہد

آپ ﷺ کی دعا یہ تھی:

((یَا رَبِّ أَجُوْعُ یَوْمًا وَأَشْبَعُ یَوْمًا وَأَمَّا الَّذِیْ أَجُوْعُ فِیْہِ فَأَتَضَرَّعُ إِلَیْکَ وَأَدْعُوْکَ وَأَمَّا الْیَوْمَ الَّذِیْ أَشْبَعُ فِیْہِ فَأَحْمَدُکَ وَأُثْنِیْ عَلَیْکَ))

''الٰہی ایک دن بھوکا رہوں۔ ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں، تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد وثنا کیا کروں۔'' [3]

(۲) صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک ایک مہینہ برابر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی۔ حضرت کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران کرتا۔ [4]

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ نبی ﷺ نے مدینہ آ کر تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔ [5]

---

[1] شرح شفاء، فصل في العدل، ج۱، ص: ۳۰۰۔ [2] بخاري عن عبدالله، كتاب الذبائح، باب ما ذبح على النصب والأزلام، حديث: ۵۴۹۹۔ [3] شرح شفاء فصل في الزهد، ج۱، ص: ۳۰۸۔

[4] بخاري عن عائشة رضي الله عنها، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ، حديث: ۶۳۵۸۔

[5] بخاري عن عائشة رضي الله عنها، كتاب الاطعمة، باب ماكان النبي ﷺ وأصحابه ياكلون، حديث: ۵۴۱۶۔

(۴) نبی ﷺ نے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلہ (جو) رہن تھی۔ ❶
(۵) آنحضرت ﷺ اس دنیا کی آخری شب میں تھے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پڑوسن سے چراغ کے لیے تیل منگوایا تھا۔ ❷
(۶) دعا فرمایا کرتے۔ الٰہی آل محمد ﷺ کو صرف اتنا دے، جتنا پیٹ میں ڈال لیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے زُہد کی یہ تمام صورتیں اختیاری تھیں۔ لاچاری کچھ نہ تھی اور اس زہد سے مقصود نبی ﷺ کا یہ نہ تھا کہ کسی حلال شے کے استعمال یا انتفاع میں کوئی روک پیدا کریں۔ ایسے خیال سے صرف ایک بار نبی ﷺ نے شہد کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ایک بیوی نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا تھا۔ اللہ عزوجل نے نبی ﷺ سے فرمادیا کہ یہاں تک کھینچ نہیں کرنی چاہیے۔ ❸

صنف ضعیف (عورتوں) کی اعانت اور ان کی آسائش کا خیال

(۱) ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں ساتھ تھیں وہ تمام جسم کو چادر سے ڈھانپ کر اونٹ کی پچھلی نشست پر نبی ﷺ کے ساتھ سوار ہوا کرتی تھیں۔ جب وہ اونٹ پر سوار ہونے لگتیں:

يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرٍ۔ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلَى رُكْبَتِهِ حَتَّى تَرْكَبَ۔ ❹

''تب آنحضرت ﷺ اپنا گھٹنا آگے بڑھا دیتے صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آنحضرت ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر اونٹ پر چڑھ جایا کرتیں۔''

(۲) ایک دفعہ ناقہ کا پاؤں پھسلا۔ نبی ﷺ اور ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں گر پڑے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكَ بِالْمَرْأَةِ تم پہلے عورت کی خبر لو۔ ❺

(۳) ایک سفر میں اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔ ساربان جو اونٹوں کی مہار پکڑے جاتا تھا۔ حُدی خوانی کرنے لگا۔ حُدی ایسی آواز سے شعر پڑھنے کو کہتے ہیں، جس سے اونٹ تیز چلنے لگتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو کانچ کے شیشوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا۔'' ❻ اس ارشاد میں عورتوں کو کانچ کے آلات سے نبی ﷺ نے تشبیہ دی ہے۔ نفاست ونزاکت کے علاوہ وجہ تشبیہ عورتوں کا ضعف خلقت ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ آرام اور آسائش کی مستحق ہیں۔

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح کی جاتی تھی۔ جنگ بدر میں جو قیدی مدینہ منورہ میں چند روز تک مسلمانوں کے پاس اسیر رہے۔ ان میں سے ایک کا بیان ہے ''خدا مسلمانوں پر رحم کرے۔ وہ اپنے اہل وعیال سے اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے

❶ بخاری عن عائشة رضي الله عنها، كتاب فی الرهن باب فی الرهن عند اليهود، حديث: ٢٥١٣۔ ❷ بخاری عن عائشة رضي الله عنها۔
❸ ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ (٦٦/ التحريم: ١)
❹ بخاری، كتاب البيوع، باب هل يسافر بالجارية، عن انس رضي الله عنه، حديث: ٢٢٣٥۔
❺ بخاری، كتاب الجهاد، باب ما يقول اذا رجع من الغزو، حديث: ٣٠٨٥۔ ❻ بخاری، كتاب الادب، باب المعاريض مندوحة عن الكذب، حديث: ٦٢١١؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته للنساء، حديث: ٦٠٤٠۔

کنبے سے پہلے ہمارے آرام کی فکر کیا کرتے تھے۔‘‘

جب قیدی اسیر ہو کر آتے تو نبی ﷺ پہلے ان کے لباس کی فکر کیا کرتے تھے۔ ❶

مردانہ ورزشیں

مردانہ ورزشوں کا شوق دلایا کرتے۔ رکانہ عرب کا شاہ زور پہلوان تھا۔ وہ اپنے پچھڑ جانے کو اسلام لانے کی شرط ٹھہراتا تھا۔ نبی ﷺ نے اسے تین بار پچھاڑ دیا تھا۔ ❷

تیر افگنی

نشانہ بازی کا لوگوں کو شوق دلایا کرتے۔ نشانہ بازی کی مشق کے لیے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: تیر چلاؤ، میں اس پارٹی کی طرف ہوں گا۔ یہ سن کر دوسری پارٹی نے تیر چلانے سے ہاتھوں کو روک لیا۔ سبب پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا جب اس پارٹی میں رسول اللہ ﷺ شامل ہیں تو ہم اس کے مقابلہ میں کیونکر تیر افگنی کر سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تیر چلاؤ، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ ((اِرْمُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ)) ❸

گھوڑ دوڑ

گھوڑوں کی دوڑ آنحضرت ﷺ کے حکم سے کرائی جاتی تھی۔ لمبی دوڑ ۵ یا ۶ میل کی اور ہلکی دوڑ ایک میل کی ہوتی تھی۔ ❹

مردم شماری

نبی ﷺ نے فرمایا: ((اُكْتُبُوْا لِيْ مَنْ تَلَفَّظَ بِالْإِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ)) ’’تمام کلمہ گو اشخاص کے نام میرے ملاحظہ کے لیے قلمبند کیے جائیں۔‘‘ اس حکم کی تعمیل ہوئی اس وقت مسلمانوں کا شمار ڈیڑھ ہزار ہوا۔ اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ کا شکر کیا۔ خوشی منائی۔ مسلمان کہتے تھے۔ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر رہا ہے۔ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے۔ جب ہم میں سے کوئی اکیلا ہی نماز پڑھا کرتا تھا اور اسے ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔ ❺

افسوس ہے کہ اس روایت سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ شمار کس سنہ میں ہوا تھا۔ صحیح بخاری کی دیگر روایات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری مردم (مسلم) شماری تھی۔ پہلی دفعہ کے شمار میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰ سو دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تعداد تھی۔ ❻

تعلیمات رسالت

آنحضرت ﷺ کی تعلیم پاک، اعتقادات، عادات، معاملات، عبادات، مہلکات، منجیات، احسانیات کے متعلق ایک

---

❶ بخاری، کتاب الجهاد، باب الكسوة للأسارى، حديث: ٣٠٠٨۔ ❷ شفاء قاضی عیاض فصل فی وفور عقله: ١/ ١٧٣۔

❸ بخاری عن سلمة بن الاكوع، كتاب الجهاد، باب التحريض على الرمي، حديث: ٢٨٩٩۔

❹ بخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، كتاب الجهاد، باب السبق بين الخيل، حديث: ٢٨٦٨۔

❺ بخاری، كتاب الجهاد، باب كتابة الامام الناس، حديث: ٣٠٦٠۔

❻ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب جواز الاستسرار بالايمان للخائف، حديث: ٢٣٠/ ١٤٩۔

بحرنا پیدا کنار ہے۔ نبی ﷺ کی افضلیت اور اسلام کی برتری کا مدار اسی تعلیم پر ہے۔ میرا مقصود اس جگہ صرف نمونہ دکھانا ہے ان شاءاللہ اس کتاب کے حصہ سوم میں اس پر ذرا تفصیل سے تحریر کیا جائے گا۔

خدا کا حق بندوں پر بندوں کا حق خدا پر

((حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَّحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوْهُ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ)) ❶

''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔ ۲۔ بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب وہ اللہ کا حق ادا کریں تب وہ انہیں عذاب نہ دے۔''

رحمت الٰہیہ کا بیان

نبی ﷺ نے فرمایا: خدا نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے، یہ لکھ رکھا ہے ((إِنَّ رَحْمَتِيْ غَلَبَتْ غَضَبِيْ))
''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔'' ❷

خدمت والدین

ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں جہاد (دشمنان دین سے جنگ) کرنا چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے پوچھا: تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ وہ بولا ہاں! فرمایا، انہی (کی خدمت) میں جہاد (حد درجہ کی کوشش) کرو۔ ❸

نصرت باہمی

((اَلْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ)) ❹

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے، جیسے بنیاد کی اینٹیں۔ ایک سے دوسرے کو قوت ملتی ہے، پھر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔ یعنی مومن اس طرح ملے جلے رہتے ہیں۔''

مسلمان کون ہے

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) ❺

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔''

---

❶ بخاری عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کتاب الرقاق، باب من جاهد نفسه فی طاعة الله، حدیث: ٦٥٠٠۔

❷ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول الله وهو الذی یبدأ الخلق، حدیث: ٣١٩٤، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ کتاب الخلق۔

❸ بخاری، عن عمر رضی اللہ عنہ کتاب الادب، باب لایجاهد الاباذن الابوین، حدیث: ٥٩٧٢۔

❹ بخاری عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، حدیث: ٢٤٤٦۔

❺ بخاری عن عبداللہ بن عمر، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون، حدیث: ١٠۔

ایمان کا کمال

((لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) ❶

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو کچھ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

شیرینی ایمان

((ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِیْمَانِ، أَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ وَأَنْ یُحِبَّ الْمَرْءُ لَا یُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ۔ وَأَنْ یَکْرَهَ أَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَهُ أَنْ یُقْذَفَ فِی النَّارِ)) ❷

''تین باتیں ہیں جس میں یہ ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت چکھ لے گا۔''

(۱) خدا اور خدا کے رسول کی محبت اسے سب سے بڑھ کر ہو۔

(۲) کسی بھائی سے للّٰہی محبت رکھتا ہو۔ کوئی غرض شامل نہ ہو۔

(۳) کفر میں جا پڑنے کو ایسا برا جانتا ہو۔ جیسا آگ میں گر جانے کو سمجھتا ہے۔''

پسندیدہ اعمال

لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ)) پھر فرمایا: ((اُکْلُفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِیْقُوْنَ)) ❸

''جو عمل ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ مقدار میں کم ہی ہو۔

عمل (عبادت) اتنا ہی کیا کرو، جسے بآسانی کر سکو۔''

اعمال شاقہ سے ممانعت

(۱) نبی ﷺ نے ایک گھر میں رسی لٹکتی دیکھی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں عورت نے لٹکا رکھی ہے رات کو (عبادت کرتی ہوئی) جب اونگھنے لگتی ہے، تو اس سے لٹک پڑتی ہے۔ فرمایا اسے کھول دو عبادت (نافلہ) اس وقت تک کرو کہ نشاط طبع قائم رہے۔ ❹

(۲) بنی اسد کی ایک عورت کی بابت نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ تمام شب عبادت کرتی ہے۔ فرمایا ایسا نہ کرو۔ اعمال بقدر طاقت ادا کرو۔ ❺

---

❶ بخاری عن انس کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ، حدیث: ۱۳۔ ❷ بخاری عن انس رضی اللہ عنہ، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، حدیث: ۱٦۔ ❸ بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومۃ علی العمل، حدیث: ٦٤٦٥۔

❹ بخاری، کتاب النوافل، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

❺ بخاری، کتاب التہجد، عن عائشۃ۔ باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، حدیث: ۱۱۵۰۔

(۳) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میں نے سنا ہے کہ تم راتوں کو برابر جاگتے اور دن کا برابر روزہ رکھا کرتے ہو، عبداللہ نے کہا، ہاں! فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، قُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ❶

''اب ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو اور کچھ وقت کے لیے چھوڑ بھی دو۔ رات کو عبادت کے لیے جاگو بھی اور سوؤ بھی۔ دیکھ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

محنت کی تعریف مانگنے کی برائی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لایا کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے مانگا کرے اور لوگ اسے دیا کریں۔ ❷

کن لوگوں پر رشک کرنا چاہیے

فرمایا: قابل رشک دو شخص ہیں۔

(۱) جسے خدا نے مال دیا اور اس مال کو جائز جگہ صرف کرنے کی توفیق بھی اسے ملی ہو۔

(۲) جسے خدا نے حکمت عطا کی ہو۔ وہ اس پر خود عمل کرتا ہو اور دوسرے کو اس کی تعلیم دیتا ہو۔ ❸

بہترین اخلاق کی تعلیم

((سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَبَشِّرُوْا فَإِنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ عَمَلُهُ)) ❹

''راستبازی اختیار کرو، باہمی محبت کو بڑھاؤ، لوگوں کو خدا کی طرف سے بشارت پہنچاؤ، عمل تو کسی کو بھی جنت میں نہیں لے جا سکتا۔''

اخلاق رذیلہ سے نہی اور اخوت کا حکم

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا)) ❺

''خبردار! بدگمانی کو اپنی عادت نہ بنانا۔ بدگمانی میں تو جھوٹ ہی جھوٹ ہوتا ہے۔ بے بنیاد باتوں پر کان نہ لگاؤ۔

---

❶ بخاری عن عبداللہ رضی اللہ عنہ، کتاب النکاح، باب لزوجك عليك حق، حدیث: ۵۱۹۹۔

❷ بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلة، حدیث: ۱۴۷۱۔

❸ بخاری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کتاب الزکوٰۃ، باب انفاق المال فی حقه، حدیث: ۱۴۰۹۔

❹ بخاری عن عائشة رضی اللہ عنہا، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث: ٦٤٦٤۔

❺ بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الفرائض، باب تعلیم الفرائض، حدیث: ٦٤٢٤۔

اوروں کے عیب نہ تلاش کرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو، کسی سے روگردانی نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو، آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو (جیسا کہ تم سب اللہ کے بندے ہی ہو۔)''

ہمسایہ اور مہمان کا حق

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)) ❶

''جو کوئی شخص خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دیا کرے۔ جو کوئی شخص خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ مہمان کی عزت کیا کرے۔''

کلام اور خاموشی

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ)) ❷

''جو کوئی شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے لازم ہے۔ بات کہے تو اچھی کہے، ورنہ خاموش ہی رہے۔''

نجات کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت

((مَنْ يَّضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ)) ❸

''اگر کوئی شخص مجھے ضمانت دے، اس چیز کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کی جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی پردہ کا جسم) تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔''

صبر و شکر کی تعلیم

((إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ)) ❹

''اگر ایسے شخص پر تمہاری نظر پڑے جو مال اور حسن میں تم سے بڑھ کر ہے۔ تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو ان چیزوں میں تم سے کمتر ہے۔''

پہلوان کون ہے؟

((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ مَنْ يَّمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) ❺

''شہ زور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ شہ زور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے۔''

---

❶ بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، حدیث: ٦٤٧٥۔

❷ بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الرقاق ایضًا۔

❸ بخاری عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، حدیث: ٦٤٧٤۔

❹ بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الرقاق، باب لینظر من هو اسفل منه، حدیث: ٦٤٩٠۔

❺ بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث: ٦١١٤۔

منادیانِ اسلام کا فرض

((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا)) ❶

''(معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمن میں تعلیم اسلام کی اشاعت کے لیے مامور فرمایا تھا روانگی کے وقت انہیں ارشاد فرمایا) لوگوں کے ساتھ آسانی پسند کرنا۔ انہیں سختی میں نہ ڈالنا۔ خوشخبری اور بشارت انہیں سنانا۔ دین سے نفرت نہ دلانا اور تم آپس میں مل جل کر رہنا۔''

اثر محبت

((أَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) ❷

''جسے جس کے ساتھ محبت ہے، وہ اس کے ساتھ ہوگا۔''

قیدیوں، مسکینوں، بیماروں سے برتاؤ کا حکم

((فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ)) ❸

''اسیروں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو۔''

درخت لگانے کا ثواب

اگر کسی مسلمان نے درخت لگایا جس کا پھل کسی انسان یا جانور نے کھایا تو لگانے والے کے لیے یہ صدقہ ہوگا۔ ❹

حیوانات سے ہمدردی کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص راہ چلتا تھا اسے سخت پیاس لگی۔ کنواں ملا، کنوئیں کے اندر اتر کر اس نے پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان باہر نکالے پیاس کے مارے نمناک زمین کو چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا کتے کو بھی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ پھر وہ کنوئیں میں اترا، اپنا موزہ پانی سے بھر کر لایا اور کتے کو پلایا۔ خدا نے اس عمل کو قبول فرما کر اس شخص کو بخش دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر دریافت کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حیوانات کے لیے بھی ہم کو اجر ملے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک جاندار جس کے کلیجہ میں نم ہے۔ (جو زندہ ہے) اس کے متعلق تم کو اجر ملے گا۔ ❺

لونڈیوں کو تعلیم دینے کا ذکر

((مَنْ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَعَلَّمَهَا وَأَحْسَنَ إِلَيْهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ)) ❻

---

❶ بخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یسروا ولا تعسروا، حدیث: ٦١٤٢۔

❷ بخاری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کتاب الأدب، باب علامة الحب فی الله، حدیث: ٦١٦٨۔

❸ بخاری، کتاب الجهاد، باب فكاك الاسير، حدیث: ٣٠٤٦ عن ابی موسیٰ۔

❹ بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث: ٦٠١٢۔

❺ بخاری عن ابی هريرة، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث: ٦٠٠٩۔

❻ بخاری عن ابی موسیٰ، کتاب العتق، باب من ادب جارية وعلمها، حدیث: ٢٥٤٤۔

''اگر کسی کے پاس لونڈی ہو تو وہ اسے علم سکھائے، اچھے سلوک سے رکھے پھر آزاد کر دے، پھر اسے بیوی بنا لے، تب اس شخص کو دو چند اجر ملے گا۔''

لڑکیوں کی تعلیم وادب کا ذکر

أُصِيْبَ عَبْدُاللّٰهِ وَتَرَكَ جَوَارِيَ صِغَارًا فَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا تُعَلِّمُهُنَّ وَتُؤَدِّبُهُنَّ۔ [1]

''عبداللہ شہید ہو گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھوڑ گیا ہے۔ اس لیے میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا کہ وہ انہیں علم وادب سکھائے۔''

منافق کون ہے؟

چار خصلتیں جس شخص کے اندر ہوں، وہ منافق ہے۔ اگر ان چار میں سے کوئی ایک خصلت اس میں ہے۔ تو نفاق کی ایک علامت اس کے اندر ہے۔

(۱) بولے تو جھوٹ بولے۔

(۲) وعدہ کرے تو خلاف کرے۔

(۳) عہد کرے تو پورا نہ کرے۔

(۴) جھگڑنے لگے تو فحش بکنے لگے۔ [2]

مہاجر کون ہے؟

((وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهُ)) [3]

''خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والا وہ شخص ہے۔ جو خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ ہو جاتا ہے۔''

قیامت کے دن سایہ ربانی کن لوگوں پر ہوگا

(۱) بادشاہ عادل۔

(۲) وہ نوجوان جس نے جوانی میں عبادت الٰہی کی ہو۔

(۳) وہ شخص جسے تنہائی میں خدا یاد آتا ہو اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہوں۔

(۴) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو۔

(۵) وہ دونوں شخص جن کی محبت للّٰہیت پر ہو۔

(۶) وہ شخص جسے کوئی حسینہ اور اعلیٰ درجہ کی عورت اپنی جانب بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

(۷) وہ شخص جو مخفی طور پر خیرات دیتا ہو۔ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ دائیں نے کیا دیا۔

---

[1] بخاری، قول جابر کتاب الاستقراض، باب الشفاعة، فی وضع الدین، حدیث: ٢٤٠٦۔

[2] بخاری، عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، کتاب الایمان، باب علامات النفاق، حدیث: ٣٤۔

[3] بخاری عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون، حدیث: ١٠۔

یہ ہیں وہ سات شخص جنہیں خدا قیامت کے دن اپنے سایہ میں لے لے گا، جس دن کہیں سایہ نہ ہوگا۔ ❶

بادشاہ کی اطاعت کا حکم

❶ ((مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) ❷

''اگر کسی شخص کو اپنے فرمانروا کی کوئی بات ناگوار گزرے تو اسے لازم ہے کہ صبر کرے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بالشت بھر بھی اپنے بادشاہ کی اطاعت سے باہر نکلے گا، اسے وہ موت نصیب ہوگی۔ جو زمانہ قبل از اسلام کی موت ہوتی تھی۔''

❷ ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَّ أُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ أَدُّوْا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَاسْئَلُوْا اللّٰهَ حَقَّكُمْ)) ❸

''تم لوگ میرے بعد ناخوشگوار حالتیں اور ایسی باتیں دیکھو گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ایسی حالت کے لیے حضور ﷺ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا تم ان کے حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حقوق کی بابت خدا سے دعا مانگنا۔''

سربرآوردہ لوگوں کو معاملات میں حصہ دینا

((فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ)) ❹

''تم واپس جاؤ، اس معاملہ کو ہمارے سامنے تمہارے سربرآوردہ لوگ پیش کریں گے۔''

سربرآوردہ لوگوں کا کام قوم کی نیابت کرنا ہے

فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّ النَّاسَ قَدْ طَيَّبُوْا وَأَذِنُوْا۔ ❺

''(سربرآوردہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے) آ کر عرض کیا کہ سب لوگ اس پر خوش ہیں اور انہوں نے ہم کو اس بارہ میں اجازت دیدی ہے۔''

غیر مسلم زیر معاہدہ اقوام کی حفاظت

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا)) ❻

''اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم زیر معاہدہ (رعایا) شخص کو قتل کرے گا۔ تو وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھنے پائے گا۔

---

❶ بخاری، کتاب المحاربین، عن ابی ہریرۃ، باب فضل من ترك الفواحش، حدیث: ٦٨٠٦۔

❷ بخاری عن ابن عباس کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امورا تنکرونها، حدیث: ٧٠٥٣۔

❸ بخاری عن ابن مسعود، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امورا تنکرونها، حدیث: ٧٠٥٢۔

❹ بخاری، کتاب الاحکام، عن مسور بن مخرمۃ باب العرفاء للناس، حدیث: ٧١٧٧۔

❺ بخاری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کتاب الاحکام، باب العرفاء للناس، حدیث: ٧١٧٧۔

❻ بخاری عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم من قتل معاهدا بغیر جرم، حدیث: ٣١٦٦۔

حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔''

زیست کا درجہ قدر زندگانی

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ، إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَّزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ)) ❶

''کسی شخص (مسلمان) کو موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔ اگر نیک ہے تو اس لیے کہ شاید وہ نیکیوں میں ترقی کر سکے اور اگر بد ہے تو اس لیے کہ شاید وہ خوشنودی حاصل کر سکے۔ (توبہ سے)۔''

صحت اور فراخ دستی کا درجہ

((نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ)) ❷

''دو نعمتیں ہیں جن کی قدر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ نعمتیں ''تندرستی اور فراخ دستی'' ہیں۔''

ادائے قرضہ کی فضیلت

((فَإِنَّ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً)) ❸

''ایک شخص کا نبی ﷺ نے اونٹ دینا تھا۔ وہ تقاضا کرنے آیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ خرید کر اسے دے دیا اور لوگوں سے فرمایا: ''نیک و برتر شخص وہ ہے، جو قرض کو خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے۔''

دولت مندی کی تعریف

((لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنِ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ)) ❹

''دولت مندی زر و مال کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتی ہے، غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔''

مساوات عامہ

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَبْيَضَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى)) ❺

''عرب کے کسی باشندے کو عجم کے کسی باشندے پر اور عجم کے کسی شخص کو عرب کے کسی شخص پر، گورے رنگ والے کو کالے رنگ والے آدمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت کا ذریعہ تو صرف ''خدا ترسی'' ہے۔''

رحم عامہ

((مَنْ لَّا يَرْحَمْ، لَا يُرْحَمْ)) ❻

---

❶ بخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ، کتاب التمنی باب مایکرہ من التمنی، حدیث: ۷۲۳۵۔ ❷ بخاری عن ابن عباس ﷺ، کتاب الرقاق، باب الصحۃ والفراغ، حدیث: ۶۴۱۲۔ ❸ بخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ، کتاب الاستقراض، باب ھل یعطی اکبر من سنہ، حدیث: ۲۳۹۲۔ ❹ بخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس، حدیث: ۶۴۴۶۔

❺ زاد المعاد، ج۵، ص: ۱۵۸۔ ❻ بخاری عن جریر بن عبداللہ ﷺ، کتاب الادب باب رحمۃ الناس البہائم، حدیث: ۶۰۱۳۔

’’جو کوئی شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

وارثوں کے لیے ورثہ چھوڑنے کی فضیلت

((إِنَّكَ إِنْ تَدَعْ أَنْتَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ)) ❶

’’یہ بہتر ہے کہ تو اپنے وارث کو غنی چھوڑ کر مرے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ تہی دست ہو اور لوگوں کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا رہے۔‘‘

عورتوں کی مثال اور ان سے گزران کی ہدایت

((أَلْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَ إِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا، إِسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ)) ❷

’’عورت کو ایسا سمجھو، جیسے پسلی کی ہڈی، اس ہڈی کو اگر سیدھا کرنا چاہو گے، تو توڑ بیٹھو گے اور اگر اس سے کام لینا چاہو گے، تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی۔‘‘

عورت کا درجہ گھر میں

((أَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ)) ❸

’’عورت اپنے شوہر کے گھر میں اور اولاد پر حکمران ہے۔‘‘

ماہر قرآن کا درجہ

((أَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ)) ❹

’’قرآن مجید کا جاننے والا بزرگ، نیکوکار سفیروں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا۔‘‘

اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام

((كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ: سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ)) ❺

’’دو بول ہیں جو رحمان کو پیارے ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، میزان اعمال میں بھاری ہیں وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ‘‘

---

❶ بخاری عن سعد بن ابی وقاص، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثته اغنیاء خیر ....، حدیث: ۲۷٤۲۔

❷ بخاری، کتاب النکاح، باب المداراۃ مع النساء، حدیث: ۵۱۸٤۔

❸ بخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، کتاب النکاح، باب المرأۃ راعیة فی بیت زوجها، حدیث: ۵۲۰۰۔

❹ بخاری تعلیقًا، (کتاب توحید)، باب قول النبی ﷺ الماهر بالقرآن مع سفرۃ الکرام البررۃ۔

❺ بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ ونضع الموازین القسط، حدیث: ۷۵٦۳۔

قرآن مجید

ہمارے سید مولیٰ نبی مصطفیٰ ﷺ کے حالات اگر کوئی فاضل مبسوط و مشرّح لکھے تو ضروری ہے کہ وہ علوم قرآن سے بھی بحث کرے لیکن اگر کوئی شخص میری طرح مختصر سادہ سادہ حالات لکھ رہا ہو تو اسے بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ پیش کردے۔ گو اسرار و حکم اور خصوصیات قرآن پاک کے مباحث کو وہ چھوڑ ہی دے۔ کیونکہ جس سیرۃ نبویہ کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ نہیں دکھایا جاتا۔ وہ کتاب از حد نامکمل ہے۔ام المومنین، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق کیسے تھے۔انہوں نے جواب دیا ''کہ قرآن مجید آنحضرت ﷺ کا خلق ہے۔''

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ رب العالمین کا کلام ہے۔لیکن اہل عالم کو اس کلام ربانی سے روشناس و متعارف نبی ﷺ ہی نے کرایا ہے۔

یہ پاک کلام تیئس سال کی مدت میں محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ انہی الفاظ میں دنیا میں مشتہر و محفوظ، زبانوں پر جاری، دلوں پر قابض، دماغوں پر حاوی ہے۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنائے تھے۔ یہ کلام پاک دنیا کے ہر طبقہ پر موجود ہے۔ دنیا کے ہر حصہ پر کروڑوں اشخاص ہر روز پانچ دفعہ اس کے مختلف حصوں کو ضرور پڑھ لیتے ہیں۔

جب سے اس کا نزول ہوا. اس کا ظہور ترقی پذیر رہا ہے، اس وقت سے لے کر جب اسے اکیلی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) نے سنا، لحظہ بہ لحظہ روز بروز اس کے ماننے والوں کی تعداد ترقی پذیر رہی ہے۔کوئی ملک، کوئی موسم، کوئی رسم و رواج کسی جگہ کے ماننے والوں یا انکار کرنے والوں کے موافق یا ناموافق حالات اسکی ترقی کے لیے روک نہیں بن سکتے۔

مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے غلط کیے گئے۔اس کی سچی صاف تعلیم پر غلط حاشیے چڑھائے گئے، لیکن کوئی تدبیر بھی اس کی اشاعت کو نہ روک سکی اور اس کی وسعت پذیر ترقی کو محدود نہ کر سکی۔

یہ جس زبان میں پہلے پہل جلوہ گر ہوا، اسی میں اب تک نور گستر ہے اور ایک عالم اس کی روشنی سے منور ہے۔لیکن دنیا کی اور تمام مقدس کتابیں، کیا توراۃ و زبور، کیا انجیل اور اس کے خطوط، کیا وید، کیا ژند و پاژند اس وصف سے عاری ہیں۔جس زبان میں وہ اتری تھیں، آج دنیا پر اس زبان کا اور اس زبان کے بولنے والوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔

قرآن مجید ان سب اعتراضات کو جو قرآن کے زمانہ نزول میں کیے گئے یا نبی ﷺ پر جو الزام لگائے گئے خود بیان کرتا ہے۔اس لیے قرآن مجید اپنے لیے خود ایک سچی تاریخ بن گیا ہے۔جس میں تصویر کے ہر دو رخ دکھا دیئے ہیں۔قرآنِ عظیم نے اس بارے میں اپنی صداقت اور استحکام کے اعتماد پر جس جرأت سے کام لیا ہے، دنیا کی کسی اور کتاب سے اس کا ظہور نہیں ہوا۔

قرآن حکیم کی تعلیم ایسی زبردست صداقت لیے ہوئے ہے کہ جن قوموں اور مذہبوں نے اسے علی الاعلان نہیں مانا۔انہوں نے بھی اپنی کتابوں میں اسی تعلیم کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو سینکڑوں سال اس سے پہلے کی ہیں، یا سینکڑوں سال بعد کی۔

صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:﴿ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ ﴾

میرے فقرہ کا مطلب آپ پر واضح ہو جائے گا۔ جب آپ یہودیت، عیسائیت، موبدیت، بودھست اور ہندومت کے سناتن یا آریہ دھرم کے حالات قبل از نزول قرآن مجید کو پڑھیں گے اور پھر بعد از نزول قرآن پاک آپ ان مذاہب کی ترقیات تا زمانہ حال پر غور فرمائیں گے اور ان ترقیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ اس ملک میں اس انقلاب سے پیشتر قرآنی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا یا نہیں۔

اب خواہ کوئی قرآن مجید کے فیوض کو مانے، جیسا کہ مشہور بانیاں برہموسماج کا حال ہے یا جیسا کہ رومن کیتھولک نے لوتھر کو الزام دیتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کے مسائل قرآن سے مستخرج ہیں۔

خواہ کوئی نہ مانے، جیسا کہ بہت سے فرقوں کا حال ہے۔ مگر عملاً انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو لے لیا ہے، لے رہے ہیں اور ہر ایک ترقی کنندہ قوم (علی رغم انف) مجبور ہے کہ اس کی تعلیم کو لیتی رہے کہ جہاں تک مجھے علم ہے، قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ [1] کی بشارت سناتی ہے۔

میں نے آیات کے ساتھ صرف سادہ ترجمہ لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنا اس کتاب کے موضوع سے باہر تھا۔ کیونکہ میں ایک سلیس اور آسان کتاب پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے پڑھ لینے کے بعد پڑھنے والا، نبی کریم ﷺ اور قرآن عظیم کی بابت کچھ تو معلوم کر سکے۔

﴿ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴾ [۱۱/ھود:۸۸] مسلمان براہ مہربانی دیکھیں کہ قرآن مجید کس نمونہ کے مسلمان تیار کرتا ہے۔

الٰہیات

الف: ذاتِ خداوندی کا عرفان

۱: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے جو کمال رحمت والا اور دائمی رحم والا ہے۔''

۲: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ ﴾ [2]

''حواس اور عقول خدا کا ادراک نہیں کر سکتے لیکن خدا کو ان سب کا ادراک ہے۔''

۳: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ [3]

''کوئی چیز بھی خدا کی مثال نہیں اور وہ بندوں کی التجاؤں کو سنتا اور ان کے حالات کو دیکھتا ہے۔''

٤: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ ﴾ [4]

''اللہ ایمان والوں سے محبت رکھتا ہے، انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔''

۵: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ

[1] ٥/ المائدہ:٣۔ [2] ٦/ الانعام:١٠٣۔ [3] ٤٢/ الشوریٰ:١١۔ [4] ٢/ البقرۃ:٢٥٧۔

ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ ❶

''اللہ ہے، اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ اسے غفلت یا نیند کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمان و زمین میں ہے۔ ایسا کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کے پاس شفاعت کر سکے۔ وہ اللہ لوگوں کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے۔ اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لوگ تو اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسے آسمانوں، اور زمین (دونوں) کا تھام رکھنا تھکا نہیں دیتا۔ وہ بڑی اعلیٰ شان اور عظمت والا ہے۔''

٦: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ ﴾

''تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ لیا ہے۔''

٧: ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ ❷

''وہ اللہ، ایک یکتا، سب کا سید و آقا ہے کوئی اس کا فرزند نہیں، وہ کسی کا فرزند نہیں اور کوئی بھی اس کے برابر کا نہیں۔''

ب: سچے دین کی تعریف

١: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْـقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ڎ ﴾ ❸

''یہ اللہ کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ میں اُدل بدل نہیں ہوتی۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔''

٢: ﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ ﴾ ❹

''اللہ کا رنگ چڑھانا ہے، ہاں اللہ سے بڑھ کر اور کون رنگ چڑھا سکتا ہے۔''

٣: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ ﴾ ❺

''اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہ راستہ بنایا ہے جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا گیا اور پھر محمد ﷺ پر اس کی وحی بھیجی اور ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو بھی اسی کا حکم دیا تھا کہ دین پر سیدھے چلو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

ج: بندہ کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو کیا مطلوب ہے

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰي مِنْكُمْ ۭ ﴾ ❻

---

❶ ٢/ البقرة:٢٥٥۔ ❷ ١١٢/ اخلاص:١، ٤۔ ❸ ٣٠/ الروم:٣٠۔

❹ ٢/ البقرة:١٣٨۔ ❺ ٤٢/ الشوریٰ:١٣۔ ❻ ٢٢/ الحج:٣٧۔

"اللہ کے ہاں قربانیوں کا گوشت یا لہو ہرگز نہیں پہنچتا اللہ کے پاس تو تمہاری فرمانبرداری پہنچتی ہے۔"

د: شریعت سے مقصود انسان کی تکمیل ہے

۱: ﴿ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ❶

"اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر تنگی ڈالے۔ اللہ کا ارادہ تو یہ ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت پوری پوری بھیجے تا کہ تم شکر کیا کرو۔"

۲: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ﴾ ❷

"نماز فحش اور بے حیائی اور ممنوع کاموں سے روک دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو اس سے بھی (فوائد میں) بڑھ کر ہے۔"

ہ: نبی کے فرائض

۱: ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؕ ﴾ ❸

"ہم نے تمہارے پاس رسول کو بھیجا جو تم ہی میں سے ہے۔ وہ ہماری آیتیں تم کو سناتا (اخلاق رذیلہ سے) تم کو پاک کرتا، کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ علوم سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔"

۲: ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ❹

"نبی لوگوں کو نیک باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں کے کرنے سے روکتا اور پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لیے حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتا، بوجھ ان سے دور کر دیتا اور طوق ان کے نکال دیتا ہے۔"

اعمال کی جزا و سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے اور موت کے بعد بھی

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ❺

"اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن وہ تو حکم الٰہی کو جھٹلانے لگے اس لیے ہم نے ان پر ان کے فعلوں کی وجہ سے مواخذہ کیا۔"

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ ﴾ ❻

---

❶ ۵/ المائدۃ:۶۔ ❷ ۲۹/ العنکبوت:۴۵۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۱۵۱۔
❹ ۷/ الاعراف:۱۵۷۔ ❺ ۷/ الاعراف:۹۶۔ ❻ ۵/ المائدۃ:۶۶۔

''اگر وہ لوگ توراۃ اور انجیل پر اور اس کی تعلیم پر جوان پر نازل کی گئی۔ قائم ہوتے تو اپنے اوپر اور نیچے سے خوراک کھایا کرتے (یعنی زمین اور آسمان کی برکتیں ان کے ساتھ ہوتیں۔)''

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ ❶

''جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے اور اللہ تو تمہاری بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے۔''

﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ❷

''کوئی شخص بھی نہیں جان سکتا کہ خدا نے اپنے بندوں کے لیے وہ کیا کیا چیزیں خفیہ مہیا کر رکھی ہیں، جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ یہ بدلہ ان کے اعمال کا ہے۔''

سُنن الٰہیہ میں تبدیلی نہیں

﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ ﴾ ❸

''سُنت الٰہی میں کچھ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔''

﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ ❹

''سنت الٰہی میں ایر پھیر کی گنجائش نہیں۔''

﴿ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴾ ❺

''خدا کی آفرینش میں تجھے کچھ بھی نقص نظر نہیں آئے گا۔ ذرا آنکھ اٹھا کر تو دیکھ۔ کیا تجھے کوئی شگاف بھی دکھائی دیتا ہے۔ پھر آنکھ اٹھا کر دیکھ اور بار بار دیکھ تیری نظر تھک کر ناکام ہو کر لوٹ آئے گی۔''

انسان کی ذاتی کوشش ہی کامیابی کے لیے مثمر بنتی ہے

﴿ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ ❻

''انسان کو وہی ملتا ہے، جو اُس نے سعی کی ہے۔''

﴿ وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾ ❼

''اور تمہاری کوشش خوب کامیاب ہوئی۔''

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ ❽

''وہ امت گزر چکی ہے جو کچھ اس نے کمایا تھا اسے ملے گا۔ جو تم کماؤ گے وہ تمہیں ملے گا۔''

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ: ٣٠۔ ❷ ٣٢/ السجدۃ: ١٧۔ ❸ ٣٨/ الفاطر: ٤٣۔ ❹ ٣٥/ الفاطر: ٤٣۔
❺ ٦٧/ الملك: ٣۔٤۔ ❻ ٥٣/ النجم: ٣٩۔ ❼ ٧٦/ الدھر: ٢٢۔ ❽ ٢/ البقرۃ: ١٤١۔

صبر اور پرہیز گاری کا درجہ

﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ ❶

''اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری رکھو تو یہ ایک عالی ہمتی کا کام ہے۔''

حکمت اور دانش کا درجہ

﴿ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ ❷

''اور جسے حکمت (حقیقی فلسفہ) دیا گیا۔ اسے نہایت ہی سعادت مندی حاصل ہوئی۔''

صبر کا ثمرہ

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ ❸

''جب بنی اسرائیل نے صبر اختیار کیا تو ہم نے ان میں ایسے مقتدائے قوم تیار کیے جو ہمارے حکم کے مطابق اور لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔''

قطع طمع

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ ❹

''کافروں کی مختلف قوموں کو جو ہم نے دنیاوی حظوظ سے بہرہ مند کیا ہے۔ تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ۔''

دنیوی عروج میں آخرت کو نہ بھولنا

﴿ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ ❺

''اے قارون! تو دنیا کے گھمنڈ میں آ کر، اپنے بہرۂ نجات کو فراموش نہ کر۔''

تہلکہ سے بچنا

﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ❻

''اپنے تائیں آپ کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

افترا اور جھوٹ ایمان کی ضد ہیں

﴿ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ❼

''جھوٹ، افترا وہی باندھتے ہیں، جو خدا کی آیات پر یقین نہیں رکھتے۔''

---

❶ ۳/ آل عمران:۱۸۶۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۲۶۹۔ ❸ ۳۲/ السجدۃ:۲۴۔ ❹ ۲۰/ طٰہٰ:۱۳۱۔
❺ ۲۸/ القصص:۷۷۔ ❻ ۲/ البقرۃ:۱۹۵۔ ❼ ۱۶/ النحل:۱۰۵۔

قطعی حرام چیزیں

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ ❶

''(اے محمد ﷺ!) سنا دیجئے کہ میرے پروردگار نے حرام کر دیا ہے (۱) فحش کی سب قسموں کو جو کھلی ہیں یا چھپی ہیں۔ (۲) اور گناہ کو۔ (۳) اور ناحق بغاوت کو۔ (۴) اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کو جس پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں۔ (۵) اور خدا پر ایسی بات جوڑ لینے کو جسے تم نہیں جانتے۔''

خدا کی عبادت الٰہی بپتسمہ ہے

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۝ ﴾ ❷

''ہم نے خدا ہی کا رنگ اختیار کیا ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر بھی کوئی اچھا رنگ دینے والا ہے؟ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔''

تحریر وانشادانی کی تعریف

﴿ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۝ ﴾ ❸

''میں قلم اور اس کے لکھے ہوئے علوم کی قسم کھاتا ہوں۔''

اربابِ عقل و دانش کے لیے الٰہی نشانات

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ ﴾ ❹

''زمین و آسمان کے پیدا کرنے، رات دن کے آنے جانے، وہ کشتیاں اور جہاز جو لوگوں کی مفید اشیائے تجارت لے کر دریاؤں اور سمندروں میں چلتے ہیں۔ آسمانوں کی طرف سے خدا کے پانی اتارنے اور مردہ زمین کو اس کے ذریعے سے از سرِ نو زندگی بخشنے، زمین میں ہر ایک قسم کے جاندار پیدا کر کے پراگندہ کر دینے۔ مختلف قسم کی ہوائیں بدلنے اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں تابع حکم نظر آتے ہیں، میں بیشک عقلمندوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔''

قسم کھانے کی ممانعت

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ۝ ﴾ ❺

---

❶ ۷/ الاعراف:۳۳۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱۳۸۔ ❸ ۶۷/ القلم:۱۔ ❹ ۲/ البقرۃ:۱۶۴۔ ❺ ۶۸/ القلم:۱۰۔

''تو کسی ایسے ذلیل کی بات مت مان، جو بہت قسمیں کھانے والا ہے۔''

﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ﴾ ❶

''خدا کے نام کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ۔''

﴿ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ﴾ ❷ ''قسموں کی نگہداشت کیا کرو۔''

صلح کلی کی دعوت

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ❸

''ایمان والو! دین اسلام میں (جو مبنی بر امن ہے) بالکلیہ ہمہ تن داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اصلاح باہمی کا حکم

﴿ وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ ❹ ''لوگوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔''

﴿ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ ❺

''آپس کے تنازعات اور جھگڑوں کی اصلاح کر لیا کرو۔''

عفو و درگزر کی تعلیم

﴿ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ❻

''لازم ہے کہ معافی دو اور درگزر کرو، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے۔''

سچی تعلیم کی صداقت خود بخود آشکارا ہو جاتی ہے

﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ ❼

''ہم اپنی قدرت کی نشانیاں جو اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور خود ان کی ذات ونفوس میں بھی موجود ہیں، ضرور انہیں دکھائیں گے۔ اور بالآخر ان کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تعلیم بالکل سچی ہے۔''

سلطنت کے اصول

۱: حاکمان عدالت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے

﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۙ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ ❽

---

❶ ۲/ البقرۃ:۲۲۴۔ ❷ ۵/ المائدۃ:۸۹۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۲۰۸۔ ❹ ۲/ البقرۃ:۲۲۴۔
❺ ۸/ الانفال:۱۔ ❻ ۲۴/ النور:۲۲۔ ❼ ۴۱/ الشوریٰ:۵۳۔ ❽ ۲۱/ الانبیاء:۷۸۔۷۹۔

''حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ جب وہ ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ صادر کر رہے تھے جس میں رات کے وقت ان کی قوم کے گوسفند (کی بکریاں) چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کرتے وقت حاضر و ناظر تھے۔ سو اس معاملہ میں ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک خاص سمجھ عنایت کی۔ دونوں کو ہم نے عام طور پر حکومت اور علم عطا کیا تھا۔''

۲: نقضِ امن کی ممانعت

﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ﴾ ❶

''کسی سرزمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد خرابی نہ کرو۔''

۳: ظلم باعث زوال ہے

﴿ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ ۝ ﴾ ❷

''کتنے شہروں کو ہم نے ان کے ظلم کے باعث توڑ مروڑ ڈالا اور ان کی تباہی کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم ان کی بجائے پیدا کر دی۔''

۴: نیکو کاری باعث قیام ہے

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّأَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ❸

''ایسا نہیں کہ تیرا پروردگار آبادشہروں کو ان کے باشندوں کے نیکوکار ہونے کے باوجود ظلم سے تباہ کر دے۔''

۵: جنگ کے لیے تیار رہنا ہی جنگ سے بچنے کی تدبیر ہے

﴿ وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ ❹

''جہاں تک ممکن ہو اپنی طاقت بڑھاؤ اور گھوڑوں کو آمادہ پیکار رکھو۔ جس سے تم ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال سکو، جو خدا کے دشمن اور تمہارے بھی دشمن ہیں۔''

۶: ارکان دولت کے مشورہ پر کاروبار کرنا

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ ❺

''حکومت کے کاموں میں لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو۔''

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ ❻

''مسلمانوں کی حکومت باہمی مشورہ پر ہے۔''

---

❶ ۷/ اعراف:۵۶۔ ❷ ۲۱/ الانبیاء:۱۱۔ ❸ ۱۱/ ھود:۱۱۷۔ ❹ ۸/ الانفال:۶۰۔

❺ ۳/ آل عمران:۱۵۹۔ ❻ ۴۲/ الشوریٰ:۳۸۔

﴿ يَاأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي ۚ مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴾ ❶

''اے سردارو! میری حکومت کے کام میں تم مجھے فتویٰ دو۔ تمہاری موجودگی کے بغیر مجھ کو کسی بڑے کام کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔''

تعلیم و تعلّم

۱: علم وحکمت کی باتوں کا سننا، ان پر غور کرنا بہترین صورت کو اختیار کرنا

﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ ❷

''اے محمد ﷺ! میرے ان بندوں کو بشارت سنا دیجئے (جو علم وحکمت کی) گفتار کو سنتے اور اس کی بہترین صورت کو اختیار کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہیں خدا نے ہدایت بخشی اور یہی لوگ کھرے عقل مند ہیں۔''

۲: غیر اقوام سے علم اخذ کرنا

﴿ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ ﴾ ❸

''کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے۔ پس اسے ہمارے لیے ظاہر کرو۔''

نظام تبلیغ دین

۱: دین کی دعوت دینے والی جماعت کا قیام ضروری ہے

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ❹

''تم میں ایک گروہ (جماعت) ایسی ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔''

۲: ہر ایک قوم کا شخص داعیان دین کی جماعت میں ہوسکتا ہے

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ ❺

''ہر ایک فرقہ وقوم میں سے ایک گروہ اس غرض کے لیے کیوں نہیں کھڑا ہوتا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور

---

❶ ۲۷/ النمل: ۳۲۔ ❷ ۳۹/ الزمر: ۱۸۔ ❸ ۶/ الانعام: ۱۴۸۔

❹ ۳/ آل عمران: ۱۰۴۔ ❺ ۹/ التوبہ: ۱۲۲۔

جب فارغ التحصیل ہوں۔ تو اپنی قوم کی ہمدردی کر کے انہیں خدا کی ناراضامندی کی باتوں سے ڈرائیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم بری باتوں سے بچنے لگے گی۔''

تہذیب اخلاق

۱: جنس اناث کی تعریف

﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾ ❶

''آرائش وزیور کے اندر پلتی ہے اور لڑائی پیکار سے علیحدہ رہتی ہے۔''

۲: میاں بیوی کی تعریف

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ ❷

''بیویاں اپنے شوہروں کے لیے اور شوہر اپنی بیویوں کے لیے لباس ہیں۔''

لباس انسان کو گرمی سردی سے بچاتا ہے۔ لباس انسان کے حسن و جمال کو ترقی دیتا ہے۔ لباس سے پہننے والے کی تہذیب و تمیز کا اندازہ ہوسکتا ہے، لباس پہننے والے کے عیوب کو چھپاتا ہے، اسی طرح زن وشوہر کے باہمی تعلقات ہونے چاہئیں۔ جو گرم و سرد زمانہ سے ایک دوسرے کا بچاؤ ہوں، ایک دوسرے کا حسن و جمال باہمی الفت سے ترقی کرے۔ عورت کو دیکھ کر اس کے شوہر کی تہذیب اور شوہر کو دیکھ کر عورت کی تمیز کا اندازہ کیا جاسکے۔ ایک دوسرے کے رازدار ہوں۔

﴿ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ ❸

''خدا نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں تاکہ تسکین پکڑو۔ اور میاں بیوی کے درمیان خدا نے محبت اور پیار ڈال دیا ہے۔''

۳: میاں بیوی کے حقوق

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ ❹

''مرد عورتوں پر نگران ہیں۔''

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ ❺

''عورتوں کے شوہروں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے، شوہروں کے عورتوں پر ہیں اور مردوں کو ان پر درجہ ہے۔''

۴: کمال درجہ کی محبت کو ایمان کہتے ہیں

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ ❻

---

❶ ٤٣/ الزخرف:١٨۔ ❷ ٢/ البقرة:١٨٦۔ ❸ ٣٠/ الروم:٢١۔
❹ ٤/ النساء:٣٤۔ ❺ ٢/ البقرة:٢٢٨۔ ❻ ٢/ البقرة:١٦٥۔

''مومن خدا کی محبت میں زیادہ ثابت قدم ہیں۔''

۵: بلندی درجات کا سبب ایمان اور علم ہیں

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾ ❶

''خداتعالیٰ مومنوں کے اور ان لوگوں کے جنہیں علم سے بہرہ مند کیا گیا ہے۔ درجے اور رتبے بلند فرماتا ہے۔''

۶: برّ و بحر پر تسلط کرنے بہترین و پاکیزہ اصول پر چلنے کی وجہ سے انسان کو دیگر مخلوق پر فضیلت ہے

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۧ ﴾ ❷

''ضرور ہم نے انسان کو عزت دی ہے اور خشکی وتری میں ان کو سوار کر کے پھرایا، (خشکی وتری میں سفر کرنے کے وسائل سمجھائے) اور الوانِ نعمت سے ان کا رزق مقرر کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو شرف بخشا۔''

۷: انسان کا اشرف ہونا ہی ردِ شرک کی دلیل ہے

﴿ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ❸

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں تمہارے لیے اور معبود ڈھونڈھ لاؤں؟ حالانکہ اس نے تمہیں تمام عالم پر فضیلت عنایت فرمائی ہے۔''

۸: انسان کو ہر ادنیٰ ہستی سے سبق حاصل کرنا چاہیے

﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ ﴾ ❹

''اے کاش! مجھ سے اتنا بھی تو نہ ہوسکا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی مردہ لاش کو خاک سے چھپادیتا یہ سمجھ کر اسے سخت ندامت ہوئی۔''

۹: دیکھنے والے کے لیے ہر چیز میں ایک نشان ہے

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ ﴾ ❺

''زمین وآسمان میں قدرتِ کاملہ کی کس قدر نشانیاں موجود ہیں، جن سے وہ یونہی منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔''

۱۰: سیاحت سے فہم بڑھتا ہے اور معلومات کا اضافہ ہوتا ہے

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ ﴾ ❻

---

❶ ۵۸/ المجادلۃ:۱۱۔ ❷ ۱۷/ بنی اسرائیل:۷۰۔ ❸ ۷/ الاعراف:۱۴۰۔

❹ ۵/ المائدۃ:۳۱۔ ❺ ۱۲/ یوسف:۱۰۵۔ ❻ ۲۲/ الحج:۴۶۔

''انہوں نے اطراف عالم میں سیاحت کیوں نہ کی؟ جس سے ان کو دل ہائے دانا اور گوش ہائے شنوا حاصل ہوتے ہیں۔''

۱۱: اندھا وہ ہے جس کا دل اندھا ہے

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾ ❶

''حقیقت حال یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔''

۱۲: حرام چیزیں طیب نہیں، طیب چیزیں حرام نہیں

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ ❷

''اے سب لوگو! زمین میں جو پاکیزہ حلال اشیاء خدا نے پیدا کی ہیں، کھاؤ پیو اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔''

۱۳: حلال طیب چیزوں کا ترک استعمال شیطانی ہے

﴿ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ ❸

''زمین کی سب سے پاکیزہ حلال اشیاء کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔''

۱۴: بصیرت اور ہدایت اسی دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے

﴿ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ ❹

''جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا تو وہ آخرت میں زیادہ اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔''

۱۵: ایمان ہی کے ذریعہ سے ہر ایک اعلیٰ منزل پا سکتے ہیں

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ❺

''آپ اپنے کو ذلیل نہ سمجھو اور رنجیدہ نہ بنو۔ تم ہی سب سے برتر ہو گے۔ اگر تم ایماندار ہو۔''

---

❶ ۲۲/ الحج:٤٦۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱٦٨۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۱٦٨۔

❹ ۱۷/ بنی اسرائیل ۷۲۔ ❺ ۳/ آل عمران:۱۳۹۔

تمدّن

ا: چرندو پرند میں ایک تمدن کا پایا جانا، لوازم حیات میں انسان کا بھی انہی جیسے اصول پر کار بند ہونا

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾ ❶

''روئے زمین پر کوئی ایسا جاندار یا اڑنے والا پرندہ نہیں جن کی تمہاری ہی طرح قومیں اور جتھے نہ ہوں ۔ ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کا بیان ترک نہیں کیا، پھر ان سب کو آخر کار خدا ہی کی طرف اکٹھا ہو کر جانا ہے۔''

۲: موجودات عالم انسان کے فائدے کے لیے ہیں

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ ❷

''خدا وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمہارے فوائد و منافع کے لیے روئے زمین کی تمام اشیاء پیدا کی ہیں۔''

۳: لوگ اپنی اپنی مختلف قابلیتوں سے مختلف کام انجام دیتے ہیں

﴿ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ ﴾ ❸

''ہر ایک شخص اپنی جبلت کے موافق عمل کرتا ہے۔''

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ ﴾ ❹

''کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ آسمان اور زمین کی سب مخلوق (مثلاً) سورج، چاند، تارے، پہاڑ، درخت، حیوان اور انسان کا بڑا حصہ خدا کا فرمانبردار ہے (پھر بھی) بہت ایسے لوگ رہ جاتے ہیں جن پر عذاب کا ہونا درست ٹھہرا۔''

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ ﴾ ❺

''جس شخص نے (خدا کی راہ میں) کچھ دیا اور پرہیز گاری بھی کی اور خدا کے بہترین وعدوں کی تصدیق کی، اس کو ہم نہایت آسانی کے ساتھ آسان طریقہ پر (دین اسلام پر فطرت کے راستے پر جو بمقتضائے ''اَلدِّيْنُ يُسْرٌ'' نہایت آسان طریقہ ہے) چلائیں گے۔

---

❶ ٦/ الانعام:٣٨۔ ❷ ٢/ البقرة:٢٩۔

❸ ١٧/ بنی اسرائیل:٨٤۔ ❹ ٢٢/ الحج:١٨۔ ❺ ٩٢/ الليل:٥، ١٠۔

(لیکن بہ خلاف اس کے) جس نے بخل کیا اور اپنے تئیں (خدا کی اطاعت سے) بے نیاز خیال کیا۔
اور خدا کے بہترین وعدوں کو جھٹلایا تو اس کے لیے (ترک معونت وتوفیق کر کے اور اپنی عنایت سے اس کو محروم کر کے) ہم بھی اس کی تنگی اور مشکل کے سامان میسر کر دیں گے۔''

۴: سیاست مدن کے قیام اور انتظام کے لیے مختلف طبقات کی ضرورت اور ہر ایک طبقہ کا اس مناسبت کے بقا وقیام اور دوام انتظام کے لیے ذمہ دار ہونا

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [1]

''خدا وہ ذات کبریا ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر (موالید ثلاثہ کے مختلف اقسام میں انواع تصرف کرنے کے لیے) اپنا خلیفہ بنایا (یعنی ودائع قدرت ظاہر کرنے کے لیے تمہیں اپنا جارحۂ تصرف بنایا) اور حسن انتظام کے لیے تمہارے مختلف درجے یا طبقے قرار دیئے۔ جس سے یہ غرض ہے کہ تمہیں اپنے عطا کردہ کمالات میں آزمائے (کہ تم ان بالقوۃ کمالات کو معرضِ ظہور میں لا کر اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ ثابت کرتے ہو یا اپنی فطری استعداد کو مفسوخ کر کے ''اسفل السافلین'' کا خطاب حاصل کرتے ہو) ضرور تیرا پروردگار جلدی عذاب بھی دینے والا ہے اور وہ یقیناً بخشنے والا مہربان بھی ہے۔''

۵: مساوات حقوق کا تاکیدی حکم، عدل کی تاکید

﴿ وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ ﴾ [2]

''اور خدا نے ایک میزان مقرر کی کہ تم اس میزان میں کسی طرح طغیانی (افراط وتفریط) نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ معیار کو درست رکھو اور میزان مقرر کردہ الٰہی میں کسی قسم کی تقصیر نہ کرو۔''

۶: بہترین شخص وہ ہے جو نسل انسانی کا خیر خواہ ہے

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ ﴾ [3]

''تم لوگ (اے امت محمدیہ) باقی لوگوں کے لیے ایک بہترین قوم صفحۂ ہستی پر لائے گئے ہو (تم سب لوگوں کو) مطابق شرح وفطرت کے حکم دیتے ہوئے برائیوں سے منع کرتے اور خدا کی ذات وصفات پر یقین کامل رکھتے ہو۔''

۷: اخوت کی بنیاد

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ [4]

---

[1] ٦/ الانعام:١٦٥۔ [2] ٥٥/ الرحمٰن:٧ تا ٩۔ [3] ٣/ آل عمران:١١٠۔ [4] ٤٩/ الحجرات:١٠۔

''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

۸: مال کی تعریف، دولت، قیام قومی کا سبب ہے

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ ❶

''اور تم اپنے اموال جو اللہ نے تمہارے لیے قوام زندگی بنائے ہیں بیوقوفوں کے ہاتھ میں مت دیا کرو۔''

۹: فقر و تنگ دستی کی برائی

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ❷

''شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور (اس بنا پر) تمہیں بخل و امساک کا حکم دیتا ہے (بخلاف اس کے) اللہ تمہیں اپنے فضل و بخشش کی امید دلاتا ہے اور خدا بہت فراخ رحمت والا (حقائق امور کو) جاننے والا ہے۔''

۱۰: اسراف کی برائی بخل کا نہ ہونا بڑی بہبودی ہے

﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ❸

''جن کو جبلی بخل اور لالچ سے خدا نے محفوظ رکھا وہی (آخرت میں) کامیاب ہوں گے۔''

۱۱: میانہ روی، رحمان کے بندے بخیل و مسرف نہیں ہوتے

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ ❹

''خدائے مہربان کے خاص بندوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگ چشمی کرتے ہیں۔ بلکہ (میانہ روی کر کے) بیچ کا مستقیم راستہ اختیار کرتے ہیں۔''

۱۲: بحری تجارت خصوصاً نفع بخش ہے

﴿ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ ﴾ ❺

''اور وہ کشتیاں اور جہاز (بھی خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں) جو لوگوں کی مفید اشیائے تجارت لے کر دریا اور سمندر میں (برابر) چلی جاتی ہیں۔''

۱۳: اللہ کے ہاں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں کن لوگوں کے لیے ہیں

﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا

❶ ٤/ النساء:٥۔ ❷ ٢/ البقرة:٢٦٨۔ ❸ ٦٤:التغابن:١٦۔

❹ ٢٥/ الفرقان:٦٧۔ ❺ ٢/ البقرة:١٦٤۔

وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ ❶

''بہتر اور باقی رہنے والا اجران لوگوں کے لیے

۱: جو ایمان لائے، اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

۲: جو لوگ بڑے گناہوں بے حیائی اور فحش سے پرہیز کرتے ہیں۔

۳: اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو درگزر کیا کرتے ہیں۔

۴: اور جو اپنے پروردگار کے حکموں کو قبول کر لیتے ہیں۔

۵: اور جو نماز کو قائم رکھتے ہیں۔

۶: اور جن کا کام باہمی شوریٰ پر ہے۔

۷: اور جو اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۸: اور جو دوسرے کی طرف سے زیادتی (حملہ) ہونے پر (صرف) اپنا بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔

۹: ہاں! جو دوسرے کی زیادتی معاف کرے اور اس سے نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کی قدرت میں ہے۔ اللہ تو ظلم کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

۱۰: (تاہم) جو کوئی (دوسرے سے) ظلم کا بدلہ لیتا ہے اس پر کچھ الزام نہیں۔

۱۱: الزام تو ان لوگوں پر ہے جو نسلِ انسانی پر ظلم کرتے اور ملک میں ناروا بغاوت پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۲: جو شخص (دوسروں کی زیادتی پر) صبر کرتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے تو یہ بات بڑی بلندیٔ ہمت کی ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ: ٣٦، ٤٣۔

قصیدہ در نعت مصطفوی ﷺ

دلم زسینہ ربود آں جمال نورانی کہ حسن رابہ تماشای اوست حیرانی
جمالِ معنی و زینِ کمال و حُسنِ جلال مطاع خلق و ضیای جہان ظلمانی
محمدؐ اسم و حبیب اِلٰہ و خواجۂ کل نوید رحمت و پیمان عفوِ یزدانی
گزید فقر کہ فرماں روائے ملک ابد بمُشت خاک ندارد ہوای سلطانی
نبوت ست یکے قصہ آسمان پایہ کہ ہم متمم او آمدی وہم بانی
عرب بچاہِ جہالت فتادہ بود بسر بسر گرفت زتو افسرِ ہمہ دانی
نمیرد آنکہ زجام ولای تو نوشد کجاست مائل ظلمات شاہ یونانی
بہ نُزلِ عام تو مہمان نشستہ صد عالم عجب ترآنکہ بعالم نزیل و مہمانی
درنجات کشودی بروئے احمر و سود گہے کہ بست برایشاں یہود و نصرانی
حدیثِ پاک تو آں جامع الکلم کہ ازو رسد بفوز چہ یونانی وچہ سوڈانی
جہان شُنید زفمِ تو آں کلامِ خدا کہ دادہ بودخبر زو کلیم عمرانی
بداں جناب کہ جبریل رانہ پرد پر تراست رفتن و از شوق حلقہ جنبانی
دلت گواہ بصدق نظارہ چشمت نگاہ پاک تو بینائے صنع رحمانی
توئی کہ از تو تمدن رواں تازہ گرفت توئی کہ کندہ زعالم بنای رہبانی
توئی کہ نام نہی خمر راتخمر عقل توئی کہ ام خبائث شراب راخوانی
توئی کہ صدق ہمہ راستاں پدید کنی توئی کہ عظمت پشیپیاں درخشانی
زتومبر ہن و روشن تقوم مرداں زتو معین و محکم حقوق نسوانی
فتوت تو امت را دہد فتات لقب زشوکت تو موالی کنند سلطانی
توعذر خواہ شوی بہر قوم از رحمن زسنگ چوں شکند قوم دردندانی
تو قاتلان عم و دخت رانمائی عفو بپاس خاطر ایمانی و مسلمانی
پے ہلاک جفا پشیگاں رضاندہی کہ نسل شاں مگر آید بدیں دیانی
زعدل و رحم تو صد بہرہ یا فتند اعدا بحرب ہا کہ نمودند جمع خذلانی
دوشاہد اندمرا خیبر و حنین کہ تو دہی بجود ہر آنچہ بفتح بستانی
بزور کوشش افواج ہیچ حاجت نیست تراکہ فتح مبین شد بلاغ قرآنی

خدا یکے و پیامش بسوی خلق یکے تو خلق را بسوے آں پیام میخوانی
تو باب مسلم کشائی بروے دشمن و دوست تو دوستی بدل دشمناں بپا لانی
یتیمیٔ تو تسلی ست مر یتامیٰ را کہ بہ زمہر پدر ہست عونِ ربانی
تو عبد خواندہ شدی و رموز داں دانست کہ برترست عبودیت از سلیمانی
تو آفتابی و از حمد سر برآوردہ تو ماہ و بر فلک مجد نور افشانی
فزوں تراز تو کسے رانہ حمد گفت جہاں نہ بر تراز تو کسے گفت حمد ربانی
ترا محمد و احمد زمین خواند و زماں حمید باشد و محمود ذات سبحانی
بما رؤف و رحیمی ۔ خدا رؤف و رحیم دگرچہ سود کہ گویم سخن بنادانی
تو رحمتی و جہاں آفرین یا رحمان ہزار شکر رسیدم بگنج پنہانی
سخن ز واجب و ممکن نہ ازادب باشد طفیل تست ہمہ کار گاہِ امکانی
زاستعارہ و تشبیہ بس بلندتی بہ بیمثالیٔ خود ہم بخویش میہمانی
چہ خوش بشانِ تو صدیق گفت و گوہر سفت کہ کرد روئے تو بردعویٔ تو برہانی
مبلغانِ تو دادند ایں پیام بخلق کہ نصح خلق بود لازم مسلمانی
مبشران تو دادند ایں نوید بما کہ کار دین ہمہ تبشیر ہست و آسانی
طفیل ست کہ بعد از ہزار قرنِ بدید بگوش عالمیان شد نوید ارزانی
کہ دین یافت کمال و تمام شد نعمت گزید نوع بشر را رضائے دیانی
صلوٰۃ بر تو خدای و فرشتگان خوانند کجا ثنائے تو آید انسی و جانی
گرازشے ست الٰہی مرا بدرگاہت امید ہست کہ از لطف رونہ گردانی
دمے کہ روح مجرد شود زپیکر خاک دمے کہ مرگ نماید بدرد درمانی
دراں مغاک کہ تنگ ست و تارچوں دل من جمال اوربنمائی چو صبح نورانی
بہار تازہ بچشم فرشتگان بخشی مرا زتنگی گور و سوال برہانی

سمی فارس صد قم عطا بفرمائی
یک از ہزار بمن نیز صدق سلمانی

احقر راجی شفاعت وغفران قاضی محمد سلیمان، سلمان
ولد حاجی مولوی قاضی احمد شاہ مرحوم مغفور منصور پوری
علاقہ ریاست پٹیالہ

جلد دوم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بہترین اور جامع کتاب

تالیف
قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

تخریج و تصحیح
پروفیسر حافظ محمد اصغر

مکتبہ اسلامیہ

کتاب .... رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف .... قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2013ء

قیمت ....

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

e-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

تعداد ایام قیام نبوی بعالم دینوی

دن	گھنٹے
۲۲۳۳۰	۶ ❶

سنہ	سال	مہینہ	تاریخ
عیسوی	سنہ ۵۷۱	اپریل	۲۲
ابراہیمی	سنہ ۲۵۸۵	۷	۲۰
طوفان	سنہ ۳۶۷۴	پشنس	۱۱
عبرانی یہودی	۱۳۳۲	ایار	۱۰
جولین پیرڈ	۵۲۸۴	اپریل	۱۹
کل جگ	سنہ ۳۶۷۲	جیٹھ	۱
بخت نصری	سنہ ۱۳۱۹	توت	۱۸
اسکندری	۸۸۲	نیسان	۲۰
بکرمی	۶۲۸	بیساکھ	۱
ایرانی	۶۰	۲	۱۶
عام الفیل	۱	ربیع الاول	۹
قبطی جدید	سنہ ۲۸۷	۱۰ برموده	۲۵

ولادت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
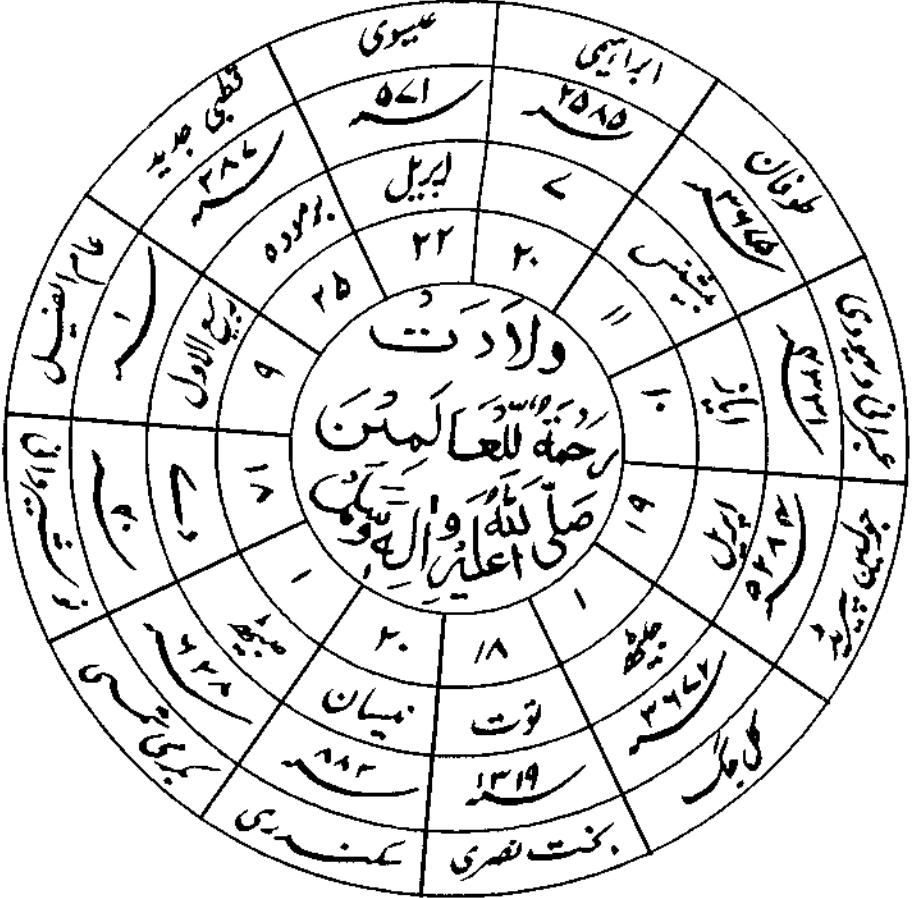
ولادت مبارک

عیسائیوں کے ایسٹر سے ۲۳ ویں دن اور یہودیوں کی عید الفصح سے ۲۵ ویں دن ہوئی تھی اس میں یوم وفات بھی شامل ہے۔

تعداد ایام تبلیغ رسالت ونبوت ۸۱۵۶ دن

۵۷۱ء میں ایسٹر کا اتوار ۱۶ صفر مطابق ۳۱، ۲۹ مارچ ۵۷۱ء کو تھا۔

۱۳۳۲ مطابق ۵۷۱ء میں یہود کی عید الفصح پنجشنبہ ۱۳ صفر مطابق ۱۸/۲۶ مارچ کو تھی۔

---

❶ گھنٹے ۲۳۳۱ ویں دن کے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ أَرْسَلَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَجَعَلَهُ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ يَا أَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا جَارَ الْمُسْتَجِيْرِيْنَ يَا أَمَانَ الْخَائِفِيْنَ يَا عِمَادَ مَنْ لَّا عِمَادَ لَهُ يَا سَنَدَ مَنْ لَّا سَنَدَ لَهُ يَاذُخْرَ مَنْ لَّا ذُخْرَ لَهُ يَا حِرْزَ الضُّعَفَآءِ يَا كَنْزَ الْفُقَرَآءِ يَا عَظِيْمَ الرَّجَآءِ يَا مُنْقِذَ الْهَلْكٰى يَا مُنْجِيَ الْغَرْقٰى يَا مُحْسِنُ يَا مُجْمِلُ يَا مُنْعِمُ يَا مُفْضِلُ يَا جَبَّارُ يَا مُنِيْرُ أَنْتَ الَّذِيْ سَجَدَلَكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَضَوْءُ النَّهَارِ وَ شُعَاعُ الشَّمْسِ وَنُوْرُ الْقَمَرِ وَ خَفِيْقُ الشَّجَرِ وَدَوِيُّ الْمَآءِ يَا أَللّٰهُ أَنْتَ اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَكَ أَسْئَلُكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ فِي الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَفِي الْمَلَإِ الْأَعْلٰى إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَعَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ أَجْمَعِيْنَ ـ اٰمِيْنَ ـ أَمَّابَعْدُ!

یہ کتاب رحمۃ للعالمین کی جلد دوم ہے۔

اہل خبرت آگاہ ہیں کہ سیرت نبوی ﷺ کا لکھنا کس قدر مشکل کام ہے، اگر ذرّہ بے مقدار خورشید جہاں افروز کے نور گیتی آراء کا مکیال بن سکتا ہے تو مجھ سا بے بضاعت کثیر الاشغال بھی جس کا اس راہ میں کوئی یار ومددگار نہیں درست طور پر کچھ لکھ بھی سکتا ہے۔ لیکن ایک فرض کا احساس ہے جو سکوت پر غالب آ گیا ہے اور دردِ محبت ہے جس نے بے حس قلب کو تڑپا دیا ہے۔ توفیق الٰہی ہے جو برابر اس کام پر مجھے لگائے رکھتی ہے۔ جذبۂ ربانی ہے جس کی کشش اس طریق حق پر لیے جاتی ہے۔ ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ [1] کی صفیر کان میں گونج رہی ہے اور ﴿ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ ﴾ [2] کی اذان ھادیٔ راہ بن رہی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک شخص کے لیے جو نبی پاک ﷺ کا کلمہ خواں ہے، ضروری ہے کہ اپنے علم وفہم کے موافق حضور ﷺ کا ثنا گستر بھی ہو، تابش ذرّہ اور ضوئے قمر میں اگرچہ زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مگر دونوں ایک ہی نور کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اگر ایک کی فلک گیر، ٹھنڈی، صاف روشنی ابصار کو محو دیدار کرتی ہے تو دوسرے کی خاک نشین چمک بھی راہ گیروں کے قدم لیتی ہوئی ان کی نگاہ کرم کو کبھی کبھی اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [3] کا اعلان ہر بار ایمان کا حوصلہ افزا ہے أَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ [4] کا ارشاد ہر ایک صحیح الوجدان کا خضرِ راہ۔ اگر میرے لیے یہ سب اسناد عماد نہ ہوتے تو کچھ شک نہیں کہ ایک حرف لکھنے کی بھی جرأت نہ ہو سکتی۔

گل چینِ سیرت مصطفوی ﷺ کے سامنے ایک گلشن خلد بہار ہوتا ہے جس کے ہر ایک پھول کی رنگینی وشادابی دامانِ نگاہ کو

---

[1] ۹/ التوبة:٤١۔ [2] ٢٢/ الحج:٢٧۔ [3] ٢/ البقرة:٢٨٦۔

[4] بخاري، كتاب الأدب، باب علامة الحب في الله، حديث: ٦١٦٨۔

بھر دینے والی ہوتی ہے۔ یہ گل چیں کا اپنا انتخاب اور مذاق ہے۔ کہ کس پھول کو لیا اور کس کو چھوڑا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے چھوڑا وہ اس سے کم نہ تھا، جسے چن لیا۔

جلد دوم میں ایسے ضروری مضامین ہیں جن میں سے بعض کو علمائے سیرت آغاز کتاب میں جگہ دیا کرتے ہیں مگر میں نے حصہ اوّل کو صرف ایسے مالا بدمنه (ضروری) حالاتِ مبارکہ پر اختصار کے ساتھ محتوی رکھا تھا کہ اگر بقیہ جلدیں شائع نہ بھی ہو سکیں، تب بھی وہ نقشِ ناتمام کی صورت میں غیر مکمل نظر نہ آئے۔

یا رب ایں آرزوئے من چہ خوش ست
تو بدیں آرزو مرا برساں

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

خاکسار
محمد سلیمان سلمان منصور پوری
(ریاست پٹیالہ پنجاب)

باب اوّل: اَلنسب

فصل اوّل

شَجْرَہْ طَیِّبَہْ

شجرۂ مبارکہ کو تین حصوں میں پیش کرتا ہوں

حصہ اوّل

نبی کریم ﷺ سے عدنان تک ہے اور اس کی بابت حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی۔ (ولد ۳۸٦ھ) نے الاستیعاب ذکر محمد رسول ﷺ ج ۱/ ۱۱ میں تحریر کیا ہے: هٰذَا مَا لَمْ يَخْتَلِفْ فِيهِ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ (اس شجرے میں کسی ایک شخص کا بھی اختلاف نہیں)۔

آباء الکرام کے ساتھ میں نے تلاش کی کہ امہاتہ العظام کے مبارک نام بھی مل جائیں تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت عبداللہ سے لے کر عدنان تک برابر سب کے نام مل گئے اور مزید برآں یہ بھی ہوا کہ ان امہات کے آباء اور قبائل کا پتہ بھی لگ گیا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام ملا، تو سیدہ آمنہ کے والد کا نام بھی مع ان کے سلسلۂ نسب کے اور ان کی والدہ کا نام مع ان کے سلسلۂ نسب کے مل گیا۔ اس تمام سلسلے پر نظر ڈالو شاید دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا بھی سلسلہ خاندانی اس وضاحت کے ساتھ اوراقِ تاریخ میں دستیاب نہ ہو سکے گا۔ پھر ہر ایک سلسلہ میں نسب کی رفعتِ شان پر نظر ڈالو کہ ددھیال اور ننھیال اور ننھیال در ننھیال کی ددھیال میں بھی کسی ایک جگہ وہن یا خمود نہ ملے گا۔ یہ شرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جسے ازل الآزال میں قدرت ربانیہ نے عالمین پر ممتاز فرمایا اور آدم علیہ السلام سے لے کر ذات گرامی تک ہر ایک نسل کی حفاظت خود فرمائی ہو۔

امہاتہ العظام اور ان کے ددھیال کے اسماء میں میرا ماخذ ''تاریخ کبیر، طبری'' اور ''طبقات الکبری لابن سعد'' اور کسی قدر ''تاریخ الکامل لابن اثیر'' ہیں اور ''طبقات الکبری لابن سعد'' ان سب میں مقدم تر ہے۔

حصہ دوم

نسب نامۂ گرامی کا حصہ دوم وہ ہے جو معد بن عدنان سے اوپر آتا ہے۔ محدثین رحمہم اللہ اس حصہ کا اندراج اس تفصیل کے ساتھ جیسا کہ ہم تحت میں تحریر کریں گے، اپنی کتابوں میں نہیں کرتے۔ کیونکہ ان اصول کے مطابق جو صحیح روایت کے متعلق انہوں نے اختیار فرمائے ہیں۔ اس حصہ کا روایت کرنا دشوار ہے۔

ہمارے ان بزرگوں کا یہ نہایت ورع وتقویٰ ہے۔ بایں ہمہ جملہ محدثین اس سلسلہ کے خاص مشاہیر کے آٹھ نو نام لے کر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نسب گرامی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک منتہی ہو جاتا ہے۔ یہ طریق کہ سلسلۂ نسب میں خاص خاص مشاہیر کا نام لے کر اختصار سے کام لیا جائے، بنی اسرائیل میں بھی مروج تھا۔ انجیل متی کو دیکھو وہ لکھتے ہیں:۔

''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ظاہر ہے کہ متی نے مسیح علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے درمیان ۲۶ پشتیں اور داؤد علیہ السلام وابراہیم علیہ السلام میں ۱۲ پشتیں دانستہ اختصار کے لیے چھوڑ دی ہیں۔''

حصہ دوم کے شامل کتاب کرنے کی جرأت مجھے اس لیے ہوئی کہ ''کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ مَافَوْقَ الْعَدْنَان ''کا قطعی صحت تک پہنچ جانا مجھ پر مخفی رہا اور میں نے دیکھا کہ اکثر علما نے جو تاریخ اور حدیث میں امام تسلیم ہوئے ہیں اس حصہ کو بیان کیا ہے۔

سبائك الذهب ، للسويدى ص ۱۹ میں ہے۔

قَدِ اخْتُلِفَ فِيْ كَرَاهَةِ رَفْعِ النَّسَبِ مِنْ عَدْنَانَ إِلٰى اٰدَمَ فَذَهَبَ ابْنُ إِسْحَاقَ وَابْنُ جَرِيْرٍ وَغَيْرُهُ إِلٰى جَوَازِهِ وَعَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْعُلَمَاءِ۔

''عدنان سے اوپر آدم علیہ السلام تک نسب بیان کرنے کی کراہیت میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق اور ابن جریر کے نزدیک جائز ہے اور بخاری وغیرہ علما کا مذہب بھی یہی ہے۔''

کتاب ''رحلۃ الشافعی'' مصنفہ جلال الدین السیوطی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ہارون الرشید کے مکالمہ کے ذکر میں ہے۔

فَقَالَ لِيْ: بَيِّنْ لِيْ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ الشَّافِعِيُّ: فَلَقِيْتُ حَتّٰى أَلْحَقْتُ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالطِّيْنِ۔

''ہارون الرشید نے کہا تم اپنی بات بتاؤ میں نے نسب بیان کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے جا ملایا۔''

ان حوالہ جات کے بعد میں نے اس حصہ کا لکھنا ترک کر دینے سے بہتر سمجھا۔

میں نے اول اول یہ حصہ (محترم) سر سید احمد خان غفر لہ کی کتاب ''خطبات احمدیہ'' میں دیکھا تھا۔ سر سید رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ کسی کتاب کا جو ان کی تحقیقات کا ماخذ تھی، نام نہیں لکھا۔ انہوں نے ارمیا کاتب برخیا علیہ السلام اور الجیرا کے نسب نامہ کا ذکر فرمایا تھا، میں نہ سمجھ سکا کہ سر سید رحمۃ اللہ علیہ یہ سب باتیں کہاں سے لکھ رہے ہیں۔ کچھ وقت بعد مجھے تاریخ ابو الفداء میں ارمیا اور الجیرا کا مذکور ملا اور پھر امام طبری کی کتاب میں روایت کلبی کی ملی جس کی بابت امام طبری نے لکھا ہے کہ یہ روایت ارمیا کے نسب نامہ سے متوافق ہے۔ صرف کہیں کہیں اختلاف السنہ کی وجہ سے اختلاف لہجہ کا فرق پڑ گیا ہے۔ دوسری روایت خود امام طبری کی ہے جسے انہوں نے ایک عرب نسب دان سے لیا ہے۔

پھر مجھے امام ابن سعد کی کتاب ''طبقات کبریٰ'' میں بھی یہی حصہ مل گیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ ان کتابوں سے مطابقت کرنے کے بعد سر سید کے نسب نامے میں لکھے ہوئے چند نام عدنان دوم۔ اد دوم۔ الیسع ۔ ہمیسع دوم۔ سلامان دوم۔ ثابت۔ حمل۔ معد اول نہیں ملے۔ معلوم نہیں سر سید نے ان کا کس کتاب کے حوالہ سے اضافہ فرمایا ہے۔ میں نے وہی نام لکھے ہیں جو بالاتفاق متعدد روایات میں بیان ہوئے تھے۔

حصہ سوم

الف:۔ نسب نامۂ گرامی کا حصہ سوم جو اسمٰعیل علیہ السلام سے شروع اور ابوالبشر آدم علیہ السلام تک منتہی ہوا ہے، توراتِ موجودہ سے لیا گیا ہے۔ اسماء کے اعراب عربی زبان کی توراۃِ متشکل سے لیے گئے ہیں۔

ب:۔ ہر ایک نام کے سامنے سنین عمر درج ہیں۔ یہ بھی توراۃ سے لیے گئے ہیں، جو غالباً صحیح ہیں، لیکن توراۃ میں یہ بھی ہے کہ فلاں عمر میں فلاں شخص کے پسر پیدا ہوا۔ اس میں کئی اشکال ہیں مثلاً غور کرو مندرجہ ذیل بیانات توراۃ پر۔

۱:	آدم ۱۳۰ برس کا تھا جب اس کے شیث پیدا ہوا۔	۵/۳ پیدائش
۲:	شیث ۱۵۰ برس کا تھا کہ اس سے اَنوش پیدا ہوا۔	۵/۶ پیدائش
۳:	انوش ۹۰ برس کا تھا کہ اس سے قینان پیدا ہوا۔	۵/۹ پیدائش
۴:	قینان ۷۰ برس کا تھا کہ اس سے محلل ایل پیدا ہوا۔	۵/۱۲ پیدائش
۵:	محلل ایل ۶۵ برس کا تھا کہ اس سے یارد پیدا ہوا۔	۵/۱۵ پیدائش
۶:	یارد ۱۶۲ برس کا تھا کہ اس سے حنوک پیدا ہو۔	۵/۱۸ پیدائش
۷:	حنوک ۶۵ برس کا تھا کہ اس سے متوشالح پیدا ہوا۔	۵/۲۱ پیدائش
۸:	متوشالح ۱۸۷ برس کا تھا کہ اس سے لامک پیدا ہوا۔	۵/۲۱ پیدائش
۹:	لامک ۱۸۲ برس کا تھا کہ اس سے نوح پیدا ہوا۔	۵/۲۸ پیدائش

۱۰ نوح ۵۰۲ برس کا تھا کہ اس سے سم پیدا ہوا۔ [1]

۱۱: سم ۱۰۰ برس کا تھا کہ اس سے طوفان کے ۲ برس بعد ارفکسد پیدا ہوا۔

۱۲: ارفکسد ۳۵ برس کا تھا کہ اس سے عیبر پیدا ہوا۔

۱۳: عیبر ۳۴ برس کا تھا کہ اس سے فلج پیدا ہوا۔

۱۴: فلج ۳۰ برس کا تھا کہ اس سے رعو پیدا ہوا۔

۱۵: رعو ۳۲ برس کا تھا کہ اس سے سروج پیدا ہوا۔

۱۶: سروج ۳۰ برس کا تھا کہ اس سے نحور پیدا ہوا۔

۱۷: نحور ۲۹ برس کا تھا کہ اس سے تارہ پیدا ہوا۔

۱۸: تارہ ۷۰ برس کا تھا کہ اس سے ابرام پیدا ہوا۔

اگر ہم اس حساب کو صحیح قرار دیں تو لازم آتا ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

[1] یہ عبارت کہ نوح ۵۰۲ سال کا تھا کہ اس سے سم پیدا ہوا کتاب پیدائش میں نہیں ہے مگر کتاب پیدائش میں یہ ہے کہ نوح ۶۰۰ سال کا تھا جب طوفان آیا۔ نیز یہ فقرہ ہے کہ سم طوفان کے ۲ سال بعد ۱۰۰ برس کا تھا۔ جب ارفکسد پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نوح ۵۰۲ سال کا تھا جب سم پیدا ہوا۔

کی عمر حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ۸۸ سال کی ہوگئی ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر دو سال کی ہو۔ حساب کرو کہ حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ساڑھے تین سو برس تک زندہ رہے۔ ۲۸/ ۹ پیدائش اور طوفان سے ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا زمانہ ۲۶۲ + ۸۶ = ۳۴۸ برس کا ہے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کی ۸۶ سال کی عمر میں پیدا ہوئے تھے۔

حالانکہ ان امور کا کوئی عالم اہل کتاب قائل نہیں۔ اس لیے مجھے اس حساب کی صحت میں شک رہا۔ بعد ازاں مجھے کتاب ''تاریخ ابوالفداء'' میں سے اسی مقام کے پڑھنے کا اتفاق ہوا مجھے تعجب آمیز مسرت ہوئی کہ یہ فاضل مؤرخ بھی اس خیال میں میرے ساتھ متفق ہے۔ مزید اطمینان کا موجب یہ ہوا کہ امام ابومحمد علی بن احمد بن حزم الظاہری (التوفی ۴۵۶ھ) نے بھی ''کتاب الفصل'' میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔

الغرض حصہ سوم کے نام تو صحیح ہیں، البتہ دیگر معلومات کے متعلق بعض جگہ شک ہے۔

چونکہ نسب نامہ میں صحتِ اسماء ہی زیادہ تر در کار ہوتی ہے۔ اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ نسب نامہ گرامی کا یہ حصہ بھی بالکل صحیح ہے۔

ان ضروری تمہیدات کے بعد شجرہ مبارکہ درج کیا جاتا ہے۔

شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ لِسَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ ﷺ۔

حصہ اول

نمبر شمار	آباء الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۱	عبداللہ	آمنہ	اب۔ وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب (سلسلہ نمبر ۶ آباء نبوی) ام۔ برّہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی (سلسلہ نمبر ۵ آباء نبوی)
۲	عبدالمطلب	فاطمہ	اب۔ عمر بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرّہ۔ (سلسلہ نمبر ۷ آباء نبوی) ام۔ صخرہ ❶ بنت عبد بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ (سلسلہ نمبر ۷ آباء نبوی)
۳	ہاشم	سلمٰی	اب۔ عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار (تیم اللہ بن ثعلبہ خزرجی) ام۔ عمیرہ ❷ بنت صخر بن حبیب بن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار (ساکن مدینہ)

❶ صخرہ کی ماں کا نام تخمر بنت عبد بن قصی نانی کا نام سلمٰی بنت عامرہ بنت عمیرہ بنت ودیعہ بنت الحارث بن فہر۔ پرنانی کا نام عاتکہ بنت عبداللہ بن دائلہ بن ظرب تھا۔

❷ عمیرہ کی ماں کا نام سلمٰی بنت عبدالاشہل اور نانی کا نام اثیلہ بن رعورا تھا۔

نمبر شمار	آباءہ الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۴	عبد مناف	عاتکہ	اب۔ مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بھثہ بن سلیم بن منصور (از نسل نمبر ۱۷ سلسلہ آباء نبوی) ام۔ ماویہ (عرف صفیہ) ❶ بنت حوزہ بن عمرو بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن (از نسل نمبر ۱۷ سلسلہ آباء نبوی)
۵	قصی	حُبی	اب۔ خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ (وہوالخزاعی) ام۔ ہند ❷ بنت عامر بن النضر بن عمرو بن عامر (من الخزاعہ)
۶	کلاب	فاطمہ	اب۔ سعد بن سیل (خیر) بن حمالہ بن عوف بن عامر الحاؤ (كَانَ أَوَّلُ مَنْ بَنَى جِدَارًا لِّكَعْبَةِ فَقِيْلَ لَهُ عمامار) از دشنوہ ام۔ ظریفہ ❸ بنت قیس بن امیہ ذی الراسین بن جیثم بن کنانہ بن عمرو بن القین بن فہم بن عمرو بن قیس بن عیلان بن الیاس (سلسلہ نمبر ۱۷ آباء نبوی)
۷	مُرّہ	ہند	اب۔ سریر بن ثعلبہ بن الحارث بن مالک (سلسلہ نمبر ۱۲ آباء نبوی) ام۔ امامہ ❹ بنت عبد مناۃ بن کنانہ۔ (سلسلہ ۱۴ آباء نبوی)
۸	کعب	محشیہ	اب۔ شیبان بن محارب بن فہر۔ (سلسلہ ۱۱ آباء نبوی۔) ام۔ وحشیہ ❺ بنت وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصیٰ بن دعمی بن جدیلہ
۹	لُوئی	ماویہ	اب۔ کعب بن القین (ہوالنعمان) بن حسیر بن شیع اللہ بن اسد بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔ ام۔ عاتکہ بنت کاہل بن عذرہ۔
۱۰	غالب	عاتکہ	اب۔ یخلد بن النضر بن کنانہ (سلسلہ ۱۳ آباء نبوی۔) ام۔ انیسہ ❻ بنت شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل۔

❶ ماویہ کی ماں کا نام اتاش بنت الاحم اور نانی کا نام کبشہ بنت الرافقی تھا۔ ❷ ہند کی ماں کا نام لیلیٰ بنت مازن (من خزامہ) تھا۔
❸ ظریفہ کی ماں کا نام صخرہ بنت عامر تھا۔ ❹ امامہ کی ماں کا نام ہند بنت دودان بن اسد خزیمہ ہے۔
❺ وحشیہ کی ماں کا نام ماویہ بنت صبیعہ بن ربیعہ بن نزار ہے۔ ❻ انیسہ کی ماں کا نام تماخر بنت الحارث اور نانی کا نام رھم بنت کاہل ہے۔

نمبر شمار	آباء الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۱۱	فہر الملقب بہ قریش	لیلے	اب۔ حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ (سلسلہ ۱٦ آباء نبوی) ام۔ سلمٰی [1] بنت طانجہ بن الیاس سلسلہ ۱۷ آباء
۱۲	مالک	جندلہ	اب۔ عامر بن الحارث بن مضاض بن زید بن مالک جرہمی ام۔ ہند بنت الطلیم بن مالک بن الحارث (جرہمی)
۱۳	نضر	عِکْرِشہ	اب۔ عدنان (حارث) بن عمرو بن قیس بن عیلان بن مضر (سلسلہ ۱۷ آباء نبوی) ام۔
۱۴	کنانہ	برہ	اب۔ مُرّ بن اُدّ بن طانجہ (اُخت تمیم بن مُرّ) (طانجہ برادر مدرکہ نمبر ۱٦) ام۔
۱۵	خزیمہ	عوانہ۔ہند	اب۔ سعد بن قیس بن عیلان بن الیاس (سلسلہ نمبر ۱۷ آباء) ام۔ دعد بنت الیاس (سلسلہ نمبر ۱۷ آباء نبوی)
۱٦	مدرکہ	سلمٰی	اب۔ اسلم بن الحاف بن قضاعہ ام۔
۱۷	الیاس	لیلیٰ (خندف)	اب۔ حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاء ام۔ ضریہ بنت ربیعہ بن نزار (سلسلہ ۱۹ آباء)
۱۸	مضر	رباب	اب۔ حَیدہ بن معد (سلسلہ نمبر ۲۰ آباء) ام۔
۱۹	نزار	سودہ	اب۔عک بن الریث بن عدنان (سلسلہ نمبر ۲۱ آباء)
۲۰	معد	معانہ	اب۔ جوشم بن جلہمہ بن عمر بن برہ بن جرہم ام۔ سلمٰی بنت الحارث بن مالک بن غنم (من جرلخم)
۲۱	عدنان	مَہدد	اب۔ لہم بن جلحب بن جدلیس بن جاثم بن ارم ام۔

[1] سلمٰی کی ماں کا نام عاتکہ بنت الاسد اور نانی کا نام زینب بنت ربیعہ ہے۔

حصہ دوم

نسب نامہ تا حضرت اسماعیل علیہ السلام

نمبر شمار	بروایت کلبی مندرجہ طبری ❶	بروایت ابن سعد مندرجہ طبقات الکبیر	توضیحات جو امام طبری نے اپنے راوی سے یہ الفاظ لکھ کر روایت کی ہیں
			وَأَخْبَرَنِی بَعْضُ النُّسَّابِ أَنَّهُ وَجَدَ طَائِفَةً مِنْ عُلَمَاءِ الْعَرَبِ قَدْ حَفِظَتْ لِمَعَدٍّ أَرْبَعِيْنَ أَبًا بِالْعَرَبِيَّةِ إِلَى إِسْمٰعِيْلَ وَ احْتَجَّتْ لِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ بِأَشْعَارِ الْعَرَبِ وَأَنَّهُ قَائِلٌ بِمَا قَالُوْا مِنْ ذَلِكَ مَايَقُوْلُ أَهْلُ الْكِتٰبِ فَوَجَدَ الْعَدَدَ مُتَّفِقًا وَاللَّفْظَ مُخْتَلِفًا وَأَمْلٰى ذَلِكَ عَلَيَّ فَكَتَبْتُهُ عَنْهُ (طبری ١/ ٥١٧)
۲۲	اُدو	اُدو	
۲۳	ہمیسع	ہَمَیْسَعْ	
۲۴	سلامان	سلامان	ہمیدع اور شاحب بھی اسی کو کہتے ہیں۔
۲۵	عوص	عوص	منجر اور نبیت بھی اسی کو کہتے ہیں۔
۲۶	بوز	بوز	اس کو ثعلبہ بھی کہتے ہیں اور قبیلہ ثعلبہ اسی کی جانب منسوب ہے۔
۲۷	قموال	قموال	اس کو یوز اور عشر العقاء بھی کہتے ہیں ''رسم عشرہ'' عرب میں اسی نے نکالی۔
۲۸	ابی	اُبَی	اس کو سعد رجب بھی کہتے ہیں ''رسم رجبیہ'' اسی نے نکالی
۲۹	عوام	عوّام	قموال اور برتج الناحب بھی اسے کہتے ہیں کان فی زمن سلیمان علیہ السلام۔
۳۰	ناشد	ناشد	محلم ذوالعین اسی کا لقب ہے۔
۳۱	حزا	حزا	ہوالعوام

❶ حَدَّثَنِی الْحَارِثُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ تَدْمُرَ يُكْنَى أَبَا يَعْقُوْبَ مِنْ مُسْلِمَةِ بَنِی إِسْرَائِيْلَ قَدْ قَرَأَ مِنْ كُتُبِهِمْ وَعَلِمَ عِلْمًا فَذَكَرَ أَنَّ بروخ بن ناريا كَاتِبُ أَرْمِيَا أَثْبَتَ نَسَبَ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ عِنْدَهُ وَوَضَعَهُ فِی كُتُبِهِ وَإِنَّهُ مَعْرُوْفٌ عِنْدَ أَحْبَارِ أَهْلِ الْكِتٰبِ مُثْبَتٌ فِی أَسْفَارِهِمْ وَهُوَ مُقَارِبٌ لِهٰذِهِ الْأَسْمَاءِ وَلَعَلَّ خِلَافُ مَا بَيْنَهُمْ مِنْ قِبَلِ اللُّغَةِ لِأَنَّ هٰذَا الْأَسْمَاءَ تُرْجِمَتْ مِنَ الْعِبْرَانِيَّةِ ۔ (الطبری، ج ١/ ٥١٦ ذکر ابن عدنان)

نمبر شمار	بروایت مندرجہ طبری	راوی ابن سعد مندرجہ طبقات الکبیر	توضیحات جو امام طبری نے اپنے راوی سے یہ الفاظ لکھ کر روایت کی ہیں۔
۳۲	بلداس	بلداس	اسے محتمل بھی کہتے ہیں
۳۳	یدلاف	تدلاف	رائمہ اسی کا لقب ہے
۳۴	طابخ	طابخ	اسی کو طاہب بھی کہتے ہیں عیقان اسی کا لقب ہے
۳۵	جاحم	جاحم	اس کا لقب الشحد ود ہے۔
۳۶	ناحش	ناحش	اس کا لقب علتہ ہے
۳۷	ماخی	ماخی	اس کو اہل عرب الظر یب خاطم النار کہا کرتے تھے
۳۸	عیفی	عیفی	اس کو عافی اور عبقر ابوالجن کہتے ہیں۔ جنت عبقر اسی کی جانب منسوب ہے۔
۳۹	عبقر	عبقر	اس کو ابراہیم جامع الشمل کہتے ہیں جامع الشمل لقب اس لیے ہوا کہ اس کے عہد میں امن کامل تھا راستے بےخطر جاری تھے۔
۴۰	عبید	عبید	اس کو اسماعیل ذوالمطابخ کہتے ہیں۔ ذوالمطابخ اس لیے کہتے ہیں کہ مسافروں کے لیے ملک میں ضیافت خانے مقرر کئے گئے۔
۴۱	الدعا	الدعا	اس کو یزن الطعان کہتے ہیں۔ پہلا شخص ہے جس نے نیزہ کا جنگ میں استعمال کیا۔
۴۲	حمدان	حمدان	اسی کو اسمٰعیل ذوالاعوج کہتے ہیں اعوج اس کے گھوڑے کا نام تھا۔ اب اعوجِ نسل اسپاں اسی کی جانب منسوب ہے۔
۴۳	سَنْبَرْ	سنبر	اسے بشمین اور مطعم فی المحل بھی کہتے ہیں اس کے محل میں ہر شخص کے لیے کھانا تیار رہتا تھا۔
۴۴	یثربی	یثربی	یثرم اور طمح بھی اسی کا لقب ہے۔
۴۵	یحزن	نخزن	نخزن نام اور قسور لقب ہے۔
۴۶	یلحن	یلحن	یلحن نام اور عنود لقب ہے۔
۴۷	ارعوے	ارعوے	رعوہے نام اور ردعدع لقب ہے۔
۴۸	عیضی	عیضی	عاقر لقب ہے۔
۴۹	دیشان	دیشان	لقب اس کا الزاید ہے۔

نمبر شمار	بروایت کلبی	بروایت ابن سعد	توضیحات متعلق روایت طبری از راوی
۵۰	عیصر	عیصر	اسی کو عاصر اور نیدوان ذوالاندیہ کہتے ہیں اسی کے عہد میں نبیت اور جاوان فرزندان قادور میں باہم جنگ ہوئی۔
۵۱	اقناد	اقناد	قناد نام۔ ایامہ لقب ہے۔
۵۲	ایہام	ایہام	یہامی نام دوس العتق اور اجمل الخلق لقب ہیں۔
۵۳	مقصر	مقصی	مقاصری نام حصن اور نزال لقب ہے۔
۵۴	ناحث	ناحث	
۵۵	زارح	زارح	قمیر لقب ہے۔
۵۶	سمی	شمی	سما نام المحشر لقب ہے۔
۵۷	مزی	مَزی	ہرمز بھی اس کو کہتے ہیں۔
۵۸	عوض	عوص	اس کا لقب شمر اور صفی بھی ہے۔
۵۹	عرام	عُرام	
۶۰	قیدار	قیدار ❶	

حصہ سوم

نمبر شمار	نام	عمر
۶۱	اسمٰعیل علیہ السلام ❷	۱۳۷ سال کی عمر پائی
۶۲	ابراہیم علیہ السلام	۱۷۵ سال
۶۳	تارہ (آذر)	۲۰۵ سال
۶۴	ناحور	۱۵۹ سال
۶۵	سروج	۲۳۲ سال
۶۶	رعو	۲۳۹ سال
۶۷	فالج	۲۳۹ سال
۶۸	عابر	۴۶۰ سال

❶ قیدار کی بیوی کا نام حاضرہ تھا جو قبیلہ جرہم سے تھیں۔

❷ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ کا بیان آگے ملے گا۔

نمبر شمار	نام	عمر
۶۹	ارفکشاد	۴۳۸ سال
۷۰	سام	۶۰۲ سال
۷۱	نوح علیہ السلام	۹۵۰ سال
۷۲	لامک	۷۷۷سال
۷۳	متوشالح	۹۶۹ سال
۷۴	اخنوخ ادریس علیہ السلام	۳۶۵ سال
۷۵	یارد	۹۶۲ سال
۷۶	مہلل ایل	۸۹۵ سال
۷۷	قینان	۹۱۰ سال
۷۸	آنوش	۹۰۵ سال
۷۹	شیث علیہ السلام	۹۱۲ سال
۸۰	آدم علیہ السلام	۹۳۰ سال

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ اناجیل متی ولوقا میں جو نسب نامہ حضرت مسیح علیہ السلام کا درج کیا گیا ہے اسے بھی ناظرین کی وسعت معلومات کی غرض سے اس مقام پر تحریر کر دیں۔ آغازِ نسب نامہ سے پیشتر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگرچہ عیسائی علما حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب کو حضرت داوٗد علیہ السلام تک پہنچاتے ہیں۔ مگر انجیل یوحنا (۸) باب (۴۸) درس سے ثابت ہے کہ یہودان ہمعصر حضرت مسیح علیہ السلام کے اس مسلمہ شرف کا بھی انکار کیا کرتے اور آنجناب کو نسلِ سامری ❶ سے بتایا کرتے تھے۔

حصہ اوّل

از یوسف (شوہر مریم ❷) تا زرؓ و بابل

انجیل لوقا	انجیل متی
یوسف	یوسف
ہیلی	یعقوب
متھات	متھان

❶ سامری بھی بنی اسرائیل ہی سے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت داوٗد علیہ السلام کا نام نہیں آ سکتا۔
❷ یہ انجیل کا لفظ ہے۔

انجیل لوقا	انجیل متی
لیوی	
ملکی	
نیا	
یوسف	
متھاتیاس	
آموس	
ناؤم	
اسلی	
نگمئی	
ماحت	العزر
متھاتیاس	الیود
سمعی	اخیم
یوسف	صدوق
یورا	عازور
یوحنا	الیاقیم
ایصا	ابیود
زروبابل	زروبابل
میزان ۲۰	میزان ۱۱

(۱) لوقا نے یوسف سے زروبابل تک ۲۰ نسلیں اور متی نے ۱۱ نسلیں درج کی ہیں۔

(۲) دونوں نسب نامے اتنے مختلف ہیں کہ لوقا اور متی کے بیان کردہ اسماء (یوسف اور زروبابل کے سوا) ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں رکھتے۔

(۳) ہم کو بعض عیسائی عالموں نے بتایا ہے کہ لوقا میں مریم کا نسب نامہ ہے اور متی میں یوسف کا، یا متی میں مریم کا نسب نامہ ہے اور لوقا میں یوسف کا۔ ہم خوش ہوتے اگر ایسا بھی ہوتا، لیکن زن و شوہر کے نسب ناموں میں امتدادِ زمانہ کا اس قدر تفاوت کہ ایک کے نسب نامہ میں ۹ نسلیں کم ہوں اور ایک میں زیادہ بالضرور حیرت زدہ ہے۔

(۴) لوقا کا نسب نامہ ایصا بن زروبابل پر اور متی کا نسب نامہ ابیود بن زروبابل پر ختم ہوتا ہے اور از راہِ قیاس ممکن ہے کہ یوسف مریم زروبابل کے دو فرزند ایصا اور ابیود کی نسل میں سے ہوں، لیکن اب یہ ضرور تحقیق طلب ہوگا کہ زروبابل کے فرزندوں میں سے

ایلصا اور ابیود نام کے فرزند تھے بھی۔ تواریخ باب ۲۰۔ ۳/۱۹ میں ہم کو زروبابل کے فرزندان اور دختر کے نام تو ملے، مگر افسوس ہے کہ ان میں ایلصا اور ابیود کسی کا بھی نام نہیں۔

(۵) لوقا اور متی نے بالاتفاق زروبابل کو سیالتی ایل کا بیٹا لکھا ہے۔ مگر تواریخ (۱۸۔۱۹/۳) سے ثابت ہوتا ہے کہ زروبابل تو خدایاہ کا بیٹا اور سیالتی ایل کا برادرزادہ تھا۔

حصہ دوم

سیالتی ایل سے داؤد علیہ السلام تک ہے اور چونکہ سیالتی ایل کا نسب نامہ بائیبل (توراۃ) میں بھی موجود ہے اس لیے حصہ دوم میں بائیبل کا ایک خانہ اور بڑھا دیا گیا ہے اور اس اضافے سے یہ فائدہ ہوگا کہ لوقا اور انجیل کے علاوہ ایک تیسری الہامی کتاب (توراۃ) سے مطابقت کا حال بھی واضح ہو جائے گا۔

لوقا	متی	بائیبل*
سلاتی ایل	سلت ایل	سیالتی ایل
نیری	یکونیاہ	یکونیاہ (یکنیا)
ملکی		
اُدی		یہوی قیم
قوسام	یوسیاہ	یوسیاہ (یوشیا)
المودام	آمُون	آمون
عیر	منسی	منسی
یوسس	خرقیاہ	خرقیاہ (خرقیاہ)
العزر	آخز	آخز
یوریم	یُوتام	
متھتات	عزیاہ	عزریاہ (عزیا)
لیوی		امصیاہ
شمعون		یوآس
یہوداہ		خزیاہ (آخزیا)
یوسف	یُورام	یہورام
یونان	یہوسفط	یہوسفط (یہوشافاط)

* تواریخ ۳۔ باب۔

اینیا قیم	آسا	اسا
ملیا	ابیاہ	ابیا (اُمیا)
مینان		
متھتا	رجعام	رجعام
ناتن	سلیمان	سلیمان
داؤد	داؤد	داؤد
میزان ۲۲	میزان ۱۶	میزان ۱۹

(۱) ازسلاتی ایل تا داؤد لوقا نے بائیس ۲۲ نسلیں، متی نے سولہ ۱۶ نسلیں اور بائیبل نے انیس ۱۹ شمار کی ہیں۔

(۲) لوقا نے تو سلاتی ایل کو ناتن بن داؤد کی نسل سے بتایا ہے۔ مگر متی اور بائیبل سلاتی ایل کو سلیمان بن داؤد کی نسل سے بتاتے ہیں۔ مجھے ایک عیسائی نے بتایا تھا کہ سلیمان ہی کو ناتن کہتے ہیں۔ مگر تواریخ ۳ باب کے پانچویں درس نے مجھے یہ جواب صحیح سمجھنے سے روک دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''سیمعا اور سوباب اور ناتن اور سلیمان۔ یہ چاروں عمی ایل کی بیٹی بنت سوع سے پیدا ہوئے۔''

(۳) لوقا اور متی نے اس حصہ دوم میں بھی سلاتی ایل اور داؤد کے درمیان جتنے نام دیئے ہیں وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ حصہ اول میں بھی ایسا ہی اختلاف تھا اور اس وقت یہ توجیہ گھڑ لی گئی تھی کہ ایک نسب نامہ کو مریم کا اور ایک کو یوسف شوہر مریم کا نسب نامہ سمجھ لینا چاہیے، لیکن وہ دونوں نسب نامے زروبابل میں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ اب سلاتی ایل شخصِ واحد کے نسب نامے کسی طرح بھی دو نہیں ہو سکتے۔ یہ ناممکن ہے کہ سلاتی کو ناتن بن داؤد کی نسل سے بھی ٹھہرایا جائے۔ اور سلیمان بن داؤد کی نسل سے بھی ہم اس فائدہ کو سمجھتے ہیں کہ اگر سلاتی ایل کا نسب نامہ ناتن بن داؤد سے درست ہو جائے تو مسیح علیہ السلام کے اجداد بیت المقدس کے امام سمجھے جا سکیں گے اور اگر سلاتی ایل کا نسب نامہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام سے درست ہو جائے تو مسیح کے اجداد شاہان تخت نشین ثابت ہو جائیں گے لیکن افسوس یہ ہے کہ دونوں نسب نامے تو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتے۔

(۴) ہم اس جگہ متی کے نسب نامہ کو لوقا کے نسب نامہ پر ترجیح دیتے ہیں اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ متی کے نسب نامہ کی تصدیق بائیبل کی کتاب اوّل تواریخ ۳ باب سے ہوتی ہے مگر لوقا کے نسب نامہ کی ذرا بھی تائید نہیں ہوتی اگرچہ لوقا ہی نے تحریر کیا ہے کہ اس نے سب واقعات صحیح طور پر دریافت کر کے لکھے ہیں۔ لوقا ۳/۱۔

(۵) یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ متی اور بائیبل کا اتفاق بہت سے ناموں کے بارے میں پایا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ ان دونوں کی مطابقت بھی پوری نہیں ہوتی۔

ذرا نسب نامہ پر غور فرمایئے کہ متی نے یوسیاہ اور یکونیاہ کے درمیان کوئی نام نہیں لکھا، لیکن بائیبل کی دوم تواریخ ۳۶/۵ میں ایک نام موجود ہے اور اس باب کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوسیاہ کے بعد ایلیاقیم بن یوسیاہ تخت نشین ہوا تھا۔ اور ایلیاقیم کا شاہی نام یہویقیم تھا۔ اس کے بعد آپ کو اول تواریخ ۳/۱۶ سے پتہ لگ جائے گا کہ یکونیاہ، یہویقیم کا فرزند تھا نہ کہ یوسیاہ کا

،جیسا کہ متی نے ظاہر کیا ہے۔

(۶) متی (۱)۔ باب (۹) درس میں ہے۔ اور ''غریاہ'' سے یونام پیدا ہوا۔ ان الفاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یونام غریاہ کا صلبی فرزند تھا جیسا کہ اس نسب نامے کے تمام نام اسی طرح بیان کئے گئے ہیں اور اب سب میں باپ بیٹے ہی کا رشتہ ہے لیکن بائبل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

یورام	یا	یہورام	سے	خزیاہ	پیدا	ہوا
خزیاہ		سے		یوآس	پیدا	ہوا
یوآس		سے		امصیاہ	پیدا	ہوا
امصیاہ		سے		غریاہ	پیدا	ہوا

بائبل کی اس صراحت نے یقین دلا دیا کہ یہاں بھی سینٹ متی کے قلم سے تین نسلوں کے نام رہ گئے ہیں۔

(۷) بعض عیسائی عالم بیان کرتے ہیں کہ سینٹ متی نے دیدہ دانستہ خزیاہ اور یوآس اور امصیاہ کے نام ترک کر دیئے تھے۔ کیونکہ ہر سہ اشخاص کے افعال ایسے برے تھے کہ ان کو ایسے پاک نسب نامے میں جگہ نہ دینی چاہیے۔ یہ عذر صحیح ہو سکتا ہے اور ہم نے کئی اور نسب ناموں میں بھی ایسا طریق دیکھا ہے، لیکن غور طلب یہ ہے کہ کیا فی الواقع حضرت متی نے اسی اصول پر عمل کیا ہے۔ تواریخ میں ہر ایک بادشاہ کی زندگی پر مختصر نوٹ موجود ہیں۔ مثلاً ان ہر سہ کے متعلق ذیل کی عبارات ہیں:

خزیاہ

وہ بھی اخی اب کے گھرانوں کی راہوں (ناپسندیدہ) پر چلتا تھا۔ (۲۔ تواریخ ۳/۲۲)

یوآس

خداوند اپنے خدا کے گھر چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرنے لگا۔ (۲۔ تواریخ ۱۸/۲۴)

امصیاہ

جو خدا کی نظر میں درست ہے۔ سو اس نے کیا، پر تمام دل سے نہیں۔ ۲ تواریخ ۲/۲۵۔

اگر ہم جرائم کے اعتبار سے ترتیب قائم کریں تو یوآس سخت مجرم ہے کہ بت پرستی کی۔

خزیاہ اس سے کم کہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ امصیاہ اس سے کم جس کے اعمال اچھے ہیں مگر خلوص نہیں ہے۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ ان تینوں کے سوا کسی اور کی بابت بھی ایسے ریمارکس یا اس سے سخت تر ریمارکس موجود ہیں؟ آخز کا نام متی کے نسب نامہ میں موجود ہے اور بائبل اس کی بابت بتاتی ہے: ''اس نے بعلیم کے ڈھائے ہوئے بت بھی بنائے۔'' [1]

اموں کی بابت ہے۔ ''جو خداوند کی نظر میں برا ہے سو اس نے کیا۔'' [2]

منسی کی بابت ہے۔ ''جو خداوند کی نظر میں برا ہے سو اس نے کیا۔ ان قوموں کے نفرتی کام کیے۔ [3]

---

[1] ۲، تواریخ ۲/۲۸۔ [2] ۲، تواریخ ۲۲/۳۳۔ [3] ۲، تواریخ ۲۰/۳۳۔

رجعام کی بابت ہے۔''اس نے اور اس کے ساتھ سارے بنی اسرائیل نے خداوند کی شریعت کو ترک کیا۔''

یہ تمام سندات بتاتی ہیں کہ ان تین اشخاص جیسے جرائم اوروں کے بھی ہیں جن کے نام حضرت متی نے لکھے ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس اصول پر عمل نہیں کیا جو ہم کو آج ہمارے دوست بتاتے ہیں اور اس لیے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حصہ دوم میں متی کا نسب نامہ بھی بائیبل سے مطابقت نہیں رکھتا۔

حصہ سوم

حضرت داؤد علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جو نسب نامہ ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامہ کا حصہ سوم ہو سکتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ابن داؤد کا نسب نامہ تو اسی قدر ہے جہاں تک داؤد علیہ السلام کے ساتھ آ کر سلسلہ مل جائے اور اس سے آگے جو سلسلہ ہوگا وہ داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ ہوگا اور داؤد علیہ السلام کے نسب نامہ مندرجہ بائیبل میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ، نبی کریم ﷺ کے نسب نامہ کے حصہ سوم میں قیدار بن اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آدم علیہ السلام تک اہل کتاب میں کوئی اختلاف نہیں تاہم حضرت داؤد علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نسب نامہ مزید تیمن وتبرک کے طور پہ درج کیا جاتا ہے۔

نام	کیفیت
داؤد علیہ السلام	۳۰ سال کی عمر میں سلطنت پائی۔ ۴۰ سال سلطنت کے بعد ۱۰۱۵ قبل مسیح علیہ السلام رہ گرائے عالم بقا ہوئے۔ اس حساب سے ان کی وفات ۹۴۵ سال قبل مسیح ہوئی۔
یسّی	
عُوبید	
بوعز	ان کی زوجہ کا نام روت ہے جس کے نام کی کتاب رُوت بائیبل میں شامل ہے۔
سلمون	ہمراہیانِ موسیٰ علیہ السلام میں سے حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ یہی داخل ارض مقدس ہوئے۔ ان کی زوجہ کا نام راحب تھا۔
نحسون	نحسون بنی اسرائیل کے ان سرداروں میں سے ہے جو ہزاروں کے سردار تھے۔ اسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے بیابانِ سینا میں بنی یہودہ کی مردم شماری مصر سے نکلنے سے ۱۴ ماہ بعد کی تھی۔ اس وقت اس فرقہ کے جنگجو اشخاص کی تعداد جو چوبیس سال سے اوپر تھے چوہتر ہزار چھ سو (۷۴۶۰۰) تھی (کتاب گنتی باب اور س ۱ تا ۲۷) یہ واقعہ ۱۴۹۰ قبل مسیح تھا۔
عمیداب	عربی تلفظ (عمنیاداب) ہے۔
آرام	عربی تلفظ ارام

حصروم	عربی تلفظ حَصْرُومن
پھارس	عربی تلفظ فارص والد کا نام تمر ہے جس کا قصہ کتاب پیدائش میں موجود ہے۔
یہوداہ	عربی لفظ یہودا
یعقوب علیہ السلام	
اسحاق علیہ السلام	
ابراہیم علیہ السلام	ان کا ذکر مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ میں ہے۔

فصل دوم

شجرہ عالیہ نبویہ سے چند اشہر المشاہیر کے مختصر حالات

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِى الْأَلْبَابِ

حضرت آدم علیہ السلام

نوعِ بشر کے والدِ بزرگوار اور پہلے انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خلافت الارض کے لیے پیدا کیا انہوں نے ۹۳۰ سال عمر پائی۔ شیث (سیت) علیہ السلام جب ان کے گھر پیدا ہوئے۔ تب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ۱۳۰ سال کی تھی۔ [1]

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدائش کے بعد جنت میں ٹھہرانے کا ذکر ہے۔ اس جنت میں اقلعت کے تعین کرنے میں ہمارے علما کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، ابوالقاسم بلخی وابن قتیبہ وابومسلم اصفہانی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ زمین پر ہی ایک مقام تھا۔ دیگر مفسرین نے اسے آسمان پر بتایا ہے۔ ان میں سے بعض کا قول ہے کہ یہ جنت، جنتِ خُلد سے الگ تھی۔ بعض نے اُسے جنتِ خلد ہی بتایا ہے۔ [2]

اسلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی بابت جو حقائق عالیہ بیان کئے ہیں، ان کا ذکر آپ کو اسی کتاب کے باب افضلیت سید المرسلین اور باب أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ میں ملے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام

رب العالمین کے پہلے رسول ہیں۔ بائیبل کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۶۰۰ سال کی تھی جب طوفان آیا یعنی عمرِ نوح علیہ السلام سے ۶۰۰ کے دوسرے مہینے کی ۱۷ تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ چالیس دن چالیس رات تک برابر آسمان سے پانی برستا اور سمندر کے چشموں سے پانی اچھلتا رہا۔ جو کشتی حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی تھی اس کا طول ۳۰۰ ہاتھ، عرض ۵۰ ہاتھ، بلندی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس کے اندر تین طبقے تھے، ۱۵۰ دن کے بعد پانی زمین سے کم ہونا شروع ہوا اور ۶۰۱ عمرِ نوحی سے دوسرے مہینے کی ۲۷ تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے زمین پر قدم رکھا اور بعد طوفان ۳۵۰ سال تک زندہ رہے۔ [3]

تاریخ اسلام میں حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں۔ دیکھو قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾ [4]

”ہم نے نوح ہی کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔“

حضرت نوح علیہ السلام کے تین فرزند تھے جن کی نسل تمام معمورۂ دنیا کی آبادی ورونق بن رہی ہے۔

---

[1] پیدائش ۴، ۵/۶۔ [2] ملخصاً از ”ہدایۃ السائل“ نواب صدیق حسن خان مرحوم۔
[3] از کتاب پیدائش منہا۔ [4] ۳۷/ الصافات: ۷۷۔
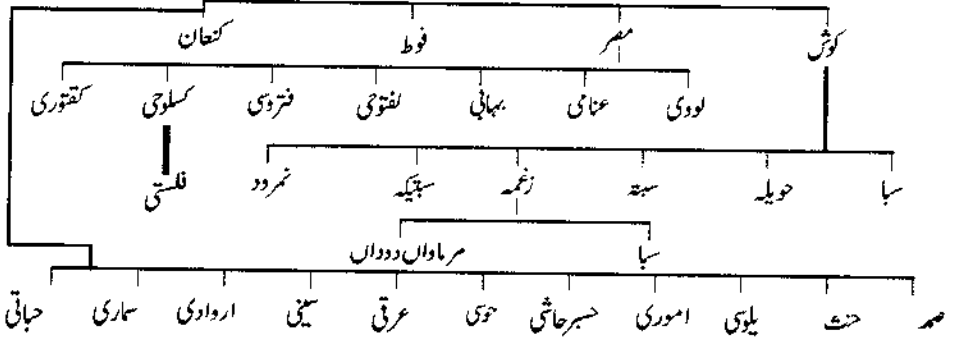
حام کی اولاد ❶
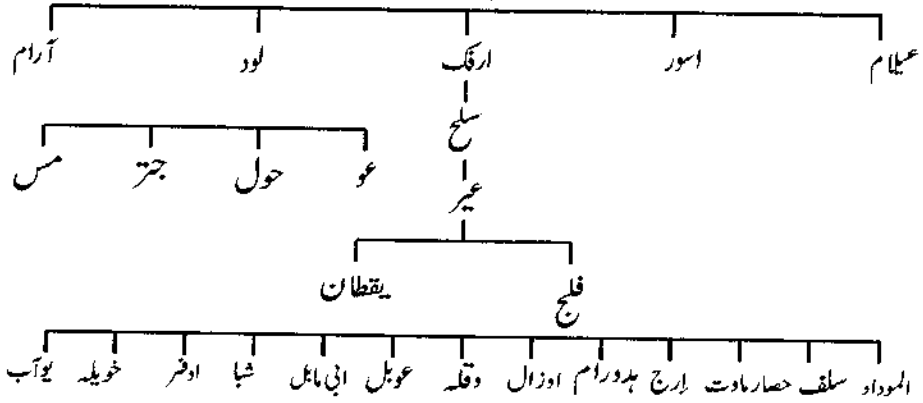
سام کی اولاد

یافث کی اولاد
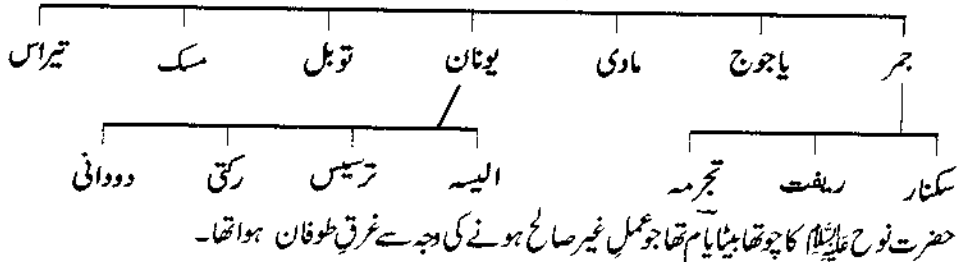
حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا یام تھا جو عملِ غیر صالح ہونے کی وجہ سے غرقِ طوفان ہوا تھا۔

سام کا حال

سام یا (سم) حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے فرزند کا نام ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ۵۰۲ سال کی عمر تھی جب ان کے

---

❶ سام، حام اور یافث کی اولاد کے جملہ نام کتاب پیدائش سے لیے گئے ہیں۔

مشکوئے نبوت میں یہ اولین فرزند پیدا ہوئے۔

حضرت سام ان تمام اقوام کے پدر اور جملہ السنہ کے معلم نخستین ہیں، جن کا نام یورپین مؤرخین نے ساموٹیک رکھ دیا ہے۔

تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ سامی زبان کا وجود ایشیاء اور افریقہ کے اندر برابر پایا جاتا ہے۔فونی شین، ارمیک، اسیرین، انتھی اوپک زبانیں سامی ہی سے نکلی ہیں اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ عبرانی اور عربی زبانیں جملہ سامی السنہ کے اندر زیادہ شاندار اور خزائن علمی سے مالا مال ہیں۔

مشہور قدیم مؤرخین سپر نجر اور سکر یدر اپنے قدما کے اتباع میں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ سام کی اولاد کا اصلی وطن عرب ہے۔قرآن مجید نے آیت ﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ ❶ میں مکہ کو ''ام القریٰ'' یعنی بستیوں کی ماں بتایا ہے اور یہ ارشاد اِن مؤرخین کی اس محققانہ جدوجہد کی تصدیق فرماتا ہے۔

یہ بات تاریخ سے ثابت ہوگئی ہے کہ قدیم تر زمانہ میں کچھ قومیں ریگستان عرب سے نکل کر اس کے گردونواح کی قابل کاشت اراضی پر آباد ہوئی تھیں۔اس کا ثبوت اس طرح حاصل ہوا ہے کہ عرب ہی وہ لوگ ہیں جن میں سیمی ٹک کیریکٹر (سامی عادات و اطوار) اصلی حالت میں پایا جاتا ہے۔کیونکہ ان کی سادہ زندگی ہمیشہ یکساں طریق پر چلی آئی ہے۔

اہل عرب کی زبان ہی ہمیشہ سے محفوظ رہی ہے۔عبرانی زبان بھی کسی قدیم زمانہ میں محفوظ تھی، جس کی یادگار اس وقت اہل علم کے ہاتھ میں میشا کے کتبے یا سلوآم کا کتبہ باقی رہ گیا ہے۔

سلطنت یہود کا زوال اور اشدودیوں کے ساتھ یہودیوں کی مناکحت، بنی اسرائیل کی اسیری، بیت المقدس کی بربادی، یہودیوں کا مختلف ممالک میں منتشر ہو جانا ایسے قدرتی اسباب تھے کہ عبرانی زبان اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہی اور ان اسباب سے اس قدر انقلاب عظیم ہوا کہ آخر یہود کی اصلی زبان بجائے عبرانی کے آرمیک بن گئی۔

جب عبرانی کا یہ حال ہے تو دیگر سامی السنہ کا ذکر فضول ہے۔

فونی شین زبان کی واقفیت اہل علم کو صرف ان کتبات سے ہوئی جو چار صدی قبل از مسیح کے دستیاب ہوئے ہیں لیکن یہ زبان اس قدر حجاب نسیان میں آ چکی ہے کہ ان کتبات کے پڑھنے والوں کو بھی خود وثوق نہیں کہ جو پڑھا وہی ٹھیک ہے۔

آرمیک زبان بھی تمام کنعانیوں کی زبان تھی۔ جہاں جہاں کنعانی قومیں عمدہ عمدہ چراگاہوں کی تلاش میں کنعان سے چینی ترکستان تک پہنچتی رہیں، یہ زبان بھی وہاں گئی۔خیال ہے کہ لفظ ارم جو قرآن میں بکسر اول و فتح ثانی اور توراۃ میں بفتحتین مستعمل ہوا ہے۔اسی قوم کی یادگار ہے۔اب یہ زبان بھی نقاب نیستی کے پردہ میں پنہاں ہے۔

سامر کی زبان میں ایک کتاب پنڈلی لوک کا نشان دیا جاتا ہے۔اس کی زبان پر غور کرنے والوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ عربی وعبرانی اور آرمیک زبانوں سے بنائی گئی ہے۔اسی لیے اول تو وہ پہلے ہی سے کوئی مستقل زبان نہ تھی دوسرے اب اس زبان کا تلفظ یا لغت بتانے سے کُل دنیا گونگی ہے۔سریک یا اڈیسن زبان ان عیسائی آرمیا والوں کی زبان تھی۔جن کا دارالسلطنت پانچویں چھٹی صدی مسیحی

❶ ۷/ الانعام:۹۲۔

میں اڈیسہ تھا۔مگر اس نوزائیدہ بچہ کو زیادہ عمر نصیب نہ ہوئی۔

المختصر عربی ہی ایک ایسی واحد اور وحید زبان رہ جاتی ہے جو سام علیہ السلام کی تعلیم کردہ زبانوں سے زندہ و توانا موجود ہے اور شام اور عراق و مصر اور فلسطین اور مراکو اور تیونس اب تک اس کے زیر نگیں ہیں اور آکسفورڈ سے برازیل تک اس کی سیر گاہیں ہیں۔

سامی زبانیں

جو مماثلت اور مشابہت اور تعلق باہمی اپنے اندر رکھتی ہیں، وہ یہ ہیں:۔

الف:۔ سہ حرفی مصادر کا پایا جانا۔

ب: اسم اور فعل کے قاعدوں میں مشابہت۔

ج: اسمائے ضمائر اور فعل کے درمیان باہمی تعلقات۔

د: تراکیب نحوی میں مشابہت۔

ھ: فعل لازم ومتعدی کے طریقے۔

اب جو کوئی شخص عربیت میں مہارت رکھتا، صرف ونحو عربی کو بخوبی جانتا۔ اور علم وادب کا دانا ہے اسے بخوبی معلوم ہے کہ ان جملہ امور میں زبان عربی کیسی مکمل مستقل اور ہمہ گیر ہے اور یہی اوصاف ظاہر کرتے ہیں کہ زبان عربی ہی ان تمام السنہ کی ماں ہے جو طوفان کے بعد کسی متمدن حصہ عالم پر بھی پائی گئی تھیں، جیسا کہ حضرت سام ان ممالک کے جملہ باشندہ اقوام کے پدر بزرگوار ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام

۷۵ سال کے تھے جب خدا کے حکم سے اپنی زاد بوم اور باپ کے وطن سے نکلے اور کنعان بن حام کے علاقہ میں پہنچے۔ سری زوجہ اور لوط برادر زادہ ساتھ تھے۔ اللہ نے وعدہ کیا کہ یہی ملک ان کی اولاد کو دیا جائے گا۔ پھر وہ مصر گئے۔ فرعون نے سیدہ سری کو حسین سمجھ کر اپنے لیے لے لیا اور اللہ کا قہر اس پر ظاہر ہوا۔ فرعون نے سیدہ سری کو واپس کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر کنعان واپس آئے، تب لوط ان سے جدا ہو کر دریائے یرون کی ترائی کی طرف چلے گئے۔ وہ شہر صدوم میں آباد ہوئے کچھ عرصہ کے بعد کدر لاعمر شاہ عیلام نے اپنے تین اتحادی بادشاہوں کے ساتھ صدوم اور اسکے چار اتحادی بادشاہوں سے جنگ کی اور جنگ میں فتح یاب ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کو بھی مع ان کے مال ومتاع کے اسیر کر کے لے گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اطلاع ہوئی تو انہوں نے حوبہ تک جو دمشق کے بائیں ہاتھ ہے ان کا تعاقب کیا اور لوط علیہ السلام کو مع سب اسیروں کے چھڑا لیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔

ان کی واپسی پر صدوم کا بادشاہ اور سالم کا بادشاہ صدق [1] جو خدا کا کاہن تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غنیمت کا دسواں حصہ ملک صدق کو دیا اور باقی سب مال بادشاہ صدوم کو واپس کر دیا خود مال غنیمت سے کچھ نہ لیا۔ البتہ اقوام انیر واسکال اور ہمری کے جو جنگجو لوگ ساتھ تھے ان کو حصہ عطا کیا۔

---

[1] ملک صدق کے متعلق عیسائیوں کا عجیب اعتقاد ہے پولوس عبرانیوں کا خط باب ۷ میں لکھتا ہے کہ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا اخیر ہمیشہ کاہن ہی رہتا ہے۔ عیسائی اسے ازلی ابدی اور بے نسب نامہ ہونے میں خدا کے مشابہ بتاتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب پیدا ہوئے، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی۔ ❶ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ سال کی ہوئی۔ تب اللہ نے اُن سے رُؤیا میں فرمایا کہ وہ ہر ایک بچہ کا جب وہ ۸ دن کا ہو ختنہ کیا کریں اور یہ ابدی نشان خدا کے عہد کا اس کی نسل میں ہوگا۔ ❷

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۹۹ سال کے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ۱۳ سال کے جب ان کا ختنہ ہوا۔ یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام قادس اور سور میں ٹھہرے اور جرار میں قیام کیا۔ جرار کے بادشاہ ابی ملک شاہِ جرار نے حضرت سارہ کو اپنے قبضہ میں کیا، مگر خدائے عزوجل کی طرف سے آگاہ ہو کر سارہ کو پھیر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو سال کے تھے جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر ابی ملک شاہِ جرار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے معاہدہ اتحاد کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دیر تک فلسطینیوں کے ملک میں رہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحٰق کی شادی ربقہ بنت متیوایل بن نخور (برادر حقیقی حضرت ابراہیم) سے کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۱۷۵ سال کے بعد انتقال فرمایا۔ ❸

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد بھی ہے اور ابوالانبیاء بھی، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد انہی کی نسلِ پاک سے نبی ہوتے رہے، ان کی ذریت سے باہر پھر کوئی نبی نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ ❹

''ہم نے نبوت اور کتاب کو ابراہیم علیہ السلام ہی کی ذریت میں کر دیا۔''

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب عمود عالم اور آدم ثالث بھی ہے ان کے احوال مبارکہ آئندہ ابواب میں مذکور ہیں۔

ام المسلمین ❺ ہاجرہ علیہا السلام

سیدہ ہاجرہ بڑے درجے کی خاتون تھیں۔

(۱) کبیرۂ مصر

(۲) زوجہ خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام

(۳) محدّثہ ملائک ❻

(۴) والدۂ اسمٰعیل علیہ السلام

(۵) اُمّ العرب المستعربہ

---

❶ صحیح بخاری عن ابن عباس، کتاب الانبیاء میں ۸۰ سال۔ ❷ کتاب پیدائش ۹ تا ۱۵/۱۷۔

❸ ۱۳۔ س ۸/ ۲۵ وہ مکفیہ کے مغارہ میں جو ممرے کے آگے ہے۔ دفن کئے گئے۔ ❹ ۲۹/ العنکبوت:۲۷۔

❺ سورۂ حج میں ہے ﴿ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (۲۲/ الحج:۷۸) اس آیت سے ''ام المسلمین'' کا لقب حضرت ہاجرہ کے لیے استنباط کیا گیا ہے۔ ❻ محدّث بفتح دال اسے کہتے ہیں جس سے فرشتے باتیں کریں۔ حضرت ہاجرہ کے پاس ملائک کا آنا، باتیں کرنا، توراۃ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اس لیے ان کو محدثہ لکھا گیا ہے۔

(۶) بانیہ بلدۃ الامین مکہ معظمہ

(۷) جدۃ النبی ﷺ ہیں

ان کا نام عبرانی میں (ہاغار) ہے اور جب فرعون مصر نے سیدہ سارہ کی کرامت کو دیکھ کر ہاجرہ کو سارہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ تب ان کا نام آجر ٹھہرا، یعنی یہ اس مصیبت کا اجر ہیں جو سارہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ کے ظلم سے اٹھانی پڑی۔ پھر جب انہوں نے ہجرت الی اللہ کی اور آ کر مکہ میں اس لیے آباد ہوئیں کہ ان کی اولاد بیت اللہ الحرام کی آبادی اور توحید کی منادی کرے، تب ان کا نام ہاجرہ ٹھہرا۔ [1]

سیدہ ہاجرہ کو سیدہ سارہ نے خود ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دیا تھا۔ (حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال کی تھی) جب اللہ نے ان کو فرزند نرینہ کے دیدار سے مسرور فرمایا۔ یہ مولود مسعود شکم مادر ہی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے سامنے آ کر سیدہ ہاجرہ کو بشارت دی کہ وہ بیٹا جنے گی اور اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ [2] نیز بتا دیا کہ ان کی اولاد کثرت سے گنی نہ جائے گی۔ [3]

رب العالمین کو منظور تھا کہ بنو اسمٰعیل کو ایک مستقل شاندار قوم بنائے اس کی تقریب یہ ہوگئی کہ ہاجرہ کے حاملہ ہوتے ہی سارہ کی محبت اس سے جاتی رہی اور یہ سمجھ کر کہ اب ہاجرہ اسے حقیر سمجھتی ہے خود اس کی تحقیر کرنے لگی اور زور دیا کہ ہاجرہ کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو بنو اسمٰعیل سے اپنے گھر کی خدمت کا لینا منظور تھا۔ یہ مصلحت ابراہیم کو وحی ربانی نے سمجھا دی اور انہوں نے خوشی خوشی پہلوٹے بیٹے اور پیاری بیوی کو اس سنسان، بیابان میں آباد کیا، جہاں اب مکہ معظمہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ [4]

''اے رب میں اپنے کنبہ کا ایک حصہ اس وادی میں جہاں کوئی روئیدگی نہیں آباد کرتا ہوں کہ یہ تیرے حرمت والے گھر کے پاس رہیں اور دنیا کے لیے نماز کو قائم کریں۔''

صحیح بخاری [5] میں ہے: لَیْسَ یَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ أَحَدٌ وَّلَیْسَ بِهَا مَآءٌ۔ ''مکہ میں اس وقت نہ کوئی جاندار تھا اور نہ پانی تھا۔'' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو یہاں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو بیوی اور شوہر میں باتیں ہوئیں۔ إِلٰی مَنْ تَتْرُكُنَا؟ قَالَ: إِلَى اللّٰهِ. قَالَتْ: رَضِیْتُ بِاللّٰهِ۔ [6]

حضرت ہاجرہ:۔ ہم کو کس کے پاس چھوڑ چلے؟ حضرت ابراہیم:۔ خدا کے پاس۔ حضرت ہاجرہ:۔ میں خدا پر راضی ہوں۔ توراۃ کی کتاب پیدائش میں ہے کہ جب ہاجرہ کے پاس پانی ختم ہوگیا اور اسمٰعیل پیاس سے مرنے کے قریب ہوگئے تب اللہ کا فرشتہ پھر ہاجرہ خاتون سے ہم کلام ہوا اور ان کو اسمٰعیل کی نسل کی کثرت و عظمت کی بشارت سنائی اور ان کے لیے ایک کنواں بھی ظاہر ہوگیا۔ [7]

---

[1] یسعیاہ نبی کی کتاب ۵۴ باب کے درس اول میں حضرت ہاجرہ کی بابت یہ الفاظ ہیں: ''بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد خصم والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔'' الفاظ ''بے کس چھوڑی ہوئی۔'' ترجمہ ہے ہاجرہ کا اور اس درس میں ہاجرہ و سارہ کا مذکور ہے۔ [2] پیدائش، ۱۰/۴۰۔ [3] پیدائش، ۱۱۔۱۰۔۱۱۰۔

[4] ۱٤/ ابراهیم: ۳۷۔ [5] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب یزفون، حدیث: ۳۳٦٤۔

[6] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب یزفون، حدیث: ۳۳٦٥۔ [7] باب ۲۱ درس ۱۵ تا ۱۹ کتاب پیدائش۔

صحیح بخاری (کی اسی روایت) میں ہے:

فَإِذَا هِيَ بِصَوْتٍ فَقَالَتْ: أَغِثْ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ فَإِذَا جِبْرِيْلُ وَغَمَزَ عَقِبَهُ عَلَى الْأَرْضِ فَانْبَثَقَ الْمَاءُ۔

''ہاجرہ نے ایک آواز سنی تو انہوں نے کہا کہ اگر تجھ سے کچھ فائدہ ہوسکتا ہے تو پانی لاؤ۔ جبریل آ گئے انہوں نے زمین پر ایڑی کو مارا اور زمین سے پانی پھوٹ پڑا۔''

صحیح بخاری اور توراۃ کی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاجرہ علیہا السلام کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر بلند تھا کہ کبھی فرشتہ سامنے آ کر ان سے بات کرتا اور کبھی آسمان سے پکار کر ان کو خطاب کرتا۔ نیز ان کی کرامت کے لیے کنواں غیب سے ظاہر ہو گیا تھا۔

افسوس ہے کہ اہل کتاب ان فضائل سے آنکھیں بند کر لیتے اور سیدہ ہاجرہ کے درجہ کو گھٹانے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ ''لونڈی'' تھیں۔

مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ اس امر میں متفق ہیں کہ فرعونِ مصر نے حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت کے لیے دیا تھا۔

صحیح بخاری کتاب الھبۃ میں ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((هَاجَرَ إِبْرَاهِيْمُ بِسَارَةَ فَأَعْطُوْهَا آجَرَ فَرَجَعَتْ فَقَالَتْ: أَشَعَرْتَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ كَبَتَ الْكَافِرَ وَأَخْدَمَ وَلِيْدَةً)) [1]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم و سارہ ہجرت کر کے گئے تھے وہاں سارہ کو ہاجرہ ہبہ میں ملی اور سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آ کر کہا، آپ کو خبر ہے کہ اللہ نے کافر کو ذلیل کیا اور ہم کو ایک لڑکی خدمت کے لیے ملی۔''

وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ۔

''ابن سیرین نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ شاہ مصر نے ہاجرہ کو خدمت کے لیے دیا تھا۔'' [2]

مسلمانوں کی روایت یا بیان سے یہ سمجھنا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام لونڈی تھیں بالکل ہی بعید ہے اہل کتاب کے مزید اطمینان کے لیے ہم کچھ اور زیادہ تحریر کرتے ہیں۔

یہودیوں کے زبردست مفسر توراۃ ربی شلومو اسحٰق نے باب ۱۶ کتاب پیدائش کی تفسیر میں حضرت ہاجرہ کی بابت مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں: بـث برعه هابئا کشر انسیم شغسوا ساره امموا طاب شتّها بتّی شفحه بیت زه ولو کبیره

---

[1] حدیث شریف کا لفظ فاخدمھا عبرانی لفظ شفحہ کا مترادف ہے۔ یہ لفظ ہاجرہ خاتون کے والد نے استعمال کیا تھا شفحہ کا ترجمہ خادمہ ہے۔

[2] بخاری، کتاب الھبۃ، باب اذا قال اخدم متك هذه الجارية، حديث: ٢٦٣٥۔

بیت اخیر [1] وہ فرعون کی بیٹی تھی جب اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ واقع ہوئی تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس کے گھر میں خادمہ ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔

اس شہادت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ا۔ ہاجرہ شاہِ مصر کی دختر تھیں اور ۲۔ شاہِ مصر پر حضرت سارہ کی عظمت اس قدر طاری ہو گئی تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کو بطورِ خادمہ ان کے ساتھ کر دینا اپنے اور اپنے خاندان کے لیے فخر وعزت کا باعث سمجھا۔

مبارک ہے سارہ خاتون جس کی خدمت کو بادشاہ کی بیٹی نے اپنی عزت جانا۔ مبارک ہے۔ ہاجرہ خاتون جس کی تربیت ابتدائے عمر ہی سے خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے گھر میں ہوئی۔

ربی شلومو مفسّر توراۃ کی مندرجہ بالا شہادت کے بعد کسی تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن اس شہادت کی توثیق میں ہم اس قدر ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان میں لونڈی غلام کی مختلف حالتوں کے لیے مختلف الفاظ موجود ہیں۔

(۱) وہ لونڈی غلام جو جنگ میں بطور مالِ غنیمت حاصل ہوتے ہیں ان کو ''شیبوت حرب'' بولا جاتا ہے۔

(۲) وہ لونڈی غلام جو روپیہ سے خرید کیے جاتے ہیں، ان کو ''مقنت کسف'' بولا جاتا ہے۔

(۳) ایسے بچے جو لونڈی یا غلام سے پیدا ہوئے ہوں، ان کو ''یلید بایث'' بولا جاتا ہے۔

اب تمام توراۃ کو دیکھ جاؤ کہ ہر سہ الفاظ بالا میں سے کوئی لفظ بھی حضرت ہاجرہ کے متعلق ساری عبرانی کتاب میں مستعمل نہیں ہوا۔

ہم اقرار کرتے ہیں کہ توراۃ میں حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ نے (امہ) کہا ہے اور عبرانی لفظ عربی لفظ ''امۃ'' کا ہم معنی ہے، جس کا ترجمہ ''لونڈی'' بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ بالکل ہی کم فہمی ہو گی کہ ایک سوت (سوکن) نے اپنی سوت (سوکن) کو کچھ رنج اور غصہ میں کہہ دیا ہو اسے حقیقی معنی میں صحیح ہی تصور کر لیا جائے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ فرعونِ مصر نے حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت کے لیے دیا تھا۔ ممکن ہے کہ ہمارے دوست اسی اقرار کو حضرت ہاجرہ کے لونڈی ہونے کی قطعی دلیل بتائیں، لہٰذا مناسب ہے کہ وہ اول کتاب پیدائش کے ۳۰ باب کو پڑھ جائیں۔

ا: حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیوی مسماۃ لیاہ کی لونڈی کا نام زِلفہ ہے اور مسماۃ زلفہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندان مسمی جدو مسمی آشر کی والدہ ہے۔

۲: حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیوی مسماۃ راحیل کی لونڈی کا نام بلہہ ہے اور مسماۃ بلہہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندان مسمی دان و مسمی نفتالی کی والدہ ہے۔

یہ چاروں فرزند یعنی جد و آشر و دان و نفتالی۔ اسرائیل کے ان بارہ فرزندوں میں سے ہیں، جن کو یعقوب و موسیٰ و داؤد و عیسیٰ علیہم السلام نے وقتاً فوقتاً برکتیں دی ہیں اور توراۃ کی کسی ایک جگہ میں بھی ان چاروں کو باقی آٹھ کے مقابلہ میں کمتر نہیں بتایا گیا یا ''لونڈی بچہ'' نہیں کہا گیا۔

---

[1] براہین باہرہ فی حریۃ ہاجرہ۔ مولوی غلام رسول چڑیا کوٹی۔

زلفہ اور بلہہ کے ذکر کو جانے دو، خود لیاہ اور راخل کی بابت غور کرو جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں کی لڑکیاں اور بقول توراۃ حضرت یعقوب علیہ السلام کی جورو ئیں (بیویاں) ہیں۔ یہ دونوں اپنے لونڈی ہونے کا اقرار اس طرح کرتی ہیں:

''راخل اور لیاہ نے جواب میں اس سے کہا کہ کیا ہنوز ہمارے باپ کے گھر میں کچھ ہمارا حصہ ہے اور میراث ہے؟

کیا ہم اس کے آگے بیگانہ نہیں ٹھہریں کہ اس نے تو ہمیں بیچ ڈالا اور ہمارا مال بھی کھا بیٹھا۔'' [1]

راخل اور لیاہ وہی خواتین ہیں، جن کے فرزند موسیٰ و داؤد علیہما السلام ہیں اور یہ دونوں خود اپنی زبان سے ''زرخرید'' ہونے کا اقرار کرتی ہیں کیا اس کے بعد بھی اہل کتاب کو کوئی حق حضرت ہاجرہ کی شان میں زبان کھولنے کا رہ جاتا ہے، حالانکہ ان کے متعلق ایسا کوئی لفظ توراۃ میں موجود نہیں۔

اہل کتاب یہ بھی غور کریں کہ انہوں نے مصر کی شہزادی کو تو صرف اس لیے لونڈی بنایا کہ اس کے باپ نے اسے خاندان نبوت کی خدمت کے لیے چھوڑا تھا لیکن یوسف کی بابت کیا کہیں گے جن کو مصر میں مدیانیون نے فوطیفار کے ہاتھ بیچا تھا۔ [2] اس کے بعد ہی کتاب پیدائش کے ''۳۹ باب کے ۷ درس کو پڑھو'' اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی۔،، پھر باب بالا کے ۱۹/۲۰ درس کو پڑھو'' جب اس کے آقا نے ایسی باتیں جو اس کی جورو نے کہیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے یوں کہا، سنیں تو اس کا غضب اس پر بھڑکا اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا۔'' ان ہر سہ حوالہ جات میں فوطیفار کو یوسف کا آقا بتایا گیا ہے اور درس ۱۹ میں ہے۔ ''کہ فوطیفار کی عورت نے یوسف کو غلام کہا تھا۔'' کیا ان الفاظ کے استعمال سے فی الواقع یوسف علیہ السلام غلام ہی بن گئے تھے؟ اگر یہ صحیح ہے کہ فوطیفار کے خرید لینے سے حضرت یوسف علیہ السلام فی الواقع غلام نہیں ٹھہرے تو یہ بھی صحیح ہے کہ سارہ کے ساتھ آنے سے ہاجرہ فی الواقع لونڈی نہیں بن گئی تھیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ سارہ کے کہہ دینے سے بھی ہاجرہ فی الواقع لونڈی نہیں ٹھہری تھیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالك۔

جو لوگ عربی روایات کو پڑھتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں ولید، جاریہ، امۃ کے الفاظ دختر کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں اور لونڈی کے لیے بھی اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ اسلام لونڈیوں کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتا ہے جو لڑکیوں اور دختروں کے لیے اصل لغت میں وضع ہوئے ہیں، اس لیے کسی ایسے لفظ کو اگر ہاجرہ خاتون کے لیے مستعمل شدہ دیکھیں تو یہ نہیں خیال کر لینا چاہیے کہ اس سے حضرت ہاجرہ کا فی الواقع لونڈی ہونا ثابت ہوتا ہے، بلکہ ان کو صحیح بخاری کے الفاظ جو نبی ﷺ کی زبان مبارک کے الفاظ ہیں۔ یاد رکھنے چاہئیں اور وہ الفاظ فَأَخْدَمَهَا ہیں، خدمت کرنے سے کوئی کسی کا غلام نہیں ہو جاتا حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے دس سال تک نبی ﷺ کی خدمت کی تھی، لیکن کوئی شخص بھی ان کو غلام نہیں جانتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ننھیال سے واپس آ کر جب اپنے بھائی عیسو کے لیے کچھ تحفے بھیجے تھے تو اپنے ملازمین کو سکھا دیا تھا۔ کہ عیسو سے ان الفاظ میں گفتگو کریں تیرے غلام یعقوب نے یہ تحفے بھیجے ہیں تیرا غلام یعقوب خود بھی پیچھے آ رہا ہے۔ غور کرو کہ ان الفاظ کے بعد بھی کوئی عیسائی یعقوب کو عیسو کا غلام و چاکر نہیں سمجھتا۔ [3]

---

[1] کتاب پیدائش ۳۱، باب ۱۴ ـ ۱۵ درس۔ [2] پیدائش ۳۷ـ ۳۶۔ [3] پیدائش باب ۳۲۔ درس ۱۸ـ ۲۰۔

دہلی کے شریف گھرانوں میں بچی کو لونڈیا کہہ کر بلاتے ہیں، لیکن اس سے کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ وہ لڑکی بیٹی نہیں لونڈی ہے۔
ان اشارات کے بعد امید ہے کہ کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام

آپ خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹے فرزند ہیں، جو ہاجرہ خاتون کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے (اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال کی تھی)۔ باپ نے ان کا نام اسمٰعیل رکھا۔ ❶ جو سمیع اللہ کا ہم معنی ہے۔ یہ معنی توراۃ کی کتاب پیدائش میں بھی اسی طرح بیان کئے گئے ہیں۔ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی۔ ❷ ان کا ختنہ اسی روز کیا گیا جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کیا تھا، کیونکہ اسی روز یہ حکم ہوا تھا کہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تو اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت میرے عہد کو نگاہ میں رکھیں اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے، جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزندِ نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔ ❸ پس اسمٰعیل علیہ السلام وہ فرزند ہیں جو عہد کا حکم نازل ہونے کے بعد پہلے ہی روز خدائے برتر کے عہد میں داخل ہوئے اور فرزندِ عہد ٹھہرے۔

افسوس! کہ عیسائی ایسے مبارک مولود کو عہد کا فرزند تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ آباد کیا تھا۔ جہاں اب شہر مکہ بستا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام ہی نے خانہ کعبہ کی عمارت تیار کی تھی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ﴾ ❹

''جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے۔''

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ بنو جرہم ❺ کے سردار مسمی مضاض کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ بنو جرہم عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا اور مضاض اپنے علاقے کا واحد فرمان روا تھا ایسے اعلیٰ خاندان کی بیٹی کا رشتہ مل جانے کی وجہ صرف سیدہ ہاجرہ کی ذاتی کرامات اور خاندانی فضیلت تھی، جو عرب جیسی تجارت پیشہ قوم سے جو ہر سال موسم سرما میں مصر جایا کرتے تھے مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ ❻

توراۃ میں ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی مصر میں کی تھی، ممکن ہے کہ کوئی مصری عورت بھی ہو، مگر یہ محقق ہے کہ اولاد جرہمی عرب بیوی سے ہوئی۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی وہ بزرگ ہیں جن کو ذبیح اللہ کا لقب حاصل ہوا۔ اہل کتاب کا دعویٰ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور جمہور مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ مسلمانوں کا حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے سے انکار معاذ اللہ اس بنیاد پر نہیں جس بنیاد پر اہل کتاب کا ہے۔ اہل کتاب اسمٰعیل علیہ السلام کی ہر ایک فضیلت سے انکار کرنے کو لازمۂ مذہب سمجھتے

---

❶ پیدائش: ۱٦، ۱۵، ۱٦۔ ❷ پیدائش: ۲۱، ۱۷۔
❸ پیدائش: ۱۰، ۱۰۔ ❹ ۲/ البقرۃ: ۱۲۷۔
❺ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: فَمَرَّ نَاسٌ مِنْ جُرْهُمَ ... فَنَكَحَ فِيهِمِ امْرَأَةً ... بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب یزفون، حدیث: ۳۳٦۵۔ ❻ حضرت یوسف کو عرب ہی کا ایک قافلہ مصر لے گیا تھا۔

ہیں۔لیکن مسلمانوں کے لیے حضرت اسمٰعیل وحضرت اسحٰق علیہما السلام دونوں برابر ہیں چچا کو صِنوُ اَب حدیث ❶ ہی میں فرمایا گیا ہے، اس سے بھی عام تر یہ بات ہے کہ ہم ہر ایک نبی پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری سمجھتے ہیں جیسا کہ خود اپنے نبی ﷺ پر۔اس لیے یہ کسی مسلمان سے کیوں کر ہوسکتا ہے کہ کسی نبی اللہ کی فضیلت کا انکار محض حسد، حد وعناد سے کرے۔نعوذ باللّٰہ من ذالك۔

چنانچہ جن معدودے چند مسلمان عالموں کے نزدیک حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت ہوتا تھا۔انہوں نے آزادی سے اپنے مذہب کا اظہار کیا ہے اور متاخرین نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور باایں ہمہ ایسے علما کی ذات پر کسی نے کسی فرومایہ لفظ کا استعمال نہیں کیا۔

بات یہ ہے کہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک یہی امر زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔سب سے بڑی اور سب سے زیادہ سچی شہادت قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ ﴾ ❷

”ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں اپنے اللہ کی طرف جاتا ہوں وہی میری رہنمائی کرے گا۔اے اللہ! مجھے نیک بیٹا عطا کر، تب ہم نے اسے ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی پھر ایسا ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اس لڑکے کو لے کر مقام سعی پر پہنچا اور اسے سنایا کہ بیٹا! میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو غور کر تیری اس میں کیا رائے ہے۔بیٹا بولا اے باپ کر گزر جو تجھے حکم ملا ہے ان شاء اللہ تو مجھے صابر پائے گا۔جب دونوں نے حکم کے سامنے گردن جھکا لی اور بیٹے کو پیشانی کے بل گرایا تو ہم نے کہہ دیا کہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب پورا کر دیا ہم اس طرح احسانات والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں بیشک یہ ایک کھلا کھلا امتحان تھا پھر ہم نے بڑی قربانی کو اس کا فدیہ بنایا اور اس قربانی کو پچھلی نسلوں میں باقی رکھا۔ابراہیم علیہ السلام پر سلام۔ہم احسانات والوں کو اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ہمارے ان بندوں میں سے ہے جو کامل الاعتقاد ہیں اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق کی بشارت دی جو صالح نبیوں میں سے ہے۔“

ان آیات سے وجہ استدلال (۱) یہ ہے کہ ان میں دو فرزندوں کی بشارت کا دو دفعہ ذکر کیا گیا ہے۔اول ایک بردبار لڑکے کی بشارت کا ذکر فرمایا اور اسی ذکر کے ساتھ قربانی کا تمام واقعہ بیان کر دیا۔اس کے ختم ہو جانے کے بعد پھر اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر فرمایا۔اب اگر غلام حلیم وہی اسحٰق ہیں تو بَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ فرمانا اس سارے قصے کے بعد کسی طرح بھی صحیح نہیں رہ سکتا اس کی تائید

❶ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی تقدیم الزکاۃ، حدیث: ۲۲۷۷۔ ❷ ۳۷/ الصّٰفّٰت:۹۹تا۱۱۲۔

سورۂ حجر آیت ۵۳ اور سورۂ ذاریات آیت ۲۸ سے بھی ہوتی ہے جن میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت بغلامٍ علیم فرمائی گئی ہے۔ گویا اسمٰعیل علیہ السلام غلام حلیم تھے اور اسحٰق علیہ السلام غلام علیم تھے اس استدلال کے خاتمہ سے پہلے یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ کتاب پیدائش میں جہاں قربانی فرزند کا حکم ہے وہاں یہ بھی ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر۔ یہ امر توراۃ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ۱۳ سال بعد ہوئی تھی۔ اس لیے یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسحٰق کو اکلوتا نہیں کہہ سکتے۔ جب ان سے بڑا بھائی موجود تھا۔ قرآن مجید میں واقعہ قربانی کے بعد الفاظ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحٰقَ وارد ہوئے ہیں اور ان سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قربانی قبل از ولادت حضرت اسحٰق علیہ السلام وقوع میں آ چکا تھا۔ چونکہ اس وقت اسمٰعیل علیہ السلام ہی واحد پسر اپنے باپ کے تھے اس لیے اکلوتے کی صفت ان ہی پر صادق آتی ہے۔

دوسری وجہ استدلال یہ ہے کہ ''والصافات'' کی آیات بالا نے ایک اندرونی شہادت کو بھی پیش کیا ہے۔ یعنی قربانی عظیم کو جسے پچھلی نسلوں میں ہمیشہ کے لیے جاری رکھا جانا ہے فدیہ ذبیح بنایا گیا تھا۔ اب بنو اسمٰعیل کی قوموں کے حالات اور بنو اسحٰق کی قوموں کے حالات دنیا کے سامنے موجود ہیں۔ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ کس قوم میں ذبح کی یادگار پانچ ہزار سال سے زائد عرصہ سے لگاتار چلی آتی ہے اور کس قوم میں اس یادگار کا کوئی نام ونشان بھی کبھی نہیں پایا گیا ہے۔ ہم اس کے ثبوت میں توراۃ ہی کا ایک مقام پیش کرتے ہیں۔

یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے۔

☆ اونٹنیاں کثرت سے تجھے آ کے چھپالیں گی۔ مدیان اور عیفا کے اونٹ۔ وہ سب جو سبا کے ہیں آئیں گے، وہ سونا اور لوبان لائیں گے اور خداوند کی بشارت سنائیں گے۔

☆ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی نبیت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔'' [1]

مدیان اور عیفا اور سبا بنی قطورہ ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کے برادر زادے جو یمن میں آباد ہوئے (یہ سب بنو اسرائیل نہیں ہیں) قیدار اور نبیت خاص اسمٰعیل علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ ان سب قوموں کا ایک مذبح پر قربانیاں لانا اس مذبح کو اللہ کا اپنے کلام میں اپنا مذبح کہنا اور اس جگہ ایک شوکت کے گھر کا جو لفظ بیت الحرام کا ترجمہ ہے۔ موجود ہونا ایک روشن دلیل اس امر کی ہے کہ یہ قربانی کا مقام خاص مکہ میں تھا، جو اسمٰعیل علیہ السلام کی جائے سکونت ہے اور جس کے گرداگرد ان کی اولاد قیدار اور نبیت کی نسلیں آباد ہوئی ہیں، اس روشن دلیل کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عرب، حجاز و حضرموت کے لیے نبی مبعوث فرمایا تھا اور ان کا وجود مسعود مختلف قوموں اور ملکوں کے اتحاد کا ذریعہ تھا۔ ذرا غور کرو وہ ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹے فرزند ہیں جو عراق میں پیدا ہوئے اور شام میں سکونت فرمائی۔ وہ سیدہ ہاجرہ کے اکلوتے بیٹے ہیں جو مصر میں پیدا ہوئیں اور شوہر کے ساتھ سالہا سال تک فلسطین اور شام رہ کر عرب میں آباد

---

[1] ٦٠ باب ٦۔٧ درس۔

ہوئیں، وہ بنو جرہم کے داماد ہیں جو عرب کا حکمران قبیلہ تھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا مسکن ایسی جگہ ہے، جس کے ایک طرف مصر ہے، جہاں ان کے ننھیال ہیں۔ ایک طرف عراق ہے جہاں ان کے ددھیال ہیں ایک طرف شام ہے جہاں ان کا بھائی اسحٰق علیہ السلام رونق افروز ہے ایک طرف یمن ہے جہاں ان کے بھائی ابنائے قطورہ پھیلے ہوئے ہیں۔ عیسو بن اسحٰق ان کا داماد ہے جو ائلی کے کنارے تک اپنی کثیر اولاد کے ساتھ قابض ہے۔ اب یہ بھی غور کرو کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی ہے اور پدری زبان عبرانی ہے ان کے سسرال خالص عربی زبان کے مالک ہیں۔ انہی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے عربی میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ [1]

ان سب ملکوں میں ان سب زبانوں کے اندر تبلیغ دین اور اشاعتِ توحید کے جو مواقع قدرت ربانیہ نے ان کو عطا کیے تھے یہ بتا رہے ہیں کہ یہی وہ بزرگ ہیں جن کا نام بردار فرزند کل عالم کی ہدایت کے لیے چنا جائے اور اللہ کے کلام اور پھر انسان کی زبان سے اس کا لقب ''رحمۃ للعالمین'' مسلّم ہوا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اہلِ کتاب عموماً حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف جسمانی بیٹا تسلیم کرتے ہیں اور ان کے روحانی مدارج کا انکار کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ تورات پر غور نہ کرنے سے یا توراۃ کا فیصلہ نہ ماننے سے وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اب ہم اہل کتاب اور اہلِ ایمان کی واقفیت کے لیے توراۃ سے اقتباس درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے گا کہ اسمٰعیل علیہ السلام ہر اس فضیلت کے مالک ہیں جو اسحاق علیہ السلام میں پائی جاتی ہے۔

(الف) خدا نے درد وغم کو سنا	ہاجرہ کے ۱۶۔۱۱ کتاب پیدائش سارہ کے ۱۸۔۱۴ کتاب پیدائش
(ب) خدا نے نام رکھا	ہاجرہ کے فرزند اسمٰعیلؑ کا ۱۶۔۱۱ کتاب پیدائش سارہ کے فرزند اسحٰقؑ کا ۱۷۔۱۹ کتاب پیدائش
(ج) خدا نے برکت دی	ہاجرہ کے فرزند اسمٰعیلؑ کو ۱۷۔۲۰ کتاب پیدائش سارہ کے فرزند اسحٰقؑ کو ۱۷۔۱۹ کتاب پیدائش
(د) خدا ساتھ تھا	اسمٰعیلؑ کے ۲۱۔۲۰ کتاب پیدائش اسحٰقؑ کے ۲۶۔۲۴ کتاب پیدائش
(ہ) قوموں اور بادشاہوں کا باپ ہوگا	اسمٰعیلؑ ۲۵۔۱۶ کتاب پیدائش اسحٰقؑ ۱۷۔۶ کتاب پیدائش

وَكَفٰى بِمَا شَهِدَ كِتَابُ اللّٰهِ التَّوْرٰةُ

[1] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب یزفون، حدیث: ۳۳۶۴۔ صحیح بخاری میں ہے تعلّم العربية منهم۔ کتاب الانبیاء۔

تورات اور حدیث میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تیر انداز تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ بنانے کے ارادے سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس مکہ میں پہنچے تو اس وقت تیر کی نبل یعنی لوہے کی کھیار بنا رہے تھے، جس سے ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام صنعتِ حدّادی کے بھی ماہر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی بہو زوجہ اسمٰعیل نے بتایا تھا طَعَامُنَا اللَّحْمُ وَشَرَابُنَا الْمَآءُ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی تمام زیست کو صرف گوشت اور پانی پر پورا کر دیا تھا۔

قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف اس طرح فرمائی گئی ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ ﴾ [1]

''ذکر کر کتاب میں اسمٰعیل علیہ السلام کا وہ وعدہ کا سچا تھا اور رسول و نبی تھا۔ وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ (صدقہ یا پاکیزگی) کا حکم دیا کرتا تھا اور وہ اپنے رب کا پسندیدہ تھا۔''

آیت بالا میں اسمٰعیل علیہ السلام کو وعدہ کا سچا بتلایا گیا ہے۔ ہم کو دوسری آیت سے اس وعدہ کا پتہ لگتا ہے۔ جس کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ﴾ [2]

''ہم نے ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام سے عہد لیا ہے کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔''

پس دونوں آیتوں سے یہ حاصل ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو عہد اسمٰعیل علیہ السلام سے لیا تھا اسے انہوں نے پورا کیا اور عبادت الٰہی کرنے والوں کو اعتقادِ صحیح، اعمالِ صالح، ارکانِ محکم، شرع روشن اور ہدیٰ واضح کی تعلیم فرمائی اور امثال و تفہیم و تبلیغ کے ایسے ایسے نمونے قائم کیے اور باقی چھوڑے جنہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو رضوان الٰہی کے شرف سے مشرف فرما دیا تھا۔

توراۃ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی سکونت شام میں تھی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت عرب میں تھی۔ تاہم دونوں بھائی اکثر ایک ہی جگہ رہ کر شریک رنج و راحت یک دیگر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا جب انتقال ہوا تو ان کو اِن دونوں بھائیوں نے ہی دفن کیا تھا۔ [3] حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کے اندر بھی ایک عجیب مماثلت پائی جاتی ہے۔ یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فرزند دوم قیدار کی نسل میں نورِ نبوت کا ظہور ہوا۔ جیسا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بھی فرزند دوم یعقوب علیہ السلام کی نسل میں یہ سلسلہ پایا گیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فرزند اول نبیت اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند اول عیسو کی نسل اس شرف سے معرّا رہی۔

تورات میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ۱۳۷ [4] سال کی عمر پائی اور تاریخ مکہ میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی والدہ کے پہلو میں مطاف کعبہ کے اندر مدفون ہوئے۔

---

[1] ۱۹/ مریم: ۵۴، ۵۵۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۲۵۔ [3] پیدائش: ۳۵، ۹۔ [4] پیدائش: ۲۵، ۱۷۔

اللہ اکبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ ﴾ ❶

''اے اللہ میں نے اپنے کنبے کو تیری عزت والے گھر کے پاس بسایا ہے۔''

کی تاثیر کہاں تک پہنچی ہے کہ مر کر بھی ان نفوس قدسیہ نے جوار بیت اللہ یعنی ہمسائیگی خانہ الٰہی کو ترک نہیں کیا۔ توراۃ سے ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ ❷ نبایوت، قیدار، ادبئیل، مبسام، دومہ، سمعا، مسا، حدد، تیما، یطور، نفیس، قدمہ، ❸

توراۃ میں ہے کہ وہ اپنی اپنی امتوں کے بارہ ۱۲ رئیس تھے یہ بھی ہے کہ ان کی بستیوں اور قلعوں کے نام بھی ان ہی کے نام پر ہیں۔ ❹

ہم یقین کرتے ہیں کہ جب توراۃ میں یہ الفاظ لکھے گئے تھے اس وقت ابنائے اسمٰعیل علیہ السلام کی بستیاں اور قلعے ان ہی کے نام سے بہت زیادہ مشہور اور زبانِ زدعام تھے، مگر آج ان سب کا نشان صحیح طور پر نہیں ملتا۔ البتہ جن جن کا نشان ملتا ہے۔ وہ سب عرب ہی کے اندر واقع ہیں اور اس طرح توراۃ کے اس فقرہ سے کہ ''اسمٰعیل علیہ السلام فاران کے بیابان میں رہا۔'' ❺ ان کے مقامات کی بھی صحت ہو جاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ فاران عرب میں واقع ہے اور مکہ ہی کا نام فاران ہے۔

''ینبوع'' کے متصل ایک آبادی ملتی ہے جس کا نام ''نبیت'' ہے کہ یہ نبیت ہی کی آبادی ہے اس آبادی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر شہر ''الحضیر'' ہے جس کا تلفظ دال کے مشابہ ہے، اس لیے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ابتدائی نام ''القیدر'' تھا۔

''مبسام'' کے نشانات نجد میں ملتے ہیں:

''دومہ'' شام اور مدینہ کے درمیان موجود ہے اور عرب کے اندر واقع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہاں عیسائیوں کی ریاست تھی اور ''دومۃ الجندل'' کے نام سے یہ شہر مشہور تھا۔

''مسا'' غالباً یمن میں گیا، وہاں موسیٰ نام کی بستیاں موجود ہیں۔

''حدر'' کے نام پر شہر حدیدہ جنوبی عرب میں موجود ہے اور بنو حدر بڑا قبیلہ ہے۔

''تیما'' اس نام کی بستی اب تک موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انہوں نے اہلِ فدک کے ساتھ اطاعتِ اسلام قبول کی تھی۔ یہ مقام فدک کے متصل ہے اور راہ خیبر کے قریب واقع ہے۔

''قیدماہ'' غالباً یمن میں تھا۔ مسعودی نے قوم قدمان کا ذکر کر کے ان کو بنی اسمٰعیل بتایا ہے۔ باقی بستیوں کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہوا۔ ❻ لیکن اس مضمون پر بحث کرنا ہمارے موضوع سے محض بعیدی تعلق رکھتا ہے اور جہاں تک اسمٰعیل علیہ السلام کی زندگی پاک کے مختصر حالات اندراج کے لیے ضروری تھے وہ درج ہو چکے ہیں۔ والحمد للہ۔

---

❶ ١٤/ ابراھیم: ٣٧۔ ❷ پیدائش: ٢٥، ١٣۔ ❸ پیدائش: ٢٥، ١٥۔

❹ پیدائش: ٢٥، ١٦۔ ❺ پیدائش ٢١۔٢١۔ ❻ ملخصاً از خطباتِ احمدیہ۔

عدنان

یہ نبی ﷺ کے اجداد میں اکیسویں پشت میں ہیں۔ ان کا منجانب اللہ محترم ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ بخت نصر نے جب عرب پر پہلا حملہ کیا تب آرمیا، برخیا علیہما السلام نے بخت نصر کو بتا دیا تھا کہ وہ عدنان پر حملہ نہ کرے، دیگر قبائل پر حملہ کرنے کی اسے منجانب اللہ اجازت ہے۔ بخت نصر نے عدنان کو چھوڑ کر دیگر قبائل پر حملہ، نیز ان کو اسیر کر کے لے گیا اور وادی فرات میں لے جا کر آباد کیا۔ انہی لوگوں نے عرب کی سلطنت قدیم انبار کی بنیاد قائم کی تھی۔ ❶

عدنان کے دو بیٹے تھے۔

(۱) معدؔ:۔ جن کا نام عمود نسب نبوی میں آتا ہے۔

(۲) عکؔ:۔ انہوں نے حجاز سے اٹھ کر یمن میں اپنی سلطنت قائم کر لی تھی۔

اس امر کا ثبوت ان کتبات سے ملا ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۸۳۴ء میں حصن الغراب سے ملے تھے۔ ❷

معد

بخت نصر نے جب عرب پر حملہ دوم کیا تو بنو عدنان یمن چلے گئے تھے، مگر حضرت معدؔ کو حضرت یرمیاہؔ اپنے ساتھ شام کو لے گئے تھے، جب عرب سے بخت نصر کا دباؤ اٹھ گیا تب معد بھی عرب میں واپس آ گئے انہوں نے بنو جرہم کے خاندان کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ صرف جرہم بن جلہمہ باقی ہے۔ تب انہوں نے اس کی دختر سے شادی کر لی، جس سے نزارؔ پیدا ہوا۔

فاضل عیسائیوں کی تحقیقات میں حضرت یرمیاہ (ارمیاہ) علیہ السلام کا زمانہ ۵۸۸ سال قبل مسیح ہے۔ چونکہ معد بن عدنان حضرت یرمیاہ کے معاصر و دوست ہیں۔ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اور عدنان کے درمیان ۱۱۵۸ سال کا زمانہ ہے۔

نبی ﷺ سے عدنان تک ۲۱ پشتیں ہیں۔ پس ہر ایک پشت کا اوسط ۵۵ سال نکلا چونکہ یہ شجرہ نہایت صحیح ہے اور حضرت ارمیاہ کے زمانہ کا تعین بھی صحیح ہے اس لیے اس اوسط کی صحت میں شک نہیں۔

سر سید نے اپنی کتاب ''خطبات احمدیہ'' میں ہر جگہ ہر پشت کے لیے ۳۳ سال کا اوسط لیا ہے اور اسی لیے وہ شجرہ کے حصہ دوم میں چند اسماء کے مکرر تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، لیکن جو اوسط اس حصہ اول میں نکلتی ہے وہ اس شک کو مٹا دیتی ہے۔

معد کی اولاد کا شجرہ یہ ہے ❸

معد

نزار ❹	قنص (اولاد قنس کہلائی)

❶ تاریخ العرب از پروفیسر سیڈیو، ص ۲۳۔ ❷ خطبات احمدیہ۔ ❸ طبقات ابن سعد، ج ۱/ ۵۸ ذکر نسب رسول اللہ ﷺ۔

ابن سعد نے معد کے فرزند یہ بھی بتائے ہیں: قناصہ، سنام، عرف، عوف، شك، حيدان، حيدة، عبيدالرماح، جنيد، جناده اور اياد۔

❹ عمود نسب نبوی میں جو نام آتا ہے اسے سب سے پہلے لکھا گیا ہے اور اس کی شکل بنا دی گئی ہے، اس سلسلہ میں یہی طریق سردار عبداللہ تک ملے گا۔

نزار

ان کی کنیت ابوایاد ہے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نسب ان سے ملتا ہے۔

اولاد کا شجرہ یہ ہے

نزار نے اپنی وفات سے پیشتر مُضر کو اونٹ اور سرخ خیمہ اور ربیعہ کو اسپ وسلاح اور ایاد کو بھیڑ بکری اور انمار کو حمار تقسیم کر دیے تھے۔
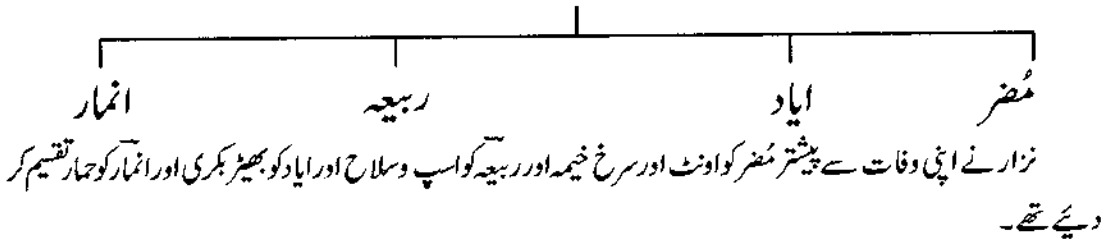
مُضر و ربیعہ کی نسل وسط عرب میں، انمار کی اولاد نجد اور اطراف حجاز میں اور ایاد کی اولاد ثغور و اطراف میں پائی جاتی ہے۔ [1]

مُضَر

اونٹوں کے لیے حدی ان ہی کی ایجاد ہے۔ بنو عدنان میں سے حجاز میں یہی سب سے بڑھ کر صاحب دولت وثروت تھے۔ چونکہ باپ نے تقسیم میں تمام سرخ رنگ کی چیزیں (اونٹ، خیمہ، دینار وغیرہ) ان کی تقسیم میں دی تھیں اس لیے تاریخ میں ان کا نام مضر الحمراء مشہور ہے۔ مُضر دینِ حنیف پر تھا۔

الیاس

ان کی کنیت ابوعمرو تھی۔ جب یہ فوت ہو گئے تو ان کی بیوی نے اتنا غم کیا کہ پھر مدت العمر سایے میں نہ بیٹھی۔ الیاس کو بکسر اول بھی پڑھا گیا ہے اور بفتح اول بھی ان کا لقب کبیر قوم تھا۔ ان کی اولاد کا شجرہ یہ ہے۔

[1] مضر اور ایاد کی والدہ سودہ بنت عک ہے اور ربیعہ و انمار کی والدہ خداللہ بنت دحلان جرہمی ہے (کتاب بکر و تغلب لمحمد بن اسحاق مطبوعہ نخبۃ الاخبار مصر ۱۳۰۵ھ۔
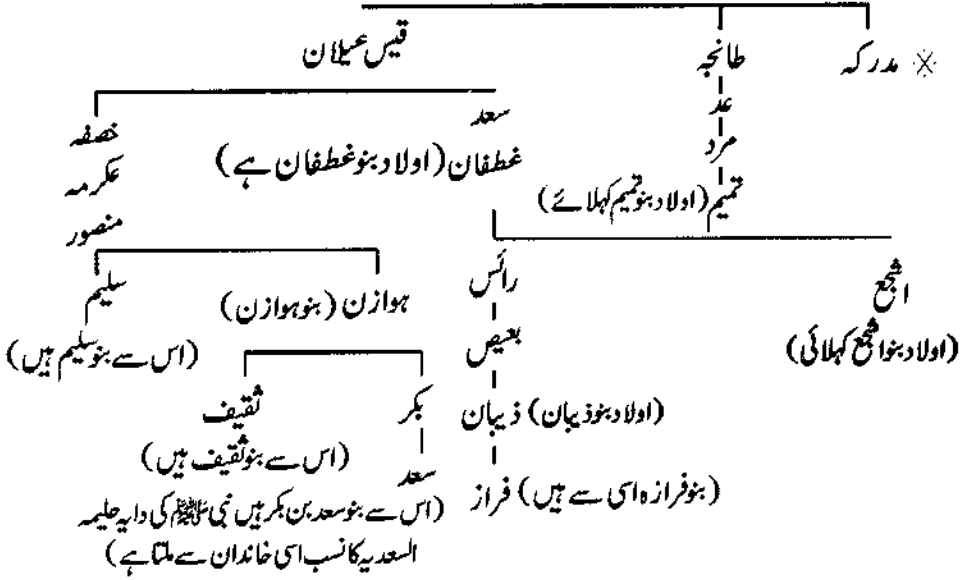
مُدرکہ

مدرکہ کا نام عمرو تھا اور کنیت ابو ہذیل یہ اور ان کے بھائی جنگل میں اونٹوں کی حفاظت پر تھے اونٹ بھاگ گئے، عمرو تعاقب میں دور تک گئے اور اونٹوں کو جالیا۔ چھوٹے بھائی نے اسکی واپسی تک کھانا تیار کر رکھا تھا۔ باپ نے ان کو مدرکہ اور چھوٹے کو طانجہ کا خطاب دیا۔ خطاب اصل نام پر غالب آ گیا۔ اولاد کا شجرہ یہ ہے۔

مدرکہ

خزیمہ ✕	ہذیل (اولاد ہذلی کہلائی)
	عبداللہ بن مسعود (صاحب العلین والوسادہؓ) ہذلی ہیں ان کا نسب گیارہ واسطے سے ہذیل تک پہنچ جاتا ہے

خزیمہ

ان کی کنیت ابوالاسد تھی۔ اولاد کا شجرہ یہ ہے۔
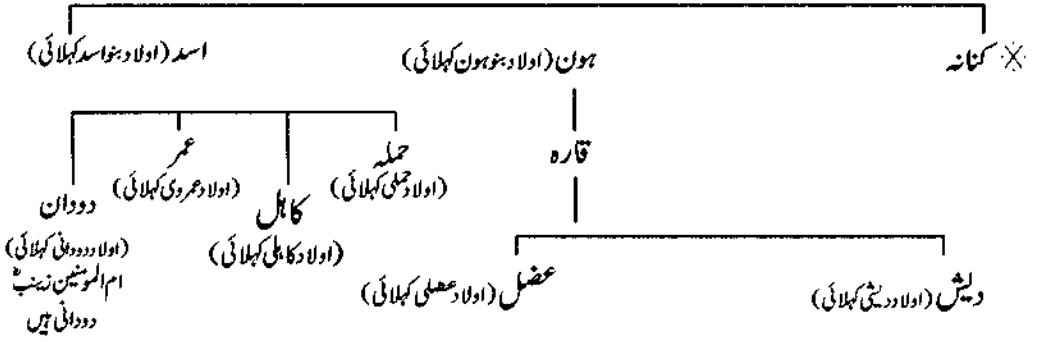
کنانہ

ان کی کنیت ابوالنصر تھی۔

صحیح مسلم کی روایت واثلہ بن الاسقع میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمٰعِيلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ إِسْمٰعِيلَ بَنِيْ كَنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِيْ كَنَانَةَ قُرَيْشًا وَّاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ))

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا۔ اسمٰعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو برگزیدہ کیا۔ بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا۔ قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا۔ بنو ہاشم میں سے مجھے ممتاز فرمایا۔'' [1]

شجرہ اولاد یہ ہے:

کنانہ

- نضر × (اولاد بنونضر کہلائی)
- مالک (اولاد بنوکنانہ کہلائی)
- عبد مناۃ
  - خزیمہ یا مصطلق (بنومصطلق اسکی اولاد ہے)
- عمر (اولاد عمریوں کہلائی)
- احابیش (احابیش اسکی اولاد ہے)
- عامر (اولاد عامریوں کہلائی)

نضر
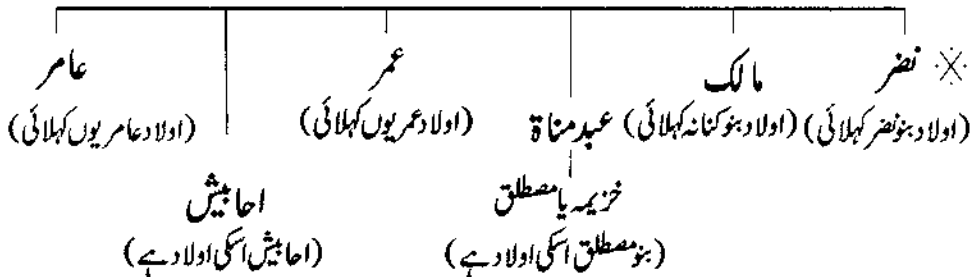
نضر کا نام تو قیس تھا، مگر خوبی حسن و جمال کی وجہ سے عرب ان کو نضر کہتے تھے۔ ان کی کنیت ابو یخلد تھی۔

---

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ، حدیث: ۵۹۳۸؛ ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، حدیث: ۳۶۰۵۔ مسلم میں حدیث مختصر ہے۔

نضر
|
× مالک
(بنو مالک کہلائے)

مالک بن نضر

ان کی کنیت ابوالحارث تھی۔ مالک کا سلسلہ نسل یہ ہے:

مالک

× فہر یا قریش

حرث
(اولاد مطیبین کہلائی)

فہر

ان کے وقت میں حسان حاکم یمن ایک فوج لے کر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو گرا کر اس کا ملبہ یمن لے جائے اور وہاں کعبہ تعمیر کرے، فہر نے مع برادرانِ خود فوج سے مقابلہ کیا۔ حسان کو شکست ہوئی اور گرفتار کیا گیا۔ تین سال تک قید رہا، پھر فہر نے آزاد کر دیا۔ وہ یمن کو واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں مر گیا۔ [1]

اس فتح سے فہر کی عظمت و شوکت کا سکہ عرب میں قائم ہو گیا تھا۔

فہر ہی کا لقب قریش ہے۔ قریش لغت حجاز میں وہیل مچھلی کو کہتے ہیں جو سمندر میں سب سے بڑا جانور ہے۔ فہر اور اولادِ فہر کو اس لیے قریش کہنے لگے کہ وہ بھی عرب بھر میں جملہ قبائل سے طاقت ور اور عظیم الشان تھے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:

وَقُرَيْشُ الَّتِيْ يَسْكُنُ الْبَحْرَ ۔۔۔ بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشَا

سَلَّطَتْ بِالْعُلُوِّ فِيْ لُجَّةِ الْبَحْرِ ۔۔۔ عَلٰى سَاكِنِيْ الْبُحُوْرِ جُيُوْشَا

يَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِيْنَ لَايَتْرُكُ ۔۔۔ فِيْهَا لِذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيْشَا

هٰكَذَا فِي الْأَنَامِ حَيُّ قُرَيْشٍ ۔۔۔ يَأْكُلُوْنَ الْأَنَامَ كَشِيْشَا [2]

سلسلہ اولاد یہ ہے:

فہر

× غالب

محارب
(اس کی اولاد بنو محارب کہلائی)

---

[1] تاریخ کامل لابن اثیر: ۲/ ۲٦ ذکر ابن فہر۔ [2] تاریخ الانساب۔

ان کی کنیت ابوتیم تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

غالب

× لُوی — (ان کی اولاد بنوتیم یا بنوالادرم کہلائی) تیم
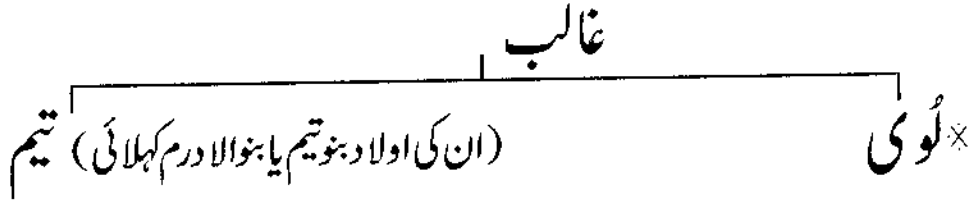
لُوی

ان کی کنیت ابوکعب تھی۔ ان کی اولاد کا شجرہ یہ ہے:

لُوی

× کعب — عوف (انکی اولاد بنوعوف کہلائی) — عامر (اولاد بنوعامر کہلائی) — حرث (اولاد بنوحرث کہلائی)
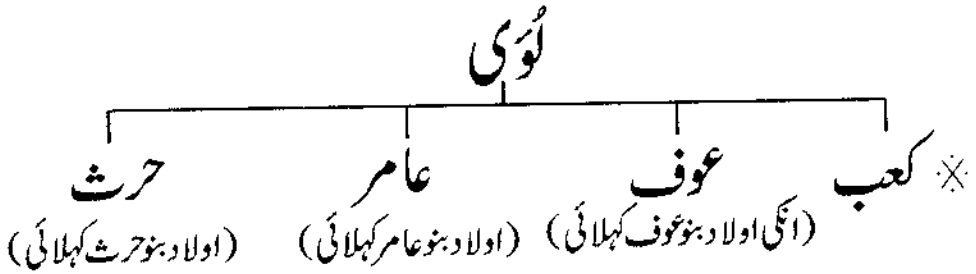
کعب

علوشان اور بلندی جاہ کی وجہ سے کعب کا نام کعب رکھا گیا۔ عرب میں ان کی پیدائش سے سنہ کا شمار ہوتا تھا۔ کعب اپنے اسم کے موافق علوشان اور بلندی جاہ میں مسلّم تھا۔ عرب میں ان کا سن پیدائش جاری ہو گیا تھا۔ یہ سنہ واقعہ فیل تک (تقریباً چار صدیوں تک) جاری رہا ان کی کنیت ابوہصیص ہے۔ اولاد کا شجرہ یہ ہے:

کعب

× مرہ — ہصیص (اولاد بنوہصیص کہلائی) — سہم (اولاد بنوسہم کہلائی) — جمح (اولاد بنوجمح کہلائی) — عدی (اولاد بنوعدی کہلائی)

جراح (امین الامت ابوعبیدہؓ کا سلسلہ نسب ان سے ملتا ہے) — رزاح (عمر فاروقؓ کا نسب ان سے ملتا ہے)
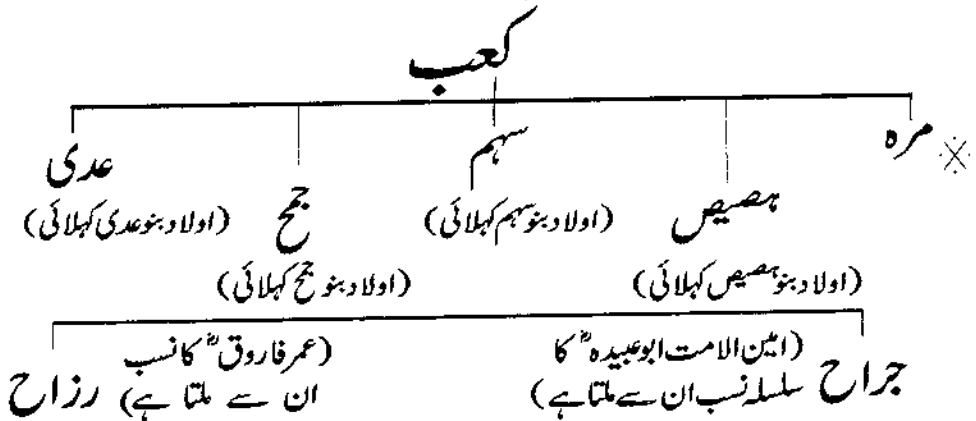
مُرّہ

ان کی کنیت ابویقظہ ہے۔ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چھٹی پشت میں دادا لگتے ہیں۔ اولاد کا شجرہ یہ ہے:

مرہ

مرہ
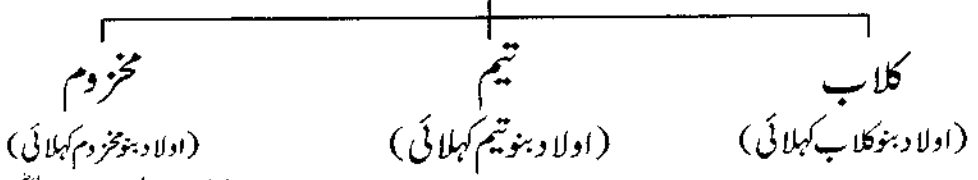
مخزوم	تیم	کلاب
(اولاد بنو مخزوم کہلائی)	(اولاد بنو تیم کہلائی)	(اولاد بنو کلاب کہلائی)
خالد بن ولید سیف اللہؓ اسی شاخ سے ملتے ہیں		

ان کا نام حکیم تھا اور کنیت ابوزہرہ۔ شکاری کتے بہت پال رکھے تھے اس لیے کلاب لقب ہو گیا تھا۔ ایک شاعر ان کی مدح میں کہتا ہے۔

حَكِيْمُ بْنُ مُرَّةَ سَادَ الْوَرٰى ۔۔۔ بِبَذْلِ النَّوَالِ وَكَفِّ الْأَذٰى

أَبَاحَ الْعَشِيْرَةَ أَفْضَالَهُ ۔۔۔ وَجَنَّبَهَا طَارِقَاتِ الرَّدٰى

اولاد کا شجرہ یہ ہے:

کلاب

- قصی (اولاد بنی قصی کہلائی)
- زہرہ (اولاد بنو زہرہ و زہری کہلائی)
  - عبد مناف
    - اہیب — ابو وقاص مالک — سعدؓ (از عشرہ مبشرہ)
    - وہب — سیدہ آمنہ (مادر رسول ﷺ)
  - حارث — عبد — عوف — عبدالرحمٰن (از عشرہ مبشرہ)

قصی
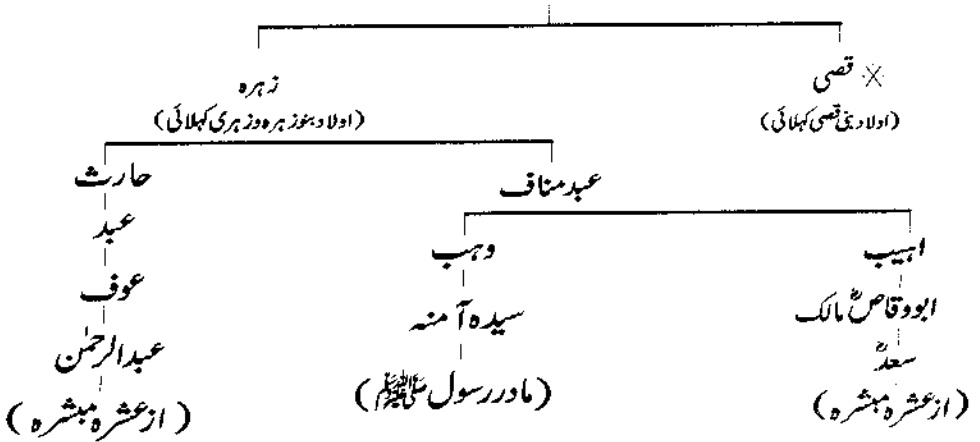
ان کا اصلی نام زید ہے یہ ابھی ماں کی گود میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور ماں نے دوسرا نکاح ربیعہ بن خرام العذری سے کر لیا۔ اس کا قبیلہ شام کی سرحد پر سکونت پذیر تھا۔ قصی نے ماں کے پاس وہیں پرورش پائی جب جوان ہوئے تو واپس مکہ آ گئے۔

زہرہ ان کے بڑے بھائی تھے، ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ قصی کی آواز کو باپ کی آواز سے مشابہ پا کر انہوں نے قصی کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا اور جائیداد تقسیم کر دی۔

ان دنوں مکہ پر بنوخزاعہ کی حکومت تھی۔ حلیل سردار مکہ نے اپنی بیٹی المسماۃ حُبی قصی سے بیاہ دی اور جہیز میں تولیت بیت اللہ

کا حق بیٹی کو عطا کیا اور ابوغبشان کو بیٹی کا وکیل مقرر کر دیا۔ حلیل کے مر جانے کے بعد ابوغبشان نے حق وکالت قصی کے پاس شراب کے ایک مشکیزے کے بدلے فروخت کر دیا اور اس طرح قصی کا قبضہ بیت اللہ پر ہوا۔

بنوخزاعہ نے اس فروخت کو صحیح تسلیم نہ کیا اور قصی کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ دونوں جانب سے لوگ ضائع ہوئے۔ آخر یعمر بن عوف کو فریقین نے اپنا منصف مان لیا۔ یعمر نے فیصلہ کیا کہ

(۱) بنوخزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے ہیں، قصی ان سب کا خون بہا ادا کرے۔

(۲) بنوخزاعہ شہر کی حکومت چھوڑ کر مکہ سے باہر چلے جائیں، آیندہ حکومت قصی کرے۔ اس فیصلہ پر عمل ہوا۔ [1] قصی کی شہر پر حکومت ہو جانے کے بعد قصی نے اولاد فہر کو جا بجا سے طلب کیا اور مکہ میں آباد ہونے کی ترغیب دی۔ اس وقت اولاد فہر کی بارہ شاخیں ہو گئی تھیں۔ قصی کی کوشش سے وہ سب مکہ میں آ بسے اور قریش (اولاد فہر) کی عزت سارے ملک میں مسلم ہو گئی۔

قُصَی کو قصی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ طفولیت میں اپنے وطن سے دور جا پڑے تھے۔ اس کو مجمّع اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے قبائل قریش کو پھر مکہ میں جمع اور فراہم کر لیا تھا۔ شاعر قدیم حذافہ بن غانم کا شعر ہے۔ [2]

قُصَیٌّ لَعَمْرِیْ کَانَ یُدْعٰی مُجْمِعًا ... بِہٖ جَمَعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرِ

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غیر مسلم مورخ قصی کی کامیابی کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا کرتے ہیں اور لکھا کرتے ہیں کہ اسی نے حکومت کو جمہوریت کے اصول پر قائم کیا تھا۔ ان کا مطلب در پردہ یہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تعلیمات کو انہی اصول کی شرح ٹھہرائیں۔

لیکن جو شخص غور کرے گا کہ قصی نے تقسیم ترکہ کے متعلق اپنی اولاد میں کیسے غیر منصفانہ طریق کو اختیار کیا تھا اور اپنے ایک فرزند عبدالدار کو بڑھاتے ہوئے دوسرے فرزندوں کو اس کی غلامی کے لیے چھوڑ دیا تھا اور اسی وجہ سے اس کی اولاد کے اندر وہ مشہور مخالفتیں ہوئی تھیں جو تاریخ میں مذکور ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ قصی ہنوز جمہوریت یا ایثار سے بہت دور تھا۔ قصی کی اولاد کا شجرہ حسب ذیل ہے:

---

[1] حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد بیت اللہ پر بنوجرہم کا قبضہ ہو گیا تھا۔ بنوجرہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسرال تھے صدیوں تک انہی کی حکومت مکہ پر اور قبضہ بیت اللہ پر رہا۔ پھر عمالقہ کا قبضہ ہوا۔ مکرر بنوجرہم نے قبضہ لے لیا جب وہ ظلم کرنے لگے تو عمرو بن لحی خزاعی نے جو بنوجرہم کا ہمشیرزاد تھا۔ ان کو مکہ سے نکال دیا۔ جراہمہ کا ظلم تو جاتا رہا مگر ابن الحی نے ۲۰۷ء میں بت پرستی کو رواج دیا اس نے مصر و شام میں عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا اور سنا تھا کہ ان بتوں کے طفیل سے ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اس لیے وہاں سے ایک بت بھی اٹھا لایا تھا۔ اس کا نام ہبل تھا۔ اس بت کو خانہ کعبہ کے اوپر نصب کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل پر نظر التفات فرمائی تو قصی کے وقت میں خانہ کعبہ کی تولیت قریباً ۴۴۰ء میں ان کو عطا فرمائی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک ترین عہد میں بیت اللہ کو قبلہ ہونے کا درجہ ملا اور سب بت توڑ پھوڑ کر پھینک دیئے گئے۔ (محمد سلیمان)

[2] ابن غانم نے یہ قصیدہ عبدالمطلب کی مدح میں لکھا تھا قصیدہ کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

بَنُوْ شَیْبَۃَ الْحَمْدِ الَّذِیْ کَانَ وَجْھُہٗ ... یُضِیْءُ ظَلَامَ اللَّیْلِ کَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

قُصی

عبدالعزّے	عبدالدار	✕ عبدمناف
اسد (ان کی اولاد اسدی کہلائی)	عثمان بن طلحہ کا سلسلہ نسب عبدالدار سے جاملتا ہے اسی خاندان میں کلید کعبہ چلی آتی ہے عثمان کے فرزند کا نام شیبہ تھا، اس لئے یہ لوگ بنوشیبہ کہلاتے ہیں	
خویلد		

خویلد کی اولاد:

نوفل	خدیجہؓ	عوام
ورقہ (مومن نبوت محمدیہ)	(ام المومنین)	زبیرؓ (یکے از عشرہ مبشرہ)

تخمُر اور برہ قصی کی بیٹیاں ہیں۔ یہ سب بہن بھائی ایک ہی والدہ مُسماۃ حبی کے بطن سے ہیں
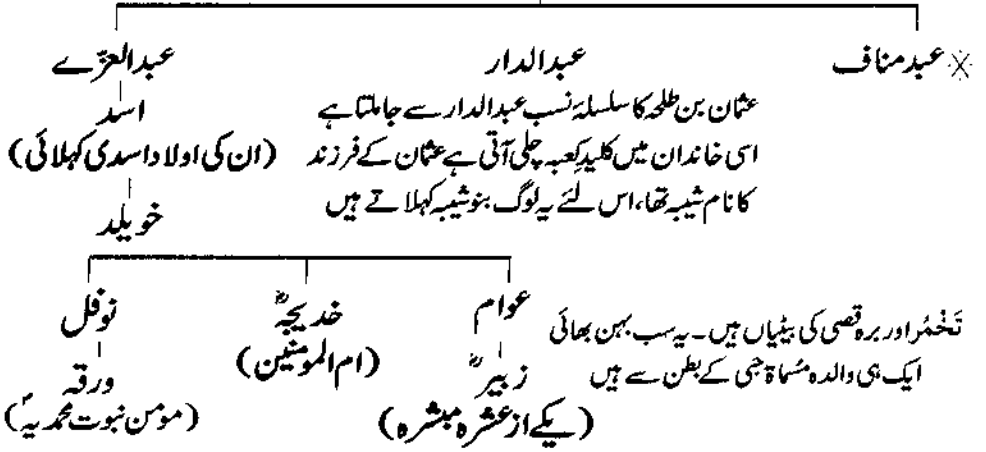
عبدِمناف

اس کا اصلی نام مغیرہ تھا، ماں نے پہلے پہل مناۃ بت پر (جسے مناف بھی کہتے ہیں) بھیجا تھا اس لیے عرف عام میں عبدمناف مشہور ہو گئے۔ حسن و جمال میں ایسے فائق تھے کہ ان کا لقب قمر البطحاء پڑ گیا تھا۔ اپنی سرداری کے عہد میں قریش کو خدا ترسی وحق شناسی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کسی شاعر کے اشعار ذیل پڑھ کر سنائے تھے، ان کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبسم ومسرور ہوئے تھے۔

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُحَوِّلُ رَحْلَتُمْ ۔۔۔ أَلاَ نَزَلْتَ بِآلِ عَبْدِمَنَافِ!

هَبَّتْكَ أُمُّكَ لَوْ نَزَلْتَ بِرَحْلِهِمْ ۔۔۔ مَنَعُوكَ مِنْ عَلاَمٍ وَ مِنْ إِقْرَافِ

الْخَالِطِيْنَ غَنِيَّهُمْ بِفَقِيْرِهِمْ ۔۔۔ حَتّٰى يَعُوْدَ فَقِيْرُهُمْ كَالْكَافِ

او گٹھڑی اٹھا کر جانے والے تو عبدمناف والوں کے ہاں کیوں نہ جا اترا۔ اگر وہاں چلا جاتا تو ناداری وتنگدستی کو دور کر دیتے وہ تو امیر وغریب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں اور فقیر کو مستغنی بنا دیتے ہیں۔

عبدمناف کی اولاد کا شجرہ

دختران	پسران	نام اہلیہ
غاضر، برّہ، حنۃ، ہالہ، قلابہ	مطلب، ہاشم، عبدالشمس	عاتکۃ الکبریٰ بنت مرہ بن ہلال
	نوفل، ابوعمرو، ابوعبیدہ	واقدہ بنت عامر بن عبد
رَیطہ		ثقیفہ

مطلب باپ کے پہلوٹے بیٹے تھے، ان کی اولاد مطلبی کہلاتی ہے ۔ حارث بن مطلب کے تین بیٹے صحابی ہیں۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ ابوالحارث جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ طفیل رضی اللہ عنہ اور حصین رضی اللہ عنہ ہر دو کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو یکے از ائمہ اربعہ ہیں، ان کا نسب نامہ مطلب سے ملتا ہے۔ ہاشم کا ذکر آگے آئے گا۔

عبدالشمس کا بیٹا امیہ ہے، جس کی اولاد بنوامیہ کہلائی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے ہیں۔

نوفل، ان کی اولاد نوفلیوں کہلائی۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا نسب ان سے ملتا ہے نوفل کے قومی احسانات میں سے یہ ہے کہ اس نے ملک عراق میں کھلی تجارت کا فرمان شاہِ قیصر ہرقل سے قوم کے لیے حاصل کیا تھا۔

ابوعمرو، ابوعبیدہ کے حالات سے تاریخ ساکت ہے، حتیٰ کہ اکثر مورخین نے ان کا نام بھی بیان نہیں کیا۔ صحیح بخاری کی روایت عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس خیبر کی تقسیم فرماتے وقت سہم ذی القربیٰ میں سے بنی ہاشم اور بنو مطلب ہی کو حصہ دیا تھا۔ [1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی اسی کے ہم معنی ہے۔ [2]

ابوداوٗد و نسائی کی روایت میں ہے کہ بنونوفل اور بنوامیہ نے بھی اس حصہ میں سے ملنے کی درخواست اس بنیاد پر کی کہ جب بنومطلب کو شامل کر لیا گیا ہے تو ہم کو بھی (کہ ویسا ہی استحقاق رکھتے ہیں) شامل کیا جائے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((إِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ)) [3]

''بنو ہاشم اور بنو مطلب تو ایک ہی چیز ہیں۔ پھر ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ میں ڈال کر فرمایا، اس طرح۔''

واضح ہو کہ امرت اسلام میں تین قسم کی آمدنی تھی: [4]

اوّل:

زکوٰۃ جن کی نسبت سورۂ توبہ میں مدات ذیل کے آٹھ مصارف بتائے گئے ہیں:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ [5]

دوم:

غنیمت، سورۂ انفال میں اس کے مصارف ذیل بتائے گئے:

---

[1] بخاري، كتاب فرض الخمس، باب ومن الدليل على ان الخمس للامام، حديث: ۳۱۴۰۔

[2] كتاب الام، مختصر من كتاب قسم الفيء، ج۵، ص: ۲۵۰، واصول كافی، ۱ ص ۳۵۳، مطبوعہ نول کشور ۱۳۰۲ھ میں بنوعبدالمطلب کو ذوی القربیٰ تحریر کیا گیا۔ [3] ابوداود، كتاب الخراج، باب في بيان مواضع قسم الخمس، حديث: ۲۹۸۰؛ نسائی، كتاب قسم الفيء، حديث: ۴۱۴۲۔ [4] چونکہ حقوق ذوی القربیٰ کے مستحق وغیر مستحق کی بحث اور تفریق اولاد عبد مناف سے پائی جاتی ہے اس لیے اس کی بحث اسی مقام پر موزوں ہے۔ محدثین نے شیٔ کو شی پڑھا، جس کے معنی مساوی ہونے کے ہیں۔ ہاشم اور عبدالشمس میں بھی جھگڑے ہوئے اور نوفل و عبدالمطلب میں بھی جھگڑے ہوئے مگر ہاشم اور مطلب میں کبھی کوئی جھگڑا نہ ہوا۔ مطلب سب سے بڑا تھا۔ ہاشم ان سے چھوٹا، عبدالمطلب کی تربیت مطلب نے کی تھی جب شعب ابی طالب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم محصور ہوئے تب بھی مطلبی ساتھ تھے۔ [5] ۹/ التوبۃ: ۶۰۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ [1]

اس آیت میں چار حصے غانمین کو دے کر پانچویں حصہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں لے لیا۔ فرمایا لِلّٰهِ خُمُسَهٗ پھر اپنی ملکیت میں ان پانچوں کو حق تصرف عطا فرمایا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین، مسافر۔ ان پانچ میں ذی القربی بھی ایک ہیں اور اسی سے خمس الخمس (پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ) کا لفظ نکلا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تقسیم خمس الخمس کا اہتمام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے سپرد فرما دیا تھا۔ صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی یہ اہتمام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد رہا۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف میں ہے: [2]

حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ لَیْلٰی عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنْ رَأَیْتَ أَنْ تُوَلِّیَنِیْ حَقَّنَا مِنَ الْخُمُسِ فَأَقْسِمُهُ فِیْ حَیَاتِكَ كَیْلَا یُنَازِعَنَاهُ أَحَدٌ بَعْدَكَ فَافْعَلْ قَالَ: فَفَعَلَ قَالَ: فَوَلَّانِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَسَمْتُهُ فِیْ حَیَاتِهِ ثُمَّ وَلَّانِیْهِ أَبُوْبَكْرٍ فَقَسَمْتُهُ فِیْ حَیَاتِهِ ثُمَّ وَلَّانِیْهِ عُمَرُ فَقَسَمْتُهُ فِیْ حَیَاتِهِ۔

''ابی لیلیٰ کہتے ہیں میں نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خود سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ہو تو خمس میں جو حصہ ہم ذی القربی کا ہے حضور اپنی زندگی میں مجھے اس کا متولی بنا دیجئے کہ میں تقسیم کرتا رہوں، تاکہ کوئی شخص حضور کے بعد اس میں نزاع نہ کرے۔ آپ نے مان لیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا متولی ٹھہرایا۔ اور میں حضور کی زندگی میں تقسیم کرتا رہا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے ہی متولی ٹھہرایا اور میں انکے عہد میں تقسیم کرتا رہا پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس کا متولی بنایا اور میں ان کی زندگی میں تقسیم کرتا رہا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حصہ منجملہ غنیمت میں سے ایک سال کا کنبہ کا خرچ بقدر گزران رکھ لیتے اور باقی مصالح المسلمین کے لیے عطا فرمایا کرتے تھے۔

ذوی القربیٰ کا حصہ بوجہ قرابت [3] تھا (نہ بوجہ غربت) اس لیے امیر اور غریب سب کو یکساں تقسیم کیا جاتا تھا۔ باقی تین حصص یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل کے تھے۔ یہ حصص جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیے تھے۔ ان میں ایک کا حصہ دوسرے کو نہیں دیا تھا۔

سوم:

فے، فے کی تعریف قرآن مجید کی سورۂ حشر میں ہے اور اسی سورہ کی آیت ۷ میں اس کی تقسیم بھی بیان فرما دی گئی ہے۔ فے کی تعریف میں فرمایا:

---

[1] ۸/ الانفال: ۴۱۔ [2] الخراج، باب قسمة الغنائم، ص: ۲۰۔

[3] عام طور پر شریعت میں حق قرابت بعد وفات کسی قریبی کو ملتا ہے، اس حق کا نام وراثت ہوتا ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اختصاص خاص ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی سے ان کا حق دیا جاتا ہے۔

﴿ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ❶

''وہ علاقہ جس پر کوئی فوجی سوار یا شتر سوار نہ گیا ہو، بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو جس پر چاہا تسلط دے دیا ہو۔''

تقسیم فے

سورۂ حشر میں فرمایا:

﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ ❷

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں سے فے میں دیا۔ وہ اللہ کا اور رسول ﷺ کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔''

پھر اس تقسیم کے متعلق یہ اصول بیان فرمایا ہے: ﴿ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾ ''کہ اغنیاء کے اندر متداول نہ ہوگا۔'' ❸

میں چاہتا ہوں کہ ہر سہ آیات میں بیان شدہ حصص کو ایک نقشہ کی شکل میں ظاہر کر دیا جائے۔ یہ نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

---

❶ ٥٩/ الحشر:٦۔

❷ ٥٩/ الحشر:٧۔

❸ ٥٩/ الحشر:٧۔

نقشہ احکام تقسیم صدقات وغنیمت وفے مع آیات قرآن مجید

حوالہ جات	آیت متعلق صدقات سورہ توبہ آیت ۶۰	آیت متعلق غنیمت سورہ انفال آیت ۴۱	آیت متعلق فے سورہ حشر آیت ۷
۱	اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ		
۲		وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ	مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى
۳		فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ	فَلِلّٰهِ
۴		وَلِلرَّسُوْلِ	وَلِلرَّسُوْلِ
۵		وَلِذِي الْقُرْبٰى	وَلِذِي الْقُرْبٰى
۶		وَالْيَتَامٰى	وَالْيَتَامٰى
۷	وَالْمَسَاكِيْنِ	وَالْمَسَاكِيْنِ	وَالْمَسَاكِيْنِ
۸	وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا		
۹	وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ		
۱۰	وَفِي الرِّقَابِ		
۱۱	وَالْغَارِمِيْنَ		
۱۲	وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ		
۱۳	وَابْنِ السَّبِيْلِ	وَابْنِ السَّبِيْلِ	وَابْنِ السَّبِيْلِ
۱۴			لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ
۱۵			وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ
۱۶			وَالَّذِيْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ
ترجمہ آیات	**صدقات** فقیروں، مسکینوں، عمال، تالیف قلوب، آزادی غلاماں، قرضداروں، براہ خدا اور مسافروں کیلئے	**غنیمت** پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور رسول اور قرابت والوں اور یتامیٰ اور مسکینوں مسافروں کا ہے	**فے** اللہ اور رسول اور قرابت والوں یتامیٰ مساکین مسافروں مہاجروں اور انصار سے فقراء اور ان سے بعد آنے والی نسلوں کیلئے ہے

اس نقشہ کے بنانے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب الفے میں یہ حدیث پڑھی گئی ہے۔ عن مالک بن اوس بن الحدثان قال قرأ عمر بن الخطاب انما الصدقات للفقراء والمساكين حتى بلغ عليم حكيم ۞ هذه لهؤلاء ثم قرأ واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول حتى بلغ وابن السبيل ثم قال هذه لهؤلاء ثم قرأ ما افاء الله على رسوله من اهل القرى حتى بلغ للفقراء ثم قرأ والذين جاؤوا من بعدهم ثم قال هذه استوعبت المسلمين عامة ... حضرت عمر نے انما الصدقات کی آیت علیم حکیم تک پڑھی اور فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے نام آیت میں آ گئے پھر انہوں نے آیت واعلموا انما غنمتم وابن السبیل تک پڑھی اور فرمایا یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے نام آیت میں آ گئے پھر انہوں نے آیت ما افاء اللہ و الذین جاؤا من بعدھم تک پڑھی اور فرمایا اس کے دائرہ میں سب ہی مسلمان آ گئے۔ شرح السنۃ ج ۱۱ / ص ۱۸۸ کتاب السیر و الجہاد باب حکم الفیٔ حدیث ۲۷۴۰۔

نقشہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صدقات کو آٹھ مساوی مدات پر تقسیم فرمایا گیا۔ ان آٹھ میں دو (مساکین و ابن السبیل) تو ایسے ہیں جو غنیمت اور فے میں بھی حصہ دار ہیں۔ باقی چھ وہ ہیں، جن کا حصہ صدقات ہی میں ہے غنیمت و فے میں نہیں، وہ چھ یہ ہیں: فقراء، تحصیل داران صدقات، تالیف قلوب کے مستحقین، آزادی غلاماں، ادائے قرض، مدیونان (مقروض)، فی سبیل اللہ و دیگر امور۔

غنیمت: کو پہلے دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول لشکر کو ۵/۴ کل غنیمت سے دیا۔ دوسرا حصہ جو ۵/۱ تھا اسے اللہ تعالیٰ نے اول اپنی مِلک بنایا اور پھر اس کو پانچ پر مساوی تقسیم فرمایا۔ ان پانچ میں مساکین و ابن السبیل تو مشترک ہیں جو صدقات میں بھی تھے۔ باقی تین سہام (حصے) یہ ہیں: رسول ﷺ، اقربائے رسول، یتامی۔

فے: کو اول خدا تعالیٰ نے اپنی ملکیت بنایا اور پھر اس کی تقسیم مدات مساوی پر فرمائی۔ ان میں پانچ تو وہی ہیں جو آیتِ غنیمت میں ۵/۱ سہم کی تقسیم میں حصہ دار تھے۔ باقی تین جن کے سہام اس میں ہیں۔ وہ یہ ہیں: فقرائے مہاجرین، فقرائے انصار اور ان کے بعد آنے والی نسلیں۔

فے میں بمقابلہ غنیمت یہ شرط بھی زیادہ ہے کہ وہ اغنیاء کو نہ ملے گا۔

﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ﴾ [1]

یہ یاد رکھنا چاہیے:

کہ اسلامی فرقوں میں وراثتِ رسول ﷺ کی بابت جو اختلافات ہیں وہ فے ہی کے متعلق ہیں، اللہ کرے کہ قرآن مجید کا تدبر اس باہمی اختلاف کے رفع کا سبب بن جائے۔ صحیح بخاری کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ تقسیم فے کا اہتمام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سپرد فرما دیا تھا جیسا کہ خمس الخمس کی تقسیم کا اہتمام عہد نبوی و صدیقی و فاروقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے متعلق رہا تھا۔

ہاشم

ان کا نام عمرو ہے اور عمرو العلا کے لقب سے مشہور تھے۔ مطلب، نوفل اور عبد شمس ان کے بھائی تھے اپنے باپ عبد مناف کے بعد ہاشم قوم کے سردار ہوئے۔ ان کے برادر زادہ امیہ بن عبد شمس نے ان کی سرداری کے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ عسقلان کا ایک کاہن منصف ٹھہرایا گیا اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا۔

ہاشم لقب پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے ایک بار سنا کہ مکہ میں آٹا کمیاب ہو رہا ہے اس وقت یہ مالِ تجارت لے کر شام کو گئے ہوئے تھے۔ شام سے لوٹتے ہوئے سب اونٹوں پر روٹیاں اور آٹا لادلائے اور مکہ پہنچ کر دعوت عام کر دی۔ گوشت اور شوربے میں روٹیاں توڑ کر ڈال دی گئیں۔ ہشم ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں اس سے ہاشم نام ہوا۔ اس وقت کے بعد ہر سال موسم حج میں وہ زوارِ کعبہ کو عام دعوت دیا کرتے اور یہی کھانا جسے لغت عرب میں ثرید بھی کہتے ہیں، کھلایا کرتے تھے۔ سردار ہاشم کی زیرکی وحزم کا

---

[1] ۵۹/ الحشر: ۷۔

اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ انہوں نے قیصر سے یہ فرمان حاصل کر لیا تھا کہ قریش کا مال تجارت ملک شام میں بغیر کسی ٹیکس کے داخل ہوتا رہے۔ [1]

امیہ کو اپنے چچا ہاشم سے جو اختلاف شروع ہو گیا تھا وہ آیندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوا۔ ہاشم اور مطلب کی اولاد ایک جانب اور نوفل اور عبد شمس کی اولاد ایک جانب رہا کرتی۔ بیسیوں واقعات ان ہر دو کی منافرت اور عداوت کے مشہور ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وجود باجود کی یہ برکت تھی کہ نسلوں کی عداوتیں جاتی رہی تھیں اور یہ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا کا مصداق سب پر صحیح عائد ہو گیا تھا حضور ﷺ کے بعد ۱۳۲ھ تک بنو امیہ اور بنو عباس میں محاربے ہوتے رہے۔

ہاشم کی اولاد کا نقشہ

نام اہلیہ	پسران	دختران
سلمٰی بنت عمرو بن زید بخاری	شیبہ یعنی عبد المطلب	رقیہ، بچپن میں فوت ہوئی
ہند بنت عمرو بن ثعلبہ الخزرجی	ابا صیفی (صیفا)	//
قیلہ الملقب بہ جزور بنت عامر بن مالک بن جزعہ	اسد	//
امیمہ بنت عدی بن عبد اللہ بن دینار (من قضاعہ)	نضلہ	شفاء
واقدہ بنت ابی عدی (از بنو مازن)		ضعیفہ۔ خالدہ
عدی بنت حبیب (از بنو ثقیف)		حنہ

تاریخ میں اباصیفی، اسد اور نضلہ کے حالات کم ملتے ہیں۔ بنو خزاعہ کے معاہدہ با عبد المطلب کے تذکرہ میں اس قدر پایا جاتا ہے کہ نضلہ کا فرزند ارقم اور ابی صیفی کے فرزندان ضحاک اور عمرو بھی چچا کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک تھے۔ رقیہ بنت ابی صیفی بن ہاشم کے اشعار نبی ﷺ کی مدح میں ہیں۔

مَنًّا مِنَ اللهِ بِالْمَيْمُوْنِ طَائِرُهُ وَخَيْرُ مَنْ بُشِّرَتْ بِهِ مُضَرُ
مُبَارَكُ الْأَمْرِ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِهِ مَافِي الْأَنَامِ لَهُ عَدْلٌ وَلَا خَطَرُ

عبد المطلب

ان کا نام عامر اور لقب شیبہ ہے شیبہ کا ترجمہ زال یا بوڑھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لقب صرف تفاول (نیک شگون) کے لیے تھا کہ عمر دراز پائی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جب پیدا ہوئے تو اس وقت ان کی چندیا میں چند بال سفید موجود تھے۔

جب ان کے والد ''ہاشم'' کا انتقال ہوا۔ یہ اپنے ننھیال (یثرب) میں تھے۔ ان کا چچا مطلب ان کو یثرب سے جا کر لے آیا اور بیٹوں سے بڑھ کر ناز و نعم سے ان کی پرورش و تربیت کی۔ اس احسان مندی کی قبولیت و اظہار میں یہ بھی تمام عمر ''عبد المطلب''

[1] طبقات ابن سعد، ج ۱/ ۷۸، ذکر هاشم بن عبد مناف۔

مطلب کا غلام کہلاتے رہے۔ اصلی نام اور لقب پر یہ آخری لقب اس قدر غالب آ گیا تھا کہ عبدالمطلب ہی اصلی نام سمجھا جاتا ہے ان کو شیبۃ الحمد اور فیاض اور مطعم طیر السما بھی کہا کرتے تھے۔ نیز سید قریش کے نام سے عام طور پر ملک میں نامزد تھے۔

قریش میں سے بھی کوئی شخص ان کے اس خطاب کا منکر نہ تھا۔ نبی ﷺ کا اسم مبارک ''محمد'' ﷺ ان ہی نے تجویز کیا تھا اور حضور ﷺ کی تربیت تا ہشت سال کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہوا ان ہی کی سرداری کے عہد میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا تھا۔ [1]

عبدالمطلب کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی ''ظلم و بغاوت نہ کرو اور مکارم الاخلاق حاصل کرو'' عبدالمطلب کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ چاہ زم زم (جس کو عمرو بن حرث جرہمی نے بند کر دیا تھا اور امتداد زمانہ سے کسی کو یاد بھی نہ رہا تھا) کہ یہ کنواں کہاں تھا، عبدالمطلب ہی نے نکالا۔ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب تین شب متواتر یہ خواب دیکھتے رہے، کہ کنواں نکالو، پھر خواب ہی میں ان کو چاہ زم زم کی جگہ بھی دکھائی گئی۔ عبدالمطلب اور ان کے فرزند اکبر ''حارث'' نے اس کی جگہ کو کھودا۔ تین دن کی کھدائی کے بعد ان کو بنوجرہم کی مدفونہ اشیاء ملنے لگیں۔ تلواریں، زرہیں، شاخہائے آہو وغیرہ وغیرہ۔ قریش کے لوگ اب تک تو عبدالمطلب کے فعل کو لغو ہی سمجھتے تھے، لیکن مدفونہ اشیاء کی برآمدگی نے ان کو بھی یاد کرا دیا اور تب وہ درخواست کرنے لگے کہ اس شرف میں ان کو بھی شامل کر لیا جائے مگر عبدالمطلب نے کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنا پسند نہ کیا۔

یہ چشمہ جس سے اب لاکھوں زوار اور صادر و وارد سیراب ہو رہے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے ظاہر فرمایا تھا۔ عبدالمطلب کی بھی یادگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو کثیر الاولاد کیا تھا۔ ذیل میں ان کی اولاد کو ایک نقشے کے اندر تحریر کیا جاتا ہے:

نقشہ اولاد عبدالمطلب بن ہاشم

نام اہلیہ عبدالمطلب	(پسران)	(دختران)
۱: صفیہ بنت جیندب بن حجیر بن زباب بن حبیب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ از نسل نضر (دیکھو نمبر ۱۳ شجرہ نسب نبوی)	حارث	
۲: فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ (دیکھو نمبر ۷ شجرہ نبوی)	زبیر، ابو طالب عبدالکعبہ، عبداللہ	ام حکیم، بیضاء، امیمہ، اروی، برہ، عاتکہ
۳: لبنیٰ بنت ہاجرہ (از بطن خزاعہ)	ابولہب (عبدالعزیٰ)	
۴:۔ ہالہ بنت وھیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب (دیکھو نمبر ۶ شجرہ نسب) [2]	مقوم۔ حجل مغیرہ۔ حمزہ	
۵:۔ تنیلہ بنت خباب بن کلیب (از نسل ربیعہ بن نزار) دیکھو نمبر ۱۹ شجرہ نسب	ضرار۔ قثم۔ عباس	

[1] رحمۃ للعالمین، جلد اول۔ [2] ہالہ کی ماں عبلہ بنت مطلب ہے۔

۶: منعمۃ بنت عمرو بن مالک (از بطن خزاعہ)	غیداق۔مصعب	
میزان ازواج ۶	پسران ۱۵	دختران ۶

مندرجہ بالا نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب ۱۵ بیٹوں اور ۶ دختران کا والد تھا۔مگر بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ غیداق وہی ہے جس کا نام حجل ہے اور عبدالکعبہ وہی ہے جس کا نام مقوم ہے اور قثم کوئی بھی نہ تھا اندریں صورت عبدالمطلب کے نرینہ فرزندوں کی تعداد بارہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے چچا گیارہ ہوئے۔زیادہ صحیح یہی ہے کہ ابنائے عبدالمطلب ۱۲ تھے ان میں سے ہم کو دس کے حالات ملے ہیں اور سات کے حالات کا اسلامی تاریخ سے بھی تعلق ہے۔

آٹھویں ضرار، فتیان قریش میں سے تھے اور جود و جمال میں مشہور۔آغازِ بعثت ہی میں انتقال کیا۔اولاد نہ تھی۔

۹: مقوم اولاد صُلبی تھی، مگر نسل جاری نہ ہوئی۔ہند بنت المقوم کے پسر عبدالرحمان بن ابی عمرو کا ذکر علامہ ذہبی نے کیا ہے۔

۱۰: حجل کے فرزند قسرہ کے اشعار طبقات الکبیر میں موجود ہیں، جس میں اس نے اپنے دوازدہ اعمام کے نام شمار کیے ہیں۔ غیداق، قثم، عبدالکعبہ کے حالات سے کتب تواریخ خاموش ہیں۔ممکن ہے کہ مقوم ہی کا نام عبدالکعبہ ہو۔عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر پائی ان کا سالِ ولادت ۴۹۷ء اور سال وفات ۵۷۹ء اندازہ کیا گیا ہے۔ [1]

چونکہ عبدالمطلب کی اولاد آنحضرت ﷺ کے اعمام وعمات ہیں، اس لیے ان کے مختصر حالات مع ان کی اولاد کے (جہاں تک کہ عہد نبوی سے ان کا قریبی تعلق ہے) تحریر کیے جاتے ہیں، تاکہ ناظرین اہلِ بیت نبوی ﷺ کے احوال سے بے خبر نہ رہیں۔

حارث عم النبی ﷺ

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، ان ہی کے نام پر عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی۔یہ اپنے والد کی حیات ہی میں مر گئے تھے۔ [2] مگر ان کے چار فرزند (نوفل وعبداللہ، ربیعہ وابوسفیان مغیرہ) جو نبی ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، مسلمان ہوئے۔ہر ایک کا مختصر حال درج کیا جاتا ہے۔

نوفل بن حارث

جنگ بدر میں کفار کی جانب تھے، پھر جنگ خندق یا فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔جنگ حنین میں تین ہزار نیزے نبی ﷺ کی خدمت میں اعانت لشکر اسلام کے لیے پیش کیے تھے اس وقت یہ ہاشمی مسلمانوں میں سب سے زیادہ عمر کے تھے۔۲۵ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ [3]

ان کے تینوں فرزند مغیرہ، عبداللہ، حارث بھی صحابی ہیں۔

مغیرہ بن نوفل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قاضی مدینہ تھے۔ابن ملجم شقی نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تو خود

---

[1] تاریخ العرب، فرنچ پروفیسر سیڈیو۔

[2] طبقات ابن سعد، ذکر نذر عبد المطلب ان ینحر ابنه، ج ۱/ ۹۳۔

[3] الاستیعاب: ۳/ ۵٤۷ باب ن و نوفل۔

بھاگ چلا تھا، مغیرہ ہی نے اسے گرفتار کیا تھا اور سیدہ امامہ بنت زینب بنتِ رسول ﷺ کا نکاح بھی بعد انتقال حضرت علی رضی اللہ عنہ ان ہی کے ساتھ حسبِ وصیت مرتضوی ہوا تھا، جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ بن نوفل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم کوفہ کیا تھا۔ ان کا چہرہ کسی قدر نبی ﷺ سے مشابہت رکھتا تھا۔

حارث بن نوفل کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاکم مکہ پھر حاکم مصر کر دیا تھا۔ یزید کی وفات کے بعد اہل بصرہ ان کو امیر بنانا چاہتے تھے ۶۳ھ میں انتقال ہوا۔ ان کا فرزند عبداللہ المعروف بَبّہ بھی صحابی ہے۔

عبداللہ بن حارث

حیات نبوی ﷺ میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو خطاب ''سعید'' سے مشرف فرمایا تھا۔

ربیعہ بن حارث

ابواروی کنیت تھی۔ ان ہی کا نام نبی ﷺ نے فتح مکہ کے خطبہ میں لیا تھا اور فرمایا تھا:

((وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُهُ دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ)) [1]

''پہلا مطالبہ خون کا جسے میں ملیا میٹ کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن الحارث کا مطالبہ ہے۔''

اس کی شرح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایک فرزند شیر خوار دشمنوں نے مار ڈالا تھا، نبی ﷺ نے پچھلے جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لیے اس مطالبہ کو ملیا میٹ کر دیا اور اس کا خون بہانہ دلایا۔ ان کا انتقال ۲۳ھ میں ہوا۔ ان کے دو فرزند عبدالمطلب اور مطلب بھی صحابی ہیں۔

عبدالمطلب نے دمشق میں بعہد حکومت یزید وفات پائی۔

مطلب حیات نبوی ﷺ میں بالغ نہ ہوئے تھے۔

ابوسفیان مغیرہ بن الحارث

یہ آنحضرت ﷺ کے برادر رضاعی بھی ہیں کیونکہ انہوں نے بھی حلیمہ السعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شعراء وصحابہ میں سے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے مخالف بنے رہے۔ مگر فتح مکہ سے چند یوم پیشتر جذبہ توفیق ربانی سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

جنگ حنین میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے تھے، ان میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی یہ امتیاز حاصل ہے یہ تو رکاب نبوی ﷺ سے علیحدہ ہی نہیں ہوئے تھے۔

قبولیت اسلام کے بعد جو اشعار انہوں نے تصنیف کیے وہ رحمۃ للعالمین کی جلد اول میں درج کیے جا چکے ہیں۔

وفات حسرت آیات نبوی ﷺ کے بعد اشعار میں اکثر درد دل کا اظہار کیا کرتے تھے۔

---

[1] مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، حدیث: ۲۹۵۰۔ میں یہ الفاظ ہیں ((وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ))

أَرِقْتُ فَبَاتَ لَيْلِي لَا يَزُوْلُ — وَلَيْلُ أَخِي الْمُصِيْبَةِ فِيْهِ طُوْلُ

میں جاگ رہا ہوں اور رات ختم ہی ہونے میں نہیں آتی — ہاں! مصیبت زدہ کی رات لمبی ہی ہوا کرتی ہے

وَأَسْعَدَنِي الْبُكَاءُ وَذَاكَ فِيْ مَا — أُصِيْبَ الْمُسْلِمُوْنَ بِهٖ قَلِيْلُ

میں بے اختیار رو رہا ہوں اور یہ تو — اس مصیبت کے مقابلہ میں جو مسلمانوں پر آئی بہت ہی کم ہے

لَقَدْ عَظُمَتْ مُصِيْبَتُنَا وَجَلَّتْ — عَشِيَّةَ قِيْلَ قَدْ قُبِضَ الرَّسُوْلُ

اس روز ہماری مصیبتوں کی کچھ انتہا نہ رہ گئی — جب لوگ یہ کہنے لگے کہ رسول اللہ بلائے گئے

وَأَضْحَتْ أَرْضُنَا مِمَّا عَرَاهَا — تَكَادُبِنَا جَوَانِبُهَا تَمِيْلُ

معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر بھونچال آ گیا — اور زمین دھنس جائے گی

فَقَدْنَا الْوَحْيَ وَالتَّنْزِيْلَ فِيْنَا — يَرُوْحُ بِهٖ وَيَغْدُوْ جِبْرَئِيْلُ

جس وحی کو لیکر صبح و شام جبریلؑ ہم میں آیا کرتے تھے — آج ہم اس سے محروم ہو بیٹھے!

وَ ذَاكَ أَحَقُّ مَا سَالَتْ عَلَيْهِ — نُفُوْسُ النَّاسِ أَوْكَادَتْ تَسِيْلُ

یہ وہ مصیبت ہے کہ لوگوں کا مرجانا — یا قریب مرگ ہو جانا بالکل ٹھیک ہے

نَبِيٌّ كَانَ يَجْلُو الشَكَّ عَنَّا — بِمَا يُوْحٰى إِلَيْهِ وَ مَا يَقُوْلُ

نبیؐ اس شان کے تھے کہ دل سے شک کو صاف کر دیتے — تھے کبھی بذریعہ کلام وحی اور کبھی بذریعہ ارشادات خود

وَيَهْدِيْنَا فَلَانَخْشٰى ضَلَامًا — عَلَيْنَا وَالرَّسُوْلُ لَنَادِلِيْلُ

وہ ہماری رہنمائی فرمایا کرتے اور ہم کو کبھی بھی بھٹک جانے کا ڈر — نہ ہوتا کیونکہ ہم جانتے تھے کہ اللہ کا رسول ہمارا رہنما ہے

أَفَاطِمُ إِنْ جَزَعْتِ فَذَاكَ عُذْرٌ — وَ إِن لَّمْ تَجْزِعِيْ ذَاكَ السَّبِيْلُ

اے فاطمہ! اگر تو روئے گی تو ہم تجھے معذور سمجھیں گے — اور اگر تو صبر کرے گی تو بہتر ہے کیونکہ یہی بہتر طریق ہے

فَقَبْرُ أَبِيْكِ سَيِّدُ كُلِّ قَبْرٍ — وَفِيْهِ سَيِّدُ النَّاسِ الرَّسُوْلُ [1]

تیرے باپؐ کی قبر ہر ایک قبر کی سید ہے — اور اس قبر میں نوع انسان کا سردار خدا کا رسول آسودہ ہے

نبی ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ ایک حدیث میں ہے:

((أَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ مِنْ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يا سَيِّدُ فِتْيَانِ أَهْلِ الْجَنَّةِ))

''ابوسفیان بہشتی جوانوں میں سے ہے۔ یا بہادرانِ بہشت کا سردار ہے۔''

ایک حدیث میں ہے:

((أَبُوْ سُفْيَان خَيْرُ أَهْلِي أَوْ مِنْ خَيْرِ أَهْلِي)) [2]

---

[1] الاستیعاب، کتاب الکنی، باب ابو سفیان، ج ٤/ ٨٤، ٨٥۔ [2] الاستیعاب: ٤/ ٨٥۔

''ابوسفیان میرے اہل میں اچھا ہے۔یا۔میرے اچھے اہل میں سے ہے۔''

علماء کا قول ہے کہ کُلُّ الصَّیْدِفِیْ جَوْفِ الْفَرَاءِ کی مثل بھی نبی ﷺ نے ان کی شان میں فرمائی تھی۔ ❶ ۲۰ھ میں وفات پائی۔

ان کے فرزند عبداللہ اور جعفر دونوں صحابی ہیں۔جعفر بن ابوسفیان غزوہ حنین میں بھی شامل تھے اور عہدِ سلطنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

ابوطالب عم النبی ﷺ

ان کا اصلی نام عبدمناف ہے،مگر کنیت نام پر غالب آ گئی تھی۔

ان کو نبی ﷺ کے ساتھ کمال محبت تھی اور تادم زیست (۱۰ھ نبوت) یہ آنحضرت ﷺ کے ناصر وفدائی رہے۔

ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور باستثناء طالب صحابی ہیں۔طالب باپ کے بعد اور قبل از ایمان مرگیا تھا۔اس کی جائے وفات کا بھی پتہ نہیں لگا۔ ❷

عقیل بن ابی طالب

طالب سے دس برس چھوٹے اور جعفر سے دس برس بڑے تھے۔جنگ بدر میں دشمنوں کی جانب تھے۔اور اسیر ہوئے تھے۔صلح حدیبیہ سے پیشتر اسلام لائے اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے۔

عقیل واقعات اور انساب عرب کے بڑے واقف تھے۔اس علم میں ان کو امتیازِ خاص حاصل تھا ابویزید کنیت تھی۔نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا:

((يَاأَبَايَزِيْدَ إِنِّيْ أُحِبُّكَ حُبَّيْنِ حُبًّا لِقَرَابَتِكَ وَحُبًّا لِمَا كُنْتُ أَعْلَمُ مِنْ حُبِّ عَمِّيْ إِيَّاكَ)) ❸

''اے ابویزید!میں تم سے دوگونہ محبت رکھتا ہوں ایک تو محبت قرابت۔دوم اس لیے کہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا کو تم سے محبت تھی۔''

ان کا انتقال سلطنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوا تھا۔مسلم بن عقیل جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نائب ہو کر کوفہ گئے تھے اور بروز پنجشنبہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو شہید ہوئے ان ہی کے فرزند ہیں۔عقیل کے دو فرزند محمد و عبدالرحمٰن ایک پوتا عبداللہ بن مسلم بھی کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

---

❶ فراء کے اندر سارے ہی شکار آ جاتے ہیں۔اردو میں مثل ہے ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔الاستیعاب: ٤/ ٨٥۔

❷ صحیح بخاری میں بروایت زُہری ہے کہ ابوطالب کا ورثہ طالب اور عقیل نے سنبھالا تھا۔باب غزوة الفتح ، بخاري ، كتاب المغازي ، باب أين ركز النبی ﷺ الرأية يوم الفتح ، حديث: ٤٢٨٣۔

❸ مستدرك حاكم ، كتاب معرفة الصحابة ، باب كفالة النبی ﷺ لعيال ابی طالب ، ج٣/ ٥٧٦۔

اولادِ عقیل بن ابی طالب

عقیل

مسلم (شہید در کوفہ) — عبداللہ (شہید در کربلا) ان کی والدہ رقیہ بنت علی ہیں)
عبدالرحمٰن (شہید در کربلا)
محمد (شہید در کربلا انکے گھر میں زینب الصغریٰ بنت علی مرتضیٰ تھیں)
— عبدالرحمٰن (شہید در کربلا)، قاسم (شہید در کربلا)، ابومحمد عبداللہ بن محمد (امام ترمذی ان سے روایت کرتے ہیں ابن حجر نے ۱۴۰ھ کے بعد ان کی وفات تحریر کی ہے)
— قاسم الجری، علی، طاہر، ابراہیم، عقیل، محمد بن ابومحمد عبداللہ (انکی والدہ حمیدہ ہے جو مسلم بن عقیل کی بیٹی اور ام کلثوم بنت علی کے بطن سے تھی) محدث ثقہ
قاسم الجری — عبدالرحمٰن، عقیل
عبدالرحمٰن — محمد المرفوع (ان کی اولاد طبرستان میں بنوالمرفوع مشہور ہے)
عقیل — قاسم، احمد، عبداللہ، مسلم
قاسم — محمد الانصاریہ (یہ بڑی نسل ہے)

جعفر (طیار) بن ابوطالب رضی اللہ عنہ

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ان سے دس سال بڑے، قدیم الاسلام تھے۔ اول ہجرت حبشہ کی اور وہاں جملہ مہاجرین حبشہ کے سردار رہے۔ اس ملک میں ان کے ہاتھ پر خوب اشاعت اسلام ہوئی۔ اسلام پر جو تقریر انہوں نے بادشاہ حبشہ کے دربار میں فرمائی تھی وہ رحمۃ للعالمین جلد اول میں درج ہے۔ ۷ھ میں حبش سے مدینہ تشریف لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جعفر بھی خیبر ہی میں جا ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا قدوم جعفر کی۔'' [1]

۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ تلوار اور نیزے کے نوے سے زیادہ زخم ان کے سامنے کی جانب موجود تھے۔ دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی منقبت میں فرمایا: ((أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي)) [2]

''جعفر تم صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔''

عمر مبارک بوقتِ شہادت ۴۱ سال کی تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مسکین کے حق میں جعفر طیار سب سے بہتر تھے، وہ اہل صفہ کی خبر رکھا کرتے تھے اور انہیں کھلایا کرتے تھے جو کچھ بھی ان کے گھر میں ہوتا، کبھی کبھی وہ ہمارے پاس عکہ ہی لے آتے جس

[1] مستدرك حاكم: ۳/ ۲۰۹ كتاب معرفة الصحابة، باب في ذكر جعفر بن أبي طالب۔

[2] بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء، حديث: ٤٢٥١۔

میں اور کچھ نہ ہوتا ہم اس میں سے علق کر جاتے۔ ❶ ان کے سات فرزند تھے۔

الف: عبداللہ یہ پہلے مولود ہیں جو مسلمانوں کے گھر حبش میں پیدا ہوئے۔ کثرت سخاوکرم سے ان کا لقب بحرالجود تھا۔ عبادت گزار بھی حد درجہ کے تھے۔ ۸۰ھ میں بہ عمر ۹۰ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دختر سیدہ زینب کبریٰ ان ہی کے گھر میں تھیں۔ عدی بن عبداللہ بن جعفر کربلا میں شہید ہوئے ابن نہشل تیمی نے ان کو شہید کیا تھا۔

ب: عون بن جعفر، محمد بن جعفر۔ یہ دونوں تستر میں شہید ہوئے۔

اولادِ جعفر کا شجرہ نسب یہ ہے:

اولادِ جعفر بن ابی طالب

- ابوجعفر عبداللہ
  - الجواد
    - معاویہ
      - عبداللہ (۱۲۵ھ میں دعویٰ خلافت کیا ۱۲۹ھ میں اسیر ہوئے ۱۳۳ھ میں وفات پائی نسل آیندہ نہیں چلی)
    - علی الزینبی (ان کی والدہ سیدہ زینب دختر علی مرتضیٰ ہیں)
      - محمد الادریس الرئیس
        - ابراہیم
          - جعفر السید (نسل کثیر باقی ہے اور بنو جعفر کہلاتے ہیں)
      - اسحاق الاشرف (نسل کثیر باقی ہے)
    - اسحٰق العریفی
      - محمد (نسل گم)
      - جعفر (نسل گم)
      - قاسم (ان کی والدہ بنت القاسم بن محمد بن ابوبکر ہیں قاسم اور امام جعفر صادق خالہ زاد بھائی ہیں)
    - اسماعیل زاہد (المتوفی ۱۴۵ھ ابن ماجہ میں ان سے روایت ہے)
    - محمد (شہید کربلا) ان کی والدہ خوصا بنت حفصہ ہیں
    - عدی (شہید کربلا)
    - عون (شہید کربلا)
- عون
  - مساور
- محمد الاکبر
  - عبداللہ
  - قاسم (ان کے نکاح میں ام کلثوم بنت زینب علی مرتضیٰ تھیں)
- محمد الاصغر
- حمید
- حسین
- عبداللہ الاصغر

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

اس امام حضرت ہادیٔ انام ابوالائمۃ العظام کے محاسن وفضائل کے لیے دفتر درکار ہیں۔ اگر حیاتِ مستعار باقی ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی سیرت پر ایک علیحدہ جلد لکھوں گا۔

ابن عباس اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان

---

❶ بخاری، كتاب فضائل أصحاب رسول الله، باب مناقب جعفر، حديث: ٣٧٠٨۔

لائے تھے اس وقت عمر مبارک ۸ سال کی تھی۔

حضور ﷺ کے شاندار کارنامے شب ہجرت، بدر، احد، خندق، صلح حدیبیہ، خیبر وحنین کے واقعات میں نہایت مشہور ہیں۔ شجاعت اور فصل قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے۔ سیدۃ النساء فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے زوج اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار تھے۔ ابوالحسن کنیت فرماتے تھے اور ابوتراب کنیت پر جو عطیہ نبی ﷺ ہے نہایت شادماں ہوتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ماہ ذوالحجہ ۳۵ ھ کو خلیفہ ہوئے اور بامداد جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھ سے کوفہ میں زخمی ہو کر واصل بحق ہوئے۔

حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ (دیگر ازواج سے) ان کے سولہ فرزند تھے۔

زخم کہ جس پر شہادت ہوئی، کثیر بن عمرو السکونی جو شاہان ایران کا طبیب خاص رہ چکا تھا نے دیکھا تھا اس نے بتایا تھا کہ زخم ام دماغ تک پہنچ گیا ہے اور اب صحت محال ہے۔

بکر بن حماد القاہری نے ہائلہ شہادت پر اشعار کہے ہیں:

قُلْ لِابْنِ مُلْجَمٍ وَالْأَقْدَارُ غَالِبَةٌ ۔ هَدَمْتَ وَيْلَكَ لِلْإِسْلَامِ أَرْكَانَا

ابن ملجم سے کہنا (گو میں جانتا ہوں) کہ تقدیر سب پر غالب ہے ۔ کہ کم بخت تو نے اسلام کے ارکان کو ڈھایا

قَتَلْتَ أَفْضَلَ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى قَدَمٍ ۔ وَأَوَّلَ النَّاسِ إِسْلَامًا وَإِيْمَانَا

وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل تھا ۔ اور اسلام اور ایمان میں سب سے اول

وَأَعْلَمَ النَّاسِ بِالْقُرْاٰنِ ثُمَّ بِمَا ۔ سَنَّ رَسُوْلُنَا شَرْعًا وَ تِبْيَانَا

اور قرآن و سنت کے جاننے میں سب سے اعلم ۔ تھا تو نے اسے قتل کیا ہے

صِهْرَ النَّبِيِّ وَمَوْلَاهُ وَنَاصِرَهُ ۔ أَضْحَتْ مَنَاقِبُهُ نُوْرًا وَّبُرْهَانَا

وہ داماد نبی اور انکا دوست اور ناصر تھا ۔ جس کے مناقب کے نور اور برھان روشن ہیں

وَ كَانَ مِنْهُ عَلٰى رَغْمِ الْحَسُوْدِ لَهٗ ۔ مَاكَانَ هَارُوْنُ مِنْ مُّوْسَى بْنِ عِمْرَانَا

جو علی رغم حسود نبی ﷺ کے لیے ایسا تھا ۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام

وَ كَانَ فِي الْحَرْبِ سَيْفًا صَارِمًا ذَكَرًا ۔ لَيْثًا إِذَا لَقِيَ أَقْرَانٌ أَقْرَانَا

جو لڑائی میں شمشیر براں اور دلیر شیر تھا ۔ جب خوب گھسان کا رن پڑ جاتا ہو

ذَكَرْتُ قَاتِلَهٗ وَالدَّمْعُ مُنْحَدِرًا ۔ فَقُلْتُ سُبْحَانَ رَبِّ النَّاسِ سُبْحَانَا

میں اس کے قاتل کا خیال کرتا ہوں اور روتا روتا کہتا ۔ ہوں اے خدا! تو پاک ہے تیری قدرت عجیب ہے

إِنِّيْ لَأَحْسِبُهٗ مَا كَانَ مِنْ بَشَرٍ ۔ يَخْشَى الْمَعَادَ وَلٰكِنْ كَانَ شَيْطَانَا

میں تو اسکے قاتل کی بابت کہوں گا کہ یہ وہ بشر نہیں ۔ جو قیامت سے ڈرتا ہو بلکہ وہ تو شیطان ہے

أَشْقٰى مُرَادٍ إِذَاعُدَّتْ قَبَائِلُهَا ۔۔۔ وَأَخْسَرَ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مِيْزَانَا

اپنے قبیلہ مراد میں سب سے زیادہ بدبخت ۔۔۔ اور میزانِ اعمال میں سب سے زیادہ زیاں کار

كَعَاقِرِ النَّاقَةِ الْأُوْلٰى الَّتِىْ جَلَبَتْ ۔۔۔ عَلٰى ثَمُوْدَ بِأَرْضِ الْحِجْرِ خُسْرَانَا

عاقرِ ناقہ جیسا تھا (وہ تو) جس نے صالح کے ناقہ کو مارا ۔۔۔ اور قوم ثمود پر ملک حجر میں تباہی لانے کا سبب ٹھہرا

كَأَنَّهٗ لَمْ يَرَوْا قَصْدًا بِضَرْبَتِهٖ ۔۔۔ إِلَّا لِيَصْلٰى عَذَابَ الْخُلْدِ نِيْرَانَا [1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ پر وار کرنے سے پہلے ۔۔۔ اسکا مقصد یہی ہوگا کہ وہ خود جہنم کی آگ کا ایندھن بن سکے

حضرت علی و جعفر و عقیل رضی اللہ عنہم کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے، جو اسلام لا کر ہجرت سے مشرف ہوئیں۔ مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفن میں اپنا کرتا عطا فرمایا اور جب ان کو لحد میں اتارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لحد میں ان کے ساتھ لیٹ گئے فرمایا:

میں نے قمیص اس لیے دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حلۂ جنت پہنائے اور ساتھ اس لیے لیٹا کہ قبر کی وحشت جاتی رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں فرمایا کرتے کہ ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد کے متعلق مؤرخین نے چند اقوال نقل کیے ہیں۔

(۱) ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔

(۲) ۱۹ بیٹے تھے جن میں سے چھ والد کے سامنے گزر گئے تھے، باقی ۱۳ میں سے چھ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ دنیا میں اس وقت صرف ۵ بیٹوں امام حسن و امام حسین، محمد حنفیہ، عباس، عمر اطراف کی نسل موجود ہے۔ [2]

(۳) ذیل میں ایک نقشہ مع اسمائے زوجات درج کیا جاتا ہے۔

نام اہلیہ	بیٹے	بیٹیاں
۱: سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ الزہرا	حسن و حسینؓ [3]	زینب۔ کلثومؓ
۲: ام البنین بنت حرام بن خالد (از بنی ہوازن)	عمر، عباس، جعفر، عبید اللہ، عثمان	
۳: لیلیٰ بنت مسعود (از بنی تمیم)	عبید اللہ، ابوبکر	
۴: اسماء بنت الخثعمیہ	عون، یحییٰ	
۵: امامہ بنت ابو العاص (از بطن سیدہ زینبؓ)	محمد، اوسط	

[1] الاستیعاب: ۳/ ٦٣ باب علي۔ [2] عمدة المطالب في نسل ابي طالب۔ [3] ایک تیسرے فرزند محسن کا نام کتب الاربعہ فی اسماء صحابہ میں سے صرف ابو موسیٰ نے لکھا ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں، تفرد بذكره ابو اسحاق عن هانی بن هانی عن علي۔

۶۔ خولہ بنت جعفر بن قیس	محمد بن حنفیہ یا محمد (اکبر)	
۷۔ ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی		ام الحسن، رملۃ الکبریٰ
۸۔ ام حبیبہ بنت ربیعۃ الثعلبیۃ	عمر	رقیہ
۹۔ ممیاۃ بنت امراء القیس الکلبی		حارثہ

دختران جواری

ام ہانی، میمونہ، زینب الصغریٰ، رملہ الصغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، جمانہ، نفیسہ، ام جعفر۔ ❶

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذکر اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا گیا ہے اولاد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس جگہ کیا جاتا ہے۔

عباس بن علی مرتضیٰ

میدانِ کربلا میں علمبردار امام ھمام تھے۔ ان کا خطاب سقائے اہل بیت بھی ہے ۳۴ سال کی عمر میں شہید ہوئے تھے۔ ❷

اولاد یہ ہے۔

عباس علمبردار
عبداللہ
حسن

- عبیداللہ (قاضی الحرمین)
  - عبداللہ
    - ہارون اولاد بنو ہارون کے نام سے مشہور اور دمیاط میں پائی جاتی ہے
    - داؤد الاکبر ان کی اولاد بنو ہدہد کے نام سے مشہور اور یمن میں پائی جاتی ہے
- عباس الفصیح شاعر اور ہارون رشید کا مقرب تھا چار بیٹوں سے نسل جاری ہے بعض نساب کہتے ہیں کہ صرف عبیداللہ ابن عباس الفصیح کی نسل سمرقند میں رہ گئی ہے
- حمزۃ الاکبر ابوالقاسم کنیت اس کا چہرہ حضرت علی سے مشابہ تھا مامون نے اسے لاکھ روپیہ دیا۔
  - علی
    - محمد نسل جاری ہے
- ابراہیم حروقہ ادیب وفقیہ وامام تھے
  - حسن، محمد، علی — ہر سہ کی اولاد مصر میں ہے
- فضل
  - جعفر، فضل
  - عباس الاکبر چار فرزندوں سے نسل جاری ہے
  - محمد ابوفضل الشاعر نسل جاری ہے

عمر (اطراف) بن علی مرتضیٰ

عباس علمبردار کے برادر حقیقی ہیں۔ علمائے نسب کا اختلاف یہ ہے کہ ان میں سے بڑا کون تھا۔ بعض نے حضرت عباس کو بعض

---

❶ الطبری: ۳/ ۱۶۲۔ ❷ قاتلوں کے نام زید بن رقاء الجنبی اور حکیم بن الطفیل سنبسی ہیں۔

نے حضرت عمر کو بڑا ابتلایا ہے۔ انہوں نے ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بعض کا بیان ہے کہ مصعب بن زبیر کی طرف سے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، ان کی نسل کا سلسلہ یہ ہے۔
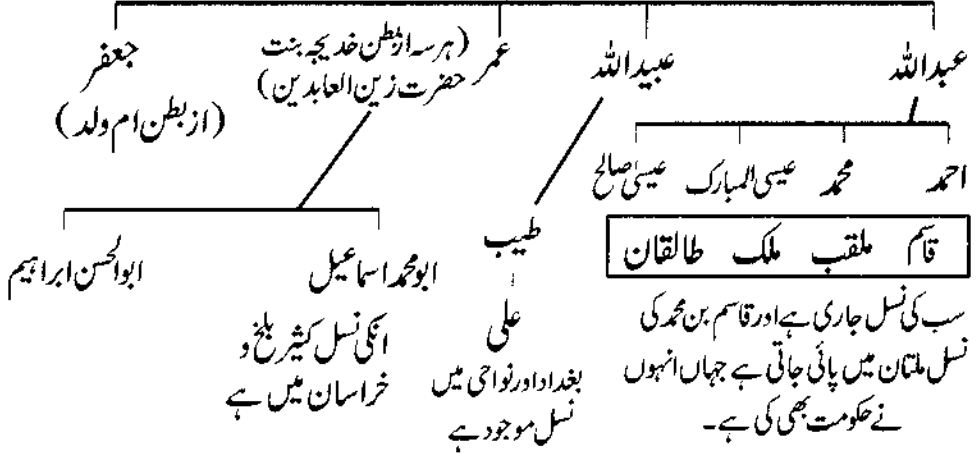
حضرت عباس علمبردار کے باقی تین بھائی جعفر، عبیداللہ، عثمان کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

ابوالقاسم محمد بن علی مرتضیٰ

ان کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے ہیں۔ اس قبیلہ نے عہد صدیقی میں ارتداد کیا تھا۔ یہ جنگ میں اسیر ہو کر آئیں اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملیں۔ محمد بن علی خلافت فاروقی ۸۔۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔ ان کے زہد ریاضت اور زور وقوت کی حکایات بہت سی مشہور ہیں۔ لشکر مرتضیٰ کے علمبردار یہی ہوا کرتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تمہارے والد حسن و حسین کو جنگ میں نہیں بھیجتے اور تم کو ہر ایک سخت کام پر مامور کرتے ہیں۔ فرمایا وہ علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ہیں اور میں علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہوں۔ شیعہ کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امامت ان کو ملی۔ ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت حسین کے بعد امامت ان کو ملی پھر ہر دو کا اتفاق ہے کہ آئندہ امامت ان ہی کی نسل میں جاری ہوئی۔ مختار ثقفی جس نے قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ سے سخت انتقام لیے، اپنے آپ کو انہی کا مختار بتایا کرتا تھا۔ ابن الحنفیہ کے غلام کا نام کیسان ہے، وہ بھی ایک فرقہ کا امام ہے، کیسانیہ کا اعتقاد ہے کہ محمد بن علی مرتضیٰ کوہِ رضوی [1] پر رہتے ہیں، شیر و پلنگ ان کے پہرہ دار ہیں، شہد اور پانی کے چشمے ان کے متصل جوش زن ہیں۔ قرب قیامت میں مہدی کے لقب سے وہی ظہور پذیر ہوں گے۔

ابن الحنفیہ بن علی مرتضیٰ کی اولاد کی تعداد ۲۴ ہے جن میں سے ۱۴ نرینہ فرزند تھے تین سے نسل جاری ہے۔ اولاد کا شجرہ یہ ہے

[1] بندرگاہ ینبوع سے کوہ رضوی کی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔

محمد بن علی مرتضیٰ

ابو ہاشم	جعفر	علی نسل کثیر موجود ہے
عبداللہ (بزرگ تابعین سے ہیں)	یوم الحرہ کو شہید ہوئے تھے انکی اولاد کثیر موجود ہے	ابو محمد حسن ان کو کیسانیہ امام تسلیم کرتا ہے علی نسل کثیر موجود ہے
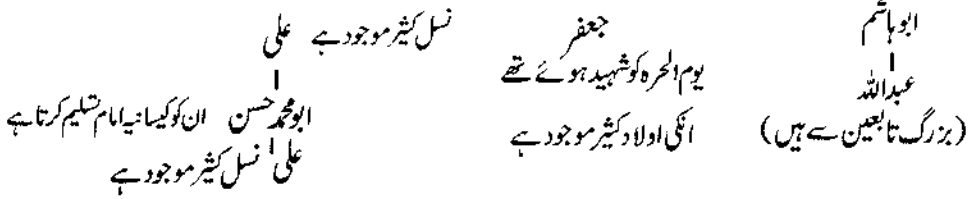
محمد بن علی مُرتضیٰ

ان کی والدہ سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب بنت النبی ﷺ ہیں۔ کربلا میں ایک شخص قبیلہ ابان بن دارم کے تیر سے شہید ہوئے۔ سلسلہ نسب گم ہے۔

ابوبکر بن علی مُرتضیٰ

ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہیں۔ جنگ کربلا میں شہید ہوئے۔ بعض نے ان کی شہادت میں اختلاف بھی کیا ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزندوں میں عبداللہ، عون، یحییٰ و عمر (فرزند حبیبہ) کے حالات نہیں ملے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو علوی بھی کہتے ہیں۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا دختر ابی طالب

یہ حضرت علی مرتضیٰ کی حقیقی بہن ہیں، ابو طالب کی سب اولاد۔ طالب، عقیل، جعفر، علی، ہند، جمانہ ایک ہی والدہ فاطمہ اسدیہ سے ہیں۔

ام ہانی کا نام ہند تھا۔ بعض نے فاختہ بھی لکھا ہے۔ ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم سے ہوا تھا۔ ام ہانی کے بطن سے ہانی، عمرو، یوسف اور جعدہ دختر پیدا ہوئے تھے۔ ام ہانی عام الفتح کو اسلام لائی تھیں۔ ہبیرہ نجران کو بھاگ گیا تھا، اس کی واپسی از نجران اور قبولیت اسلام کی کوئی روایت نہیں ملی۔ ہبیرہ نے اپنے فرار کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار مکہ میں لکھ کر بھیجے تھے۔

لَعَمْرُكَ مَا وَلَّيْتُ ظَهْرِيْ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ جُبْنًا وَلَا خِيفَةَ الْقَتْلِ
وَلٰكِنَّنِيْ قَلَبْتُ أَمْرِيْ فَلَمْ أَجِدْ لِسَيْفِيْ غِنَاءً أَنْ ضَرَبْتُ وَلَا نَبْلِيْ
وَقَفْتُ فَلَمَّا خِفْتُ ضَيْعَةَ مَوْقِفِيْ رَجَعْتُ لِعَوْدٍ كَالْهِزَبْرِ أَبِي الشِّبْلِ

ترجمہ: سچ سمجھو تو میں نے محمد ﷺ اور اصحاب محمد کے سامنے سے بوجہ نامردی یا خوف قتل پیٹھ نہیں دی بلکہ میں نے دیکھا کہ میرا کام الٹ گیا اور میری تلوار، میرا نیزہ اب کچھ کام نہیں بنا سکتے۔ پہلے تو میں ٹھہرا، لیکن جب دیکھا کہ موقف بھی نکل رہا ہے تب لوٹ کر چلا آیا۔ جیسا کہ شیر اپنے بچوں کی طرف واپس آیا کرتا ہے۔

جمانہ رضی اللہ عنہا دختر ابی طالب

اولادِ ابی طالب میں جمانہ کا نام ملتا ہے۔ مگران کے حالات سے کوئی آ گاہی نہیں ملتی۔ ابن اسحاق امام اہل سیر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیداوار خیبر میں سے تیس وسق خرما جمانہ دختر ابی طالب کے لیے مقرر فرمائے تھے۔

اس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعتِ اسلام سے مشرف تھیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح خیبر تک وہ حیات تھیں۔

حمزہ رضی اللہ عنہ عم النبی

امیر المؤمنین اور اسد اللہ و رسولہ ان کے خطاب ہیں۔ ۶ ؁ نبوت میں اسلام لائے اور پھر ہمیشہ ناصرِ اسلام رہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر رضاعی بھی تھے یعنی ہر دو نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ ابوعمارہ ابویعلیٰ کنیت فرمایا کرتے تھے۔ جنگ بدر میں نہایت شجاعت اور مردانگی کے کرشمے دکھائے اور جنگ احد میں دشمنوں کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں ملا کر وحشی کے ہاتھ سے جس نے پتھر کے پیچھے چھپ کر بزدلانہ حملہ کیا تھا، شہید ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کی لاش پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((رَحِمَكَ اللّٰهُ أَيْ عَمِّ فَلَقَدْ كُنْتَ وَصُوْلاً لِلرَّحِمِ فَعُوْلاً لِلْخَيْرَاتِ)) [1]

''چچا، اللہ تم پر رحم کرے، تم قرابت کا حق خوب ادا کرنے والے اور بکثرت نیکی کرنے والے تھے۔''

دشمنوں نے ان کا جگر نکالا، کان کاٹے، چہرہ بگاڑا، پیٹ چاک کر ڈالا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لاش کی حالت دیکھ کر اس قدر غمزدہ اور اندوہ گین ہوئے تھے کہ اتنا رنج آپ نے کبھی بھی نہ فرمایا تھا۔ کعب بن اشرف (یا عبداللہ بن رواحہ) نے اس شہادت پر مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:

بَكَتْ عَيْنِي وَحَقٌّ بِهَا بُكَاءٌ ۔۔۔ وَمَا يُغْنِي الْبُكَاءُ وَلَا الْعَوِيْلُ

میری آنکھ روتی ہے یہ رونا ٹھیک بھی ہے ۔۔۔ گو رونے اور چلانے کا نتیجہ کچھ بھی نہیں

عَلَى أَسَدِ الْإِلٰهِ غَدَاةَ قَالُوْا ۔۔۔ لِحَمْزَةَ ذَاكُمُ الرَّجُلُ الْقَتِيْلُ [2]

رونا اس شیر خدا پر ہے جب یہ آواز نکلی ۔۔۔ کہ حمزہ قتل ہوئے پڑے ہیں

أُصِيْبَ الْمُسْلِمُوْنَ بِهِ جَمِيْعًا ۔۔۔ هُنَاكَ وَقَدْ أُصِيْبَ بِهِ الرَّسُوْلُ

سب ہی مسلمانوں نے ان کے واقع کو مصیبت سمجھا ۔۔۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

أَبَا يَعْلٰى لَكَ الْأَرْكَانُ هُدَّتْ ۔۔۔ وَأَنْتَ الْمَاجِدُ الْبَرُّ الْوَصُوْلُ

حمزہ گو فوت ہو گئے مگر شک نہیں بڑی ہی عزت والے ۔۔۔ اور لوگوں سے بھلائی اور قرابتیوں سے احسان کرنے والے تھے

عَلَيْكَ سَلَامُ رَبِّكَ فِيْ جِنَانٍ ۔۔۔ يُخَالِطُهَا نَعِيْمٌ لَا يَزُوْلُ

حمزہ پر اللہ کی سلامتی ہو وہ ان بہشتوں میں ۔۔۔ ہیں جہاں کی نعمتوں کو زوال نہیں

---

[1] الاستيعاب، باب كنى النساء حرف الهاء: ٤/ ٤٧٩۔ [2] الاصابة باب حمزة: ١/ ٣٥٣۔

أَلاَ يَا هَاشِمَ الْأَخْيَارِ صَبْرًا ۔۔۔ فَكُلُّ فِعَالِكُمْ حَسَنٌ جَمِيلُ
آل ہاشم کے سرداروں سے عرض ہے کہ صبر کریں ۔۔۔ ان کے کام تو سبھی اچھے ہوا کرتے ہیں

رَسُوْلُ اللّٰهِ مُصْطَبِرٌ كَرِيْمٌ ۔۔۔ بِأَمْرِ اللّٰهِ يَنْطِقُ إِذْ يَقُوْلُ
بر گزیدہ رسول اللہ سراپا صبر ہیں ۔۔۔ وہ جب بولتے ہیں تو حکم الٰہی سے بولتے ہیں

أَلاَمِنْ مُبَلِّغٍ عَنِّىْ لُؤَيًّا ۔۔۔ فَبِعْدَ الْيَوْمِ دَائِلَةٌ تَدُوْلُ
کوئی ہے جو قریش سے جا کر کہہ دے ۔۔۔ کہ آج کے بعد تمہارا زمانہ ہمیشہ کے لیے گیا

وَ قَبْلَ الْيَوْمِ مَاعَرَفُوْا وَذَاقُوْا ۔۔۔ وَقَايِعُنَا بِهَا يُشْفَى الْغَلِيْلُ
ہاں آج سے پہلے ہم نے تم کو وہ مزے چکھائے ہیں ۔۔۔ جن کو سن کر دوست کو اطمینان ہو جاتا ہے

نَسِيْتُمْ ضَرْبَنَا بِقَلِيْبِ بَدْرٍ ۔۔۔ غَدَاةَ أَتَاكُمُ الْمَوْتُ الْعَجِيْلُ
وہ بدر کا کنواں وہ مار ۔۔۔ وہ ناگہانی موت تم آج بھول گئے

غَدَاةَ ثُوَىَ أَبُوْجَهْلٍ صَرِيْعًا ۔۔۔ عَلَيْهِ الطَّيْرُ حَائِمَةٌ تَجُوْلُ
جب ابوجہل چاروں شانے چت گر پڑا تھا ۔۔۔ گدھ اس کی بوٹیاں نوچ رہے تھے

وَعُتْبَةُ وَابْنُهُ خَلاَّجَمِيْعًا ۔۔۔ وَشَيْبَةُ عَضَّهُ السَّيْفُ الصَّيْقَلُ
اسی طرح عتبہ بھی اس کا بیٹا بھی ۔۔۔ اسی طرح شیبہ بھی تلوار نے ان کی تکہ بوٹی کر دی تھی

ان کے دو فرزند تھے۔عمارہ اور یعلی۔عمارہ کا فرزند حمزہ ہوا اور یعلی کے پانچ فرزند ہوئے، مگر پھر ان کی نسل آگے نہ چلی۔
دولڑکیاں تھیں: ام الفضل اور امامہ، ام الفضل دختر حمزہ سے ایک حدیث عبداللہ بن شداد نے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں۔ ہمارا ایک آزاد کردہ غلام مر گیا تھا۔اس کے ایک بیٹی ایک بہن تھی نبی ﷺ نے دونوں کو نصفا نصف ورثہ دلایا تھا۔

امامہ وہی ہے جن کے حق حضانت کی بابت حضرت زید اور جعفر طیار اور علی مرتضیٰ نے نبی ﷺ کے حضور میں اپنے اپنے دلائل پیش کیے تھے۔حضرت زید کہتے تھے، حمزہ رضی اللہ عنہ مواخات میں میرے بھائی تھے، اس لیے لڑکی پرورش کے لیے مجھے ملنی چاہیے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس نے مکہ سے مدینہ تک ہودج فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سفر کیا ہے۔
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ لڑکی میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرمایا تھا۔ [1] یہ واقعہ ۷ ھ کا ہے اور صحاح میں تفصیل سے مذکور ہے۔امامہ کا نکاح ام المومنین ام سلمہ کے فرزند سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔

ابولہب بن عبدالمطلب

نبی ﷺ سے توحید کی وجہ سے عداوت رکھتا تھا۔ جب نبی ﷺ بازاروں میں وعظ فرمایا کرتے تب ابولہب قریب ہی

[1] بخاري، كتاب الصلح، باب كيف يكتب: هذا ما صالح فلان......، حديث: ٢٦٩٩۔

کھڑے ہو کر چلایا کرتا، لوگو! اسکی بات نہ سنو، یہ دیوانہ ہے۔

ابولہب جنگ بدر سے ۸ دن بعد طاعون سے ہلاک ہوا۔ تین دن تک اس کا جسم سڑتا رہا، لیکن جب سڑاند سے سارا محلہ تکلیف پانے لگا تب اس کے اقارب نے اس کی لاش کو لمبی لمبی بلیوں سے چارپائی سے نیچے گرا دیا اور دیوار کے اوپر چڑھ کر اتنے پتھر اس ناپاک جسم پر پھینکے کہ وہ پتھروں کے ڈھیر میں چھپ گیا۔ اَلنَّاسُ وَالحِجَارَۃُ دونوں کا لقمہ ایک ہی وقت میں نار کو مل گیا۔

اس کے چار بیٹے تھے، دو بحالت کفر بری طرح تباہ ہوئے، اور دو عقبہ اور معقب عام الفتح کو مسلمان ہو کر جنگ حنین میں ہمرکاب نبوی ﷺ حاضر ہوئے۔ اس جنگ میں معقب کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ دونوں بھائی مکہ ہی میں رہے۔

درہ بنت ابی لہب بھی مسلمان ہوئی۔ یہ حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں آئی۔ عتبہ اور ولید اور ابومسلم درہ ہی کے بطن سے ہیں۔ درہ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

أَنَّهُ سُئِلَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ فَقَالَ: ((أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ وَآمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَوْصَلُهُمْ لِرَحِمِهٖ)) [1]

"لوگوں میں بہتر کون ہے؟ نبی ﷺ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: وہ جسے اللہ کا تقوی زیادہ ہو، جو لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرتا برے کاموں سے روکتا اور قرابت مندوں سے سلوک کرتا ہے۔"

یہ حدیث بھی درہ بنت ابی لہب سے مروی ہے:

((لَا يُؤْذٰى حَيٌّ بِمَيِّتٍ)) [2]

"کسی مردہ کے افعال کے بدلے کسی زندہ کو اذیت نہیں دی جا سکتی۔"

عباس بن عبدالمطلب عم النبی ﷺ

نبی ﷺ سے عمر میں دو سال آگے تھے۔ ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت خباب تھا۔ یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیت الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔ حضرت عباس جاہلیت میں بھی رئیس قریش تھے۔ عمارۃ المسجد الحرام اور سقایہ ان ہی سے متعلق تھی۔ سقایہ کے معنی تو مشہور ہی ہیں (پیاؤ لگوانا) مگر عمارت سے مطلب یہ ہے کہ بیت الحرام کے اندر کسی شخص کو گالی گفتار نہ ہونے دیتے تھے اور کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر بیہودہ بات زبان پر نہ لا سکتا تھا۔ [3] اس انتظام کے متعلق جملہ سرداران قریش ان کی مدد پر رہا کرتے تھے۔

جنگ بدر میں یہ قریش کی جانب تھے اور پکڑے گئے تھے، ان کی مشک بندی زور سے کر دی گئی تھی، جس کی تکلیف سے وہ ہائے ہائے پکارا کرتے تھے۔

یہ آواز نبی ﷺ کے سمع مبارک تک آتی تھی اور آپ ﷺ ادھر سے ادھر کروٹیں بدلتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور ﷺ آرام کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا: عباس کے کراہنے سے مجھے نیند نہیں آتی۔ تھوڑی دیر ہو چکی تو حضور نے یہ آواز نہ سنی،

---

[1] الاستیعاب، کتاب النساء، باب الدّال: ٤/ ٢٩١۔ [2] ایضًا۔

[3] الاستیعاب، حرف العین باب ذکر من اسمه العباس: ٢/ ٢٦٣۔

فرمایا: عباس کا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کی مشک بندی کھول دی ہے فرمایا جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرو۔

حجاج بن علاط کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عباس قدیم الاسلام تھے، [1] لیکن انہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا اور حکم نبوی ﷺ سے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اخبارِ کفار حضور ﷺ تک پہنچایا کرتے اور غریب مسلمانانِ مکہ کی امداد فرمایا کرتے تھے، اظہار اسلام کے بعد حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں شامل ہوئے۔

اظہارِ اسلام سے پیشتر بیعت عقبہ ثانیہ میں نبی ﷺ کی معیت میں حاضر تھے بدر میں عقیل اور نوفل برادر زادوں اور حارث برادر خود کا فدیہ انہوں نے خود ادا کیا تھا۔ جنگ حنین میں حضرت عباس برابر ملتزم رکاب نبوی ﷺ رہے۔

اسلام کے بعد نبی ﷺ ان کی نہایت حرمت و عزت فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے [2] ((هٰذَا عَمِّي وَصِنْوُ أَبِيْ)) (یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں)

حضرت عباس جواد و مطعم، اہل قرابت سے سلوک کرنے والے، صاحب رائے و تدبیر اور صاحب دعائے مستجاب تھے۔

انہوں نے ۱۲ رجب (یا رمضان) ۳۲ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ ادا کروائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔

ان کے فرزند یہ ہیں:

فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن (ام حبیب دختر) یہ سب تو ام الفضل کے بطن سے ہیں اور عون بن عباس ایک دوسری ماں سے اور تمام و کثیر ایک اور ماں سے اور حارث ایک اور ماں سے ہیں۔

(۱) فضل بن عباس سب سے بڑے ہیں۔ باپ کی کنیت ابوالفضل اور ان کی ماں (لبابۃ الصغریٰ) کی کنیت ام الفضل انہی کے نام پر ہے یہ غزوہ حنین میں شریک اور حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اور غسل نبوی ﷺ میں شامل تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔

خلافت صدیقی ۱۳ھ یا فاروقی ۱۸ھ میں شہید ہوئے۔ ایک لڑکی ام کلثوم باقی چھوڑی۔ اس کا نکاح اول حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ پھر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کی ہے۔

(۲) عبداللہ بن عباس حضرت عباس کے فرزندوں میں سب سے زیادہ مشہور حبر امت اور ربی اُمت کے لقب سے ملقب ہیں۔ ۶۸ھ میں ستر سال کی عمر میں طائف میں وفات پائی۔

نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَتَأْوِيْلَ الْقُرْاٰنِ)) [3]

مسروق کہتے ہیں ابن عباس کو دیکھ کر میں کہتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ حسین ہیں۔ گفتگو سن کر یقین ہوتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ فصیح ہیں اور ان کی روایات سن کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب سے بڑھ کر عالم ہیں۔

---

[1] زاد المعاد، ج۳/ ۳۳۷۔ [2] الاصابة، حرف العين، باب العباس، ج۲/ ۲۶۳۔ [3] الاستيعاب، حرف العين: ۲/ ۳٤٤۔ ایک حدیث الفاظ دعائے نبوی ﷺ یہ ہیں: ((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَانْشُرْ مِنْهُ وَاجْعَلْهُ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ))۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو حاکم بصرہ مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل ونہروان میں یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مع اپنے فرزندان حسن وحسین اور محمد کے حاضر رہے تھے۔ آخر عمر میں ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اس پر ان کے اشعار ہیں:

إِنْ يَأْخُذِ اللّٰهُ مِنْ عَيْنَيَّ نُوْرَهُمَا فَفِيْ لِسَانِيْ وَقَلْبِيْ مِنْهُمَا نُوْرُ
قَلْبِيْ زَكِيٌّ وَعَقْلِيْ غَيْرُ ذِيْ دَخَلٍ وَفِيْ فَمِيْ صَارِمٌ كَالسَّيْفِ مَأْثُوْرٌ [1]

علوم شعر وانساب اور ایام عرب اور وقائع عرب اور علم حدیث وفقہ تفسیر میں امام تھے۔ خلفائے عباسیہ انہی کی اولاد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ڈیڑھ ہزار سے کچھ زائد احادیث کی روایت کی ہے۔ [2] خلفائے بغداد جن کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۰ھ تک رہی انہی کی نسل سے تھے عالی جناب والا دودمان نواب صاحب بہاولپور اسی شاخ عالی سے ہیں۔

(۳) عبیداللہ بن عباس، یہ اپنے بھائی عبداللہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ علی مرتضیٰ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم یمن بنایا تھا اور ۳۶ھ و ۳۷ھ میں یعنی دو سال تک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم سے امیر الحج بھی بنے رہے ۵۸ھ میں وفات پائی۔ اجود الناس مشہور تھے۔

(۴) معبد، عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور ۳۵ھ میں بعہد خلافت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ملک افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

(۵) قثم بن عباس، عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ میں عبیداللہ اور قثم کھیل رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے مجھے آگے اور قثم کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور ہمارے لیے دعا بھی فرمائی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم مکہ کر دیا تھا اور شہادت مرتضوی تک یہ اسی جگہ مامور رہے۔ قثم، سعید بن عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سمرقند کے جہاد کو گئے تھے، وہیں شہید ہوئے ایک شاعر ان کی مدح میں لکھتا ہے:

كَمْ صَارِخٍ بِكَ مَكْرُوْبٌ وَصَارِخَةٍ يَدْعُوْكَ يَاقُثَمُ الْخَيْرَاتِ يَا قُثَمُ [3]
بہت سے مصیبت زدہ مرد اور عورتیں قثم سخی قثم کو پکارا کرتے ہیں

سب سے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی الگ ہوئے تھے۔ یعنی لحد مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لٹانے کے بعد سب سے آخر میں یہی باہر نکلے تھے۔

(۶) کثیر، وفات نبوی سے چند ماہ پیشتر ۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ فقیہ ذکی وفاضل تھے۔ ان کی ماں رومیہ (یورپین) تھی۔

(۷) تمام، کثیر کے مادر زاد بھائی، اولاد عباس میں سب سے چھوٹے ہیں، بڑے بہادر حملہ آور تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حاکم مدینہ بھی رہے، ان کی اولاد باقی ہے۔

(۸) عبدالرحمٰن، عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی معبد کے ساتھ افریقہ میں شہید ہوئے۔

(۹) ام حبیب، دختر عباس رضی اللہ عنہ کا نکاح اسود بن سفیان عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا۔ سفیان، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی

---

[1] الاستيعاب، حرف العين، باب عبدالله: ۲/ ۳۴۸۔ [2] كتاب الفصل فى الملل والأهواء والنحل الكلام فى الفضل والمفاضلة بين الصحابة، ج ٤/ ٢١٤۔ [3] الاستيعاب، حرف القاف، باب الأفراد فى القاف: ۳/ ۲٦٦۔

برادر ہے۔

زبیر عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴ سال کے تھے، جب ان کا انتقال ہوا۔ [1] حلف الفضول [2] کے قیام میں انہوں نے بہت سعی کی تھی، اس سے ان کی نیکی اور رحم دلی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ زبیر شاعر فصیح البیان تھے اپنے والد کے وصی تھے۔ [3] ان کا ایک فرزند عبداللہ اور دو لڑکیاں ضباعہ اور ام حکیم صحابی ہیں۔ [4]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جنگ اجنادین میں جو بعہدِ خلافت صدیق ہوئی۔ شہید ہوئے ان کی لاش کے گرد دشمنوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا، جس سے واضح تھا کہ کیسی شجاعت کے بعد انہوں نے جان بجان آفرین کر دی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (ابن عمّی و حبّی) (میرے چچا کا بیٹا اور میرا پیارا) فرمایا کرتے تھے۔

عمّات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ام حکیم بیضاء عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبداللہ وابو طالب و زبیر کی حقیقی بہن ہیں۔

ان کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف سے ہوا تھا۔ ان کے فرزند کا نام عامر تھا۔ جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا عبداللہ بن عامر بھی صحابی ہے۔ جسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے والی خراسان بنایا تھا۔

ام حکیم کی دختر ارویٰ، جو عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ [5]

اُمیمہ عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ان کا نکاح جحش بن رباب سے ہوا تھا۔ ام المؤمنین زینبؓ اور ام حبیبہؓ، اور حمنہؓ دختران اور عبداللہ بن جحش ان کے پسر ہیں۔

ام حبیبہؓ اہلیہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حمنہؓ کا پہلا نکاح مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے، دوسرا نکاح حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس نکاح سے محمدؓ اور عمرانؓ دو فرزند ہوئے، جو اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جحش یوم احد کو شہید ہوئے اور اپنے ماموں حمزہ کے ساتھ مدفون ہوئے۔

---

[1] انسان العیون، جلد اول، ص: ۱۳۵۔ [2] حلف الفضول دیکھو کتاب رحمۃ للعالمین جلد اول۔

[3] طبقات کبریٰ، ابن سعد ذکر نذر عبدالمطلب: ۱/ ۹۳۔ [4] الاستیعاب، فصل فیمن عرف بالکنیۃ من النساء، باب الحاء: ۴/ ۴۲۴۔ [5] الاصابۃ، ۴/ ۲۲۲، زرقانی، الاستیعاب۔

عاتکہ عمۃ النبی ﷺ

انہوں نے جنگ بدر سے چند یوم پہلے ایک خواب دیکھا تھا، کافروں نے یہ خواب سنا تو خوب ہنسی اڑائی کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوت کرنے لگیں، لیکن نتیجہ وہی نکلا جیسا کہ خواب میں ان کو دکھایا گیا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک سوار ہے اس نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر اٹھایا ہے اور رکن کعبہ پر کھینچ مارا ہے۔ اس پتھر کے ذرہ ذرہ ریزے ہو گئے۔ ہر ایک ریزہ قریش کے ہر ایک گھر میں جا پہنچا۔ البتہ بنوزہرہ بچے رہے۔ [1] عاتکہ بمعنی طاہرہ ہے۔

صفیہ عمۃ النبی ﷺ

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔

ان کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا تھا وہ مر گیا تو نکاح ثانی عوام بن خویلد بن اسد سے ہوا۔ عوام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے برادر حقیقی تھے اس نکاح سے حضرت زبیر پیدا ہوئے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور نبی ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

سائب بن العوام بھی ان کے فرزند ہیں، جو غزوات بدر و خندق میں اور جنگِ یمامہ میں نبرد آزما ہوئے تھے صفیہ حضرت حمزہ کی حقیقی بہن ہیں انہوں نے جنگ خندق میں ایک یہودی کو قتل بھی کیا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کو مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا تھا۔

انہوں نے اپنی قوت ایمانیہ کے کمال کا ثبوت جنگ احد میں دیا تھا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے بھائی کو خاک و خون میں دیکھا۔ ان کی لاش کو بے حرمت شدہ پایا۔ پھر بھی نہ روئیں، نہ چلائیں، بلکہ دعا کر کے چلی آئیں۔

برّہ عمۃ النبی ﷺ

ان کا نکاح عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی سے ہوا تھا ابوسلمہ عبداللہ ان ہی کے فرزند ہیں، جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اوّل ہیں۔ ابوسلمہ کا شمار اسلام میں داخل ہونے والوں میں گیارہواں ہے۔ ابوسلمہ کا بقیہ حال ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے احوال میں ہے۔

ارویٰ عمۃ النبی ﷺ

نبی ﷺ کے والد کی حقیقی بہن ہیں۔ ابن سعد اور ابن القیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے اور واقدی نے روایت کیا ہے کہ جب ان کے فرزند طلیب نے ماں کو اپنے
اسلام کی خبر سنائی تو ارویٰ خاتون نے کہا:

إِنَّ أَحَقَّ مَنْ آزَرْتَ وَعَضَدْتَ ابْنُ خَالِكَ لَوْ كُنَّا نَقْدِرُ عَلَى مَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ لَمَنَعْنَاهُ وَذَبَبْنَا عَنْهُ۔

’’تیرے لیے تیرے ماموں کا بیٹا سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے بخدا اگر ہم عورتوں کو مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم اس کا بچاؤ کیا کرتیں اور اس کے دشمنوں کا جواب دیا کرتیں۔‘‘

---

[1] بنوزہرہ جنگ بدر میں شامل نہ ہوئے تھے۔

اروی نے نبی ﷺ کی وفات پر مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:

أَلَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كُنْتَ رَجَائَنَا وَكُنْتَ بِنَابَرًّا وَلَمْ تَكُ جَافِيَا

كَأَنَّ عَلىٰ قَلْبِيْ لِذِكْرِ مُحَمَّدٍ وَمَاخِفْتُ مِنْ بَعْدَ النَّبِيِّ الْمَكَاوِيَا [1]

اروی کا نکاح عمیر بن وہیب بن عبد بن قصی سے ہوا تھا۔ان کے فرزند طلیب قدیم الاسلام تھے ان کا شمار مہاجرین اول میں ہوتا ہے۔انہوں نے اول ہجرت حبشہ کی اور پھر ہجرت مدینہ۔بعض کے نزدیک طلیب پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں خون بہایا (بعض کے نزدیک سعد بن ابی وقاص ہیں) جنگ بدر میں حاضر ہوئے واقعہ اجنادین میں شہید ہوئے ،اولاد نہیں چھوڑی۔

عبداللہ والد النبی ﷺ

باپ کے لاڈلے فرزند تھے۔عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے دس فرزند عطا فرمائے گا تو وہ ایک کو تقرب الٰہی کے لیے ذبح کرے گا۔جب عبدالمطلب کے گھر دس فرزند پیدا ہو چکے،تب انہوں نے اپنی منت کو پورا کرنے کا ارادہ کیا قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔عبداللہ نے باپ کی خوشنودی اور مرضاۃ الٰہی کے لیے قربان ہونا منظور کر لیا لیکن ابوطالب نے اپنے برادر شفیق کے لیے مزاحمت کی اور اشعار ذیل میں اپنا مدعا باپ سے بیان کیا:

كَلَّا وَرَبِّ الْبَيْتِ ذِي الْأَنْصَابِ مَاذُبِحَ عَبْدًا لِلّٰهِ بِالتِّلْعَابِ

يَاشَيْبُ إِنَّ الرِّيْحَ ذُوْعِقَابِ إِنَّ لَنَاجِره فِي الْخِطَابِ

أَخْوَالُ صِدْقٍ كَأُسُوْدِالْغَابِ [2]

حضرت عبداللہ کے ننھیال بھی اس مزاحمت میں شریک ہو گئے۔مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے کہا:

يَا عَجَبًا مِنْ فِعْلِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَذِبْحِهِ إِبْنًا كَتِمْثَالِ الذَّهَبِ

كَلَّا وَبَيْتُ اللّٰهِ مَسْتُوْرُ الْحَجَبِ مَاذُبِحَ عَبْدُاللّٰهِ فِيْنَا بِاللَّعِبِ [3]

آخر فیصلہ ہوا کہ ایک مشہور کاہنہ جو کچھ کہہ دے،اس کے مطابق عمل کیا جائے۔کاہنہ نے کہا کہ قرعہ اونٹوں پر ڈالنا چاہیے اور جب عبداللہ کو چھوڑ کر اونٹوں کا قرعہ نکلے۔تب اتنے اونٹ قربانی کر دینے چاہئیں۔قرعہ کا آغاز دس اونٹوں سے کیا گیا،پھر بیس، تیس،چالیس،پچاس،ساٹھ،ستر،اسی،نوے تک بڑھاتے گئے۔ہر دفعہ عبداللہ کا نام نکلا،لیکن جب اونٹوں کی تعداد ایک سو کر دی گئی،تب قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا،اور عبدالمطلب نے بیٹے کے فدیہ اور اپنی منت کے بدلے میں سو اونٹ قربان کر دیئے۔

اس میں شک نہیں کہ انسانی قربانی ایک وحشیانہ رسم ہے،لیکن یہ رسم اس زمانہ تک ہر ایک ملک میں پائی جاتی تھی اور ہند، یونان،مصر و ایران،چین و افریقہ کے ممالک میں برابر جاری تھی۔

عبدالمطلب کے اس فعل میں اگر کوئی ندرت ہے تو یہ ہے کہ اس نے یہ منت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے مانی تھی۔کسی دیوتا یا

---

[1] سیرت طیبہ مصنفہ مولوی کرامت علی دہلوی،تفسیر القرطبی ۴/۲۲۴۔

[2] سیرت طیبہ مولوی کرامت علی دہلوی۔ [3] سیرت طیبہ مولوی کرامت علی دہلوی۔

بت کے لیے نہیں جیسا کہ اس رسم کے پابند لوگ کلیتاً غیر اللہ ہی کے لیے کیا کرتے ہیں ممکن ہے کہ سردار عبدالمطلب کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا شوق پیدا ہوا ہو اور اس شوق میں مامور و غیر مامور کے فرق کو نہ سمجھ کر انہوں نے یہ باور کر لیا ہو کہ ہر ایک باپ کو قربانی فرزند کا حق حاصل ہے۔

اللہ عزوجل نے احسان فرمایا کہ عبدالمطلب کو بھی ایفائے نذر سے سرخرو کیا اور عبداللہ کو بھی بچایا۔ اس واقعے سے پیشتر عرب میں انسانی دیت (خون بہا) کے لیے دس اونٹ مقرر تھے، لیکن اس واقعے کے بعد دیت کی مقدار عام طور پر سو اونٹ ہوگئی، گویا عبدالمطلب کے خلوص اور سردار عبداللہ کی اطاعتِ پدری کا یہ نتیجہ نکلا کہ سارے ملک میں انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور یہ ظاہر ہے کہ دیت کی مقدار میں دہ چند ترقی ہو جانے سے وارداتِ قتل کے شمار میں ضرور نمایاں کمی ہوگئی اور اس طرح یہ واقعہ تمام ملک اور بنی نوع انسان کے لیے یمن و برکت کا موجب بن گیا۔

بیشک جس گرامی سردار کے فرزند کو رحمۃ للعالمین بننا تھا، اس کے آبائے کرام کا بھی بنی نوع انسان کے لیے ایسا ہی محسن ہونا ضروری تھا۔

سردار عبداللہ کی عفتِ نفس کا ایک واقعہ ابونعیم و خرابطی و ابنِ عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت مرالخثعمیہ نے ان سے اظہار محبت کیا اور اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے سو اونٹوں کا عطیہ بھی ان کو دینا چاہا لیکن انہوں نے اس درخواست کے جواب میں یہ قطعہ پڑھ کر سنا دیا:

أَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَهُ وَالْحِلُّ لَا حِلَّ فَأَسْتَبِيْنَهُ
فَكَيْفَ إِلَى الْأَمْرِ الَّذِيْ تَبْغِيْنَهُ يَحْمِي الْكَرِيْمُ عِرْضَهُ وَدِيْنَهُ [1]

سردار عبداللہ کا نکاح سیدہ آمنہ سے ہوا تھا۔ اس نکاح کے بعد وہ ملک شام کو تجارت کے لیے چلے گئے تھے اور واپسی کے وقت مدینے میں اس لیے ٹھہرے تھے کہ اپنے باپ کے حکم کے موافق وہاں سے کھجوروں کا سودا کریں، وہیں بیمار ہوئے اور عالمِ آخرت کو سدھار گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسماء پر نظر کرو، اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے ہر ایک مورخ تعجب کرے گا کہ ایسے پاک نام کیوں کر رکھے گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ارہاص نبوت تھا جس بچے کو باپ کے خون سے عبودیت الٰہی اور ماں کے دودھ سے امن عامہ کی گھٹی ملی ہو، کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کہ وہ محمود الافعال حمید الصفات ہو اور تمام دنیا کی زبان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے۔

سردار عبداللہ کا انتقال ۲۵ سال کی عمر میں ہوا تھا، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز شکم مادر ہی میں تھے۔

سیّدہ آمنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں، ان کے والد وہب بنو زہرہ کے سردار، قریش میں نہایت محترم تھے سیدہ آمنہ نے اپنے چچا وہیب کی حضانت میں پرورش پائی تھی۔ وہیب بھی اپنے بھائی کی طرح قوم کا سید اور مطاع تھا۔

---

[1] خصائص الکبریٰ، باب اخبار الکھان بہ قبل۔ ترجمہ: فعل حرام کے ارتکاب کرنے سے تو مر جانا ہی اچھا ہے حلال کو بیشک پسند کرتا ہوں مگر اسکے لیے اعلان ضروری ہے تم مجھے بہکاتی ہو مگر شریف انسان کو لازم ہے کہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے۔

سیدہ آمنہ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

آبائها	اُمّهاتها			
وہب	برہ	بنت	اب۔ ام۔	عبد العزیٰ بن عثمان عبد الدار بن قصی سلسلہ نمبر ۵ آباء نبوی ام حبیب 1 بنت اسد بن عبد العزیٰ بن قصی سلسلہ نمبر ۵ آباء نبوی
عبد مناف	قیلہ	بنت	اب۔ ام۔	دخیر 2 بن غالب بن حارث (من الخزاعہ) سلمیٰ 3 بنت لوی بن غالب سلسلہ نمبر ۱۰ آبائی نبوی
زہرہ	جُمل	بنت	اب۔ ام۔	مالک بن قصیہ بن سعد بن ملیح (من الخزاعہ) --------------------
کلاب	فاطمہ	بنت	اب۔ ام۔	سعد بن سیل (من الازد) ظریفہ بنت قیس

اس سلسلہ سے واضح ہوگا کہ زہرہ اور قصی بن کلاب دونوں برادر شقیق تھے۔

سیدہ آمنہ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں امانت دار نور نبوی (محمدی) بن گئی تھیں، ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکا لو اور کچھ بازوؤں پر باندھ لو۔ میں نے ایسا ہی کر لیا مگر چند روز کے بعد دیکھا کہ وہ لوہے کی چیزیں کہیں گر پڑی تھیں، پھر میں نے کچھ بھی نہ باندھا۔ 4

سیدہ آمنہ کو خواب میں بتایا گیا تھا کہ پیٹ کے بچے کا نام احمد رکھنا۔ چنانچہ ماں نے آنحضرت ﷺ کا نام احمد رکھا اور دادا نے محمد (ﷺ) تجویز کیا۔ پس محمد و احمد 5 دونوں مبارک نام حضور ﷺ کے ذاتی نام ہیں۔

اس خواب کے بعد ہی سیدہ آمنہ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا مولود نہایت مبارک و مسعود ہوگا۔ چنانچہ جب حلیمہ نے آنحضرت کو گود میں لینے سے اس لیے تامل کیا کہ حضور یتیم بچے ہیں، تو سیدہ آمنہ نے فرمایا تھا:

يَاظَئِيرُ سَلِّيْ عَنِ ابْنِكِ فَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ لَهُ شَأْنٌ۔

''اے دایہ! اس بچے سے مطمئن رہو اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔''

حلیمہ بچے کو لیکر چلیں تو سیدہ آمنہ نے یہ اشعار کہے:

أُعِيْذُهُ بِاللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ مِنْ شَرِّمَا مَرَّ عَلَى الْجِبَالِ
حَتّٰى أَرَاهُ حَامِلَ الْحَلَالِ وَيَفْعَلُ الْعُرْفَ إِلَى الْمَوَالِي

---

1 ام حبیب کی ماں برہ بنت عوف نانی قلابہ بنت الحارث، پڑنانی امیمہ بنت مالک، پڑنانی کی ماں دُب بنت ثعلبہ پڑنانی کی نانی عاتکہ بنت غاضرہ پڑنانی کی پڑنانی لیلیٰ بنت عوف بن قصی ہے۔ ابن سعد۔

2 دخیر کی ماں سلامہ بنت واہب نانی امینہ بنت قیس بن ربیعہ پرنانی نجعہ بنت عبید ہے۔

3 سلمیٰ کی ماں مادیہ بنت کعب بن القین ہے۔

4 طبقات ابن سعد، ذکر حمل آمنة برسول الله: ۱/ ۱۸۔

5 طبقات ابن سعد، ذکر اسماء الرسول ﷺ: ۱/ ۱۰۴ ابن سعد نے بروایت محمد بن علی یعنی ابن الحنفیہ روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے والد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا کہ حضور فرماتے تھے "سُمِّيْتُ أَحْمَدَ" یہ روایت مرفوع ہے۔

وَغَيْرِهِمْ مِنْ حَشْوَةِ الرِّجَالِ [1]

دو سال کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا دودھ چھڑایا گیا تو مائی حلیمہ حضور ﷺ کو مکہ میں لائیں۔ اس وقت مکہ میں وبا کی بیماری تھی، دانش مند والدہ نے حضور ﷺ کو پھر واپس بھیج دیا۔

پانچ سال کی عمر کے بعد مائی حلیمہ نبی ﷺ کو پھر واپس لائیں۔ اس وقت ماں نے اس آنکھوں کے نور کو جس نے تمام دنیا کے سامنے نور حقہ روشن فرمایا، اپنے پاس رکھ لیا اور پھر ان کو ساتھ لے کر یثرب گئیں۔ ننھیال کے ملنے کا بہانہ تھا اور غالباً بے وطن متوفی شوہر کی مٹی دیکھنے کا شوق دل میں پیدا ہوا تھا۔

وہاں ایک مہینہ تک دارالنابغہ میں قیام کیا۔ اس سفر میں دو اونٹ سواری کے لیے اور ام ایمن [2] لونڈی بھی ساتھ تھی۔ نبی ﷺ جب ۴۷ سال کے بعد مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو بچپن کی باتوں کو یاد کر کے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ایک لڑکی انیسہ ہوتی تھی جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ اس قلعہ کے اوپر پرندہ آ کر بیٹھا کرتا تھا بچے اسے اڑایا کرتے تھے اس گھر میں میری ماں یہاں بیٹھا کرتی تھی۔ اور اس گھر میں میرے والد کی قبر اس جگہ بنائی ہوئی تھی اور بنو عدی بن النجار کی باولی میں میں خوب تیرنا سیکھ گیا تھا۔

سیدہ آمنہ ایک ماہ قیام یثرب کے بعد مکہ کو واپس ہوئیں تو مقام ابواء پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ غالباً پیارے شوہر کی مفارقت کا وہ اندوہ جو قبر کے دیکھنے سے بڑھ گیا اور قلب پر چھا گیا تھا، اپنا کام کر گیا۔ اور یہ پیکر محبت پھر زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکی اور اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت کاملہ پوری ہوئی کہ نبی اپنی تربیت میں پدر و مادر (ہر دو) کے بار منت سے سبکدوش رہے۔

سیدہ آمنہ کے اشعار اپنے شوہر کی وفات پر درج ذیل ہیں:

عَفَا جَانِبُ الْبَطْحَاءِ مِنِ ابْنِ هَاشِمٍ ... وَجَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَاغِمِ

دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَأَجَابَهَا ... وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمِ

عَشِيَّةَ رَاحُوْا يَحْمِلُوْنَ سَرِيْرَهُ ... تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحُمِ

فَإِنْ يَكُ غَالَتْهُ الْمَنَايَا وَرَيْبُهَا ... فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيْرَ التَّرَاحُمِ [3]

---

[1] طبقات ابن سعد، ذكر من أرضع رسول الله، ج ۱/ ۱۱۱۔ میں اپنے بچے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے یہاں تک کہ میں اسے شتر پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں کے ساتھ اور درماندہ لوگوں کے ساتھ سلوک و احسان کرنے والا ہے۔

[2] ام ایمن برکت بن ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن النعمان سردار عبداللہ کی لونڈی خادمہ تھیں۔ نبی ﷺ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے امی بعد امی اور ان کے مکان پر جایا کرتے تھے ان کا پہلا نکاح عبید الحبشی سے ہوا تھا جس سے ایمن پیدا ہوا۔ دوسرا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا جس سے اسامہ پیدا ہوا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اپنی خلافت کے ایام میں ام ایمن کی زیارت کو ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایمن غزوہ حنین میں شہید ہوئے تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے اپنے قصیدہ میں ان کی اس روز کی ثبات جرأت کی تعریف کی ہے۔ اسامہ بن زید سے نبی ﷺ بہت محبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی۔

[3] طبقات ابن سعد، ذكر وفاة عبدالله بن عبد المطلب: ۱/ ۱۰۰۔ ترجمہ:۔ ہاشم کا ایک فرزند بطحا کی جانب جا کر چھپ گیا وہ لحد میں بہادروں کی بانگ و خروش کے ساتھ جا سویا۔ موت نے اسے پکارا اور وہ چلا گیا۔ افسوس کہ موت نے اس کا نظیر بھی دنیا میں کوئی نہ چھوڑا۔ اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھا لے چلے اور از راہِ محبت وہ نوبت بہ نوبت کاندھا بدلتے اور اس کے اوصاف باری باری بیان کرتے تھے خواہ موت نے اسے ہم سے دور ہی کر دیا مگر اس میں تو شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی اور غریبوں کا بہت زیادہ ہمدرد تھا۔

فصل دوم

آل النبی ﷺ

نبی ﷺ کے فرزندان نرینہ تین اور دختران طاہرہ چار ہیں۔ ہر ایک کا جداگانہ مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

(الف) ابناء النبی ﷺ

قاسم

پہلے مولود ہیں جو نبی ﷺ کے گھر میں خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ راہ گرائے عالم جاودانی ہوئے۔

نبی ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' ان ہی کے نام پر ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی ﷺ منع فرمایا کرتے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کے نام اور کنیت کو اپنے لیے جمع کرے اور ابوالقاسم محمد کہلائے۔ بعض نے اس نہی کو زمان نبوی سے مختص قرار دیا ہے۔

عبداللہ

انہی کا لقب طیب وطاہر [1] ہے۔ مکہ معظمہ میں بعثت نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ ہی میں وفات پائی۔

انہی کی وفات پر سورۂ کوثر کا نزول ہوا تھا۔ کفار سمجھتے تھے کہ فرزند کے نہ بچنے سے اب کوئی محمد ﷺ کا نام لیوا نہیں رہا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ (زبور ۴۵۔۱۷) حضور ہی کی ثنا میں ہے۔ ''میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا، پس سارے لوگ ابدالآباد تیری ستائش کریں گے۔'' (زبور ۷۲۔۱۷) بھی حضور کی شان میں ہے۔ ''اس کا نام ابد تک باقی رہے گا، جب تک آفتاب رہے گا، اس کے نام کا رواج رہے گا، لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک کہیں گے، ساری قومیں اسے مبارک باد دیں گی۔'' (زبور ۷۲۔۱۵) بھی حضور ہی کی شان میں ہے۔ ''اس کے حق میں سدا دعا ہوگی ہر روز اس کی مبارکباد کہی جائے گی۔''

انہی بشارات صحف سابقہ اور اعلان قرآن مبین کا اثر ہے کہ ان کافروں کا جن کو اپنی اولاد کا غرور تھا۔ آج کوئی نام بھی نہیں لیتا بلکہ ان کی نسل کا کوئی بچہ بھی اپنی نسبت وہاں تک نہیں پہنچاتا، لیکن حضور ﷺ کا ذکر خیر اور اسم ہمایوں اذان وتکبیر تشہد وصلوٰۃ، درود وکلمہ طیب میں زبانوں پر جاری اور دلوں پر حاوی ہے۔

ابراہیم

مدینہ منورہ میں ماریہ خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ولادت کی اطلاع ابورافع [2] نے جو سلمیٰ [3] دایہ کا شوہر تھا نبی ﷺ کے حضور پہنچائی تھی۔ حضور نے اسے ایک غلام عطا فرمایا اور بچہ کا نام اپنے جد بزرگوار خلیل الرحمٰن کے نام پر ''ابراہیم'' رکھا۔ ام بردہ

---

[1] میرا ذاتی خیال ہے کہ اس مولود مسعود کا لقب ''طیب'' نبی ﷺ کی جانب سے تھا اور لقب ''طاہر'' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے (مصنف)

[2] نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ [3] سلمیٰ، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مادر زبیر رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ لونڈی ہیں سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے تمام بچوں کی قابلہ بھی یہی ہیں سیدہ فاطمہ بتول کے غسل میں بھی مع اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا یہی شامل تھیں۔ غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

بنت المنذر بن زید الانصاری نے جو براء بن اوس انصاری کی زوجہ ہیں ان کو دودھ پلایا۔ نبی ﷺ نے ام بردہ کو ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ابھی ایام رضاعت باقی تھے کہ حوریان فردوس کی چھاتیوں کا شیر پینے کو خلد بریں جا سدھارے۔ نبی ﷺ نے جب آخری وقت ان کو دیکھا تو وہ سانس چھوڑ رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو گود میں اٹھایا اور زبان سے فرمایا:

((یَا اِبْرَاھِیْمُ اِنَّا لَا نُغْنِیْ عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا)) ❶

''ابراہیم حکم الٰہی کے سامنے ہم تیرے کس کام آ سکتے ہیں۔''

پھر ارشاد فرمایا:

((لَوْلَا اَنَّہٗ اَمْرٌ حَقٌّ وَوَعْدُ صِدْقٍ وَاَنَّ اٰخِرَنَا سَیَلْحَقُ اَوَّلَنَا لَحَزِنَّا عَلَیْكَ حُزْنًا ھُوَ اَشَدُّ مِنْ ھٰذَا وَاِنَّا بِكَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْکِی الْعَیْنُ وَیَحْزُنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا یُسْخِطُ الرَّبَّ)) ❷

''ہم جانتے ہیں کہ موت تو امر حق اور وعدہ صدق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پچھلے رہ جانے والے بھی پہلے جانے والوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تب ہم ابراہیم کا الم اس سے بھی زیادہ کرتے۔ آنکھ میں نم ہے۔ دل میں غم ہے مگر ہم کوئی بات ایسی نہ کہیں گے جو رب کو ناپسند ہو۔''

اتفاق یہ ہوا کہ جس روز سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اسی روز سورج گرہن بھی ہوا ❸ قدیم عرب کا اعتقاد تھا کہ کسوف و خسوف کسی بڑے آدمی کی موت سے ہوا کرتا ہے، اب اس واقعہ پر کچھ کچھ مسلمان بھی کہنے لگے کہ سورج ابراہیم کی موت سے گہنایا گیا۔ نبی ﷺ نے یہ سنا تو خطبہ دیا:

((اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلٰکِنَّھُمَا اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھَا فَصَلُّوْا)) ❹

''سورج، چاند کسی بھی انسان کی موت سے نہیں گہناتے وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھا کرو۔''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قَدْ کَانَ مَھْدٌ مَلَاہُ وَلَوْ بَقِیَ لَکَانَ نَبِیًّا وَلٰکِنْ لَّمْ یَکُنْ لِیَبْقٰی لِاَنَّ نَبِیَّکُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ ﷺ۔ ❺

''ابراہیم سے پنگھوڑا بھرا بھرا نظر آتا تھا، اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا، مگر زندہ کیسے رہتا، ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ تو آخری نبی ہیں۔''

ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

مَاتَ وَھُوَ صَغِیْرٌ وَلَوْ قُدِّرَ اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیٌّ لَعَاشَ وَلٰکِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔

---

❶ الاستیعاب حرف الألف: ۱/ ۲۵۔ ❷ الاستیعاب: ۱/ ۲۵ باب حرف الالف۔

❸ بخاری عن المغیرۃ، کتاب الکسوف، باب الصلاۃ فی الکسوف، حدیث: ۱۰۴۳۔

❹ بخاری عن ابی مسعود، کتاب الکسوف، باب الصلاۃ فی الکسوف، حدیث: ۱۰۴۱۔ ❺ الاستیعاب: ۱/ ۲۶۔

''وہ بچپن ہی میں فوت ہو گیا، اگر تقدیر الٰہی میں یہ ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی ہو تو وہ ضرور زندہ رہتا لیکن حضور ﷺ کے بعد تو کوئی بھی نبی نہیں۔''

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماریہ رضی اللہ عنہا خاتون ہیں جو قبطی نسل سے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر شاہ مصر نے ہاجرہ خاتون کو پیش کیا اسی طرح نبی ﷺ کے ہمعصر شاہِ مصر نے ماریہ خاتون کو خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ اس مثال میں فرق ہے تو اس قدر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عہد بت پرست و جبار تھا اور نبی ﷺ کا ہم عصر ایک پابند مذہب عیسائی، اور مصر بھی ان دنوں میں عیسائیت کی تحقیقات میں بہت منہمک تھا۔ اس واقعہ سے وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو داوٗد علیہ السلام کی معرفت دی گئی تھی: ''بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں ملکہ اوفیر کی سونے سے آراستہ ہو کر تیرے داہنے ہاتھ [1] کھڑی ہے۔'' (زبور ۴۵۔۹)

نیز یہ بشارت پوری ہوئی۔ ''ترسیس [2] اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے گزاریں گے۔'' (زبور ۷۲۔۱۰)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ واقدی اور ابن سعد نے ولادت ابراہیم ۸ ھ اور وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۰ ھ تحریر کی ہے۔ اس پر ان کا بھی اتفاق ہے کہ یوم وفات کو سورج گرہن تھا روایات بالا میں ولادت کا ماہ و سال اور علیٰ ھذا وفات کی تاریخ اور مہینہ سب غلط ہیں صحیح صرف اس قدر ہے کہ ۱۰ ھ میں وفات پائی اور اس روز کسوف شمس تھا۔ مواہب لدنیہ میں ۱۰ ھ کے ساتھ تاریخ ۲۸ یا ۲۹ غالباً بتائی گئی ہے، مگر مہینہ کا تعین پھر غلط کیا گیا۔ نبی ﷺ نے کسوف کو ا يَةٌ مِّنَ الاٰيَاتِ فرمایا ہے پس مؤرخ کے لیے بھی یہ واقعہ از برائے تصحیح تاریخ ایک آیت ہے۔ حساب لگایا گیا تو ۱۰ ھ کا سورج گرہن ۲۹ شوال بروز دوشنبہ مطابق ۳۰/۲۷ جنوری ۶۳۲ء ثابت ہوا۔ انڈین کرونالج اور انڈین ائے رانگنتھم اور انڈین کلینڈر رابرٹ سیول نے بھی یہی تاریخ اس گرہن کی تسلیم کی ہے۔ ہندوستان میں اس روز ۲۸ شوال تھی، عرب کے حساب سے ۲۹ ہو سکتی ہے اور اسی کو محمود پاشا فلکی نے اپنے رسالہ نتائج الافہام مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ کے ص ۱۰ پر اختیار کیا ہے۔

اب کہ تاریخ وفات ۲۹ شوال ۱۰ ھ محقق ہو گئی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت عن جابر رضی اللہ عنہ پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ صحیح بخاری میں عمر ۱۷ یا ۱۸ ماہ اور مسند میں پورے ۱۸ ماہ بیان کی گئی ہے پس ان روایات صحیحہ سے زمانہ ولادت متعین کر لینا چاہیے۔ ۱۸ ماہ پہلے کے شہور کو شمار کر جاؤ۔ جمادی الاولیٰ ۹ ھ آئے گا۔ یہی مہینہ ولادت سید ابراہیم کا ہوا۔ اس تحقیقات سے دیگر سب مختلف روایتوں کا ضعف نمایاں ہو جاتا ہے، جو سیدنا ابراہیم کی عمر اور تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے متعلق ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ سورۂ کوثر کا نزول [3] ان کے سامنے ہوا تھا۔ اس حدیث کو

---

[1] داہنے ہاتھ کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے یہ ''ملک یمین کا ترجمہ ہے۔'' سب مؤرخین ماریہ خاتون کو ملک یمین بتاتے ہیں پیشگوئی بالا میں پہلے بتایا گیا ہے کہ وہ شہزادی ہوں گی اور ان کا آنا ملک یمین کی شان ہوگا۔

[2] ترسیس صوبہ حلب کے قدیم شہر کا نام ہے سبا سے ملک یمن کی آبادقومیں اور سیبا سے ملک مصر کی آبادقومیں مراد ہیں۔ غور کرو ان سب کا اجتماع نبی ﷺ ہی پر ہوتا ہے۔

[3] لفظ کوثر پر خیال کرو۔ وفات عبد اللہ اور وفات ابراہیم کے درمیانی زمانہ کو بھی دیکھو اور اندازہ کرو کہ اس زمانہ میں اسلام کو کس قدر وسعت ترقی، عروج اور اشاعت ہوئی۔ یہ بھی غور کرو کہ زمانہ مابعد میں بھی اس کا ظہور کیسا اتم واکمل ہوا ان شاء اللہ تعالیٰ عالم آخرت میں اس کی تکمیل اور بھی زیادہ ہوگی۔

مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ کوثر کا نزول مکرر مدینہ طیبہ میں بھی ہوا اور اس کا وقت غالباً وفات سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہی ہو سکتا ہے۔

ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر منصب نبوۃ کی شان کو بھی دیکھو۔ سانس چھوڑتے بچہ کو گود میں اٹھایا تو لَا نُغْنِیْ عَنْكَ شَيْئًا ❶ کی کیسی زبردست تعلیم توحید دی ہے۔

موت پر صبر کے لیے کیسی عجیب دلیل، امر صدق، وعدہ حق اور الحاق آخر باؤں کی فرمائی ہے۔ پھر دلی رنج اور رضائے الٰہی کا ذکر فرما کر انسان کی کمزوری اور ایمان کی طاقت وقوت کا بیان فرمایا ہے۔

ذرا غور کرو کہ اصلاحِ عقیدہ مردم کا فرض کس قدر جلد غم فرزند پر غالب آ جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسی سُرعت و آمادگی سے وعظ و نصیحت میں مصروف ہو جاتے ہیں جب عام طور پر ایسی سوانح ومصائب میں لوگ اپنے آپ کو غمزدہ تصور کر کے بصورت ماتم بیٹھ جایا کرتے ہیں۔ (وللّٰہ حجۃ البالغہ)

اس بیان کے خاتمہ پر ہم ایک جدول بھی شامل کرتے ہیں، جس سے ۲۳ سالہ کسوف شمس کی تاریخیں معلوم ہو سکیں گی اور ناظرین پر واضح ہو جائے گا کہ عہدِ نبوت میں کس کس تاریخ کو کسوف واقع ہوا۔ اس جدول سے علما کو ان احادیث کے سمجھنے میں بھی مدد ملے گی جس میں صلوٰۃ کسوف کی مختلف و متعدد ہیئت بیان کی گئی ہیں۔

جدول ❷ کسوف شمس بست و سہ ۲۳ سالہ عہد نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر شمار	تاریخ	ماہ	سنہ عیسوی	تاریخ	ماہ	سنہ اسلامی
۱	۹	۴	۶۰۹	۲۸	۴	۴۰ میلاد نبوی
۲	۲۳	۷	۶۱۳	۲۹	۹	۴۴ میلاد نبوی
۳	۲۱	۵	۶۱۶	۲۸	۸	۴۷ میلاد نبوی
۴	۱۴	۱۱	۶۱۶	۲۸	۲	۴۸ میلاد نبوی
۵	۴	۱۱	۶۱۷	۲۸	۲	۴۹ میلاد نبوی
۶	۳۱	۳	۶۱۸	۲۸	۷	۴۹ //
۷	۲۴	۱۰	۶۱۸	۲۸	۲	۵۰ //
۸	۹	۳	۶۲۰	۲۸	۷	۵۱ میلاد نبوی
۹	۲	۹	۶۲۰	۲۸	۱	۵۲ میلاد نبوی
۱۰	۲۷	۱۲	۶۲۳	۲۸	۶	۲ ھجری
۱۱	۱۵	۱۲	۶۲۴	۲۸	۶	۳ //

❶ اے ابراہیم ہم تیرے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔ الاستیعاب: ۱/ ۲۵۔

❷ یہ جدول برادر بجان برابر قاضی عبدالرحمٰن سلمہ المنان نے تیار کیا ہے نقشہ جات واقعات عظیمہ وابتدائے سنین وشہور جو آخر کتاب میں ہیں کی تصحیح بھی انہوں کی ہے۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیراً (برادرِ موصوف قریباً ۲۵ سال سے ہر سال نقشہ افطار صوم واختتام سحری مرتب کر کے چھپوا کر مفت تقسیم کیا کرتے ہیں اور ہندوستان کے مشہور بلاد کے اوقات اس میں درج کرتے ہیں۔ یہ نقشہ سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔)

۱۲	۲۶	۱۰	۶۲۶	۲۹	۵	۵ //
۱۳	۲۱	۴	۶۲۷	۲۸	۱۱	۵ //
۱۴	۱۵	۱۰	۶۲۷	۲۸	۵	۶ //
۱۵	۹	۴	۶۲۸	۲۸	۱۱	۶ //
۱۶	۳	۱۰	۶۲۸	۲۸	۵	۷ //
۱۷	۱۳	۸	۶۳۰	۲۸	۴	۹ //
۱۸	۷	۲	۶۳۱	۲۹	۱۰	۹ //
۱۹	۲۷	۱	۶۳۲	۲۸ 1	۱۰	۱۰ھ یوم مات ابراہیم

بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں چار ہیں۔ چاروں خدیجۃ الکبریٰ کے بطن طاہرہ سے ہیں 2 اور سب کی ولادت مکہ معظّمہ میں ہوئی۔

(۱) زینب رضی اللہ عنہا جو قاسم رضی اللہ عنہ سے چھوٹی اور دیگر اولاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہیں۔

(۲) رقیہ رضی اللہ عنہا جو زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں۔

(۳) ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں۔

(۴) فاطمہ رضی اللہ عنہا جو ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں۔

یہ امر قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ۲ یا ۳ سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ 3

آیت بالا نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مومنات کو تین اقسام پر منقسم فرمایا ۱:۔ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲:۔ بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔۳:۔ نساء المؤمنین

یہ مسلمہ ہے کہ لفظِ بنات جمع بنت کی ہے اور عربی زبان میں صیغہ جمع دو سے اوپر کے لیے ہے۔

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ احزاب میں پھر یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ ادْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ ﴾ 4

''ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔ یہی بات اللہ کے نزدیک سچ اور انصاف کی ہے۔''

یہ حکم ایسے اشخاص کے متعلق ہے جن کو لوگ ان کے اصلی باپوں کے سوا کسی دیگر تربیت کنندہ کی ابنیت کی نسبت دے کر بلایا کرتے تھے۔ یہ امر سچ اور انصاف سے بعید ہوتا کہ اللہ عزوجل نے خود ہی تو احزاب آیت ۵ میں یہ حکم دیا کہ ہر ایک کو اس کے اصل باپ کے نام سے بلایا کرو اور پھر خود اللہ تعالیٰ ہی جو اصدق الصادقین ہے اسی سورۃ قرآنی کے آٹھویں رکوع میں ایسی لڑکیوں کو

---

1 ۲۸ شوال ۱۰ھ کے بعد کوئی کسوف بحیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واقع نہیں ہوا۔

2 اصول کافی ص ۲۷۸ چھاپ نولکشور الشیخ ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی المتوفی شعبان ۳۲۹ھ۔

3 ۳۳/ الاحزاب: ۵۹۔ 4 ۳۳/ الاحزاب: ۵۔

نبی ﷺ کی بیٹیاں بتاتا جو دراصل حضور ﷺ کے خون سے نہ تھیں۔ حالانکہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل و برہان یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اس کلام محکم پر یہ قیاس نہیں چل سکتا کہ شاید بیویوں کی بیٹیوں کو مجازاً بنات کہہ دیا گیا ہو کیونکہ حقیقت کے سامنے مجاز کی کیا وقعت ہے اور منطوق الٰہی کے سامنے قیاسِ انسانی کی کیا منزلت۔ لہٰذا عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ بیویوں کی بیٹیوں کے لیے الگ لغت موجود ہے خود قرآن پاک نے ایسی لڑکیوں کے لیے لفظ ربائب [1] استعمال کیا ہے، لفظ بنات نہیں۔ الغرض کلام اللہ کے لفظ بَنَاتِكَ نے علمائے نسب کی تحقیقات کی تصدیق فرما دی ہے۔ اب ہم ہر ایک بنت النبی ﷺ کا جداگانہ ذکر کرتے ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں تو اس وقت نبی ﷺ کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی۔ ان کا نکاح مکہ ہی میں ابوالعاص بن ربیع بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوا تھا۔ ابوالعاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن ہیں۔ یہ نکاح خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہوا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی والدہ کے ساتھ ہی داخل اسلام ہو گئی تھیں، مگر ابوالعاص کا اسلام بہت تاخیر میں رہا۔ جنگ بدر میں ابوالعاص قریش کی جانب تھے۔ ان کو عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری نے اسیر کیا تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا تھا جو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔

ابتدائے ایام نبوت میں کافران مکہ نے ابوالعاص کو بہت اکسایا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے، مگر اس نے ہمیشہ انکار ہی کیا۔ ایک موقع پر نبی ﷺ نے ابوالعاص کے اس فعل کی توصیف شکر گزاری کے ساتھ فرمائی تھی۔

ابوالعاص نے اسیری بدر سے رہائی پاتے وقت نبی ﷺ سے وعدہ کر لیا تھا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کی اجازت دے دے گا۔ چنانچہ سیدہ اپنے والد مکرم کی خدمت اقدس میں پہنچ گئیں۔ سفر ہجرت میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی مزاحمت ہبار بن الاسود [2] نے نیزہ تان کر کی تھی اس صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کی منقبت میں فرمایا ہے۔

((هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي أُصِيبَتْ فِيَّ)) [3]

''یہ میری بیٹیوں میں افضل ہے میرے لیے اسے مصیبت پہنچی۔''

---

[1] نبی ﷺ کے ربائب میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی لڑکیاں درہ، زینب، ام کلثوم اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دختر حبیبہ ہیں دیگر ازواج النبی ﷺ میں سے کسی کے پہلے شوہر سے کوئی لڑکی نہ تھی۔ اب یہ بھی یاد رکھو کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی ﷺ سے ۴ھ میں ہوا ہے اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۶ھ میں اس لیے مندرجہ بالا لڑکیوں کو ربائب ہونے کا درجہ ۴ھ سے پیشتر حاصل نہ تھا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت النبی ﷺ کا مذکور جنگ بدر کے (جو ۲ھ میں ہوئی) فدیہ اسیران میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ خدیجۃ الکبریٰ کا ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بھیجا تھا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور رقیہ رضی اللہ عنہا بنات النبی کا ذکر واقعات قبل از ہجرت میں ابولہب کے خاسرانہ اعمال میں آتا ہے پھر ان ہر سہ بنات النبی کا انتقال حیات نبوی میں ہوا مگر مذکور بالا ربائب ارتحال نبوی کے بعد دیر تک اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں جس کی تفصیل ان کے حالات میں ملتی ہے۔ فقط

[2] ہبار بن الاسود فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کا مندرجہ بالا جرم معاف فرما دیا تھا۔

[3] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية: ٤/ ٣١٨ المقصد الثاني في ذكر أولاده الكرام۔

ابوالعاص کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی، ان کی مدح میں ابوالعاص کے یہ دو شعر ہیں:

ذَكَرْتُ زَيْنَبَ لَمَّا رَكِبْتُ أَرْمَا ❶ فَقُلْتُ سَقْيًا لِشَخْصٍ يَسْكُنُ الْحَرَمَا

بِنْتُ الْأَمِيْنِ جَزَاهَا اللّٰهُ صَالِحَةً وَكُلُّ بَعْلٍ سَيُثْنِيْ بِالَّذِيْ عَلِمَا

ابوالعاص ۶ھ میں تجارت کے لیے شام گئے تھے، اس وقت قبیلہ قریش مسلمانوں کا فریق جنگ تھا اس لیے ابوبصیر و ابوجندل رضی اللہ عنہما ❷ کے ہمراہی مسلمانوں نے جو اسلام لانے کے جرم میں قریش کی قید میں رہ چکے تھے اور اب سرحد شام پر ایک پہاڑ پر جاگزیں تھے۔ اس قافلہ کا تمام سامان ضبط کر لیا۔ مگر ابوالعاص کو گرفتار نہ کیا۔ ابوالعاص وہاں سے سیدھا مدینہ طیبہ پہنچا، نماز صبح کے وقت مسجد میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی یہ آواز مسلمانوں کے کان میں پڑی:

إِنِّيْ قَدْ اَجَرْتُ أَبَاالْعَاصِ بْنَ الرَّبِيْعِ۔ ❸

''میں ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دیتی ہوں۔''

یہ آواز اس وقت سنی گئی جب مسلمان نماز میں داخل ہو چکے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم نے بھی کچھ سنا، جو میں نے سنا ہے، سب نے عرض کی ہاں۔ فرمایا:

((أَمَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ كَانَ حَتّٰى سَمِعْتُ مِنْهُ مَاسَمِعْتُمْ أَنَّهٗ يُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ))

''بخدا! مجھے اس سے پہلے کچھ بھی علم نہ تھا میں نے یہ آواز تمہارے ساتھ ہی سنی ہے اور پناہ دینے کا حق تو ہر ادنیٰ مسلمان کو بھی حاصل ہے۔''

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹی کے پاس گئے اور اسے فرمایا:

((أَيْ بُنَيَّةُ أَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ وَ لَايَخْلُصَنَّ إِلَيْكِ فَإِنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ لَهٗ))

''بیٹی! ابوالعاص کو عزت سے ٹھہراؤ۔ خود اس سے الگ رہو اس لیے کہ تو اسے حلال نہیں۔'' ❹

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وہ تو مال قافلہ واپس لینے کو آیا ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں یہ تقریر فرمائی:

((إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مِنَّا بِحَيْثُ عَلِمْتُمْ وَقَدْ أَصَبْتُمْ لَهٗ مَالًا وَهُوَ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْكُمْ وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ تُحْسِنُوْا وَتَرُدُّوْا إِلَيْهِ مَالَهُ الَّذِيْ لَهٗ وَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِهٖ)) ❺

---

❶ مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا کہ حرم کا ہر ایک باشندہ سرسبز و شاداب رہے۔ زینب تو امین کی بیٹی ہے، صالحہ ہے اور ایک شوہر اپنی ایسی بیوی کی تعریف ہی کرے گا جیسے اوصاف کہ مجھے اس کے معلوم ہیں۔ الاستيعاب، كتاب النساء، حرف الزاء: ٤/ ٣٠٥۔ ❷ ابوبصیر قریشی تھے۔ اسلام لائے، قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیر معاہدہ حدیبیہ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حوالہ کر دیا۔ یہ راہ میں سے بھاگ گئے اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کے پاس جا ٹھہرے۔ جب ابوجندل رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بابت واپسی سامان ابوالعاص پہنچا، تب یہ (ابوبصیر، بستر مرگ پر تھے۔ نامۂ نبوی ہاتھ میں لیا اسے دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر گئے اسی پہاڑی پر مدفون ہوئے ابوجندل رضی اللہ عنہ کا حال رحمۃ للعالمین جلد اول میں ملاحظہ کرو۔ عہد فاروقی میں وہ غازیان شام میں شامل تھے۔

❸ الاستيعاب، كتاب الكنى، باب العين: ٤/ ١٢٧۔ ❹ الاستيعاب، كتاب الكنى، باب العين: ٤/ ١٢٧۔

❺ مستدرك حاكم، ج٣، ص: ٢٣٧، كتاب معرفة الصحابة باب قصة اسلام ابى العاص۔

''اس شخص کا جو تعلق ہم سے ہے وہ تم جانتے ہی ہو تم کو اس کا مال ہاتھ لگ گیا ہو تو یہ دادِ الٰہی ہے۔ مگر میں پسند کرتا ہوں کہ تم اس پر احسان کرو اور مال واپس کر دو، لیکن اگر تم اس سے انکار کرو گے تو میں سمجھتا ہوں کہ تم زیادہ حق دار ہو۔''

لوگوں نے سارا مال حتیٰ کہ اونٹ کی نکیل کی رسی بھی واپس کر دی۔ ابوالعاص سارا مال لے کر مکہ پہنچا اور ہر ایک شخص کی ذرا ذرا چیز ادا کر دی۔ پھر دریافت کیا کہ کسی شخص کا کچھ رہ گیا ہو تو بتا دے۔ سب نے کہا خدا تجھے جزائے خیر دے تم تو وفی و کریم نکلے۔ تب ابوالعاص نے کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا کہ اب تک مجھے یہی خیال اسلام سے روکتا رہا کہ کوئی شخص مجھے مال مار لینے کا الزام نہ دے۔ اب میری ذمہ داری نہ رہی تو میں خلعتِ اسلام سے ملبس و مزین ہوتا ہوں۔ اور مدینہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ وہ مدینہ پہنچے تو نبی ﷺ نے سیدہ زینب کی رخصتی چھ سال کی مفارقت کے بعد نکاح اول ہی پر ابوالعاص کے گھر کر دی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۸ ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ ان کے غسل میت کی کیفیت مشہور شیر دل صحابیہ ام سلیط رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے۔ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے بماہ ذی الحجہ ۱۲ھ وفات پائی۔ ان کا لقب حبر البطحاء تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک فرزند علی، ایک دختر امامہ نامی پیدا ہوئی تھی۔

علی رضی اللہ عنہ سبط الرسول کو ابوالعاص نے رضاعت کے لیے ایک قبیلہ میں چھوڑ رکھا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کو ایام رضاعت کے بعد مدینہ منگوا لیا اور ان کی پرورش اپنی تربیت میں فرمائی۔ فتح مکہ کے دن یہی علی سبط الرسول نبی ﷺ کے ناقہ پر حضور کے ردیف تھے۔

ہنوز عنفوانِ بلوغ تھا کہ رفعت بخش علیین ہوئے۔ ❶

صحیح بخاری کی حدیث عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ❷ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں تھے کہ حضور کی ایک لڑکی کا خادم آیا کہ وہ حضور کو بلا رہی ہیں۔ اور ان کا فرزند بستر موت پر ہے۔ فرمایا، جاؤ لڑکی سے کہہ دو:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى)) ❸

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ وہ واپس لیتا ہے یا عطا کرتا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔''

لڑکی سے یہ بھی کہہ دینا کہ صبر و شکیب قائم رکھے۔ خادم پھر واپس آیا، کہا وہ حضور کو قسم دیتی ہیں کہ حضور ضرور تشریف لائیں۔ نبی ﷺ چل پڑے۔ حضور کے ساتھ سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

حضور ﷺ کو بچہ دکھایا گیا وہ اس وقت سانس توڑ رہا تھا اور سسکیاں بھر رہا تھا۔ غالباً یہ حدیث علی سبط الرسول ہی کی وفات کے متعلق ہے۔

---

❶ الاستیعاب۔ ❷ بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله ولله الأسماء الحسنى، حديث: ۷۳۷۷۔

❸ بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله ولله الأسماء الحسنى، حديث: ۷۳۷۷۔

امامہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی وہ پیاری نواسی ہیں، جن کو گود میں لے کر نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ [1] یہ حدیث صحیح مسلم ونسائی وابوداؤد میں ہے۔ نبی ﷺ نے ایک باران کو أَحَبُّ أَهْلِيْ إِلَيَّ [2] فرمایا ہے۔

سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ امامہ کو اپنے نکاح میں لے لیں اس وصیت پر عمل کیا گیا۔

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مجروح ہوئے تو آپ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل سے جو حارث عم النبی کے پوتے تھے سے کرلیں۔ وصیت پر عمل کیا گیا اور امیر المؤمنین حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھا گیا۔

مغیرہ کے ہاں سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا۔ یحییٰ نام تھا۔ یہ نسل دنیا سے ناپید ہوچکی ہے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

نبی ﷺ کی دوسری بیٹی ہیں جو حضور کی ۳۳ سالہ عمر میں پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح مکہ ہی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ [3] سے ہوا تھا۔ اس وقت یہ بات مکہ بھر میں مشہور تھی۔

---

[1] بخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا حمل جاریة صغیرة، حدیث: ٥١٦۔

[2] اہل بیت میں میری سب سے زیادہ پیاری۔ الاستیعاب، کتاب النساء حرف الألف: ٤/ ٢٣٨۔

[3] حضرت عثمان کا نسب نامہ یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی (دیکھو نسب نامہ نبوی سلسلہ نمبر ۵) ان کی نانی ام حکیم بیضاء ہیں، جو نبی ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ یہ ان دس میں سے ہیں جن کو نبی ﷺ نے بشارت جنت نام بنام دی تھی۔ نیز ان چھ میں سے ہیں جن کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں شایان خلافت بتایا تھا صلح حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان (جس کا مہتم بالشان ذکر قرآن مجید میں ہے۔) کا وقوع اس لیے ہوا کہ نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ اس بیعت میں نبی ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ بتا کر ان کی طرف سے بیعت قبول فرمائی تھی۔ اس نظارہ کو دیکھ کر بے اختیار ایک صحابی بول اٹھا، عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے نبی ﷺ کا ہاتھ اس کے اپنے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت فیاض تھے اور جہاد بالمال میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے پیش پیش رہتے تھے۔ مدینہ میں بئر رومہ کا نصف بارہ ہزار درہم میں لے کر مسلمانوں کے لیے آب شیریں کا چاہ وقف کیا تھا۔ غزوہ تبوک میں ایک ہزار شتر اور ستر گھوڑے مع ساز وسامان دیئے تھے۔ نقد چندہ اس کے علاوہ تھا۔ غزوہ خیبر میں وہ کیمپ افسر تھے۔ لشکر غطفان کو یہود سے علیحدہ رکھنے اور شامل نہ ہونے دینے کی ذمہ داری ان پر تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شنبہ غرۂ محرم (یکم) ۲۴ھ کو خلیفہ اور امیر المؤمنین ہوئے اور ۱۷ ذی الحجہ جمعہ ۳۵ھ کو اپنے ہی گھر میں دار الہجرۃ مدینہ منورہ کے اندر بھوکے پیاسے شہید ہوئے اس وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔ جب ان کی خبر شہادت علی مرتضیٰ کو مسجد نبوی میں پہنچی تو انہوں نے فرمایا: تَبًّالَكُمْ اٰخِرَ الدَّهْرِ (اب تم پر ہمیشہ تباہی ہی رہے گی) علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کا ارشاد ہے مَنْ تَبَرَّأَ مِنْ دِيْنِ عُثْمَانَ فَقَدْ تَبَرَّأَ مِنَ الْإِيْمَانِ (جو کوئی عثمان رضی اللہ عنہ کے دین سے بیزار ہے۔ وہ ایمان ہی سے بیزار ہے۔ (الاستیعاب حرف العین باب عثمان: ٣/ ٧٦)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مصر وغیرہ کے نو مسلم قبائل نے شہید کیا تھا اس باغی قوم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ وہ باغیوں کے مطالبات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو تقریر فرمائی اس کے فقرات یہ ہیں:

وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ مَا أَقُوْلُ لَكَ مَا أَعْرِفُ شَيْئًا تَجْهَلُهُ وَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى أَمْرٍ لَا تَعْرِفُهُ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ مَا سَبَقْنَاكَ إِلٰى شَيْءٍ فَنُخْبِرُكَ عَنْهُ وَلَا خَلَوْنَا بِشَيْءٍ فَنُبَلِّغَكَهُ وَقَدْ رَأَيْتَ كَمَا رَأَيْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمَا صَحِبْنَا وَمَا ابْنُ أَبِيْ قُحَافَةَ وَلَا ابْنُ الْخَطَّابِ أَوْلٰى بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَقْرَبُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَشِيْجَةَ رَحِمٍ مِنْهُمَا وَقَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهِ مَالَمْ يَنَالَا۔ (نہج البلاغة خطبه ١٦٤ من كلامه مما اجتمع الناس اليه وشكوا)

''بخدا! میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں، میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس کی آپ کو خبر نہ ہو۔ میں کوئی امر ایسا نہیں بتا سکتا جس سے آپ واقف نہ ہوں۔ جتنا کہ علم ہم کو ہے اتنا آپ کو ہے ہم کو آپ پر کسی شے میں سبقت نہیں جس کی خبر آپ کو دے سکیں ہم نے آپ سے علیحدہ کچھ نہیں سیکھا جس کی اب تبلیغ کر سکیں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ آپ نے دیکھا۔ جو ہم نے سنا وہ آپ نے سنا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے جیسے ہم رہے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی عمل حق میں آپ سے اولیٰ نہ تھے آپ ان دونوں سے بڑھ کر نبی ﷺ سے قرابت داری رکھتے ہیں۔ آپ کو نبی ﷺ کے داماد ہونے کی عزت حاصل ہے جو ان دونوں کو نہ تھی۔''

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

أَحْسَنَ زَوْجَيْنِ رَاٰهُمَا إِنْسَانٌ رُقَيَّةُ وَزَوْجُها عُثْمَانُ۔

''سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

اس نکاح پر سعدیٰ بنت کرز العبشیہ صحابیہ کے یہ اشعار ہیں:

هَدَى اللّٰهُ عُثْمَانَ الصَّفِيَّ بِقَوْلِهِ ۔۔۔ فَأَرْشَدَهُ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ

فَبَائَعَ بِالرَّأْيِ السَّدِيْدِ مُحَمَّدًا ۔۔۔ وَكَانَ ابْنُ أَرْوٰى لَا يَصْدَعَنَّ الْحَقَّ

وَأَنْكَحَهُ الْمَبْعُوْثُ إِحْدٰى بَنَاتِهِ ۔۔۔ فَكَانَ كَبَدْرٍ مَازِجِ الشَّمْسِ فِي الْأُفُقِ

فِدَاؤُكَ يَا ابْنَ الْهَاشِمِيْنَ مُهْجَتِيْ ۔۔۔ فَأَنْتَ أَمِيْنَ اللّٰهِ أُرْسِلْتَ فِي الْخَلْقِ

سیدہ رقیہ وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کا ساتھ دے کر قائم کیا اور ہر ایک ہجرت کرنے والے کے لیے شاہراہ ہدایت کا افتتاح ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے فرمایا تھا حاکم نے یہ حدیث ان کی منقبت میں روایت کی ہے:

((إِنَّهُمَا لَأَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ بَعْدَ لُوْطٍ وَّإِبْرَاهِيْمَ))

''لوط وابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔'' [1]

سیدہ رقیہ کے بطن طاہرہ سے ایک فرزند پیدا ہوا جو سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان کا نام عبداللہ تھا۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ۲ ھ میں چیچک نکلی اور اسی مرض میں ان کا ارتحال ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر کو تشریف لے جا رہے تھے اس وقت سیدہ صاحبہ

(گزشتہ سے پیوستہ) حضرت عبداللہ بن سلام صحابی نے جن کو قرآن مجید میں عالم الکتاب بتایا گیا ہے فرقہ باغیہ سے فرما دیا تھا کہ اگر تم نے عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم کو شہید کیا تو پھر ہمیشہ کے لیے اسلام میں تلوار چلتی رہے گی اس وقت اس ارشاد کی وقعت نہ کی گئی، لیکن بعد میں جتنے بھی ہولناک واقعات اہل اسلام میں ہوئے وہ اسی گناہِ عظیم کی شامت ہیں کہ خلافت عظمیٰ اور حرم نبوی اور شہر الحرام کی حُرمات کو برباد کیا گیا اس لیے آیندہ کسی بڑی سے بڑی شے کی حرمت وعزت بھی بغاوت کرنے والوں کی نظر میں قائم نہ رہ گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل شقی رومان ہے جو اسی قبیلہ مراد کا ہے جس قبیلہ سے ابن ملجم شقی قاتل امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھا۔

جب عثمان شہید رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا تو اس وقت وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے اور اسی طرح مصروف رہے ان کے نیزہ لگایا گیا خون جو جسم سے نکلا وہ قرآن مجید پر پڑا اور آیت ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ پر خون کے چھینٹے گرے (تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشین گوئی کیوں کر پوری ہوئی)۔ امیر المومنین عثمان شہید مظلوم رضی اللہ عنہ بلحاظ خلافت بڑے کامیاب خلیفہ تھے۔ آج جو کوئی شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اس پر اس جامع قرآن کا احسان ہے۔ بلحاظ فتوحات وترقی دائرہ اسلام ان کے عہد میں بہت اضافہ ہوا۔

مشرق میں علاقہ جات: خراسان، ماوراء النہر، ترکستان، سندھ اور کابل۔ مغرب میں: سکندریہ، مراکو، تیونس، طرابلس، الغرب فتح ہوئے۔

سب سے پہلے انہوں نے بحری بیڑا بنایا جس سے ہرقل کے بیڑا کو تباہ کیا اور پھر بڑے آباد جزائر فتح کیے۔ قبرص، کریٹ، مالٹا وغیرہ انہی کے فتح کردہ جزیرے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر خاص کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار ان کی شہادت پر یہ ہیں۔ الاستیعاب حرف العین باب عثمان ۳/۸۲۔

يَا قَاتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا كَانَ أَمْرُهُمُ ۔۔۔ قَتْلَ الْإِمَامِ الزَّكِيِّ الطَّيِّبِ الرُّدُنِ

مَاقَتَلُوْهُ عَلٰى ذَنْبٍ أَلَمَّ بِهِ ۔۔۔ إِلَّا الَّذِيْ نَطَقُوْهُ زُوْرًا وَلَمْ يَكُنْ

ہندوستان میں عثمان شہید رضی اللہ عنہ کی نسل کثیر پائی جاتی ہے اور دیگر جملہ اسلامی ممالک میں بھی خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی، بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شمس العلماء مولوی رحمت اللہ مہاجر رحمہ اللہ (مصنف ازالۃ الاوہام وغیرہ) اور شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ اسی دودمان عالی سے ہیں (محمد سلیمان)

[1] مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، باب ذكر اول من هاجر بعد لوط: ٤/ ٤٧۔

صاحبِ فراش تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کی تیمارداری کے لیے عثمان غنی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا تھا زید بن حارثہ جس روز فتح کی بشارت لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت سیدہ کی تدفین ہو رہی تھی عمر بوقت وفات اکیس سال تھی۔

سیدہ کے بطن سے ایک فرزند عبداللہ تھا۔

عبداللہ سبطِ رسول ﷺ اپنی والدہ کے بعد دو سال تک زندہ رہے ان کی عمر چھ سال کی تھی کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونگ ماری، زخم پک گیا، آخر یہ والدہ کی یادگار بھی آغوش مادر میں جا سویا۔

سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نبی ﷺ کی تیسری دختر ہیں ۳ھ میں ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اسی لیے ان کو ذوالنورین کا خطاب ملا۔ کیوں کہ ختمیت پناہی کے دو جگر گوشے یکے بعد دیگرے ان کے سکینۂ قلب بنائے گئے۔

ام کلثوم کے نکاح کے وقت نبی ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا، یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ خدائے بزرگ کا حکم ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی تجھ سے بیاہ دوں۔ [1]

جن دنوں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا انہی دنوں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دختر حفصہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہو گئی تھیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اپنی لڑکی کا ذکر کیا انہوں نے انکار سا کر دیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے رنج کا اظہار نبی ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰى مَنْ هُوَ خَيْرٌ لَّهُ مِنْهَا وَأَدُلُّهَا عَلٰى مَنْ هُوَ خَيْرٌ لَهَا مِنْ عُثْمَانَ)) [2]

''عثمان رضی اللہ عنہ کو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر زوجہ ملے گی اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر ملے گا۔''

اس ارشاد کے بعد حفصہ بنت فاروق رضی اللہ عنہا کو ام المؤمنین ہونے کا شرف عطا ہوا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ سیدہ ام کلثوم کے اولاد نہیں ہوئی۔

۹ھ میں ان کا انتقال ہوا علی مرتضیٰ و فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مراسم تدفین پورے کیے صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضور ﷺ کی ہر دو چشمان نورانی میں پانی تھا۔

سیدۃ النساء العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نبی ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، ان کی ولادت غالباً نبی ﷺ کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ [3]

---

[1] مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، باب ذكر ام كلثوم۔

[2] الاستيعاب، باب الكنى من النساء حرف الكاف: ٤/ ٤٦٤۔

[3] الاستيعاب، باب الفاء فاطمة بنت رسول اللهﷺ: ٤/ ٣٦٢۔ واضح ہو کہ اصول الکافی میں شیخ محمد کلینی نے ولادت سیدہ ۵ نبوت بتائی ہے اور عمر بوقت وفات ۱۸ سال ۷۵ یوم جس میں سے ۷۵ یوم بعد از وفات نبوی ﷺ تھے ولادت حسن ۲ھ بتائی ہے اندریں صورت عمر سیدہ بوقت ولادت حضرت حسن صرف دس سال ہوتی ہے اور اگر ولادت حضرت حسن ۳ھ مان لی جائے جیسا کہ اسی کتاب کی دوسری روایت ہے تب عمر سیدہ ۱۱ سال ہوگی اسی لیے میں نے الاستیعاب کی روایت کو ترجیح دی۔ مدائنی نے ولادت سیدہ ۵ سال قبل از نبوت اور عمر بوقت وفات ۲۹ سال تحریر کی ہے۔ (محمد سلیمان)

سیدہ ابھی بچی ہی تھیں کہ نبی ﷺ کعبہ میں نماز پڑھنے گئے وہاں بہت سے کفار قریش موجود تھے جب حضور ﷺ سجدہ میں گئے تو عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی اوجھ حضور ﷺ کی پیٹھ پر لا رکھی۔ حضور ﷺ اسی طرح سجدہ میں تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھ کو گرا دیا اور عقبہ کے لیے بددعا فرمائی۔ [1]

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ کا نکاح واقعہ بدر کے بعد اُحد سے پہلے ہوا تھا۔ جنگ احد میں سیدہ نے عملاً حصہ لیا۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے سیدہ میدان جنگ میں پہنچیں اس وقت حضور ﷺ غار سے باہر نکل آئے تھے۔ سیدہ نے باپ کے زخموں کو دھویا اور جب دیکھا کہ خون نہیں تھمتا تو کھجور کی ضعیف کو جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی جس کے بعد خون بند ہو گیا۔ [2]

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں نبی ﷺ نے دریافت کیا کہ پیاری بیٹی کیا حال ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے تکلیف ہی ہے اور مزید برآں یہ کہ ہمارے ہاں کھانے کی شے بھی نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((يٰبُنَيَّةُ أَمَا تَرْضِيْنَ أَنَّكِ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ قَالَتْ: يَآبَتِ فَأَيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ قَالَ: تِلْكَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِهَا وَأَنْتِ سَيِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِكِ ۔ أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ زَوَّجْتُكِ سَيِّدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) [3]

''بیٹی! تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم نساء عالمین کی سیدہ ہو۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ابا جان مریم علیہا السلام کدھر گئیں فرمایا وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو اور تمہارا شوہر دنیا اور آخرت میں سیّد ہے۔''

ابو ثعلبہ الخشنی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی سفر سے لوٹ کر آتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے دو رکعت نفل پڑھ کر پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے پھر اپنے گھر رونق افروز ہوتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ نساء اہل الجنۃ کی سردار مریم [4] پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ رضی اللہ عنہن زن فرعون ہیں۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے مشابہ بات چیت میں نہ تھا وہ جب باپ کے پاس آیا کرتیں تو نبی ﷺ آگے بڑھتے، پیشانی کو بوسہ دیتے۔ مرحبا فرمایا کرتے تھے اور جب آنحضرت بیٹی سے ملنے جاتے وہ بھی اسی طرح ملا کرتی تھیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ فَاطِمَةَ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الَّذِيْ وَلَدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔

''میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولنے والا نہ دیکھا۔ ہاں وہی ایسا ہو سکتا ہے جو نبی ﷺ کا جایا ہو۔''

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جمیع بن عمیر صحابی نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے پیارا کون تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''فاطمہ رضی اللہ عنہا'' انہوں نے پوچھا کہ مردوں سے کون تھا۔ جواب دیا ''شوہر فاطمہ رضی اللہ عنہا'' اور یہ بھی بتایا کہ علی رضی اللہ عنہ تو بڑے صوام و

---

[1] بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب مالقى النبي ﷺ واصحابه من المشركين، حديث: ٣٨٥٤۔

[2] مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة أحد، حديث: ٤٦٤٢۔ [3] الاستيعاب، باب الفاء فاطمة: ٤/ ٣٦٤۔

[4] بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حديث: ٣٦٢٤۔

قوام تھے۔ ❶

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ عورتوں کا جنازہ جس طرح اب لے جایا جاتا ہے۔ مجھے تو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جنازے کے اوپر ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس میں اس کا پیکر نظر آتا رہتا ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے حبشہ میں ایک دستور دیکھا ہے تمہیں دکھاتی ہوں، پھر انہوں نے کھجور کی تازہ شاخیں منگوا کر چارپائی پر لگائیں اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ بہت ہی خوب اور بہت ہی اچھا ہے۔ مرد و عورت کے جنازے کی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ جب میں مر جاؤں، تب تو اور علی رضی اللہ عنہ نے مجھے غسل دینا اور کسی کو شامل نہ کرنا۔

حضرت سیدہ کی وفات شب سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی۔ ان کی وصیت کے مطابق اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دیا ❷

حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اہل بیت میں سے وہی سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملیں۔

سیدہ کی عمر کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے۔ زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے پاس حضرت عبداللہ بن حسن بن حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے، وہاں کلبی پہلے سے موجود تھا۔ ہشام نے دریافت کیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی؟ عبداللہ نے کہا تیس سال۔ کلبی نے کہا پینتیس سال۔ ہشام نے کہا ابو محمد سنتے ہو کہ کلبی جو تاریخ میں سر برآوردہ ہے۔ کیا کہتا ہے، انہوں نے کہا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھ لیجئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا ان کے کان میں کچھ بات کی تو وہ رو پڑیں پھر ان کو بلایا اور سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ وہ کیا باتیں تھیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا پہلے مجھے بتایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا۔ یہ سن کر میں رو پڑی تھی پھر بتایا کہ میں (فاطمہ رضی اللہ عنہا) حضور کو خاندان کے سب اشخاص سے پہلے جاملوں گی، اس پر میں خوش ہو گئی تھی۔ ❸

وفات نبوی پر سیدہ رضی اللہ عنہا کے اشعار ہیں:

إِنَّا فَقَدْ نَاكَ فَقْدَ الْأَرْضِ وَابِلَهَا
وَغَابَ مُذْ غِبْتَ عَنَّا الْوَحْيُ وَالْكُتُبُ

---

❶ ترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل فاطمة، حدیث: ٣٨٧٤۔ ان کان علمت کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ سوال و جواب بعد از وفات علی مرتضیٰ ہوئے تھے ام المومنین کو دیکھو کہ وہ سائل کو کس طرح حضرت سیدہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بتاتی ہیں اور ان کو احب الناس الی الرسول ظاہر کرتی ہیں۔ (محمد سلیمان)

❷ باب الفاء: ٤/ ٣٦٧ بیان سلمیٰ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم غسل سیدہ میں سلمیٰ خادم رسول مولاۃ صفیہ بنت عبدالمطلب بھی شامل تھیں۔

❸ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ٤٤٣٤۔

ہماری محرومی حضور سے ایسی ہے جیسے زمین سے طراوت کا جاتے رہنا

جب سے آپ غائب ہوئے ہمارے پاس سے وحی اور کلامِ الٰہی کا انقطاع ہو گیا

فَلَيْتَ قَبْلَكَ كَانَ الْمَوْتُ صَادَفَنَا

لَمَّا نُعِيْتَ وَحَالَتْ دُوْنَكَ الْكُتُبُ

کاش! حضور کے انتقال سے پیشتر اور اسوقت سے پیشتر جب مٹی نے حضور کو

پوشیدہ کر دیا تھا ہمیں موت آ جاتی اور ہم مر گئے ہوتے۔ [1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ہمشیروں پر بھی یہ خاص شرف حاصل ہے کہ دنیا میں ان ہی کی ذریت چلی اور ان ہی کی ذریت سے ائمۃ العظام ہوئے، جن کی شان اسلام میں نہایت ارفع واعلیٰ ہے۔ سیدہ کے بطن اطہر سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، سیدہ ام کلثوم، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حالات علیحدہ لکھ دیئے گئے ہیں۔

سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا، چالیس ہزار درہم ان کا مہر تھا۔ ان کے بطن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا نکاح ثانی عون بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

زید بن عمر کا انتقال اسی روز ہوا جس روز ان کی والدہ ام کلثوم بنت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا۔ بنو عدی کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ ان میں صلح کرانے کے لیے نکلے، تاریکی شب میں ان کو شناخت نہ کیا گیا ایک شخص کی ضرب ان کے سر پر لگی۔ چند روز مضروب رہ کر رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

سیدہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ میدان کربلا میں اپنے برادر مکرم امام مفخم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھیں۔ گرفتاری کے بعد انہوں نے نہایت صبر واستقامت سے جملہ مصائب کو برداشت کیا اور اہل بیت حسین رضی اللہ عنہ کی حضانت فرمائی اور اعداء واشقیاء کو خوب جواب دیئے ان کے فرزند عدی بن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بھی میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

سیدہ نساء العالمین کی اولاد میں بعض نے محسن اور رقیہ کے نام بھی بڑھا دیئے ہیں اور اکثر نے یہ نام نہیں لکھے جنہوں نے لکھے ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ محسن اور رقیہ ہر دو کا انتقال نہایت صغر سنی میں ہو گیا تھا، اس لیے ان کے حالات تاریخ میں نہیں ملے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں بھی اختلاف [2] ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ اپنے ہی گھر میں مدفون ہوئیں اور جب مسجد نبوی کو وسعت دی گئی، تب یہ جگہ شامل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئی تھی۔ اصول الکافی میں شیخ الکلینی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بنو امیہ نے اس جگہ کو شامل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کر دیا تھا۔

اکثر مؤرخین کا رجحان ہے کہ ان کی قبر مبارک بقیع میں ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت زین العابدین اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ

---

[1] از کتاب حسن الصحابۃ۔ [2] اس پر مکمل بحث میرے سفرنامہ حجاز میں ملے گی۔

عم الرسول ﷺ کی قبور اسی جگہ پہلو بہ پہلو ہیں۔

مسعودی نے مروج الذہب میں تحریر کیا ہے کہ ۳۳۰ھ بقیع میں ایک پتھر ملا تھا، جس پر یہ تحریر تھا۔ ھٰذَا قَبْرُ فَاطِمَةَ بِنْتِ الرَّسُوْلِ ﷺ۔

مرویات

(۱) نسائی نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار نبی ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، وہ سونے کا ہار اتار کر اپنے گلے سے ہند بنت ہبیرہ کو دکھا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے لا کر دیا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ ہار بیٹی کے ہاتھ میں دیکھا اور واپس چلے آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں انہوں نے ہار کو فروخت کر دیا اور ایک غلام خریدا اور اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ نبی ﷺ کو اطلاع ہوئی تو خوش ہوئے اور الحمد للہ فرمایا۔

(۲) فاطمہ بنت الحسین نے اپنی جدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھ کر رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھنا چاہیے اور خروج مسجد کے وقت درود شریف کے بعد یہی دعا پڑھنی چاہیے رَحْمَتِكَ کی جگہ فَضْلِكَ بدل لینا چاہیے اسے ترمذی نے روایت کیا ہے روایت میں ارسال ہے کیونکہ فاطمہ بنت الحسین نے اپنی جدہ کو نہیں دیکھا۔ [1]

(۳) ایک نہایت صحیح حدیث جسے نسائی کے سوا باقی جملہ صحاح میں روایت کیا گیا ہے یہ ہے کہ علی المرتضیٰ نے ایک روز (ابوداؤد میں ابن اُعبد ہے) سے فرمایا میں تجھ سے فاطمہ بنت الرسول ﷺ کی ایک بات کہوں جو سارے کنبہ میں بھی نبی ﷺ کو بہت پیاری تھیں۔ ابن الواحد نے کہا، ہاں۔

علی رضی اللہ عنہ نے کہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ پانی کے لیے مشک اٹھائی کہ گردن پر نشان پڑ گیا۔ گھر میں جھاڑو دی کہ سب کپڑے میلے ہوگئے۔ انہی ایام میں نبی ﷺ کے پاس کچھ خدام آئے، میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا تم اپنے ابا کے پاس جاؤ اور ایک خادم مانگو۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا گئیں، مگر وہاں ہجوم تھا مل نہ سکیں۔ اگلے روز نبی ﷺ خود آئے اور دریافت فرمایا کہ کیا ضرورت تھی؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا چپ ہوگئیں۔ میں نے کہا کہ میں حضور ﷺ کو بتاتا ہوں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں اور مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن پر، میں نے دیکھا تھا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ خادم آئے ہیں اور میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ حضور ﷺ کے پاس جائیں، خادم مانگیں کہ اس تکلیف سے رہائی ہو۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقِی اللّٰهَ یَا فَاطِمَةُ وَأَدِّیْ فَرِیْضَةَ رَبِّكِ وَاعْمَلِیْ عَمَلَ أَهْلِكِ فَإِذَا أَخَذْتِ مَضْجَعَكِ فَسَبِّحِیْ ثَلَاثًا وَثَلَاثِیْنَ وَاحْمَدِیْ ثَلَاثًا وَثَلَاثِیْنَ وَكَبِّرِیْ أَرْبَعًا وَثَلَاثِیْنَ فَتِلْكَ مِائَةٌ فَهِیَ خَیْرٌ لَكِ مِنْ خَادِمٍ)) [2]

''اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو۔ فرائض الٰہی ادا کرو اپنے کنبہ کے اعمال کو اپنا دستور بناؤ اور جب بستر خواب

---

[1] ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء عند دخوله المسجد، حدیث: ۳۱۴۔

[2] ابو داود، کتاب الخراج، باب فی بیان مواضع الخمس، حدیث: ۲۹۸۸۔

میں لیٹو تب ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ پورا سو ہو گیا یہ عمل تیرے لیے خادم سے بہتر ہے۔'' ❶

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

رَضِيْتُ عَنِ اللّٰهِ وَعَنْ رَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

''میں اللہ سے اور رسول اللہ سے اسی حال پر خوشنود ہوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَلَمْ يُخْدِمْهَا۔ ''فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادمہ نہ دی۔''

اس حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کنبہ کی معیشت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زہد و ریاضت اور رضا و تسلیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے لیے اور اپنے محبوب اہل کے لیے دنیاوی اموال دنیا سے علیحدگی و براءت بخوبی آشکارا ہوتی ہے۔

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ۔

(۴) ایک اور روایت ہے جسے ابن عدی و بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ! لَا يَمْنَعُكِ أَنْ تَسْمَعِيْ مَا أُوْصِيْكِ بِهٖ أَنْ تَقُوْلِيْ يَا حَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ)) ❷

مطلب یہ ہے کہ اس وظیفہ کو میری وصیت سمجھ کر پڑھا کرو۔

يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ ۔

---

❶ عربی زبان میں لفظ خادم مذکر و مؤنث دونوں پر آتا ہے۔ مراد یہاں خادمہ سے ہے۔

❷ شعب الایمان للبیهقي: ١/ ٤٧٦، حدیث: ٧٦٠۔

ابنائے فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت حسن رضی اللہ عنہ

نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ان کی دایہ کا نام سودہ بنت مسرح الکندیہ ہے نبی ﷺ نے ساتویں دن دو مینڈھے عقیقہ کے ذبح کیے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نصف پیکر بالائی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نصف پیکر زیریں نبی ﷺ سے مشابہ تر تھا۔

احادیث صحیحہ سے بہ تواتر ثابت ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا:

((إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَعَسٰى اللّٰهُ أَنْ يُّبْقِيَهٗ حَتّٰى يُصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)) [1]

''یہ میرا فرزند سید ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک باقی رکھے گا کہ اس کے وسیلے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے اندر صلح ہو جائے۔''

مسند امام احمد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دعائے قنوت روایت کی گئی ہے:

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَلِمٰتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِي الْوِتْرِ:((أَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْ مَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْ مَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْ مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ مَاأَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ)) حاکم کی روایت میں الفاظ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وِتْرِيْ ہیں۔ [2]

امام ترمذی نے لکھا ہے:

وَلَا نَعْرِفُ عَنِ النَّبِيِّ فِي الْقُنُوْتِ فِي الْوِتْرِ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا۔ [3]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نصرت میں مبادرت کرنے والوں اور ان کی حفاظت کرنے والوں میں تھے۔علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چالیس ہزار سے زیادہ بہادروں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔یہ سب وہ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر چکے تھے،ان لوگوں کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اطاعت ومحبت کا ذوق پہلے سے بھی زیادہ تھا۔چار ماہ تک امام ہمام نے عراق وعرب اور ماوراء خراسان تک کی خلافت فرمائی اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب کوچ کر دیا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کی طرف چلے۔جب دونوں فوجوں کا تقابل ہوا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا دل رحم منزل سمجھ گیا کہ جب تک ان دونوں میں ایک فوج فنا نہ

---

[1] بخاری میں اس طرح کی روایت موجود ہے دیکھیں، بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن ان ابنی هذا...... ، حدیث: ۲۷۰٤۔ [2] مسند احمد: ۱/ ۱۹۹، حدیث: ۱۷۱۸۔

[3] جامع ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، حدیث: ٤٦٤، سفر السعادات۔

ہو جائے گی تب تک لڑائی ختم نہ ہوگی۔ تو یہ سخت خونریزی ہے اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر کہ اس کے بعد حکومت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ہوگی۔ صلح کرنے پر تیار ہوں۔ تھوڑی سی ردوکد کے بعد گفتگو ختم ہوگئی اور کوفے کی جامع مسجد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بہ ماہ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کی حکومت سپرد فرمائی۔

ابو عامر سفیان بن لیلیٰ ایک شخص جو کوفے کا باشندہ اور بوڑھا تھا۔ اس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر کہا أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو عامر ایسا نہ کہو۔ میں نے جو کچھ کیا مؤمنین کی ذلت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کیا کہ محض سلطنت کے لیے مومنین کا قتل کرانا میں پسند نہیں کرتا۔

حکومت چھوڑ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ جب بیمار ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے کئی بار زہر پلایا گیا۔ اس دفعہ تو ایسا سخت ہے کہ میرا کلیجہ کاٹ ڈالا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا بھائی! زہر کس نے دیا؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا پوچھنے سے آپ کا کیا مطلب ہے کیا اسے قتل کرو گے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ: ہاں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ: اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کی نسبت میرا گمان ہے تب تو اللہ تعالیٰ خود ہی انتقام لے گا اور اگر وہ نہیں، تو میں پسند نہیں کرتا کہ کسی بے گناہ کو میری وجہ سے تکلیف پہنچے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند احادیث کی روایت فرمائی ہے، ان میں سے ا:۔ دعائے قنوت ہے [1] اور ۲: إِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ [2] ۳: امام احمد ترمذی اور دارمی ونسائی نے یہ حدیث بھی امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً روایت کی ہے:

((دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيَةٌ وَأَنَّ الْكِذْبَ رِيبَةٌ)) [3]

آخری وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ایک بار ذکر کیا تھا کہ مجھے اپنے گھر میں دفن ہونے کی اجازت دیں، انہوں نے مان لیا تھا۔ مجھے وہم ہوتا ہے، مبادا انہوں نے میری شرم سے کہہ دیا ہو۔ اب تم میری وفات کے بعد جانا اور یہی درخواست کرنا اگر وہ خوشی سے اجازت دے دیں تو مجھے وہیں دفن کرنا۔ ہاں میرا یہ بھی خیال ہے کہ اہل حکومت مجھے وہاں دفن نہ ہونے دیں گے۔ اگر وہ ایسا کریں تو مت جھگڑنا اور پھر مجھے بقیع الغرقد ہی میں دفن کر دینا۔

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے اجازت مانگی تو انہوں نے کہا: نَعَمْ وَكَرَامَةً ہاں! اور میں اسے عزت سمجھتی ہوں۔

مروان حاکم مدینہ نے یہ واقعہ سنا تو بولا کہ وہ بھی جھوٹا اور وہ بھی جھوٹی ہے، حسن رضی اللہ عنہ یہاں کبھی بھی دفن نہ ہوگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو تو انہوں نے قبرستان میں بھی دبانے نہ دیا اور آج حسن رضی اللہ عنہ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کرنا چاہتے ہیں۔ [4]

---

[1] ترمذی، کتاب الوتر، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر، حدیث: ٤٦٤۔ [2] مسند احمد: ۱/ ۲۰۰، حدیث: ۱۷۲۵۔

[3] ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب حدیث اعقلها وتوکل، حدیث: ۲۵۱۸۔

[4] مروان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر منجانب باغیان قوم جو ظلم وستم ہوئے اس میں اہل بیت نے بھی کوئی حصہ لیا تھا مگر یہ بہتان عظیم ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان ظالموں نے اپنے افعال کو چھپانے کے لیے حضرت عثمان کے بزرگ نام کو بہانہ بنا لیا تھا ورنہ ان کو عثمان غنی سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ (محمد سلیمان)

الغرض حضرت امام ممدوح اپنی والدہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔۴۶ سال کی عمر میں بماہ ربیع الاول ۴۹ھ میں وفات پائی [1]

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں روایت ابی بکرہ میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ ((وَإِنَّهُ رَيْحَانَتِي مِنَ الدُّنْيَا)) ''دنیا میں سے وہ تو میرا پھول ہے۔'' [2]

اور حسنین شہیدین کی منقبت میں یہ حدیث ہے:

((إِنَّهُمَا سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) ''یہ دونوں نوجوان بہشت کے سردار ہیں۔'' [3]

دوسری حدیث ہے:

((أَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا)) ''اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت فرما اور جو کوئی ان دونوں سے محبت رکھے ان سے تو بھی محبت فرما۔'' [4]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ایک قانونی مشورہ کا ذکر علامہ ابن القیم نے لکھا ہے جو دلچسپ ہے:

ایک شخص کو گرفتار کر کے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا۔ گرفتاری ایک ویران غیر آباد مقام سے ہوئی تھی۔ گرفتاری کے وقت اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی، یہ کھڑا ہوا تھا اور ایک لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔

اس شخص نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے اقبال جرم کیا اور انہوں نے قصاص کا حکم دے دیا اتنے میں ایک شخص دوڑا دوڑا آیا اور اس نے خلیفہ کے سامنے اقبال جرم کیا۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ملزم اول سے دریافت کیا کہ تو نے کیوں اقبال کیا تھا۔ اس نے کہا کہ جن حالات میں میری گرفتاری کی گئی تھی۔ میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار کچھ مفید نہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں قصاب ہوں میں نے جائے وقوعہ کے قریب ہی ایک بکرا ذبح کیا تھا، گوشت کاٹ رہا تھا کہ مجھے پیشاب کا زور پڑا۔ میں جائے وقوعہ کے قریب پیشاب سے فارغ ہوا کہ میری نظر اس لاش پر پڑ گئی۔ میں اسے دیکھنے کے لیے اس کے قریب پہنچا، دیکھ رہا تھا کہ پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا سب لوگ کہنے لگے کہ یہی شخص اس کا قاتل ہے۔ مجھے بھی یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے بیان کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس لیے میں نے اقبال کر لینا ہی بہتر سمجھا۔

اب دوسرے اقبالی مجرم سے دریافت فرمایا۔ اس نے کہا میں ایک اعرابی ہوں، مفلس ہوں۔ مقتول کو میں نے بطمع مال قتل کیا تھا، اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی، میں ایک گوشہ میں جا چھپا، اتنے میں پولیس آ گئی اس نے پہلے ملزم کو پکڑ لیا۔ اب جبکہ اس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا تو میرے دل نے مجھے آمادہ کیا کہ میں خود اپنے جرم کا اقبال کروں۔

---

[1] الاستیعاب میں ۵۱ھ لکھا ہے، الاستیعاب: ۲/ ۳۷۳۔

[2] الاستیعاب؛ مسند احمد، ج ۵/ ۵۱، حدیث نمبر: ۲۰۳۹۵۔

[3] جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی، حدیث: ۳۷۶۸۔

[4] مصدر سابق، حدیث: ۳۷۶۹۔

یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین اگر اس شخص نے ایک کو ہلاک کیا ہے تو ایک شخص کی جان بچائی بھی ہے اور اللہ نے فرمایا ہے۔

﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ کو قبول فرمایا۔ دوسرے ملزم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے دلایا۔ [2]

اولاد حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارہ فرزند تھے۔ زید، حسن مثنیٰ، حسین، طلحہ، اسمٰعیل، عبداللہ، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمن، عبداللہ ابوبکر قاسم، عمر۔

پانچ دختران: فاطمہ، ام سلمہ، ام عبداللہ، ام الحسین رملہ، ام الحسن۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل ان کے چار فرزندوں یعنی زید، حسن مثنیٰ، حسین الاثرم اور عمر سے جاری ہوئی تھی مگر حسین اور عمر کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب دنیا میں زید اور حسن مثنیٰ کی اولاد باقی ہے۔

اولاد حسن رضی اللہ عنہ میں سے عمر اور قاسم اور عبداللہ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

(الف) زید بن حسن رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۲۰ھ)

ان کی ماں کا نام فاطمہ بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر بن ثعلبہ الخزرجی الانصاری ہے۔ حضرت زید کے فرزند ابو محمد حسن سلطنت منصور میں امیر مدینہ ہو گئے تھے۔

حضرت سید محمد گیسودراز صاحب خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ بھی حضرت زید بن حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، ان کا مزار بمقام گلبرگہ (علاقہ سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہٗ) ہے۔

(ب) حسن مثنیٰ بن حسن رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷ھ)

ان کی والدہ خولہ بنت منظور بن ریان بن عمرو بن جابر بن عقیل بن سمی بن مازن بن فزارہ ہیں۔ صدقات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اہتمام حضرت حسن مثنیٰ ہی کے متعلق تھا، یہ میدان کربلا میں شریک ہوئے اور سخت زخمی ہو گئے تھے۔ اختتام جنگ کے بعد ان کو سسکتے ہوئے دیکھا گیا۔ اسماء بنت خارجہ فزاری نے ابن سعد سے علاج کرانے کی اجازت حاصل کر لی اور یہ اچھے ہو گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ ان کے نکاح میں تھی، جس سے ابراہیم الغمر۔ حسن مثلث اور عبداللہ محض پیدا ہوئے تھے۔ یہ تینوں وہ پہلے شخص ہیں جو طرفین سے فاطمی ہیں۔ یہ شرف اور میں نہیں پایا جاتا۔ ایک رومیہ عورت سے داؤد و جعفر دو اور فرزند بھی تھے۔

ا: عبداللہ محض شیخ بنو ہاشم کے لقب سے ملقب تھے۔

---

[1] ٥/ المائدۃ: ٣٢۔ [2] الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة لابن قیم، ص: ٥٦، فصل ومن قضایا علیّ أنه أُتي برجل وجد مطبوعه مطبعة الآداب، مصر۔

ان کے پانچ فرزند تھے: محمد ذی النفس الزکیہ، ابراہیم، موسیٰ الجون، یحییٰ، سلیمان وادریس محمد ذی النفس الزکیہ نے دعویٰ خلافت کیا تھا اور امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی رفاقت کا فتویٰ دیا تھا۔

ابراہیم بن عبداللہ محض نے بھی دعویٰ خلافت کیا تھا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کو چار ہزار درہم بطور امداد بھیجے تھے، انکے بیٹے حسن اور ان کے فرزند عبداللہ مشہور ہیں۔ دنیا میں ان کی نسل باقی ہے۔ عبداللہ محض کے فرزند موسیٰ الجون کی نسل بھی بہت پھیلی ہے۔ شیخ الجلیل امام الاولیاء ابوصالح سیدی الشیخ عبدالقادر [1] جیلانی حضرت موسیٰ الجون ہی کی نسل سے ہیں۔

۲: ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ کا لقب غمر کثرت جود کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ ابواسمٰعیل کنیت ہے۔ ۱۴۵ھ میں ۶۹ سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔ ان کی نسل اسمٰعیل دیباج سے جاری ہے۔ اسمٰعیل دیباج کی کنیت ابوابراہیم اور لقب شریف الخلاص تھا۔ ان کے فرزند حسن کی نسل دو فرزندان الفتح اور ابراہیم طباطبا سے جاری ہے اور بکثرت پائی جاتی ہے۔ سادات بنو مُعیّہ کا سلسلہ نسب انہی میں آ کر شامل ہوتا ہے۔ بنو معیّہ میں سے سید عماد الدین محمد بن محمد بن حسین بن قریش کی اولاد دہلی میں موجود ہے۔

۳: حسن المثلث بن مثنیٰ کی کنیت ابوعلی ہے ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی نسل دنیا میں موجود ہے۔

۴: داؤد بن حسن مثنیٰ کی والدہ رومیہ ہیں۔ یہ اور حضرت جعفر صادق باہم رضیع تھے اور یہی صدقات علی المرتضیٰ کے متولی تھے۔ ان کی نسل سلیمان بن داؤد سے جاری ہے۔ سلیمان کی والدہ ام کلثوم بنت حضرت زین العابدین ہیں۔ سلیمان کی نسل چار فرزندوں موسیٰ، داؤد، اسحٰق وحسن سے دنیا میں موجود ہے۔

۵: جعفر بن حسن مثنیٰ کی کنیت ابوالحسن ہے ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

ان کا بیٹا حسن تھا، جس کی نسل عبداللہ اور جعفر ملقب بہ غدار اور محمد الشیلق سے جاری ہے۔ قزوین راوند مراغہ میں یہ نسل پائی جاتی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے برادرِ خورد ہیں۔ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔

واقدی وغیرہ کا قول ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت سے ۵۰ یوم بعد حسین رضی اللہ عنہ نے بطن مادر مطہر میں استقرار پایا تھا۔ حضرت جعفر صادق عن ابیہ کی روایت میں ہے۔

---

[1] سنہ ولادت لفظ عاشق ۴۷۱ ہے سنینِ عمر لفظ کامل ۹۱ ہے، سنہ وفات لفظ معشوق الٰہی ۵۶۲ سے برآمد ہوتا ہے۔ حنبلی المذہب تھے۔ کرامات کثیرہ کی روایات تواتر کے ساتھ مشہور ہیں۔ سلسلہ قادریہ ذات گرامی پر منتہی ہوتا ہے۔ تصنیفات سے چند کتابیں ملتی ہیں۔ سید عبدالوہاب شعرانی نے تحریر کیا ہے کہ سید الشیخ جیلانی نے فرمایا ایک روز مجھے نور عظیم نظر آیا جس نے افق کو چھپا لیا تھا پھر اس میں سے ایک صورت نمودار ہوئی، اس نے کہا: عبدالقادر میں تیرا رب ہوں اور تیرے لیے جملہ محرمات کو حلال کرتا ہوں۔ میں نے کہا اے لعین دُور دُور۔ اسی وقت وہ نور ظلمت بن گیا اور وہ صورت دھواں بن گئی۔ پھر آواز آئی۔ عبدالقادر تیرے اللہ نے تجھے علم دیا اور منازلِ احوال کا تفقہ عطا کیا، اس لیے تو بچ گیا ورنہ ستر اہل طریق کو میں اسی طرح گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا یہ سب کچھ بفضل ربانی ہے حاضرین نے عرض کیا کہ حضور نے کیوں کر سمجھ لیا کہ وہ شیطان ہے؟ فرمایا اس فقرہ سے کہ جملہ محرمات کو حلال کرتا ہوں۔ از لواقح الانوار فی طبقات الاخیار للشعرانی ص ۱۰۸ شعرانی نے نسب عالی اسی طرح بیان کیا: شیخ عبدالقادر حنبلی بن موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن حضرت حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما۔ فقط، (محمد سلیمان)

لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَمَلِ بِالْحُسَيْنِ بَعْدَ وِلَادَةِ الْحَسَنِ إِلَّا طُهْرٌ وَاحِدٌ۔ [1]

مصعب الزبیری سے روایت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پیادہ پا کیے تھے یہ روایت الاستیعاب کی ہے۔ الکافی میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بیس حج کیے تھے۔ میرے نزدیک یہ دونوں روایات شہیدین سعیدین کے متعلق صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ صورت تطبیق یہ ہے کہ دونوں بھائیوں نے بیس حج شامل کیے ہوں گے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پانچ حج زائد ہیں۔ یہ غالبًا بعداز وفات حضرت حسن ادا کیے ہوں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا کہ حسین رضی اللہ عنہ بچہ ہی تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں کلائیوں کو پکڑا۔ اس وقت حسین کے قدم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر تھے پھر فرمایا، چڑھو چڑھو، حسین اوپر کو چڑھتے جاتے تھے، حتیٰ کہ ان کے پاؤں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر تھے اور منہ کے برابر منہ تھا۔ پھر فرمایا منہ کھولو۔ انہوں نے منہ کھولا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ چوم لیا اور زبان سے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ أَحِبَّهُ فَإِنِّي أُحِبُّهُ)) [2]

''الٰہی میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔''

حضرت زہری نے باسناد عن علی بن الحسین عن ابیہ حضرت حسین سے یہ حدیث نبوی روایت کی ہے:

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ)) [3]

''انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ناکارآمد چیز کو ترک کر دے۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے میں ممتاز تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ سنا اور کچھ عرصہ تک اس کا ذکر حسین رضی اللہ عنہ سے نہ کیا۔ پھر جب میں نے ذکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پیشتر ہی دریافت کر چکے اور سن چکے تھے، بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت کے متعلق کچھ زائد معلومات بھی حاصل کی ہوئی تھیں۔ [4]

مسند احمد و سنن ابوداؤد [5] میں ایک اور حدیث مرفوعاً حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((إِنَّ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَّإِنْ جَآءَ عَلٰى فَرَسٍ))

''سائل کا حق قائم ہو جاتا ہے خواہ وہ گھوڑے پر ہی سوار آئے۔''

---

[1] الاصابۃ: ۱/ ۳۳۱ باب ح س۔ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین میں صرف ایک طہر کا فاصلہ تھا۔ ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ غلط بات مشہور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بطن والدہ مطہرہ میں صرف چھ ماہ ٹھہرے تھے کیونکہ ابتدا و انتہا سے حمل کی تاریخوں کا تعین ہو چکا ہے۔

[2] بخاری، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الأسواق، حدیث: ۲۱۲۲۔ [3] شمائل ترمذی، المؤطا امام مالک کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث: ۳؛ ترمذی، کتاب الزھد، باب من حسن اسلام المرء، حدیث: ۲۳۱۷۔

[4] مختصر شمائل الترمذی للالبانی، باب ماجاء فی خلق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ٦۔

[5] ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب حق السائل، حدیث: ١٦٦٥؛ مسند احمد: ۱/ ۲۰۱ حدیث ۱۷۳۰ دونوں مقامات پر "ان" نہیں ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ شاعر بھی تھے۔مندرجہ ذیل اشعار اپنی بیوی رباب بنت امراء القیس الکلبی ❶ اور اپنی بیٹی سکینہ ❷ کے لیے جو رباب کے بطن سے ہیں، انشاء فرمائے تھے۔ ❸

لَعَمْرُكَ إِنَّنِيْ لَأُحِبُّ أَرْضًا ۔ تَحُلُّ بِهَا سَكِيْنَةُ وَالرَّبَابُ
أُحِبُّهُمَا وَأَبْذُلُ جُلَّ مَا لِيْ ۔ وَلَيْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِيْ عِتَابُ
فَلَسْتُ لَهُمْ وَإِنْ غَابُوْا مُضِيْعًا ۔ حَيَاتِيْ أَوْ يُغَيِّبُنِي التُّرَابُ
كَأَنَّ اللَّيْلَ مَوْصُوْلٌ بِلَيْلٍ ۔ إِذَازَارَتْ سَكِيْنَةُ وَالرَّبَابُ

بی بی رباب جس کی محبت میں یہ اشعار ارشاد فرمائے گئے وہ بھی مہر و وفا کی پتلی تھی۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بہت لوگوں نے ان کے پاس پیغام نکاح بھجوائے، مگر انہوں نے انکار ہی کر دیا۔صاحب الاغانی نے سندِ متصل کے ساتھ ان کے مندرجہ ذیل اشعار جو شہادت کے بعد کہے گئے تھے روایت کیے ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْ كَانَ نُوْرًا يُسْتَضَاءُ بِهِ ۔ بِكَرْ بَلَاءٌ قَتِيْلٌ غَيْرُ مَدْفُوْنِ
سِبْطَ النَّبِيِّ جَزَاكَ اللّٰهُ صَالِحَةً ۔ عَنَّا وَجَنَّبْتَ خُسْرَانَ الْمَوَازِيْنِ
قَدْ كُنْتَ لِيْ جَبَلاً صَعْبًا أَلُوْذُبِهِ ۔ وَكُنْتَ تَصْحَبُنَا بِالرَّحِمِ وَالدِّيْنِ
مَنْ لِلْيَتَامٰى وَمَنْ لِلسَّائِلِيْنَ وَمَنْ ۔ يُغْنِيْ وَيَأْوِيْ إِلَيْهِ كُلُّ مِسْكِيْنِ
وَاللّٰهِ لَا أَبْتَغِيْ صِهْرًا بِصِهْرِكُمْ ۔ حَتّٰى أُغَيَّبَ بَيْنَ الرَّمْلِ وَالطِّيْنِ ❹

---

❶ صاحب الاغانی نے عوف بن خارجہ المری سے روایت کی ہے کہ میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک اَفحج اجلی امعر شخص لوگوں کو چیرتا ہوا آیا اس نے بتایا کہ وہ امراء القیس الکلبی ہے جس نے بکر بن وائل پر خلیج کا حملہ کیا تھا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اب کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا اسلام۔فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے مسلمان بنایا اور اسے شام کے رہنے والے بنو قزاعہ کا سردار بنا دیا اور رائیت سرداری عطا کر دیا۔امراء القیس اسی مجلس سے اٹھا تو اس کے سر پر رائیت سرداری لہرا رہا تھا وہ اسی وقت واپس چل دیا۔حضرت علی مرتضیٰ حسنین کو لیے ہوئے اسے راہ میں مل گئے۔امراء القیس سے فرمایا میں علی عم زاد نبی ہوں۔میرے یہ دونوں فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ہماری قرابت ہو جائے۔امراء القیس بولا، میری تین بیٹیاں ہیں، محیاۃ علی کو سلمیٰ حسن کو، رباب حسین کو دیتا ہوں۔اس طرح رباب حضرت حسین کے نکاح میں آئی تھیں۔ ❷ سکینہ صیغہ تصغیر ہے ان کا نام امیمہ یا آمنہ جو بیان کیا گیا ہے۔ان کے کئی نکاح ہوئے اول عبداللہ بن حسن بن علی سے ہوا تھا ایک نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا تھا۔ایک لاکھ کا مہر ادا کیا گیا یہ غلط ہے کہ سکینہ کا انتقال زندانِ شام اور بچپنے میں ہو گیا تھا۔

❸ پہلے تین شعر اغانی سے اور چوتھا روض الانف سہیلی سے نقل کیا گیا ہے ان کا ترجمہ یہ ہے: سچ تو یہ ہے کہ میں اس جگہ سے الفت رکھتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب ٹھہری ہوئی ہیں مجھے ان دونوں سے محبت ہے میں ان پر دولت کثیر خرچ کرتا ہوں اور عاتب کے عتاب کی پروا نہیں کرتا۔گو وہ یہاں نہیں ہیں مگر میں ان کی غور و پرداخت سے بے خبر نہ رہوں گا جب تک زندہ ہوں اور جب تک مٹی مجھے چھپا نہ دے گی۔جب سکینہ اور رباب اپنے اقارب سے ملنے گئی ہوئی ہوں تو رات ایسی لمبی نظر آتی ہے گویا رات کے ساتھ دوسری رات مل گئی ہے۔ ❹ ان اشعار کا مصرعہ اول حضرت حسان کے نعتیہ اشعار سے لیا گیا ہے ترجمہ اشعار یہ ہے: وہ نور جو روشنی پھیلاتا تھا کربلا میں مقتول پڑا ہے اسے کسی نے دفن بھی نہ کیا۔اے سبط نبی اللہ تجھے ہماری جانب سے بہترین جزا عطا فرمائے۔آپ میزانِ عمل کے خسران سے بچائے گئے۔تم میرے لیے بلند پہاڑ کی چوٹی تھے جس کی پناہ لیا کرتی تھی (یہ محاورہ حضرت داؤد کی زبور میں بکثرت ہے) آپ کا برتاؤ ہمارے ساتھ رحم اور دین کا تھا۔اب یتیموں کا کون ہے؟ اب فقیروں کا کون ہے؟ اب کون رہ گیا ہے جس کے پاس ہر ایک مسکین کو پناہ مل سکے اب میں اس قرابت کے بعد اور کوئی خویشی پسند نہ کروں گی حتیٰ کہ ریت اور مٹی کے تودہ میں جا چھپوں۔

امام ہمام رضی اللہ عنہ کی شہادت بروز جمعہ عشرہ محرم ۶۱ھ کو میدانِ کربلا میں جسے طف بھی کہتے ہیں۔ آغازِ وقت زوال میں ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ړ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ [1]

واقعہ ہائلہ کربلا کا مکمل بیان میں نے لکھا تھا اور ارادہ تھا کہ اسی کتاب میں شائع کیا جائے مگر احباب کے مشورہ سے قرار پایا کہ اسے علیحدہ شائع کیا جائے، تاکہ تھوڑی قیمت پر بہت ہاتھوں تک پہنچ سکے۔ اس مضمون میں واقعات کو تنقیدِ صحت کے بعد لکھا گیا ہے۔ اصل خطوط کی عبارتیں نقل کی گئیں ہیں اور شہداء کے اسماء اور قبائل کی تحقیقات کی گئی ہے۔

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

اسم مبارک علی ہے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے زین العابدین، سجاد، ذوالثفنات لقب پڑ گئے تھے۔ واقعہ کربلا میں عمر مبارک ۲۳ سال کی تھی۔ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے، ۹۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی والدہ بنت یزدجرد ہیں۔ جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

حضرت زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں محمد باقر، عبداللہ الباہر، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر، علی الاصغر سے باقی ہے۔

دو بیٹیاں ام کلثوم و خدیجہ تھیں۔

ام کلثوم کا نکاح داؤد بن حسین مثنیٰ سے ہوا تھا۔ ان کے بطن سے سلیمان پیدا ہوا۔ سلیمان کی نسل داؤد اسحٰق اور حسین سے جاری ہے۔

خدیجہ کا نکاح محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ سے ہوا۔ ان کے بطن سے عبداللہ، عبیداللہ، عمر پیدا ہوئے نسل باقی ہے۔

عبداللہ الباہر بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ کے برادر شقیق ہیں ان کی نسل محمد الارقط سے جاری ہے۔

اس کا ایک ہی بیٹا تھا، اسمٰعیل، ان کے دو بیٹے تھے حسین اور محمد۔ یہ نسل رے، قم، جرجان میں پائی جاتی ہے۔

زید شہید بن حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

ان کی والدہ ام ولد تھیں، انہوں نے عہد سلطنت ہشام میں دعوئ خلافت کیا تھا۔ بہت لوگوں نے بیعت کر لی تھی۔ مدائن،

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۴۔

بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے، جرجان کے علاوہ صرف کوفہ ہی کے پانچ ہزار شخص تھے۔ جب یوسف ثقفی ان کے مقابلہ میں لشکر لایا تو یہ سب لوگ زید رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زید شہید نے فرمایا کہ رَفَضُوْنَا الْیَوْمَ اُس دن سے رافضی کا لفظ نکلا۔ آپ ۱۵ صفر ۱۲۱ھ کو اس جنگ میں زخمِ تیر سے شہید ہوئے تھے۔

ان کے چار فرزند تھے۔ یحییٰ جو ۱۸ سال کی عمر میں شہید ہو گئے تھے۔ ایک دختر ان کی یادگار تھی باقی تین فرزندوں حسین ذی الدمعہ۔ عیسیٰ موتم الاشبال [1] محمد سے نسل جاری ہے۔

حسین ذی الدمعہ نے ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔ نسل کثیر باقی ہے اور کیتھل، سنبھل وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ ترمذی کہلاتے ہیں۔

عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل چار فرزندوں احمد، زید، محمد، حسین عصارہ سے جاری ہے، سادات بارہ بلگرام کا نسب محمد بن عیسیٰ تک منتہی ہوتا ہے۔ حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہٗ المتوفی ۱۲۰۰ھ اسی نژاد عالی سے ہیں۔

عمر الاشرف بن حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

زید شہید کے برادرِ شقیق ہیں۔ ان کی نسل علی اصغر سے جاری ہوئی ان کے تین فرزند قاسم، عمر الشجری، ابو محمد الحسن تھے۔ نسل کثیر باقی ہے۔

حسین الاصغر بن حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

ان کی والدہ کا نام ساعدہ ہے جو ام ولد ہیں حسین الاصغر نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ عبداللہ، عبیداللہ الاعرج۔ علی، ابو محمد الحسن، سلیمان سے نسل باقی ہے اور حجاز و عراق، شام و مغرب میں پائی جاتی ہے۔

علی الاصغر بن حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

ان کی نسل افطس سے جاری ہے۔ افطس کی نسل علی الحوری، عمر، حسین، حسن مکفوف، عبداللہ الشہید سے جاری ہے۔

حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ

محمد نام، باقر لقب، ابو جعفر کنیت ہے۔ باقر العلوم، وافر الحلم، جلیل القدر تھے۔ صحیح مسلم میں ان کی حدیث عن جابر رضی اللہ عنہ دربارہ حج موجود ہے، جس سے دوسو کے قریب قریب مسائل مستخرج ہوتے ہیں صحاح و سنن میں ان کی مرویات خوب ملتی ہیں۔ ولادت مدینہ میں ۵۷ھ میں، وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

واقعہ کربلا میں قریباً تین سال کے تھے۔ ان کی نسل صرف حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہے ان کی والدہ ام عبداللہ بنتِ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

[1] دست بدست لڑائی میں شیر کو ہلاک کیا تھا ''موتم الاشبال بچگان شیر کو یتیم بنانے والا'' لقب پڑ گیا۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

جعفر نام، صادق لقب، ابوعبداللہ کنیت ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ ام فروہ ہیں۔ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے، قاسم الفقیہ کی بیٹی ہیں۔ ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی لیے حضرت جعفر صادق فخراً فرمایا کرتے تھے وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ مجھے ولادت میں ابوبکر سے دہرے واسطے ہیں۔ وافر العلوم، کثیر الفیوض تھے۔ دواوین، احادیث وسنن میں ان کی مرویات اور فتاویٰ موجود ہیں۔

ولادت ۸۳ھ، وفات ۱۴۸ھ بقیع میں مدفون ہوئے۔

ان کی نسل پانچ فرزندوں موسیٰ کاظم، اسمٰعیل، علی العریضی، محمد المامون، اسحٰق سے جاری ہے۔

۱: اسمٰعیل اپنے والد کے فرزند اکبر ہیں۔ اسمعیلیہ ان کو جعفر صادق کے بعد امام مانتے ہیں۔ ہز ہائینس سر آغا خان بالقابہ کا سلسلہ نسب انہی تک منتہی ہوتا ہے۔ ان کی نسل دو فرزندوں محمد اور علی سے جاری ہے۔

علی ملقب ضیاء الدین کے سلسلہ نسب میں مخدوم سید علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲: علی العریضی بن حضرت جعفر صادق کی نسل چار فرزندوں محمد، احمد الشعرانی، حسن، جعفر الاصغر سے جاری ہے اور خلق کثیر موجود ہے۔

۳: محمد المامون یا محمد دیباج۔ انہوں نے دعویٰ خلافت بھی کیا تھا۔ مامون الرشید نے ان کو گرفتاری کی بعد معاف کر دیا تھا۔ ان کی نسل علی الخارجی، قاسم، حسین سے جاری ہے۔ اکثر مصر میں پائے جاتے ہیں۔

۴: اسحٰق بن جعفر صادق: مؤتمن لقب، ابومحمد کنیت حضرت موسیٰ کاظم کے برادر شفیق ہیں۔ شیعہ کا ایک فرقہ ان کو امام مانتا ہے۔ ان کی نسل محمد، حسن، حسین تین فرزندوں سے جاری ہے۔

حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت جعفر صادق

موسیٰ نام۔ کاظم لقب۔ ابوالحسن اور ابوابراہیم کنیت تھی۔ ان کی والدہ کا نام حمیدہ ہے، جوام ولد تھیں۔ ولادت ۱۲۸ھ مقام ابواء وفات ۶ رجب ۱۸۳ھ کو بمقام بغداد ہوئی یہ ۲۳ پسران اور ۳۷ دختران کے والد ہیں۔ فرزندان نرینہ میں سے عبدالرحمٰن، عقیل، قاسم، یحییٰ، داؤد لاولد تھے۔

سلیمان، فضل، احمد کے صرف اولاد دختری تھی۔

حسین، ابراہیم الاکبر، ہارون، زید، حسن کی اولاد کے متعلق علمائے نسب میں اختلاف ہے۔

علی، ابراہیم الاصغر، عباس، اسمٰعیل، محمد، اسحاق، حمزہ، عبداللہ، عبیداللہ، جعفر کی نسل جاری ہے۔ اختصاراً تفصیل چھوڑ دی گئی ہے۔

سلطان الہند خواجہ بزرگ سید معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ اجمیری المتوفی ۶ رجب ۶۳۲ھ حضرت موسیٰ کاظم ہی کی اولاد

سے ہیں۔

حضرت علی الرضا رحمۃ اللہ علیہ

علی نام، رضا لقب، ابوالحسن کنیت ہے۔ ولادت ۱۴۸ھ وفات بماہ صفر ۲۰۲ھ بعمر ۵۵ سال مزار مشہد مقدس میں ہے۔ ان کی نسل صرف محمد الجواد سے جاری ہے۔

حضرت محمد الجواد رحمۃ اللہ علیہ

محمد نام۔ جواد لقب، ابوجعفر کنیت، ولادت رمضان ۱۹۵ھ وفات آخری ذی قعدہ ۲۲۰ھ بعمر ۲۵ سال سُرّ مَن رَائی میں انتقال فرمایا۔ علی الہادی اور موسیٰ المبرقع سے نسل جاری ہے۔

۱: موسیٰ المبرقع کی نسل ان کے فرزند احمد سے جاری ہے۔ مضافات لکھنؤ خیر آباد، سفیدوں، سونی پت، سامانہ میں یہ نسل پائی جاتی ہے۔

حضرت علی النقی رحمۃ اللہ علیہ

علی نام، عسکری لقب، ہادی ونقی علم، ابوالحسن کنیت ہے۔ سُر مَن رَائی میں بعمر ۴۱ سال ۶ ماہ وفات پائی۔ ولادت نصف ذی الحجہ ۲۱۲ھ وفات ۲۶ جمادی الآخر ۲۵۴ھ۔

دو فرزندوں اور ابوعبداللہ جعفر کذاب اور حسن عسکری سے نسل جاری ہے۔

۱: ابوعبداللہ جعفر کے نام کے ساتھ لقب کذاب بعض لوگ اس لیے شامل کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بھائی حسن عسکری کی وفات کے بعد خود امام ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کی اولاد ان کو جعفر تواب کہتی ہے اور اپنے آپ کو رضوی کہلاتے ہیں۔

ابوعبداللہ کی کنیت ابوکُرین بھی ہے۔ کُر ساٹھ قفیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ۱۲۰ بچوں کے والد تھے اس لیے اس کنیت سے پکارے گئے۔ ان کی وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی۔ ان کی نسل کا صرف چھ فرزندوں سے جاری ہونا پایا جاتا ہے۔

اسمٰعیل حریف، یحییٰ الصوفی، ہارون، علی المختار، ادریس، طاہر۔

اسمٰعیل حریف اور یحییٰ الصوفی کی اولاد مصر میں پائی جاتی ہے۔

ہارون بن جعفر کی اولاد میں سے سادات امروہہ مشہور ہیں۔

علی المختار کی اولاد میں سے سادات بھکر ہیں۔ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ اسی شاخ سے ہیں۔

محمد نازک اور سید جلال الدین بخاری نزیل ہند انہی علی المختار کی اولاد ہیں۔

ادریس بن جعفر کی نسل قاسم سے جاری ہے اولاد قواسم کہلاتی ہے۔

حضرت حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ

حسن نام، عسکری لقب، ابو محمد کنیت، ولادت بماہ رمضان ۲۳۲ھ والدہ کا نام حدیث ہے جو ام ولد تھیں۔ وفات ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو سر من رای میں ہوئی۔ ایک فرزند محمد المہدی نصف شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے جو سر من رای کے غار میں بعمر چار سالہ غائب ہو گئے تھے۔ فرقہ اثنا عشریہ ان کو زندہ تسلیم کر کے امام منتظر۔ امام زمان مہدی دوران کے القاب سے ملقب کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ۔

باب دوم

اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ [1]

ازواج النبی ﷺ کے حالات قلمبند کرنے سے پہلے اس شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ جو عیسائی لوگ ایک سے زیادہ بیوی کے متعلق ظاہر کیا کرتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کے مسئلہ مذکورہ کے جواز وعدم جواز کی بحث صرف دو ہی پہلو سے کی جا سکتی ہے۔

(الف) قانون

(ب) مذہب

(الف) قانون: اس مسئلہ کا فیصلہ یورپ کے لیے اور طرح کرتا ہے اور ایشیا کے لیے اور طرح۔ ہندوستان کی تمام ہائی کورٹیں ایک سے زیادہ بیوی کی شخصیت کو قوانین دیوانی اور فوجداری میں صحیح تسلیم کرتی ہیں۔ یہ اعلیٰ عدالتیں ان مقدمات میں جو جائداد کے متعلق ہوں۔ دو یا دو سے زیادہ بیویوں کے حقوق کو بمقابلہ ان کے شوہر کے ورثاء قانونی کے تسلیم کرتی اور ڈگریاں جاری کرتی ہیں۔

یہ اعلیٰ عدالتیں ہمیشہ مقدمات زیر دفعہ ۴۹۴ تعزیرات ہند میں ایسی عورت کو جو اپنے شوہر کی دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی تھی۔ کسی دوسری جگہ شادی کر لینے سے مجرم قرار دیتی ہیں اور اس شخص کو بھی مجرم ٹھہراتی ہیں۔ جو ایسی عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے۔ ہندوستان کی ہائی کورٹوں کا یہ متفقہ اور مسلمہ رو یہ انگلستان کے قانون بائی گیمی کے بالکل خلاف ہے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی انصاف رساں عدالتوں کا یہ قانونی دستور ایشیا کو یورپ سے متمیز کرتا ہے۔ اس لیے ثابت ہو گیا کہ محض قانونی پہلو سے اس مسئلہ پر کوئی مسلمہ اعتراض موجود نہیں ہے۔ [2]

(ب): اب اس مسئلہ پر مذہب کی رو سے غور کرنا ہے۔ مذہب کا سرچشمہ ملک ایشیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی شام میں پیدا ہوئے اور ایشیائی ہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نمبر ۱۰، حدیث: ۳۳۶۹؛ مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ، حدیث: ۹۱۱؛ ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ، حدیث: ۹۸۰؛ نسائی، کتاب السہو، باب کیف الصلاۃ علی النبی ﷺ، حدیث: ۱۲۹۵؛ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ، حدیث: ۹۰۵۔ صلوات کے یہ الفاظ بروایت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ امام بخاری و مسلم و ابوداود و نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیے ہیں۔

[2] دفعات ۳۶۳، ۳۶۶ کو بھی جب شادی شدہ عورت کے متعلق ہوں۔ نیز دفعہ ۴۹۸ کو اس نظیر میں شامل کر لینا چاہیے۔ ہماری اس دلیل کے خلاف یہ جواب درست نہیں ہوگا کہ ہندوستان کی عدالتوں نے اس بارے میں ہندوستان کے رواج کی خالصتۃً پیروی کی ہے کیونکہ اگر ہمارے واضعان قانون اس مسئلہ کو قطعاً مخرب اخلاق سمجھتے تو اس کا ضرور کلی انسداد کر دیتے۔ خواہ رسم اور رواج اس کی تائید میں پائے ہی جاتے۔ انسداد رسم ستی کے متعلق گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔ اگرچہ بعض لوگ اس کی بنیاد مذہب پر بھی بتاتے تھے تعدد شوہران کے بارے میں ان عدالتوں کا یہی رویہ ہے۔ اگرچہ ان علاقہ جات کے لوگوں نے رسم و رواج کو تائید میں بار بار پیش کیا ہے ان نظائر پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دلیل صحیح ہے۔ (محمد سلیمان عفی عنہ)

ایشیا کے مشہور مذاہب

ایک سے زیادہ بیوی کی تائید میں ہیں۔ قدیم ہندوستان کو لیجئے۔

(۱) سری رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں۔

پٹ رانی کوشلیا	والدہ رام چندر جی
رانی سمترا	والدہ لچھمن جی
رانی کیکئی	والدہ بھرت جی

(۲) سری کرشن جی کے، جو اوتاروں میں سولہ کلان سپورن تھے، سینکڑوں بیویاں تھیں [1]

(۳) راجا پانڈو کے جو مشہور پانڈوں کا جد اعلیٰ ہے۔ دو بیویاں تھیں۔

کنتی	والدہ یدہشتر و بھیم سین و ارجن
مادری	والدہ نکل و سہدیو

(۴) راجا شنتن کی دو بیویاں تھیں۔

گنگا	والدہ بھیکم
سیتہ وتی	والدہ چترانگد و بچترا ایرج پسران شنتن۔ نیز والدہ

پیاس جی پسر پراشر رکھیشر

(۵) بچترا ایرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔

امبکا	والدہ دھرتراشت۔ پسر بیاس جی
امبالکا	والدہ پانڈو۔ پسر بیاس جی
لونڈی	والدہ بدر۔ بن بیاس جی

منہاج نبوت اور تعددِ ازدواج

اب اس مسئلہ کو منہاج نبوت پر دیکھ لینا چاہیے۔

عیسائی حضرات ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کو خلیل الرحمٰن تسلیم کرتے ہیں۔ [2]

حضرت یعقوب علیہ السلام کو خدا کا اسرائیل اور نہایت برگزیدہ تسلیم کرتے ہیں۔ [3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت اعتقاد رکھتے ہیں کہ اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نہیں اٹھا، جس سے خدا

---

[1] لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے اپنی کتاب کرشن چرتر میں صرف ۸ رانیاں تسلیم کی ہیں ہمارے مدعا کے لیے یہ تعداد بھی کافی ہے۔

[2] یعقوب علیہ السلام کا خط مشمول انجیل: ۲۳/ ۲۔ [3] التواریخ: ۱۰/ ۲۲ خروج باب ٤ فقرہ ۱۱۔

آمنے سامنے آشنائی کرتا۔ ❶

ہم حضرت داؤد علیہ السلام کی بابت بائبل میں یہ فقرہ پڑھا کرتے ہیں۔ ''خدا نے اس سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے میں آج کے دن تیرا باپ ہوا۔'' ❷

حضرت سلیمان کی بابت عیسائی مانتے ہیں کہ خدا نے اسے فرمایا تھا: ''میں نے ایک عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا۔ ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا۔ اور نہ تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا۔'' ❸ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا نے سلیمان کی بابت یہ بھی کہا تھا: ''وہ میرا بیٹا ہوگا۔ میں اس کا باپ ہوں گا۔'' ❹

حوالہ جات بالا کے بعد ہم بوثوق اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ انبیائے صدر کے افعال منہاجِ نبوت کے ثابت کرنے میں محکم ترین دلائل اور بہترین نظائر ہیں۔

اب انبیائے صدر کے متعلق ملاحظہ ہو

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں:

(۱) سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کتاب پیدائش ۴/۱۶ والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

(۲) سیدہ سارہ علیہا السلام کتاب پیدائش ۱۵/ ۱۸ والدہ اسحٰق علیہ السلام

(۳) قتورہ خاتون کتاب پیدائش ۱/ ۲۵ والدہ زمران، یقشان، مدان، مدیان، یشباق، شوخ

حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل کی چار بیویاں۔

(۱) لیاہ، کتاب پیدائش ۲۳/ ۲۹ والدہ راوبین، شمعون، لاوی، یہودہ، آشکار، زبلون

(۲) زلفہ۔ کتاب پیدائش ۲۴/ ۲۹۔ والدہ جد۔ آشیر۔

(۳) راحل ایضاً کتاب پیدائش ۲۸/ ۲۹۔ والدہ یوسف علیہ السلام و بن یامین۔

(۴) بلہہ۔ کتاب پیدائش ۲۹/ ۲۹۔ والدہ دان ونفتالی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں۔

(۱) صفورہ خاتون۔ کتاب خروج ۲/۲۱۔ والدہ جیرشوم۔ الیعزر۔

(۲) حبشیہ۔

(۳) ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام قینی تھا۔ قاضیون ۱۶/ ۱۔

(۴) ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام حباب تھا۔ قاضیون ۱۶/ ۴۔

---

❶ استثناء: ۱۰/ ۳٤۔ ❷ زبور: ۷/ ۲۔
❸ اسلاطین: ۱۲/ ۳۔ ❹ التواریخ: ۱۰/ ۲۲۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بے تعداد بیویوں کا جواز

۱۰: جب تو لڑائی کے لیے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھوں میں گرفتار کرائے اور تو انہیں اسیر کر لائے ۱۱۔ اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے۔ ۱۲۔ تو تو اسے اپنے گھر میں لا۔ اس کا سر منڈا اور ناخن کٹوا۔ ۱۳۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ کتاب استثناء ۲۱/ ۱۰ تا ۱۳۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویاں

حضرت داؤد کی (الف) ۹ بیویوں کے نام اور ان کے علاوہ (ب) دس حرموں کا ذکر (ج) اور پھر انکے علاوہ حرموں اور (د) جوروؤں کا ذکر بائیبل سے حسب صراحت ذیل ملتا ہے۔

نام زوجہ	حوالہ	کیفیت اور انکے بطن سے پیدا شدہ فرزندان کے نام
۱: اخنوعم	ا۔ سموئیل ۲۳/ ۲۶	امنون پہلوٹھا اس سے پیدا ہوا۔
۲: ابی جیلی	// //	کلیاب اس سے پیدا ہوا۔
۳: میکل بنت ساول بادشاہ اسرائیل	ا۔ سموئیل ۲۷/ ۱۸	بے اولاد
۴: معکہ بنت تلمی بادشاہ جسور	۲۔ سموئیل ۳ باب	ابسلوم اس سے پیدا ہوا۔
۵: حجیت	//	ابی سلوم وادد نیاہ پیدا ہوئے
۶: ابیطال	//	سفطیاہ پیدا ہوا۔
۷: عجلاہ	سموئیل ۳ باب	تیرعام اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ داؤد کے مندرجہ بالا فرزندان بمقام حبرون میں پیدا ہوئے تھے ۲۔ سموئیل ۳ باب
۸: بنت سبع دختر ابعام	۲۔ سموئیل ۱۱/ ۳، ۲۶	حضرت سلیمان اس سے پیدا ہوئے
۹: ابی شاگ	۲۔ سموئیل	
۱۰: دس حرمیں داؤد کی	۲۔ سموئیل ۳۰/ ۲۰ [1]	

دیگر داؤد نے جبرون سے آ کر یروشلم میں اور حرمیں......

دیگر............ اور جورئیں کیں۔ ۲۔ سموئیل ۱۳/ ۵

[1] داؤد نے ان کو ایک قصور میں یہ سزا دی کہ انکے پاس نہ گیا وہ مرتے دم تک قید میں رہیں اور رنڈاپے میں دن کاٹے۔ ۲۔ سموئیل ۳/ ۲۰۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں

اس کی سات سو جوروئیں بیگمات اور ۳۰۰ حرمیں تھیں۔ سلاطین ۳/۱۱۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ اللہ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں اور ان کی کثرت زوجات کی بنیاد پر عیسائیوں نے ان انبیاء کی تقدیس میں کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ہم ابھی اور مثالیں پیش کریں گے۔ خرقیل نبی کی کتاب کا ۲۳ باب نکالو اور ایک تا ۴ درس پڑھ جاؤ۔ ۱/۲۳ خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اس نے کہا۔

۲/۲۳ اے آدم زاد۔ دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں۔

۴/۲۴۔ ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن کا اہولیہ اور وہ میری جوروئیں بنیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں۔ اس کلام میں خدا نے ایک سے زیادہ عورتوں کو جوروئیں بنانے کا ذکر کیا ہے۔

عیسائی کہیں گے کہ یہ کلام تمثیلی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ عورتوں کا جورو بنانا خدا کے نزدیک پسند نہ ہوتا تو وہ تمثیلاً بھی اس فعل کو اپنی جانب منسوب نہ کرتا۔

اس کے بعد انجیل متی کا ۲۵ باب پڑھو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی آمد کی خبر میں دس کنواریوں کا ذکر کیا ہے کہ پانچ نے دولہا کے ساتھ شادی کی۔ گھر میں گئیں اور پانچ جو پیچھے رہ گئی تھیں، ان کے لیے دروازہ نہ کھولا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کبھی اس تمثیلی بیان کو زبان پر نہ لاتے، اگر ان کے نزدیک ایک سے زیادہ بیوی کا ہونا پسندیدہ نہ ہوتا۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن تو اسی تمثیل سے ایک سے زیادہ بیوی کے جواز کا قائل تھا۔

ان تمام حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو منہاج نبوت ہزاروں سال سے سینکڑوں انبیاء نے اپنے پاک اور محکم چال چلن سے قائم کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ نبی کے گھر میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔

اگر کوئی شخص اب بھی ہمارے ساتھ نتیجہ بالا میں متفق نہیں ہے تو اسے عبرانیوں ۱۳/۴ پڑھنا چاہیے۔

بیاہ کرنا سب میں بھلا ہے اور بستر ناپاک نہیں۔

پر خدا حرام کاروں اور زانیوں کی عدالت کرے گا۔

یہ درس صرف دو ہی صورتوں کا ذکر کرتا ہے ا:۔ بیاہ ۲:۔ زنا۔ اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا ناپاک بستر ہے، تو کیا وہ یہ بھی اقرار کرنے کو آمادہ ہے کہ وہ سب لوگ مقدس ہیں جن کی نبوت پر اسے ایمان ہے۔ عبرانیوں کے فقرہ ۱۳/۴ کے مصداق تھے۔ ہم جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں۔ کوئی بھی ایماندار عیسائی ایسا نہیں پایا جائے گا۔ اس لیے ہم ہر ایک عیسائی کے ایمان ہی سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جناب ختمیت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک میں بھی گستاخانہ لفظ کہنے سے اسی طرح رک جائے جس طرح وہ حضرت ابراہیم یعقوب اور موسیٰ و داؤد علیہم السلام کے سامنے مہر بر لب ہو گیا ہے۔

فصل اوّل

نبی ﷺ اور کثرت زوجات

نبی ﷺ کی مبارک زندگی پر نظر ڈالو کہ ۶۳ سال میں سے ابتدائی ۲۵ سال حضور ﷺ کے کمالِ تجرد سے گزرتے ہیں۔ جس بزرگ نے ۲۵ سال تک عنفوان شباب اور جوش جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت وَرع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسن مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزومند کر دیا ہو۔ پھر بھی ربع صدی تک اس کے تجرد و تفرد پر کوئی شے غالب نہ آئی ہو، کیا ایسے شخص کی نسبت اعلیٰ رائے قائم نہیں ہوتی؟ جس مقدس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں ان سے ۱۵ سال بڑی اور ان سے پیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضور ﷺ کی دل بستگی و محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو۔ بلکہ اس کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یاد کو تازہ رکھا ہو، کیا ان کی نسبت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تزویج کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستارانِ حسن کی شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے؟ نبی ﷺ کی زندگی ۵۵ھ سے لے کر ۵۹ھ تک کی درمیانی مدت کا پنجسالہ زمانہ ایسا ہے۔ جب ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے اس لیے ہر ایک شخص کو غور کرنا چاہیے کہ زندگی مبارک کے ۵۵ سالہ روّیہ سے بڑھ کر جو عمل ہوا اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے خصوصاً جب نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی موجود ہے ((مَالِيْ فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ)) [1]

غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ نبی ﷺ نے جس قدر نکاح کیے ان کی بنیاد فوائد کثیرہ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنہ قوم پر قائم تھی اور ان فوائد و مصالح مقاصد کا اس قدیم ترین زمانہ اور عرب جیسے جمود پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ [2]

مثلاً ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کرو کہ اس سے پیشتر جس قدر لڑائیاں مسلمانوں کے ساتھ کفار نے کیں ان میں سے ہر ایک میں یہود کا تعلق سرًا یا علانیۃً ضرور ہوتا تھا۔ مگر تزویج صفیہ کے بعد یہود مسلمانوں کیخلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے دیکھو یہ نکاح کس قدر ضروری تھا۔

مثلاً ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کرو۔ ان کا باپ ابوسفیان عمائد قریش میں سے تھا اور قوم کا نشان جنگ اس کے گھر میں رکھا رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو تمام قوم پر آبائی ہدایات اور قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں۔ احد، اور حمراء الاسد بدر الاخریٰ، احزاب وغیرہ لڑائیوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لیے ہوئے قائد قریش نظر آتا ہے اس تزویج مبارکہ کے بعد دیکھو کہ وہ کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود بھی اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ کر پناہ لیتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ نکاح نہایت ضروری نہ تھا۔

---

[1] ''مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔'' دارمی بروایت سهل بن سعد، کتاب النكاح، باب ما یجوزان یکون مهرا، حدیث: ۲۲۴۷۔

[2] نپولین بوناپارٹ کی دوسری شادی پر غور کرو جو خاص پوپ کی موجودگی میں کی گئی اور جسے سارے یورپ نے تسلیم کیا ان میں صرف عذر تھا کہ بوناپارٹ کی نسل باقی رہے۔ حالانکہ یہ ضرورت ان مصالح کے مقابلہ میں جو انبیائے خدا کی تزویج میں ہوتے ہیں کوئی بھی درجہ نہیں رکھتی۔

ح ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا اور امن عام

مثلاً ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کرو۔ان کا باپ مشہور رہزن ڈکیتی پیشہ تھا اور مسلمانوں سے خاص دلی عداوت تھا۔ بنو مصطلق کا مشہور طاقتور اور جنگ جو قبیلہ جو چند در چند شعوب پر محتوی تھا اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نکاح سے پیشتر ہر ایک جنگ میں جو مسلمانوں کے خلاف ہوئی۔اس قبیلہ کی شرکت ضرور ہی پائی جاتی ہے لیکن اس نکاح کے بعد یہ عداوتیں نابود ہو جاتی ہیں۔تمام قبیلہ قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لیتا ہے اور پھر مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہیں ہوتا۔انصاف سے کہو کہ یہ نکاح کس قدر ضروری تھا۔

المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے فوائد

علی ہذا ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کرو۔ان کی ایک بہن سردار نجد کے گھر میں تھی اس نکاح نے ملک نجد میں صلح اور اسلام کے پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے حالانکہ قبل ازیں اہل نجد وہ تھے جنھوں نے ستر واعظان دین رضی اللہ عنہم کو اپنے ملک میں لے جا کر غدر سے قتل کیا تھا۔اہل نجد ہی وہ تھے جن سے چند بار نقضِ امن اور فساد انگیزی کے واقعات ظہور میں آ چکے تھے۔ہر ایک شخص کو جو امن عامہ اور اصلاح ملک کے فوائد کا منکر نہیں۔تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح کس قدر بابرکت تھا۔

ح ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا اور دینی فوائد

ام المومنین زینب بنت جحش اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح خالص اسلامی اغراض اور مصالح پر مبنی تھے۔زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے تبنیت کے بت کو توڑا اور تثلیث کے درخت کو کھوکھلا کر دیا اور یہ اتنی بڑی اصلاح ہے کہ مسلمین واہل کتاب کی درستی اس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔

المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا وحفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور ترویج دین کے فوائد

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وسیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح نے اتقان قرآن وحفاظت کتاب اللہ ونشر احادیث وتعلیم نساء کے بارے میں خارق العادت کام کیے اور پھر صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی خلافتوں کو زیادہ بابرکت اور زیادہ پر منفعت بنانے میں بہت بڑا کام کیا۔اور یہ وہ فوائد ہیں جن کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمدہ تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ہم نے جن فوائد کا ذکر کیا ہے،یہ نمونے ہیں، ان اغراض ومقاصد دینیہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک نکاح سے مدنظر ہوتے تھے،اور جن کا احصاء کرنا ہمارے لیے قریباً ناممکن ہے۔
پس جب اس مختصر بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ تعدد ازدواجات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعائے اعلیٰ انبیائے سابقین کی سنت پر عمل کرنے کے علاوہ اور ضروریات ملکی اور مصالح دینی پر بھی مشتمل تھا تو ہر ایک شخص کو جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم صحیح کا مادہ رکھتا ہے،اقرار کرنا پڑے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا ہی کرنا شایان وضروری تھا اور اگر ایسا نہ کرتے تو بہت سی مصلحتوں سے ملک اور نوع اور قوم اسلام کو محروم ہونا پڑتا اور ایسا کرنا اس مصلح اعظم کی شان کے منافی تھا جسے اللہ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنایا ہے۔

فصل دوم

ازواج النبی ﷺ کے فضائل

ازواج النبی ﷺ کی فضیلت خود نبی ﷺ کی شرف وفضیلت کا ایک شعبہ ہے اس لیے سیرت نبوی ﷺ میں ان کے فضائل کا ذکر ضروری ہے۔

ہم ان فضیلتوں کا ذکر اس وقت قرآن مجید سے نمبروار کریں گے۔

فضائل واردہ احادیث کا ذکر کسی اور مقام پر ہوگا۔

فضیلت اوّل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ازواج النبی ﷺ کے خطاب عالی سے یاد فرمایا ہے۔

لفظ ازواج کے لغوی معنی

زبان عرب میں لفظ زوج کا استعمال متشابہ، متشاکل اور متساوی اشیاء پر کیا جاتا ہے۔

مثلاً: زَوْجَا خُفٍّ۔ جراب کے دونوں پاؤں۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ ❶

''یعنی ظالموں کو اور جو ان جیسے تھے، جمع کرو۔''

دوسرے مقام پر ہے:

﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ ❷

''یعنی جب ہر ایک گروہ کو قسم وار کیا جائے گا۔ صالح کو صالح کے ساتھ فاجر کو فاجر کے ساتھ ملایا جائے گا۔''

پس جب ازواج نبی اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے صدق التیام میں ازواج النبی ﷺ فرمایا تو یہ خطاب فی الواقع ان کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ اتصالِ دوام اور تشاکل تام کا مظہر ہوگیا۔

اس نکتہ کے مزید انشراح کے لیے آپ تمام قرآن مجید پر تدبر فرمائیں کہ ایک بھی مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کسی عورت کو کسی مرد کا یا کسی مرد کو کسی عورت کا زوج بتایا گیا ہو اور دونوں میں اتحاد ظاہری و باطنی اور وحدتِ ازدواجی و ایمانی پائی نہ جاتی ہو۔

اس نکتہ کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک نے لفظ مرأۃ کے استعمال میں یہ تقید نہیں کیا بلکہ اس کا استعمال ہر چہار صورت ہائے ذیل میں ہوا ہے۔

(۱) جب زن وشوہر ہر دو کافر ہوں۔ ابولہب اور اسکی عورت کے لیے فرمایا:

﴿ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴾ ❸

''اس کی عورت لکڑیوں کے چننے والی۔''

---

❶ ۳۷/ الصّٰفّٰت:۲۲۔ ❷ ۸۱/ التکویر:۷۔ ❸ ۱۱۱/ اللھب:۱۴۔

(۲) جب شوہر مومن اور عورت کافر ہو۔ فرمایا:

﴿ امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ﴾ ❶ ''نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی عورتیں۔''

(۳) جب عورت مومنہ اور شوہر کافر ہو۔ فرمایا:

﴿ امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ﴾ ❷ ''فرعون کی عورت۔''

(۴) جب زوجین مومن ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام اپنی بیوی کی بابت فرماتے ہیں:

﴿ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا ﴾ ❸ ''میری عورت بانجھ ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

﴿ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ ﴾ ❹ ''اس کی عورت جماعت میں آئی۔''

صورت اوّل کی وجہ یہ ہے کہ لفظ زوج عزت کا خطاب ہے۔ ابولہب اور اسکی عورت کو یہ خطاب نہیں مل سکتا تھا۔

صورت دوم وسوم کی وجہ یہ ہے کہ لفظ زوج میں تشاکل وتساوی ہوتا ہے، نہ کافر عورت مسلمان شوہر سے مشاکلت رکھتی ہے اور نہ مسلمان عورت کافر شوہر سے۔ اس لیے لفظ ''امرأۃ'' پر اکتفا ہوئی۔

صورت چہارم کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویوں کے حمل اور ولادت کا ذکر تھا اور یہ ذکر ''امرأۃ'' کے ساتھ کیا جانا زیادہ بلیغ تھا۔ کیونکہ لفظ زوج کا اطلاق مرد اور عورت ہر دو پر نافذ ہوتا ہے۔

البتہ کوتاہ فہم شخص کے ازالۂ شبہ کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا ذکر دوسری آیت میں لفظ زوج سے بھی فرمایا:

﴿ وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ﴾ ❺ ''یعنی ہم نے اس کی بیوی کے مرض کی اصلاح کر دی۔''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کی بابت زبانِ ملائک سے یہ بیان فرمایا:

﴿ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ ❻

''اے گھر والی تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔''

غرض لفظ زوج کے استعمال کی بابت اللہ تعالیٰ کا یہ التزام اور لفظ امرأۃ کے استعمال میں یہ عدمِ التزام ہماری دلیل کو خوب مستحکم کرتا ہے۔

اب یاد رکھنا چاہیے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ مریم میں دو دفعہ سورۂ احزاب میں چار دفعہ ازواج النبی فرمایا گیا ہے۔ اسی سے ان کا شرف اور فضیلت آشکار ہے۔

فضیلت دوم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

❶ ٦٦/ التحریم:١٠۔ ❷ ٦٦/ التحریم:١٠۔ ❸ ١٩/ مریم:٥۔
❹ ٥١/ الذاریٰت:٢٩۔ ❺ ٢١/ الانبیاء:٩٠۔ ❻ ١١/ هود:٧٣۔

﴿ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ ❶ ''تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔''

النساء میں جنس انوثیت ہر ایک فرد کو شامل ہے اور کوئی عورت ذات بھی اس سے باہر نہیں جاتی پھر لفظ احد بھی موجود ہے اور جب نفی کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت نفی بدرجہ اتم ہوتی ہے، غور کرو ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ ❷ ''اللہ کا کوئی بھی کفو نہیں'' غرض نفی میں احد کا استعمال کسی استثناء کا موقع نہیں رہنے دیتا۔ اس لیے ثابت ہو گیا کہ ازواج النبی ﷺ کا درجہ ہر ایک عورت سے بالاتر و متمیز اور شانِ خاص کا ہے۔

فضیلت سوم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ ﴾ ❸ ''ہم نے تیری ازواج کو تیرے لیے حلال رکھا۔''

زن و مرد تزویج کے بعد زن و شوہر بن جاتے ہیں۔ خواہ یہ تزویج اسلام کے مطابق ہو یا مذہب غیر اسلام کے مطابق ہو جس کے پابند یہ زن و مرد اس وقت تھے لیکن کوئی زن و شوہر دعویٰ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس عقد کا درگاہ رب العزت میں کیا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی ﷺ کے متعلق ﴿ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ ﴾ کا حکم فرقانی دے کر اعلان فرما دیا کہ نبی ﷺ کی بیویوں کا ازواج النبی ﷺ ہونا بمنظوری رب العالمین ہے اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقع ان کے لیے فضیلت عظیمہ ہے۔

فضیلت چہارم: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حسن معاشرت یا ازواج کی اطلاع ان الفاظ میں دی ہے:

﴿ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ﴾ ❹

''نبی اپنی ازواج کے مرضاۃ کی ابتغا کرتا یعنی بیویوں کی خوشنودی کا اہتمام کیا کرتا ہے۔''

یہ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کے افعال غلطی کے شائبہ سے بالاتر ہیں۔ پس جب حضور ﷺ ان پاک بیویوں کی خوشنودی کے جویا رہتے تھے تو یہ امر ان کی فضیلت پر مثبت ہوا۔ کسی شخص کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے پہلے یہ الفاظ موجود ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ ❺

کیونکہ ان الفاظ میں لِمَ کا اثر تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ پر ہے تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ۔ پر اس کا اثر ذرا بھی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

یاایھا النبی لم تبتغی مرضات ازواجك

ظاہر ہے کہ ایسا نہیں فرمایا گیا۔ پس آیت کی تفسیر یہ ہوئی کہ نبی ﷺ ازواج کی خوشی کے لیے ہر ایک بات کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہاں اس کے لیے ایک حد ہونی چاہیے حد یہ ہوگی کہ آپ ان کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی حلال چیز کو حرام ٹھہرانے کی نوبت نہ آئے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے شہد کے استعمال کو ترک کرنے کا ارادہ صرف اس گمان سے فرما لیا تھا کہ ایک بیوی کو شہد کی بو گوارا نہیں۔

اس تفسیر سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی نبی ﷺ کو مرضاۃ ازواج کی اجازت فرما دی ہے اور فی الواقع

---

❶ ٣٣/ الاحزاب: ٣٢۔ ❷ ١١٢/ الاخلاص: ٤۔ ❸ ٣٣/ الاحزاب: ٥٠۔

❹ ٦٦/ التحریم: ١۔ ❺ ٦٦/ التحریم: ١۔

یہ اجازت تدبیر منزل اور حسن معاشرت زوجین کی جان ہے اور جو حد قائم فرمادی گئی ہے وہ بھی اسی قدر ضروری ہے، تاکہ کوئی شخص صرف خوشنودی زوج کے لیے تحریم حلال میں نہ پڑ جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تحریم حلال کی اجازت نہیں دی گئی تو تحلیل حرام کی اجازت تو قطعاً نہیں ہوسکتی۔ اس لیے ایک عظیم الشان مسئلہ بھی طے ہوگیا اور دنیا کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نبی ﷺ کا بہترین سلوک اپنی بیویوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم کے ساتھ کیسا اعلیٰ تھا کہ ہر ایک شوہر کو اس نمونہ پر چلنا چاہیے۔ پس یہ آیت فی الواقع ازواج النبی ﷺ کی فضیلت میں ہے۔

فضیلت پنجم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [1]

''یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارا جوڑا بنایا تاکہ اس سے تسکین پاؤ۔ اور تم دونوں کے درمیان محبت اور پیار پیدا کردیا۔ اس نشانی میں فکر کرنیوالوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

اس آیت میں جب عام طور پر زوجین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے تو بالضرور نبی ﷺ اور ازواج النبی ﷺ بھی اس صفت کے مظہر تھے اور حسب الحکم علام الغیوب یہ ثابت ہوگیا کہ ازواج النبی حضور ﷺ کے لیے سکینۂ قلب تھیں۔ اور ان کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت ومودت بھری ہوئی تھی۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے قلب پاک میں ان کے لیے ودّ اور رحمت موجود تھی۔ اس سے صاف طور پر ازواج النبی ﷺ کی فضیلت آشکارا ہوگئی۔

فضیلت ششم: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی ﷺ کا امتحان لیا اور ان کے سامنے دو چیزوں کو رکھ دیا اور اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرلیں۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ [2]

''اے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ کہ میں تمہیں بہت کچھ دے دلا کر اچھی طرح رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہو تب تم کو بتایا جاتا ہے کہ اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

ازواج محمد ﷺ کے لیے	ایک جانب	دوسری جانب
	دنیا اور زینت دنیا	اللہ اور رسول اور دارِ آخرت
شق اول کی صورت میں رسول اللہ کا کام	ایسی ازواج کو اپنے سے علیحدہ کردینا تھا	
شق دوم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا کام		ازواج کو اجر عظیم عطا کرنا ہے

[1] ۳۰/ الروم: ۲۱۔ [2] ۳۳/ الاحزاب: ۲۸ تا ۲۹۔

یہ حکم تبلیغی تھا اور کچھ شک نہیں کہ نبی ﷺ نے اس حکم کو ضرور ازواج پاک تک پہنچایا۔ اب نتیجہ کی تلاش کرنی چاہیے کہ کیا ازواج نے حیاۃ دنیا اور زینت دنیا کو پسند کیا تھا؟ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ضروری تھا کہ نبی ﷺ اس فرض کو جو اللہ نے حضور ﷺ پر عائد کیا تھا، پورا کرتے اور ایسی بیویوں کو یا ایسی بیوی کو اپنے سے الگ کر دیتے اس بارے میں شہادت اور اسلامی فرقوں کی متفقہ کتب تاریخ سب کی سب متفق ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی ایک بیوی کو بھی ترک نہیں کیا۔ اس لیے ثابت ہو گیا کہ وہ شق دوم کی بشارت میں داخل ہیں۔ اس کا ثبوت ایک اور آیت سے بھی ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ﴾ [1]

”تجھے ان ازواج کے بعد اور عورتیں حلال نہیں، تجھے یہ بھی حلال نہیں کہ ان ازواج میں سے کسی کے بدلے کسی کو اپنا زوج بنائے گو اس کا حسن تجھے پسند بھی ہو۔“

پہلی آیت میں نبی ﷺ کو ازواج کے چھوڑ دینے کا اختیار دیا گیا تھا اور اس پچھلی آیت میں وہ اختیار واپس لیا گیا اور بتایا گیا کہ ازواج موجودہ کا تبدیل کرنا بھی نبی ﷺ کو حلال نہ ہو گا۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ ازواج النبی ﷺ کی بابت جب امتحان میں ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ اور دارِ آخرت ہی کی خواستگار ہیں تو اب ان کو دوام کے لیے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے واسطے پسند کر لیا پھر ان کی تبدیلی کا اختیار بھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں رہا۔ دونوں آیتوں سے ازواج النبی ﷺ کے معاملات متعلق عقائد و کیفیات قلبی و قبولیت ربانی بخوبی ظاہر ہو گئے ہیں۔ اس دلیل کے زیادہ روشن کرنے کے لیے آیت ذیل کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ [2]

”اے ایمان والو! تمہیں یہ شایاں نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دو اور تمہیں یہ بھی کبھی شایان نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی ازواج سے نکاح کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یہ گناہ عظیم ہے۔“

پہلی آیت میں چونکہ ازواج النبی ﷺ کا اتصال نبی ﷺ سے دوام کے لیے ظاہر کیا گیا تھا اور اسی لیے نبی ﷺ سے بھی اختیار تبادلہ لے لیا گیا تھا۔ اس لیے اس آیت میں امت پر ان کی حرمت دوام کا اعلان کیا گیا۔

آخری آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ مؤمنین کو پہلے تو ایذائے رسول ﷺ سے روکا گیا ہے اور پھر خصوصیت کے ساتھ حقوق ازواج النبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ایذائے رسول ﷺ کی جس قدر اقسام ہو سکتی ہیں، ان سب میں سے زیادہ سخت وہ صورت ہو گی جس میں ازواج النبی ﷺ کی شان کے خلاف کوئی رویہ اختیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن پاک نے ایذائے رسول اللہ ﷺ کے تحت میں خصوصیت سے اسی جزئیہ کا ذکر فرمایا ہے۔

فضیلت ہفتم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۵۲۔ [2] ۳۳/ الاحزاب: ۵۳۔

﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ ❶

''اے بیبیو! تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت الٰہیہ کی جو تلاوت کی جاتی ہے۔ تم اس کا ذکر کرتی رہو۔''

اس آیت میں ''بیوت'' کو ضمیر جمع مؤنث ''کن'' سے مضاف کیا گیا ہے اور اسی سورۂ کے رکوع ۷ میں ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ ﴾ ❷ فرما کر ان بیوت کو نبی ﷺ کی جانب مضاف فرمایا گیا ہے اور یہ امر اتحاد زوجین طیبین پر دلیل صریح ہے کہ ایک دفعہ ان گھروں کو نبی کے گھر بتایا اور ایک دفعہ انہی گھروں کو ازواج کے گھر فرمایا۔

اب آیت بالا پر غور کرو کہ ازواج نبی ﷺ کے بیوت (گھروں) کی اللہ پاک نے کس قدر صفت و ثنا فرمائی ہے۔ ان گھروں کو مہبط وحی الٰہی بتایا۔ ان گھروں کو حکمت ربانی کا گہوارہ ٹھہرایا۔ سب جانتے ہیں کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے۔ اب ازواج النبی ﷺ کی عزت ربانیہ اور حرمت الٰہیہ کا قیاس خود ہی کر لیجئے، بیشک یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔

فضیلت ہشتم: اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی ﷺ کی شان بلند میں آیت تطہیر کو نازل کیا اور وحی متلو میں فرمایا:

﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ ﴾ ❸

''اے ازواج نبی ﷺ! تم اپنے گھروں میں ٹھہرو اور جاہلیت اولیٰ کی طرح باہر مت پھرو۔ نماز کو قائم کرو۔ زکوٰۃ کو ادا کرو۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اے گھر والو! اللہ یہ چاہتا ہے کہ رجس کو تم سے دور کرے اور تم کو بالکل پاک بنا دے اور تمہارے گھروں میں جو آیات اللہ کی اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو، اللہ لطیف و خبیر ہے۔''

اول سے اخیر تک تمام کلام کی مخاطب ازواج النبی ﷺ ہیں اور اس لیے اہل البیت کے لفظ کا خطاب بھی انہی کے لیے ہے جیسا کہ بیوتکن کا خطاب بھی ان کے لیے ہے۔ اسکی مزید تائید قرآن پاک کے کلام معجز نظام کے سیاق سے بھی ہوتی ہے اور عرف عام سے بھی کیونکہ صاحب خانہ یا گھر والی ہمیشہ بیوی کو کہا جاتا ہے اور اہل بیت گھر والی کا لفظی ترجمہ ہے، مگر احقاق حق کے لیے ہم پھر قرآن مجید کی جانب رجوع کرتے ہیں کیا اس لفظ کا استعمال کسی دوسرے مقام پر بھی کسی نبی کی زوجہ کے لیے ہوا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کے قصہ میں ہے اور چونکہ نبی ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بحکم:

﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ ﴾ ❹

مشابہت تامہ ہے اس لیے ان کے قصہ کا حوالہ زیادہ خصوصیت بخش ہے۔

﴿ وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ

---

❶ ۳۳/ الاحزاب: ۳٤۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب: ۵۳۔
❸ ۳۳/ الاحزاب: ۳۳ تا ۳٤۔ ❹ ۳/ آل عمران: ٦٨۔

وَهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ؁ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ ❶ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؀ ﴾

''ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی۔ ہم نے اسے اسحٰق علیہ السلام کی اور اسحٰق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔ وہ بولی ہائے اب میں جنوں گی۔ جب کہ میں بوڑھی ہوگئی اور میرا شوہر بوڑھا ہوگیا۔ یہ تو عجب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ گھر والو۔ تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں اور اللہ حمد و مجد والا ہے۔''

اس جگہ نبی کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کو اہل بیت کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

پس آیت سے معلوم ہوا کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلتِ بزرگ حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ تطہیر فرمایا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آل اور اہل دونوں لفظ ایک ہی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ آل کی تصغیر اُھَیل آتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا میں اگرچہ اہل البیت سے مراد بالخصوص ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن احادیث صحیحہ میں لفظ اہل یا آل زیادہ وسیع معنی میں آیا ہے۔

(الف) یہ لفظ ازواج کے لیے بھی آیا ہے دیکھو کعب بن عجرہ کی حدیث أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ❷ ہے اور ابوحمید ساعدی کی حدیث میں أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ ❸ ہے۔ یعنی حدیث دوم حدیث اول کی تفسیر کرتی ہے۔

(ب) یہ لفظ جملہ بنو ہاشم و بنو مطلب کے لیے آیا ہے، جن پر صدقہ کا لینا حرام ہے حدیث میں ہے۔

إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ ❹ ''صدقہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کو حلال نہیں۔''

(ج) یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرّیت کے لیے ہے سنن کبریٰ بیہقی ۷/۶۳ نے سند جید کے ساتھ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو اپنی رانوں پر بٹھایا پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی گود سے قریب کیا اور ان پر چادر ڈال کر فرمایا: أَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِيْ ''الٰہی یہ میرے اہل ہیں۔'' ❺

پس تتبع آثار و احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے واضح ہوتا ہے کہ بنو ہاشم و بنو مطلب بھی زیادہ وسیع معنی میں اور آل عباس بھی خاص معنی میں بروئے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم داخل اہل بیت ہیں جیسا کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بروئے قرآن پاک مخاطب بہ اہل بیت ہیں ان میں سے کسی ایک امر کا انکار احادیث سے ناواقفیت یا منطوق قرآن سے عدم مہارت پر دال ہے۔

فضیلت نہم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

❶ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مرد اور عورت دونوں گھر والے ہوتے ہیں علیکم اہل البیت اس لیے ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی اس میں داخل ہیں۔ ۱۱/ ھود: ۷۲تا۷۳۔

❷ بخاری، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نمبر ۱۰، حديث: ۳۳۷۰۔

❸ بخاری، كتاب احاديث الانبياء، باب نمبر ۱۰، حديث: ۳۳۶۹۔

❹ مسلم، كتاب الزكاة، باب ترك استعمال آل النبى على الصدقة، حديث: ۲۴۸۲۔

❺ مسلم، كتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل علی، حديث: ۶۰۲۰۔

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾

''مومنین پر نبی ﷺ ان کی جانوں سے بڑھ کر ہے اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔''

یہ روشن ہے کہ أَنْفُسِهِمْ اور أُمَّهَاتُهُمْ کی ضمیروں کا مرجع مؤمنین ہیں اور اسی لیے ازواج النبی ﷺ کا لقب امہات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت وغیرہ ❶ لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ مومن کے متمیز و مشخص کرنے کی علامات کو واضح کر دیا جائے۔

چنانچہ اس آیت میں دو علامتیں بتائیں۔

اوّل: مومن وہ ہے جو نبی ﷺ کو اپنی جان شیریں سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اور حضور ﷺ کو جان سے بڑھ کر اولی سمجھتا ہو۔

دوم: مومن وہ ہے جو ازواج النبی ﷺ کو ماں جانتا ہو۔ وہ ماں نہیں جس سے جسم عنصری کا ظہور ہوا۔ بلکہ وہ ماں جس کی فرزندی کا شرف اس وقت نصیب ہوتا ہے۔ جب ولائے نبوی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

الغرض اس آیت میں ازواج مطہرات نبوی ﷺ کی بہت بڑی فضیلت کا بیان ہے۔ ذرا غور کرو کہ کس طرح نبی ﷺ کے شرف و تعظیم کے ساتھ ساتھ ازواج النبی ﷺ کی تجمیل و تکریم کو بیان فرمایا اور تکمیل ایمان کے لیے محض ﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ❷ پر اقتصار نہ کرکے وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ کے اخبار و اعلان کو حقوق نبی اور شرائط ایمان کے ساتھ منضم کیا ہے۔

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ﴾

ماں کی فضیلت کے متعلق صحیح نسائی میں حدیث ہے:

إِنَّ جَاهِمَةَ أَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ۔ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِیْرُكَ فَقَالَ: ((هَلْ لَّكَ مِنْ أُمٍّ)) قَالَ: نَعَمْ قَالَ: ((فَالْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلِهَا)) ❸

جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ارادہ جہاد کرنے کا ہے۔ میں اس بارے میں حضور ﷺ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''تیری کوئی ماں ہے؟'' وہ بولا ہاں، فرمایا: ''جا اس کی خدمت میں لگا رہ اس کے پاؤں کیساتھ جنت ہے۔'' فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا۔ کا ترجمہ میر انیس نے کیا ہے:

کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔

مرزا دبیر نے ترجمہ کیا:

تحتِ قدم والدہ فردوس بریں ہے۔

---

❶ الامت میں اشرار و اخیار سب ہی شامل ہیں۔ ازواج مطہرات کو اس لیے امہات مؤمنین کہا کہ اشرار کو ان کی فرزندی کا شرف نہیں مل سکتا۔

❷ ٣٣/ الاحزاب: ٦۔ ❸ نسائی، کتاب الجهاد، باب الرخصة فی التخلف لمن له والدة، حدیث: ٣١٠٦۔

حدیث شریف کے درج کرنے کا مدعا یہ ہے کہ جب جسمانی ماں کی خدمت کا اس قدر اجر جمیل ہے تو ایمانی ماں کی خدمت کا اجر عظیم ہونا بخوبی ذہن نشین ہوسکتا ہے۔

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ❶

سچ ہے کہ ماں کا درجہ جاننے والے اور ماں کی خدمت کرنے والے تھوڑے ہیں۔

اس فصل کو اس وقت فضائل تسعہ ۹ ہی پر ختم کیا جاتا ہے۔ تکمیل پھر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فصل سوم

ازواج مطہرات کے ساتھ نبی ﷺ کا حسن سلوک

حدیث میں ہے: ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ)) ❷

''سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں (کنبہ) کے ساتھ اچھا ہوں۔''

نبی ﷺ ہر ایک شوہر کے لیے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

کھانے، پہننے، مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرمایا کرتے عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔

بیویوں کی سہیلیوں کی عزت فرمایا کرتے اور ان کے عزیز و اقارب کو حسن سلوک سے شاد کام رکھتے۔ سفر میں روانہ ہونے کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لیتے ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا اور یہ سب مکان جن کو اللہ پاک نے حجرات اور بیوت النبی ﷺ اور بیوتکن فرمایا ہے باہم پیوستہ تھے۔

مکان نہایت مختصر تھے۔ مثلاً عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ جس کا دریچہ مسجد نبوی کے اس حصہ پر کھلتا ہے جسے رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ ❸ خیابانِ جنت میں سے ایک چمن فرمایا گیا ہے، اس قدر تھا کہ جب نماز جنازۂ مطہر کے لیے لوگ اندر داخل ہونے لگے تو دس آدمیوں سے زیادہ اس میں گنجائش نہ تھی حجرات کے اندر سامان برائے نام ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور ﷺ کے آرام فرمانے کے لیے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا۔ جسے دوتہہ کر کے بچھا دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے پٹھے بھرے ہوئے تھے۔

---

❶ ۳۱/ لقمان:۲۵۔ ❷ ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ، حدیث: ۳۸۹۵۔

❸ بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، حدیث: ۶۵۸۸۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین ہونے کے بعد ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا کا گھر ملا تھا۔ ان کو اس گھر میں جو اثاث البیت نظر آیا وہ ایک چکی اور چند سیر جو تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے کہ ان کی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پانی ایک مشک میں ہوتا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیالہ چوبی کا ذکر کیا ہے۔ جسے مختلف اشربہ میں برتا جاتا تھا۔

فتح خیبر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بیوی کے لیے ۸۰ وسق کھجور کے اور ۲۰ وسق جو کے سالانہ مقرر کر دیئے تھے۔ دودھ کے واسطے عموماً ہر ایک بیوی کو ایک ایک ناقہ شیر دار ملا کرتی تھی۔ ازواج مطہرات بھی ہر ایک شے میں ما یحتاج رکھ کر باقی سب چیزوں کو بیواؤں، یتیموں پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

باوجود اس قدر دلداری اور عطوفت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی بیوی کے منہ سے اپنی سوت کی نسبت کوئی ایسا لفظ بھی نکلے، جو ان کی شان بلند سے گرا ہوا ہو۔

ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نے ایک بار ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودن کہہ دیا۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا نسب یہود بن یعقوب تک منتہی ہوتا تھا۔ مگر کہنے کا انداز اور لہجہ حقارت آمیز تھا۔ اتنی بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ تک ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے گھر نہ گئے۔ جب انہوں نے توبہ کی تو خطا بخشی ہوئی۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی بات یہودن کہنا مرویات میں نقل کی گئی ہے تو ہم کو ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا صحیح تصور بندھ جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بات تلخ بھی کہی گئی ہوتی تو وہ بھی ضرور روایت میں آ جاتی۔

اللہ اکبر، یہ نتیجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان عالیہ کا تھا کہ زوجات کو تاثرات طبعی وجنسی سے ارفع واعلیٰ بنا کر محبت صادقۂ ایمانیہ میں متفق ومتحد بنا دیا تھا۔

اس راز کے سمجھنے سے وہ افراد قاصر ہیں جو تعلقات زوجین کی حقیقت صرف خواہشات طبعی کے نفاذ کو سمجھا کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے بہشت میں زن وشوہر کی زن وشوہر ہو کر رہنے سے انکار کیا ہے۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے کام

زنانِ امت کو تعلیم دینا۔ ان کے معروضات کو حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچانا۔ پھر جواب سمجھانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال و عبادات کو جو حجرات کے اندر کیا کرتے تھے، حفظ واتقان کے ساتھ امت تک پہنچانا، مشکلات علمیہ میں فرزندان امت کی رہبری کرنا تھا۔

امہات المومنین کے مہور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے مہر سوا بارہ اوقیہ نقرہ سے زیادہ نہ تھے۔ [1]

---

[1] دارمی، کتاب النکاح، باب کم کانت مهور ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبناته، حدیث: ۲۲٤٦؛ مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونه تعلیم القرآن، حدیث: ۳٤۸۹۔

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب ناموں کا نسب نامہ
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہونا

چونکہ اکثر ازواج مطہرات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باعتبار نسبت بھی قرابت حاصل ہے اس لیے ایک نقشہ بنا دیا گیا ہے، تاکہ ہر ایک ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قرابت نسب کا حال بخوبی واضح ہو سکے۔

نقشہ عمود نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسکے ساتھ انساب امہات المومنین کا اتصال

				۲۰ معد بن عدنان				
				۱۹ نزار				
				۱۸ مضر				
				۱۷ الیاس				عیلان
				۱۶ مدرکہ				قیس
				۱۵ خزیمہ				خصفہ
				۱۴ کنانہ				عکرمہ
				۱۳ نضر				منصور
				۱۲ مالک				ہوازن
				۱۱ فہر				بکر
				۱۰ غالب				معاویہ
عدی				۹ لوی			اسد	صعصعہ
زراح				۸ کعب		عامر	دودان	عامر
قرط	تیم			۷ مرہ		حسل	غنم	ہلال
عبداللہ	سعد			۶ کلاب	یقظہ	مالک	کثیر	عبداللہ
رباح	کعب			۵ قصی	مخزوم	نصر	مرہ	روبیہ
عبدالعزی	عمرو		عبدشمس	۴ عبدمناف	عمرو	عبدود	صبیرہ	ہرم

نفیل	عامر	عبدالعزی	امیہ	۳ ھاشم	عبداللہ	عبدشمس	یعمر	بجیر
خطاب	ابوقحافہ عثمان	اسد	حرب	۲عبدالمطلب	مغیرہ	قیس	رکاب	حزن
عمر	ابوبکر عبداللہ	خویلد	ابوسفیان صخر	۱ عبداللہ	ابوامیہ	زمعہ	جحش	حارث
۴حفصہ	۳عائشہ	۲خدیجہ	۱ ام حبیبہ	محمد ﷺ	۵ ام سلمہ	۶ سودہ	۷زینب	۸ میمونہ

فصل پنجم

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ، ازواج النبی ﷺ کے جداگانہ حالات

ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قرشیۃ الاسدیہ

ان کے والد خویلد عرب کے مشہور تاجر اور قریش میں معزز ونامور تھے۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا ان کا سلسلہ نسب بھی نبی ﷺ کے ساتھ لؤی میں شامل ہو جاتا ہے۔ (دیکھو نمبر ۹ شجرہ نبوی ﷺ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کیا۔ مہر کے چھ اونٹ مقرر ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال [1] اور نبی ﷺ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ ان کا پہلا نکاح عتیق بن [2] عائذ مخزومی سے ہوا تھا۔ اس سے کچھ اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا نکاح ابو ہالہ ہند بن نباش تمیمی سے ہوا تھا۔

نبی ﷺ کا یہ پہلا نکاح تھا۔ اس نکاح کی درخواست حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے کی گئی تھی۔ نکاح کے بعد نبی ﷺ فکر معیشت سے آزاد ہو کر ذکر ربانی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ پانی کی مشک اور ستوؤں کی تھیلی لے کر غار حرا میں عبادت کیا کرتے۔ حضور ﷺ کی واپسی تک طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ اور ستو تیار کر چھوڑتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا لقب جاہلیت میں بھی طاہرہ تھا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں۔ ان پر کسی مرد یا عورت کو تقدم فی الاسلام حاصل نہیں۔

جب نبی ﷺ نے ان سے نزول وحی کا ذکر کیا تو مشکلات نبوت پر غور کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: [3]

((لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي)) ”مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة: ۱/ ۳۷۴ نے مغلطائی سے ایک روایت بیان کی ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔ یہ روایت شاذ ہے واللہ اعلم۔ [2] مورخین میں اختلاف ہے کہ عتیق سے پہلا نکاح ہوا یا ابو ہالہ سے۔ قتادہ نے عتیق کو پہلا بتایا ہے اور جرجانی نے ابو ہالہ کو۔ الاستیعاب، کتاب النساء، حرف خ، ۴/ ۲۷۲ نے بھی قول جرجانی کو صحیح کہا ہے۔ میں نے قول قتادہ کو اس لیے پسند کیا کہ صاحب الاستیعاب نے ہند کو ربیب رسول اللہ ﷺ لکھا ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ابو ہالہ کے بعد ہی نبی ﷺ کا نکاح ہوا ہو۔ [3] بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث: ۳۔

وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ۔ ❶

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مزید انشراح صدر اور طمانیت قلب خود کے لیے یہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس لے گئیں۔ ورقہ عیسائی تھا اور الٰہیات کا بڑا عالم تھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو واقعہ سنائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے آنے اور وحی پہنچانے کا حال بھی سنا دیا اس نے اقرار کیا کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا۔ ❷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا و آخرت کی چار برگزیدہ عورتوں میں سے ایک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو شمار کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

((اٰمَنَتْ بِیْ حِیْنَ کَفَرَ بِیَ النَّاسُ صَدَّقَتْنِیْ حِیْنَ کَذَّبَنِیَ النَّاسُ۔ وَأَشْرَكَتْنِیْ فِیْ مَالِهَا حِیْنَ حَرَمَنِیَ النَّاسُ۔ وَرَزَقَنِیَ اللّٰهُ وُلْدَهَا وَحَرَمَ وُلْدَ غَیْرِهَا)) ❸

''۱: وہ مجھ پر ایمان لائی جب اوروں نے کفر اختیار کیا۔

۲: اس نے میری تصدیق کی جب اوروں نے مجھے جھٹلایا۔

۳: اس نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا جب اوروں نے مجھے کسب مال سے روکا۔

۴: اللہ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی جب کہ کسی دوسری بیوی سے نہیں ہوئی۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار حسانہ مزنیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مہربانی سے اس کا حال دریافت فرماتے ہوئے کہا کہ ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا۔ وہ چلی گئی تو میں نے پوچھا کہ یہ بڑھیا کون تھی جس سے ایسی عنایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باتیں فرماتے رہے۔ فرمایا خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے۔ اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ❹ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری ❺ نے اپنی صحیح کے باب تَزْوِیْجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم خَدِیْجَةَ وَفَضْلِهَا میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے:

((أَتٰی جِبْرِیْلُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ خَدِیْجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِیْهِ إِدَامٌ أَوْطَعَامٌ أَوْشَرَابٌ فَإِذَا هِیَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَیْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْهَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ

---

❶ بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث۔ ترجمہ یہ ہے: نہیں نہیں آپ کو ڈر کا ہے کا ہے۔ بخدا اللہ آپ کو ہر ایک بری بات سے بچائے گا میں دیکھتی ہوں کہ آپ اہل قرابت سے عمدہ سلوک فرماتے۔ درماندوں کی دستگیری کرتے تہی دستوں کی امداد فرماتے۔ مہمانوں کی دعوت کرتے اصلی مصیبت زدوں کی امداد کیا کرتے ہیں۔ ناظرین غور کریں کہ قبل از نبوت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اخلاق فاضلہ سے متصف تھے۔ نیز طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زیرکی و لطافت کو ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے حضور رضی اللہ عنہ کے فضائل کا کیسے گہرے تدبر سے مطالعہ کیا تھا۔ ❷ صحیح بخاری عن عائشہ صدیقہ، کتاب بدء الوحی، حدیث: ۳۔ اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ ورقہ نے کہا: کاش آج میں جوان ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا۔ کاش میں زندہ رہتا کہ آثار نبوت سے فیض پاتا۔ نیک مرد ورقہ اس واقعہ سے تھوڑے دنوں کے بعد ہی واصل بحق ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسے اچھی حالت میں معائنہ فرمایا۔

❸ مسلم، مسند احمد: ۶/ ۱۱۸، حدیث: ۲۴۷۴۵۔ ❹ الاصابة، کتاب النساء، حرف حاء: ۴/ ۲۶۴۔

❺ امام بخاری جمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے۔ شب عید الفطر ۲۵۶ھ میں وفات پائی لفظ صدق سے سالِ ولادت، لفظ نور سے سال وفات نکلتا ہے۔

لَاصَخَبَ فِیْهِ وَلَا نَصَبَ)) ❶

''جبریل نبی ﷺ کی خدمت میں آئے کہا۔ ابھی خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس ایک برتن جس میں کچھ کھانے پینے کی چیز ہے لیکر حاضر ہوتی ہیں آپ ان سے رب العالمین کا سلام۔ ❷ نیز میرا اسلام کہہ دیجئے اور ان کو ایک ایوانِ جنت کی بشارت دے دیجئے جو خالص مروارید سے ہوگا جس کے اندر کوئی رنج والم نہیں۔''

فرزندان خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

ہالہ اور طاہر اور ہند۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ابو ہالہ سے ہیں۔ یہ تینوں بھائی صحابی ہیں۔

(۱) ہالہ بن خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ذکر صحیح بخاری ❸ میں آیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اندر حاضر ہونے کے لیے اذن چاہا تو حضور ﷺ نے نام سن کر فرمایا اللّٰھُمَّ ھَالَہ۔ ہالہ کے فرزند کا نام ہند تھا وہ اپنے باپ سے روایت بھی کرتے ہیں۔

(۲) طاہر بن خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو نبی ﷺ نے ایک ربع یمن کا حاکم مقرر فرما دیا تھا اور انتقال نبوی ﷺ تک یہ بدستور برسر حکومت رہے تھے۔ ان کی حکومت میں قبائل عکّ اور اشعریین تھے وفات نبوی ﷺ کے بعد یمن میں یہی قبائل سب سے پہلے مرتد ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طاہر کو ان سے قتال کرنے کا حکم دیا۔ طاہر رضی اللہ عنہ نے بمعیت مسروق بن الاجدع لشکر کشی کی اور فتح عظیم حاصل ہوئی۔ جس سے یہ فتنہ فوراً دب گیا۔

اس واقعہ کے متعلق طاہر کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں ❹

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ لَا شَيْءٍ غَيْرُهُ أَمَا فَضَّ بِالْأَجْرَاعِ جَمْعَ الْعَثَاعِثِ ❺

فَلَمْ تَرَعَيْنِىْ مِثْلَ يَوْمٍ رَأَيْتُهُ بِجَنْبِ مَجَازٍ فِيْ جُمُوْعِ الْأَخَابِثِ

قَتَلْنَا هُمْ مَا بَيْنَ قَنَّةِ خَامِرٍ إِلَى الْقَيْعَةِ الْبَيْضَاءِ ذَاتِ النَبَائِثِ

وَفَئْنَا بِأَمْوَالِ الْأَخَابِثِ عَنْوَةً جِهَارًا وَلَمْ نَحْفِلْ بِتِلْكَ الْهَثَاهِثِ

(۳) ہند بن خدیجۃ الکبریٰ یہ آنحضرت ﷺ کے ربیب (پروردہ) ہیں۔ جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب تھے اور وہیں شہید ہوئے۔ ہند فصاحت و بلاغت میں مسلمہ تھے اور وصاف النبی ﷺ مشہور تھے۔ نبی ﷺ کا حلیہ نہایت خوبی اور صحت سے بیان کیا کرتے تھے۔

---

❶ بخاری، کتاب المناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجة، حدیث: ۳۸۲۰۔

❷ رب العالمین کا سلام یہ ایسا شرف ہے جو حضرت خدیجہ کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں۔

❸ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجة، حدیث: ۳۸۲۱۔

❹ الاصابة: ۲/ ۲۱٤؛ حسن الصحابة، جزو اول، ص: ۱۹۸ مطبوعة قسطنطنية ومعجم البلدان۔ ترجمہ اشعار یہ ہے: بخدا اگر اللہ ہی کی مدد نہ ہوتی تو ان فسادی گروہوں کو ریگستان میں شکست نہ دی جاسکتی میری آنکھوں نے ایسا کوئی گروہ نہیں دیکھا جیسا کہ میں نے سر راہ ان خبیث گروہوں کو دیکھا تھا ہم نے ان کو پہاڑوں کی بلند اور ڈھانپ لینے والی چوٹیوں اور صاف زمین پر قتل کیا ہم نے ان کے مال وزر پر جنگ میں قوت سے قبضہ حاصل کیا اور شور شغب کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ❺ الاصابة: ۲/ ۲۱٤۔

(۴) ہند بن ہند کا انتقال بصرہ میں ہوا۔ ان دنوں طاعون کا زور تھا اور لوگ اپنے اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ ان کی چارپائی اٹھانے والے صرف چار آدمی تھے ایک عورت نے یہ دیکھا اور واھند بن هنداه و ابن ربیب رسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگایا۔ جسے سن کر تمام لوگ اپنے اپنے مردوں کو چھوڑ کر ان کے جنازہ پر جمع ہو گئے۔ اور دن بھر تمام بازار بند رہے۔ [1]

اقارب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن ہالہ بنت خویلد تھیں۔ جو صحابیہ ہیں ان کے فرزند ابو العاص بن ربیع ہیں جو سیدہ زینب کے شوہر اور نبی ﷺ کے اولین داماد ہیں۔ ایک بہن کا نام رقیہ ہے۔ جن کی بیٹی امیمہ بنت عبد صحابیہ ہیں۔ امیمہ سے روایت حدیث ان کی بیٹی حکیمہ اور محمد بن المنکدر نے کی ہے۔ عوام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر حقیقی ہیں۔ ان کے فرزند زبیر بن العوام (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اور سائب بن العوام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے ہیں۔

اولاد النبی ﷺ

طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جو اولاد نبی ﷺ کی ہوئی، اس کا ذکر اولادِ نبوی کے ذیل میں درج ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان ۱۰ ھ نبوت میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ بیت النبی ﷺ میں ان کی مدت قیام ۲۴ سال ۶ ماہ یا ۲۵ سال ہے۔

اُم المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا

سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی ان کی والدہ کا نام شموس بنت قیس تھا قیس برادرِ سلمیٰ زوجہ ہاشم ہیں۔ گویا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ننھیال نبی ﷺ کے دادا عبد المطلب کے ننھیال تھے۔

یہ سکران بن عمرو بن عبد ود کے نکاح میں تھیں۔ یہ پہلے ایمان لائیں اور پھر ان کی ہدایت اور ترغیب سے سکران بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر انہوں نے خاوند کے ساتھ مع اپنی والدہ کے ہجرت حبش کی تھی سکران نے حبش میں انتقال کیا تب نبی ﷺ نے ان کے مصائب کو جلد ختم کرنے کی غرض سے ۱۰ ھ نبوت میں بعد از وفات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان سے نکاح کر لیا تھا۔

انہوں نے چند سال بعد اپنا وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ یعنی اپنی ذات پر محبوب کی محبوبہ کو تقدیم دی تھی۔ عشق میں ایثار ان ہی کی خصوصیت میں سے ہے۔

اقارب

عبدالرحمٰن اور عبد ابنائے زمعہ باپ کی طرف سے ان کے بھائی ہیں اور قرظہ بن عبد عمر وان کا بھائی ماں کی جانب سے ہے۔

مالک بن زمعہ ان کا برادر شقیق ہے وہ قدیم الاسلام ہیں انہوں نے بھی مع زوجہ خود عمرہ بنت السعدی العامریہ ہجرت حبشہ کی تھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ام المؤمنین کے درجہ پر فائز ہونے کا سببِ اصلی ان کا اور انکے خاندان کا قدیم الاسلام ہونا اور اسلام کے لیے ہجرت حبشہ کرنا تھا۔

---

[1] الاستیعاب، باب ہ، ن: ۳/ ۵۷۰۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا محاسنِ اخلاق اور مکارم افعال میں ابتدا ہی سے معروف تھیں۔ انہوں نے آخر خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

کتب احادیث میں ان سے پانچ احادیث مروی ہیں۔

صحیح بخاری میں ایک، سُنن اربعہ میں چار۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا

(صدیقہ بنت صدیق، طیبہ زوج طیب، حبیبہ حبیب اللہ)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ❶ کی بیٹی ہیں۔ ان کی ماں کا نام ام رومان زینب ہے۔ جس کا سلسلۂ نسب نبوی میں کنانہ ❷ کو جاملتا

---

❶ عبداللہ بن عثمان نام۔ ابوبکر کنیت، صدیق خطاب، عتیق علم، صاحب الغار لقب ہے اشہر روایات یہ ہیں کہ رجال میں سب سے پہلے یہی اسلام لائے تھے۔ ۱:۔ ان کے ذریعہ سے جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، ان میں سے کئی بزرگ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ ۲:۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مکہ میں سب سے پہلی مسجد تعمیر کی جب کفار مسلمانوں کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دیتے تھے۔ ۳:۔ انہوں نے اپنے مال سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ و حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جیسے سات قدیم الاسلام بزرگوں کو کفار کی غلامی سے آزاد کرایا تھا۔ ۴:۔ یہی شب ہجرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں تھے۔ ۵:۔ انہی کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ۶:۔ انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں اپنے ساتھ عریش میں ٹھہرایا تھا۔ ۷:۔ انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں جبکہ سب سے زیادہ فوج کا اجتماع ہوا۔ نشانِ اعلیٰ عطا فرمایا۔ ۸:۔ انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت حج کے بعد پہلے ہی سال امیر الحجاج مقرر فرمایا تھا۔ ۹:۔ انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے (مرض الموت میں) اپنی جگہ امام نماز فرمایا تھا۔ ۱۰:۔ یہی سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوئے اور صرف انہی کو خلیفہ رسول اللہ کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ باقی ہر سہ خلفائے راشدین صرف امیر المومنین کہلائے۔ ۱۱:۔ انہی کے انتظام سے اسود عنسی مسیلمہ کذاب اور طلحہ اسدی کے جھوٹے نبوت کے دعاوی برباد ہوئے طلحہ بعد تو بہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۱۲:۔ انہی کے وقت میں عراق نیز شام کا کچھ حصہ فتح ہوا۔ ۱۳:۔ انہی کی کوششوں سے مانعین زکوٰۃ فریضہ زکوٰۃ پر قائم ہوئے ۱۴:۔ انہی کے حکم سے قرآن پاک صحیفہ واحد میں لکھا گیا اور مصحف کے نام سے موسوم ہوا۔ ان کے فضائل میں احادیث صحیحہ بکثرت وارد ہیں۔ ان کی تعریف میں صحابہ کرام کے اشعار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ حسان بن ثابت کہتے ہیں۔ (الاستیعاب: ۲/ ۲۳۰، من اسمه عبداللہ)

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِيْ ثِقَةٍ فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَابَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

جب تم رنج و غم کے ساتھ کسی معزز بھائی کو یاد کرو تو ابوبکر کو بھی یاد کرو جو ہم سے جدا ہو گئے (انتقال کر گئے)

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَأَعْدَلَهَا بَعْدَ النَّبِيِّ وَأَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام خلقت میں بہتر، سب سے زیادہ متقی سب سے زیادہ عادل اپنے فرائض کو زیادہ پورا کرنیوالے تھے

وَالثَّانِي التَّالِي الْمَحْمُوْدُ مَشْهَدُهُ وَأَوَّلُ النَّاسِ مِمَّنْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

وہی ہیں جن کو ثانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں کہا گیا اور انکی حاضری غار کی تعریف کی گئی وہی ہیں جنہوں نے سب لوگوں سے پیشتر تصدیق رسالت کی

وَكَانَ حِبُّ رَسُوْلِ اللهِ قَدْ عَلِمُوْا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلْ بِهٖ رَجُلَا

سب جانتے ہیں کہ ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے تھے خیر البریہ تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انکے برابر کسی کا درجہ نہ سمجھتے تھے

خفاف بن ندبتہ السلمی رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں:

إِنَّ أَبَابَكْرٍ هُوَ الْغَيْثُ إِذَا لَمْ يَشْمَلِ الْأَرْضَ سَحَابٌ بِمَاءِ

جب بادل زمین پر پانی نہ برسائے تو اس وقت ابوبکر لوگوں کی فریاد رسی کرنے والا ہے

تَاللهِ لَا يُدْرِكُ أَيَّامَهُ ذُوْطُرَّةٍ حَافٍ وَلَاذُوْ حِذَاءِ

مجھے اللہ کی قسم ہے کہ کوئی انسان (پابرہنہ ہو یا نعل پوش ہو) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کو حاصل نہیں کر سکتا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ان کا نکاح شوال ۱۰ نبوت میں مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی شوال ۱ھ ہجرت میں مدینہ میں ہوئی۔ازواج النبی ﷺ میں یہی وہ خاتون ہیں جن کی اسلامی خون سے ولادت اور اسلامی شیر سے پرورش ہوئی۔امہات المؤمنین میں وہ طیبہ یہی ہیں جن کا پہلا نکاح نبی ﷺ سے ہوا۔حدیث میں ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((أُرِيْتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ جَاءَ نِيْ بِكِ الْمَلَكُ فِيْ سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ يَقُوْلُ هٰذِهِ امْرَأَتُكَ فَأَكْشِفُ عَنْ وَجْهِكِ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ فَأَقُوْلُ إِنْ يَكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ يُمْضِهِ)) [1]

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ سے فرمایا: ''میں تین شب تجھے خواب میں اس طرح دیکھتا رہا، کہ ایک فرشتہ حریر سفید کے پارچے میں تیری تصویر کو میرے سامنے لاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ حضور ﷺ کی بیوی ہے اور میں تصویر کا پردہ اٹھا کر چہرہ دیکھتا تھا اور جو بالکل تیرا ہی چہرہ ہوتا تھا میں یہ دیکھ کر کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ اطلاع اللہ کی جانب سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا بھی کردے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا اہتمام حظیرۃ القدس میں کیا گیا تھا اور نبی ﷺ نے اس

(گزشتہ سے پیوستہ) مَنْ يَسْعَ كَيْ يُدْرِكَ أَيَّامَهُ يَجْتَهِدِ الشَّدَّ بِأَرْضٍ سَهَابٌ بِمَاءِ

اگر کوئی شخص ابوبکر کے فضائل حاصل کرنے کی سعی بھی کرے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی صحرائے عظیم کو دوڑ دوڑ کر طے کرنے کی سعی کرتا ہو

ابومحجن ثقفی رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں (الاستیعاب۲)

وَسُمِّيْتَ صِدِّقًا وَكُلُّ مُهَاجِرٍ سِوَاكَ يُسَمّٰى بِاسْمِهٖ غَيْرَ مُنْكَرِ

تم ہی ہو جسے صدیق کہہ کر بلایا جاتا ہے حالانکہ باقی سب مہاجرین کو نام لے کر بلایا جاتا ہے اسی پر سب کا عمل بلا انکار احد ہے

سَبَقْتَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللّٰهُ شَاهِدٌ وَكُنْتَ جَلِيْسًا بِالْعَرِيْشِ الْمُشَهَّرِ

اللہ گواہ ہے کہ تم ہی کو سبقت الی الاسلام حاصل ہے اور عریش کے اندر نبی ﷺ کی ہم نشینی کا درجہ تم ہی کو ملا ہے

وَبِالْغَارِ إِذْ سُمِّيْتَ بِالْغَارِ صَاحِبًا وَكُنْتَ رَفِيْقًا لِلنَّبِيِّ الْمُطَهَّرِ

غار میں تم ہی تھے اور صاحب الغار تمہارا ہی نام ہے نبی مطہر کے رفیق تم ہی تو ہو

حدیث تخییر میں حضرت علی مرتضی کا قول ہے وَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ أَعْلَمُنَا بِهٖ (الاستیعاب / ۲) ابوبکر ہم سے زیادہ علم والے تھے۔بیعت خلافت کی بابت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرِضَ لَيَالِيَ وَأَيَّامًا يُنَادٰى بِالصَّلٰوةِ فَيَقُوْلُ مُرُوْا أَبَابَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَظَرْتُ فَإِذَا الصَّلَاةُ عَلَمُ الْإِسْلَامِ وَقِوَامُ الدِّيْنِ فَرَضِيْنَا لِلدُّنْيَا مَنْ رَضِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِدِيْنِنَا فَبَايَعْنَا أَبَابَكْرٍ۔

''رسول اللہ ﷺ چند شب و روز بیمار رہے۔حضور ﷺ سے نماز کے لیے عرض کیا جاتا تو فرما دیتے کہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائے پھر جب نبی ﷺ کا انتقال ہوگیا تو میں نے غور کیا کہ نماز تو اسلام کا رکن ہے اور اسی پر دین کا قیام ہے اس لیے ہم نے دنیا کی حکومت کے لیے بھی اسی پر رضامندی ظاہر کردی جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا اور اسی لیے ہم نے ابوبکر کی بیعت کرلی۔''

حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد ہندوستان میں محمد بن ابوبکر کی نسل سے بکثرت پائی جاتی ہے، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ اسی خاندانِ عالی سے ہیں۔اعلیٰ حضرت، میر محمد عثمان علی خان سابق خسرو دکن کا سلسلہ نسب حضرت شیخ الشیوخ سے ملتا ہے۔محمد سلیمان: ف۔اقوال علی مرتضیٰ الاستیعاب سے منقول ہوئے ہیں۔

[2] دیکھو نمبر ۱۴ شجرہ نسب نبوی ﷺ۔ [1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ عائشۃ، حدیث: ۳۸۹۵؛ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی فضائل عائشۃ، حدیث: ۶۲۸۳

شادی کو منجانب اللہ قرار دیا تھا۔

محبت کا امتحان

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سخت امتحان بھی دینا پڑا۔ غزوۂ انمار میں ان کی سواری کیمپ میں دیر سے پہنچی اور اس پر منافقین نے ان کی شان پاک میں گستاخانہ الفاظ کہے۔ جنس لطیف کے لیے ایسا موقعہ سخت مصیبت کا ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت بھی ان کی قوت ایمانیہ اور پاک فطرت کی عجیب شان نظر آئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو حضرت صدیقہ نے اپنے میکے والوں سے مخاطب ہو کے فرمایا:

لَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي بَرِيْئَةٌ لاَ تُصَدِّقُوْنِي وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيْئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّي فَوَاللّٰهِ لَا أَجِدُلِي وَلَكُمْ مَثَلاً إِلاَّ أَبَا يُوْسُفَ حِيْنَ قَالَ: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ○ [1]

"اگر میں اب کہوں گی کہ میں پاک ہوں تو میری بات باور نہ ہوگی۔ اگر میں کسی بات کا اقرار کرلوں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بالکل پاک ہوں تو وہ باور کرلی جائے گی پس اندریں حالت میں اپنے لیے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کی مثال پاتی ہوں جنہوں نے کہا تھا (کہ آزمائش میں) صبر کرنا ہی خوب ہوتا ہے۔ اس بارے میں اللہ ہی مددرساں اور کارساز ہے۔"

صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے اپنی پاکی اور صفائی کی وجہ سے وثوق تھا کہ میری بابت رؤیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا جائے گا مگر اس کا مجھے سان گمان بھی نہ تھا کہ میرے حق میں وحی الٰہی کا نزول ہوگا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اسی جگہ تشریف رکھتے تھے کہ قرآن پاک اترا۔ اللہ پاک نے صدیقہ کی نصرت فرمائی۔ بے قصوری ظاہر کی ان کو طیبہ ٹھہرایا۔ اور خبر دی کہ مغفرت اور رزق کریم ان ہی کے لیے ہے نیز یہ بھی بتایا کہ اس بہتان سے ان کی شان میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ بلکہ رتبہ بڑھ گیا۔ ان کی پاکی اور طہارت کی آواز سے زمین و آسمان گونج اٹھے۔ وہ وحی اتری جس کی قیامت تک نمازوں میں اور محرابوں میں تلاوت کی جائے گی۔ جب ﴿وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ [2] کو کوئی ایمان والا شخص پڑھے گا تو اسے عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی و طہارت کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکی و طہارت سے کرنا ہوگا۔ اللہ اکبر! یہ نتیجہ اس تواضع و انکسار کا ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تھا کہ اپنے آپ کو ناچیز سمجھا باوجود بے قصوری و مظلومی کے اور باوجود افترا پردازوں کو جھوٹا جاننے کے آپ نے اپنا یہ درجہ نہ سمجھا کہ ان کے لیے قرآن اترے۔ ہر چندان کو علم تھا کہ ان کے رنج واندوہ سے ان کے والدین کو بھی صدمہ پہنچا ہے اور جمیع اہل ایمان کے دل بھی دردمند ہوئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بھی ایذا پہنچی ہے پھر بھی وہ تواضع و انکسار سے یہی سمجھتی ہیں کہ ان کی پاکی عالم رؤیا میں ظاہر فرمائی جائے گی۔ لیکن رب العالمین ان ہی کے رتبے بلند فرماتا ہے جو اس کی بارگاہ میں تواضع و انکسار اختیار کرتے ہیں۔

---

[1] بخاري، كتاب المغازي، باب حديث الافك، حديث: ٤١٤١۔

[2] ٢٤/ النور:٢٦؛ پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بہت سی احادیث صحیحہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ)) [1]

''مردوں میں تو بہت لوگ تکمیل کے درجے کو پہنچے مگر عورتوں کے اندر صرف مریم دختر عمران اور آسیہ زن فرعون ہی تکمیل کو پہنچیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو سب عورتوں پر ایسی ہی فضیلت ہے۔ جیسے ثرید کو سب کھانوں پر ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔

اس فضیلت کی وجہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وہ کمالاتِ روحانیہ ہیں جن کی وجہ سے ان کا منصب بارگاہِ الٰہی میں نہایت بلند تھا اور جن کے وجود سے ان کو انوارِ نبوت سے بدرجہ اتم منور ہونے کی قابلیت حاصل ہوگئی تھی۔ اس کا ذکر صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے جسے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرِهَا)) [2]

''یہ عائشہ ہی ہے کہ میں اس کے لحاف میں ہوتا ہوں تو اس وقت بھی وحی کا نزول ہوتا ہے مگر دیگر ازواج کے بستروں پر کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

یہی وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو محبتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حکم دیا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((أَيْ بُنَيَّةُ أَلَسْتِ تُحِبِّينَ مَا أُحِبُّ؟)) فَقَالَتْ: بَلٰى فَقَالَ: ((فَأَحِبِّي هٰذِهِ؟)) [3]

''پیاری بیٹی! جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی؟'' حضرت فاطمہ نے عرض کیا، بالکل یہی درست ہے۔ فرمایا: ''تب تو بھی عائشہ سے محبت رکھا کر۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمالات عُلیا پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے صحیحین میں روایت کیا گیا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهَا: ((يَا عَائِشَةُ هٰذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ)) قَالَتْ: فَقُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔ [4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''یہ جبریل ہیں اور تجھے سلام کہتے ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں

---

[1] بخاری، کتاب الأطعمة، باب الثريد، حديث: ٥٤١٨۔ [2] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل عائشة، حديث: ٣٧٧٥۔ [3] مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضائل ام المومنين عائشة، حديث: ٦٣٩٠۔ امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ کی ولادت ۲۰۴ھ سنہ وفات ۲۴ رجب ۲۶۱ھ ہے۔ [4] بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة، حديث: ٣٢١٧؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضائل عائشة، حديث: ٦٣٠١۔

فرمایا کہ ان پر بھی اللہ کا سلام اور رحمت ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احسانات برامت میں سے ہے کہ آیت تیمّم کے نزول کا سبب ظاہری بھی وہی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک ہار حضرت اسماء (اپنی بہن) کا مانگا ہوا تھا جو راستہ میں کہیں گر پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا۔ انہیں راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا اور انہوں نے (پانی نہ ہونے کی وجہ سے) بلا وضو نماز پڑھی اور جب حاضر ہوئے تو انہوں نے بے وضو نماز پڑھنے کا ذکر بھی رنج کے ساتھ کیا۔ اسی وقت آیت تیمّم کا بھی نزول ہوا۔ اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے کہا:

جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا۔ فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ بَرَكَةً۔ ❶

''اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ جب کوئی آپ کا کام اٹکا تو اللہ نے اس میں کشود کار فرمائی اور مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت ہوئی۔''

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو تین واقعات درج کرتا ہوں:

(۱) صحیح مسلم میں، ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسفر تھیں اس روز حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی سواری کا اونٹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ سے تبدیل کر لیا۔ راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی طرف گئے۔ جس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں اور ان ہی کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ مفارقت برداشت نہ ہوئی۔ جب وہ منزل پر پہنچ کر سواری سے اتریں تو انہوں نے اپنا پاؤں گھاس کے اندر ڈال دیا اور زبان سے کہا:

يَارَبِّ سَلِّطْ عَلَيَّ عَقْرَبًا أَوْ حَيَّةً تَلْدَغُنِيْ وَهُوَ رَسُوْلُكَ وَلَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ أَقُوْلَ لَهُ شَيْئًا۔ ❷

''اے رب کسی سانپ یا بچھو کو بھیج کہ مجھے کاٹ کھائے اور وہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں...... ان کی شان میں تو میں کچھ کہہ ہی نہیں سکتی۔''

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعل کو پیوند لگا رہے تھے اور میں چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پسینہ آ رہا ہے اور اس پسینہ کے اندر ایک نور ہے جو ابھر رہا ہے اور بڑھ رہا ہے۔ یہ ایسا نظارہ تھا کہ میں سراپا حیرت بن گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک مجھ پر پڑی۔ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! تو حیران سی کیوں ہو رہی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پسینہ ہے اور پسینے کے اندر چمکتا دمکتا نور ہے۔ (اس پاک نظارہ نے مجھے سراپا چشم کر دیا ہے۔)

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست
وے ہمایوں دل کہ آں قربان اوست

---

❶ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشۃ، حدیث: ۳۷۷۳۔

❷ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ، حدیث: ٦٢٩٨۔

بخدا اگر ابو کبیر ❶ ہذلی حضور ﷺ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کے صحیح مصداق حضور ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ اس کے شعر کیا ہیں۔

میں نے یہ شعر پڑھ کر سنا دیئے۔

وَمُبَرَّءٌ مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُعْضِلِ

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ ❷

نبی ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے رکھ دیا۔ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پیشانی کو چوما اور زبان مبارک سے فرمایا: مَا سُرِرْتِ مِنِّیْ کَسُرُوْرِیْ مِنْكِ۔ جو سرور مجھے تیرے کلام سے حاصل ہوا۔ اس قدر سرور تجھے میرے نظارہ سے نہ ہوا ہو گا۔

(۳) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت رسول ﷺ کی ایک مثال وہ ہے جو قرآن مجید کی آیت تخییر کے نزول پر ظاہر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ ﴾ ❸

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں رخصتانہ دے دلا کر اپنے سے خوبی کے ساتھ علیحدہ کر دوں۔ لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اور آخرت کی خواہاں ہو تب تم میں سے جو نیکی کرنے والیاں ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔''

نبی ﷺ نے سب سے پہلے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو یہ آیت سنائی اور تلاوتِ آیت سے پیشتر یہ بھی فرمایا کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرتا ہوں۔ تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اور اپنے والدین سے مشورہ کر لینا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آیت سنتے ہی جھٹ سے کہا۔ کیا میں اس معاملہ میں بھی والدین سے مشورہ کروں گی؟ میں تو اللہ اور رسول ﷺ اور آخرت ہی کو اختیار کرتی ہوں۔ ❹ اس جواب میں انہوں نے اپنی محبت باخدا اور محبتِ رسول ﷺ کا ثبوت بھی دیا۔ نیز دیگر ازواج کے لیے ایک سنت بھی قائم فرمائی جس کا اتباع سب ازواج النبی ﷺ نے فرمایا۔ فی الحقیقت یہ ایک بہت بڑا اشرف ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر جو فقہائے سبعہ کے اندر ایک درخشاں کوکب تھے فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ایک کو بھی معانی قرآن اور احکام حلال و حرام اور اشعار عرب اور علم الانساب میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہیں پایا۔ ❺ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت تھی کہ جب کوئی نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ صحابہ میں آ پڑتا تو وہ حضرت صدیقہ کی جانب رجوع کرتے تھے اور ان کے پاس اس کے متعلق ضرور علم پایا جاتا تھا۔

---

❶ ایام جاہلیت کا مشہور شاعر۔ ❷ تاریخ بغداد: ۱۳/ ۲۵۲ معمر بن مثنی کے حالات زندگی میں واقعہ سنداً سخت ضعیف ہے۔ ترجمہ: وہ ولادت اور رضاعت کی آلودگیوں سے پاک۔ امراض سے مبرا ہیں۔ ان کے درخشاں چہرے پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ نورانی اور روشن برق جلوہ دے رہی ہے۔

❸ ۳۳/ الاحزاب: ۲۸ تا ۲۹۔ ❹ بخاري، كتاب التفسير، باب قوله وان كنتن تردن الله ورسوله.....، حديث: ٤٧٨٦۔

❺ مدارج النبوة، جلد دوم، ص: ٥٩٩۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جس طرح اپنے فرزندانِ شریعت کی شیرِ علم سے پرورش فرمایا کرتی تھیں، اسی طرح اپنی جود وسخاوت سے فقراء ومساکین کی تربیت بھی فرماتی تھیں۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ انہوں نے ایک روز میں ستر ہزار درہم اللہ کی راہ میں صرف کیے خود ان کے جسم پر پیوند لگا ہوا کرتہ تھا۔ ایک روز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے سب کے سب اسی روز اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیئے۔ اس روز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا روزہ بھی تھا۔ شام کو لونڈی نے سوکھی روٹی سامنے رکھ دی اور یہ بھی کہا کہ اگر سالن کے لیے کچھ بچا لیا جاتا تو میں سالن بھی تیار کر لیتی۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ مجھے تو خیال نہ آیا، تو نے یاد دلا دینا تھا۔ [1]

خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک بحث لکھی ہے کہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے افضل کون ہے؟ وہ لکھتے ہیں کہ اس بارے میں تین مذہب ہیں۔

(۱) خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ (۲) عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ (۳) سکوت کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہر دو میں جداگانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا اثر ابتدائے اسلام پر ہے (۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث تسکین وتسلی وثبات تھیں۔

(۲) انہوں نے اپنا مال محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نثار کیا۔ ان کو آغاز اسلام کا زمانہ ملا اور اس وقت میں انہوں نے اللہ جل جلالہ، اور اس کے رسول محترم کے لیے ہر ایک رنج وتکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔

(۳) انہوں نے جو کٹھن وقت میں نصرتِ رسول اللہ کی، پس اس بارے میں جو درجہ ان کا ہے کسی دوسری بیوی کا نہیں۔

طیبہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اثر ترقی اسلام کے ایام پر ہے۔

(۱) جو تفقہ انہوں نے دین میں حاصل کیا۔ (۲) اور جو تبلیغ انہوں نے امت کو فرمائی۔

(۳) اور علم نبوت کی اشاعت میں جو مساعی انہوں نے کیے اور جو علمی فوائد انہوں نے فرزندانِ امت کو پہنچائے وہ ایسا درجہ ہے جو کسی دوسری بیوی کو حاصل نہیں۔

کتب احادیث میں مرویات صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔

صحیحین میں متفق علیہ	۱۷۴ احدیثیں
صرف صحیح بخاری میں	۵۴ //
صرف صحیح مسلم میں	۶۷ //

[1] ابن القیم، کتاب جلاء الافهام، الباب الثالث فصل فی الاحتجاج للقول بأن آل النبی ذریته وازواجه خاصة۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ مصنف رحمۃ للعالمین کر چکا ہے ترجمہ کا نام "الصلوۃ والسلام" ہے۔

دیگر کتب معتبرہ میں ۲۰۱۷ // [1]

فتاوائے شرعیہ، حل مشکلات علمیہ، بیان روایات عربیہ اور متعدد واقعات تاریخیہ کا شماران کے علاوہ ہے:

جہاد فی سبیل اللہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِيْ بَكْرٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ أَرَىٰ خَدَمَ سُوْقِهِمَا تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ عَلَىٰ مُتُوْنِهِمَا ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِيْ أَفْوَاهِ الْقَوْمِ ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ثُمَّ تَجِيْئَانِ فَتُفْرِغَانِهِ فِيْ أَفْوَاهِ الْقَوْمِ۔ [2]

صحیح بخاری کے باب غزوہ احد میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ کندھوں پر مشکیں اٹھائے ہوئے زخمیوں اور مومنین کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں۔ پانی ختم ہو جاتا تو پھر مشک بھر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتی جاتی تھیں۔

جنگ بدر میں رائیت نبوی (پرچم) مرط عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ تھا۔ یعنی جس نشان کے تحت میں ملائکہ نے خدمت اسلام ادا کی اور جس نشان پر اللہ کی اولین نصرت و فتح نازل ہوئی۔ وہ نشان عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوڑھنی کا بنایا گیا ہے۔ یہ امر صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ [3]

حضرت حسان بن ثابت (المؤید بروح القدس) ان کی شان میں فرماتے ہیں:

حِصَانٌ رِزَانٌ مَا تَزَنُّ بِرِيْبَةٍ وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ
عَقِيْلَةٌ أَصْلٌ مِّنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ كِرَامِ الْمَسَاعِيْ مَجْدُهُمْ غَيْرُ زَائِلٍ
مُهَذَّبَةٌ قَدْطَيَّبَ اللّٰهُ خِيْمَهَا وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ بَغْيٍ وَّبَاطِلٍ
فَإِنْ كَانَ مَا قَدْقِيْلَ عَنِّيْ قُلْتُهُ فَلَا رَفَعَتْ صَوْتِيْ إِلَيَّ أَنَامِلِيْ
وَإِنَّ الَّذِيْ قَدْقِيْلَ لَيْسَ بِلَائِطٍ بِهَا الدَّهْرُبَلْ قَوْلُ امْرِئٍ مُتَمَاحِلِ
فَكَيْفَ وُدِّيْ مَا حَيِيْتُ وَنُصْرَتِيْ لِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ زَيْنُ الْمَحَافِلِ
رَأَيْتُكِ وَلْيَغْفِرْلَكِ اللّٰهُ حُرَّةً مِنَ الْمُحْصَنَاتِ غَيْرِ ذَاتِ الْغَوَائِلِ [4]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انصاف اور صداقت کے لمعات اس وقت زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں جب وہ اپنی کسی سوت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا کرتی ہیں:

---

[1] امام ابومحمد علی بن احمد بن حزم للظاہری المتوفی ۴۵۷ھ نے دیگر مکثر ین فی الروایت کی حدیثوں کا بھی شمار کیا ہے۔ عمر فاروق ۵۳۷۔ علی مرتضیٰ ۵۸۶۔ ابن مسعود ۸۰۰ و چند جابر بن عبداللہ و عبداللہ بن عباس ۱۵۰۰ سے زائد۔ ابن عمر و انس حضرت عائشہ کے برابر۔ کتاب الفصل فی الملل۔ الجزء رابع۔

[2] بخاری، کتاب الجهاد، باب غزوة النساء وقتالهن، حدیث: ۲۸۸۰۔

[3] سیرت حلبیہ، جلد۲، ص: ۱۴۷۔ [4] الاستیعاب: ۴/ ۳۴۹ کتاب النساء حرف العین۔

(الف) ام المؤمنین زینب بنت جحش کی تعریف میں کہتی ہیں:

۱: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا لِنِسَائِهِ أَسْرَعُكُنَّ لَحُوْقًابِيْ أَطْوَلُكُنَّ ❶ يَدًا قَالَتْ: فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ۔ لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَتَصَدَّقُ۔

''عائشہ فرماتی ہیں ایک روز نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا: تم میں سے وہ عورت مجھے جلد آ کر ملے گی جو زیادہ سخی ہوگی۔ (یہ سن کر سب ازواج بڑھ کر کام کرنے لگیں) لیکن ہم میں سب سے زیادہ سخی زینب رضی اللہ عنہا ثابت ہوئیں، کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کماتیں اور پھر اس کو راہِ الٰہی میں صدقہ دیا کرتی تھیں۔''

۲: وَ لَمْ أَرَامْرَأَةً قَطُّ خَيْراً فِي الدِّيْنِ مِنْ زَيْنَبَ وَأَتْقَى اللّٰهِ وَأَصْدَقَ حَدِيْثاً وَأَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَأَعْظَمَ صَدَقَةً۔ ❷

''میں نے کوئی عورت زینب سے دین میں بہتر نہیں دیکھی وہ اللہ کا زیادہ تقویٰ رکھنے والی، بہت زیادہ سچ بولنے والی اقارب سے بہت بڑھ کر سلوک کرنے والی اور بہت زیادہ صدقہ دینے والی تھی۔''

(ب) ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں فرماتی ہیں:

وَمَا رَأَيْتُ صَانِعَةَ طَعَامٍ مِثْلَ صَفِيَّةَ۔ ❸

''میں نے صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی کوئی عورت عمدہ کھانا بنانے والی نہیں دیکھی۔''

(ج) ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں فرماتی ہیں:

مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكُوْنَ فِيْ سِلَاخِهِ مِنْ سَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ إِلَّا أَنَّ بِهَا حِدَّةٌ۔ ❹

''سودہ رضی اللہ عنہا میں ذرا تیزی تو تھی۔ ورنہ اور کوئی بھی ایسا نہیں جس کے درجہ میں ہونا مجھے سودہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ پیارا ہو۔''

(د) ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کی صفت جمال بیان کرتی ہیں:

كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ عَلَيْهَا حَلَاوَةٌ وَمَلَاحَةٌ لَا يَكَادُ يَرَاهَا أَحَدٌ إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ نَفْسِهِ۔ ❺

''جویریہ رضی اللہ عنہا میں شیرینی و دلکشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والے کے دل میں ان کی جگہ ہو جاتی تھی۔''

امومت اُمت

بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن میرے والد شہید ہو گئے تھے میں وہاں بیٹھا رو رہا تھا۔ نبی ﷺ نے

---

❶ اطول طول سے ہے طول کے معنی جود و سخاوت کے ہیں اللہ تعالیٰ کا نام ذوالطول ہے۔ بخاری، کتاب الزكاة، باب حديث: ١٤٢٠ معنًى؛ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل زينب ام المومنين، حديث: ٦٣١٦۔

❷ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة، حديث: ٦٣٩٠۔

❸ ابو داود، كتاب البيوع، باب فيمن أفسد شيئا يغرم مثله، حديث: ٣٥٦٨۔

❹ الاستيعاب، كتاب النساء، حرف العين: ٤/ ٣١٨؛ مسلم، كتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها، حديث: ٣٦٢٩۔

❺ الاستيعاب، كتاب النساء، حرف الجيم: ٤/ ٢٥٢۔

فرمایا:

((أَمَا تَرْضىٰ أَنْ تَكُوْنَ عَائِشَةُ أُمَّكَ وَأَكُوْنَ أَنَا أَبَاكَ)) ❶

''کیا تو اس سے خوش نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تیری ماں ہو اور میں تیرا باپ ہوں۔''

اس حدیث میں بمقابلہ دیگر ازواج کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص امومت فرمائی ہے۔

لغزش

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زلات بشری میں سے یہ ہے کہ وہ جنگ جمل ❷ میں شریک ہوئیں، اس جنگ کا نام جنگ جمل اس لیے مشہور ہوا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودج ایک اونٹ پر تھا اونٹ کا نام عسکر تھا اس جنگ میں سامنے کی طرف خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ امیر المومنین رضی اللہ عنہ تھے۔ جنگ کے خاتمے پر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ میری اور علی رضی اللہ عنہ کی شکر رنجی ایسی ہی ہے جیسے عموماً بھاوج اور دیور میں ہو جایا کرتی ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا یہی سچی بات ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ ❸

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کر بیٹھیں، تو ان میں صلح کرا دو۔''

میرے نزدیک یہی وہ پہلی جنگ ہے، جس کے دونوں فریق مومن تھے۔ اس مصداق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس آیت سے آگے چند آیات کو إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۔ تک پڑھ لینا چاہیے کہ بہت سے شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کی صداقت اور مودت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توثیق ترمذی کی حدیث عن جمیع بن عمیر سے ہوتی ہے۔

قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِيْ عَلىٰ عَائِشَةَ فَسُئِلَتْ أَيُّ النَّاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ؟ قَالَتْ: فَاطِمَةُ فَقِيْلَ: مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ: زَوْجُهَا۔ ❹

''راوی نے کہا۔ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا ان سے سوال ہوا کہ عورتوں میں سب سے پیاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون تھی۔ انہوں نے کہا فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر سوال ہوا کہ مردوں میں سے کون تھا۔ فرمایا شوہر

---

❶ الاستیعاب، جلد اول، ص: ۱۵۹ حرف الباء باب ب ش۔

❷ یہ واقعہ ۱۵ جمادی الآخر ۳۶ھ کو ہوا۔ لڑائی صبح سے تیسرے پہر تک رہی۔ زبیر رضی اللہ عنہ آغاز جنگ سے پہلے ہی صف سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور جاں بحق ہونے سے پیشتر انہوں نے بیعت مرتضوی کی تجدید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک افسر کے ہاتھ پر کی ابن حزم و ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ فریقین میں سے کوئی بھی آغاز جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چند شریروں نے جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں ملوث تھے، جنگ اس طرح کرا دی کہ رات کو اصحاب جمل کے لشکر پر چھاپہ مارا۔ وہ سمجھے کہ یہ فعل بحکم اور بعلم حضرت علی ہوا ہے انہوں نے بھی مدافعت میں حملہ کیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ ہر ایک طرف گمان یہ تھا کہ ابتدا دوسرے کی جانب سے ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس پر برہان یہ ہے کہ ام المومنین اور زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہم اور ان کے رفقا نے امامت علی رضی اللہ عنہ کے بطلان یا طعن یا جرح میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا نہ انہوں نے نقض بیعت کیا نہ کسی دوسرے کی بیعت کی اور نہ اپنے لیے کوئی دعویٰ کیا یہ جملہ وجوہ یقین دلاتے ہیں کہ جنگ صرف اتفاقیہ تھی جس کا ہر دو جانب کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ کتاب الفصل فی الملل جزو چہارم ص ۱۵۸ مطبوعہ مطبعۃ الادبیہ مصر ۱۳۱۷ھ۔

❸ ۴۹/ الحجرات: ۹۔ ❹ تیسیر الاصول فی جامع الاصول، جلد ثانی، ذکر فاطمة، ترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل فاطمة، حدیث: ۳۸۷۴۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا‘‘

دوسری حدیث صحیح مسلم کی ہے کہ

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ۔ میں حسنین اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔اس حدیث کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی نے بیان کیا ہے۔

جن دنوں جنگ جمل کی ابتدا تھی۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے مسجد کوفہ میں رفقائے مرتضوی رضی اللہ عنہ کے سامنے خطبہ فرمایا تھا۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

إِنِّیْ لَأَعْلَمُ أَنَّهَازَوْجَتُهُ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاكُمْ لِتَتَّبِعُوْهُ أَوْ إِيَّاهَا۔ ❶

’’میں جانتا ہوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ دنیا اور آخرت میں ہیں لیکن اللہ نے تم سب پر آزمائش ڈالی ہے کہ ایسی حالت میں اس کا اتباع کرتے ہو یا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا۔‘‘

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن خصوصیات کا ذکر بطور فخر فرمایا کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ فقرہ بھی ہے۔ ❷

تُوُفِّیَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ بَيْتِیْ وَفِیْ نَوْبَتِیْ وَبَيْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ وَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَ رِيْقِیْ وَرِيْقِهٖ قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بِسِوَاكٍ فَضَعُفَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْهُ فَأَخَذْتُهُ فَمَضَغْتُهُ ثُمَّ سَنَنْتُهُ۔

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گھر میں میری نوبت میں میرے سینے اور گلو کے درمیان وفات پائی اور آخر میں اللہ نے میرے لعاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب کے ساتھ ملا دیا وہ اس طرح کہ (میرے بھائی) عبدالرحمٰن مسواک لے کر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعف تھا (یہ دیکھ کر کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرمانا چاہتے ہیں میں نے مسواک لے کر پہلے اپنے دانتوں سے نرم کی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرا دی۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: در جنت کو کھٹکاؤ، کھولا جائے گا۔لوگوں نے کہا کیونکر کھٹکائیں فرمایا بھوک اور پیاس کی شدت سے جنت کے دروازے کو کھٹکا سکتے ہیں۔

ایک بار ایک شخص نے سوال کیا، میں اپنے آپ کو نیک کب سمجھوں؟ فرمایا: جب تجھے اپنے برے ہونے کا گمان ہو جائے اس نے کہا کہ اپنے کو برا کب سمجھوں؟ فرمایا جب تو اپنے آپ کو نیک سمجھنے لگے۔

انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی ۹ سال کی مصاحبت قدسیہ میں جو علوم عالیہ سیکھے تھے۔قریباً نصف صدی تک فرزندان روحانی کو ان کی تعلیم دیتی رہیں۔

اقارب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان کنانیہ ہیں۔جن کا انتقال رمضان ۶ھ میں ہوا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں خود اترے تھے اور یہ فرمایا تھا:

---

❶ بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشة، حدیث: ۳۷۷۲۔

❷ بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماجاء فی بیوت ازواج النبی ﷺ، حدیث: ۳۱۰۰۔

((أَللّٰهُمَّ لَمْ يَخْفَ عَلَيْكَ مَا لَقِيَتْ أُمُّ رُوْمَانَ فِيْكَ وَفِيْ رَسُوْلِكَ)) [1]

''الٰہی تجھ سے پوشیدہ نہیں کہ ام رومان نے تیرے لیے، تیرے رسول ﷺ کے لیے کیا کچھ برداشت کیا ہے۔''

نیز فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى امْرَأَةٍ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى أُمِّ رُوْمَانَ)) [2]

''اگر کوئی شخص حوران جنت میں سے کسی عورت کا دیکھنا پسند کرتا ہو تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''

عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے حقیقی بھائی ہیں۔ بہادران عرب میں سے تھے جنگ یمن میں فتح ان ہی کی شجاعت سے ہوئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے سامنے جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ولی عہدیٔ یزید کا ذکر کیا تو انہی نے جواب میں لکھا تھا:

أَهِرَقْلِيَّةٌ إِذَا مَاتَ كِسْرٰى قَامَ قَيْصَرٌ مَكَانَهٗ لَا نَفْعَلُ وَاللّٰهِ أَبَدًا۔ [3]

''کیا یہ بھی دنیا کی سلطنت ہے کہ جب کسریٰ مرگیا تو دوسرا اس کی جگہ کسریٰ بن بیٹھا۔ بخدا ہم ایسا کبھی نہ کریں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا بیٹا بھی صحابی ہے۔ اس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چار نسلیں صحابی ہیں اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی وفات پر یہ دو شعر بطور تمثیل پڑھے تھے:

وَكُنَّا [4] كَنَدْمَانَيْ جَذِيْمَةَ حُقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّيْ وَمَالِكًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَّعَا

(۲) طفیل بن سنجرہ ان کا اخیافی بھائی ہے۔

(۳) عبداللہ بن فضالہ لیثی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پدر رضاعی تھا۔ اباعائشہ رضی اللہ عنہا کنیت کرتا تھا۔ قاضی بصرہ ہو گیا تھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اور فضالہ رضی اللہ عنہ دونوں صحابی تھے۔

(۴) ان ہی کی علاتی بہن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ ذات النطاقین ہیں۔ ان کا اسلام ۱۷ شخصوں کے بعد تھا۔ قریباً سو سال کی عمر میں بماہ جمادی الاول ۷۳ھ وفات پائی۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بیوی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

---

[1] الاستیعاب، فصل فیمن عرف بالکنیۃ من النساء، حرف الراء: ٤/ ٤٣١۔ [2] الاستیعاب، فصل فیمن عرف بالکنیۃ من النساء، حرف الراء: ٤/ ٤٣١؛ صحیح بخاری میں مسروق تابعی نے ایک حدیث ام رومان سے نقل کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ام رومان کی وفات بعد از وفات نبی ﷺ ہوئی تھی۔ [3] الاستیعاب، حرف العین، باب عبدالرحمن: ٢/ ٣٩٣۔

[4] ہم دونوں نعمان کے مصاحبوں کی طرح ایسے اکٹھے رہتے تھے کہ لوگ سمجھنے لگے کہ یہ کبھی جدا ہی نہ ہوں گے لیکن جدائی ہوئی تو فراق میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کبھی ایک شب بھی اکٹھے نہ رہے تھے۔ نعمان شاہ عرب کے مصاحبوں کا مختصر قصہ یہ ہے کہ نعمان نے ایک شخص کے قتل کا حکم دیا ایک امیر نے اپنی ضمانت پر چند یوم کی رہائی دلا دی جب وہ مقررہ دن پر نہ پہنچا تب حکم دیا کہ اس کے ضامن کو قتل کر دیا جائے۔ جلاد نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی کہ اتنے میں وہ شخص ہانپتا ہوا آ گیا۔ بادشاہ نے دونوں کو اپنا مصاحب بنا لیا۔ اب ہر ایک شخص دوسرے کو اپنا نجات دہندہ سمجھتا تھا وہ مدت العمر جدا نہ ہوئے۔

(۵) ان کے علاتی بھائی عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو غزوۂ حنین میں زخمی ہو کر اور کچھ عرصہ بیمار رہ کر فوت ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان عیسائیان نجران کو ان کے حقوق کے متعلق دیا تھا۔ اس کے کاتب یہی عبداللہ بن ابی بکر تھے۔ [1] (ان کی ایک بہن اور ہیں جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھیں یہ وفات صدیق رضی اللہ عنہ سے چند ماہ بعد پیدا ہوئی تھیں۔)

(٦) ان ہی کے علاتی بھائی محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جو ربیب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان کو حاکم مصر بنایا تھا۔

(۷) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی بریرہ تھیں۔ عبدالملک کا بیان ہے کہ سلطنت ملنے سے پیشتر وہ مدینہ میں بریرہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور بریرہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ عبدالملک! تجھ میں کچھ خصلتیں اچھی ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ تو سلطنت کے شایان ہے۔ پس اگر تو صاحب سلطنت ہو گیا تو خون ریزی سے بچنا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْفَعُ عَنْ بَابِ الْجَنَّةِ بَعْدَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا بِمِلْءِ مَحْجَمَةٍ مِنْ دَمٍ يُرِيقُهُ مِنْ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ)) [2]

''کوئی شخص جنت کے قریب پہنچ جائے گا حتیٰ کہ اسے دیکھنے لگے گا پھر اسے داخل ہونے سے روک دیا جائے گا کیونکہ اس نے مسلمانوں کا خون بے وجہ کیا ہو گا۔''

ذاتی رنج پر اسلامی خدمات کو ترجیح

معاویہ بن خدیج نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابوبکر کو قتل کیا تھا۔ اس لیے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معاویہ کی طرف سے سخت رنج تھا لیکن معاویہ مذکور نے افریقہ میں اسلامی فتوحات اور غزوات دینی میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔

عبدالرحمٰن بن شماسۃ المہری کا بیان ہے کہ معاویہ کی ماتحتی میں میں نے افریقہ میں کام کیا تھا۔ میں ایک روز ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گیا انہوں نے پوچھا کہ افریقہ میں تمہارے سر لشکر کا حال کیسا تھا۔ پھر فرمایا میری طبیعت کا خیال نہ کرو بلکہ اس کی خوبیاں بتاؤ۔

عبدالرحمٰن نے عرض کیا کہ میدان جنگ میں اگر اونٹ مر جاتا تو سپہ سالار اسی وقت دوسرا اونٹ مہیا کر دیتا تھا گھوڑا مر جاتا تو فوراً گھوڑا بہم پہنچا دیتا تھا۔ کوئی غلام فرار ہو جاتا تو دوسرا آدمی جھٹ بھیج دیتا تھا۔

یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ إِنْ كُنْتُ لَأُبْغِضُهُ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ قَتَلَ أَخِيْ وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ مَنْ رَفَقَ بِأُمَّتِي فَارْفُقْ بِهِ وَمَنْ شَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ۔ [3]

''میں اللہ سے بخشش چاہتی ہوں۔ خدایا مجھے معاف فرمانا۔ میں تو اس سے بغض رکھتی تھی اس لیے کہ اس نے

---

[1] كتاب الخراج فصل قصة النجران وأهلها، ص:۷۳ قاضی القضاة ابویوسف ولادت ۱۱۳ھ وفات ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ۔
[2] الاستيعاب، كتاب النساء، حرف الباء: ٤/ ٢٤٣۔ [3] الاستيعاب، حرف الميم، باب معاوية: ٣/ ٣٨٧۔

میرے بھائی کو قتل کیا تھا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی جو کوئی میری امت کے ساتھ مہربانی کرے اس پر مہربانی فرمانا اور جو کوئی امت پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کرنا۔''

۲: ام حکیم بنت خالد اور ام حکیم بنت عبداللہ کا بیان ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طواف کعبہ میں شامل تھیں۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر چل پڑا۔ دونوں نے انہیں گالی کے ساتھ یاد کیا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم اسے گالی دیتی ہو اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے داخل جنت فرمائے گا۔ دیکھو تو سہی کہ حسان نبی ﷺ کی شان میں کس طرح کہتا ہے:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ الْجَزَاءُ

فَإِنَّ أَبِيْ وَوَالِدَتِيْ وَعِرْضِيْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

یہ سن کر دونوں نے کہا کہ ہم تو اس لیے کہتی تھیں کہ اس نے آپ کی شان میں کچھ کچھ کہا تھا صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا وہ تو کچھ بھی نہیں۔ [1]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں اجل طبعی سے وفات پائی اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ نبی ﷺ کے نکاح میں آنے سے پیشتر خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی السلمیٰ کے گھر میں تھیں۔

خنیس رضی اللہ عنہ سابقین میں سے تھے انہوں نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کی تھی۔ بدر واحد میں حاضر ہوئے اور جنگ احد میں زخمی ہو کر مدینہ میں وفات پائی۔ ان کے بھائی عبداللہ بن حذافہ السلمی بھی صحابہ میں نہایت مشہور بہادر وشاعر ہیں۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا انہوں نے کچھ بھی جواب نہ دیا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا کیونکہ ان کی بیوی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال بھی انہی دنوں میں ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا آج کل تو میں شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ سنایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] الاستیعاب، حرف الحاء، باب حسان: ۱/ ۳۳۹؛ اس بارے میں اختلاف روایات ہے کہ حضرت حسان نے قصہ افک میں حصہ لیا یا نہیں میرے نزدیک حضرت حسان کا مندرجہ ذیل شعر اس بارے میں عمدہ دلیل بن سکتا ہے وہ حضرت صدیقہ کی تعریف کرتے ہوئے اس تہمت سے اپنی براءت بھی ظاہر کرتے ہیں۔

الاستیعاب حرف الحاء باب حسان: ۱/ ۳۴۰۔

فَإِنْ كَانَ مَا قَدْ قِيْلَ عَنِّيْ قُلْتُهُ فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِيْ إِلَيَّ أَنَامِلِيْ

کہا جاتا ہے کہ میں نے انکی شان میں کوئی گستاخانہ لفظ کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو اللہ کرے کہ میرا یک ہاتھ ہی بالکل نکما ہو جائے

((يَتَزَوَّجُ حَفْصَةَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْ عُثْمَانَ وَيَتَزَوَّجُ عُثْمَانُ مَنْ هِيَ خَيْرٌ مِنْ حَفْصَةَ)) ❶

''حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی اس شخص سے ہو گی جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو گا، عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اس سے ہو گا جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔''

بعد ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیاہ دی تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مل کر فرمایا۔ تم اس بات کا میری طرف سے رنج نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر مجھ سے فرما چکے تھے اور میں اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ راز ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔ ان کا انتقال بعمر شصت (۶۰) سالہ جمادی الاولی ۴۱ھ میں ہوا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے ان کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی:

فَإِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ۔ ❷

''وہ بہت عبادت کرنے والی روزے رکھنے والی ہے، اور وہ بہشت میں بھی آپ کی زوجہ ہے۔''

ولادت حفصہ رضی اللہ عنہا پانچ سال قبل از بعثت ہے۔ ❸

مرویات حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا

متفق علیہ ۴ صحیح مسلم میں ۶

دیگر کتب احادیث میں ۵۰ .... کل ۶۰

بعض لوگ آیت ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ ❹ کی تفسیر میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جب رب العزت کو اپنے حبیب کے گھرانے کی عزت و حرمت کا اتنا پاس ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا تو ہم کو بھی اس بارے میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

بعض لوگ یہ بھی بحث کیا کرتے ہیں کہ وہ راز کیا تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہم کو کوئی حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز میں دخل دینے یا اس کے افشا کرنے کا نہیں۔

اقارب

۱: عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو اشہر المشاہیر فی الاسلام ہیں، ان کے والد بزرگوار ہیں۔ وہ ۱۳ھ میں بعد وفات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تھے اور کسی ایک شخص نے بھی ان سے بیعت کرنے میں تامل یا انکار نہیں کیا تھا۔ دس سال چھ ماہ خلافت کی۔ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳ھ کو زخمی ہوئے۔ زخمی ہونے کے بعد انہوں نے اپنے قاتل کی بابت تفتیش کرائی جب ان کو پتہ لگا کہ وہ ابولولو نصرانی ہے تب

---

❶ الاستیعاب، کتاب النساء، حرف الحاء، باب حفصة: ۴/ ۲۶۰۔

❷ الاستیعاب، کتاب النساء، حرف الحاء: ۴/ ۲۶۱۔ ❸ مدارج النبوة، ج ۲، ص: ۶۰۴۔

❹ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی۔

فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ قَتْلِیْ بِیَدِ رَجُلٍ یُحَاجُّنِیْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ [1]

یکم محرم ۲۴ھ کو انتقال ہوا۔

۲: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے برادر شقیق ہیں۔ ان کا انتقال ۷۳ھ میں مکہ میں ہوا تھا حضرت عبداللہ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ [2]

۳: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ زینب بنت مظعون ہیں جو نہایت قدیم الاسلام تھیں۔ انہوں نے قبل از ہجرت مکہ میں وفات پائی تھی۔ ان کا سلسلہ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کعب میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور ان کی نانی کا سلسلہ نسب بھی کعب میں شامل ہوتا ہے۔

۴: ان کے ماموں عثمان بن مظعون ہیں۔ ۱۳ کس کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ ذوالہجر تین ہیں۔ مہاجرین میں سے مدینہ میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور اپنے فرزند ابراہیم کی قبر ان کے پاس بنا کر فرمایا تھا: ((اِلْحَقْ بِالسَّلَفِ الصَّالِحِ مِنَّا))

ام المساکین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

جاہلیت میں ان کا لقب ام المساکین تھا۔ ان کا پہلا نکاح طفیل سے ہوا دوسرا عبیدہ سے ہوا، یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد بھائی یعنی حارث بن عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ ان کا تیسرا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد ہیں۔ اور ام المومنین زینب بنت جحش کے بھائی ہیں۔ جنگ احد میں وہ شہید ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد صرف دو مہینے یا تین مہینے زندہ رہیں۔ ماں کی جانب سے یہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔

ام المومنین ام سلمہ (ہند) رضی اللہ عنہا

ہند بنت ابی امیہ المعروف بزاد الراکب بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر ام سلمہ حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کے نکاح میں تھیں ان ہر دو کا نسب عبداللہ بن عمرو مخزومی میں شامل ہو جاتا ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت قدیم الاسلام ہیں اور ابوسلمہ غالباً گیارہویں شخص اسلام لانے والوں میں تھے ابوسلمہ کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تینوں برادران رضاعی بھی ہیں۔ ام سلمہ نے اپنے شوہر کے ساتھ اول ہجرت حبش کی تھی اور پھر مکے میں واپس آ گئے تھے مگر جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ و ام سلمہ مع اپنے بچے سلمہ کے ہجرت مدینہ کے لیے نکلے تو ابوسلمہ کے گھر والوں نے ان کے بچے سلمہ کو چھین لیا اور کہا کہ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ مگر

---

[1] الاستیعاب، حرف العین، باب عمر: ۲/ ۴۶۲؛ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان، حدیث: ۳۷۰۰۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا قتل ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں ہوا جو لا الہ الا اللہ کا سہارا لے سکتا ہو۔

[2] چند فاروقی بزرگوں کے نسب نامے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نسل ہندوستان میں بکثرت پائی جاتی ہے قطب الاقطاب خواجہ فرید شکر گنج، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی امام ربانی اور حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم سب فاروقی ہیں۔ شیخ الوقت شاہ ابوالخیر عبداللہ دھلوی مجددی و فاروقی ہیں حضرت خواجہ ضیاء معصوم صاحب نزیل چار باغ (کابل) نژاد عالی سے ہیں۔

بچے کو جو ہمارے خاندان کا فرد ہے نہیں لے جاسکتے۔ علیٰ ہذا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھرانے والوں نے ام سلمہ کو چھین لیا کہ ام سلمہ کو جو رے خاندان کی لڑکی ہے تم نہیں لے جاسکتے۔

ابوسلمہ نہایت قوی الاسلام اور راسخ العزم تھے۔ بیوی اور بچے کے چھن جانے پر بھی انہوں نے سفر ہجرت ترک نہ کیا اور اللہ اور ول کی راہ میں چل پڑے۔ ام سلمہ مکے ہی میں رہیں۔ وہ ہر روز شام کو اس مقام پر آبیٹھا کرتی تھیں۔ جہاں شوہر سے علیحدہ ہوئی تھیں سال تک برابر روتی رہیں حتیٰ کہ سنگدل عزیزوں کا دل بھی ان کے گریہ وآہ وبکا پر نرم پڑ گیا۔ انہوں نے بچہ بھی دے دیا اور ان کو سفر کی ازت بھی دے دی۔ یہ اللہ کی بندی یکہ و تنہا مدینے کو چل پڑیں۔ عثمان بن طلحہ جو کلید بردار بیت الحرام تھے۔ گو ابھی مسلمان نہ ہوئے ے لیکن ان کو ام سلمہ کی بے کسی و تنہائی پر رحم آیا۔ وہ ساتھ ہو لیے۔ حضرت ام سلمہ کو اونٹ پر سوار کراتے خود پیدل چلتے منزل پر پہنچ کر ان سے دور جا کر ٹھہرتے۔ جب منزل در منزل مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے اور نخلستان مدینہ کے درخت نظر آنے لگے تو کہا۔ ”دیکھو جس شہر ں تجھے جانا ہے وہ سامنے ہے تم آگے بڑھو۔ میں واپس جاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور پھر جنگ احد میں زخمی ہوئے، زخموں سے جانبر نہ ہوسکے اور جمادی الآخر ۳ھ ں انہوں نے شہادت کی موت پائی۔ مرتے وقت ان کی زبان پر تھا: أَللّٰهُمَّ اخْلُفْنِي فِي أَهْلِي بِخَيْرٍ۔ [1] چھوٹے چھوٹے بچے سوڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت اور قرابت ابوسلمہ سے تھی اور مدت العمر انہوں نے اسلام میں جو صداقت اور استقامت دکھائی تھی۔ نیز سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کے لیے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کرتے ہوئے۔ جن سخت آزمائشوں کو پورا کیا تھا۔ ان سب امور پر یال کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا اور ان کے بچوں عمر و سلمہ اور لڑکیوں زینب و درّہ نے زیر بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پرورش پائی۔

فارب

عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ۲ھ ہجرت میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے فارس اور بحرین کے حاکم رہے ۸۱ھ میں وفات پائی۔ سعید بن میتب اور ابوامامہ بن سہل اور عروہ بن زبیر نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔

: سلمہ بن ابوسلمہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ بنت امیر حمزہ کا نکاح کر دیا تھا۔ انہوں نے عبدالملک کے عہد میں وفات پائی۔ ن سے روایت حدیث جاری نہیں ہوئی۔

: زینب بنت ابوسلمہ کا نکاح عبداللہ بن زمعہ بن الاسود الاسدی کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ اپنے زمانہ میں سب عورتوں سے زیادہ قیہ تھیں اور ان کی ولادت حبش میں ہوئی تھی جب ان کے والدین ہجرت حبش کر کے مکے سے گئے تھے۔

ان کا بیان ہے کہ یہ ابھی بچی ہی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یارسے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینکے۔ جس کی یہ برکت ہوئی کہ ان کے چہرے کی رونق اور تازگی تا زندگی شباب جیسی ہی قائم ہی۔

---

[1] الٰہی میرے کنبہ کی اچھی طرح نگہداشت فرمانا۔ الاستیعاب، حرف العین: ۲/ ۳۴۰ عبداللہ بن عبدالأسد۔

یوم الحرہ میں ان کے دونوں بیٹے مارے گئے تھے دونوں کی لاشیں ان کے سامنے رکھی ہوئی تھیں زینب نے کہا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ واللہ ان دونوں کا مرنا میرے لیے بڑی مصیبت ہے لیکن ایک کی مصیبت دوسرے کی مصیبت سے بڑھ کر ہے۔ پہلا تو گھر میں رہا۔ اور اس نے جنگ سے اپنے ہاتھ کو روکا اور مظلوم مارا گیا۔ مجھے امید ہے کہ اسے جنت ملے گی۔ دوسرے لڑکے نے ہاتھ نکالا لڑا اور مارا گیا اب میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور یہی وہ امر ہے جسے میں مصیبت عظمیٰ سمجھتی ہوں۔

۴: ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت ام سلمہ سے ایک حدیث موسیٰ بن عقبہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت اور اپنی مرسلہ ہدایا کی واپسی کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔

۵: درہ بنت ام سلمہ کا ذکر صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم درہ سے نکاح کرنے والے ہیں۔ فرمایا: اگر وہ میری ربیبہ بھی نہ ہوتی، تب بھی وہ حلال نہ تھی۔ اس کا باپ ابوسلمہ تو میرا دودھ کا بھائی تھا۔

۶: زہیر، عامر، عبداللہ، مہاجر ام المومنین کے بھائی ہیں اور عبداللہ و معبد برادرزادے اور عبداللہ بن زمعہ بھانجے ہیں۔ زہیر کا حال نہیں ملا۔

۷: عبداللہ کی ماں عاتکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ یہ ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید العداوت تھا۔ لیکن عام الفتح کو توفیق ازلی سے قبل از فتح مکہ مدینے کو روانہ ہوئے اور راہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقی ہو کر اسلام لائے۔ اور عفو تقصیرات سے شادکام ہوئے فتح مکہ اور حنین اور غزوۂ طائف میں شامل اور طائف ہی میں تیر کھا کر شہید ہوئے۔

۸: عامر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔

۹: مہاجر، حضرت ام سلمہ کے برادر شقیق ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حارث بن عبد کلال حمیری شاہ یمن کے پاس بطور سفارت بھیجا تھا اور پھر صدقات کندہ اور صدف کا عامل بھی بنا دیا تھا اور پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو یمن کی حکومت پر بھیجا تھا۔ اور حضر موت میں قلعہ نجیر انہی نے فتح کیا تھا۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ۵۹ھ کو بعمر ۸۴ سال ہوا۔ بعض نے ۶۰ھ میں روایت کیا ہے۔ مرویات ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کتب احادیث میں حسب ذیل ہیں:

صحیحین میں	۱۳
صرف صحیح بخاری میں	۳
صرف صحیح مسلم میں	۱۳
دیگر کتب حدیث میں	۳۴۹ ..... کل ۳۷۸

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی ولید کی وفات پر یہ اشعار فرمائے تھے:

يَا عَيْنُ فَابْكِي الْوَلِيْدَ [1] ابْنَ الْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَه

قَدْ كَانَ غَيْثًا فِي السِّنِيْنَ وَرَحْمَةً فِيْنَا مُنِيْرَه

ضَخْمَ الدَّسِيْعَةِ مَاجِدًا يَسْمُوْا إِلَى طَلَبِ الْوَتِيْرَه

[1] ولید بن ولید حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کے بڑے بھائی اور ان سے مقدم الاسلام ہیں۔ حضرت خالد کو رغبت اسلام انہی نے دلائی تھی۔ الاستیعاب۔

مِثْلُ الْوَلِيْدِ بْنِ الْوَلِيْدِ إِلَى الْوَلِيْدِ كَفَى الْعَشِيْرَه ❶

ولید بن ولید اور خالد بن ولید اور ہشام بن ولید اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دادا ایک ہے یعنی مغیرہ۔

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

زینب بنت جحش بن ایاب بن یعمر بن ہبیرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن خزیمۃ الاسدی ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب نبی ﷺ کی پھوپھی ہیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نسب عالی

ان کا پہلا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نسب آبائی قضاعہ تک منتہی ہوتا ہے اور ان کی ماں کا نسب بھی معن بن طی سے ملتا ہے گویا حضرت زید رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین تھے مگر لڑکپن میں ایک گروہ نے ان کو اٹھا لیا اور سوق حباشہ میں (جو مکہ کے قریب سالانہ منڈی لگا کرتی تھی) فروخت کیا۔ حکیم بن حزام ان کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید لائے۔ جب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی ﷺ کے ساتھ ہوا تب انہوں نے نبی ﷺ کو زید رضی اللہ عنہ ہبہ کر دیئے۔ زید رضی اللہ عنہ کے والدین ان کی تلاش میں تھے۔ وہ پتہ لگاتے لگاتے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور نبی ﷺ سے درخواست کی کہ زید کو واپس دیا جائے۔ نبی ﷺ نے منظور فرما لیا۔ مگر زید رضی اللہ عنہ پر نبی ﷺ کے الطاف و اشفاق کا اس قدر گہرا اثر تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور ماں باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ان کے والدین نے بھی جب دیکھا کہ ان کا بیٹا اس گھر میں بحالتِ غلامی نہیں بلکہ فرزندانہ تربیت پا رہا ہے تو وہ بھی مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ نبی ﷺ کی الفت و محبت دیکھ کر زید کو زید بن محمد ﷺ کا خطاب مل گیا تھا۔ یہ سب واقعات بعثت نبوت سے پیشتر کے ہیں۔ نبوت کے بعد جن امور کی اصلاح نبی ﷺ نے فرمائی ان میں غلاموں کی حالت کی درستی بھی تھی۔

ہر شخص آزاد پیدا ہوتا ہے

نبی ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''لوگو! تم نے ان کو غلام کیونکر بنا لیا ماں کے پیٹ سے تو یہ آزاد پیدا ہوئے تھے۔'' ❷ عملی طور پر یہ ثابت کرنے کے لیے غلامی کا جھوٹا خطاب کوئی وقعت نہیں رکھتا اور کوئی شخص صرف اس وجہ سے کسی کا غلام نہیں ہو سکتا کہ اسے ایک نے زبردستی پکڑ کر بیچ ڈالا ہو اور دوسرے نے چند درہم دے کر خرید لیا ہو۔ نبی ﷺ نے ایک برترین مثال قائم فرمانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ یہ تجویز فرمائی کہ اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش کا نکاح زید سے کر دیں۔ یہ تجویز فی الواقع اسی غرض کے لیے تھی کہ غلامی کے عارضی خطاب کی حقارت ہمیشہ کے لیے دفن کر دی جائے اور کوئی شخص کسی شخص کو اس کے جائز حقوق انسانیت سے اس لیے محروم نہ ٹھہرائے کہ وہ کبھی خریدا یا بیچا گیا تھا۔ جو لوگ خاندانی غرور و تکبر پر مٹنے والے تھے۔ وہ سید ولد آدم اور مصلح اعظم ﷺ کی

---

❶ الاصابة، حرف الواو: ٣/ ٦٠٣۔

❷ یہ بات مرفوعاً نہیں ہے بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے دیکھئے فتوح مصر ص ١٩٥۔

اس تجویز پر آسانی سے متفق نہ ہو سکتے تھے اس لیے زینب اور ان کے اقربا نے بھی اس رشتہ سے انکار کیا۔ [1] مگر نبی ﷺ نے جس اصلاح کا عزم فرمالیا اور جس بہترین مثال کے قائم کرنے کا قصد کر لیا تھا، اس پر برابر قائم رہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی اس آیت کا نزول ہو گیا:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ [2]

''جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ فرما دے۔ تب کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس کام میں اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا۔''

اس حکم کے بعد اقربائے زینب اور زینب رضی اللہ عنہا نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے سامنے اپنے ذاتی اور قومی خیالات کو چھوڑ دیا اور اس نکاح کا ہونا انسانیت پر احسان عظیم ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی خاص تعریف کی مستحق ٹھہریں۔ اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضرت زینب کی شاندار زندگی سے ایک دوسری اصلاح کو مشتمل فرمائے۔

عام طور پر مختلف ممالک میں یہ رواج چلا آتا تھا کہ جب کسی شخص کے اولاد نہ ہوتی تو وہ کسی دوسرے کے فرزند کو لے کر اپنا فرزند بنا لیا کرتا۔ جسے متبنیٰ کہا جاتا۔ اس کے بعد شخص متبنیٰ اپنے باپ کی جانب اپنے آپ کو منسوب نہ کیا کرتا اور فرزندی میں لینے والا شخص اسے اپنا بیٹا کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

یہ رسم فی الحقیقت قدرت خداوندی کا گستاخانہ جواب تھی۔ متبنیٰ کرنے والا شخص گویا اللہ سے یہ کہا کرتا تھا کہ اگر تو نے مجھے فرزند نہیں دیا تو کیا ہوا۔ یہ دیکھ میں نے بیٹا حاصل کر ہی لیا۔ اس کے علاوہ:

تبنیت کے کڑوے پھل

(الف) اس رسم کا خاندانی وارثان بازگشت کے حقوق پر زہریلا اثر پڑتا تھا۔ کیونکہ ورثاء تو حقیقی طور پر وارث ہوتے تھے اور یہ محروم کنندہ مصنوعی طریقہ سے وارث بنایا جاتا تھا۔ خصوصاً جب املاک و جائیداد جدی پیدا کردہ ہوتی تھیں۔ تب رسم تبنیت سے تمام خاندان میں خصومتوں اور عداوتوں کی بنیاد قائم ہو جاتی تھی اور کبھی ختم نہ ہونے والے جھگڑے برپا ہو جاتے تھے۔

(ب) بننے والے فرزند جو شجرۂ خاندان سے شاخ بریدہ کی مانند ہوتا تھا، اسکے دل اور روح میں یہ حقیقت ہمیشہ خار کی طرح کھٹکتی رہتی تھی کہ اس نئے خاندان سے سچ مچ اس کا کوئی تعلق خون کا نہیں بلکہ اس دکھاوے کی ساری دنیا ظاہری اور اوپری رسوم پر ہے۔ وہ اگر اپنے برادران حقیقی کو اچھی حالت میں دیکھتا تو ان پر حسد رکھتا تھا اور اگر اس کے برادران حقیقی اسے اچھی حالت میں دیکھتے تو اس سے حسد کیا کرتے تھے۔

(ج) متبنیٰ کرنے والا اگرچہ متبنیٰ کو اس کے لڑکپن میں بڑے لاڈ، چاؤ سے پرورش کیا کرتا لیکن اس کے بلوغ کے بعد جب دیکھتا کہ اس شخص کے خاندانی اوصاف سے وہ متبنیٰ کس قدر معرا ہے اور اس کے اقارب کے ساتھ اس کو کس قدر بیگانگی ہے۔ اس کا دل

---

[1] سنن الدارقطني، كتاب النكاح، باب المهر، حديث: ٣٧٥٤، مطبوعة دار الكتب العلمية بيروت۔

[2] ٣٣/ الاحزاب: ٣٦۔

بھی بجھ جاتا۔

(د) ادھر اس کا اصلی باپ جس نے اپنے ثمرۃ الفواد سے خود محرومی گوارا کی تھی۔ اور جس کے قلبی تعلق کو ظاہری رسوم قطع نہیں کر سکتی ہیں۔ جب دوسرے گھر میں اپنے فرزند کو کسی مصیبت میں دیکھتا تو جھٹ اس مصیبت کو اپنے ہی فعل کا نتیجہ قرار دیتا اور اس پر وہ خود اپنے کو ملامت کرتا اور اپنے کیے پر پچھتاتا۔

تبنیت کی تشبیہ خضاب سے

ان تمام احوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تبنیت کا مصنوعی اثر ہر جگہ کڑوا پھل ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہاں اس بناوٹی حالت کو خضاب کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جس کی بابت کوئی شاعر کہہ گیا

ع آخر تو کھل ہی جاتی ہے، رنگت خضاب کی

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اسلام اس رسم زبوں کی بھی اصلاح کرے اور اللہ کا رسول ﷺ جو عالم کے لیے رحمت اور دنیا کے لیے مصلح اعظم ہے۔ خود اپنی نورانی شخصیت اور وجودِ پاک سے ایک زبردست برہان اس کے بطلان پر قائم فرمائے۔ قرآن مجید میں بہت پہلے سے یہ نازل ہو چکا تھا۔

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ ❶

''محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کا بھی باپ نہیں ہے۔''

نیز قرآن مجید میں بہت پہلے یہ نازل ہو چکا تھا:

﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ ﴾ ❷

''اللہ نے تمہارے منہ بولے شخصوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا۔ یہ تمہاری باتیں اپنے ہی منہ کی ہیں اور اللہ سچ سچ فرماتا ہے اور سیدھے رستے پر چلاتا ہے ایسے شخصوں کو ان ہی کے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ اللہ کے ہاں یہی بات ٹھیک انصاف کی ہے۔''

محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی دنیا بھر کے لیے نمونہ ہے

ہر دو آیات بالا میں نہایت وضاحت اور زور قوت سے اس جھوٹی رسم کا بطلان کر دیا گیا تھا جس کے اندر نہ صرف اکیلا عرب بلکہ سارا جہاں گرفتار تھا۔ لیکن رسم اتنی قدیم تھی اور اس قدر مستحکم تھی کہ اس کے ساتھ ایک زبردست نمونہ کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرما چکا تھا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ ❸

کہ ساری دنیا کے لیے زندگی کا بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لیے اس جہالت کا پہاڑ اکھاڑ پھینکنے اور بطلان کا

---

❶ ۳۳/ الاحزاب: ۴۰۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب: ۴ تا ۵۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب: ۲۱۔

سمندر پاٹ دینے کے لیے نبی ﷺ ہی کو نمونہ بنایا گیا اور اس کی تقریب یہ ہوئی کہ زینب کی اپنے شوہر کے ساتھ نہ بنی وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو اپنے حلم وتقویٰ سے ام ایمن جیسی بیوی کے ساتھ (جو عمر میں زید سے قریباً دو چند بڑی بیوہ اور حبشی الاصل تھی) خوش خوش زندگی بسر کر رہا تھا۔ زینب کے ساتھ بسر نہ کر سکا اور نوبت بجائے رسید کہ نبی ﷺ کے گوش مبارک تک انہوں نے شکایت پہنچائی۔ نبی ﷺ نے زید کو ﴿ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ ﴾ ❶ کی نصیحت فرمائی اور ﴿ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ ❷ کہہ کر اسے زیادہ برداشت کے لیے آمادہ بھی کیا۔

خاوند بیوی کا رشتہ

لیکن خاوند بیوی کا عجب رشتہ ہے کہ جب دل پھٹ جاتا ہے تو کوئی نصیحت بھی کارگر نہیں ہوتی۔ زید نے زینب کو طلاق دے ہی دی اس طلاق کا اثر زینب اور اس کے خاندان پر کیا ہوا ہو گا؟ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ تو زید کو پہلے ہی سے اس شادی کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا تھا، اپنے پسند واختیار کو چھوڑ کر صرف حکم الٰہی اور رسول پر عمل کیا تھا۔ اور یہ بات ان کے سان گمان سے بھی باہر تھی کہ حکم الٰہی اور رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق کی ذلت بھی اٹھانی پڑے گی اور اسے دنیا کے منہ سے یہ بھی سننا پڑے گا کہ اس میں شوہر کی اطاعت کی قابلیت ہی نہیں۔

اس طلاق کا نبی کریم ﷺ پر کیا اثر ہوا ہو گا؟ اول تو حضور ﷺ کی اس مصلحت دینیہ کو صدمہ پہنچا جس کے استحکام کے لیے اس نکاح پر حضور ﷺ نے زور دیا اور اپنے خاندان کی ممتاز عورت کو ایک ایسے شخص سے تزویج پر رضامند کیا جو غلام ہو کر بکا تھا۔ اور مولی ❸ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ دوم زینب رضی اللہ عنہا اور اس کے خاندان والوں کی اطاعت اور اس اطاعت کے ضمن میں ان کی آماج مصیبت ہونے کا واقعہ بھی حضور ﷺ کے رحم پرور قلب کے لیے کچھ کم صدمہ رساں نہ تھا۔ اس پیچیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ کی وحی قرآنی حضور ﷺ کو مطلع کرتی ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کا درجہ عطا کیا گیا اب اللہ کا نبی ﷺ بذاتِ خود اس کی دل شکنی کا معاوضہ ہو گیا۔

جواز تبنیت میں کوئی تاویل نہیں چل سکتی

اللہ اکبر! ایک وقت تھا۔ جب ایک رسم کی پابندی نے زینب رضی اللہ عنہا کو زید سے شادی کرنے میں روک دیا تھا اور ایک وقت وہ ہے جب رسم کے اندر پھنسے ہوئے عوام کے خیال سے نبی ﷺ نے حضرت زینب سے شادی کرنے میں تامل فرمایا لیکن اللہ کا حکم پورا ہوا۔ اور نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بطور زوجہ قبول فرمایا۔ اب متبنیٰ گری کی اس رسم کی جڑیں کٹ گئیں جس نے دنیا بھر کو مغالطہ میں ڈال رکھا تھا۔ اس بطلان کے بت کو چکنا چور کر کے سمندر میں پھینک دیا گیا۔ کیونکہ اسلام قرار دے چکا تھا کہ فرزند کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس کے باپ پر حرام ہوتی ہے۔ اب کہ زید کی بیوی کو حکم قرآنی سے نبی ﷺ کی بیوی بنا دیا گیا تو تبنیت کی تائید میں کسی بھی چھوٹی بڑی تاویل کی گنجائش نہ رہی۔ کچھ تعجب نہیں کہ اس زمانہ کے کافر اپنی پرانی رسم کو برباد ہوتے دیکھ کر رو دیے

---

❶ ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے۔'' (الاحزاب ع ۵) ❷ ''اللہ سے ڈر۔'' ۳۳/ الاحزاب: ۳۷۔

❸ آزاد کردہ غلام کو مولیٰ کہتے ہیں۔

چلائے ہوں۔ اور انہوں نے اس جھوٹی رسم کا رونا روتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن پاک کی شان میں اس رسم کے قائل ہونے کی وجہ سے کچھ کچھ الفاظ کہے ہوں۔ لیکن آپ تعجب کریں گے کہ اب ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ عیسائی لوگ اور مسیحی مناد اس قصہ سے اپنی ناراضگی ظاہر کیا کرتے ہیں۔

عیسائی اس قصہ پر کیوں معترض ہیں؟

ہمارے لیے قابل غور یہ امر ہے کہ عیسائیوں کو اس واقعہ سے رنجیدہ وملول ہونے کی خاص وجہ کیا ہے؟ کیا تورات نے تبنیت کو حق ٹھہرایا ہے؟ کیا مسیح علیہ السلام نے تبنیت کو جائز تسلیم کیا ہے؟ اور ایک حرف بھی اس کے جواز میں کہا ہے؟ اگر نہیں تو عیسائیوں کو کیوں رنج ہے؟

ہاں رنج کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک نکاح سے نہ صرف کافروں کی رسم تبنیت ہی کا بطلان ہوا۔ بلکہ تثلیث کا بطلان بھی ساتھ ساتھ ہو گیا۔ کیونکہ جب اسلام نے ثابت کر دیا کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کا بیٹا کہنا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان خون کا رشتہ نہ ہو، بالکل جھوٹ اور باطل اور کامل افترا و بہتان ہے۔ تب یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک انسان کو اللہ کا بیٹا کہنا قطعاً وحتماً باطل ہے۔ پورا پورا افترا ہے اور صریح بہتان ہے اور کھلم کھلا دروغ۔ کیونکہ انسان کو اللہ کے ساتھ کوئی مشابہت ہے ہی نہیں، یہ جسم اور روح سے مرکب انسان جو سیکڑوں حوائج انسانی کا محتاج ہے۔ جو ایک دن پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے نہ تھا جو ایک دن مر جائے گا وہ لقمہ فنا ہو گا۔ کیونکر اس حی القیوم زندہ اللہ کا فرزند ہو سکتا ہے جس کی ذات سرمدی ازل سے بھی اول اور ابد سے بھی آخر ہے۔

پس یہی ہے وہ راز جس کی وجہ سے عیسائی واعظین اس قصے سے زیادہ ناراض رہا کرتے ہیں ہمارا مقصد اس جگہ صرف زینب رضی اللہ عنہا کی سیرت لکھنے کا تھا اور ہم کو اپنی تحریر صرف مقصود کے اندر محصور رکھنی چاہیے۔ تمام قصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وجود تعلیم اسلام کے اظہار اور رسوم ضالہ کے ابطال میں بہت بڑی برکت ثابت ہوا ہے اور اسی لیے صدیقہ امت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طیبہ ان کی شان میں فرمایا کرتی تھیں:

هِيَ الَّتِيْ تُسَاوِيْنِيْ فِي الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ [1]

''زینب رضی اللہ عنہا ہی ہے جو بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں میری منزلت میں برابر برابر تھی۔''

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اس وقت ان کی عمر ۳۶ [2] سال کی تھی اور اسلام میں حجاب کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔ ان دونوں فقروں کو یاد رکھنے کے بعد کوئی شخص اس لغو داستان کو باور نہ کر سکے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حسن کو دیکھ کر ان پر مائل ہو گئے تھے زینب رضی اللہ عنہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آنکھوں کے سامنے پلیں بڑھیں ان کی شکل وصورت کیونکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ خصوصاً جب پردے کا حکم بھی ابھی جاری نہ ہوا تھا۔ پھر ۳۶ سالہ عورت کا حسن اور وہ بھی عرب جیسے گرم ملک کی عورت جہاں عورتوں کا شباب

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک، حدیث: ٤١٤١ اس کے ہم معنی روایت الاستیعاب، کتاب النساء، حرف الزای: ٣٠٨/٤۔

[2] انسان العیون نے ۳۵ سال کی بتائی ہے۔ مگر حساب سے ۳۶ سال نکلتی ہے۔

جلد ڈھل جاتا ہے۔ ایسا کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ (ایک آزاد کردہ غلام) تو اس سے بیزار ہو جائے اور سید الانبیاء امام الاتقیاء اس پر شیفتگی کا اظہار کریں عقل اور عادت، تجربہ اور مشاہدہ ایسی واہی باتوں کی تکذیب کے لیے کافی ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ ❶ اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال کی تھی ان کی کنیت ام الحکم لکھی ہوئی ہے۔ ❷

اقارب

ان کے تین بھائی عبداللہ (المجدع فی اللہ) ابواحمد عبداللہ اور عبیداللہ اور تین بہنیں زینب، حمنہ، اور ام حبیبہ ہیں۔

ا: عبداللہ بن جحش نہایت قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ سے مشرف ہوئے ان کو ۲ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطن نخلہ کی جانب ۱۲ مہاجرین پر افسر کر کے روانہ کیا اور امیر المومنین کے خطاب سے معزز فرمایا۔ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور احد ہی میں شہید ہو کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی قبر میں مدفون ہوئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ احد سے پہلے مجھ سے عبداللہ نے کہا۔ آؤ ہم اللہ سے اپنی اپنی آرزوؤں کی دعا کریں۔ میں نے کہا اچھا۔ ہم ایک کنارہ ہو گئے۔ پہلے میں نے دعا کی الٰہی جب کل دشمن سے مقابلہ ہو تو میرا مقابلہ ایسے شخص سے ہو، جو حملہ میں بھی سخت ہو اور مدافعت میں بھی پورا ہو میں اور وہ لڑیں۔ میرا لڑنا تیرے لیے ہو پھر مجھے فتح ملے۔ میں اسے قتل کروں اور اس کا سامان لے لوں۔ میری اس دعا پر عبداللہ نے کہا آمین۔

ایک شہید کی تمنا اور دعا

پھر عبداللہ نے اپنے لیے دعا کی:

أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي غَدًا رَجُلًا شَدِيْدًا بَأْسُهُ شَدِيْدًا حَرْدُهُ أُقَاتِلُهُ فِيْكَ وَيُقَاتِلُنِي فَيَقْتُلُنِي ثُمَّ يَأْخُذُنِي فَيَجْدَعُ أَنْفِي وَأُذُنِي فَإِذَا لَقِيْتُكَ قُلْتَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ فِيْمَ جُدِعَ أَنْفُكَ وَأُذُنُكَ؟ فَأَقُوْلُ: فِيْكَ وَفِي رَسُوْلِكَ فَتَقُوْلُ صَدَقْتَ۔ ❸

''الٰہی کل ایسے مرد سے جوڑ ہو جو حملہ اور مدافعت میں کامل ہو، ہم دونوں لڑیں میرا لڑنا تیری راہ میں ہو پھر وہ مجھے قتل کر ڈالے، پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ ڈالے پھر جب میں تیرے سامنے حاضر ہوں، تو تو دریافت فرمائے کہ عبداللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تب میں عرض کروں تیری راہ میں اور تیرے رسول کی راہ میں۔ تب تو فرمائے کہ ہاں سچ کہتا ہے۔''

سعد کا قول ہے کہ عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ چنانچہ یہ بزرگوار اسی کیفیت سے شہید ہوئے بطن نخلہ کے متعلق ان کے اشعار ہیں:

---

❶ الاستیعاب، کتاب النساء، حرف الزای: ٤/ ٣٠٩۔ ❷ مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق رحمہ اللہ ج ۲ ص ۶۰۷۔ مگر اس کنیت کی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ صرف توصیفی کنیت ہو۔ ❸ الاستیعاب، حرف العین، باب عبداللہ: ٢/ ٢٦٥۔

ایک قوم کی آزادیٔ مذہب کا سلب کر لینا قتل واحد سے زیادہ سخت ہے

تُعِدُّوْنَ قَتْلاً فِی الْحَرَامِ عَظِیْمَةً
حرمت کے دنوں میں قتل کو بہت بڑا سمجھتے ہو، لیکن اگر کوئی

وَأَعْظَمَ مِنْهُ لَوْ یَرَی الرُّشْدُ أَرْشَدُ
عقل والا غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ قتل سے بھی بڑھ کر یہ ہے۔

صَدُوْدُکُمُوْ عَمَّا یَقُوْلُ مُحَمَّدٌ
کہ تم لوگوں کو محمد ﷺ کی تعلیم سے روکتے اور خود کفر پر اڑے ہوئے ہو

وَکُفْرٌ بِهٖ وَاللّٰهُ رَاءٍ وَشَاهِدُ
اللہ تمہاری حالتوں کو دیکھ رہا ہے (وہاں قتل سے بھی بڑھ کر تمہارا یہ فعل ہے)

وَإِخْرَاجُکُمْ مِنْ مَسْجِدِ اللّٰهِ أَهْلَهٗ
کہ تم نے مسلمانوں کو بیت اللہ سے اس لیے نکال دیا کہ اللہ کو سجدہ کرنے والا ایک شخص

لِئَلَّا یُرٰی لِلّٰهِ فِی الْبَیْتِ سَاجِدُ
بھی نظر نہ آئے (مطلب ہے کہ ایک قوم کی آزادی مذہب کا سلب کر لینا قتل واحد سے زیادہ سخت ہے)

فَإِنَّا وَإِنْ عَیَّرْتُمُوْنَا بِقَتْلِهٖ
اگر چہ تم اس قتل پر ہم کو الزام لگاتے ہو اور اسلام

وَأَرْجَفَ بِالْإِسْلَامِ بَاغٍ وَحَاسِدُ
کی بابت ہر ایک باغی و حاسد نے بہت کچھ بکواس بھی کی ہے

سَقَیْنَا مِنِ ابْنِ الْحَضْرَمِیِّ رِمَاحَنَا
لیکن بات یہ ہے کہ جب (خواہ مخواہ) جنگ کرنے والے نے جنگ کی آگ کو سلگایا

بِنَخْلَةٍ لَمَّا أَوْقَدَ الْحَرْبَ وَاقِدُ [1]
تب ہم نے نخلہ میں اپنے نیزے کو ابن الحضرمی کے خون سے سیراب کیا

۲: ابو احمد عبد اللہ شاعر تھے انہوں نے بھی ہجرت حبشہ و مدینہ کی تھی ان کی ظاہری آنکھیں نہ تھیں فارعہ بنت ابوسفیان اموی ان کے گھر میں تھیں۔ ۲۰ھ میں اپنی بہن ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے بعد وفات پائی۔ ہجرت کے متعلق ان کے اشعار ہیں:

لَمَّا رَأَتْنِیْ أُمُّ أَحْمَدَ غَادِیًا
جب میری بیوی ام احمد نے مجھے دیکھا کہ میں اللہ کے بھروسے پر

بِذِمَّةِ مَنْ أَخْشٰی بِغَیْبٍ وَأَرْهَبُ
سفر کو تیار ہوں وہ اللہ جس سے میں بن دیکھے ڈرتا ہوں

تَقُوْلُ فَإِمَّا کُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا
تب اس نے کہا اگر یہاں سے جانا ہی ہے تب

فَیَمِّمْ بِنَا الْبُلْدَانَ وَلْتَنْأَ یَثْرِبُ [2]
ہمیں کسی اور شہر میں لے چل اور یثرب کا خیال چھوڑ دے

فَقُلْتُ لَهَا بَلْ یَثْرِبُ الْیَوْمَ وَجْهُنَا
میں نے کہا اب تو یثرب ہی ہمارا مقصود ہے

وَمَا یَشَاءُ الرَّحْمٰنُ فَالْعَبْدُ یَرْکَبُ
اور عبداللہ تو ادھر ہی جائے گا جدھر رحمٰن چاہتا ہے

إِلَی اللّٰهِ وَجْهِیْ وَالرَّسُوْلُ وَمَنْ یُقِمْ
إِلَی اللّٰهِ یَوْمًا وَجْهَهٗ لَا یُخَیَّبُ

---

[1] لما اوقد الحرب واقد کے الفاظ پر غور کرو ان سے صاف ثابت ہے کہ جنگ میں ابتدا مسلمانوں کی جانب سے نہ ہوئی تھی بلکہ قریش کی طرف سے تھی۔
[2] مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت ہو چکی ہے یہ اشعار اس ممانعت سے پہلے کے ہیں۔

میرا رخ اللہ اور رسول ﷺ کی جانب ہے اور جس نے آج اپنا رخ اللہ کی جانب کر لیا وہ خسارے میں نہ رہے گا

فَكَمْ قَدْ تَرَكْنَا مِنْ حَمِيمٍ مُنَاصِحٍ ۔۔۔ وَنَاصِحَةٍ تَبْكِي بِدَمْعٍ وَتَنْدُبُ

ہم نے بہت سے گرم جوش خیر خواہ دوستوں کو چھوڑا اور خیر خواہ بیوی روتی اور چلاتی سے منہ موڑا ہے

تَرٰى أَنَّ وِتْرًا فَائِتًا عَنْ بِلَادِنَا ۔۔۔ وَنَحْنُ نَرٰى أَنَّ الرَّغَائِبَ نَطْلُبُ

جو سمجھتی تھی کہ ہمارا شہر سے جانا تباہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے مقصد کی تلاش میں جا رہے ہیں

دَعَوْتُ بَنِيْ غَنْمٍ لَحِقْنَ دِمَائَهُمْ ۔۔۔ وَلَلْحَقُّ لَمَّا لَاحَ لِلنَّاسِ مَلْحَبُ

میں نے بنی غنم سے کہا کہ خون ریزی سے بچو یہ سچی بات تھی جو سیدھی سڑک جیسی ہے

أَجَابُوْا بِحَمْدِ اللّٰهِ لَمَّا دَعَا هُمُوْا ۔۔۔ إِلَى الْحَقِّ دَاعٍ وَالنَّجَاحِ فَأَوْعَبُوا

الحمد للہ کہ جب حق اور نجات کے لیے داعی نے ان کو بلایا تو انہوں نے کہنا مان لیا اور وہ سب ہجرت کر کے مدینے چلے آئے

وَكُنَّا وَأَصْحَاباً لَنَا فَارَقُوْا الْهُدٰى ۔۔۔ أَعَانُوا عَلَيْنَا بِالسَّلَاحِ وَاجْلَبُوا

اب ہم اور ہمارے وہ پرانے ساتھی جو ہدایت سے دور پڑ کر ہمارے خلاف ہتھیار اور جماعت فراہم کر رہے ہیں

كَفَوْجَيْنِ إِمَّا مِنْهُمَا فَمُوَفَّقٌ ۔۔۔ عَلَى الْحَقِّ مَهْدِيٌّ وَ فَوْجٌ مُعَذَّبُ

دو جماعتیں بن گئی ہیں جن میں سے ایک تو حق پر ہدایت یافتہ اور توفیق یافتہ ہے دوسری گمراہ مخذول اور معذب ہے

طَغَوْا وَتَمَنَّوْا كِذْبَةً وَأَزَلَّهُمْ ۔۔۔ عَنِ الْحَقِّ إِبْلِيْسُ وَخَابُوْا وَخَيَّبُوا

انہوں نے سرکشی کی اور خوب جھوٹ کے طوفان باندھے اور شیطان نے ان کو حق سے پھسلایا یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا

وَرُعْنَا إِلَى قَوْلِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ فَطَابَ وُلَاةُ الْحَقِّ مِنَّا وَطَيَّبُوا

ہم تو محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمودے پر جھک پڑے ہیں اور ان حق کے فدائیوں کے حالات اور افعال پاک بن گئے ہیں

تَمُتُّ بِأَرْحَامٍ إِلَيْنَا قَرِيْبَةٍ ۔۔۔ وَلَا قُرْبَ بِالْأَرْحَامِ إِذْلَا تَقَرُّبُ

ہم نے قریب کی رشتہ داریوں سے توسل ڈھونڈا۔ مگر رشتہ داری کب کام آتی ہے جب رشتہ دار ہی قریب نہ آئیں

فَأَيُّ ابْنُ أُخْتٍ بَعْدَنَا يَأْمِنُكُمْ ۔۔۔ وَأَيَّةُ صِهْرٍ بَعْدَ صِهْرِيْ مُرَقَّبُ

بتاؤ کہ ہمارے بعد اب کون سا بھانجا ہوگا جو تم پر بھروسہ کرے گا اور کون سا داماد ہوگا جو تم سے فلاح کی امید کرے گا (کیونکہ میں تو بھانجا بھی تھا اور داماد بھی اور تم نے میرا لحاظ نہ کیا)۔

سَتَعْلَمُ يَوْمًا أَيُّنَا إِذَا تَزَايَلُوْا ۔۔۔ وَزَيَّلَ أَمْرُ النَّاسِ لِلْحَقِّ أَصْوَبُ[1]

عنقریب اس روز جب مومن و مشرک کی الگ الگ جماعت بندی کی جائے گی اور ہر ایک کی حالت نمایاں کی جائے گی یہ دشمن جان

---

[1] منقول از حسن الصحابة مطبوعة قسطنطنية: ١٣٢٤ھ۔

لیں گے کہ ہم میں سے حق پر کون تھا۔

۳: عبیداللہ بن جحش جو بھائیوں کے ساتھ حبش چلا گیا تھا۔ بڑا شرابی تھا۔ عیسائی ہو گیا اور وہیں مر گیا۔

(خواہران ام المومنین)

۴: ام حبیب بنت جحش جس کا اصلی نام حبیبہ ہے۔ زید بن حارثہ کے گھر میں تھیں۔

۵: حمنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (المقری الانصار) کے گھر میں تھیں وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو طلحہ بن عبداللہ نے نکاح کیا محمد اور عمران انکے فرزند ہیں۔

ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا

جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن خزیمہ (وہو المصطلق) من خزاعہ ۵ ھ ہجرت میں غزوہ مریسیع میں اسیر ہو کر آئیں ثابت [1] بن قیس بن شماس القاری نے ان کو اسیر کیا اور پھر مکاتب کر دیا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زر کتابت مانگنے کے واسطے آئیں انہوں نے پہلے تو یہ کہا کہ میں مسلمان ہوں [2] اور پھر بتایا کہ وہ حارث بن ابی ضرار سید قوم کی بیٹی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ ٹھیک نہیں ہے کہ تیرے لیے اس سے بھی بہتر سلوک کیا جائے۔ جویریہ نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا کہ زر کتابت بھی ادا کروں اور تجھ سے خود شادی بھی کر لوں۔ جویریہ نے خوشی سے مان لیا۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بنو المصطلق کے سب قیدیوں کو جو سو سے زیادہ تھے، چھوڑ دیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو گئے ہیں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا۔ [3]

''میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے بڑھ کر برکت والی ہو۔''

ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوئی تھی۔ ربیع الاول ۵۶ ھ میں وفات پائی۔ [4] عمر بوقت انتقال ۶۵/۷۰ سال کی تھی۔ [5]

ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے نماز صبح کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ مصلے پر تھیں۔ بوقت چاشت نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو یہ مصلے ہی پر بیٹھی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تم اسی وقت سے یہاں بیٹھی ہوئی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں نے یہاں سے جانے کے بعد ایسے چار کلمات کہے ہیں کہ اگر ان کو تیرے ورد کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھاری اتریں۔ وہ کلمات یہ ہیں:

---

[1] ثابت رضی اللہ عنہ کو خطیب رسول کہا کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تعش حمیداً و تقتل شہیداً فرمایا تھا یہ جنگ یمامہ میں بعہد خلافت صدیقی شہید ہوئے اس جنگ میں مسلمانوں کی صف میں رخنہ پڑ گیا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ ہم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر عطرِ حنوط لگایا حملہ کیا اور شہادت پر فائز ہوئے جویریہ کو مکاتب کرنے کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ [2] مدارج النبوۃ۔

[3] ابوداود، کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب، حدیث: ۳۹۳۱۔ [4] الاستیعاب، کتاب النساء، حرف الجیم: ۴/ ۲۵۴۔

[5] مدارج النبوۃ، ج۲، ص: ۶۱۳؛ الاصابۃ: ۴/ ۲۵۸۔

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضیٰ نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ)) ❶

ایک دفعہ حضرت جویریہ جمعہ کے دن روزے سے تھیں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں کل بھی روزہ تھا؟ کہا نہیں۔ فرمایا کل کو بھی روزہ رکھنے کی نیت ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا: تو افطار کر دو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے صرف جمعے کے دن روزہ رکھنے کو پسند نہیں فرمایا۔ صحیحین میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے:

((لَا يَصُمْ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَّصُومَ قَبْلَهٗ أَوْ يَصُومَ بَعْدَهٗ)) ❷

''کوئی شخص جمعہ ہی کا روزہ نہ رکھے۔ رکھے تو ایک دن آگے یا پیچھے بھی روزہ رکھے۔''

ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا عابدہ وزاہدہ تھیں۔

مرویات حدیث:۔

صحیح بخاری میں	۲
صحیح مسلم میں	۲
دیگر کتب میں	۳.....کل ۷ ہیں۔ ❸

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن حارث ہیں یہ اپنی قوم کے قیدیوں کی رہائی کے متعلق آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے آئے تھے ان کے ساتھ چند مادہ شتر اور ایک حبشن لونڈی تھی۔ یہ ان سب کو پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چھپا کر چھوڑ گئے تھے جب انہوں نے نبی ﷺ سے رہائی اسیراں کی بابت گفتگو کی تو نبی ﷺ نے فرمایا تم فدیے کے لیے کیا لائے ہو؟ عبداللہ نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ وہ اونٹنیاں کیا ہوئیں؟ لونڈی کدھر گئی؟ جسے تم فلاں جگہ چھپا کر آئے ہو۔ اب تو عبداللہ حیران ہوا، اس نے عرض کیا کہ میرے ساتھ اور کوئی بھی شخص نہ تھا اور مجھ سے پہلے حضور ﷺ کے پاس ادھر سے اور کوئی آیا بھی نہیں۔ میں اسلام لاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ((لك الهجرة ❹ حتى تبلغ برك الغماد)) ❺

ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے بھائی عمرو بن الحارث ہیں ان سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے:

تَاللّٰهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا أَمَةً وَّلَا شَيْئًا إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً۔ ❻

''اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے موت کے وقت نہ اشرفی چھوڑی، نہ روپیہ، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ کوئی اور چیز صرف

---

❶ اخرجه الخمسة الا البخاری؛ ترمذی، کتاب الدعوات، باب ثواب سبحان الله عدد خلقه، حدیث: ۳۵۵۵؛ نسائی، کتاب السهو، باب نوع آخر من عدد التسبیح، حدیث: ۱۳۵۳؛ مسلم، کتاب الذکر، باب التسبیح اول النهار، حدیث: ٦٩١٣؛ ابوداود، کتاب الوتر، باب التسبیح بالحصی، حدیث: ۱۵۰۳۔ ❷ مسلم، کتاب الصیام، باب کراهة افراد یوم الجمعة بصوم، حدیث: ۲٦۸۳؛ بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعة، حدیث: ۱۹۸۵۔

❸ مدارج النبوة، ج۲، ص: ٦۱۳۔ ❹ الاستیعاب حرف العین: ۲/ ۲۷٤۔

❺ برک الغماد ایک مقام کا نام ہے جو مکے سے پانچ منزل پر ہے منتہی الارب۔ ❻ الاستیعاب حرف العین: ۲/ ۵۰۸۔

ایک سفید رنگ کا خچر تھا، یا ہتھیار تھے یا کچھ زمین تھی جسے آپ نے صدقہ فرما دیا تھا۔''

ان کی بہن کا نام عمرہ بنت الحارث ہے جو حدیث: اَلدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ ۔ کی راویہ ہیں۔ [1]

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، رملہ بنت ابوسفیان بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی۔ ان کی ماں صفیہ بنت ابوالعاص بن امیہ ہے۔

نہایت قدیم الاسلام ہیں۔ ان کا پہلا شوہر عبیداللہ بن جحش تھا۔ جو حبش کو ہجرت کر گیا دائم الخمر تھا۔ اس لیے عیسائیوں میں بیٹھ کر عیسائی ہوگیا مگر ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں، اسلام کے لیے انہوں نے باپ، بھائی خویش وقبیلہ اور وطن کو چھوڑا تھا۔ پردیس میں خاوند کا سہارا تھا۔ ارتداد سے وہ بھی جاتا رہا۔ نبی ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو عمرو بن امیہ الفہری کو ملک حبشہ کے پاس بھیجا اسے تحریر فرمایا تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ کا پیام شادی پہنچائے۔ بادشاہ نے اپنی ایک لونڈی جو بادشاہ کے ملبوسات وعطریات کی تحویل دار تھی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس سے پیشتر خواب میں دیکھ چکی تھیں کہ ان کو کوئی شخص ام المومنین کہہ کر پکار رہا ہے، اب لونڈی سے یہ پیغام سن کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شکرانہ میں لونڈی کو اپنا تمام زیور جو جسم پر تھا، عطا فرمایا نجاشی نے مجلس نکاح خود منعقد کی۔ جس میں حضرت جعفر اور دیگر جملہ مسلمان مدعو تھے۔ نجاشی نے خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ الْمُتَكَبِّرِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ الَّذِىْ بَشَّرَبِهٖ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﷺ ۔ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ أَبِىْ سُفْيَانَ فَأَجَبْتُ إِلٰى مَادَعَا إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ۔

اس کے بعد اس نے قوم کے سامنے دینار رکھ دیئے۔

پھر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل تھے، خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهٗ وَأَسْتَعِيْنُهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ أَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْكَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ إِلٰى مَادَعَا إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَزَوَّجْتُهٗ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ أَبِىْ سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔

اس کے بعد نجاشی کی جانب سے جملہ حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔ نجاشی نے بیان کیا کہ انبیا کی سنت یہ ہے کہ تزویج کے بعد کھانا ہوتا ہے۔ [2]

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ھ میں مدینے میں وفات پائی۔ وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

---

[1] الاستیعاب حرف العین، کتاب النساء: ٤/ ٣٥٢۔ ترجمہ یہ ہے: دنیا شاداب وشیریں لگتی ہے۔

[2] الاستیعاب، مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب ذکر ام حبیبۃ: ٤/ ٢١۔

سے کہا کہ سوت عورتوں کے درمیان کبھی کچھ نوک جھونک ہو جایا کرتی ہے جو کچھ میں نے کہا سنا ہو مجھے معاف کر دو۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے معاف کرتی ہیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے مجھے شادمان کیا۔ اللہ تم کو شادمان کرے۔

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، پاکیزہ ذات، حمیدہ صفات، جواد و عالی ہمت تھیں۔

ان کی مرویات حسب ذیل ہیں۔

متفق علیہ	۲
صحیح مسلم	۱
دیگر کتب احادیث	۶۲ .... کل ۶۵

ان کی بیٹی حبیبہ، ربیبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ مکہ میں پیدا ہوئی تھیں اور والدین کے ساتھ ہجرت حبشہ کی تھی۔

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے وہ قصہ ہے، جسے ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ امام اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ ان کا باپ ابوسفیان تجدید صلح کے لیے مدینہ منورہ میں آیا اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گیا۔ ابوسفیان بستر پر بیٹھنے لگا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا بیٹی! میں نہیں سمجھا کہ تو بستر کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہے یا مجھے بستر سے۔ ام المؤمنین نے فرمایا۔ اے باپ! یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، تو مشرک ہے اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے کھسیانا ہو کر کہا کہ بیٹی تو ہم سے جدا ہو کر بگڑ گئی۔ [1]

اللہ اکبر! یہ نمونہ ہے اس ایمان کامل کا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ام المؤمنین کے درجے پر ممتاز فرمایا، اور یہی ہے وہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کے بغیر کبھی کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

((لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ)) [2]

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک میری محبت اس کو اس کی اولاد اور مادر پدر اور دیگر جملہ اشخاص سے بہت زیادہ نہ ہوگی۔"

اقارب

☆ ابوسفیان صخر بن حرب ان کا باپ ہے جو ابتدا میں مشہور دشمن اسلام اور جاہلیت میں مشہور سرداران قریش میں سے تھے۔ غزوہ احد میں بھی کافروں کی فوج کا سردار تھا۔ اور غزوۂ خندق میں بھی قریش اور حلفائے قریش اس کے ماتحت تھے۔

قریش کا سب سے بڑا نشان جس کا نام عقاب تھا۔ وہ اس کے خاندان اور اسی کے پاس ہوا کرتا تھا۔ فتح مکہ سے ایک دو روز پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر جنگ حنین اور طائف میں ہمرکاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے۔ جنگ یرموک میں نہایت استقامت دکھائی اور رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو کمال دلیری اور جرأت سے بڑھاتے رہے ۳۳ھ میں بعمر ۹۶ سال وفات پائی۔ ولادت عام الفیل سے دس سال پہلے کی تھی۔

☆ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی یزید بن ابوسفیان ہیں جو یزید الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ فتح مکہ کے دن مسلمان

---

[1] جلاء الافهام لابن قیم المتوفی، ۷۵۱ھ صفحہ: ۱۲۸ ذکر أزواجه۔

[2] بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، حدیث: ۱۵۔

ہوئے تھے اور عمدہ اسلام سے مشرف تھے۔ فتح شام کے لیے جن سرداروں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مامور کیا تھا ان میں سے یہ بھی تھے۔ انہوں نے ۱۹ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ اس وقت کل شام کے حاکم یہی تھے۔

☆ ام المومنین کے بھائی دوسری ماں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ۲۰ سال تک شام کی امارت ماتحت خلافت اور پھر ۱/۲ ۱۹ سال تک شام کی سلطنت کی۔ یہ سلطنت بنی امیہ کے بانی تھے ۲۲ رجب ۶۰ھ کو ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆ حبیبہ بنت ام حبیبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں۔ حبش سے والدہ کے ساتھ آئی تھیں۔ ان کی زندگی کا کوئی خاص واقعہ نہیں ملا۔

ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا

صفیہ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ سبطِ ہارون علیہ السلام سے ہیں۔ ان کی ماں کا نام برہ بنت سموال تھا۔ ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے، دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ وہ جنگ خیبر میں مارا گیا تھا اور حضرت صفیہ اس جنگ کے سبایا میں تھیں۔ دحیہ کلبی [1] نے عرض کی کہ مجھے ایک لونڈی مل جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لے لو۔ انہوں نے صفیہ کو لینا چاہا اس میں اختلاف ہو گیا لوگوں نے کہا کہ بنوقریظہ اور بنونضیر کی سیدہ ہے اور ایسی عورت دحیہ کو مل جانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لوگوں نے یہ بھی کہا۔ بہتر ہے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے خاص فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد فرما دیا اور نکاح کر لیا۔

ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صفیہ رو رہی ہیں۔ پوچھا کیوں روتی ہو؟ انہوں نے کہا، میں نے سنا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا مجھے حقیر سمجھتی ہے اور اپنے لیے بطور فخر کہتی ہیں کہ ہمارا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے بہتر کیونکر ہو سکتی ہو۔ میرا باپ ہارون علیہ السلام اور میرا چچا موسیٰ علیہ السلام ہے اور میرا شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے [2] صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَعَلٰى هَارُوْنَ وَعَلٰى مُوْسٰى وَعَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔

ایک بار حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی کہ صفیہ سبت کی عزت کیا کرتی اور یہود کو عطیات دیا کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کر بھیجا انہوں نے کہا جب سے اللہ نے مجھے جمعہ عطا فرمایا ہے سبت کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا، رہے یہودی، ان سے میری قرابت کے تعلقات ہیں اور میں ان کو ضرور دیتی رہتی ہوں۔

پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس لونڈی سے پوچھا کہ اس شکایت کرنے کا کیا سبب ہے۔ لونڈی نے کہا کہ مجھے شیطان نے بہکایا۔ ام المؤمنین نے کہا، جاؤ تم اللہ کی راہ میں آزاد ہو۔ ان کا انتقال رمضان ۵۰ھ میں ہوا۔ [3]

مرویات دس ہیں۔

متفق علیہ..................۱

---

[1] دحیہ بن خلیفہ بن فروہ بنوکلب سے ہیں کبارِ صحابہ میں سے ہیں بدر کے سوا جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبوی تھے۔ ۶ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو قیصر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ بعہد سلطنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پائی۔

[2] ترمذی، کتاب المناقب، فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۳۸۹۲۔

[3] الاستیعاب، کتاب النساء، حرف الصاد: ۴/ ۳۴۹۔

دیگر کتب احادیث میں ۹ ❶ ....کل ۱۰۔

ان کے ماموں رفاعہ بن سموال صحابی تھے۔ان کی حدیث مؤطا امام مالک میں موجود ہے۔ ❷

ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا

میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن محرم بن رویبہ بن عبداللہ بن ھلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر۔ ❸

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پہلے ابی رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں اور اس سے پیشتر حویطب بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں عمرہ فرمایا تو اس وقت یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عم النبی نے ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہنیں چار ہیں۔

(۱) ام الفضل لبابۃ الکبریٰ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن کی والدہ ہیں۔

(۲) لبابۃ الصغریٰ جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ ❹ کی والدہ ہیں۔

(۳) عصماء جو ابی بن خلف کے گھر میں تھیں۔

(۴) عزہ جو زیاد بن عبداللہ بن مالک الھلال کے گھر میں تھی۔

(حضرت میمونہ کی بہنیں جو صرف ماں کی جانب سے ہیں وہ یہ ہیں)

(۵) اسماء بنت عمیس جو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ان سے عبداللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے پھر ان کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے پھر حضرت علی مرتضیٰ سے ان کا نکاح ہوا۔ان سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ ❺

(۶) سلمٰی بنت عمیس، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ان سے امۃ اللہ پیدا ہوئی پھر سلمٰی کا نکاح شداد بن اسامہ الہادی سے ہوا۔ان سے عبداللہ و عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

(۷) سلامہ بنت عمیس، ان کا نکاح عبداللہ بن کعب بن ابی منبہ الخثعمی سے ہوا تھا۔

(۸) ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، جو طفیل اور عبدہ فرزندان حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش کے گھر میں رہیں اور آخری نکاح ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

---

❶ مدارج النبوة، ج ۲، ص: ٦١٦۔ ❷ امام مالک بن انس بن مالک الاصحی امام دارالہجرت کے لقب سے مشہور ہیں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور بعمر ۸۴ سال ۱۷۹ھ میں رہ گرائے عالم بقا ہوئے۔شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے شرح موطا میں تحریر کیا ہے کہ جب کسی حدیث کی سند مالک تک پہنچ جاتی ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ حدیث ذروۂ اعلیٰ صحت تک پہنچ گئی امام شافعی ان کے شاگرد تھے محمد بن حسن، ابن وہب، ابن القاسم، یحییٰ ابن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالرزاق، ہارون الرشید، مامون وغیرہ محدثین وملوک ان کے شاگرد ہیں ان کے مشہور شاگردوں کی تعداد ایک ہزار تک شمار ہوتی ہے۔ جو من بعد استاد تسلیم ہوئے۔

❸ دیکھو سلسلہ نسب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ❹ خالد بن ولید اشہر المشاہیر سے ہیں قریش میں صاحب القبہ والاعنہ تھے۔قبہ سے مراد وہ خیمہ ہے جس میں نشست کرنے کے بعد کسی جنگ کا اعلان کیا جاتا تھا۔عنہ سے مراد رسالہ اسپ سواروں کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ ان کو سوار فوج کا افسر رکھا تھا۔

❺ الاستيعاب حرف الألف، كتاب النساء: ٤/ ٢٣١؛ مدارج النبوة میں عون بن علی لکھا ہے مگر یحییٰ زیادہ صحیح ہے۔

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی مرویات حدیث مندرجہ ذیل ہیں۔

متفق علیہ ۷
صرف صحیح مسلم میں ۱
صرف صحیح بخاری میں ۱
دیگر کتب احادیث میں ۶۷ .... کل ۷۶

نقشہ

متعلق حالات تاریخی امہات المومنین رضی اللہ عنہن

تتمہ باب امہات المومنین مشمولہ جلد دوم کتاب رحمۃ للعالمین۔

نمبر شمار	نام ازواج مطہرات	سنہ نکاح	ام المومنین کی عمر بوقت نکاح	کل عمر	سنہ وفات	مقبرہ	نبیؐ کی خدمت میں رہنے کی مدت	نبیؐ کی عمر بوقت نکاح	کیفیت
۱	خدیجۃ الکبریٰؓ	۲۵ میلاد النبی	۴۰ سال	۶۵ سال	۱۰ نبوت	مکہ معظمہ	تقریباً ۲۵ سال	۲۵ سال	
۲	سودہؓ	نبوت ۱۰	۵۰ //	۷۲ //	۱۹ھ	مدینہ منورہ	۱۴ //	۵۰ //	
۳	عائشہ صدیقہؓ	نکاح ۱۱ نبوت رخصتی شوال ۱ھ	۹ //	۶۳ //	۵۷ھ ۱۷ رمضان	مدینہ منورہ	۹ //	۵۴ //	
۴	حفصہؓ	شعبان ۳ھ	۲۲ //	۵۹ //	۴۱ھ جمادی الاول	مدینہ منورہ	۸ //	۵۵ //	
۵	زینب بنت خزیمہؓ	۳ھ	تقریباً ۳۰ //	۳۰ //	۳ھ	مدینہ منورہ	۳ ماہ	۵۵ //	
۶	ام سلمہؓ	۴ھ	۲۴ //	۸۰ //	۶۰ھ	//	۷ سال	۵۶ //	
۷	زینب بنت جحشؓ	۵ھ	۳۶ سال	۵۱ //	۲۰ھ	//	۶ سال	۵۷ //	
۸	جویریہؓ	شعبان ۵ھ	۲۰ //	۷۱ //	۵۶ھ ربیع الاول	//	۶/۴ سال	۵۷ //	
۹	ام حبیبہؓ	۶ھ	۳۶ //	۷۲ //	۴۴ھ	//	۶ //	۵۷ //	
۱۰	صفیہؓ	۷ھ جمادی الاخر	۱۷ //	۵۰ //	۵۰ھ رمضان	//	۴/۳/۳ سال	۵۹ //	
۱۱	میمونہؓ	۷ھ ذیقعدہ	۳۶ //	۸۰ //	۵۱ھ	سرف قریب مکہ	۴/۱/۳ سال	۵۹ //	

باب سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾ [1]

غزوات وسرایا

دشمنان اسلام کی لڑائیاں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ اس وقت شروع ہوئیں جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے نبی ﷺ نے مکہ میں ۱۳ سال تبلیغ فرمائی اور اس عرصہ میں جھوٹے معبودوں کے ماننے اور گندے عقیدے رکھنے والوں کو خدائے یکتا کی وحدانیت کا وعظ فرماتے رہے۔

توحید کے مواعظ ہی دشمنوں کی عداوت کا سبب بنے اور سلسلۂ وعظ و نصیحت کے روکنے کی غرض سے دشمنوں نے مختلف و متعدد تدابیر پر عمل کیا۔

مستہزئین کی ایک جماعت مقرر کی گئی تھی ان کا کام یہ تھا کہ نبی ﷺ کے ہر ایک فعل کی ہنسی اڑائیں، منہ چڑائیں، باہر سے آنے والے نوواردوں میں مسلمانوں کے خلاف بدظنی پھیلائیں، تاکہ نووارد شخص نہ کسی مسلمان سے بات چیت کرے اور نہ آنحضرت ﷺ ہی سے ملاقات کرے۔ اس جماعت کے تحت کئی کمیٹیاں تھیں اور ہر ایک کمیٹی اپنے اپنے کام کو پوری مصروفیت سے انجام دیتی تھی۔ ایک کمیٹی کا کام یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ جہاں کہیں وعظ کے لیے کھڑے ہوں اور تعلیم اسلام پر تقریر فرمائیں وہاں یہ لوگ شور و شغب کرتے اور مجمع میں بدامنی و پریشانی پھیلاتے رہیں۔

ایک کمیٹی کا کام یہ تھا کہ نبی ﷺ پر گلی کوچہ میں آتے جاتے وقت گارا، کیچڑ، مٹی ڈالا کریں۔ پتھر ماریں۔ عبادت میں حضور ﷺ کو دیکھیں تو گردن بھینچیں، اندھیری راتوں میں حضور ﷺ کے راستہ پر گڑھے کھودیں، خار بچھائیں۔ دروازہ پر سنڈاس پھینکیں۔

چند ٹولیاں شریر لوگوں کی الگ تھیں، جن کا کام تھا کہ اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ ہر طرح کا ظلم و ستم اور فریب و دغا مستحسن سمجھتے تھے اور موقع مل جانے پر قتل کر کے ان کی لاش کو پہاڑ کی غاروں میں پھینک دیا کرتے۔ اس جور و ستم کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اکثر مسلمان وطن چھوڑ چھوڑ کر ملک حبش میں چلے گئے تھے۔ نبی ﷺ ہنوز ان سنگدلوں کے راہ راست پر آ جانے سے مایوس نہ ہوئے تھے۔ اس لیے مکہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ مگر دشمنان دین نے اب معاہدہ کیا کہ کھانے کی کوئی چیز مسلمانوں اور ان کے خیر اندیش لوگوں کے ہاتھ نہ فروخت کی جائے تین سال تک نبی ﷺ نے اس سختی کو بھی برداشت کیا اور اس کے بعد انہوں نے مکہ کے قرب و جوانب میں دورے لگانے اور وعظ فرمانے شروع کیے، لیکن اطراف مکہ کے سب قبائل اہل مکہ ہی کے حلیف تھے اس لیے وہ حضور ﷺ کی نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتے تھے۔

حضور ﷺ کی ناکامیابی کی داستان سن کر اہل مکہ خوش ہوا کرتے تھے، لیکن ان کے تعجب و حسرت اور غصہ کی کوئی حد نہ رہ گئی جب انہوں نے یکا یک یہ سن لیا کہ نبی ﷺ کی پاک تعلیم اہل یثرب (مدینہ) کے قلوب کو مسخر کر رہی ہے۔ اہل مکہ کو اب یقین

---

[1] ۳۰/ الروم:٤، ٥، ٦۔

آنے لگا کہ تعلیم محمدی ﷺ میں دور دور تک اثر پہنچانے کی طاقت مخفی ہے۔اس لیے سب نے یہ ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کی حیات کا چراغ گل کر دیا جائے۔

ایک ایسے ملک میں جہاں نہ کوئی حکومت ہو نہ آئین ہو اور جہاں جان و مال کے تحفظ کا کوئی بھی ذریعہ موجود نہ ہو، جہاں کے وحشی اور جاہل اقوام کی جنگ جوئی وخونریزی صدیوں سے ضرب المثل ہو جب تمام باشندے ایک نہتے شخص کے قتل پر متفق ہو جائیں اور اس کے لیے تدبیر بھی یہ کی جائے کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک بہادر شمشیر زن کا انتخاب کیا جائے اور وہ سب انتقام کے کینہ جوش سے فراہم کیے جائیں تو بدیہی ہے کہ نظر بہ اسبابِ ظاہری اس کا بچ جانا امکان سے بالاتر ہے لیکن نبی ﷺ ان محاصرین کے محاصرہ سے صاف نکل کر چلے گئے۔اس واقعہ پر ہر ایک منکر غور کرے، تاکہ اسے قدرت ربانی کا اعتراف سہل ہو جائے۔ ہر ایک مسلم شکر کرے کہ اسے حفاظت الٰہی کا جو خاص خاص بندوں کے لیے بارگاہ رب العزت سے کی جاتی ہے وجود مجسم نظر آئے۔

نبی ﷺ کا بچ کر مدینہ پہنچ جانا دشمنوں نے اپنی ذلت کا موجب سمجھا اس لیے کینہ کی آگ حسد کی بھٹی میں اور زیادہ تیز ہوگئی اور سب نے سوگندیں کھالیں کہ ہادی اسلام ﷺ اور ناچیز مسلمانوں کو ضرور بر ضرور روئے زمین سے محو کر کے رہیں گے۔

نبی ﷺ ان خونخوار وحشیوں کی غارت گرانہ عادات سے بخوبی آگاہ تھے،حزم واحتیاط کا تقاضا تھا کہ ایسے دشمن کی حرکات و سکنات کی خبر رکھی جائے۔بیدار مغزی ودور بینی سے دشمن کی تدابیر متعلق فراہمی افواج اور تیاری جنگ کو سر سبز نہ ہونے دیا جائے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اسی پر عمل کیا۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ہر ایک کوشش کا نام جو انہوں نے جنگ سے بچنے کے لیے کی لوگوں نے جنگ رکھ لیا ہے۔ یہ لوگ نہ واقعہ کی علت دریافت کرتے ہیں نہ مسلمانوں کے مدعا کی تلاش نہ مسلمانوں کے افعال کا تفحص اور پھر جلدی سے اپنی رائے بھی قائم کر لیتے ہیں۔اسی غلطی کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بے خبر مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی ہر ایک نقل وحرکت جنگ ہی کے لیے تھی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قدیم سے قدیم مسلمان مورخین نے اس نقل وحرکت کا نام غزوات وسرایا ہی رکھا ہے لیکن یہ زمانہ حال کی خوش فہمی ہوگی کہ غزوات وسرایا کے الفاظ کو لفظ جنگ کا مترادف سمجھا جائے، حالانکہ ان کے لغوی معنی قصد اور سیر کے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہر ایک قسم کی نقل وحرکت کو دو قسموں پر منقسم کیا تھا۔

الف: وہ نقل وحرکت جو نبی ﷺ نے فرمائی ہو اس کا نام ''غزوہ'' ہے۔غزوات کی تعداد امام بخاری رحمہ اللہ نے بروایت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ۱۹ بیان کی ہے۔ [1]

ب: وہ نقل وحرکت جو کسی مسلمان نے (ایک ہو یا ایک سے زائد) کی ہو اس کا نام ''سریہ'' ہے۔

اب ہم ذیل میں ایک نقشہ جملہ غزوات وسرایا کا درج کرتے ہیں،جس طرح قدیم تاریخوں میں ان کو اسی عنوان سے درج کیا گیا ہے۔

اندراج میں ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔نقشہ کا نمبر شمار بہت ضروری نمبر ہے،نقشہ کے اختتام پر جو بحثیں لکھی گئی ہیں ان میں ہر ایک جگہ اسی نمبر شمار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (نقشہ جات اگلے صفحات پر)

---

[1] بخاري، كتاب المغازي، باب كم غزا النبي ﷺ، حديث: ٤٤٧١۔

نقشہ غزوات وسرایا جو عہد نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ۲ھ سے ۹ھ تک (۸ سال کے اندر) ہوئے تھے۔

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام معہ تاریخ	لشکر اسلام کی تعداد مع نام سردار	لشکر دشمن کی تعداد مع نام سردار	مسلمان کا نقصان		دشمن کا نقصان		نتیجہ	کیفیت
				زخمی/اسیر	شہید	زخمی/اسیر	مقتول		
۱	سریہ سیف البحر رمضان ۱ھ	۳۰ امیر حمزہ بن عبدالمطلب	۳۰۰ ابوجہل					گشت لگا کر مسلمان واپس آئے	یہ سریہ احوال اہل مکہ کے تجسس کے لیے بھیجا گیا دشمن نے مسلمانوں کو باخبر پایا اور لوٹ گیا
۲	سریہ رابغ شوال ۱ھ	۶۰ عبیدہ بن الحارث ❶	۲۰۰ عکرمہ یا ابوسفیان					گشت لگا کر مسلمان واپس آئے	یہ سریہ احوال اہل مکہ کے تجسس کے لیے بھیجا گیا تھا ثنیۃ المرہ پر موجود دیکھا گیا۔
۳	سریہ ضرار ذی قعد ۱ھ	۸۰ سعد بن ابی وقاص ❷						جحفہ تک گشت لگا کر واپس چلے آئے	
۴	غزوہ ودان یا غزوہ ابوا صفر ۲ھ	۷۰ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم						عمرو بن مخشی الضمری سے معاہدہ کیا کہ نہ	
۵	غزوہ بواط ربیع الاول ۲ھ	۲۰۰ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	۱۰۰ امیہ بن خلف					قریش کو مدد دیں نہ مسلمانوں کو رضوی اور بواط تک ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے راہ میں قافلہ قریش مع امیہ ملا تھا	رضوی پہاڑ کا نام ہے جو ینبوع کے قریب ہے۔

❶ ان کا ذکر شہدائے بدر میں ملے گا۔ ❷ یکے از عشرہ مبشرہ۔ یکے از شش جن کو عمر فاروق نے خلافت کا اہل بتایا۔ فاتح فارس، بانی کوفہ، خال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول من رمی فی سبیل اللہ ۔ اسلام لانے میں ۶ کے بعد ساتویں شخص تھے۔ ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۶	غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ ربیع الاول ۲ھ	۷۰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	کرز بن جابر الفہری					سفوان تک دشمن کا تعاقب کیا گیا مگر ہاتھ نہ لگا	کرز بن جابر اہل مدینہ کے مویشی لوٹ کر لے گیا تھا جس کا تعاقب کیا گیا
۷	غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الآخر ۲ھ	۱۵۰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم						بنی مدلج اور بنی ضمرہ سے معاہدہ ہوا۔	ذوالعشیرہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بطن ینبوع کی جانب ہے
۸	سریہ نخلہ	۱۲ عبداللہ بن جحش	ایک قافلہ زیر			قیدی ۲	۱	قیدیوں کو چھوڑا گیا	قریش کی خبر کو بھیجے گئے تھے، مگر مڈھ
	رجب ۲ھ		سرداری ابنائے امیہ					مقتول کا خون بہا دیا گیا	بھیڑ ہوگئی تھی۔
۹	غزوہ بدر الکبریٰ رمضان ۲ھ	۳۱۳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰۰۰ ابوجہل		۲۲	۷۰	۷۰	مسلمانوں کو فتح ہوئی	بدر، مکہ سے سات منزل اور مدینہ سے تین منزل ہے دشمن دو تہائی سفر طے کر چکا تب ثابت ہو گیا کہ وہ مدینہ پر آ رہا ہے، تب سرور کائنات مدافعت کے لیے نکلے
۱۰	سریہ عمیر بن العدی الخطمی رمضان ۲ھ	ایک عمیر ❶	ایک مسماۃ عصما بنت مروان خطمیہ				۱	عصماء قتل ہوئی	عمیر نے اپنی رشتہ کی بہن کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قوم کو جنگ پر اکسایا کرتی تھی چھری سے قتل کیا۔
۱۱	سریہ عالم بن عمیر انصاری شوال ۲ھ	ایک سالم ❷	ایک یہودی ابوعکفہ				۱	یہودی قتل ہوا	ابوعکفہ یہودی لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کرتا تھا۔ سالم نے مار ڈالا

❶ بنو خطمہ میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے امام قوم تھے۔ آنکھیں کمزور تھیں، ان کے والد عدی بن خرشہ مشہور شاعر تھے۔

❷ بدر، احد، خندق اور جملہ مشاہد نبوی میں حاضر رہے [illegible] وفات پائی۔

۱۲	غزوہ بنوقینقاع	نبی کریم ﷺ	قبیلہ بنوقینقاع					شہر بدر کیا گیا	جب مسلمان بدر پر گئے ہوئے تھے اس وقت انہوں نے مدینہ کے اندر بلوہ اور بغاوت کی اس لیے جلاوطن کیے گئے
۱۳	غزوہ السویق ذی الحجہ ۲ھ	۲۰۰ نبی کریم ﷺ	۲۰۰ سوار ابوسفیان اُموی		۲			نبی ﷺ نے تعاقب کیا دشمن ہاتھ نہ آیا	ابوسفیان مدینہ تک آیا دو مسلمانوں کو قتل کیا اور پھلدار درختوں کو کاٹ کر چلا گیا
۱۴	غزوہ قرقرۃ الکدر یا بنوسلیم محرم ۳ھ	۲۰۰ نبی کریم ﷺ	قبیلہ بنوغطفان و بنوسلیم			۱ قید		دشمن مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فراہم ہوا تھا اسلامی فوج کے مظاہرہ سے بھاگ گیا۔	ایک غلام یسار نامی گرفتار ہوا تھا چھوڑ دیا گیا۔
۱۵	سریہ ایضاً	غالب بن عبداللہ لیثی	ایضاً		۳			دشمن کے کچھ آدمی مارے گئے باقی بھاگ گئے	غزوہ ۱۴ کی تکمیل میں یہ سریہ روانہ کیا گیا تھا کیونکہ دشمن نے دوبارہ اجتماع کر لیا تھا۔
۱۶	سریہ محمد بن مسلمہ ربیع الاول ۳ھ	۵ محمد بن مسلمہ الانصاری الخزرجی [1]	ایک یہودی کعب بن اشرف				۱	۱ قتل ہوا	کعب یہودی قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کرتا تھا مکہ جا کر قریش کو جنگ کے لیے آمادہ کیا۔ جس کا نتیجہ جنگ احد ہوا، ابن مسلمہ اس کا دودھ شریک بھائی تھا اس نے قتل کر ڈالا۔

[1] فضلائے صحابہ میں سے ہیں نبی ﷺ نے ایک دفعہ ان کو اپنی غیبت میں امیر مدینہ بنایا تھا ایام فتنہ میں سب سے الگ رہے ۴۱ھ میں بعمر ۷۷ سال مدینہ میں وفات پائی، ۱۰ پسر چھ دختر اولاد تھی۔

۱۷	غزوہ ذی امریا غزوہ غطفان یا غزوہ انمار ربیع الاول ۳ھ	۴۵۰ سوار نبی کریم ﷺ	بنو ثعلبہ و بنو محارب					بنو ثعلبہ و بنو محارب جمع ہوئے تھے کہ مدینہ پر حملہ آور ہوں اس مظاہرہ پر منتشر ہو گئے	آنحضرت ﷺ نے نجد تک سفر فرمایا دعشور نامی جو تلوار لیکر نبی ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا مسلمان ہوا۔
۱۸	سریہ قردہ جمادی الآخر ۳ھ	۱۰۰ زیدؓ بن حارثہ	ابوسفیان اُموی			۱		قریش کے تجارتی رستہ پر مظاہرہ کیا گیا	فراۃ بن سفیان جو قافلہ کا رہنما تھا گرفتار ہوا پھر مسلمان ہو گیا۔
۱۹	غزوہ احد ۶ شوال ۳ھ	۶۵۰ پیادہ	۲۸۰۰ پیادہ ۲۰۰ سوار ابوسفیان اموی	زخمی ۴۰	۷۰		۳۰	مسلمانوں کا سخت نقصان ہوا مگر کفار مرعوب ہو کر نتیجہ میں ناکامیاب ہوئے	احد مدینہ سے تین میل ہے دشمنوں نے مکہ سے احد تک چڑھائی کی تھی۔
۲۰	غزوہ حمراء الاسد ۷ شوال ۳ھ	۵۴۰ نبی کریم ﷺ	۲۹۷۰ ابوسفیان			۲۔ ابوعزہ ومعاویہ بن مغیرہ		دشمن کو مرعوب کیا گیا	جنگ احد سے اگلے دن دشمن کے کیمپ تک صرف اس لیے مظاہرہ کیا گیا تھا کہ دشمن مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر پھر حملہ نہ کر دے دو اسیر ہوئے اور شاعر ابوعزہ قتل ہوا کیونکہ بدر میں اس نے عہد دیا تھا کہ آئندہ شریک جنگ نہ ہوگا برخلاف اس کے اس نے اس دفعہ دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔

۲۱	سریہ قطن یا سریہ ابوسلمہ مخزومی یکم محرم سنہ ۴ھ	۱۵۰ ابوسلمہ مخزومی	طلحہ وسلمہ					مسلمانوں کے مظاہرہ سے مدینہ پر ڈکیتی نہ کر سکے	یہ مشہور ڈکیت اور ڈاکوؤں کے سردار تھے مدینہ پر ڈکیتی ڈالنا چاہتے تھے جب مسلمان مظاہرہ کرتے ہوئے قطن تک جوان کا ماویٰ تھا پہنچ گئے تو گروہ منتشر ہوگیا۔
۲۲	سریہ عبداللہ بن	ایک عبداللہ بن	ایک سفیان ہذلی				۱	عبداللہ نے سنا تھا کہ	
۲۲	انیس الجہنی الانصاری ۵ محرم ۴ھ	انیس الجہنی الانصاری [1]						سفیان نے عرنہ پر مسلمانوں کے خلاف جمعیت فراہم کی ہے عبداللہ وہاں پہنچا اور سفیان کو مار ڈالا۔	
۲۳	سریہ رجیع صفر ۴ھ	۱۰ عاصم بن ثابت یا مرثد بن ابی مرثد الغنوی	۱۰۰ قبیلہ عضل وقارہ		۱۰			دس واعظین اسلام کو شہید کیا گیا۔	مسماۃ سلامہ زن طلحہ نے اشتہار دیا تھا کہ جو عاصم کو مارے اسے سو شتر انعام دیگی اس قبیلہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے دس واعظین اسلام کو ساتھ لے گئے آٹھ کو راہ میں تیروں کا نشانہ بنایا دو کو اہل مکہ نے خرید کر سولی پر چڑھایا چالیس دن نعشیں سولی پر رہیں کتب سیر میں ان کی تعداد چھ ہے صحیح بخاری میں دس ہے۔

[1] جزوانصاری، عقبی، بدری ہیں جملہ مشاہد میں حاضرِ رکاب نبوی تھے نبی ﷺ نے ان کو تیئسویں شب لیلۃ القدر بتائی ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲۴	سریہ بیر معونہ یا سریہ طرز صفر ۴ھ	۷۰ منذر بن عمرو	ایک بڑی جماعت عامر بن مالک	۱	۶۹			۶۹ عالمان دین شہید اور شکار ظلم ہوئے	عامر خدمتِ نبوی ﷺ میں آیا اور کہا میرا ملک اسلام کے لیے آمادہ ہے کچھ واعظ ساتھ بھیج دیے جائیں نبی کریم نے ۷۰ عالم ساتھ کر دیئے جب وہ ان کے علاقہ میں پہنچے تو قبائل رعل وذکوان و بنوسلمہ وغیرہ نے حملہ کیا صرف عمرو بن امیہ الضمری بچ کر آئے۔
۲۵	سریہ عمرو بن امیہ الضمری ربیع الاول ۴ھ	ایک عمرو بن امیہ	۲ از قبیلہ بنو کلاب				۲	چونکہ عمرو نے غلط فہمی سے یہ دو شخص دوست دار قبیلہ کے قتل کر دیئے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے دونوں کا خوں بہا ادا کیا	عمرو بن امیہ جو ستر علماء سے بچ کر مدینہ آ رہے تھے دیکھو ۲۴ انہوں نے دو شخصوں کو سوئے پڑے پایا اور غلطی سے انہیں قاتلوں کی جماعت سے سمجھ کر قتل کر ڈالا۔
۲۶	غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۴ھ	نبی کریم ﷺ	قبیلہ بنو نضیر					یہ بہ جرمِ بغاوت و اقدامِ قتلِ آنحضرت ﷺ شہر سے نکال دیئے گئے	بنو نضیر یہودی مدینہ کے اندر آباد تھے اور مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کے جرم کی سزا میں جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تھے۔ غزوۂ خیبر بھی ان ہی کی شرارتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔
۲۷	غزوہ بدر الاخری ذی قعدہ ۴ھ	۱۵۰۰ پیادہ ۱۰ سوار نبی کریم ﷺ	۲۰۰۰ پیادہ ۵۰ سوار ابوسفیان اموی					مقابلہ نہیں ہوا تھا	ابوسفیان مکہ سے لشکر لیکر ظہران یا عسفان تک آیا نبی ﷺ بھی خبر پا کر مقابلہ کے لیے نکلے وہ راستہ سے لوٹ گیا تو نبی ﷺ بھی واپس تشریف لے آئے۔

۲۸	غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول ۵ھ	۱۰۰۰ نبی کریم ﷺ	باشندگان دومہ					مقابلہ نہیں ہوا راہ ہی سے لوٹ آئے۔	معلوم ہوا تھا کہ دومۃ الجندل میں جمع کثیر فراہم ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کو تیار ہے آنحضرت ﷺ روانہ ہوئے تو معلوم ہو گیا کہ خبر غلط تھی واپس تشریف لے آئے راہ میں عیینہ بن حصین سے معاہدہ ہوا۔
۲۹	غزوہ بنو مصطلق یا مریسیع ۲ شعبان ۵ھ	نبی کریم ﷺ	حارث بن ضرار سید بنو مصطلق		۱	۱۹	۱۰	دشمن کو شکست ہوئی قیدی سب چھوڑ دیئے گئے	نبیؐ نے سنا تھا کہ حارث نے مسلمانوں سے جنگ کے لیے جمعیت فراہم کی ہے بریدہ اسلمی کو بھیج کر صحت کی گئی تب آنحضرتؐ ادھر متوجہ ہوئے صرف بنو مصطلق جنگ پر کھڑے ہوئے باقی منتشر ہو گئے تھے۔
۳۰	غزوۂ احزاب یا خندق شوال ذی قعد ۵ھ	۳۰۰۰ نبی کریم ﷺ	۱۰۰۰۰ ابوسفیان اموی وغیرہ		٦		۱۰	دشمن ناکام واپس ہوا	سرداران یہود نے مختلف قبائل اور قریش کو لڑائی کے لیے فراہم کیا۔ مسلمانوں نے مدینہ کے اندر رہ کر خندق کی پناہ میں مدافعت کی
									ایک ماہ تک دشمنوں نے محاصرہ رکھا۔ پھر چپکے سے واپس ناکام چلے گئے۔
۳۱	سریہ عبداللہ بن عتیک ذی قعدہ ۵ھ	۵ عبداللہ بن عتیک الانصاری الخزرجی ❶	ایک سلام بن ابوالحقیق یہودی خیبر				۱	دشمن قتل ہوا	جنگ احزاب میں اسی نے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے میں جدوجہد کی تھی اب مکرر جمعیت کا انتظام کر رہا تھا عبداللہ نے اس کو خواب گاہ میں رات کو پہنچ کر قتل کر دیا

❶ احد میں حاضر ہوئے یمامہ میں شہید ہوئے۔ سریہ مذکور میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی نبی ﷺ نے اپنا دست مبارک ساق پر پھیر دیا فوراً اچھے ہو گئے۔

۳۲	غزوہ بنو قریظہ ذی الحجہ ۵ھ	نبی کریم ﷺ	بنو قریظہ		۴	۲۰۰	۴۰۰	دشمن قید اور قتل ہوا	بنو قریظہ یہودی تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ہم عہد تھے بغاوت کے جرم میں یہ اسیر کیے گئے انہوں نے چاہا کہ ایک منصف جو مقبول فریقین ہو ان کا فیصلہ کرے منصف نے ان کا فیصلہ بموجب احکام توراۃ شریف جس کے وہ قائل تھے
									کر دیا اس لیے ۴۰۰ قتل ہوئے یہ تعداد بروایت جابر عند الترمذی والنسائی و ابن حبان ہے۔
۳۳	سریہ قرطاء محرم ۶ھ سریہ محمد بن مسلمہ	۳۰ سوار محمد بن مسلمہ انصاری	۲۰ ثمامہ بن اثال			۱		ثمامہ پکڑا گیا نبی ﷺ نے اسے رہا کر دیا وہ بعد رہائی مسلمان ہو گیا	محمد بن مسلمہ نے ثمامہ کو جانب مدینہ آتے دیکھا اور راستہ گھیر کے گرفتار کر لیا نبی کریم ﷺ نے اسے رہا فرما دیا اخلاق محمدی اور تعلیم نبوی دیکھ کر مسلمان ہو گیا ثمامہ نجد کا سردار تھا۔
۳۴	غزوہ بنی لحیان ربیع الاول ۶ھ	۲۰۰ سوار سرور کائنات ﷺ	بنو لحیان شاخ ہذیل					دشمن خبر پا کر منتشر ہو گیا مقابلہ نہیں ہوا	اہل رجیع جنہوں نے دس علمائے اسلام کو بے وجہ قتل کیا تھا دیکھو نمبر ۲۲ ان کی سزا کے لیے یہ حملہ کیا گیا تھا۔
۳۵	غزوہ ذی قردہ یا غابہ ربیع الاول ۶ھ	۵۰۰ سرور کائنات ؐ مع سلمہ بن اکوع	سواران بنو غطفان زیر سرداری	ایک عورت	۳		۱	ڈکیتوں نے اونٹوں کو لوٹا تھا۔ مسلمانوں نے	یہ ڈکیتوں کا گروہ نبی ﷺ کے اونٹوں کو لوٹ کر لے گیا تھا۔ ذر بن ابوذر کو قتل کر

			عبدالرحمٰن فزاری (عیینہ فزاری)					تعاقب کر کے اپنے سب مویشی چھڑا لیے۔	کے لیلیٰ زوجہ ابوذر کو اٹھا کر لے گئے تھے صحابہ نے تعاقب کیا نبی کریم ﷺ بھی شامل ہو گئے تھے۔
۳۶	سریہ عکاشہ بن محصن یا سریہ غمر مرزوق ربیع الآخر ۶ھ	۴۰ عکاشہ بن محصن الاسدی [1]	بنو اسد					دشمن منتشر ہو گیا مقابلہ نہیں ہوا ان کے دو سو شتر گرفتار ہوئے	بنو اسد نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے جمعیت فراہم کی تھی چالیس شخصوں کا یہ طلایہ گیا تھا۔
۳۷	سریہ ذی القصہ ربیع الآخر ۶ھ	۱۰ محمد بن مسلمہ	۱۰۰ بنو ثعلبہ	ا۔زخمی	۹			نو عالمان شہید اور محمد بن مسلمہ زخمی ہوئے	دس عالمان دین ہدایت کے لیے گئے تھے وہ سوئے پڑے تھے کہ بنو ثعلبہ دشمن قبیلہ نے حملہ کر دیا ذی القصہ مقام کا نام ہے
۳۸	سریہ بنو ثعلبہ ربیع الآخر ۶ھ	۴۰ ابو عبیدہ بن جراح	بنو ثعلبہ			۱		دشمن بھاگ گیا جس کے گلے سڑے اسباب پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔	شہدائے مقام ذی القصہ کا انتقام لینے گئے تھے۔
۳۹	سریہ جموم ربیع الآخر ۶ھ	زید بن حارثہ	بنو سلیم			۱۰		چند اشخاص گرفتار کیے گئے تھے آنحضرتؐ نے سب کو چھوڑ دیا جن میں مخبر عورت کا شوہر بھی تھا	ایک عورت حلیمہ نامی نے جھوٹی مخبری بنو سلیم کے خلاف کر دی جب زید اس کی طرف گزر رہے تھے تعداد اسیران اندازاً لکھی گئی ہے۔
۴۰	سریہ طرف یا طرق جمادی الآخر ۶ھ	۱۵ زید بن حارثہ	بنو ثعلبہ					دشمن بھاگ گیا۔ بیس شتر گرفتار کر لائے۔	مجرمان ذی القصہ (دیکھو ۳۷) کی سزا دہی کو گئے تھے۔

[1] فضلائے صحابہ میں سے ہیں ۴۲ سال کی عمر میں بعہد خلافت صدیق مُرتدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے بدر و احد جملہ مشاہد میں ملتزم رکاب نبویؐ تھے۔ نبی ﷺ نے بشارت دی تھی کہ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔

۴۱	سریہ وادی القریٰ رجب ۶ھ	۱۲ زید بن حارثہ	سکنائے وادی القریٰ	۱۔زخمی	۹			۹ مسلمان شہید ہوئے ایک زخمی ہوا	حضرت زید بطور گشت گئے تھے۔لوگوں نے حملہ کردیا۔
۴۲	سریہ دومۃ الجندل شعبان ۶ھ	عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزہری [1]	قبیلہ بنی کلب الاصبغ بن عمرو کلبی					وعظ میں نمایاں کامیابی ہوئی	اصبغ بن عمرو کلبی سردار قبیلہ مسلمان ہوا اور علاقہ میں بھی اسلام پھیلا۔یہ پہلے عیسائی تھے۔
۴۳	سریہ فدک شعبان ۶ھ	۲۰۰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	بنو سعد بن بکر					دشمن بھاگ گیا سو شتر، دو ہزار بکریاں مال غنیمت ملا	معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ ان یہودیوں کو جو مدینہ سے خارج ہو کر خیبر جاتے تھے لڑائی کے لیے آمادہ کرتا ہے اور خود امداد دینے کا وعدہ کر چکا ہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مظاہرہ کیا۔
۴۴	سریہ ام قرفہ رمضان ۶ھ	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	قوم فزارہ زیر سرداری ام قرفہ			۲		دشمن کو شکست ہوئی	بنو فزارہ نے ام قرفہ کی تحریک سے زید بن حارثہ کے تاجرانہ قافلہ کو لوٹا تھا۔اس ڈکیتی کی وجہ سے انکی گرفتاری کی گئی۔ام قرفہ اور اس کی دختر بھی گرفتار ہوئی تھی باقی سب بھاگ گئے تھے۔(صحیح مسلم)
۴۵	سریہ عبداللہ بن رواحہ شوال ۶ھ	۳۰ عبداللہ بن رواحہ	۳۰ اسیر بن رزام	۱			۳۰	فریقین کی غلط فہمی سے لڑائی ہوئی سب یہودی مارے گئے	عبداللہ مع ۳۰ مسلمانوں کے اسیر کو لینے گئے تھے جس کو بطور سردار یہود آنحضرتؐ نے منظور فرمالیا تھا وہ ۳۰ یہودیوں کے

[1] یکے از عشرہ مبشرہ۔ یکے از ستہ، جن کو فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کا اہل بتایا۔ بڑے تاجر اور زمیندار، بڑے مالدار، زاہد، امین فی الارض وامین فی السماء۔ امہات المؤمنین کی خدمت مالی سب سے زیادہ کرنے والے جنگ احد میں ۲۱ زخم کھائے۔ نبی ﷺ نے ایک سفر میں ایک نماز ان کے پیچھے پڑھی تھی ان کے ترکہ کا ۸/۳ بیوی کو ۸۳ ہزار نقد ملا تھا ۳۱ھ میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔

									ساتھ چل پڑا۔ رات میں ایک دوسرے سے بدگمانی ہو کر حملہ ہو گیا۔
۴۶	غزوہ عرنیین شوال ۶ھ	۲۰۰ سوار کرز بن جابر الفہری ❶	چند کس از عکل و عرینہ		۱		۸	یہ لوگ مسلمان چرواہے کو قتل کر کے اونٹ لوٹ کر لے گئے تھے پھر پکڑے گئے اور قتل ہوئے	یہ لوگ بیمار تھے علاج کے لیے آئے تھے، جب تندرست ہو گئے تب موقع پا کر یسار نوبی مولیٰ رسول ﷺ کو قتل کر گئے اور اونٹ لے گئے تھے۔
۴۷	سریہ عمرو بن امیہ شوال ۶ھ	ایک کس عمرو بن امیہ							عمرو بن امیہ مکہ سے اس لیے آیا تھا کہ نبی ﷺ کو قتل کرے لیکن تعلیم اور خلق محمدی دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور پھر مکہ جا کر تبلیغ اسلام کرتا رہا مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اسے فرمایا تھا کہ ابو سفیان کو ہلاک کر دے مگر کتب اسلامیہ میں کوئی ایسی روایت نہیں پائی جاتی۔
۴۸	غزوہ حدیبیہ ذی قعد ۶ھ	۱۴۰۰ نبی کریم ﷺ	اہل مکہ سہیل بن عمرو قریشی					دس سال کے لیے قریش کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو گیا نبی ﷺ واپس تشریف لائے	نبی ﷺ بنیت عمرہ تشریف لے گئے تھے۔ مگر قریش نے حضور ﷺ کو حدیبیہ سے جو مکہ سے سات کوس ہے آگے نہ بڑھنے دیا۔ صلح کا معاہدہ ہو گیا۔

❶ ان کا نسب نبی ﷺ کے ساتھ فہر (دیکھو سلسلہ نمبر ۱۱ نسب نبوی) میں شامل ہو جاتا ہے غزوہ سفوان نمبر ۶ کے وقت سردار کفار تھے پھر اخیار و ابرار میں شامل ہوئے فتح مکہ کے دن شہید ہوئے۔

۴۹	غزوہ خیبر محرم ۷ھ	۱۴۰۰ رجال، ۲۰ زنان تیماردار نبی کریم ﷺ	۱۰۰۰۰ یہود خیبر کنانہ بن ابو الحقیق	زخمی ۵۰	۱۸		۹۳	فتح مبین حاصل ہوئی تھی	احد واحزاب میں یہودی حملہ کر چکے تھے علاوہ ازیں اکثر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کیا کرتے۔ اب پھر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں تھے کہ نبی ﷺ نے خیبر پہنچ کر ان کے مفسدانہ ارادوں کا سد باب کر دیا۔
۵۰	غزوہ وادی القریٰ محرم ۷ھ	۱۳۸۲ نبی کریم ﷺ	یہودان سکنہائے وادی القریٰ		۱		۱۱	خفیف مقابلہ کے بعد دشمن کو شکست ہوئی یہودیوں کو ان کی	وادی القریٰ میں یہودی آباد تھے خیبر کی واپسی کے وقت جب یہاں قیام ہوا تو یہاں کے یہودیوں نے جنگ میں ابتدا
								اراضیات وغیرہ پر قابض رکھا گیا۔	کی تیماء کے باشندوں نے یہاں آ کر خود صلح کر لی۔
۵۱	غزوہ ذات الرقاع محرم ۷ھ	۴۰۰ نبی کریم ﷺ	بنو غطفان بنو محارب بنو ثعلبہ بنو انمار					دشمن منتشر ہو گیا	بنو غطفان نے بنو محارب، بنو ثعلبہ، بنو انمار کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے مسلمانوں نے ان کی سرحد پر جا کر مظاہرہ کیا تو سب منتشر ہو گئے۔
۵۲	سریہ عیص صفر ۷ھ	۷۲ ابو جندل و ابو بصیر [1]	قافلہ قریش			۹		اول دشمن کا اسباب لوٹ لیا پھر حکم نبوی ﷺ کے صادر ہونے پر سب کچھ واپس کر دیا	ابو جندل مکہ میں مسلمان ہو گیا تھا اسے قریش نے قید کر دیا اس نے جیل خانہ ہی میں تبلیغ اسلام کر کے کافی تعداد کو مسلمان کر لیا پھر بھاگ گیا مکہ اور شام کی راہ پر ایک پہاڑ پر جا ٹھہرا اور اب قریش کا جو فریق جنگ تھا قافلہ

[1] ابو جندل کا نسب نبی ﷺ کے ساتھ لوی بن غالب میں (دیکھو نسبت نبوی نمبر ۹) میں شامل ہوا ہے خلافت فاروق رضی اللہ عنہ میں شام میں غزا کرتے ہوئے انتقال کیا ان کے بھائی عبداللہ بن سہیل بدری ہیں۔

									لوٹ لیا حضور نے اسباب واپس دلایا ابوجندل کو مدینہ بلالیا۔
۵۳	سریہ کدید صفر ۷ھ	۶۰ غالب بن عبداللہ لیثی	بنوملوح	۱				خفیف لڑائی ہوئی	بنوملوح نے اصحاب بشیر بن سوید کو قتل کر دیا تھا ان کی تنبیہ کے لیے یہ سریہ بھیجا گیا۔
۵۴	سریہ فدک صفر ۷ھ	غالب بن عبداللہ لیثی	اہل فدک						کچھ لوگ دشمن کے مارے گئے۔
۵۵	سریہ حسمی جمادی الآخر ۷ھ	۵۰۰ زید بن حارثہ	۱۰۲ ہنید بن عوص جزری			۱۰۰	۲	مسلمانوں کو فتح ہوئی ہنید اور اس کا فرزند مارا گیا باقی کو بعد توبہ چھوڑ دیا گیا۔	دحیہ کلبی آنحضرت ﷺ کی جانب سے سفیر بن کر ہرقل قیصر کے پاس گئے اب واپس آ رہے تھے قیصر کے تحائف بھی ان کے پاس تھے ہنید نے ان کو لوٹ لیا ان ڈکیتوں کی گرفتاری کے لیے حضرت زید بھیجے گئے۔
۵۶	سریہ تربہ	۳۰ عمر فاروق رضی اللہ عنہ	اہل تربہ					دشمن منتشر ہو گیا	تربہ مکہ سے دو منزل پر ہے یہاں کے لوگ بنوغطفان نمبر ۵۱ کے ساتھ شامل تھے ان کی سرحد پر مظاہرہ کیا گیا۔
۵۷	سریہ بنوکلاب	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	بنوکلاب					فتح ہوئی دشمن بھاگ گیا دشمن کچھ مرے کچھ قید ہوئے	یہ لوگ بنومحارب بنوانمار وغیرہ کے ساتھی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتے تھے۔
۵۸	سریہ منقعہ رمضان ۷ھ	غالب بن عبداللہ لیثی	اہل منقعہ					خفیف لڑائی ہوئی	یہ لوگ اہل خیبر کے اتحادی تھے۔

۵۹	سریہ خربہ رمضان ۷ھ	اسامہ بن زید ❶	اہل خربہ						حضرت اسامہ مع ہمراہیان چلے آتے تھے راہ میں ایک شخص پہاڑ سے نیچے اترتا ہوا سیدھا انکی طرف آیا اسامہ نے باوجود اس کے کلمہ شہادت پڑھنے کے تلوار سے ماردیا پس ایک مسلمان مارا گیا۔
۶۰	سریہ بنی مرہ شوال ۷ھ	۳۰ بشیر بن سعد	بنی مرہ قریب فدک					خفیف لڑائی ہوئی	یہ لوگ اہل خیبر کے اتحادی تھے۔
۶۱	سریہ بشیر بن سعد انصاری شوال ۷ھ	۳۰ پیادہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ الانصاری الخزرجی ❷	اہل فزارہ وعذرہ	۳۰				سب مسلمان تیروں سے زخمی ہوئی دشمن کے دوکس گرفتار ہوئے	فزارہ وعذرہ نے جنگ خیبر میں یہودیوں کو مدددی تھی ان کی تنبیہ کے لیے یہ سریہ بھیجا گیا تھا صرف مظاہرہ مقصود تھا۔
۶۲	سریہ ابن ابوالعوجا ذی الحجہ ۷ھ	۵۰ پیادہ ابن ابی العوجا	بنوسلیم	۱	۴۹			ابن ابی العوجا زخمی ہوئے باقی سب شہید ہوئے	دشمن کی سرحد پر مظاہرہ کیا کیونکہ یہ مدینہ پر حملے کی تیاری کرتے تھے۔
۶۳	سریہ ذات اطلح ربیع الاول ۸ھ	۱۵ کعب بن عمیر انصاری الغفاری ❸	سکنائے ذات اطلح بنوقضاعہ		۱۴			سب مسلمان شہید ہوئے یا ایک صحابی جانبر ہوئے	یہاں کے لوگ تعداد کثیر میں فراہم ہوکر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے ان کو مرعوب کرنے کے لیے ایک

❶ اسامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے ان کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جن کو آپ امی بعد امی فرماتے۔ ان کے والد زید بن حارثہ ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کو دیکھ کر لوگ زید بن محمد کہنے لگے تھے ۵۴ھ میں وفات پائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۸ تا ۲۰ برس تھی۔ ❷ عقبی بدری سب سے اول بیعت صدیقی میں داخل ہوئے عین التمر پر شہید ہوئے۔ ❸ اصحاب بزرگ میں سے ہیں۔

									دستہ بھیجا گیا دشمن بہت بڑی تعداد میں تھا سب مسلمان شہید ہوئے۔
۶۴	سریہ ذات عرق ربیع الاول ۸ھ	۲۵ شجاع بن وہب اسدی ❶	بنو ہوازن مقیم ذات عرق					لڑائی نہ ہوئی دشمن کے کچھ اونٹ ملے	بنی ہوازن چند بار دشمنوں کو مدد دے چکے تھے اب انہوں نے مدینہ سے ۵ منزل پر پھر فراہی لشکر کا کام شروع کر دیا تھا اور بہت لوگ جمع ہو گئے تھے اس لیے ان کو مرعوب کرنے کے لیے مظاہرہ کیا۔
۶۵	سریہ موتہ جمادی الاولی ۸ھ	۳۰۰۰ زید بن حارثہ	ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰ شرحبیل غسانی		۱۲	تعداد معلوم نہیں ہوئی		مسلمانوں کو فتح ہوئی	آنحضرت ﷺ کے سفیر حارث بن عمر ازدی کو شرحبیل نے قتل کرا دیا تھا اس لیے جنگ ہوئی اگرچہ مسلمانوں کی فوج میں بھی نقصان ہوئے مگر تین ہزار نے ایک لاکھ کو شکست دی۔
۶۶	سریہ ذات السلاسل جمادی الآخر ۸ھ	۵۰۰ عمرو بن العاص قرشی السہمی ❷	بنو قضاعہ مقیم ذات السلاسل					مسلمانوں کے مظاہرہ سے دشمن منتشر ہو گیا	بنو قضاعہ بلی بنو القین مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ عمرو بن العاص کی سرداری میں اس مہم کی یہ وجہ خاص بھی تھی کہ ان کی دادی اس قوم کی تھی اور یہ اس علاقہ سے خوب واقف تھے۔
۶۷	سریہ سیف البحر رجب ۸ھ	۳۰۰ ابو عبیدہ بن الجراح	قریش					سمندر کے کنارے چند روز ٹھہر کر واپس آ گئے	اس سریہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کی توجہ منتشر ہو جائے۔

❶ حبشہ و مدینہ کی ہجرت کی اور جملہ مشاہد میں حاضر ہوئے حارث غسانی اور جبلہ غسانی کے پاس سفیر نبوی بن کر گئے تھے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

❷ ۸ھ میں مسلمان ہوئے نبی ﷺ نے ان کو والیٔ عمان بنا دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے [illegible] فلسطین [illegible] مصر فتح کیا [illegible] سے متعلق [illegible] بڑے واقعات ہیں۔

۶۸	سریہ محارب شعبان ۸ھ	۱۵ ابوقتادۃ الانصاری ❶	بنو غطفان مقیم خضرہ واقع نجد					دشمن خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا کچھ مویشی ہاتھ آئے	بنو غطفان جو چند بار پیشتر حملہ آور ہو چکے تھے اب پھر مقامِ خضرہ پر جمع ہو رہے تھے پندرہ کس کا ایک دستہ خبر کے لیے بھیجا گیا تھا
۶۹	غزوہ فتح مکہ رمضان ۸ھ	۱۰۰۰۰ نبی کریم ﷺ	قریش مکہ		۲		۱۲	فتح ہوئی	علما میں اختلاف ہے کہ مکہ فتح ہوا ہے یا داخلہ صلح سے تھا حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ لشکر مکہ کو جائے اور جب تک کوئی مسلح دستہ مزاحم نہ ہو ہتھیار کا استعمال نہ کیا جائے لشکر شہر میں مختلف راستوں سے داخل ہوا صرف ایک دستہ فوج کی مزاحمت ہوئی نبی ﷺ نے قبضہ شہر کے بعد سب کو عام معافی دی۔
۷۰	سریہ خالد رمضان ۸ھ	خالد بن ولیدؓ	بت خانہ عزیٰ						عزیٰ قبیلہ بنو کنانہ کا بت تھا اسے خالد بن ولید نے جا کر توڑ دیا تھا۔
۷۱	سریہ عمرو بن العاص رمضان ۸ھ	عمرو بن العاصؓ	بت خانہ سواع						سواع قبیلہ بنو ہذیل کا بت تھا عمرو بن العاص نے توڑا تھا۔
۷۲	سریہ سعد اشہلی رمضان ۸ھ	سعد بن زید الاشہلیؓ الانصاری ❷	بت خانہ منات						منات قبیلہ اوس اور خزرج کا بت تھا سعد اشہلی نے توڑا تھا۔

❶ فارس رسول خطاب ہے۔ مشاہد نبوی ﷺ اور مشاہد مرتضوی رضی اللہ عنہ میں شامل رہے ۴۰ھ کوفہ میں وفات پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ سات تکبیروں سے پڑھائی۔

❷ عقبی بدری ہیں جملہ مشاہد نبوی میں ملتزم رکاب رہے۔

۷۳	سریہ خالد بن ولید شوال ۸ھ	۳۵۰ خالد بن ولیدؓ	بنوخزیمہ				۹۵	بنوخزیمہ کے جو پہلے ہی سے اسلام لا چکے تھے ۹۵ کس قتل کیے گئے نبی ﷺ اس قتل سے ناخوش ہوئے اور مقتولین کا خون بہا ادا کیا	حضرت خالد تبلیغ اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے۔ بنوخزیمہ پہلے ہی سے اسلام لا چکے تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی بابت شک ہوا ان کے آدمی قتل کیے گئے۔
۷۴	غزوہ حنین یا اوطاس یا ہوازن شوال ۸ھ	۱۲۰۰۰ نبی کریم ﷺ	بنوہوازن بنوثقیف بنومضر بنواسم وغیرہ		۶	۶۰۰۰	۷۱	فتح ہوئی	سب قیدی آنحضرت ﷺ نے بلا معاوضہ چھوڑ دیئے تھے۔ قیدیوں کو کپڑے بھی عطا فرمائے۔
۷۵	غزوہ طائف شوال ۸ھ	۱۲۰۰۰ نبی کریم ﷺ	بنوثقیف	جمع کثیر	۱۳	جمع کثیر		ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد نبیؐ چلے آئے تھے	محاصرہ اٹھا لینے کے بعد یہ لوگ از خود حاضر ہو کر اسلام لائے۔
۷۶	سریہ عیینہ بن حصین محرم ۹ھ	۵۰ سوار عیینہ بن حصین بن حذیفہ بن بدر الفزاری [1]	قبیلہ بنوتمیم			۶۲		عام بغاوت کا انسداد ہوگیا	اس قبیلہ نے ماتحت قبائل کو بہکایا اور ادائے خراج سے منع کیا پھر عیینہ کے جانے سے بھاگ گئے وہ ۱۱ مرد ۲۱ عورتیں ۳۰ بچے قید کر لائے جب ان کے سردار مدینہ میں حاضر ہوئے نبی ﷺ نے سب قیدیوں کو چھوڑ دیا۔
۷۷	سریہ قطبہ بن عامر صفر ۹ھ	۲۰ قطبہ بن عامر	قبیلہ خثعم	نصف سے زیادہ		اکثر		منتشر ہوگئے	مسلمانوں کیخلاف سازش کرنے کی تیاری کر رہے تھے کچھ لوگوں کو حضرت قطبہؓ اسیر کر لائے تھے نبی ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا۔

[1] بنوفزارہ کا سردار نبی ﷺ نے اسے احمق ومطاع بتایا تھا۔ جنگ کش جنگ جو، نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اس کی بیوی بہت خوبصورت ہے منشا ہو تو اس سے نکاح فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ہنس کر ٹال دیا۔

۷۸	سریہ ضحاک بن سفیان کلابی ربیع الاول ۹ھ	ضحاک رضی اللہ عنہ	قبیلہ بنو کلاب						مسلمان بنو کلاب کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے کفار نے مزاحمت کی مقابلہ ہوا اہل سریہ کی تعداد کسی کتاب میں نہیں ملی معدودے چند ہوں گے۔
۷۹	سریہ عبداللہ بن حذافہ ربیع الاول ۹ھ	۳۰۰ عبداللہ بن حذافہ القرشی السہمی [1]	حبشی لوگ بحری ڈکیت					دشمن منتشر ہوگیا	بحری ڈکیت تھے ساحل جدہ پر جمع ہوگئے تھے اور مکہ پر حملہ کرنے کی تیاری کرتے تھے اس سریہ کے جانے سے منتشر ہوگئے۔
۸۰	سریہ بنو طے ۹ھ	۱۵۰ علی مرتضی رضی اللہ عنہ	بنو طے			مسماۃ سفانہ دختر حاتم مع دیگر مردم		نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چھوڑ دیا دختر حاتم کو باکرام رخصت فرمایا	
۸۱	غزوہ تبوک رجب ۹ھ	۳۰۰۰۰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	قیصر ہرقل					سرحد پر مظاہرہ کرنے اور دشمنوں کو مرعوب بنانے کے بعد واپس تشریف لائے	پتہ لگا تھا کہ قیصر ہرقل مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تا کہ جنگ موتہ نمبر ۶۵ کا داغ دھویا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرحد پر تشریف لے گئے اس سے دشمن پر رعب چھا گیا اور جنگ کا عزم ترک کر دیا۔
۸۲	سریہ دومۃ الجندل	۴۲۰ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	اکیدر والی دومۃ الجندل					اکیدر والی دومۃ الجندل قید اور اس کا بھائی قتل ہوا تھا	اکیدر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بحال کر دیا۔ دیگر عیسائی حکومتوں کے ساتھ معاہدات کر لیے گئے۔

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بجانب کسریٰ۔ مہاجرین اولین سے ہیں حبشہ کی طرف ہجرت کی، طبیعت میں مذاق بہت تھا۔ بعد خلافت فاروق رضی اللہ عنہ عیسائیوں کے ہاتھ میں قید ہو گئے تھے۔ ہرقل نے عیسائی بنانے کی بہت کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا مصر میں وفات پائی۔

ناظرین چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمائیں کہ اس نقشہ میں

اول: سیف البحر نمبر ا، رابغ نمبر ۲، ضرار نمبر ۳، نخلہ نمبر ۸ بھی درج ہیں۔ حالانکہ یہ دستے محض گرداوری کے تھے جو ان راستوں ہی پر بھیجے گئے تھے جو مکہ سے مدینہ کو آتے ہیں، اس لیے کہ قریش جیسا خونخوار کینہ توز دشمن مسلمانوں کو بے خبری ہی میں آ کر نہ دبالے۔

محض سفر

دوم: اسی نقشہ میں غزوہ ودّان نمبر ۴، غزوہ بواط نمبر ۵، غزوہ ذوالعشیرہ نمبر ۷، درج ہیں، حالانکہ یہ محض سفر تھے، اور ان کا مقصود وعظ و ہدایت فرمانا بھی تھا اور قبائل سے معاہدات کر لینا بھی، تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف انکے دشمن قریش سے اتحاد نہ کرلیں۔

تبلیغ

اسی فہرست میں سریہ دومۃ الجندل بھی ہے حالانکہ یہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کا ایک سفر تھا جو عیسائی آبادی کی تبلیغ کے لیے کیا گیا تھا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف خاص دومۃ الجندل ہی میں جا کر اترے تھے اور تین روز برابر وعظ و پند ہی فرماتے رہے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کا سردار مسلمان ہو گیا تھا۔

اشتباہ

اس نقشہ میں سریہ قریظاء نمبر ۳۳ بھی شامل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ کو چند شخص ملے انہوں نے دشمن سمجھ کر ان کے سردار کو پکڑ لیا۔ نبی ﷺ نے تفحص کے بعد اسے (ثمامہ بن اثال کو) چھوڑ دیا اور وہ خلق محمدی پر فریفتہ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس فہرست میں ایسے واقعات بھی درج ہیں جنہیں قانونی اصطلاح میں صرف قتل ۳۰۲ تعزیرات ہند یا ڈکیتی ۳۹۵ یا قتل مع ڈکیتی ۳۹۶ کہا جاتا ہے۔ اس ضمن میں وہ واقعات بھی ہیں کہ

(الف): مسلمانوں کے خلاف کسی حرکت کا ارتکاب ہوا

مثلاً کرز بن جابر مدینہ سے مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گیا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے تعاقب کیا۔ نبی ﷺ بھی شامل ہو گئے نقشہ میں اس کا نام غزوہ سفوان نمبر ۶ ہے، ذرا غور کرنا چاہیے کہ ایسے واقعہ کی نسبت کوئی کہہ سکتا ہے کہ غزوہ نبوی ﷺ کفار کیخلاف صرف اسلام قبول کرانے کے لیے تھا۔

مثلاً عمرو بن امیہ یکہ وتنہا مکہ سے مدینہ اس لیے آیا تھا کہ داؤ پا کر نبی ﷺ کو قتل کر ڈالے وہ آیا اور چہرۂ انور کی زیارت کرتے اور کلام مبارک کے سنتے ہی مسلمان ہو گیا اور پھر گھر کو چلا گیا۔ اس نقشہ میں اسے سریہ عمرو بن امیہ نمبر ۷۴ درج کیا گیا ہے۔

مثلاً مرض استسقاء کے چند مریض نبی ﷺ کی خدمت میں آئے نبی ﷺ نے ان کو بمقام عرینہ اپنے چرواہوں کے پاس رکھا وہ اونٹ کا دودھ اور پیشاب پی کر اچھے ہو گئے۔ پھر چرواہوں کو قتل کر کے اونٹ بھی لوٹ کر لے گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور پکڑ لیا قتل مع ڈکیتی کے جرم میں وہ بھی کیفر کردار کو پہنچائے گئے اس نقشہ میں اسے سریہ کرز بن جابر نمبر ۴۶ درج کیا گیا ہے۔

مثلاً بنو غطفان نے غابہ میں ڈکیتی کی نبی ﷺ کے چرواہے کو قتل کر کے اس کی جورو اور اونٹوں کو لے گئے۔ خبر ہونے پر نبی ﷺ نے ان کا تعاقب کیا نقشہ میں اس کا نام غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ نمبر ۳۵ درج ہے۔

مثلاً ہنید بن عوص کے ڈکیتوں کے گروہ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو لوٹ لیا تھا۔ یہ نبی ﷺ کے سفیر تھے اور ہرقل کے پاس سفارت پہنچا کر واپس آ رہے تھے۔ ڈکیتوں نے وہ تمام تحائف بھی لوٹ لیے تھے جو ہرقل نے نبی ﷺ کے لیے ارسال کیے تھے۔ ان ڈکیتوں کی سزا دہی کے لیے ایک افسر مقرر کیا گیا۔ اس نقشہ میں اسے سریہ حسمی نمبر ۵۵ درج کیا گیا ہے۔

مثلاً زید بن حارثہ کے قافلۂ تجارت کو قوم فزارہ نے جو زیر سرداری ام قرفہ تھے لوٹ لیا تھا ان کی گرفتاری کے لیے ایک افسر مامور ہوا۔ اس نقشہ میں سریہ ام قرفہ نمبر ۴۴ کے نام سے درج ہے۔

مثلاً سریہ قطن کی بھی یہی حالت ہے کہ ڈکیتی پیشہ گروہ کے منتشر اور مرعوب کرنے کے لیے ایک جمعیت بھیجی گئی تھی۔ اور وہ نقشہ میں سریہ نمبر ۲۱ درج ہے۔

(ب): ایسے واقعات بھی ہیں جو مسلمانوں سے غیر مسلموں کے مقابلہ میں ہوئے۔

- عمیر بن عدی۔ نے اپنے قبیلہ کی ایک عورت عصماء نامی کو جو غالباً ان کی بیوی بھی رہ چکی یا رشتہ کی بہن تھی، قتل کر ڈالا تھا، سریہ نمبر ۱۰
- سالم بن عمیر نے ایک یہودی کو قتل کر ڈالا تھا، سریہ نمبر ۱۱
- محمد بن مسلمہ نے اپنے برادرِ رضاعی کعب بن اشرف یہودی کو قتل کر ڈالا تھا۔ سریہ نمبر ۱۶۔
- عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے سفیان بن خالد ہذلی کو مار ڈالا تھا۔ سریہ نمبر ۲۲
- عبداللہ بن عتیک نے سلام بن ابی الحقیق یہودی کو مار ڈالا تھا۔ سریہ نمبر ۳۱

یہ سب ایسے واقعات ہیں، جن کا شمار جنگ کے نام سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ گو ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ مقتولوں کی کشتنی و گردن زدنی ہونے کی وجہ سے یا قاتلوں کے صرف جوش مذہبی کی وجہ سے ان کا ارتکاب ہوا تھا۔

واعظین اسلام کا قتل

اسی نقشہ کے اندر واقعہ رجیع بھی درج ہے چند لوگ دس واعظوں کو نبی ﷺ کی اجازت سے اپنے ساتھ لے گئے اپنے علاقے میں لے جا کر آٹھ کو قتل دو کو فروخت کر ڈالا۔ نقشہ میں اس کا نام سریہ رجیع نمبر ۲۳ ہے۔ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ ان کے علاقہ تک دو سو سواروں کو لے کر گرداوری کر کے واپس تشریف لے آئے تھے، جس سے مقصود ان سرکشوں کو صرف مرعوب کر دینا تھا وہ اس نقشہ میں غزوہ لحیان نمبر ۳۴ کے نام سے درج ہے۔

مقام ذی القصہ پر بھی ایسا ہی ہوا دس عالمانِ دین تبلیغ کے لیے نکلے تھے۔ رات کو ایک جگہ سوئے بنو ثعلبہ نے حملہ کر کے ان میں ۹ کو شہید کر ڈالا ایک سخت زخمی ہوئے۔ اس نقشہ میں وہ سریہ ذی القصہ نمبر ۳۷ درج ہے۔ ان بنو ثعلبہ کے مرعوب کرنے کو دو سردار بھیجے گئے تھے۔ وہ سریہ نمبر ۳۸ اور سریہ نمبر ۴۰ کے نام سے درج ہیں۔ علیٰ ھذا ملک نجد کے لیے ۷۰ واعظ بھیجے گئے تھے۔ والی نجد کا چچا

ان کی حفاظت کا خود ذمہ دار بنا تھا۔ جب وہ اس کے علاقہ میں پہنچے تو حملہ کر کے سب کو شہید کر ڈالا ایک مسلمان سخت زخمی ہو کر جانبر ہو گیا۔ نقشہ میں اس کا نام سریہ بئر معونہ نمبر ۲۴ ہے۔

بعض واقعات صرف غلط فہمی سے وقوع میں آئے تھے۔

مثلاً اسیر بن رزام یہودی اپنے تیس آدمیوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی معیت میں مدینہ کو آ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسیر کو اس لیے طلب فرمایا تھا کہ اسے اس کے قبیلہ کا سردار بنایا جائے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تیس ہی مسلمان تھے۔ ایک ایک اونٹ پر ایک مسلمان ایک یہودی سوار تھا۔

اُسیر نے چپکے سے عبداللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ انہوں نے اونٹ سے نیچے کود کر اُسیر کے ضرب لگائی اس نے عبداللہ کو ضرب لگائی سرداروں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر ہمراہی بھی لڑ پڑے، تیس مسلمانوں نے تیس یہودیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس نقشہ میں یہ سریہ عبداللہ بن رواحہ نمبر ۴۵ کے نام سے درج ہے۔

اس واقعہ میں شاید کوئی شخص یہودیوں کو مقتول اور مسلمانوں کو قاتل سمجھ کر اس کو غلط فہمی پر محمول نہ کرے، لیکن خود مسلمانوں کے اندر باہمی بھی ایسی غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔

مثلاً خالد بن ولید بنو خزیمہ میں تبلیغ اسلام کرنے گئے تھے وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے لشکر اسلام کی آمد سنی تو مسلح ہو کر آگے بڑھے۔ خالد ان کے مسلح ہونے کی وجہ سے غلطی میں پڑ گئے۔ بنو خزیمہ سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے أَسْلَمْنَا أَسْلَمْنَا کہنے کی بجائے أَصْبَأْنَا أَصْبَأْنَا۔ کا لفظ استعمال کیا۔ ان غلطیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے کچھ سواروں نے قبیلہ کے کچھ آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اس نقشہ میں اس کا نام سریہ خالد نمبر ۳۷ ہے۔

ایسا ہی واقعہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان کو ایک مسلمان دشمن کے ملک میں ملا اس نے مسلمان ہونے کا اظہار بھی کیا، مگر ان کا شبہ رفع نہ ہوا اور قتل کر دیا۔ وہ اس نقشہ میں سریہ خربہ نمبر ۵۹ کے نام سے درج ہے۔

ایسا ہی واقعہ عمرو بن امیہ ضمری کا ہے۔ انہوں نے دو شخصوں کو بیر معونہ کے قریب دیکھا اور ان کو ۷۰ مسلمانوں کے قاتلوں میں سے سمجھا اور مار ڈالا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی دیت ادا کی۔ اس نقشہ میں وہ سریہ بیر معونہ نمبر ۲۵ کے نام سے درج ہے۔

اس سے بھی عجیب تر سریہ نمبر ۷۰ و سریہ نمبر ۷۱ و سریہ نمبر ۷۲ ہیں۔ ان کا خلاصہ تو یہ ہے کہ یہ قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور انہیں کی مرضی کے موافق ان بت خانوں کو گرایا گیا۔ مگر اس نقشہ میں ان کا اندراج سرایا کے نام سے ہے۔

تفصیلات بالا سے ایک تحقیق دوست شخص سمجھ سکے گا کہ عنوان غزوات و سرایا کے تحت میں صرف لڑائیاں درج نہیں کی گئیں بلکہ نبی ﷺ یا مسلمانوں کا سفر درج ہے ہم اس نقشہ کے اندر اگر اصلی لڑائیوں کا انتخاب کرنے لگیں گے تو ان کا شمار بہت کم نکلے گا۔

بدر نمبر ۹، اُحد نمبر ۱۹، غزوۂ احزاب نمبر ۳۰ خیبر نمبر ۴۹ فتح مکہ نمبر ۶۹ غزوہ حنین نمبر ۷۴ بیشک لڑائیاں ہیں مگر نقشہ میں ان کی تعداد کو بھی بڑھانے کی سعی کی گئی ہے۔

مثلاً غزوہ حمراء الاسد نمبر ۲۰ کو غزوہ احد نمبر ۱۹ سے علیحدہ شمار کیا گیا ہے حالانکہ احد پہلے دن کی لڑائی کا نام اور حمراء الاسد

دوسرے دن کے تعاقب یا تجسس دشمن کا۔ پھر اس کا شمار علیحدہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ جملہ غزوہ وسرایا کو ان کے مناسب عنوانات کے تحت میں درج کر دوں، تا کہ ناظرین کتاب میرے مدعا کو بخوبی ذہن نشین فرما لیں۔

اول: تکمیل معاہدات وتبلیغ اسلام ومواعظ کے لیے سفر

غزوہ ودّان نمبر ۴، غزوہ بواط نمبر ۵، غزوہ ذوالعشیرہ نمبر ۷، سریہ دومۃ الجندل نمبر ۴۲، غزوہ حدیبیہ نمبر ۸

دوم: حملہ آور دشمن کے احوال کی دریافت

سیف البحر نمبر ۱، رابغ نمبر ۲، ضرار نمبر ۳، سریہ نخلہ نمبر ۸، سریہ قردہ نمبر ۱۸ سریہ ابوقتادہ نمبر ۶۸۔

سوم: گرداوری تا سرحد حملہ آوران جس کا مقصود دشمن کو مرعوب کر کے اس کو حملہ آوری سے روکنا تھا۔ غزوہ قرقرۃ الکدر نمبر ۱۴، سریہ قرقرۃ الکدر نمبر ۱۵۔ غزوہ ذی امر نمبر ۱۷۔ بدر اخریٰ نمبر ۲۷۔ غزوہ دومۃ الجندل نمبر ۲۸، سریہ قریظاء نمبر ۳۳، غزوہ بنولحیان نمبر ۳۴، سریہ غمر نمبر ۳۶، غزوہ بنوثعلبہ نمبر ۳۸، سریہ جموم نمبر ۳۹، سریہ طرف نمبر ۴۰ سریہ وادی القریٰ نمبر ۴۱، سریہ فدک نمبر ۴۳، غزوہ وادی القریٰ نمبر ۵۰ غزوہ ذات الرقاع نمبر ۵۱، سریہ عیص نمبر ۵۲ سریہ کدید یا سریہ غالب نمبر ۵۳، سریہ غالب نمبر ۵۴ سریہ تربہ نمبر ۵۶ سریہ بنوکلاب نمبر ۵۷ سریہ منقعہ نمبر ۵۸ سریہ بنومرہ نمبر ۶۰، سریہ بشیر نمبر ۶۱، سریہ ابن ابی العوجا نمبر ۶۲، سریہ کعب بن عمیر نمبر ۶۳، سریہ شجاع بن وہب نمبر ۶۴، سریہ عمرو بن العاص نمبر ۶۶، سریہ ابوعبیدہ نمبر ۶۷، سریہ ابوقتادہ نمبر ۶۸، سریہ عیینہ نمبر ۷۶، سریہ قطبہ نمبر ۷۷، غزوہ تبوک نمبر ۸۱، سریہ دومۃ الجندل نمبر ۸۲۔

چہارم: سزادہی گروہ ڈکیتی پیشگاں۔

سریہ حسمی نمبر ۵۵۔ سریہ ام قرفہ نمبر ۴۴، سریہ عرنیین نمبر ۴۶۔

پنجم: تعاقب ڈکیتیاں

غزوہ سفوان نمبر ۶۔ سریہ قطن نمبر ۲۱، غزوہ ذی قردہ یا غزوہ غابہ نمبر ۳۵، سریہ عبداللہ بن حذافہ نمبر ۷۹۔

ششم: معاہد اقوام کی جانب سے بغاوت، غدر اور بلوے اور ان کے انجام۔

غزوہ بنوقینقاع نمبر ۱۲ سریہ رجیع نمبر ۲۳، سریہ بئر معونہ نمبر ۲۴ غزوہ بنونضیر نمبر ۲۶ سریہ بنومصطلق نمبر ۲۹، غزوہ بنوقریضہ نمبر ۳۲، سریہ ذی القصہ نمبر ۷۳، سریہ بنی طے نمبر ۸۰۔

ہفتم: غلط فہمیاں

سریہ عمرو بن امیہ نمبر ۲۵، سریہ عبداللہ بن رواحہ نمبر ۴۵، سفر عمرو بن امیہ نمبر ۴۷، سریہ خربہ نمبر ۵۹، سریہ خالد نمبر ۷۳، سریہ ضحاک بن سفیان نمبر ۷۴۔

ہشتم: بت شکنی۔

سریہ خالد نمبر ۷۰ سریہ عمرو بن العاص نمبر ۷۱ سریہ سعد اشہلی نمبر ۷۲۔

نہم: جنگ۔

بدرالکبریٰ نمبر ۹، غزوہ احد نمبر ۱۹، غزوہ احزاب نمبر ۳۰، غزوہ خیبر نمبر ۴۹، سریہ موتہ نمبر ۶۵، فتح مکہ نمبر ۶۹، غزوۂ حنین نمبر ۷۴۔

دہم: تعاقب دشمنان

غزوۃ السویق نمبر ۱۳۔ حمراء الاسد نمبر ۲۰، غزوۂ طائف نمبر ۷۵۔

یازدہم: لوکل یا پرسنل واقعات مقامی یا شخصی

سریہ عمیر نمبر ۱۰، سریہ عالم نمبر ۱۱، سریہ محمد بن مسلمہ نمبر ۱۲، سریہ ابن انیس نمبر ۲۲، سریہ ابن عتیک نمبر ۳۱۔

امید ہے کہ صراحت بالا کا علم ہونے اور اس پر غور کے بعد اس نقشہ کا طول جو ہم غزوات و سرایا کی بابت دے آئے ہیں بہت مختصر نظر آنے لگے گا، لیکن ہم ناظرین کتاب کو اس مسئلہ کے ہر پہلو سے واقف کرنا چاہتے ہیں کہ بصیرت کامل ہو جائے۔

غزوات و سرایا کی تقسیم ہم فرقہ بندی پر کرتے ہیں، تا کہ معلوم ہو سکے کہ کن کن قبائل کے ساتھ یہ جھگڑے ہوئے شخصی واقعات کو جن کا شمار (۵) ہے، چھوڑ دیا گیا۔

(۱) قریش مکہ

سیف البحر نمبر ۱۔ رابغ نمبر ۲۔ ضرار نمبر ۳۔ بواط نمبر ۵۔ سفوان نمبر ۶۔ ذوالعشیرہ نمبر ۷۔ غزوۃ السویق نمبر ۱۳۔ ذی قردہ نمبر ۱۸۔ احد نمبر ۱۹۔ حمراء الاسد نمبر ۲۰۔ بدرالاخریٰ نمبر ۲۷۔ احزاب نمبر ۳۰۔ سریہ عیص نمبر ۵۲۔ سریہ عمرو بن امیہ نمبر ۴۷۔ حدیبیہ نمبر ۴۸۔ سیف البحر نمبر ۶۷۔ مکہ نمبر ۶۹۔

(۲) بنوغطفان وانمار

قرقرۃ الکدر نمبر ۱۴۔ نمبر ۱۵۔ ذی امر نمبر ۱۷۔ دومۃ الجندل نمبر ۲۸۔ بنو مصطلق نمبر ۲۹۔ غابہ نمبر ۳۵۔ وادی القریٰ نمبر ۴۱۔ سریہ کرز بن جابر نمبر ۴۶۔ ذات الرقاع نمبر ۵۱۔ سریہ تربہ نمبر ۵۶۔ سریہ منقعہ نمبر ۵۸۔ سریہ خربہ نمبر ۵۹۔ سریہ ابوقتادہ نمبر ۶۸۔ سریہ عبداللہ بن حذافہ نمبر ۷۷۔

(۳) بنوسلیم

بیر معونہ نمبر ۲۴، جموم نمبر ۳۹، ابن ابی العوجاء نمبر ۶۲، بنوملوح حلیف بنوسلیم نمبر ۵۳۔

(۴) بنوثعلبہ

ذی القصہ نمبر ۳۷۔ بنوثعلبہ نمبر ۳۸۔ طرف نمبر ۴۰۔ سریہ حسمی نمبر ۵۵

(۵) بنوفزارہ وعذرہ

سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نمبر ۴۴۔ سریہ فدک نمبر ۵۴۔ سریہ بشیر بن سعد نمبر ۶۱۔ ذات اطلح نمبر ۶۳۔

(۶) بنوکلاب و بنومرہ

قریضہ نمبر ۳۳۔ بنوکلاب نمبر ۵۷۔ بنومرہ نمبر ۶۰۔ سریہ ضحاک نمبر ۷۸۔

(۷) بنوعضل وقارہ

رجیع نمبر ۲۳

(۸) بنواسدو بنوقضاعہ

قطن نمبر ۲۱۔ غمر نمبر ۳۶۔ ذات السلاسل نمبر ۶۶۔

(۹) بنوذکوان

بیرمعونہ نمبر ۲۴۔ اسی کو ہم نے بنوسلیم کے تحت میں درج کیا ہے۔ واقعہ ایک ہے دوقبائل کا تعلق تھا۔

(۱۰) بنولحیان

غزوہ نمبر ۳۴

(۱۱) بنوسعد بن بکر

فدک نمبر ۴۳

(۱۲) بنوہوازن

ذات عرق نمبر ۶۴

(۱۳) بنوتمیم

سریہ عیینہ نمبر ۷۶

(۱۴) بنوثقیف

حنین نمبر ۷۴۔ طائف نمبر ۷۵۔

(۱۵) یہود

بنوقینقاع نمبر ۱۲۔ بنونضیر نمبر ۲۶۔ بنوقریظہ نمبر ۳۲۔ سریہ ابن رواحہ نمبر ۴۵۔ خیبر نمبر ۴۹۔ وادی القریٰ نمبر ۵۰

(۱۶) عیسائیان

موتہ نمبر ۶۵۔ بنوطے نمبر ۷۹۔ تبوک نمبر ۸۰۔ دومۃ الجندل نمبر ۲۸، ۴۲، ۸۲

متعدد قبائل کے نام دیکھ کر ناظرین کو خیال ہوگا کہ اتنے قبائل سے جنگ کی وجوہات کیا ہیں؟

قبائل کا اتحاد خاندانی

ہم اول تو ان قبائل کے باہمی تعلقات قرابت کو بیان کریں گے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ فی الواقع یہ قبائل اتنے ہی ہیں

جس قدر بادی النظر میں معلوم ہوتے ہیں یا یہ سلسلۂ جدّیت کی وحدت میں منسلک ہیں اور حیات اور بقا اور جنگ وصلح میں وہ اس قدر متوافق ومتحد چلے آئے تھے کہ ایک ہی سمجھے جاتے اور ایک ہی شمار ہوتے تھے۔

واضح ہو کہ الیاس بن مضر کے تین فرزند تھے۔

اول: قیس، عیلان اور بنوغطفان۔ بنوثعلبہ۔ بنومحارب۔ بنواشجع۔ بنوبیساں۔ بنوفزارہ اسی سعد بن قیس کی اولاد ہیں۔

دوم: طانجہ۔ بنوتمیم اسی فرزند عدی بن طانجہ کی اولاد ہیں۔

سوم: مدرکہ اور بنواسد۔ بنوہون۔ بنوقارہ۔ بنوعضل اور بنوکنانہ (جس کے اندر الاحابیش وبنوخزیمہ یعنی بنومصطلق اور قریش داخل ہیں) اسی مدرکہ کے فرزند خزیمہ کی اولاد ہیں۔

اس شجرہ سے ایک محقق معلوم کر سکتا ہے کہ یہ تمام قبائل قریش ہی کے جدی اور شخص واحد الیاس بن مضر کی اولاد تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ جو کچھ لڑائی وغیرہ ہوئی وہ حضور ﷺ کے جدی بھائیوں ہی کے غیظ وغضب کا نتیجہ تھا۔

یہودی قریش کے ساتھ معاہدات کی رو سے متفق تھے، جیسا کہ ۱۹۱۴ء میں ترکی اور جرمنی تھے۔ اس اصلیت کے منکشف ہو جانے کے بعد نبی ﷺ کے غزوات وسرایا یعنی لڑائیاں صرف ایک ہی نسل کے شخصوں یعنی بنوالیاس بن مضر سے ہوئیں، جس نسل سے خود آنحضرت ﷺ بھی ہیں کوئی بھی معترض یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے عرب بھر میں لڑائی پھیلا دی تھی یا یہ کہ اسلام کو بہ جبر قبول کروانے کے لیے لڑائی کی جاتی تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عرب کے سیکڑوں قبائل میں سے کسی اور کے ساتھ بھی جارحانہ مخاصمانہ یا مدافعانہ طاقت آزمائی ہوئی ہوتی۔ یہ دلیل ایسی صاف اور مستحکم اور سراپا حقیقت ہے کہ غزوات نبوی ﷺ کے متعلق جن دلائل کو ہمارے علمائے کرام آج تک پیش کرتے رہے ہیں اور جو بجائے خود بہت کچھ قابل وقعت اور قابل قبولیت ہیں، ان کی حاجت نہیں رہ جاتی، البتہ فلسفہ تاریخ ہنوز اس امر کا ہم سے خواستگار ضرور ہے کہ مندرجہ بالا قبائل کیوں کر جنگ میں شامل ہوتے رہے اور کیونکر اور کب مسلمانوں کے خلاف وہ فریق مخالف ٹھہرے، اس انکشاف کے بعد ہماری پیش کردہ دلیل کو درجہ برہان حاصل ہو جائے گا۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ غزوات وسرایا کا آغاز ہجرت کے بعد ہوا تھا۔ پہلا غزوہ یا جنگ واقعہ بدر ہے جو ہجرت کے دوسرے ہی سال میں ہوا تھا۔ ہم کو تفحص کرنا ضروری ہے کہ قریش کے حملہ آور لشکر میں کن کن قبائل کے لوگ شامل ہوئے تھے۔

(۱) قریش مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے مگر ان کے درمیان بنوکنانہ کا علاقہ پڑتا تھا، جن سے قریش کی جانی عداوت۔ مخاصمت کئی پشتوں سے چلی آتی تھی۔ قریش کو مدینہ پر حملہ آور ہونے میں دو مشکلات کا سامنا تھا۔

الف: بنوکنانہ ان کو اپنے علاقہ سے فوج لے جانے نہ دیں گے۔

ب: اگر فوج کو راہ مل بھی گئی، تب بھی اندیشہ ہے کہ بنوکنانہ ادھر تو حملہ آور فوج کا سلسلہ عقب سے منقطع کر دیں اور ادھر خود مکہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں کیونکہ وہاں کوئی بھی ہتھیار اٹھانے والا باقی نہ رہ گیا ہوگا۔

یہ خیالات ایسے قوی تھے کہ قریش کو مجبوراً حملہ آوری کے ارادوں کو چھوڑ دینا ضروری تھا۔

(۲) سراقہ [1] بن مالک المدلجی الکنانی، جواس درمیانی علاقہ کا سردار تھا اسے بھی معلوم ہوگیا کہ قریش صرف اس کی وجہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے رکے ہوئے ہیں، اس لیے سراقہ مذکور خود مکہ گیا۔ اس نے تمام پچھلی عداوتوں کو چھوڑ کر قریش کے ساتھ معاہدہ اتحاد کرلیا اور صاف صاف طور پر یہ طے ہوگیا کہ جب قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنی فوج لائیں گے تو سراقہ ان کو اپنے علاقہ سے راستہ دے دے گا اور خود ان کے وطن کو کوئی گزند نہ پہنچائے گا بلکہ جہاں تک ممکن ہوا وہ قریش کو مسلمانوں کے خلاف امداد بھی دے گا۔

یہی تھا وہ معاہدہ شیطانی جس کے ذریعہ یہ شخص مسلمانوں پر قریش کے حملہ کر سکنے کا سبب قوی بنا تھا۔

(۳) الاحابیش اور بنومصطلق بھی سراقہ کے ساتھ اس معاہدہ میں شامل تھے لہٰذا بدر کی اولین جنگ ہی پہلا موقع ہے کہ الاحابیش اور بنومصطلق بھی مسلمانوں کے دشمن یعنی قریش کے ساتھ عملی طریق پر شامل ہوئے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ الاحابیش اور بنومصطلق بنو کنانہ ہیں اور ان کے تحت مندرجہ ذیل قبائل شامل ہیں۔

الاحابیش [2]	بنونضر	یعنی اولاد نضر بن کنانہ
	بنومالک	یعنی اولاد مالک بن کنانہ
	مطیبین [3]	یعنی اولاد حرث بن مالک
بنومصطلق کے تحت میں مندرجہ ذیل قبائل ہیں	بنوالحرث	حرث بن لوی سے
	بنوالعوف	عوف بن لوی سے
	بنوکعب	کعب بن لوی سے
	بنوعدی	عدی بن کعب سے
	بنوہصیص	ہصیص بن کعب سے
	بنوجمح	جمح بن کعب سے
	بنومرہ	مرہ بن کعب سے
	بنوسہم	سہم بن کعب سے
	بنوتیم	تیم بن مرہ سے
	بنوکلاب	کلاب بن مرہ سے
	بنوزہرہ	زہرہ بن کلاب سے
	بنوقصی	قصی بن کلاب سے

[1] راہ ہجرت میں سراقہ ہی نے بامید انعام مشتہرہ قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا تھا۔ سراقہ ۸ھ میں داخل اسلام ہوئے اور ۲۴ھ میں وفات پائی۔
[2] احابیش حبشی سے بنا ہے یہ مکہ کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے جس کے پاس انہوں نے ایک معاہدہ کیا تھا اس لیے احابیش کہلائے۔
[3] انہوں نے ایک معاہدہ کرتے وقت عطر کا استعمال کیا تھا اس لیے مطیبین کہلائے۔

جنگ بدر کا نتیجہ جب قریش کے خلاف نکلا تب سراقہ کو افسوس رہا کہ اس نے کیوں قریش کو مسلمانوں کے خلاف پوری پوری مدد نہ دی۔ چنانچہ احد میں اس نے تلافی مافات کر دی اور عملاً شامل جنگ ہوا۔

(۴) واقعہ احد کو دیکھئے کہ قریش کا لشکر تین ہزار کی تعداد میں ہے جس میں قریش صرف ایک ہزار اور باقی دو ہزار ان ہی قبائل کے ہیں جو فرزندان الیاس بن مضر ہیں۔

امام علی بن برہان الدین حلبی ❶ نے جنگ احد میں بنو المصطلق اور بنو ہون بن خزیمہ کی شمولیت اور واقدی نے بنو ثقیف کی شمولیت بیان کی ہے اور سیرۃ النبویہ میں الاحابیش کی شمولیت کی صراحت کی گئی ہے۔ ❷ پس احد میں ان قبائل کا پہل کر کے کھلم کھلا میدان میں آ جانا ہر محقق کو مطمئن کر سکے گا کہ ان قبائل سے مسلمانوں کا بطور فریق جنگ برتاؤ کرنا بالکل دنیا کے مسلمہ قانون جنگ کے اتباع میں تھا۔

(۵) احد کے بعد دشمنوں کا بہت بڑا حملہ مسلمانوں پر جنگ خندق ہے۔ جسے قرآن مجید میں جنگ احزاب بتایا گیا ہے لشکروں کا اجتماع اور مسلمانوں کی پریشانی و کمزوری قرآن مجید کے مندرجہ ذیل کلام صدق التیام سے بخوبی واضح ہوتی ہے:

﴿ إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۠ ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ ﴾ ❸

''جب دشمن شہر کے اوپر اور نیچے کی جانب سے آ گئے جب (مسلمانوں کی) آنکھیں پتھرا گئیں اور دل حلق تک اچھل آئے اور جب تم اللہ پر کچھ کچھ گمان کرنے لگے ایسے وقت میں مسلمانوں کی سخت آزمائش کی گئی اور ان کو بہت زور سے جھنجھوڑا گیا۔''

اب ان چند در چند لشکروں کا تفحص کرنا چاہیے کہ کن کن قبائل سے مرکب ہیں۔

الف: قریش اور ان کے اتباع	زیر کمانڈ ابوسفیان اموی
ب: بنو سلیم	زیر کمانڈ سفیان بن عبد شمس (ابوالاعور اسلمی)
ج: بنو اسد	زیر کمانڈ طلیحہ بن خویلد الاسدی
د: بنو اشجع	زیر کمانڈ ابومسعود بن اخیلہ
ہ: بنو مرہ	زیر کمانڈ حرث بن عوف مری
و: بنو غطفان و اتباع بنو غطفان یعنی بنو عبس۔ بنو ذبیان، بنو العشراء بنو سعد۔ بنو الحسراء شبیع۔ بنو حجاش۔ بنو فزارہ۔	زیر کمانڈ عیینہ بن حصین
ز: ۷۰۰ کس یہودان خیبر و نواحی فدک وام القریٰ و تیماء	زیر کمان حیی بن اخطب
ح: قبیلہ ہوازن	زیر کمان عامر بن طفیل

❶ انسان العیون، جلد ۲، ص: ۲۱۸۔ ❷ واقدی، ص: ۱۴۷۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب: ۱۰، ۱۱۔

جملہ قبائل بالا اس لشکر میں موجود تھے۔

ط: یہودان بنوقریظہ مقیم مدینہ نے دشمنوں کو آلات کثیرہ۔ مساحی، کرادین اور مکاتل سے امداد دی تھی۔ ❶

ان قبائل کے فریق جنگ بن جانے کے بعد ایک محقق کے لیے پوری پوری وجہ منکشف ہو جاتی ہے کہ کیوں فلاں فلاں قبائل کی سرحد پر مسلمانوں نے مظاہرہ کیا یا کیوں فلاں قبیلہ کے شخص کی گرفتاری عمل میں آئی جنگ خیبر و مکہ و حنین و طائف کے بواعث بھی اسے معلوم ہو جائیں گے کیونکہ یہ وہی قبائل ہیں جو احد اور خندق میں مسلمانوں پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

الغرض کوئی ایسا قبیلہ یا گروہ نہیں کہ مسلمانوں نے اس پر حملہ کرنے میں ابتدا کی ہو بلکہ جب متعدد بار اس نے حملے کیے تب اس کا انہوں نے جواب دیا ہے۔

ان سب انکشافات کے بعد ممکن ہے کہ معترض اپنے اعتراض کو ختم کر چکا ہو مگر ہنوز اس کے سینہ میں شکوک موجود ہوں تو میں اس سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نقشہ کے تمام نمبروں کو جو ۸۲ ہیں لڑائیاں ہی سمجھ لو اور ہر لڑائی کو جارحانہ تسلیم کر لو اور مان لو کہ ان سب لڑائیوں کا آغاز اور اقدام مسلمانوں ہی کی جانب سے ہوا تھا، پھر بھی لڑائیوں کے نتائج پر غور کرنا ضروری ہوگا۔ ہمارے پیش کردہ نقشہ سے ظاہر ہے کہ ان سب لڑائیوں میں مسلمانوں اور فریق مخالف کا نقصان حسب ذیل تھا۔

نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول	کل	کیفیت
مسلمان	۱	۱۲۷	۲۵۹	۳۸۷	ہر دو جانب کے زخمیوں کی تعداد صحیح معلوم نہیں
مخالف	۶۵۶۴		۷۵۹	۷۳۲۳	
میزان	۶۵۶۵	۱۲۷	۱۰۱۸	۷۷۱۰	اسیروں و مقتولوں کی تعداد ان شاء اللہ صحیح ہے

مقتولین ہر دو جانب کی تعداد (۱۰۱۸) ہے اور (۸۲) پر تقسیم کرنے سے فی جنگ ۱۳ سے کم ۴/۸/۱۱ اوسط نکلتی ہے کیا ایسی لڑائیوں کی نسبت کوئی ذی عقل یہ قرار دے سکتا ہے کہ صدہا سالہ مذاہب کے ترک کرانے اور نئے مذہب کے بہ جبر قبول کروانے کے لیے اور وہ بھی عرب جیسے خونخوار ملک میں یہ کافی مؤثر تھیں۔

دشمنوں کی تعداد اسیران کافی معلوم ہوتی ہے یعنی ۶۵۶۴ مگر یہ تعداد بھی جزیرہ نما عرب کی وسعت کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور چونکہ اس تعداد کے اندر بڑی تعداد (۶۰۰۰) ایک ہی غزوہ حنین کی ہے۔ اس لیے باقی جنگوں میں اوسط اسیران جنگ (۷) رہتا ہے۔ یہ تعداد بھی ایسی نہیں ہے جو تمام ملک کو تبدیلی مذہب پر مجبور کر سکے۔

ہم کو ۶۵۶۴ قیدیوں کی تعداد کے متعلق یہ تحقیق سے معلوم ہو گیا ہے کہ ۶۳۴۷ کو نبی کریم ﷺ نے از راہ لطف و احسان بلا کسی شرط کے آزاد فرما دیا تھا۔ صرف دو قیدی ایسے تھے جو سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیے گئے تھے ۲۱۵ قیدی ایسے رہ جاتے ہیں، جن کی بابت مجھ کو پتہ نہیں چلا۔ امید ہے کہ میرے بعد کوئی وسیع النظر عالم اس کی تکمیل فرما سکیں گے، مگر میں متیقن ہوں کہ جس ذات قدسی نے ۶۳۴۷ کے ساتھ لطف و احسان فرمایا تھا اس کے الطاف سے ۲۱۵ کس بھی ضرور بہرہ ور ہوئے ہوں گے

---

❶ انسان العیون، ج ۱، ص ۲۱۰۔

اور اغلب یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر مسلمانوں کے اندر رہ گئے ہوں گے اس لیے ان کا شمار رہائی پانے والوں میں نہیں ہوا۔

اعداد بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحشی عرب کو متمدین عرب اور ملحد و بت پرست عرب کو موحد و مسلم عرب بنانے ڈکیتی و خونخواری کی وارداتوں کو روکنے، فرانس سے دو چند بڑے ملک میں امن عامہ کو قائم اور مستحکم بنانے صدیوں اور نسلوں کی عداوت و مخاصمت کو مٹا کر اخوت و روحانیت کے قائم کرنے استبدادیت کو فنا کر کے جمہوریت کو استوار کرنے میں ۱۰۱۸ نفوس کی قربانیاں کی گئیں۔ اس کے مقابلے میں فرانس اور امریکہ کو جمہوریت کے قائم کرنے میں جس قدر قربانیاں کرنی پڑیں۔ انگلستان کو پارلیمنٹ کے لیے جتنے خون بہانے پڑے ان کا شمار کرو۔

دنیا کے ملحمۃ العظمی (عظیم ترین جنگ جو ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر تاریخ ۳ مارچ ۱۹۱۷ء تک متمدن دنیا کے حصہ کثیر پر جاری رہی ہے) کے نقصانات کو دیکھو۔ انگلستان کا مقصد اس جنگ میں صرف اتنا ہی بتایا گیا کہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی اور حفاظت کو برقرار رکھا جائے۔ صرف اتنے سے مقصد کے لیے لاکھوں نفوس اور اربوں اشرفیوں کو خاک و خون میں ملا دیا گیا۔ سیکڑوں جہاز سمندر میں غرق ہو چکے۔ تجارت عالم مخدوش ہو گئی، عیش و آرام کے سب سامان تباہ ہو چکے، با ایں ہمہ امید حصول مقصد آئندہ قربانیوں کے واسطے انگلش قوم پوری مستعدی سے آمادہ ہے۔ [1]

خیال کرو سیدنا محمد ﷺ کی کامیابی کا جنہوں نے فریقین کی صرف ۱۰۱۸ قربانیوں کے بعد اس قدر روحانی و اخلاقی و مادی و ملی فوائد حاصل کیے تھے، جن کو بہ حیثیت مجموعی آج تک دنیا کی کوئی قوم اور ملک حاصل نہیں کر سکا۔

اہل دنیا کی لڑائیوں کا ذکر چھوڑ دو۔ مقدسین کی لڑائیاں لو۔ مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا۔ ان کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے۔

جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ''اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن'' میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکت نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے۔ جو عیسائیوں کے ہاتھوں سے عیسائیوں کی ہوئی تھی۔ [2]

اکیلی سلطنت سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں سے بتیس ہزار آدمی زندہ آگ میں جلائے گئے تھے۔ [3]

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ ﴾ [4]

ملک یورپ کی جنگ عظیم جو اگست ۱۹۱۴ء سے جاری ہوئی میں نے انگریزی اخباروں کو دیکھا کہ رول آف آنرز کے نام سے ان بہادران جنگ کے نام شائع کرتے ہیں، جنہوں نے ملک اور بادشاہ کے لیے اپنے سر کٹوائے تھے۔ میرے دل میں زور سے یہ

---

[1] اخبار ہمدم ۱۷ اپریل ۱۹۱۹ء نے جنگ عظیم از ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء کے مقتولین کی تعداد مندرجہ ذیل طبع کی ہے روس ۱۷ لاکھ جرمنی ۱۶ لاکھ، فرانس ۱۳ لاکھ ستر ہزار، اٹلی ۴ لاکھ ساٹھ ہزار، آسٹریلیا ۸ لاکھ، برطانیہ ۷ لاکھ، ترکی ۲ لاکھ ۵۰ ہزار، بلجیئم ایک لاکھ ۲ ہزار، بلغاریہ ایک لاکھ رومانیہ ایک لاکھ سرویا مانٹی نیگرو ایک لاکھ، امریکہ پچاس ہزار، میزان ۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار۔ مضمون نگار کو شک ہے کہ انگلستان و فرانس کی تعداد میں ہندوستان اور فرانس کی نو آبادیوں کے مقتولین کی تعداد شامل ہے یا نہیں مگر یہ اقرار ہے کہ زخمیوں، اسیروں اور گمشدوں کی تعداد مذکورہ بالا اعداد میں شامل نہیں۔

[2] اعجاز التنزیل، ص: ٤٦١۔ [3] اعجاز التنزیل، ص: ٤٧٤۔ [4] ٤/ النساء:١٣٥۔

تحریک ہوئی کہ اس کتاب میں ان مقدسین کے مبارک ناموں کی فہرست ضرور شامل کی جائے، جنہوں نے سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے خاک وخون میں مل کر صداقت اور حقانیت پر اپنی زندگی کو نثار کیا، وہ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہم کو بتا رہا ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۟ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۟ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۟ ﴾ [1]

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں اور اللہ کے فضل سے جو کچھ ان کو ملا اُس پر خوش ہیں اور ان لوگوں کو جو ان سے نہیں ملے بشارت دیتے ہیں کہ اب انہیں کوئی خوف اور غم نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل پر خرم وشاداں ہیں اور اللہ تعالیٰ تو مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

وہ جن کی شان بلند میں رب العظیم کا فرمان ہے:

﴿ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ ﴾ [2] ''وہ جوانمرد کہ اللہ کیساتھ جو معاہدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔''

مجھے کسی کتاب میں ایسی فہرستیں مرتب شدہ نہ ملیں، اس لیے ان کتابوں کو پڑھا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر لکھی گئی ہیں۔ ان جواہر ریزوں کو چن چن کر اپنی آرائش کر لی ہے اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے بیر معونہ اور موتہ کی فہرستیں ہنوز تکمیل طلب ہیں، اگر حیات مستعار باقی رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ پوری کروں گا، ورنہ اس کمی کو کوئی اور صاحب پورا کریں۔

(۱) شہدائے بدر رضی اللہ عنہم

نام	کیفیت
۱: مہجع بن صالح	قوم عک سے تھے عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام سب سے پہلے یہی شہید ہوئے تھے نبی ﷺ نے فرمایا یَوْمَئِذٍ مِهْجَعٌ سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ۔ [3]
۲: عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی	قرشی المطلبی ابوالحارث یا ابومعاویہ کنیت ۶۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے سب سے پہلے اسلامی سریہ کے سردار یہی بنائے گئے تھے۔
۳: عمیر بن ابووقاص (مالک) بن اہیب بن عبد مناف۔	قرشی الزہری حضرت سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرۃ کے برادر خورد ہیں ۱۶ سال کی عمر تھی۔ نبی ﷺ نے ان کو بوجہ صغر سنی واپس کرنا چاہا تو رو پڑے اس لیے اجازت دی گئی لڑے اور خنداں خنداں روضہ رضوان کو سدھارے۔
۴: عاقل بن بکیر بن عبد یالیل	لیثی، ان کے بھائی خالد کا نام شہداء رجیع میں ہے

[1] ۳/ آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۱۔ [2] ۳۳/ الاحزاب: ۲۳۔

[3] زرقانی، کتاب المغازی، باب غزوۃ بدر الکبریٰ: ۲/ ۳۲۵، یہ اسلام ہی کی فیاضی ومساوات ہے کہ غلام بھی ہادیِ اسلام کی مبارک زبان سے سید الشہداء کا خطاب حاصل کر لیتا ہے کیا کسی قوم یا مذہب میں ایسی نظیر موجود ہے۔

۵: عمیر بن عبد عمیر بن نھلہ	ذوالشمالین لقب، ابو محمد کنیت، حلیف بنو زہرہ
۶: عوف یا عوذ بن عفراء	انصاری بخاری، عفراء انکی والدہ کا نام ہے والد کا نام حارث ہے۔
۷: معوذ بن عفراء	نمبر ۶ کے برادر شقیق
۸: حارث یا حارثہ بن سراقہ بن حارث	ان کی والدہ انس بن مالک کی پھوپھی ہیں، حلق پر تیر لگا تھا
۹: یزید بن حارث یا حرث بن قیس بن مالک	انصاری بخاری، مواخات میں ذوالشمالین نمبر ۵ کا بھائی تھا
۱۰: رافع بن معلّٰی بن لوذان	انصاری
۱۱: عمیر بن حمام بن جموح بن زید بن حرام	انصاری السلمی حضرت عبیدہ نمبر ۲ کے ساتھ مواخات تھی دونوں ایک ہی میدان میں سرخرو ہو کر رونق افروز جنت ہوئے۔ میدان جنگ میں ان کا رجز یہ تھا۔ رَكْضاءُ إِلَى اللّٰهِ بِغَيْرِ زَادِ أَلَا التُّقَى وَعَمَلُ الْمَعَادِ وَالصَّبْرِ فِي اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ وَكُلُّ زَادِ عِرْضَةُ النَّفَادِ
	غَيْرُ التُّقَى وَالْبِرِّ وَالرَّشَادِ
	انصاری الاشہلی
۱۲: عمار بن زیاد بن سکن بن رافع	
۱۳: سعد بن خیثمہ الانصاری الدوسی سعد الخیر لقب — ابو عبد اللہ کنیت۔	نقیب محمدی تھے باپ نے کہا تم ٹھہرو میں جاتا ہوں انہوں نے کہا مجھے بہشت میں جانے سے نہ روکو ان کے والد خیثمہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ پس یہ شہید بن شہید صحابی بن صحابی ہیں۔
۱۴: مبشر بن عبد المنذر بن زبیر بن زید	الانصاری الاوسی [1]

(۲) شہدائے غزوہ سویق

۱: معبد بن عمرو الانصاری	
۲: ایک حلیف معبد مذکورہ بالا کا	

شہدائے احد رضی اللہ عنہم مہاجرین

۱: حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی	عم النبی ﷺ اسد اللہ و رسولہ لقب۔ سید الشہداء خطاب

[1] زرقانی میں ہے: استشهد يوم بدر من المسلمين اربعة عشر رجلا كتاب المغازی، باب غزوة بدر الكبرى: ۲/ ۳۲۵۔ فہرست کے نام زرقانی اور الاستیعاب کے متفق علیہ ہیں بعض نے ۲۲ تعداد بتائی ہے مجھے ان کے علاوہ سعد بن خولی اور صفوان بن بیضاء فہری اور عبد اللہ بن سعید بن عاص اموی کے نام بھی ملے ہیں جن سے کل تعداد ۱۸ ہوئی ہے۔

۲: عبداللہ بن جحش الاسدی القرشی	المجدع فی سبیل اللہ لقب نبی ﷺ کے پھوپھیرے بھائی
۳: شماس بن عثمان بن شرید قرشی المخزومی	بدری دو ہجرتیں کیں۔ عمر بوقت شہادت ۲۴ سال
۴: مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی۔قرشی العبدری	دو ہجرتیں کیں، اولین مہاجر مدینہ۔ انصار کے دو قبیلے ان کی تعلیم سے داخل اسلام ہوئے۔ بدر اور احد میں رایۂ نبوی انہی کے ہاتھ میں تھا، ان کی شہادت کی بعد حضرت علی مرتضیٰ کو ملا۔ بزرگ ترین صحابہ میں سے ہیں۔ المقری القاری لقب۔ عمر بوقت شہادت ۴۰ سال۔

الانصار

۵: انس بن نضر نجاری	انس بن مالک کے چچا ان کے جسم پر ۸۰ سے زیادہ زخم تیر و تلوار اور نیزہ کے تھے۔ یہ ان بزرگوں میں ہیں جن کی شان میں آیت ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ [۳۳/الاحزاب ۲۳] نازل ہوئی۔ جب لشکر اسلام میں بھاگڑ پڑ گئی تو انہوں نے کہا الٰہی میں مسلمانوں کے افعال کی تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور مشرکین کے کرتوت سے براءت ظاہر کرتا ہوں پھر تلوار لیکر آگے بڑھے راہ میں سعد بن معاذ سے بولے سعد! دیکھو یہ ہے بہشت بخدا مجھے اسکی خوشبو آ رہی ہے حملہ کیا، لاشوں پر لاشے گراتے ہوئے شہید ہوئے۔
۶: انیس بن قتادہ بن ربیعہ بن خالد بن حارث	بدری ہیں
۷: ابوہبیرہ بن حارث بن علقمہ نجاری	انکا نام ہی ابوہبیرہ ہے۔ ابواسیرہ ان کے بھائی ہیں، (ابواسیرہ کا نام شہدائے احد میں صرف واقدی نے لکھا ہے۔ علما کا خیال ہے کہ یہ غلطی ہے۔)
۸: اوس بن ارقم بن زید بن قیس خزرجی	اکابر صحابہ میں سے ہیں
۹: ایاس بن اوس بن عتیک اشہلی	ان کے بھائی انس غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔
۱۰: اوس بن ثابت، مزنی	برادر حضرت حسان شاعر رسول اللہ ﷺ
۱۱: رفاعہ بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل	بوقت شہادت بہت بوڑھے تھے۔
۱۲: ثابت بن وقش	رفاعہ کے برادر حقیقی
۱۳: عمرو بن ثابت بن وقش	حذیفہ بن یمان صحابی کے بھانجے
۱۴: سلمہ بن ثابت بن وقش	بشرح صدر

۱۵: ثابت بن عمرو بن زید نجاری	بدری ہیں
۱۶: ثابت بن دحداح	بنو عجلان سے ہیں، انہی نے کہا تھا اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا یَمُوْتُ انہوں نے انصار کی مختصر جماعت کو فراہم کر کے حملہ کیا تھا۔ اس غزوہ کے سب سے آخری شہید ہیں۔
۱۷: ثعلبہ بن سعد بن مالک ساعدی	مشہور صحابی ابو حمید ساعدی کے چچا ہیں۔
۱۸: ثقب (یا ثقیب) بن فروہ بن بدن ساعدی	انساب انصار کے بڑے عالم تھے۔
۱۹: حارث بن اوس بن معاذ اشہلی	بدری حضرت سعد بن معاذ کے برادرزادے عمر بوقت شہادت ۲۸ سال
۲۰: عمرو بن معاذ اشہلی	بدری حضرت سعد بن معاذ کے برادر عمر ۳۲ سال
۲۱: حارث بن انس بن رافع اشہلی	بدری
۲۲: حارث بن عبداللہ بن سعد بن عمرو خزرجی	
۲۳: حارث بن ثابت بن سفیان بن عدی خزرجی	
۲۴: حارثہ بن عمرو	از بنو ساعدہ
۲۵: حبیب بن زید بن تمیم۔ بیاضی	
۲۶: حنظلہ بن ابی عامر، اوسی	اللہ کی شان ان کا لقب غسیل الملائکہ ہے اور انکے باپ کا لقب فاسق حضرت حنظلہ کے فرزند عبداللہ بھی صحابی اور شہید ہیں وہ یوم الحرہ کو ۶۳ھ میں شہید ہوئے۔
۲۷: خارجہ بن زید بن ابو زہیر خزرجی	عقبی، بدری ان کا خاندان بنو اعز کے نام سے مشہور ہے ان کی دختر حبیبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں ان کے فرزند زید بن خارجہ کا بعد الموت تکلم کرنا روایات میں ہے۔ حضرت خارجہ کے جسم پر دس سے زیادہ زخم تھے۔ مواخات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔
۲۸: سعد بن ربیع خزرجی	عقبی، بدری نقیب محمدی۔ حضرت خارجہ نمبر ۲۷ کے ابن عم دونوں ایک قبر میں دفن کیے گئے بقیہ ذکر جلد اول میں ہے
۲۹: جناب بن قیظی بن عمرو بن سہل اشہلی	
۳۰: صیفی بن قیظی بن عمرو بن سہل اشہلی	نمبر ۲۹، ۳۰ حقیقی بھائی ہیں اور ابو ہیثم بن تیہان نمبر ۴۸ کے بھانجے ہیں
۳۱: خیثمہ بن حارث بن مالک اوسی	ان کے فرزند سعد کا نام شہدائے بدر نمبر ۱۳ پر ہے۔

۳۲: ذکوان بن عبدقیس بن خلدہ زرقی	عقبی، بدری، مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی مدینہ میں اسلام سب سے پہلے یہ اور اسعد بن زرارہ لے کر گئے تھے۔
۳۳: رافع بن مالک بن عجلان زرقی خزرجی	ابو مالک کنیت۔نقیب محمدی۔عقبہ کی ہر سہ بیعت ٦ میں ١٢ میں ٧٠ میں شامل ہیں۔
۳۴: رافع موالی غزیہ بن عمرو	
۳۵: رفاعہ بن عمرو بن زید خزرجی	عقبی، بدری۔ابوالولید کنیت
۳٦: سعد یا سعید بن سوید بن قیس بن الجبر	خدری ہیں
۳۷: سہل بن عدی بن زید بن عامر اشہلی	
۳۸: سہل بن قیس بن ابی کعب بن قیس	بدری، اسلمی
۳۹: سبیع بن حاطب بن قتیس بن ہیشہ	اوسی
۴۰: سویبق بن حاطب بن حارث بن حاطب	
۴۱: صخرہ بن عمرو (بشر)	بنوحلیف من الخزرج کے حلیف تھے۔
۴۲: عبداللہ بن جبیر بن نعمان	عقبی، بدری اس غزوہ میں سردار تیر اندازاں تھے
۴۳: عبداللہ بن عمرو بن وہب بن ثعلبہ	ساعدی
۴۴: عبداللہ مجذر بن زیاد بلوی	بدری ہیں۔انصار کے حلیف تھے۔
۴۵: عبادہ بن خشخاش بن عمرو بن رمزہ	
۴٦: نعمان بن عبد عمرو بن مسعود	بدری ہیں نمبر ۴۴، ۴۵، ۴٦ ایک قبر میں مدفون ہوئے
۴۷: عامر بن امیہ بن زید بن خشخاش نجاری	بدری ہیں، ان کے فرزند ہشام بھی صحابی ہیں
۴۸: عبید (عتیک) بن تیہان بن مالک	ابو ہیثم کنیت، بدری، عقبی ہیں
۴۹: یسار	نمبر ۴۸ کے آزاد کردہ غلام ہیں
۵۰: عبید بن معلی بن نودان بن حارثہ	انکے بھائی رافع کا نام شہدائے بدر میں نمبر ۱۰ پر ہے
۵۱: عباس بن عبادہ خزرجی	مہاجر و انصاری ہیں۔عقبتین میں حاضر تھے۔عثمان بن مظعون سے مواخات تھی۔
۵۲: عامر بن مخلد بن حارث نجاری	بدری ہیں، ان کی نسل باقی نہیں رہی

۵۳: عمرو بن ایاس	یکے از بنوعوف
۵۴: عمرو بن مطروف یا مطرف بن علقمہ بن عمرو بن ثقف	ابوحمام
۵۵: عتبہ بن ربیع بن رافع	حذری، خزرجی
۵۶: عباد بن سہل بن مخرمہ	اشہلی۔ اوسی
۵۷: عبداللہ بن عمرو بن حرام السلمی خزرجی	بدری، نقیب محمدی، ابوجابر کنیت مشہور صحابی جابر کے والد کے بارے حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے ان کے جنازہ پر اپنے پروں سے سایہ کیا تھا اور رب العالمین نے ان سے حضوری میں بعد شہادت کلام فرمایا تھا۔
۵۸: عمرو بن جموح بن زید بن حرام	سید الانصار تھے، پاؤں میں لنگ تھا۔ فرمایا یونہی لنگڑاتا ہوا بہشت میں جا پہنچوں گا۔ گھر سے چلے تو یہ دعا کی تھی أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِي إِلَى أَهْلِي خَائِبًا یہ نہایت سخی تھے، یہ شعر ان کی صفت میں کہا گیا ہے۔ إِذَا جَاءَهُ السُّؤَالُ أَذْهَبَ مَالَهُ وَقَالَ خُذُوْهُ إِنَّهُ عَائِدٌ غَدًا [1] نمبر ۵۷، ۵۸ ایک قبر میں دفن کیے گئے، نمبر ۵۷ کی بہن ہند [2] نمبر ۵۸ کی اہلیہ ہیں۔
۵۹: خلاد بن عمرو بن جموح	بدری نمبر ۵۸ کے فرزند ہیں
۶۰: ابوایمن	نمبر ۵۸ کے آزاد کردہ غلام ہیں

---

[1] الاستیعاب حرف العین باب عمرو: ۲/ ۴۹۸۔ [2] سیرت کی تمام کتابوں میں ایک صحابیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ جنگ احد میں ان کے شوہر اور بھائی اور بیٹے نے شربت شہادت پیا تھا قَدْ أُصِيْبَ زَوْجُهَا وَأَخُوْهَا وَابْنُهَا اور انہوں نے ان سب کی خبر شہادت سن سن کر بھی نبی ﷺ کی زیارت اور خیر و عافیت معلوم کرنے کا شوق ظاہر کیا۔ حضور ﷺ کو دیکھا تو کہا كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ آپ سلامت ہیں تو ہر ایک مصیبت کی برداشت آسان ہے مجھے کسی کتاب میں ان خاتون بلند پایہ کا نام نہ ملا۔ آخر شہدائے احد کی قرابت مندی کے سلسلہ پر نظر ڈالی اور پھر صحابیات میں ایسی خاتون کا نام تلاش کیا، جن کے تینوں ایسے قرابتی شہداء میں ہوں، مجھے اس تلاش میں کئی مہینے گزر گئے الحمد للہ کہ مجھے کامیابی ہوئی یہ خاتون ہند ہیں خلاد بدری ان کا فرزند ہے عبداللہ بدری و نقیب محمدی ان کا بھائی ہے عمرو بن جموح سید الانصار ان کے شوہر، یہ سب جنگ احد میں ہی شہید ہوئے تھے یہ خاتون ہر سہ لاشوں کو اونٹ پر لاد کر احد سے مدینہ لے گئیں اور پھر گنج شہیداں میں شامل کرنے کے لیے احد میں لائی تھیں بیشک ایسی قوی ایمان خاتون ایسے ہی اعلیٰ گھرانے کی ہوسکتی ہیں، جن کا ہر فرد ایمان اور عمل میں نہایت ممتاز تھا۔ ایک روایت میں أُصِيْبَ زَوْجُهَا أَوْ أَخُوْهَا وَأَبُوْهَا ہے یعنی شوہر برادر اور پدر شہید ہوئے تھے۔ ایسی خاتون کا نام میں متعین نہیں کر سکا۔ اسما بنت یزید بن سکن بڑے درجہ کی خاتون ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رسولۃ النساء ہو کر آئی تھیں ان کے والد یزید بن سکن اور بھائی عامر بن یزید شہدائے احد میں ہیں لیکن مجھے کسی کتاب میں ان کے شوہر کا نام معلوم نہ ہوسکا اگر کسی روایت میں ان کے شوہر کا نام مل جاتا اور وہ نام اس فہرست میں پایا جاتا تو اس روایت کی مصداق حضرت اسماء ہوتیں یہ بڑے درجہ کی خاتون ہیں اور خود بھی جنگ یرموک میں کفار سے جنگ کرتی ہوئی شہید ہوئی تھیں۔

٦١: عمارہ بن زیاد بن سکن بن رافع ❶	اشہلی ہیں ان کے جسم پر ۱۴ زخم تھے نبی ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک کو ان کا سرہانہ بنا دیا تھا جب روح نکلی انکے رخسار حضور ﷺ کے قدم مبارک پر تھے۔
٦٢: یزید بن سکن	ابو اسماء کنیت عمارہ نمبر ٦١ کے چچا ہیں۔ عامر بن یزید ان کے فرزند بھی اسی روز شہید ہوئے تھے
٦٣: عمرو ولد قیس بن زید بن سواد بن مالک	بنو نجار سے ہیں۔
٦٤: قیس بن عمرو بن قیس	نمبر ٦٣ عمرو کے فرزند ہیں
٦٥: قیس بن مخلد بن ثعلبہ بن صخر	مازنی، بدری ہیں
٦٦: مالک بن سنان	ابو سعید خدری کے باپ ہیں
٦٧: نوفل بن ثعلبہ	سالمی الخزرجی بدری ہیں
٦٨: یزید بن حاطب بن عمرو	اشہلی
٦٩: وہب بن قابوس	
٧٠: حارث بن عقبہ بن قابوس ❷	نمبر ٦٩، ٧٠ دونوں چچا بھتیجا ہیں۔ جبل مزینہ سے شہر مدینہ میں بکریاں فروخت کرنے آئے تھے شہر کو لوگوں سے خالی دیکھا، معلوم ہوا کہ سب میدان احد میں مصروف کارزار ہیں فوراً نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسلام لائے اور شہید ہو کر فردوس کو سدھارے۔

تتمہ

حسیل (یمان) بن جابر العبسی القطعی	مشہور صحابی حضرت حذیفہ کے والد ہیں مسلمانوں کے ہاتھ سے بہ وجہ اشتباہ مارے گئے۔

تنبیہ

چند نام مالک بن ایاس اور حارث بن عدی بن خرشہ اور ایاس بن عدی چھوڑ دیے ہیں کیونکہ امام اہل سیر ابن اسحٰق نے ان کی روایت نہیں کی، جو اسماء لکھے گئے ہیں وہ علمائے سیر کے نزدیک متفقہ ہیں اور صحیح ہیں ان شاء اللہ۔

---

❶ الاستیعاب، باب عمار حرف العین: ۲/ ٤٧٥۔ نے شہدائے بدر میں ایک نام عمار بن زیاد بھی بروایت ابن الکلبی لکھا ہے وہ شاید ان کے بھائی ہوں۔ ❷ بخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد، حدیث: ٤٠٧٨، میں بروایت انس بن مالک ہے کہ یوم احد کو ستر ۷۰ مسلمان شہید ہوئے۔

شہدائے یوم الرجیع (۸) رضی اللہ عنہم

۱: مرثد بن کنعان بن حصین غنوی	ان کا سلسلہ نسب سعد بن قیس بن عیلان تک منتہی ہوتا ہے باپ بیٹا دونوں صحابی اور دونوں بدری ہیں جن مسلمانوں کو مکہ میں قریش نے اسلام لانے کی بنا پر قید کر رکھا تھا۔ مرثد مدینہ سے آتے جیل کی دیوار پھاند کر اندر جاتے۔ ان میں سے ایک مسلمان کو اٹھاتے دیوار کود کر اسے نکال لے جاتے۔ اسی طرح کئی مسلمانوں کی رہائی ہوئی۔
۲: خبیب بن عدی انصاری	ان کا ذکر رحمۃ للعالمین جلد اول میں ہے
۳: عاصم بن ثابت ابن ابوالافلح قیس انصاری	ابوسلمان کنیت ہے بدری اور اوسی ہیں
۴: زید بن دثنہ انصاری بیاضی	بدری و احدی ہیں۔ کفار نے ان کو پھانسی دیا تھا پھانسی کے نیچے جا کر کہنے لگے کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ نبی ﷺ نے آئندہ ہر مقتول کے لیے اس نماز کو مسنون فرمایا۔
۵: زید بن مزین انصاری بیاضی	
۶: عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک بلوی	
۷: مغیث بن عبید بن ابی ایاس بلوی	نمبر ۷، ۶ ماں جائے بھائی ہیں۔
۸: خالد بن بکیر بن عبد یالیل [1]	

شہدائے بئر معونہ (۲۶) رضی اللہ عنہم

۱: منذر بن عمرو بن خنیس انصاری ساعدی	عقبی، بدری، نقیب محمدی، المعتق للموت لقب سید الشہداء خطاب ہے مواخات میں طلیب بن عمرو کے بھائی
۲: حکم بن کیسان۔ مولیٰ ہشام مخزومی	نخلہ میں اسیر ہو کر آئے تھے۔ مشرف باسلام ہو کر پھر فائز بشہادت ہوئے
۳: حرام ابن ملحان (مالک) بن خالد انصاری	بدری، احدی، ان کی بہن ام سلیم۔ حضرت انس بن مالک کی والدہ اور مشہور صحابیہ ہیں۔ دوسری بہن ام ملحان بھی صحابیہ ہیں یہ جب زخمی ہوئے تو اپنے خون کو ہاتھ میں لے کر منہ پر ملتے تھے اور کہتے تھے رب

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب هل يستأ سر الرجل، حدیث: ۳۰۴۵۔ علمائے سیر نے اصحاب رجیع کی تعداد چھ لکھی ہے۔ حسان بن ثابت کے اشعار میں بھی ۶ کے نام ملتے ہیں صحیح بخاری میں ان کی تعداد دس بتائی گئی ہے۔ ان میں سے آٹھ نام مل گئے ہیں۔

	الکعبۃ میرا مقصود مجھے مل گیا۔
۴: سلیم بن ملحان (مالک) بن خالد انصاری	نمبر ۳ کے برادر شقیق ہیں۔
۵: حارث بن صمہ انصاری نجاری	جنگ بدر میں شامل ہونے کو آ رہے تھے کہ راہ ہی میں زخمی ہو گئے، احد کے بہادران ثابت قدم سے ہیں بوقت شہادت ان کو دشمنوں نے تیروں سے پرو پرو کر شہید کیا تھا۔
۶: ثابت بن خالد نجاری	جنگ بدر و احد میں حاضر تھے۔
۷: عامر بن فہیرہ۔ مولیٰ۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	قوم ازد سے تھے۔ سیاہ چہرہ، روشن دل۔ قدیم الاسلام حضرت ابوبکر صدیق نے خرید کر آزاد کر دیا تھا سفر ہجرت میں ہمرکاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے عمر بوقت شہادت ۴۰ سال عامر بن طفیل ان کے قاتل کا بیان ہے کہ جب ان کے نیزہ مارا تو ان کے جسم سے ایک نور ساطع ہوا قاتل یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا ان کی لاش مقتل میں نہیں ملی تھی۔
۸: عروہ بن سماء بن صلت	یہ بنو سلیم سے تھے۔ قاتل بھی اسی قبیلہ کا تھا۔ اس نے ہم قومی کی وجہ سے ان کو امان دینی چاہی۔ انہوں نے مسلمانوں سے الگ ہونے سے انکار کر دیا۔
۹: عائذ بن ماعص بن قیس بن خلدہ	انصاری الزرقی اور بدری ہیں
۱۰: معاذ بن ماعص ایضاً	نمبر ۹، ۱۰ برادران شقیق ہیں۔ بدری و احدی ہیں۔
۱۱: مسعود بن قیس بن خالد	نمبر ۱۰ کے برادر عم زاد
۱۲: سفیان بن ثابت انصاری	بنو نبیت سے ہیں
۱۳: مالک بن ثابت انصاری	نمبر ۱۲ کے برادر شقیق
۱۴: سفیان بن حاطب بن امیہ	انصاری، ظفری، احد میں حاضر تھے۔
۱۵: سہیل بن عامر بن ثقف	انصاری
۱۶: سعد بن عمرو بن ثقف	نمبر ۱۵ کے برادر عم زاد ہیں
۱۷: طفیل بن سعد بن عمرو بن ثقف	جنگ احد میں حاضر تھے نمبر ۱۶ کے فرزند ہیں
۱۸: سہل بن عمرو بن ثقف	نمبر ۱۶ کے برادر حقیقی
۱۹: قطبہ بن عبد عمرو بن مسعود بن عبد الاشہل	انصاری، خزرجی
۲۰: منذر بن محمد بن عقبہ	انصاری، اوسی، بدری، احدی

۲۱: نافع بن بدیل بن ورقہ	از بنوسہم
۲۲: انس بن معاویہ	از بنوعمرو بن مالک
۲۳: ابی بن ثابت بن منذر	ابوالفتح کنیت
۲۴: ۲۵: ابی بن معاذ بن انس	انصاری، بخاری، بدری، واقدی نے ان کو اور ان کے بھائی کو اس سریہ کے شہداء میں شمار کیا ہے۔
۲۶: مسعود بن خلدہ بن عامر بن زریق ❶	بدری احدی، بعض نے ان کو شہدائے خیبر میں شمار کیا ہے

شہید مریسیع (۱)

۱: ہشام بن صبابہ لیثی	مقیس بن صبابہ کے بھائی ہیں اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے غلطی سے قتل ہوئے۔

شہدائے خندق (۶) رضی اللہ عنہم

۱: انس بن اوس بن عتیک بن عمرو	انصاری، اشہلی، احد میں حاضر تھے تیر سے شہید ہوئے انکے بھائی ایاس جنگ احد میں شہید ہوئے تھے
۲: عبداللہ بن سہل بن زید	انصاری، حارثی، بدری ہیں۔
۳: ثعلبہ بن عنمہ بن عدی	سلمی، خزرجی، عقبی واحدی ہیں
۴: طفیل بن مالک بن نعمان	انصاری، سلمی، بدری، غزوہ احد میں ۱۳ زخم کھائے تھے۔ شفایاب ہو کر جنگ خندق میں شہید ہوئے۔
۵: کعب بن زید بن قیس بن مالک	انصاری، بدری، بیر معونہ کے ستر اصحاب میں سے یہی زندہ بچے تھے۔
۶: سعد بن معاذ بن نعمان	اشہلی، خزرجی، سید الاوس، یوم خندق میں تیر لگا ایک ماہ زخمی رہے۔ نبی ﷺ نے بدست خاص دو بار جراحی فرمائی اِهْتَزَّلَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ❷ ''خدا کا عرش ان کے لیے جھوم گیا'' انہی کی شان میں ہے۔

شہدائے بنوقریظہ (۲) رضی اللہ عنہم

۱: خلاد بن سوید بن ثعلبہ	انصاری الخزرجی عقبہ و بدر واحد و خندق میں شامل تھے

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم أحد، حدیث: ٤٠٧٨، بیر معونہ کے شہداء کی تعداد انس بن مالک نے ۷۰ بیان کی ہے (صحیح بخاری) مجھے صرف ۲۶ نام ملے۔

❷ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب سعد بن معاذ، حدیث: ٣٨٠٣۔

۲: سنان بن محصن ❶	یہ نام سیرت ابن دحلان سے لیا ہے۔ الاستیعاب حرف السین باب سنان ۲/ ۷۸ میں سنان بن وہب بن محصن ہے اور غالباً یہی صحیح ہے واقدی نے ان کا انتقال ۳۲ھ میں ہونا تحریر کیا ہے جو غالباً صحیح نہیں۔

شہدائے غزوہ غابہ (۳) رضی اللہ عنہم

۱: ذر بن ابوذر	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کیے جانے کی خبر پہلے سے بتادی تھی۔
۲: محرز بن نضلہ	بنی اسد میں سے تھے، غزوات بدر و احد اور خندق میں شامل تھے
۳: وقاص بن محرز	بنو مدلج سے ہیں۔

شہدائے ذی القصہ (۵)

۱: سلکان بن سلامت بن وقش بن زغبہ	انصاری، اشہلی، ابو نائلہ کنیت
۲: حارث بن اوس بن معلی بن لوذان	ان کے چچا رافع جنگ بدر میں اور دوسرے چچا عبید جنگ احد میں شہید ہوئے
۳۔۴: دو کس از قبیلہ مزینہ ۵: یک کس از بنو غطفان	

شہید سریہ وادی القریٰ (۱)

۱: ورد بن مرداس	

شہید عرنیین (۱)

۱: یسار نوبی	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

شہید غزوہ وادی القریٰ (۱)

۱: مِدعَم	حبشی غلام۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا۔

شہدائے خیبر (۱۹)

۱: اوس بن حبیب	انصاری۔ حصن ناعم پر شہید ہوئے
۲: اوس بن فاکہ (یا فاتک)	انصاری، اوسی

❶ چار شہداء میں سے دو کے نام ملے ہیں اور تین کے نامکمل پتے ملے ہیں واقدی نے ابوعبس، نعمان، محیصہ، حویصہ، ابو بردہ کے نام لکھے ہیں لیکن زرقانی نے ان کی صحت سے انکار کیا ہے۔

نام	کیفیت
۳: اوس بن عائذ	
۴: اسلم	خیبر کے کسی یہودی کے غلام حبشی ۔ میدان خیبر ہی میں اسلام لائے اسی روز خلعت شہادت سے مشرف ہوئے ان کی لاش خیمہ میں رکھی گئی۔ نبی ﷺ لاش دیکھنے کو تشریف لے گئے تو جھٹ لوٹ آئے فرمایا اس کے پاس تو اس کی بہشتی بیوی از قسم حور بیٹھی ہوئی ہے۔
۵: ثابت بن واثلہ	
۶: حارث بن حاطب	انصاری، اوسی، حدیبیہ، احد، خندق میں شامل تھے غزوہ بدر کے وقت نبی ﷺ نے ان کو کسی اور خدمت پر مامور فرمایا تھا۔ قلعہ سے تیر آیا، دماغ کی ہڈی ٹوٹ جانے سے شہید ہوئے۔
۷: رفاع بن مسرح	بنو اسد سے ہیں۔ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔
۸: ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ	اسدی مہاجر ابو یزید کنیت ، بدر، احد، خندق ، حدیبیہ میں حاضر تھے قد بہت چھوٹا تھا۔ مگر ہمت نہایت بلند عمر بوقت شہادت ۳۴ سال تھی۔
۹: سلیم ولد ثابت بن وقش بن زغبہ	احد، خندق، حدیبیہ میں حاضر تھے۔ مرحب یہودی کے ہاتھ سے زخمی ہوکر شہید ہوئے تھے، ان کے والد اور دو بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔
۱۰: عامر بن اکوع (سنان)	مشہور پہلوان صحابی سلمہ بن عمرو بن اکوع کے چچا ہیں
۱۱: عبداللہ بن ابوامیہ بن وہب	بنو اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف اور بھانجے تھے ان کا نام صرف واقدی نے لیا ہے
۱۲: عبداللہ بن ہُبیب بن اہیب	اسعدی، لیثی
۱۳: عدی بن مرہ بن سراقہ بن خباب	بلوی (القضاعہ) چھاتی میں نیزہ لگنے سے شہید ہوئے
۱۴: عرہ بن مرہ بن سراقہ	انصاری
۱۵: عمارہ بن عقبہ	از بنو عصار بن جلیل تیر سے شہید ہوئے
۱۶: ابوسفیان بن حارث بن قیس	انصاری
۱۷: عمیر بن ثابت	انصاری، اوسی، ابوضیاح کنیت، بدر، احد، خندق، حدیبیہ میں شامل تھے۔
۱۸: مسعود بن سعد بن عامر بن عدی	انصاری، اوسی، بدری ہیں۔
۱۹: محمود بن مسلمہ [1]	انصاری، حارثی، احد و خندق میں حاضر تھے۔ دیوار قلعہ کے نیچے تھے کہ چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا تین یوم زخمی رہ کر شہید ہوئے۔

[1] اہل سیر نے شہدائے خیبر کی تعداد ۱۵ لکھی ہے مجھے تلاش کرتے ہوئے ۲۳ نام ملے ۱۹ فہرست بالا میں درج ہیں باقی چار میں سے زنیف بن وائلہ کا نام صرف واقدی نے اور انیف بن حبیب کا نام صرف طبری نے لیا ہے۔ بشر بن براء بن معرور کا انتقال خاتمہ جنگ کے بعد زہر آلود گوشت کے کھانے سے ہوا تھا۔ جو نبی ﷺ کے لیے زینب یہودیہ نے بھیجا تھا مبشر بن عبد المنذر کی بابت دو روایات ہیں ا۔ بدر میں شہید ہوئے ۔۲۔ جنگ خیبر میں شہید ہوئے میرے نزدیک روایت اول قوی ہے۔

سریہ خربہ

ا:مرداس بن نہیک	بنوفرازہ سے تھے۔

سریہ ابن ابی العرجاء

ا:اخرم بن ابی العرجاء	

شہید اطلح

کعب بن عمیر	غفاری، انصاری، کبار صحابہ میں سے ہیں نبی ﷺ ان کو اکثر سرایا میں سردار ہی بنایا کرتے تھے دولابی وغیرہ کا قول ہے کہ دس میں سے صرف یہی بچے تھے۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ سب ہی شہید ہوئے تھے دس میں سے صرف ان کا نام ملا ہے

شہدائے موتہ

نبی ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا شرحبیل بن عمرو الغسانی گورنر شام نے ان کو باندھ کر قتل کر دیا۔ اس مظلومانہ قتل کی وجہ سے یہ لشکر کشی کی گئی تھی۔ نبی ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنایا تھا اور لشکر کو رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا تھا: ''اگر زید مارے جائیں تو جعفر طیار امارت کریں اگر وہ بھی مارے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے وہ بھی مارے جائیں تو مسلمان کسی کو اپنے میں سے سردار بنالیں۔'' [1]

واقدی کی روایت میں ہے کہ نعمان نامی ایک یہودی بھی حاضر تھے، وہ بولا کہ اگر محمد سچا نبی ہے تو یہ سب مارے جائیں گے۔ پھر وہ یہودی از راہِ شرارت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا کہ وصیت کر جاؤ، کیوں کہ اگر محمد ﷺ سچا نبی ہے تو تم واپس نہ آ ؤ گے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اشهد انه رسول صادق۔

نبی ﷺ نے رخصت کے وقت ان الفاظ سے لشکر کو مخاطب فرمایا تھا:

((أُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ لَا تَغْدَرُوْا وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَّلَا امْرَأَةً وَلَا كَبِيْرًا فَانِيًا وَلَا مُنْعَزِلًا بِصَوْمَعَةٍ وَلَا تَقْرَبُوْا نَخْلًا وَّلَا شَجَرَةً وَّلَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً)) [2]

''اللہ کے نام اور اللہ کی راہ میں اللہ کے منکرین سے غزوہ کرو دیکھو غدر نہ کرنا۔ خیانت سے بچنا، بچے کو اور عورت کو اور بوڑھے کو اور مندروں میں رہنے والوں کو قتل نہ کرنا۔ پھل دار درخت یا سایہ دار درخت کو نہ کاٹنا۔ کسی عمارت کو

[1] بخاري عن ابن عمر، كتاب المغازي، باب غزوة مؤتة، حديث: ٤٢٦١۔

[2] سنن الكبرىٰ للبيهقي: ٩/ ٩١، كتاب السير، باب ترك قتل من لا قتال فيه من الرهبان والكبير (بالمعنى)۔

نہ گرانا۔‘‘

شہداء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔زرقانی جلد دوم ص ۲۷۳ پر ہے کہ ان کی تعداد بارہ تھی۔

زید بن حارثہ بن شرحبیل الکلبی	باپ کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب قضاء تک اور والدہ سعدی بنت ثعلبہ کی جانب سے بنو طے تک پہنچتا ہے۔ان کو رہزنوں نے ان کی والدہ سے چھین لیا اور فروخت کر دیا تھا۔بازار عکاظ میں حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں ان کو اپنی پھوپھی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید لیا۔ام المؤمنین نے ان کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا۔حضور ﷺ نے ان کو کمال شفقت و رأفت سے پرورش کیا۔ان کے والد اور چچا ان کو لینے آئے تو انہوں نے نبی ﷺ کو چھوڑ کر جانا پسند نہ کیا۔بدر میں حاضر ہوئے اور سات سرایا میں امیر لشکر بنائے گئے۔امام زہری کا مذہب ہے کہ سب سے اول یہی اسلام لائے تھے مسلمانوں میں صرف انہی کا نام قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا ہے اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ [1] انعام یافتۂ خدا و انعام یافتۂ رسول ﷺ ان کے فرزند اسامہ تھے جو ام ایمن کے بطن سے تھے وہ حب رسول اللہ کے لقب سے ملقب تھے۔حضرت زید رضی اللہ عنہ و نبی ﷺ نے مواخات میں حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا اور مقدمہ حضانت دختر حمزہ میں ان کو اخونا و مولانا کے خطاب سے ممتاز کیا تھا۔الاستیعاب حرف [الزای باب زید ۱/۵۳۰] میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مکہ سے طائف تک کے لیے خچر کرایہ پر لیا۔خچر والا ڈکیتی پیشہ تھا وہ ان کو ایک سنسان ویران جنگل میں لے گیا جہاں لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں، وہ ان کو قتل کرنے لگا۔حضرت زید نے کہا کہ دو رکعت نماز پڑھ لینے دو وہ بولا پڑھ لو۔جن لاشوں کو تو دیکھ رہا ہے یہ بھی نمازیں پڑھنے والے ہی تھے میرے ہاتھ سے تو کوئی بھی نہ بچا۔حضرت نے نماز پڑھی اور تین بار
	یا ارحم الراحمین کہا۔جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے ڈکیت کو قتل کر دیا۔
۲: جعفر (طیار) بن ابی طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	ان کا مفصل حال اسی کتاب کے باب اول میں ہے اور ان کی تقریر بدر بار حبش جلد اول میں درج ہے۔

[1] ۳۳/ الاحزاب:۳۷۔

۳: عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ الخزرجی	یکے از دوازدہ نقبائے محمدی ہیں۔ بیعت عقبہ اور غزوات بدر واحد وخندق وحدیبیہ وعمرۃ القضاء میں شامل تھے۔ نبی ﷺ کے شعرائے خاص میں سے تھے۔ سخت ریاضت کش تھے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں موسم سخت گرم تھا لوگ اپنے سروں کو اپنے ہاتھوں کے سایہ سے بچاتے تھے اس روز تمام لشکر میں نبی ﷺ اور ابن رواحہ ہی روزہ سے تھے۔ جنگ موتہ کے لیے جب فوج روانہ ہونے لگی تو لوگوں نے ان کو بخیر وعافیت واپسی کی دعا دی انہوں فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے: لٰكِنَّنِیْ أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا أَوْ طَعْنَةً بِيَدِی حَرَّانَ مُجْهِزَةً بِحَرْبَةٍ تَنْفِذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا حَتّٰى يَقُوْلُوْا إِذَا مَرُّوْا عَلٰى جَدَثِی يَا أَرْشَدَ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا [1] ان کو فوج کی کمانڈ حضرت زید وجعفر رضی اللہ عنہما کے بعد ملی تھی۔ اس وقت میدان جنگ میں انہوں نے اشعار ذیل پڑھے اور حملہ کر کے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے جنت کو سدھار گئے نبی ﷺ نے ہر سہ امراء کی ارائک جنت پر رونق افروزی کو مشاہدہ کیا تھا۔ يَا نَفْسُ إِنْ لَمْ تُقْتَلِی تَمُوْتِی هٰذَا حَمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلَيْتِ وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيْتِ إِنْ تَفْعَلِی فِعْلَهُمَا هُدِيْتِ [2]
۴: جابر بن ابی صعصعہ بن زید المازنی الانصاری	
۵: ابوکلاب بن ابی صعصعہ بن زید المازنی الانصاری	نمبر ۴، ۵ حقیقی بھائی ہیں۔ ان کا ایک بھائی قیس تھا ان کو نبی ﷺ نے جنگ بدر میں فوج ساقہ کا سردار بنایا تھا ایک بھائی حارث تھے وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔

[1] اشعار کا ترجمہ یہ ہے: میرا سوال تو رحمٰن سے یہ ہے کہ سر پر ایسی چوٹ لگے جو کھوپڑی کو توڑ ڈالے نیزہ اور تلوار میرے جگر ودل کو چھید ڈالیں خدا میری مغفرت کرے اور میری لاش کو دیکھ کر لوگ کہیں شاباش غازی خوب کام کر گیا۔ [2] اے جان موت کا بازار گرم ہو رہا ہے قتل سے بچے تو موت سامنے ہے جو تو نے چاہا خدا نے دیا اب اگر زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ کی راہ پر چلنا ہو تو ہدایت مل گئی۔ الاستیعاب حرف العین، باب عبداللہ: ۲/ ۲۸۵۔

نام	کیفیت
۶: سراقہ بن عمرو بن عطیۃ الانصاری النجاری	بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضاء میں ہمرکاب مصطفوی ﷺ تھے۔
۷: عبادہ بن قیس بن عبسہ الانصاری الخزرجی	جنگ بدر میں مع برادر خواد سبیع بن قیس شامل تھے
۸: وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی العامری	احد، خندق، حدیبیہ، خیبر میں شامل تھے
۹: مسعود بن سوید بن حارثہ القرشی العدوی	بنوعدی کے ان ستر اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی
۱۰: مسعود بن الاسود بن حارثہ ایضاً	نمبر ۹ کے چچازاد بھائی بیعت رضوان میں شامل تھے
۱۱: عبادہ بن قیس بن زید بن امیہ الانصاری الخزرجی	بدر، احد، خندق، خیبر، حدیبیہ میں شامل تھے
۱۲: سوید بن عمرو	مواخات میں نمبر ۸ کے بھائی تھے
۱۳: ھویجہ بن بجیر بن عامر الضبی [1]	

شہدائے مکہ (۲)

نام	کیفیت
۱: حبیش بن اشعر بن منقذ بن ربیعہ	قوم خزاعہ سے ہیں
۲: کرز بن جابر بن حسیل فہری قرشی	(ہجرت نبوی کے بعد انہی نے قریش کی طرف سے مسلمانوں پر سب سے پہلے حملہ کیا تھا۔ بعدازاں مسلمان ہوئے پھر یہ عرنیین میں سردار بنائے گئے فتح مکہ کے دن حبیش پہلے شہید ہوئے کرز نے ان کی لاش
	اپنی ٹانگوں کے درمیان کر لی اور لاش کی حفاظت کرتے اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

شہدائے حنین (۶)

نام	کیفیت
۱: ایمن بن عبید حبشی	حضرت اسامہ بن زید کے مات بھائی ہیں یہ ان جوانمردوں میں سے ہیں جو یوم حنین کو ثابت قدم رہے تھے
۲: حویرث بن عبداللہ بن حلف	غفاری، انصاری، ابی اللحم لقب، یہ بتوں پر جھٹکے کا گوشت پہلے سے نہیں کھایا کرتے تھے۔
۳: مرہ بن سراقہ	
۴: سراقہ بن حباب	انصاری
۵: سراقہ بن حارث بن عدی	بنوعجلان سے ہیں

---

[1] یہ فہرست ان شاء اللہ مکمل ہے ابن دحلان نے ۱۳ نام لکھے ہیں، حارث سفیر نبوی سمیت یہ تعداد ۱۴ ہوگئی۔

٦: یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب	ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔ سرداران قریش میں سے تھے مہماتِ قومی میں انکا مشورہ قریش ضروری سمجھتے تھے۔ ❶

شہدائے طائف (۱۳)

ا: حارث بن سہل بن ابوصعصعہ	انصاری، نجاری از بنو مازن، ان کے دو چچا جنگ موتہ میں ایک جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔
۲: حباب بن جبیر	
۳: عرفطہ بن حباب بن جبیر	نمبر۲۔۳ باپ بیٹا ہیں۔ بنو امیہ کے حلیف ہیں
۴: صبیحہ بن عبداللہ بن حارث	لیثی ہیں
۵: رقیم بن ثابت	انصاری، اوسی
٦: ثابت بن جذع	انصاری، عقبی وبدری
۷: سعید بن سعید بن عاص بن امیہ	قرشی الاموی
۸: عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ	قرشی المخزومی ام سلمہ کے برادر از جانب پدر
۹: عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب	قرشی الہاشمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی۔
۱۰: سائب بن حارث بن قیس بن عدی	قرشی، سہمی، بعض کا قول ہے کہ یہ طائف میں زخمی اور یوم فحل ۱۳ھ میں شہید ہوئے۔
۱۱: عبداللہ بن عامر بن ربیعہ	عدوی ہیں
۱۲: عبد بن قوال بن قیس بن وقش بن ثعلبہ	عدوی، احد اور جملہ مشاہد مابعد میں شریک ہوئے۔
۱۳: منذر بن عبد بن قوال	نمبر۱۲ کے فرزند ہیں۔ ❷

شہدائے مشاہد مختلفہ

اس فہرست میں ان شہیدان پاک کے نام لکھے جاتے ہیں جن کی بابت علمائے سیر میں یہ تو اتفاق ہے کہ وہ عہد پر نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شہید ہوئے تھے مگران کے مشاہد کے تعین میں اختلاف ہے۔

ا: قرہ بن عتبہ (عقبہ) الانصاری الاشہلی	
۲: مالک بن خلف بن عمرو الخزاعی	طلیعہ احد پر مع اپنے بھائی نعمان کے مامور تھے
۳: مخیریق	یہودی عالم از بنونضیر تھے بروز جنگ احد ایمان لائے اور سیدھے میدان جنگ میں پہنچ گئے تھے اپنے مال کی وصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر گئے تھے۔

❶ صحیح بخاری میں ہے قتل من خیل خالد بن الولید یو مئذ رجلان فہرست ان شاءاللہ تعالیٰ مکمل ہے۔

❷ یہ فہرست ان شاءاللہ تعالیٰ مکمل ہے۔

۴: ثابت بن النعمان بن امیہ۔ ابوحنہ	بدری ہیں
۵: سہل بن رومی بن وقش بن زغبہ	واقدی نے شہدائے احد میں ان کا نام لیا ہے۔
۶: یزید بن سعید الکندی والد سائب	
۷: بشر بن براء بن معرور۔ انصاری	خیبری زہر آلود گوشت کے کھانے سے شہادت واقع ہوئی
۸: طفیل بن النعمان بن خنساء الانصاری	
۹: مسعود بن خلدہ	الانصاری الزرقی
۱۰: عبداللہ (حکم) بن سعید بن العاص بن امیہ	قرشی، بدری
۱۱: مسعود بن الاسود بن حارثہ	قرشی العدوی
۱۲: ہبار بن سفیان بن عبداللہ	المخزومی

باب چہارم

﴿ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ [1]

کفارِ عرب جب قرآن مجید میں پہلی قوموں اور پچھلے نبیوں کے حالات سنتے تو قرآن مجید پر یہ پھبتی کستے کہ اس میں ہے ہی کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ محمد ﷺ ہمیں اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن سنایا کرتا ہے۔

لغت میں اساطیر فسانہ نما قصوں کو کہتے ہیں، جن میں حقیقت کم ہو، مگر دلچسپی زیادہ ہو۔ کفار عرب جو علوم سے بے بہرہ، خط و کتابت سے عاری، احوال عالم سے بے خبر تھے۔ وہ تو اپنی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے بہت کچھ قابل ترحم تھے، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ ان جاہل وحشی بت پرستوں کے اس لفظ کو اہل کتاب نے نہایت پسندیدگی سے دیکھا اور خود بھی اپنی کتابوں میں بار بار مختلف پیرایوں کے ساتھ دہرایا ہے۔ بعض پادریوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ محمد ﷺ نے یہ سب قصے ایک عیسائی عالم ہی سے سن کر اپنی زبان میں ڈھال لیے تھے۔

ہم اس مضمون میں دکھائیں گے کہ ایک ہی قصہ کے متعلق موجودہ بائیبل کیا بیان کرتی ہے اور قرآن مجید کیا اس کے ملاحظہ سے ناظرین خود ہی دیکھ سکیں گے کہ قرآن مجید اپنی تعلیم میں دیگر آسمانی کتابوں سے کس قدر اعلیٰ ہے پاک کتاب کے سنانے والے کی نسبت یہ خیال کرنا کس قدر غلط ہے کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کے مضامین کو چرا چرا کر بیان کیا کرتا تھا۔

چونکہ عیسائی لوگوں کا یہ اعتراض ذات ستودہ صفات نبی ﷺ پر ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس باب کو سیرت النبی ﷺ کے اندر شامل کیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام

بائیبل کی کتاب پیدائش کے باب ۲۔۳ میں آدم علیہ السلام کی پیدائش، باغ عدن کی رہائش درخت تمیز سے پھل کھانے اور باغ

---

[1] ٦/ الانعام: ٢٥۔

سے نکالے جانے کا ذکر ہے۔ درس ۱۷ باب ۳ میں یہ بھی ہے کہ ''زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔'' تمام بائیبل میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کے اس گناہ کی معافی بھی ہوگئی تھی، لیکن قرآن مجید نے آدم علیہ السلام کے جن فضائل کا ذکر کیا ہے اور جن سے بائیبل خاموش ہے وہ یہ ہیں:

(۱) کہ پھل کھاتے وقت آدم علیہ السلام اللہ پاک کے حکم کو بھول گئے تھے۔

﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ ﴾ ❶

(۲) آدم علیہ السلام کی نیت میں خلاف حکم کرنے کا ارادہ شامل نہ تھا۔

﴿ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴾ ❷

(۳) رب کریم نے ان کی اس حرکت کو بخش دیا تھا اور آیندہ انہیں بہترین راہ کی ہدایت بھی کر دی تھی اور آدم علیہ السلام کو اپنی درگاہ کا برگزیدہ بھی بنالیا تھا۔

﴿ ثُمَّ ٱجْتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴾ ❸

(۴) بائیبل مندرجہ بالا افادات سے ساکت ہے قرآن مجید بتاتا ہے کہ آدم علیہ السلام پر کلام الٰہی بھی نازل ہوا تھا:

﴿ فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ ﴾ ❹

لیکن بائیبل اس سے خاموش ہے حالانکہ اگر نسل انسانی کے پدر اعظم کو اس فضیلت سے عاری کر دیا جائے تو اس میں کوئی بھی فضیلت نہیں رہ جاتی۔

الف: قرآن مجید حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق جس بات میں چپ ہے اور بائیبل اسے بیان کرتی ہے وہ یہ فقرہ ہے۔ ''خدا نے آدم کو پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اسے بنایا۔ (درس ۱ باب ۵ کتاب پیدائش۔) یہی مطلب اس کتاب کے درس ۲۶ باب ۱ میں ان الفاظ میں ہے۔ ''تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنادیں۔''

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس فقرہ کے بعد کیوں کر کوئی اہل کتاب خدا کے جسم اور جسمانیت سے انکار کر سکتا ہے اور کیوں کر خدا کو محدود ہونے سے بری ٹھہرا سکتا ہے اور کیوں کر خدا کا تصور انسان سے بالاتر ہونے کا دوسرے کو دلا سکتا ہے۔

بیشک قرآن مجید نے بائیبل کے اس فقرہ کو چھوڑ دینے سے ثابت کر دیا کہ تقدیس و تنزیہہ ربانی کی جو تعلیم قرآن مجید میں ہے، وہ سب سے اعلیٰ ہے۔

قابیل وہابیل فرزندان آدم علیہ السلام

بائیبل نے بیان کیا ہے کہ

(۱) قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا درس ۸ باب ۴ پیدائش۔

(۲) خداوند نے قابیل پر ایک نشان لگایا کہ جو کوئی اسے پاوے مار نہ ڈالے۔

---

❶ ۲۰/ طٰہٰ: ۱۱۵۔ ❷ ۲۰/ طٰہٰ: ۱۱۵۔ ❸ ۲۰/ طٰہٰ: ۱۲۲۔ ❹ ۲/ البقرۃ: ۳۷۔

(۳) خدا نے کہا کہ جو کوئی قابیل کو مار ڈالے گا سات گنا بدلہ اس سے لیا جاوے گا۔

ایک قاتل کے متعلق یہ اصول دنیا کے امن و امان کے لیے جس قدر مضر اور خطرناک ہے وہ ظاہر ہے مگر قرآن مجید نے اس قصہ کو بیان فرماتے ہوئے بتایا ہے۔

(۱) کہ قابیل اپنے بھائی کو قتل کرنے سے خود زیاں کار اور منجملہ اصحاب نار بنا۔

﴿ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ﴾ ❶ ''تو دوزخ والوں میں سے ہوگا۔''

﴿ فَقَتَلَهٗ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ ❷ ''اس نے بھائی کو قتل کر دیا اور خسارہ والوں سے ہو گیا۔''

(۲) پھر انسان کی زندگی کی قدر و قیمت اور انسان کے ہلاک کرنے کے وبال سخت اور گناہِ عظیم کا بیان فرمایا کہ ''ایک انسان کا قتل کر دینا تمام بنی آدم کے قتل کے برابر ہے اور ایک انسان کو ہلاکت سے بچالینا تمام نسل کو ہلاکت سے بچانے کے برابر ہے۔''

﴿ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ أَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ ﴾ ❸

''جس نے کسی انسان کو قصاص یا ملکی فساد کے بغیر قتل کیا اس نے گویا سب ہی انسانوں کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی زندگی کو بچایا اس نے سب ہی انسانوں کو بچایا۔''

اب ناظرین بائیبل اور قرآن مجید دونوں کے فرق کو اور قرآن مجید کے تفوق کو بخوبی معلوم کر سکتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

بائیبل میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کتاب پیدائش کے ۶ باب سے شروع ہوتا ہے۔ باب ۷، ۸ میں طوفان کا ذکر ہے۔ باب ۹ میں بعد طوفان کے حضرت نوح علیہ السلام کا اور باب ۱۰ میں اولاد نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جو کوئی شخص بائیبل کو پڑھ اور سمجھ سکتا ہے وہ بائیبل کو پڑھے اور دیکھے۔

(۱) اس میں ایک فقرہ بھی نوح علیہ السلام کے پند و نصیحت فرمانے کی بابت درج نہیں۔

(۲) اس میں ایک جگہ بھی نہیں بتایا کہ جو لوگ طوفان میں ڈبو دیئے گئے تھے ان کا خاص گناہ کیا تھا۔

(۳) اس میں نہیں بتایا گیا کہ کیوں ہلاکت ہی بطور آخری علاج کے اختیار کی گئی تھی۔

(۴) اس میں نہیں بتایا گیا کہ نوح علیہ السلام کن لوگوں میں مبعوث کیے گئے تھے۔

(۵) اور کون لوگ غرق طوفان ہوئے۔

لیکن قرآن مجید ان جملہ امور پر روشنی ڈالتا ہے۔

(۱) قرآن مجید نے بتایا کہ ﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖٓ ﴾ ❹

---

❶ ٥/ المائدة:٢٩۔ ❷ ٥/ المائدة:٣٠۔ ❸ ٥/ المائدة:٣٢۔ ❹ ٧١/ نوح:١۔

''نوح علیہ السلام اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔''

(۲) قرآن مجید نے بتایا کہ نوح علیہ السلام ۹۵۰ سال تک برابر نصیحت کرتے رہے۔

﴿ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ﴾ ❶

(۳) بتایا ہے کہ اسرار واعلان کے تمام طریقوں سے حضرت نوح علیہ السلام قوم کو نصیحت کر چکے تھے۔

(۴) بتایا ہے کہ قوم شرک کے گندے گناہ میں آلودہ ہوگئی تھی۔

(۵) بتایا ہے کہ وہ شرک میں اتنے منہمک ہوگئے تھے کہ اولاد واحفاد دوست واحباب کو اسی شرک کے لزوم کی نصیحتیں اور وصیتیں کیا کرتے تھے۔ ﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾ ❷

(۶) بتایا ہے کہ ان کی آیندہ نسلوں کی اصلاح پذیر ہونے کی امید بھی منقطع ہوگئی تھی۔

﴿ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ ❸

(۷) بتایا گیا ہے کہ وہی قوم غرق کی گئی تھی جس نے شرک وطغیان وسرکشی اختیار کی تھی۔

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴾ ❹

''نوح، عاد اور فرعون ذوالاوتاد اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ کی جماعتوں نے ان سے پہلے تکذیب کی ان سب نے رسولوں کو جھٹلا دیا اور اس لیے ان پر عذاب کا آنا ٹھیک ہے۔''

قرآن مجید نے جو کچھ حضرت نوح علیہ السلام کی بابت بتایا ہے اور جس سے بائیبل خاموش ہے وہ بہت سے امور ہیں۔

اوّل: نوح علیہ السلام کے ایک نافرمان بیٹے کا قصہ جس میں بتایا گیا ہے:

۱: کہ اللہ کے حکم کے سامنے اولاد کی محبت کو چھوڑ دینا چاہیے۔

۲: نیز یہ کہ عالی نسب ہونا اس شخص کے لیے ذرا بھی مفید نہیں جس کے اپنے اعمال اچھے نہ ہوں۔

﴿ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ ❺

۳: اور یہ کہ نیک باپ بری اولاد سے کیونکر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

﴿ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ﴾ ❻

''اے رب! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے اس بات کا سوال کروں جس کا علم مجھے نہیں۔''

دوم: قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اور بھی چند نفوس بچے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور اللہ نے ان کو بھی سلامتی کے خلعت سے مشرف فرمایا تھا۔

---

❶ ۲۹/ العنکبوت:۱۴۔ ❷ ۷۱/ نوح:۲۳۔ ❸ ۷۱/ نوح:۲۷۔
❹ ۳۸/ ص:۱۲، ۱۴۔ ❺ ۱۱/ ھود:۴۶۔ ❻ ۱۱/ ھود:۴۷۔

﴿ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ۝ ﴾ ❶ ''نوح علیہ السلام کے ساتھ تھوڑے ہی ایمان لائے تھے۔''

﴿ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ ﴾ ❷

''اے نوح! کشتی سے اتر ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر ہیں اور ان سب پر جو تیرے ساتھ ہیں۔''

سوم: قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کبھی منقطع نہ ہوگی۔

﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ۝ۖ ﴾ ❸

''ہم نے نوح علیہ السلام کی اولاد کو باقی رہنے والی بنایا۔''

بائیبل ان جملہ افادات سے خالی ہے۔

اب بائیبل جو کچھ قرآن مجید سے زیادہ بیان کرتی ہے وہ یہ ہے: ''نوح مے پی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر آپ کو ننگا کیا حام بیٹے نے اپنے باپ کو ننگا دیکھا۔'' (۹، ۲۱، ۲۲۔ پیدائش)

فصل

حضرت ابراہیم علیہ السلام

بائیبل کی کتاب پیدائش میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ۱۲ باب سے ۲۵ باب تک ہے بایں ہمہ بائیبل ان فضائل کے بیان سے ساکت ہے جو قرآن مجید نے حضرت خلیل الرحمٰن کے بیان کیے ہیں:

(۱) قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ﴿ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ❹ پر نظر ڈالنے تاروں، چاند، سورج وغیرہ میں اہلیت الٰہیت نہ ہونے پر استدلال کرنے کا مفصل بیان ہے اور اس سے سبق ملتا ہے کہ کیوں کر سعادت مندان ازلی اس صحیفۂ قدرت کو دیکھ کر منازل خداشناسی کو طے کر جاتے ہیں۔ بائیبل میں یہ مذکور نہیں۔

(۲) قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کو بیان کیا ہے اور ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا ﴾ ❺ کہہ کر بتایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ابتدائی عمر ہی سے شرک کے دشمن اور توحید کے فدائی تھے۔ لیکن بائیبل میں یہ ذکر موجود نہیں۔

(۳) قرآن مجید میں اس مناظرہ کا ذکر ہے جو ابراہیم نے توحید کے بارے میں اپنی قوم کے ساتھ کیا اور عقیدے کی پختگی میں قوم کی مخالفت کی ذرا پروا نہ کی تھی۔

﴿ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ ﴾ ❻

''اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا، ابراہیم نے کہا کہ کیا تم اللہ کی بابت مجھ سے جھگڑتے ہو اسی نے تو مجھے ہدایت فرمائی ہے۔''

(۴) قرآن مجید میں اس نصیحت کا ذکر ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو فرمائی تھی۔

---

❶ ۱۱/ هود: ۴۰۔ ❷ ۱۱/ هود: ۴۸۔ ❸ ۳۷/ الصّٰفّٰت: ۷۷۔

❹ ۶/ الانعام: ۷۵۔ ❺ ۲۱/ الانبیاء: ۵۸۔ ❻ ۶/ الانعام: ۸۰۔

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا۝ ﴾ ❶

''اے باپ! تو کیوں ایسی چیزوں کی پوجا کرتا ہے جو نہ سن سکیں، نہ دیکھ سکیں، نہ تیرا کوئی کام بنا سکیں۔''

قرآن پاک نے ان کے باپ کی سختی اور ابراہیم علیہ السلام کا باپ سے علیحدہ ہو جانا بھی بتایا ہے۔

﴿ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ ﴾ ❷

''اے ابراہیم! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔''

(۵) قرآن پاک میں اس مناظرہ کا ذکر بھی ہے جو بادشاہ وقت سے انہوں نے کیا وہ بادشاہ سرگروہ مبطلین تھا۔ اللہ تعالیٰ کا منکر، انانیت کا قائل۔ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان دلائل کو بھی بیان فرمایا ہے جنہیں سن کر ایسا محسن کش و مغرور بادشاہ بھی حیران رہ گیا تھا۔

﴿ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ﴾ ❸ ''تب کافر حیران رہ گیا۔''

(۶) قرآن پاک نے ابراہیم علیہ السلام کے خلاف قوم اور سلطنت کا اتفاق ان کا آگ میں ڈالا جانا۔ خداوند کریم کا اپنے خلیل کو بچا لینا بیان فرمایا ہے:

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ۝ ﴾ ❹

''ہم نے کہا اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر تو ٹھنڈی اور سلامتی بن جا۔''

(۷) قرآن مجید نے اس طریقہ استدلال کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے احیائے موتی کے مسئلہ میں غور کرنے والے کے لیے ابراہیم علیہ السلام ایک روشن مثال چھوڑ گئے ہیں۔

﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ ❺

''اے رب! مجھے دکھا تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔''

☆ بائیبل ان تمام باتوں سے بالکل خاموش ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے بتصریح کر دیا ہے بائیبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کسی دینی خدمت کا ذکر تک نہیں کرتی، بائیبل نے اگر کوئی ایسا ذکر بھی کیا جو قرآن مجید میں نہیں تو وہ یہ ہے کہ ''ابراہیم نے اپنی بیوی کو سکھایا تھا کہ تو کہنا کہ میں اس کی بہن ہوں۔'' ❻

☆ بائیبل نے لکھا ہے کہ ''ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سرہ کے کہنے سے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اور بیوی ہاجرہ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ ۱۰۔۱۴ درس ۲۱ باب، وہ بچارے بیابان میں بھٹکتے پھرتے تھے۔''

اس بیان سے ابراہیم علیہ السلام کے رحم اور انصاف پر بہت سے اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے جب اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیوی اور بچے کو نکالا نہ تھا بلکہ توحید کی منادی پھیلانے کے لیے ایک مرکز منتخب

---

❶ ۱۹/ مریم:۴۲۔ ❷ ۱۹/ مریم:۴۶۔ ❸ ۲/ البقرة:۲۵۸۔

❹ ۲۱/ الانبیاء:۶۹۔ ❺ ۲/ البقرة:۲۶۰۔ ❻ درس ۱۲، ۱۱ باب کتاب پیدائش۔

فرمایا تھا۔ اور توحید کی تعلیم کو تمام دنیا تک پہنچانے کے لیے اپنے کنبے کو دور دراز ممالک تک پھیلا دیا تھا۔

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ ﴾ ❶

''اے رب! میں نے اپنے کنبہ میں سے چند کو اس وادی میں جہاں زراعت نہیں ہوتی ہے تیرے عزت کے گھر کے پاس بسایا ہے اے رب! میری غرض یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کریں اس لیے اے اللہ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر دے۔''

یہ ایسی پاک غرض ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رفعت شان کو نہایت اعلیٰ بنا دیتی ہے جملہ وجوہات کو دیکھ کر بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین بائیبل سے لیے گئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام

(۱) لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا انجام کتاب پیدائش باب ۱۹ میں ہے۔ بائیبل نے حضرت لوط علیہ السلام کی مساعی تبلیغ کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا لیکن قرآن مجید ان کے زبردست دلائل وعظ کا ذکر فرماتا ہے:

﴿ وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ ❷

''لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تم بے حیائی کا وہ کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے بھی نہیں کیا۔''

(۲) بائیبل نے لوط علیہ السلام کی عورت کے نمک کا کھمبا بن جانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس نے پیچھے کو پھر کر دیکھ لیا تھا۔ (۲۶ درس ۱۹ باب)

لیکن قرآن مجید نے ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خیانت کرتی تھی:

﴿ کَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَیۡنِ فَخَانَتٰہُمَا ﴾ ❸

''نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں ہمارے دو صالح بندوں کے تحت میں تھیں مگر انہوں نے ان دونوں کی خیانت کی۔''

(۳) اب بائیبل جس مضمون کو خاص طور پر بیان کرتی ہے وہ لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کا قصہ ہے دیکھو باب ۱۹۔ مگر قرآن مجید ایسے قصوں سے بالکل پاک ہے۔

اس ناپاک قصہ کا بطلان خود بائیبل سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو پیدائش ۱۹/۳۲-۳۱ پلوٹھی نے اس فعل قبیحہ کے جواز میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ زمین پر کوئی مرد نہیں جو تمام جہان کے دستور کے موافق ہمارے پاس اندر آ دے۔ یہ دلیل بالکل غلط ہے کیونکہ ۱۹/۲۳-۲۰ میں شہر موغر کی موجودگی اور سلامتی کا ذکر ہے۔ پھر وہ لڑکیاں کیونکر کہہ سکتی تھیں کہ زمین پر کوئی مرد نہیں۔ ہم باور کر سکتے ہیں کہ یہ داستان ہی بے اصل ہے۔

---

❶ ١٤/ ابراهيم:٣٧۔ ❷ ٧/ الاعراف:٨٠۔ ❸ ٦٦/ التحريم:١٠۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام

کتاب پیدائش کے ۲۶ باب میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر ہے اور جو بیان اس میں قرآن مجید سے زائد ہے وہ یہ ہے۔

''ضحاق جرار میں رہا وہاں کے باشندوں نے اس سے اس کی جورو کی بابت پوچھا وہ بولا کہ وہ میری بہن ہے۔'' [درس۶]

قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا اس فقرہ کا قرآن مجید میں نہ ہونا اس کی شان کو گھٹا سکتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

باب ۲۵ کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام اور عیسو دو توام بھائی تھے اور پیدائش کے اعتبار سے عیسو بڑا تھا۔

اب مندرجہ ذیل امور کو غور کیجئے۔

اول: ۲۹ درس میں ہے'' کہ یعقوب نے لپسی پکائی اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ ماندہ ہو گیا تھا ۳۰:۔ اور عیسو نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اس لال لال میں سے کچھ مجھے کھانے کو دے کیونکہ میں ماندہ ہو گیا ہوں۔

۳۱: تب یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ آج ہی اپنے پلوٹھے ہونے کا حق میرے ہاتھ بیچ۔

۳۲: عیسو نے کہا کہ دیکھ میں تو مرے جاتا ہوں سو پلوٹھا ہونا میرے کس کام کا؟

۳۳: تب یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ آج ہی میرے سامنے قسم کھا اس نے اس کے سامنے قسم کھائی اور اس نے اپنے پلوٹھے ہونے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچا۔

۳۴: تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی۔ اس نے کھایا اور پیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ سو عیسو نے اپنے پلوٹھے ہونے کا حق ناچیز جانا۔''

قارئین ذرا غور کریں کہ اوپر کے قصے سے کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی تعریف نکلتی ہے جنہوں نے حقیقی بھائی کو مسور کی دال اور روٹی اس وقت تک نہ دی، جب تک اس سے وہ حق نہ لے لیا جو قدرت نے اسے عطا کیا تھا۔

شکر ہے کہ قرآن مجید میں یہ داستان موجود نہیں۔

دوم: کتاب پیدائش کا ۲۷ باب پڑھیے، جس میں یہ مذکور ہے کہ اسحٰق نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو کہا کہ وہ شکار کا گوشت باپ کے لیے لائے اور باپ اسے برکت دے گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ماں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو عیسو جیسا لباس پہنایا۔ ان کا حلیہ عیسو جیسا بنایا اور ان کے ہاتھ بکری کا گوشت پکا کر اسحٰق کے پاس بھیجا اور یعقوب نے باپ سے کہا کہ میں عیسو ہوں شکار کھایئے اور برکت دیجئے، اور حضرت اسحٰق اس دھوکے میں آ گئے اور یعقوب کو وہ برکت دی جو عیسو کو دینا چاہتے تھے۔

شکر ہے کہ قرآن میں یہ قصہ بھی نہیں ہے۔

سوم: ۳۴ باب پیدائش میں دینہ دختر یعقوب کا قصہ ہے۔ پھر اسی باب میں مذکور ہے کہ فرزندان یعقوب نے امیر حوی حمور سے یہ معاہدہ کر لیا کہ آیندہ کے لیے بیٹیوں کی لیت دیت جاری ہو جائے گی، مگر پھر لاوی و شمعون تلواریں لے کر اس شہر پر گئے، سب

مردوں کو اور سکم اور حمور کو قتل کر ڈالا۔ ان کی بھیڑ، بکریاں، گائے، بیل، گدھے اور جو کچھ شہر یا کھیت میں تھا سب دولت سب بچے اور ان کی جوروئیں لوٹ کر لے گئے۔

شکر ہے قرآن مجید میں اس کی بابت ایک حرف بھی نہیں۔

چہارم: ۳۵ باب ۲۲ درس میں ہے روبن جو حضرت یعقوب کا پلوٹھا بیٹا تھا اور اس کی سوتیلی ماں کا قصہ ہے۔ شکر ہے یہ قصہ بھی قرآن مجید میں نہیں۔

پنجم: ۳۸ باب کتاب پیدائش میں ''یہوداہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا تیسرا بیٹا ہے اور اس کی بہو تمر کا قصہ ہے۔ بائیبل نے یہوداہ کو الزام سے بچانے کے لیے کہا ہے' اس نے نہ جانا کہ یہ میری بہو ہے۔'' (۱۶ درس)۔ عذر کے بعد پھر بھی یہوداہ پر کسی ایک عورت کے ساتھ آلودہ ہونے کا جرم و گناہ قائم رہتا ہے۔ لیکن ایسے شخص کے متعلق جو نبی کا بیٹا اور نبی کا پوتا اور بنی اسرائیل کے چند انبیا مابعد کا باپ ہو، بہت سخت ہے۔

شکر ہے کہ قرآن مجید اس پاک گھرانے کے کسی شخص پر ایسے الزام نہیں لگاتا بلکہ یوں تعریف کرتا ہے:

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ❶

''خدا تعالیٰ کا پاک فرمودہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا۔''

ان سب باتوں کو چھوڑ کر قرآن مجید نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی عظمت نمایاں ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ فی الواقع اسرائیل (مردِ خدا) کا خطاب پانے کے اہل تھے۔

۱: قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ایک برگزیدہ بیٹے اور برگزیدہ پوتے کی بشارت عطا فرما دی تھی۔

﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ ❷

''ہم نے سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔''

۲: قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام اور ان کے والد پر خاص خاص الطاف فرمائے اور دنیا میں ان کے لیے ثنائے جمیل اور ذکر خیر باقی رکھا۔

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴾ ❸

''ہم نے ابراہیم کو اسحٰق و یعقوب دیے اور ان کو نبی بنایا اور ان سب کے لیے سچی اور بلند ترین تعریف عطا کی۔''

ان بیانات کو پڑھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بیانات بائیبل سے ماخوذ ہیں۔

---

❶ ۷/ اعراف: ۱۳۷۔ ❷ ۱۱/ ہود: ۷۱۔ ❸ ۱۹/ مریم: ۴۹، ۵۰۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کا احوال کتاب پیدائش کے باب ۳۷ اور پھر باب ۳۹ سے ۵۰ تک ہے اگر چہ یہ بارہ باب حضرت یوسف کی توصیف سے بھرے ہوئے ہیں۔لیکن ایک فقرہ حضرت یوسف پر بھی جڑ دیا گیا ہے۔

یوسف ان کے باپ کے پاس ان کے برے کاموں کی خبر لاتا تھا۔درس ۲ باب ۳۷؍۱ اس فقرہ سے یہ ظاہر ہے کہ یوسف علیہ السلام (نعوذ باللہ) ایک چغل خور تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کے بھائی برے کام کرنے والے تھے۔

(۱) قرآن کریم نے بھی یوسف علیہ السلام کا قصہ ۱۲ رکوع میں بیان کیا ہے،لیکن وہ بہت سی باتوں میں بائیبل کے بیان سے زیادہ بلیغ اور ممتاز ہے۔

(۲) قرآن پاک میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سن کر یہ تعبیر بتائی تھی۔

﴿ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ﴾ ❶

''اللہ تعالیٰ تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے علم تعبیر سکھائے گا اور تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کرے گا۔''

(۳) بائیبل میں خواب کا تو ذکر ہے۔مگر اس تعبیر کا ذکر نہیں،گو وہ مضامین موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بتائی ہوئی تعبیر ان ہی لفظوں میں پوری ہوگئی تھی۔

(۴) قرآن مجید میں ہے کہ جب بھائیوں نے یوسف کو چاہ میں گرا دینے پر اجماع کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یوسف علیہ السلام کو ان کے اطمینان خاطر کے لیے بتا دیا تھا:

﴿ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ ❷

''ہم نے یوسف علیہ السلام کو وحی کی کہ تو ان کو ان کے کام کی خبر دے گا اور وہ تجھے نہ پہچانتے ہوں گے یعنی ایک وقت تجھ کو وہ قدرت ہوگی کہ ان کے افعال پر تنبیہ کرے گا۔''

لیکن بائیبل میں اس کا ذکر نہیں۔

(۵) قرآن پاک میں ہے کہ امرأۃ العزیز کے ہاتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن کا پچھلا حصہ پھٹ گیا تھا اور عورت ہی کے خاندان میں سے ایک نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ پیراہن کے سامنے کا حصہ پھٹ گیا ہو تو یوسف ملزم ہے ورنہ عورت ملزمہ ہے اور اس زبردست دلیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی و بے لوثی عزیز پر ثابت ہوگئی تھی،تب اس نے یوسف علیہ السلام سے درگزر کرنے کی التجا کی تھی اور عورت کو الزام دے کر کہا تھا کہ وہ اپنے گناہ سے استغفار کرے۔

﴿ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴾ ❸

''یوسف تو اس تہمت کا خیال نہ کرنا۔اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگ کیونکہ خطا تیری ہے۔''

لیکن بائیبل سے ثابت ہوتا ہے کہ عزیز پر یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہی نہ ہوئی تھی۔

---

❶ ۱۲/ یوسف:٦۔ ❷ ۱۲/ یوسف:۱۵۔ ❸ ۱۲/ یوسف:۲۹۔

(۶) قرآن پاک سے مستنبط ہوتا ہے کہ مصر کی اور بہت سی عورتوں نے بھی مل کر یوسف علیہ السلام کو زنِ عزیز کی بات مان لینے اور بہکانے میں کوشش کی تھی اور وہ سب ناکام رہی تھیں۔ مگر بائبل اس سے بھی خاموش ہے۔

(۷) قرآن پاک نے بتایا ہے کہ جب زندان میں قیدیوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنے اپنے خواب کی تعبیریں پوچھیں تو یوسف علیہ السلام نے اول ان کو توحید کی تعلیم دی اور اپنے فرض تبلیغ کو ادا کیا تھا۔

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ [1]

''اے زندان کے ساتھیو! ذرا غور کرو کہ بہت سے رب اچھے یا ایک زبردست اللہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کے سوا تم جس جس چیز کی پوجا کرتے ہو۔ وہ خالی نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لیے ہیں خدا نے ان کی بابت کوئی بھی دلیل نہیں اتاری۔ یاد رکھو کہ حکم دینے کا حق اللہ ہی کو ہے اور اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اسی کا نام دین محکم ہے لیکن بہت لوگ ہیں جو اتنی بات بھی نہیں جانتے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کیسے عالی پایہ نبی تھے جو زندان میں پہنچ کر بھی اپنے فرض تبلیغ سے قاصر نہیں رہے۔ دعوت الی اللہ زندان میں بھی جاری رکھی اور ہدایت خلق کا جو وقت اور جو موقع مل گیا۔ اسے ضائع نہ کیا۔ یہ پاک نظیر ان سب لوگوں کے لیے جو وعظ وہدایت کا کام اپنے لیے پسند کرتے ہیں بہترین ہدایت ہے۔

لیکن بائبل میں یہ مذکور ہی نہیں۔

(۸) بائبل میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو فرعون نے تعبیر خواب کے لیے طلب کیا تو وہ جھٹ اس کے پاس چلے گئے۔ مگر قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے جیل سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا اور پہلے اپنے الزام کے متعلق تحقیقات کیے جانے پر زور دیا:

﴿ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ ﴾ [2]

اس بیان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی، پرہیزگاری نیز مستقل مزاجی اور عزت نفس کی نگہداشت پر بہترین شہادت ملتی ہے۔

(۹) قرآن مجید میں ہے کہ زنانِ مصر نے بھی یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی:

﴿ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ ﴾ [3]

''پناہ بخدا ہم نے تو یوسف علیہ السلام پر کوئی برائی محسوس نہیں کی۔''

اور خود زنِ عزیز نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت بیان اور طہارت نفس کی شہادت دیتے ہوئے سارا الزام اپنے اوپر لے لیا تھا:

---

[1] ۱۲/ یوسف: ۳۹، ۴۰۔ [2] ۱۲/ یوسف: ۵۰۔ [3] ۱۲/ یوسف: ۵۱۔

﴿ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾ ❶

''زن عزیز نے کہا، اب تو سچ ثابت ہو گیا خود میں نے یوسف کو پھسلانا چاہا اور وہ سچا ہے میں چاہتی ہوں کہ یوسف جان لے کہ میں اسے پس پشت بھی کوئی الزام نہیں دیتی ہاں اللہ بھی خیانت والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا اور میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتی ہوں کیونکہ نفس تو برائی ہی کے لیے کہا کرتا ہے بجز اس شخص کے جس پر میرے رب کی عنایت ہو۔''

لیکن بائیبل ان اوصاف کے بیان میں ساکت ہے ایسے ہی دیگر مضامین اس سورۂ مبارکہ میں ہیں جو بائیبل میں نہیں، جن سے بیسیوں مسائل اور نکات آیندہ کے لیے بھی متخرج ہوتے ہیں میں نے بغرضِ اختصار ان کو چھوڑ دیا ہے تفصیل کے لیے میری کتاب ''الجمال والکمال'' (تفسیر سورۂ یوسف) کو دیکھنا چاہیے۔

ناظرین رحمۃ للعالمین جلد اول کے ملاحظہ سے دیکھ سکتے ہیں کہ تمام سورۂ مبارکہ کیوں کر نبی کریم ﷺ کے احوال مبارک کے لیے بطور پیشین گوئی بھی ہے۔

ان جملہ افادات کے بعد کیا اب بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے بائیبل کے مضامین سن کر ان کو اپنی زبان میں ڈھال لیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کا جس تفصیل اور تطویل کے ساتھ بائیبل میں ذکر ہے اس قدر اور کسی نبی کا نہیں موسیٰ علیہ السلام کی دوسری کتاب خروج اور تیسری کتاب احبار اور چوتھی کتاب گنتی اور پانچویں کتاب استثناء اسی اولی العزم نبی کے حالات میں ہیں۔ قرآن مجید میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا تذکرہ بہت ہے اس قدر کسی نبی کا نہیں۔ تاہم مجموعۃً اس کا حجم بائیبل کی مندرجہ بالا چار کتابوں میں سے ایک کتاب کے برابر بھی نہیں۔

مضامین کے لحاظ سے ہم اکثر مقامات کا اقتباس کریں گے۔

ا: ۱۴ درس ۴ باب کتاب خروج میں ہے کہ ''تب خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا'' یہ اس موقعہ پر ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسالت کو قبول کرنے سے عذر کیا ہے مگر قرآن مجید اسی موقع پر بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو نہایت ہی الفت و شفقت سے سمجھایا تھا:

﴿ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ ❷

''اے موسیٰ علیہ السلام، ڈرو نہیں، ہمارے ہاں رسول ڈرا نہیں کرتے۔''

---

❶ ۱۲/ یوسف: ۵۱، ۵۲، ۵۳۔ ❷ ۲۷/ النمل: ۱۰۔

۲: ۲۰ درس ۶ باب کتاب خروج میں ہے ''عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا۔ وہ اس سے دو بیٹے جنی ایک ہارون دوسرا موسیٰ''، معلوم نہیں کہ بائبل کا مقصود اس بیان سے کیا ہے۔ قرآن مجید سے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی بڑی تعریف نکلتی ہے۔

الف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى ﴾ [1]

''ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی۔''

واضح ہو کہ دنیا میں ایسی عورتیں بہت ہی کم ہیں، جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی براہ راست آئی۔ قرآن مجید سے ایسی شرف والی عورتیں، مادرِ موسیٰ اور مادرِ عیسیٰ علیہما السلام ہی معلوم ہوتی ہیں اور بائبل سے مادرِ اسمٰعیل کی بھی یہی منزلت معلوم ہوتی ہے مادرِ اسمٰعیل کے سامنے تو دو بار فرشتہ خود آیا اور اس نے اللہ کا پیغام اور زمانۂ مستقبل کی بشارت ان کو پہنچائی تھی دیکھو ۷ تا ۱۱/ ۱۶، ۱۷/ ۲۱ کتاب پیدائش۔

ب: اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر مادرِ موسیٰ کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا ﴾ [2]

''اگر ہم اس کے قلب پر اپنا رابطہ نہ رکھتے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادر موسیٰ کے قلب پاک کو اللہ تعالیٰ سے رابطہ حاصل تھا۔

۳: کتاب خروج ۷/ ۱ میں ہے۔ ''پھر خدا نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لیے خدا سا بنایا'' ناظرین فقرہ ''خدا سا'' پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا توحید کی تعلیم اسی طرح دی جایا کرتی ہے؟ اگر کوئی شخص خدا کا مشبّہ بن سکتا ہے تو خدا کی وحدانیت ذات اور وحدانیت صفات کیوں کر قائم رہ سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ [3] ''کوئی بھی چیز اللہ کی مثال کی مثال جیسی بھی نہیں۔''

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ [4] '' اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔''

۴: (الف) ۱۱، ۱۲/ ۷ خروج میں ہے ''کہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔''

ب: ۷/ ۸ خروج میں ہے کہ جادوگروں نے بھی مصر کی زمین پر مینڈک چڑھائے۔

ج: ۱۶، ۱۷/ ۸ میں ہے کہ موسیٰ نے گرد پر عصا مارا اور اس سے تمام ملک میں جوئیں پیدا ہو گئیں۔ ۱۸ درس میں ہے۔ ''جادوگروں نے بھی چاہا کہ اپنے جادوؤں سے جوئیں نکالیں، پر نہ نکال سکے۔'' ۱۹ درس میں ہے۔ ''تب جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ اللہ کی قدرت ہے۔''

---

[1] ۲۸/ القصص:۷۔ [2] ۲۸/ القصص:۱۰۔ [3] ۴۲/ الشوریٰ:۱۱۔ [4] ۱۶/ النحل:۷۴۔

جادوگروں کا ذکر بائیبل میں صرف اسی قدر ہے اوران کے انجام کی بابت خاموش ہے، لیکن قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۝ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝﴾ [1]

''ساحروں نے اللہ کو سجدہ کیا اور زبان سے کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے اللہ پر ایمان لے آئے فرعون نے کہا تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تمہارا بڑا ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے اب تمہارے ہاتھ پاؤں ادھر ادھر سے میں کاٹوں گا اور اونچے درخت کی شاخ سے تم کو پھانسی دوں گا تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم سے عذاب میں زیادہ سخت کون ہے اور کون باقی رہنے والا ہے انہوں نے کہا ان روشن دلیلوں پر اور اپنے پیدا کرنے والے پر ہم تجھے اختیار نہیں کریں گے تجھ کو جو کرنا ہے وہی کر تو اس دنیاوی زندگی ہی میں کچھ کر سکتا ہے ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں، تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو کہ تیرے مجبور کرنے سے ہم نے جادو کا کام کیا ہے معاف فرمائے اور اللہ بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔''

اس بیان قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ معجزات موسوی سحر کی قسم میں سے نہ تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت نے کیوں کر ساحروں کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیا تھا اور یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ انسان کو دنیا کے کسی دباؤ یا مصیبت کے اندیشہ سے اظہار اسلام میں تامل نہیں کرنا چاہیے اور یہ بھی حکم ملتا ہے کہ ترک اسلام کے لیے خواہ کیسے بھی عذاب اور دکھ درد دیئے جائیں مگر مومن کو لازم ہے کہ جان پر کھیل جائے لیکن اسلام سے منہ نہ پھرائے اور دنیائے فانی کو آخرت پر ترجیح نہ دے۔

ان بہترین اسباق کا بائیبل میں کہیں ذکر تک نہیں۔

(۵) کتاب خروج ۲۴/۹ تا ۱۱ پڑھو، ۹ تب موسیٰ اور ہارون اور ندب اور ابیہو اور ستر بزرگ، اسرائیلی اوپر گئے اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا۔ ۱۰، اور اس کے پاؤں کے تلے جیسے نیلم کے پتھر کی گچکاری اور اس کی شفافی جرم آسمان کی مانند تھی۔ ۱۱۔ اور بنی اسرائیل کے امیروں پر اس نے اپنا ہاتھ نہ رکھا، انہوں نے خدا کو دیکھا اور کھایا اور پیا۔''

ناظرین! انہوں نے خدا کے پاؤں بھی دیکھ لیے اور نیلم جیسی رنگت بھی دیکھ لی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کے سارے جسم کی رنگت بھی نیلم جیسی ہوگی ہندوؤں نے غالباً اسی مقام کو پڑھ کر کنھیا جی کی نیلی رنگت ظاہر کرنا سیکھا ہے بھلا جس خدا کے جسم کی شفافی اور رنگت کو دیکھ لیا ہوگا، اس کے مجسم ہونے میں کیا شبہ رہ گیا۔ اللہ اکبر! ایسے ہی مقام ہیں جو بندوں کو شرک جلی میں ڈال دیتے ہیں۔ قرآن پاک تو اللہ سبحانہٗ کی تقدیس کرتا ہے اور اسے جسم وجسمانیت سے بالاتر بتاتا ہوا فرماتا ہے:

---

[1] ۲۰/ طٰہٰ: ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳۔

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ ﴾ ❶

''ابصار اس کا ادراک نہیں کر سکتے وہ ابصار کا ادراک رکھتا ہے۔''

ناظرین اندازہ کریں کہ کیا تعلیم قرآنی بائیبل سے ماخوذ ہو سکتی ہے؟

(۶) باب ۳۲ کتاب خروج کو ایک سے ۶ درس تک پڑھ جاؤ اس میں درج ہے کہ ''ہارون نے سونے کا بچھڑا ڈھال کر بنایا اور کہا اے بنی اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر سے نکال لایا پھر ہارون علیہ السلام نے اس کے لیے قربانیاں بھی کیں۔'' ایک ایسے نبی پر جو موسیٰ کا بھائی اور اللہ کا برگزیدہ اور خیمۂ عبادت کا امام ہو یہ الزام کہ اس نے اپنے ہاتھ سے بت بنایا اور خود اس کے سامنے قربانیاں پیش کیں اور اسے اسرائیل کا خدا بتایا نہایت سخت الزام ہے اور مسلمانوں کی نگاہ میں تو ایسے افعال کا مرتکب ادنیٰ درجے کا مسلمان کہلانے کا بھی استحقاق نہیں رکھتا چہ جائیکہ وہ نبی ہو اور امام بنی اسرائیل بھی۔ شکر ہے کہ رب کریم نے اپنے پاک کلام قرآن مجید کے ذریعے سے اس غلطی کی اصلاح فرمائی کہ یہ فعل سامری کا تھا۔

﴿ فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۙ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ﴾ ❷

''اسی طرح سامری نے ڈالا پھر سامری نے ان کے لیے ایک بچھڑے کی صورت نکالی، جس کی آواز بھی بچھڑے جیسی تھی تب لوگوں سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔''

قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف یہ دریافت کیا تھا کہ ان گمراہوں کو انہوں نے کیوں نہ روکا۔

﴿ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ ﴾ ❸

''موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب تو نے ان کو گمراہ دیکھا تھا تب تجھے کس چیز نے روکا کہ میری پیروی نہ کرے یعنی تبلیغ نہ کرے۔''

اس کے جواب میں حضرت ہارون کا یہ جواب بھی بیان فرما دیا۔

﴿ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ ۝ ﴾ ❹

''مجھے یہ ڈر ہوا کہ تو کہے گا تو نے بنی اسرائیل میں تفریق کر دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔''

الحمد للہ کہ قرآن مجید نے اس بزرگوار کی شان کو صاف کر دیا، ورنہ اہل کتاب تو اپنے امام کو بت ساز اور بت پرستی کی ترغیب دینے والا بتا رہے تھے۔ کیا اب بھی کوئی دانش مند کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید قصص میں بائیبل کے مضامین کو دہراتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

کتاب دوم سموئیل کے ۱۱ باب کو پڑھو جس میں مسماۃ بنت شبع زوجہ حتی اوریا اور داؤد کا ذکر ہے اس کے آخر میں ہے کہ پھر داؤد علیہ السلام نے عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا وہ اس کی جورو بنی۔ یہ کام خداوند کی نظر میں برا ہوا۔

---

❶ ٦/ الانعام: ١٠٣۔ ❷ ٢٠/ طٰهٰ: ٨٧، ٨٨۔ ❸ ٢٠/ طٰهٰ: ٩٢، ٩٣۔ ❹ ٢٠/ طٰهٰ: ٩٤۔

شکر ہے کہ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت کوئی ایسا قصہ نہیں قرآن پاک تو ان کی تعریف پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے۔

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ﴾ [1]

''اے داؤد! میں نے تجھے الارض (وعدہ کی زمین) کا خلیفہ کیا ہے، لوگوں میں راست بازی سے حکومت کیا کر۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورۂ ص رکوع ۱ میں جو بیان بدیں الفاظ ہے:

﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴾ [2]

اس میں حتی اور یا و الا قصہ بیان کیا گیا ہے، لیکن ایسی بات خوش فہمی کی وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جن کے دماغ میں پہلے سے بائبل کے قصہ نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ورنہ قرآن مجید کے پاک کلام میں تو اس قصہ کی طرف اشارہ تک نہیں پایا جاتا اور لطف یہ ہے کہ بائبل میں اس قصہ کا جو قرآن پاک میں ان جھگڑنے والوں کے آنے اور دیوار کو پھاند کر اندر جانے کی بابت ہے، کچھ ذکر نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جداگانہ قصے ہیں۔

قرآن مجید نے جس قصہ کا بیان کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والیان سلطنت اور حاکمان ملک کو نفلی عبادت کے مقابلہ میں معدلت گستری اور انصاف رسانی کی جانب توجہ زیادہ مبذول رکھنی چاہیے نیز صاحبان حکومت کو اپنے قیام کے لیے ایسی جگہ پسند کرنی چاہیے جہاں فریادیوں کی رسائی با آسانی ہو سکے اور غریب رعایا کو دادرسی کے لیے زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ [3]

۲: کتاب ۲ سموئیل کے باب ۱۴ تا ۱۹/۱۳ کو پڑھو جس میں امنون بن داؤد اور اسکی بہن تمر کا قصہ ہے پھر ابی سالوم بن داؤد کا جو تمر کا حقیقی بھائی ایک ماں سے تھا کہ اس نے امنون کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور اپنے نوکروں کو حکم دے کر قتل کرا دیا۔

۳: سموئیل ۲۰ تا ۲۲/۱۶ میں ابی سالوم بن داؤد اور اس کی سوتیلی ماں کا قصہ ہے۔

شکر ہے قرآن مجید میں ایسے قصے نہیں جن کو تفصیلاً ذکر کرنا بھی ہم نے نامناسب سمجھا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

بائبل کے اول سلاطین باب ۳ کے درس ۵ میں ہے: ''خداوند! رات کے وقت سلیمان کو خواب میں دکھائی دیا اور خدا نے کہا جو تو چاہے کہ میں تجھے دوں، سو مانگ۔''

۹۔ درس میں ہے: ''سلیمان نے عرض کیا تو اپنے بندے کو ایسا سمجھنے والا دل عنایت کر کہ وہ تیرے لوگوں کی عدالت کرے، تا کہ میں نیک اور بد میں امتیاز کروں۔''

۱۲۔ درس میں خدا کا ارشاد ہے: ''میں نے ایک عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا۔ اور نہ تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا۔''

---

[1] ۳۸/ ص: ۲۶۔ [2] ۳۸/ ص: ۲۱۔ [3] مضمون بالا کی تحریر سے چند ماہ بعد مجھے کتاب الفصل فی الملل والأهواء الكلام فی داود، ج ٤/ ۳۹ لابن حزم کے مطالعہ کا اتفاق ہوا اس میں امام نے دلائل سے ان لوگوں کے فہم کا بطلان کیا ہے جو ان جھگڑنے والوں کو فرشتے بتاتے ہیں جو بکریوں سے مراد عورتیں لیتے ہیں جو انما فتناه سے مراد کسی گناہ کا ہونا لیتے ہیں۔ (دیکھو جلد چہارم ص ۱۸ کتاب مذکور)

اول سلاطین کے ۶ باب ۱۱ درس میں سلیمان پر خدا کا کلام اترنا درج ہے اس قدر توصیف ومحامد کے بعد سلاطین اول کے ۴/۱۱ میں یہ بھی ہے جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اسکی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر دیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف مائل نہ تھا۔ ۵۔ سلیمان نے صیدانیوں کی دیوی عستاراۃ اور بنی عمون کی نفرتی ملکوم کی پیروی کی۔ ۸۔ یوں ہی اس نے اپنی ساری جوروؤں کی خاطر کیا جو اپنے معبودوں کے حضور بخور جلایا کرتی تھیں۔

قارئین ذرا انصاف کریں کہ جس برگزیدہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے مشرف کیا، جس سے اللہ ہم کلام رہا ہو، جس کو ایسا عاقل دل دیا گیا ہو کہ اس سے پہلے اور پیچھے کسی کو نہ ملا ہو، جس نے رب قدوس کی عبادت کے لیے بیت المقدس بنایا ہو۔ کیا اس کا بت پرست ہو جانا ممکن ہے کیا ایسے شخص کو اس کی بیویاں بت پرستی پر (جس کی شان مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ [۵۳/النجم:۲۳] ہے) مائل کر سکتی ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، یقیناً نہیں۔ قربان جایئے قرآن پاک کی تعلیم کے جس نے قطعی الفاظ میں فرمایا:

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ ❶ ''سلیمان علیہ السلام نے کبھی کفر نہیں کیا۔''

اور فرمایا: ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ ❷ ''سلیمان اپنے (باپ) داؤد کا وارث ہوا۔''

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کا وارث صرف سلیمان علیہ السلام کو بتایا ہے حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سترہ فرزندان ❸ ذکور تھے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں وراثت سے مراد مال واسباب کی وراثت نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے۔ اس آیت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ کتاب اول سلاطین ۴/۱۱ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے: ''اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف مائل نہ تھا، جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا۔ اس فقرہ کے بعد جب ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ ❹ پڑھا جائے گا تو ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ورضوان اور نبوت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہی درجہ ہے۔ جو حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے اور ورثہ نبوت میں وہی داؤد کے وارث تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

بائیبل میں کتاب ایوب الگ ہی ہے جو ۴۲ صفحے پر بخط باریک رقم ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ان کا نام دو جگہ (سورۂ نساء و انعام) میں انبیاء کے ذیل میں آیا ہے اور دو جگہ ان کا قصہ ہے دونوں جگہ دو دو سطروں میں اسے ختم کیا گیا ہے:

سورۂ انبیاء میں ہے:

﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ ﴾ ❺

''ایوب علیہ السلام کا ذکر کرو جب اس نے اپنے اللہ سے یہ عرض کیا کہ مجھے تکلیفیں پہنچی ہیں اور تو رحم کرنے والوں میں

---

❶ ۲/ البقرۃ:۱۰۲۔ ❷ ۲۷/ النمل:۱۶۔ ❸ حضرت داؤد کے چھ بیٹوں کے نام جو بمقام حیرون پیدا ہوئے ۳۱ سموئیل ۲ تا ۳/۵ میں اور گیارہ بیٹوں کے نام جو یروشلم میں پیدا ہوئے ۲۔ سموئیل ۱۳ تا ۱۳/۱۶ میں ہیں۔

❹ ۲۷/ النمل:۱۶۔ ❺ ۲۱/ الانبیاء:۸۳، ۸۴۔

سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ہم نے اس دعا کو قبول کر لیا اس کی تکلیفیں دور کر دیں اسے کنبہ دو چند عطا کیا یہ ہماری رحمت تھی اور عبادت کرنے والے اسے بطور یادداشت رکھ سکتے ہیں۔''

بائیبل نے بھی ۴۲ صفحے کے بعد یہی نتیجہ نکالا ہے جیسا کہ ایوب ۱۰ تا ۱۵/۴۲ سے ظاہر ہے عجیب بات جسے بائیبل نے بیان کیا ہے اور قرآن مجید میں اس پر اشارہ تک نہیں یہ ہے ایوب ۶/ ۱۱ ایک دن ایسا ہوا کہ نبی اللہ آئے کہ خداوند کے حضور میں حاضر ہوں اور شیطان بھی ان کے درمیان آیا ہے۔ ۷۔ تب خداوند نے شیطان سے پوچھا کہ تو کہاں سے آتا ہے ۲۔ باب کے ۱/ ۲ درس میں پھر یہی الفاظ ہیں غور کرو کہ شیطان کا نبیوں کے ساتھ شامل ہو کر خدا کے حضور پہنچ جانا کس قدر ناممکنات سے ہے اس میں اللہ کے نبیوں کی کس قدر ہتک ہے اللہ کے دربار کی کس قدر توہین ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بیان سے کون سی خوبی مقصود تھی۔

الحمدللہ کہ قرآن مجید میں یہ فقرہ نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام

زکریا علیہ السلام کا ذکر لوقا نے اپنی انجیل کے ۵ تا ۲۵/ ۱ میں کیا ہے اور قرآن مجید کی سورۂ مریم کے رکوع اول میں اس کا بیان ہے۔ لوقا نے زکریا کی دعا کا مضمون نہیں لکھا جو قرآن مجید میں ہے حالانکہ اس دعا ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی کو فرزند کی خواہش کیوں تھی۔ آیا انہی اغراض پر جس کی وجہ سے سب لوگ فرزند کی تمنا کیا کرتے ہیں یا دینی مقصد کے لیے قرآن مجید میں ہے کہ زکریا نے کہا تھا کہ بیٹا ایسا ملے جو:

﴿ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾ [1]

''میرا وارث اور آلِ یعقوب (بنی اسرائیل) کا وارث ہو۔''

ان الفاظ سے واضح ہے کہ قوم کی بہبود و فلاح اور دین الٰہی کی اشاعت و قیام کے لیے وہ ایک نبی فرزند کے متمنی تھے اور یہی وہ وجہ ہے جو حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو استجابت حق کا مستحق بناتی ہے۔ لفظ ارث سے دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ زکریا علیہ السلام جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کے وارث کا سوال کرتے ہیں کیونکہ حضرت زکریا کا واحد بیٹا آل یعقوب کا جو کروڑوں کے شمار میں تھی کیوں کر وارث بن سکتا تھا۔ آل یعقوب کے لفظ پر مزید غور مطلوب ہے کہ یہاں بنی اسرائیل نہیں کہا گیا۔ یہ دونوں دلائل باور کرا دیں گے کہ نبی فرزند کی بابت استدعا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا فوراً بشارت حق کا مژدہ لائی تھی۔ لوقا نے ۲۵/ ۱ میں صرف یہ الفاظ لکھے ہیں:

''خداوند نے مجھ پر نظر کی میرے ساتھ ایسا کیا، تاکہ لوگوں میں سے میری شرمندگی دور کرے۔''

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ زکریا علیہ السلام نے فرزند کی تمنا صرف انہی اغراض سے کی تھی جو عموماً دنیاداروں کی اپنی اولاد سے وابستہ ہوتی ہیں۔

---

[1] ۱۹/ مریم:۶۔

۲۔لوقا ۲۰/۱ میں لکھا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے زکریا علیہ السلام کو یہ کہا تھا: ''تو گونگا ہو جائے گا جس دن تک یہ چیزیں واقع نہ ہوں بول نہ سکے گا اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔''

اس سے دو باتیں نکلیں:

۱: حضرت زکریا علیہ السلام کا گونگا بنایا جانا بطور سزا کے تھا کہ انہوں نے جبرائیل علیہ السلام کی بات کا یقین نہ کیا۔

۲: گونگے پن کی مدتِ موعود بچہ کی ولادت تک تھی۔

قرآن پاک میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اس بشارت کی بابت علامت کا سوال کیا تھا اور رب العالمین نے تین دن تک بول نہ سکنے کو علامت قرار دیا تھا۔

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ کیا یہ مضامین قرآن پاک اپنے سے پہلی کتاب سے لیتا ہے یا اس کی کمی کی اصلاح کرتا اور زکریا علیہ السلام کو ایک عیب (سزا یابی) سے بچاتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یوحنا، بپتسمہ دینے والا لکھا گیا ہے۔ان کا ذکر لوقا ۵ تا ۸۰/۱ میں اور پھر ۱ تا ۲۰/۳ میں نیز ۱۹ تا ۲۹/ ۷ میں ہے۔قرآن مجید میں ان کا ذکر سورۂ مریم و آل عمران میں ہے اور بہت اختصار کے ساتھ ہے۔

سورۂ مریم میں ہے:

﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴾ [1]

''اے یحییٰ کتاب (شریعت) کو خوب تھام ہم نے اسے لڑکپن ہی میں نبوت اور نرم دلی اور پاکیزگی دی تھی اور وہ خدا ترس اور ماں باپ سے عمدہ سلوک کرنے والا تھا وہ نہ ظلم پسند تھا اور نہ نافرمان تھا۔''

اور سورۂ آلِ عمران میں ان کی صفت ان الفاظ میں ہے:

﴿ مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [2]

''وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا اور سید اور عورتوں سے الگ رہنے والا اور نبی صالحین میں سے تھا۔''

یہ بارہ صفات ایسی ہیں کہ مجموعہ لوقا میں نہیں ملتی ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید باوجود اختصار انجیل سے بہت زیادہ بیان کرتا ہے اور یہ غلط ہے کہ وہاں سے لیتا ہے۔

حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک انسان بتاتا ہے۔

---

[1] ۱۹/ مریم: ۱۲ تا ۱۴ [2] ۳/ آل عمران: ۳۹

اور عیسائی ان کو خداوند کہتے ہیں۔

قرآن مجید حضرت عیسیٰ کو رسول اللہ بتاتا ہے۔

اور عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں۔

اس لیے واقعات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائی کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اناجیل سے ماخوذ ہیں اس لیے ان کے متعلق زیادہ طول کی حاجت نہیں۔

البتہ قرآن مجید کا یہ احسان عیسائیت پر ہمیشہ رہے گا کہ اس نے یہود کو کاذب ٹھہرایا اور مریم علیہا السلام کو صدیقہ بتا کر ابن مریم علیہما السلام کی شان کو بلند فرمایا اس طرح انجیل یوحنا ١٦ باب کا وہ فقرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر صادق ہوا کہ ''وہ میری بزرگی کرے گا۔''

باب پنجم

افضلیت سید المرسلین ﷺ

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وَّجَآءَ بِمُحَمَّدٍ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ صَلٰوةً كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اما بعد! نبی ﷺ کی افضلیت کا مسئلہ ہر مسلمان کا ایمان ہے بلکہ یہ ایمان کی جان ہے۔ اس مسئلہ کا بیان، بیان کرنے والے کے لیے آسان نہیں۔

بعض اوقات اس مسئلہ میں ایسا اسلوب کلام اختیار کیا جاتا ہے، جس سے ذات سبحانہ تعالیٰ پر نقص لازم آتا ہے یا ایسے پیرایہ میں ذکر ہوتا ہے کہ دیگر انبیا علیہم السلام کی تنقیص وشان نمایاں ہوتی ہے اور اس سے وہی صورت منہیہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کو حدیث میں تخییر بین الانبیاء بتایا گیا اور اہل اسلام کو اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حدیث شریف ((لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ)) ❶ کو علمائے سلف نے بیان افضلیت نبی ﷺ کا مانع نہیں ٹھہرایا۔ متقدمین میں سے امام ابونعیم ❷ اصفہانی اور قاضی عیاض مالکی ❸ نے اس مسئلہ پر خوب بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ ﴾ ❹

''یہ رسول ہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

اس ارشاد سے فضیلت بین الرسل کا وجود متحقق ہو گیا۔ اب اگر قرآن مجید سے نبی ﷺ کی فضیلت کا ثبوت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کسی بندہ کی طرف سے تخییر بین الانبیاء کا فعل نہ ہوگا، بلکہ مراد ربانی کا بیان اور تفسیر ہوگی جو باتفاق علما جائز اور ضروری ہے۔

انہی وجوہات سے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس باب میں صرف آیات قرآنیہ سے تمسک کیا جائے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے صورت منہیہ (تخییر) سے بچائے اور علمائے کرام سے التماس ہے کہ جس طرز کی ابتدا اس احقر نے باہمہ بے بضاعتی کی ہے، اسے درجہ کمال واتمام تک پہنچایا جائے۔

یہ مضمون اپنی موجودہ صورت میں خود راقم کے نزدیک بھی ہنوز نامکمل ہے اور اس کی تکمیل کے لیے چند دقیق مضامین بشرح و بسط لکھنے کے ضرورت تھی، جن کو میں نے جلد سوم میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس مضمون میں صرف انہی انبیائے کرام علیہم السلام کے

---

❶ بخاري، كتاب الديات، باب اذا لطم المسلم يهوديا، حديث: ٦٩١٦؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسىٰ، حديث: ٦١٥٦۔ ❷ ابو نعیم مصنف کتاب حلیۃ الاولیا اعلام محدثین سے ہیں ولادت ۳۳۶ھ وفات ۴۳۰ھ نام احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحٰق۔

❸ شفاء الباب الثالث: ١/ ٣٥٨۔ عیاض بن موسیٰ صوبہ غرناطہ کے شہر سبتہ کے قاضی، فقہ، تفسیر، حدیث وسائر علوم کے امام تھے۔ مشارق الانوار اور کتاب شفاء کے مصنف، ولادت ۴۷۶ھ وفات ۵۴۴ھ۔ ❹ البقرة ٢: ٢٥٣۔

اسمائے مبارکہ کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض معزز ناظرین کسی مقام کو پڑھ کر تصور فرمائیں کہ اس سے افضلیت کا ثبوت کیوں کر نکلا لیکن جب وہ دیکھیں گے کہ فضائل کثیرہ ایسے ہیں جن سے خاص خاص نبی یا رسول مخصوص پائے جاتے ہیں اور ان فضائل کا بروز وظہور وجود باجود نبی اکرم ﷺ میں بھی پایا جاتا ہے تو اس وقت آشکار ہو جائے گا کہ ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ [1] کا مفہوم یہ ہے.....ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت آدم علیہ السلام

آدم علیہ السلام کے فضائل بہت ہیں۔ نبی ﷺ کی ذات مبارک میں بھی وہ فضائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ [2] ''اللہ نے آدم علیہ السلام کو سب اسماء سکھائے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا ذکر بطور شاگرد ربانی فرمایا ہے اور کچھ شک نہیں کہ جس نفس قدسی کی تعلیم خود خدائے عالم نے فرمائی ہو اس کا علم وفضل تام واکمل ہوگا۔

نبی ﷺ کے حق میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [3]

''یہ رسول تم کو کتاب وحکمت سکھاتا اور ایسے (علوم) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ذکر بطور استاد عالم فرمایا ہے لفظ کتاب کے تحت میں جملہ شرائع الٰہیہ آجاتے ہیں اور لفظ حکمت کے تحت میں جملہ علوم فاضلہ ونافعہ داخل ہیں اور فقرہ ﴿ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [4] کے تحت میں عالم ملکوت اور جہان قلب کے وہ سب اسرار وغوامض آجاتے ہیں جن سے تا زمانِ بعثت نبوی عالم مادی کے کان نا آشنا اور متمدن دنیا کے قلوب بے بہرہ تھے۔

۲: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ ﴾ [5]

''ہم نے آدم علیہ السلام سے پہلے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گیا۔''

اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی صفت بشریت کا اظہار فرمایا گیا اور بتایا گیا ہے کہ نسیان لازم بشریت ہے اس لیے کسی شخص کو شایاں نہیں کہ آدم کے ایک فعل یا ترک فعل پر جس کا صدور بوجہ نسیان ہوا خوردہ گیری کرے۔

نبی ﷺ کے حق میں علیم الحکیم فرماتا ہے:

---

[1] ٦/ الانعام: ٩٠۔ [2] ٢/ البقرة: ٣١۔ [3] ٢/ البقرة: ١٥١۔

[4] ٢/ البقرة: ١٥١۔ [5] ٢٠/ طٰه: ١١٥۔

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴾ ❶ ''ہم تجھے پڑھاتے رہیں گے اور تجھ سے ❷ نسیان نہ ہوگا۔''

اس آیت میں لفظ سَنُقْرِئُكَ پہلی آیت کے لفظ عَلَّمَ اٰدَمَ کے معنی کو ظاہر کر رہا ہے اور بتاتا ہے کہ نبی ﷺ کے لیے خود باری تعالیٰ اَلْمُقْرِئ (حرفاً حرفاً سکھانے والا) ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ سے نسیان کی نفی کر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ غوائل بشریت کو رسالت محمدیہ ﷺ سے کوئی لگاؤ نہیں۔

۳: آدم علیہ السلام کی بابت فرمایا گیا ہے:

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ﴾ ❸

''آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات پائے اور رب نے آدم پر توجہ کی۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وحی سے مشرف فرمایا، نیز اس فعل ناخوش آئند کے اثر سے حضرت آدم علیہ السلام کو پاک ٹھہرایا۔

نبی ﷺ کے عہد رسالت کے یمن و برکت کی بابت فرمایا گیا ہے:

﴿ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ ❹

''اللہ تعالیٰ اپنے کلمات سے باطل کو محو کرتا اور حق کو حق ٹھہراتا ہے۔ وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

اس آیت میں ان کلمات کا جو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، ذکر ہے نیز ان کلمات کی تاثیر و فیوض کا بھی جوامت محمدیہ ﷺ کو ان سے حاصل ہونے والے ہیں۔

۴: آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ ❺

''تم دونوں اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ تب تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے مگر شیطان نے ان دونوں کو پھسلایا اور جہاں تھے وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے کہا اترو تم سے بعض بعض کا دشمن ہوگا۔''

---

❶ ۸۷/ الاعلیٰ:۶۔ ❷ بخاری، کتاب السهو، باب اذا مسلم فی رکعتین أوفی ثلاث، حدیث: ۱۲۲۷؛ حدیث ذی الیدین میں دو رکعت پر سلام۔ بخاری، کتاب السهو، باب ماجاء فی السهو اذا قام من رکعتی الفریضة، حدیث: ۱۲۲٤؛ حدیث ابن بحینہ میں دو رکعت سے قیام۔ بخاری، کتاب السهو، باب اذا صلی خمسا، حدیث: ۱۲۲٦؛ حدیث ابن مسعود میں ظہر کی پانچ رکعتوں کا پڑھا جانا بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ احادیث بھی آیات قرآنی کی معارض نہیں اول تو یہ کہ نسیان اور شے ہے سہو اور شے۔ نسیان میں ذہول و غفلت و آفت ذہن شامل ہیں اور سہو صرف ایک شغل کے لیے آتا ہے۔ قرآن مجید کی ہر دو آیات مذکورہ بالا میں لفظ نسیان ہے سہو نہیں۔ دوم نسیان کا تعلق علم سے ہے اور سہو کا فعل سے۔ واضح ہو کہ تین احادیث صحیحہ میں نبی کریم ﷺ کے سہو کا ذکر ہے۔

❸ ۲/ البقرة:۳۷۔ ❹ ٤۲/ الشوریٰ: ۲٤، ۲۵۔ ❺ ۲/ البقرة:۳۵، ۳٦۔

اس آیت میں ایک شجرہ کا ذکر بطور آزمائش گاہ کے ہے اور صورت خلاف پائے جانے پر ظلم برخود، اخراج ہبوط، عداوت یک دیگر کا ذکر بطور نتیجہ فرمایا گیا ہے۔

نبی ﷺ کے احوال میں بھی ایک شجرہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ﴾ ❶

''ان سب مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے نبی ﷺ کی بیعت کر رہے تھے۔ اللہ راضی ہوا اللہ نے ان کی حالت کو جان لیا پھر اس پر تسکین نازل فرمائی نیز ان کو فتح قریب دی اور مغانم کثیرہ بھی دیئے جن کو وہ حاصل کریں گے۔''

یہاں بھی ایک شجرہ آزمائش گاہ ہے اور اس آزمائش کا نتیجہ رضوان الٰہی خلوص قلب، نزول سکینہ حال و استقبال کی فتوحات و مغانم کا حصول ہے۔

۵: آدم علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے:

﴿ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا ﴾ ❷

''ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ کیا۔''

اس آیت سے آدم علیہ السلام کی رفعت شان بخوبی نمایاں ہے۔

نبی ﷺ کی شان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ ❸

''اللہ اور اللہ کے فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کرتے ہیں۔''

يُصَلُّوْنَ میں استمرار پایا جاتا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ بر نبی ملائکہ کے اشغال دائمی میں سے ہے اور چونکہ رب العالمین نے بھی صلوٰۃ کو ذات قدسی سے نسبت دی ہے۔ اس لیے نبی ﷺ کی شان بلند کی رفعت بہت برتر ہو جاتی ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ہے۔

۱: اللہ تعالیٰ ان کی صفت میں فرماتا ہے:

﴿ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ ❹ ''وہ بہت راست گو نبی تھا۔''

نبی ﷺ کی صفت میں فرمایا گیا ہے:

---

❶ ۴۸/ الفتح: ۱۸، ۱۹۔ ❷ ۲/ البقرۃ: ۳۴۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب: ۵۶۔ ❹ ۱۹/ مریم: ۵۶۔

﴿ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ ﴾ ❶ ''وہ جو صدق کو لے کر آیا۔''

۲: حضرت ادریس علیہ السلام کے حق میں ہے:

﴿ وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ﴾ ❷ ''ہم نے ادریس علیہ السلام کو درجہ عالی پر بلند کیا۔''

اس آیت سے حضرت ادریس علیہ السلام کی بلندیٔ شان بخوبی نمایاں ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝ ﴾ ❸ ''ہم نے تیرے ذکر کو رفعت عطا کی۔''

اس کی تفسیر حدیث قدسی میں یوں ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا مبارک نام آتا ہے۔ نبی ﷺ کا اسم گرامی بھی ضرور آتا ہے، اذان، تکبیر، تشہد، خطبہ، نماز، کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اس ہمایوں کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ مقام دعا میں حضور ﷺ کا مبارک نام درود شریف میں آ جاتا ہے، یہ جملہ اقسام مناسک اسلام میں انبیائے پیشین نے حضور کے مقام ولادت دار الہجرت، حلیہ، مکارم اخلاق، محاسن فضائل کا ذکر بکثرت کیا ہے۔ مجموعہ بائیبل میں حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت یسعیاہ، حضرت یرمیاہ، حضرت دانیال، حضرت خرقی ایل، حضرت حبقوق، حضرت ملاکی، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے محامد محمدی اور نعوت احمدی کو عجیب عجیب اسلوب سے بیان فرمایا ہے اور یہ امر رفعت ذکر کی روشن ترین دلیل ہے۔

مندرجہ بالا پیشین گوئیوں کا مفصل ذکر اور شرح ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کی جلد سوم میں ہوگی۔

حضرت الیاس علیہ السلام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ادریس نبی کا نام ہی الیاس ہے اس لیے انکا ذکر حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہے کہ الیاس علیہ السلام نے بعل بت کے خلاف وعظ فرمایا لوگوں کو توحید کی دعوت دی تھی۔

﴿ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ۝ ﴾ ❹

''الیاس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے کہ بعل کو تو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔''

کسی بت کا نام لے کر تردید کرنا بڑی جرأت کا کام ہے، کیونکہ اس سے سخت خصومت پیدا ہوتی ہے نبی ﷺ نے بھی عرب کی مشہور دیویوں کے نام لے لے کر بت پرستوں پر حجت الٰہی ختم فرمائی اور ان کو توحید کی جانب دعوت فرمائی تھی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ۝ اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ۝ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ۝ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى ۝ ﴾ ❺

---

❶ ۳۹/ الزمر:۳۳۔ ❷ ۱۹/ مریم:۵۷۔ ❸ ۹۴/ الم نشرح:۴۔

❹ ۳۷/ الصّٰفّٰت:۱۲۴، ۱۲۵۔ ❺ ۵۳/ النجم:۱۹تا۲۳۔

''کیا تم نے لات اور عزیٰ اور پھر تیسری منات کو دیکھا کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لیے بیٹیاں یہ تو بھونڈی بانٹ ہے لوگو! یہ تو نام ہی نام ہیں، جو تم نے رکھ لیے ہیں اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لیے ہیں اللہ نے اس بات کی کوئی دلیل نہیں اتاری تم تو اپنے ہی گمان اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کر رہے ہو حالانکہ تمہارے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔''

نبی ﷺ نے چونکہ بہت سے بتوں کے خلاف اپنی آواز کو بلند فرمایا تھا، اس لیے حضور کو بہت سخت ابتلاؤں کا تحمل فرمانا پڑا۔

حضرت نوح علیہ السلام

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں۔ انہوں نے توحید کی تبلیغ میں مساعی جمیلہ فرمائیں اور جملہ مصائب کو طیب قلب اور انشراح صدر سے برداشت کیا۔ کتاب حمید میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔

۱: دو جگہ نبی ﷺ اور حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ایک ہی آیت میں جمع فرمایا گیا ہے اور ہر دو جگہ نبی ﷺ کے نام کو تقدم دیا گیا ہے۔

(الف) ﴿ إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ﴾ ❶

''ہم نے تجھ پر وحی بھیجی، جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد انبیا علیہم السلام پر وحی بھیجی تھی۔''

(ب) ﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مِيثَـٰقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ﴾ ❷

''جب ہم نے انبیا علیہم السلام سے ان کا میثاق لیا اور تجھ سے، نوح سے اور ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے میثاق لیا۔''

آیت اول میں بتایا گیا ہے کہ جملہ انبیا کی وحی کی حقیقت ایک ہی ہے۔ دوسری آیت میں اولوالعزم رسولوں کے نام بتائے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو نام بیان ہوئے ہیں ان میں ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اقتضائے ترتیب یہ تھا کہ حضور ﷺ کا نام عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے بعد ہو مگر نہیں وہ تو سب سے پہلے بیان فرمایا گیا ہے۔

۲: نوح علیہ السلام کی شان میں فرمایا گیا:

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ ﴾ ❸ ''ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔''

سورۂ توبہ و شعراء و سورۂ ص و ہود وغیرہ میں بھی نوح علیہ السلام کا اپنی ہی قوم کے لیے رسول ہونا بیان ہوا ہے نبی ﷺ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ﴾ ❹

''اے محمد ﷺ! ان سب کو جو نسل انسانی کے اندر داخل ہیں بتا دے کہ میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمان اور زمین کا مالک ہے اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔''

آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام خدائی میں محمد ﷺ کی رسالت کو وسیع فرمایا ہے۔

---

❶ ٤/ النساء: ١٦٣۔ ❷ ٣٣/ الاحزاب: ٧۔ ❸ ٧١/ نوح: ١۔ ❹ ٧/ الاعراف: ١٥٨۔

۳: نوح علیہ السلام کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے:

﴿ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۟ ﴾ [1] ''میں ایمان والوں کو اپنے سے جدا نہ کروں گا۔''

اس آیت سے نوح علیہ السلام کا خلق اور امت مومنہ پر شفقت و الطاف کا حال اصل معلوم ہوتا ہے۔

الف: نبی ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ ﴾ [2]

''جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ تو ان کو اپنے سے الگ نہ کر۔''

۴: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا:

﴿ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ ﴾ [3]

''اے نوح علیہ السلام! کشتی سے ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر اور تیرے ساتھ کے گروہوں پر ہیں، اتر۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو گروہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے معیت رسول کی وجہ سے برکتوں کو نازل فرمایا تھا:

نبی ﷺ کی امت کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(الف) ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ ﴾ [4]

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے ہیں۔''

(ب) ﴿ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ [5]

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت کا اتمام کرے، تا کہ تم شکر کیا کرو۔''

(ج) ﴿ لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ ﴾ [6]

''تا کہ تم کو اس سے پاک کرے اور شیطانی میل کچیل کو تم سے دور کرے۔ تمہارے دلوں کو ملائے اور تمہارے پاؤں جمائے۔''

ہر سہ آیات پر غور کرو۔ صلوٰۃ تطہیر، اتمام نعمت، دوری رجز شیطان، ارتباط قلوب، ثبات اقدام کے وعدے اصحاب النبی ﷺ کے ساتھ فرمائے گئے ہیں اور جو لوگ ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ ﴾ [7] کے مصداق ہیں۔ وہ بھی ان سب وعدوں میں ان ہی کے تحت میں داخل ہیں۔ یہ جملہ برکات امت محمدیہ کو نبی ﷺ کے اتباع و محبت کی وجہ سے عطا ہوئی ہیں۔

---

[1] ٢٦/ الشعراء:١١٤۔ [2] ٦/ الانعام:٥٢۔ [3] ١١/ هود:٤٨۔

[4] ٣٣/ الاحزاب:٤٣۔ [5] ٥/ المائدة:٦۔ [6] ٨/ الانفال:١١۔ [7] ٩/ التوبة:١٠٠۔

حضرت ہود علیہ السلام ❶

۱: ہود علیہ السلام کی نبوت پر قوم کی جرح یہ تھی کہ وہ بشر ہیں۔

قرآن مجید میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ ❷ ''ہم تجھے اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔''

نبی ﷺ پر بھی کفار کا بڑا اعتراض یہ تھا:

﴿ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ ❸ ''کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا۔''

ہود علیہ السلام کے سامنے قوم کے مالدار لوگ کہا کرتے تھے:

﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾ ❹

''ہم دیکھتے ہیں کہ وہی لوگ تمہارے پیچھے ہو لگے ہیں جو ہم میں سے رذیل اور موٹی عقل کے ہیں۔''

اتنیاں نبی ﷺ کو بھی متکبران مکہ یوں ہی کہا کرتے تھے:

﴿ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ﴾ ❺ ''کیا ہم بھی وہی مان لیں جو بے سمجھ لوگ مان گئے ہیں۔''

یہ جھوٹے مغرور جن لوگوں کو سفہاء بتاتے تھے، زمانہ نے دیکھ لیا کہ وہی لوگ امن بسیط کے پھیلانے والے مساوات کا سبق دینے والے، عرب، مصر، ایران، شام، عراق و فلسطین کو علم اور تہذیب اور شائستگی دینے والے تھے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کا منصب رفیع کس قدر اعلیٰ ہے۔ جب حضور کے اتباع والوں کی شان یہ ہے:

ہود علیہ السلام کافروں کے سامنے فرماتے ہیں:

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ ❻

''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے قبضہ میں اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

یہی الفاظ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع آیت ۵۰ میں ہیں اور ان کے شروع میں لفظ قُل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان الفاظ کے سنا دینے کا حکم دیا تھا۔ ان الفاظ کے سنانے سے مدعا یہ ہے کہ اللہ کا نبی اپنی نسبت کسی خوش اعتقادی کے ظنون کو پسند نہیں کرتا ان کے لیے وہی سچی تعریف کافی ہے جس کا مستحق اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام ❼

اللہ پاک نے بتایا ہے کہ صالح علیہ السلام کے وعظ خالص توحید کے استحکام اور بطلانِ شرک کی بابت ہوا کرتے تھے:

﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

---

❶ ہود علیہ السلام کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر کا ہے۔ ❷ ۱۱/ ھود:۲۷۔ ❸ ۱۷/ بنی اسرائیل:۹۴۔
❹ ۱۱/ ھود:۲۷۔ ❺ ۲/ البقرۃ:۱۳۔ ❻ ۱۱/ ھود:۳۱۔ ❼ صالح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر کا ہے۔

اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ ﴾ ❶

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا اور کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو خاک سے بنایا اور اس میں آباد کیا پس اسی سے بخشش مانگو اور اسی کی جانب توبہ کرو۔ میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کنندہ بھی ہے۔''

نبی کریم ﷺ کا وعظ بحکم ربانی یہ ہوتا تھا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ ❷

''کہہ دے (اے پیغمبر علیہ السلام!) اے ایمان لانے والو! رب کا تقویٰ اختیار کرو (سمجھا دے) جو دنیا میں نیکی کرتا ہے اس کے لیے نیکی ہی نیکی ہے (سمجھا دے) کہ اللہ کی زمین فراخ ہے (کوئی عبادت کرنے میں روک ٹوک کرے تو تم وہ جگہ چھوڑ دو)۔ (سمجھا دے) کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے اندازہ دے گا۔ بتا دے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ عبادت کروں اللہ کی خالص کر کے واسطے اس کے اور یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے فرمانبرداری کروں۔ بتا دے مجھے تو ڈر ہے کہ اگر نافرمانی کروں گا تو اس بڑے دن کا عذاب بھی سامنے ہے بتا دے کہ وہی اللہ ہے اسی کی عبادت میں خلوص سے کرتا ہوں یہی میرا دین ہے۔ اب لوگوں کی مرضی جس کی پوجا چاہیں کریں بتا دے خسارے والے وہ ہیں جو قیامت کے دن وہ خود اور ان کا کنبہ خسارہ میں رہیں گے (یاد رکھو) یہی کھلم کھلا نقصان ہے۔''

مندرجہ بالا آیات پر جو نبی ﷺ کی تبلیغ کے مضامین پر جامع ہے، غور کرو کہ حضور کیسے کیسے اسلوب بدیعہ کے ساتھ توحید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ کو نہایت قرب اور مشاکلت کلی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے دعا مانگی تھی کہ حضور مکہ میں ہوں اللہ تعالیٰ نے حضور کو فرمایا: ﴿ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ ﴾ ❸

اس لیے واقعات ذیل خاص غور کے لائق ہیں:

۱: ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿ يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ﴾ ❹

❶ ۱۱/ ہود: ۶۱۔ ❷ ۳۹/ الزمر: ۱۰ تا ۱۵۔ ❸ ۱۶/ النحل: ۱۲۳۔ ❹ ۲۱/ الانبیاء: ۶۹۔

''اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔''

نبی ﷺ کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ﴾ ❶

''وہ جب جنگ کے لیے آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔''

۲: ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ﴾ ❷

''جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کرتے تھے۔''

نبی ﷺ نے اس کعبہ کو قبلہ بنانے کے لیے منتخب کر لیا اور رب العالمین نے حضور کے میلان قلب کو دیکھ کر اسی کے موافق حکم نازل فرمایا:

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ﴾ ❸

''ہم نے تیرے رخ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا ہم تجھے اس قبلہ کی طرف جسے تو پسند کرتا ہے پھیر دیں گے۔''

۳: ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ کے بتوں کو توڑا:

﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا ﴾ ❹ ''پس انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔''

نبی ﷺ نے کعبہ کے ۳۶۰ بتوں کو باہر نکلوا کر دائمی حکم بطلان صنم پرستی کا صادر فرمایا:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ ❺

''حق آ گیا، باطل چلا گیا۔ باطل تو جاتے رہنے والا ہی ہے۔''

۴: ابراہیم علیہ السلام نے ابتدائی عمر میں ایک بیوی پر اکتفا کر کے پھر آخر عمر میں متعدد نکاح کیے۔ نبی ﷺ نے بھی اسی سنت ابراہیمی پر عمل فرمایا:

۵: ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا:

﴿ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ ❻ ''لوگوں میں حج کا اعلان کر دے۔''

نبی ﷺ نے فرضیت حج کا حکم مع شرائط استطاعت سنایا:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ ❼

''اور واسطے اللہ کے اوپر لوگوں کے حج کرنا اس گھر کا یعنی کعبہ کا جو کوئی پا سکے طرف اس کے راہ۔''

۶: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو البغض للہ کی صفت جلیلہ میں دنیا کے سامنے نمونہ بنایا:

---

❶ ۵/ المائدۃ: ٦٤۔ ❷ ۲/ البقرۃ: ١٢٧۔ ❸ ۲/ البقرۃ: ١٤٤۔

❹ ۲۱/ الانبیاء: ٥٨۔ ❺ ۱۷/ الاسراء: ٨١۔ ❻ ۲۲/ الحج: ٢٧۔ ❼ ۳/ آل عمران: ٩٧۔

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ❶

''تمہارے لیے نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے بھی بیزار ہیں اور تم جن کی عبادت اللہ کے سوا کرتے ہو ان سے بھی بیزار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام دنیا کے لیے اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ کی صفت جمیلہ میں بہترین نمونہ ٹھہرایا اور ارشاد فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ ❷

''اللہ کا رسول بہترین نمونہ ہے ان سب کے لیے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کیا کرتے ہیں۔''

یہ ظاہر ہے کہ یہی ہر دو صفات ہیں، جن سے ایمان باللہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان صفات میں یہی پدر اعظم اور سید ولد آدم علیہ السلام، تمام عالم کے لیے اسوہ قرار دیے گئے ہیں۔ دنیا کو ضرورت ہے کہ ان بہترین و اکمل ترین کی سیرت اور افعال و اقوال سے بخوبی واقف ہوں، تاکہ ہر قول ہر فعل ہر عمل اسی نمونہ کے مطابق کیا جائے جو منظور شدہ بارگاہ سرمدی ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے خلق کی تعریف فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾ ❸ ''ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھا۔''

نبی ﷺ کے خلق کی بھی کلام مبین میں صفت فرمائی گئی۔ فرمایا:

(الف) ﴿ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ ❹ ''تو بزرگ ترین اخلاق پر متصرف ہے۔''

(ب) ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ ❺

''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تجھے نرم خو بنایا، اگر تو درشت طبع سخت دل ہوتا تو لوگ تیرے پاس سے بھاگ جاتے۔''

۸: ابراہیم علیہ السلام نے منکر وجود باری تعالیٰ کے ساتھ جو مناظرہ کیا تھا وہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ ❻

''اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے۔''

نبی ﷺ نے بھی منکر حشر اجساد پر جو دلائل قائم کیے ہیں وہ کتاب حکیم میں درج ہیں:

﴿ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۙ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَآ أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴾ ❼

❶ ٦٠/ الممتحنة:٤۔ ❷ ٣٣/ الاحزاب:٢١۔ ❸ ٩/ التوبة:١١٤۔
❹ ٦٨/ القلم:٤۔ ❺ ٣/ آل عمران:١٥٩۔ ❻ ٢/ البقرة:٢٥٨۔ ❼ ٣٦/ يٰسٓ:٧٩، ٨٠۔

”کہہ دے مردہ کو وہی زندہ کرے گا جس نے اسے بارِ اول پیدا کیا تھا وہ ہر پیدائش کی حالت کا خوب علم رکھتا ہے وہ جس نے سبز درخت سے آگ کو نکالا جس سے تم روشنی لیا کرتے ہو۔“

ہر دو واقعات میں مشابہت کلی اس طرح بھی قائم ہو جاتی ہے کہ دلائل ابراہیمی بھی تعلیم من اللہ کا نتیجہ تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ❶ اور براہین محمدی بھی وحی من اللہ ہیں اسی آیت کے آغاز میں لفظ قل اس راز کا انکشاف کر رہا ہے۔

حضرت لُوط علیہ السلام ❷

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ ہیں ۔ بی بی سارہ کے بعد سب سے پہلے یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی محبت میں انہوں نے ہجرت الی اللہ کی تھی ۔

۱: قوم نے ان کو اخراج کی دھمکی دی تھی:

﴿ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ۝ ﴾ ❸

”اے لوط! اگر تو ہم کو نصیحت کرنا نہیں چھوڑے گا تو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراج کی بھی تجاویز کی گئی تھیں ۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے:

﴿ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ﴾ ❹

”اپنی سوگندوں کو توڑ دیا اور رسول کو باہر نکال دینے کا قصد کیا۔“

۲: لوط علیہ السلام کی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نے ان جامع الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰۗىِٕثَ ۭ ﴾ ❺ ”وہ خبائث والے کام کیا کرتے تھے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ ❻

”ہمارا نبی لوگوں پر خبیث عادتوں، ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ ان کے بوجھ اتارتا اور ان کی گردنوں سے طوق نکالتا ہے۔“

۳: لوط علیہ السلام کی مدد اور ان کے اعداء کی تباہی کے لیے فرشتوں کا اترنا قرآن پاک میں مذکور ہے:

﴿ يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ ﴾ ❼

”اے لوط! ہم تیرے اللہ کے فرستادے ہیں۔ تیرے دشمن تیرے قریب نہ آ ئیں گے۔“

---

❶ ٦/ الانعام:٨٣۔ ❷ حضرت لوط کا زمانہ ۱۸۹۸ قبل مسیح پایا جاتا ہے۔ ان کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں ہوا۔ ❸ ٢٦/ الشعرآء:١٦٧۔
❹ ٩/ التوبۃ:١٣۔ ❺ ٢١/ الانبیاء:٧٤۔ ❻ ٧/ الاعراف:١٥٧۔ ❼ ١١/ هود:٨١۔

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ مدد فرشتگان کی بابت فرماتا ہے:

﴿ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴾ ❶

''اللہ تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے جن کی مدد پر اور فرشتے بھی ہوں گے فرمائے گا۔''

مؤلف کتاب کے ایک نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے:

اے از جہاں و ہرچہ درو برتر آمدہ
بہر تو قدسیاں مدد لشکر آمدہ

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

۱: قرآن مجید حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صفت میں فرماتا ہے:

﴿ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ﴾ ❷ ''وہ وعدہ کا سچا تھا۔''

نبی ﷺ کے وعدوں کے پورا ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مومنین کی زبان سے فرمایا ہے:

﴿ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ﴾ ❸

''یہ تو وہی ہے جس کا وعدہ اللہ اور رسول نے ہم سے کیا تھا اور اللہ اور رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا۔''

۲: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ﴾ ❹

''اپنے کنبہ کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا۔''

اس آیت میں سکھایا گیا ہے کہ اصلاح اول کنبہ سے شروع ہونی چاہیے۔

نبی ﷺ کو فرمایا گیا ہے:

(الف) ﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ ❺

''اپنے کنبہ کو نماز کا حکم دے اور اسی پر قائم رہ۔''

(ب) ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ ❻

''اپنے کنبہ کے زیادہ تر نزدیکیوں کو (خصوصیت سے) ڈرا دے۔''

ہر دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل کے علاوہ اقارب کو بھی خاص اہتمام سے تبلیغ رسالت فرمائی تھی۔

۳: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴾ ❼

---

❶ ۳/ آل عمران:۱۲۵۔ ❷ ۱۹/ مریم:۵۴۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب:۲۲۔

❹ ۱۹/ مریم:۵۵۔ ❺ ۲۰/ طٰہٰ:۱۳۲۔ ❻ ۲۶/ الشعرآء:۲۱۴۔ ❼ ۲/ البقرۃ:۱۲۵۔

''ہم نے ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف والوں، اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لیے پاک کرو۔''

یہ ظاہر ہے کہ اس عہد میں حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کی شاخ داخل نہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فخر دودمان فرزند یعنی نبی علیہ السلام نے دنیا کو یہ حکم سنایا: ﴿ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴾ [1] ''تم اپنے منہ مسجد الحرام کے سامنے کی رخ پھیرو۔'' اس حکم سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ ہی نے بتایا کہ کعبہ ہی تمام مساجد دنیا کا قبلہ ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

اسحٰق علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں مفرداً کم آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام [2] کے ساتھ یا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ یا حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان کا اسم گرامی آتا ہے:

۱: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ ﴾ [3] ''ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی۔''

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت ان کی پیدائش سے پیشتر دی گئی تھی اور یہ بڑا منصب اور فضیلت ہے۔

۲: نبی ﷺ کی بابت اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا تھا:

﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ [4]

''میں احمد ﷺ رسول کی جو میرے بعد آئیں گے بشارت دیتا ہوں۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام

۱: یعقوب علیہ السلام [5] کا ایک وعظ جو انہوں نے بیٹوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ [6]

''یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے وہ بولے تیرے اللہ کی اور تیرے باپ،

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱٤٤۔ [2] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پوری سو سال کی تھی جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے یہ ۴۰ سال کے تھے جب ان کی شادی ربقہ خاتون سے ہوئی وہ نحور برادر ابراہیم کی پوتی ہیں ۶۰ سال کے تھے جب ان کے ہاں دو توام بچے عیسو اور یعقوب پیدا ہوئے۔ زیادہ تر فلسطین میں رہے ۱۸۰ سال کی عمر پا کر والد کی قبر کے برابر مدفون ہوئے۔ [3] ۳۷/ الصّٰفّٰت:۱۱۲۔ [4] ٦۱/ الصف:٦۔

[5] جوان ہو کر ماموں کے گھر گئے انکی دو لڑکیوں سے نکاح کیا، بیس سال وہاں رہ کر شام واپس آئے واپسی کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو اسرائیل کا خطاب دیا۔ انکی واپسی کے بعد حضرت اسحاق کا انتقال ہوا۔ یہاں آ کر برادران یوسف نے حضرت یوسف کو چاہ میں گرایا، جب حضرت یوسف کا پتہ لگ گیا تب حضرت یعقوب بیٹوں، پوتوں اور ان کی ازواج سمیت کنبہ کے ٦۸ لوگوں کے ساتھ مصر گئے وہاں ۱۷ سال رہے وہیں ۱۴۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا ۴۰ دن تک ان کے جسم میں خوشبو بھری گئی پھر لاش کو کنعان لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ [6] ۲/ البقرۃ:۱۳۳۔

دادوں ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق علیہم السلام کے اللہ کی جو اکیلا معبود ہے ہم عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔''

نبی ﷺ کا پیغام بھی کل دنیا کے لیے یہی ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ❶

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا، تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور اوپر سے پانی اتارا، پھر پانی سے میوے بنائے کہ تم کھاؤ پس اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک نہ بناؤ جب تم جانتے ہو (کہ اللہ کے برابر کا کوئی بھی نہیں۔'')

۲: یعقوب علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی:

﴿ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ ❷

''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید مت ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو کافر ہی ہوا کرتے ہیں۔''

نبی ﷺ کی تعلیم بھی امت کو یہ ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ❸

''ہمت نہ ہارو، غم زدہ نہ بنو تم ہی غالب رہو گے جب کہ تم مومن ہو۔''

۳: زیاں کار گناہگار فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کرتے ہیں:

﴿ يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ ﴾ ❹

''اے باپ! ہمارے لیے گناہوں کی مغفرت چاہو ہم تو جان بوجھ کر خطا کرنے والے ہیں۔''

اور یعقوب علیہ السلام ان کو فرماتے ہیں:

﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ ❺

''میں اپنے رب سے تمہارے لیے مغفرت کا سوال کروں گا اور وہ تو خطاؤں کو ڈھانپنے والا عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔''

رب العالمین کل اہل عالم سے فرماتا ہے اور ان کو رحمتِ عالم ﷺ کی شان بتاتا ہے:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ ❻

---

❶ ۲/ البقرۃ:۲۱، ۲۲۔ ❷ ۱۲/ یوسف:۸۷۔ ❸ ۳/ آل عمران:۱۳۹۔

❹ ۱۲/ یوسف:۹۷۔ ❺ ۱۲/ یوسف:۹۸۔ ❻ ٤/ النساء:٦٤۔

''جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر یہ تیرے پاس آئیں اور اللہ سے بخشش چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے بخشش چاہے تب وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ تو بہت التفات اور رحم فرمانے والا ہے۔''

نبی ﷺ کی شان بلند کو معلوم کرنے کے لیے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ❶ پر غور کرنا چاہیے۔ یہی راز ہے کہ ہر دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھنے کی تاکید کی جاتی ہے کیوں کہ عہد نبوی ﷺ کے لوگوں کو یہ مبارک موقع حاصل تھا کہ حضور ﷺ پر نور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے لیے دعا کرائیں۔ اس عہد ہمایوں کے انقراض کے بعد اہل عالم کے واسطے صرف یہی طریق رہ گیا ہے کہ حضور پر درود بھیج کر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا مستحق خود کو ٹھہرائیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَفِي الْمَلَاِ الْأَعْلٰى إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حدیث پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کو الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم فرمایا گیا ہے۔ ❷

ا: قرآن مجید میں ان کے رؤیا کا ذکر ہے:

﴿ إِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ۝ ﴾ ❸

''میں نے گیارہ تارے اور سورج، چاند کو دیکھا میں نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب چند سال کے بعد اس طرح پورا ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے والدین اور گیارہ کے گیارہ بھائی ان کے مل جانے پر سجدہ گزار ہوئے تھے، خواب پورا ہوا، مگر لمبی مدت کے بعد پورا ہوا۔ اور درمیانی زمانہ میں بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت سی تکالیف اٹھانی پڑیں اور بھائیوں کو بھی ان کی علیحدگی کے بعد مصائب جھیلنے پڑے۔ بھائی یہ نہ سمجھتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کا ان کے اندر رہنا باعث یمن و برکت ہے۔

نبی ﷺ کے خواب کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ ﴾ ❹

''بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب بالکل سچا کر دکھایا تم ان شاء اللہ مسجد الحرام میں پر امن، سر منڈوائے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے داخل ہو گے اور تمہیں کسی کا ڈر و خوف نہ ہو گا۔''

یہ خواب ایک سال ہی کے بعد پورا ہو گیا تھا کہ مکہ سے نبی ﷺ کے علیحدہ رہنے کی مدت آٹھ سال تھی اور اہل مکہ اس عرصہ میں قحط و وبا کے مصائب کے شکار رہے تھے، یوسف کا خواب استعارہ لیے ہوئے تھا۔ مگر نبی ﷺ کا خواب استعارہ و تعبیر سے بالاتر اور بالکل صورت ظاہری کا مظہر تھا۔ چنانچہ آیت بالا میں لفظ بالحق کا لطیف اشارہ اسی جانب ہے۔

---

❶ ٤/ النساء: ٦٤۔ ❷ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ام کنتم شهداء اذ حضر … ، حدیث: ٣٣٨٢۔
❸ ١٢/ یوسف: ٤۔ ❹ ٤٨/ الفتح: ٢٧۔

۲: یوسف علیہ السلام پر امرأۃ العزیز کے نام سے بہتان لگایا گیا اور نبی ﷺ پر امرأۃ زید کے نام سے افترا پردازی کی گئی۔ ہر دو واقعات میں اگر اندرونی امتیاز ہے تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر فعل سوٗ (کار بد) کا بہتان باندھا گیا اور نبی ﷺ پر نکاح کر لینے میں الزام تراشی کی گئی۔

۳: یوسف علیہ السلام کے خلاف ان کے بھائیوں نے جو مشورہ کیا وہ یہ تھا:

﴿ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا ﴾ ❶

''یوسف کو قتل کر دو یا کسی جگہ پھینک دو۔''

نبی ﷺ کے خلاف بھی قریش نے جو مشورہ کیا وہ یہ تھا:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ﴾ ❷

''جب کافر تیرے لیے خفیہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے کہ تجھے قید کریں، یا قتل کر دیں، یا وطن سے خارج کریں۔''

یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے چاہ سیاہ میں گرا بھی دیا تھا۔ مگر نبی ﷺ کو اللہ نے دشمنوں کے ہر شر سے محفوظ رکھا۔

۴: یوسف علیہ السلام کی خدمت میں ان کے بھائی عرض کر رہے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ﴾ ❸

''اے حاکم ہم پر اور ہمارے کنبہ پر قحط کی تکلیف ہے اور ہم سرمایہ بھی تھوڑا لائے ہیں مگر تو ہم کو پورا ناپ دلا دے اور ہم پر اپنی مہربانی فرما۔''

نبی ﷺ کے بعد حضور کی قوم بھی قحط شدید کی جس زبوں حالی تک پہنچ گئی تھی اس کا ذکر آیت ذیل میں ہے (جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کی ہے جو صحیح بخاری میں ہے) ❹

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ﴾ ❺

''اس روز کا انتظار کر جس روز آسمان پر دھواں ہی دھواں نظر آئے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا اور لوگ پکار اٹھیں گے کہ یہ تو بہت دردناک عذاب ہے۔''

۵: حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے بھائیوں کو غلہ دلایا تھا۔

اور نبی ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر نجد سے اہل مکہ کے لیے غلہ بھجوایا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام ایک مشرک، مال دار، تراز و کش قوم میں مبعوث ہوئے تھے اس لیے ان کے مواعظ توحید کے بعد زیادہ تر اموال کے متعلق ہوتے تھے۔

---

❶ ۱۲/ یوسف:۹۔ ❷ ۸/ الانفال:۳۰۔ ❸ ۱۲/ یوسف:۸۸۔ ❹ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ حم الدخان، باب یغشی الناس هذا عذاب الیم، حدیث: ۴۸۲۱۔ ❺ ٤٤/ الدخان:۱۰۔۱۱۔

۱: اللہ تعالیٰ نے ان کا وعظ اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ ﴾ ❶

''اے قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں گھاٹا نہ ڈالا کرو۔''

نبی ﷺ نے بھی امت کو اس بارے میں جو تعلیم دی ہے وہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:

﴿ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۝ ﴾ ❷

''تول کو انصاف کے ساتھ قائم کرو اور تول میں گھاٹا نہ ڈالا کرو (ڈنڈی نہ مارا کرو)۔''

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ۝ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۝ۖ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ۝ؕ ﴾ ❸

''تطفیف والوں پر عذاب دوزخ ہے یہ وہ ہیں کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو (اپنا گھر) پورا کر لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تب ان کو گھاٹا پہنچاتے ہیں۔''

۲: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بابت بتایا ہے:

﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ ﴾ ❹

''قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب علیہ السلام! ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔''

نبی ﷺ پر ایمان لانے والوں کے اخراج اور ان کی نصرتِ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے:

﴿ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ ﴾ ❺

''مہاجر لوگ جو اپنے گھروں اور ملکیتوں سے نکالے گئے وہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کے جویا اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت کرنے والے ہیں۔''

۳: کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل سے عاجز ہو کر یوں کہا تھا:

﴿ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ﴾ ❻

''اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔''

نبی ﷺ کو بھی ایسے ہی کفار کے ساتھ سابقہ پڑا تھا جس کا ذکر آیت ذیل میں ہے:

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ ❼

''کافروں نے کہا ہمارے دل تیری دعوت سے دور ہیں اور ہمارے کانوں میں تیری بات سننے کے لیے گرانی ہے

---

❶ ۱۱/ هود:۸۵۔ ❷ ۵۵/ الرحمن:۹۔ ❸ ۸۳/ المطففين:۱ تا۳۔ ❹ ۷/ الاعراف:۸۸۔
❺ ۵۹/ الحشر:۸۔ ❻ ۱۱/ هود:۹۱۔ ❼ ۴۱/ فصّلت:۵۔

اور ہمارے اور تیرے درمیان پردے پڑے ہوئے ہیں۔''

یہودیوں نے بھی آنحضرت ﷺ کو یہی جواب بت پرستوں کا سا دیا:

﴿ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ﴾ [1] ''یعنی ہمارے دلوں پر تہ در تہ غلاف چڑھے ہوئے ہیں تیری تعلیم وہاں تک نہیں جا سکتی۔''

۴: حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا تھا:

﴿ يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ﴾ [2]

''اے شعیب! کیا تیری نماز یہ بھی ضروری ٹھہراتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے بتوں کو چھوڑ دیں۔ کیا تیری نماز اس سے بھی روکتی ہے کہ ہم اپنے روپیہ پیسہ سے جس طرح چاہیں ویسا بیوپار کیا کریں۔''

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سود خوار قوم چاہتی تھی کہ نماز پڑھ کر نبی کو بھی خوش کر دیں اور اپنے آبائی شرک پر رہ کر سود خواری پر بھی قائم رہیں، لیکن اگر نماز اور سود دونوں ساتھ ساتھ نہ نبھ سکیں تو ایسی نماز کو دور ہی سے سلام کر دیں اور اگر ایسی نماز بت پرستی کے ساتھ جمع نہ ہو سکے تو نبی کی کوئی بات بھی نہ مانیں۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی کسی مال دار شخص کے دل میں اسلام لانے سے پیشتر ایسی آرزو ہو اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی امید خام کو منقطع کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو کامل الایمان بنانے کے لیے ہی یہ حکم دیا ہو:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ [3]

''اے ایمان والو! اگر تم مومن بن گئے ہو تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سُود کی جو رقم وصول کرنی ہے اسے چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور رسول کے ساتھ جنگ کا اعلان سمجھ لو، اور اگر پھر باز آ جاؤ تب تمہارا راس المال تم کو ملے گا، نہ تم دوسرے پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو گا۔''

راقم مضمون کے نزدیک اس حکم سے یہ متبادر ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی رقم قرضہ مع سود کی نالش کرے تو قاضی اسلام اس کے تمام دعوے کو خارج کر دے، کیوں کہ راس المال ملنے کی صورت اِنْ تُبْتُمْ کی شرط پر منحصر ہے۔

کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

انبیائے بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام ایک شان خاص کے نبی ہیں۔ تورات میں درج ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔ [4]

۱: موسیٰ علیہ السلام کے حالات پڑھتے وقت مجھے گمان ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ یتیمی ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ دریا میں ڈالنے کے لیے والدۂ موسیٰ کو وحی کا ہونا پھر ان کا خبر تابوت لانے کے لیے اپنے بیٹی ہی کو بھیجنا اس کے والد بزرگوار کا مذکور نہ پایا جانا، اس گمان کو

---

[1] ۲/ البقرۃ:۸۸۔ [2] ۱۱/ ھود:۸۷۔ [3] ۲/ البقرۃ:۲۷۸، ۲۷۹۔ [4] استثناء، ص:۳۳۔

قوی کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نبی ﷺ بھی دنیا میں سانس لینے سے پیشتر یتیم بن چکے تھے۔

۲: موسیٰ علیہ السلام کی تربیت آسیہ مکرمہ نے کی تھی اور وہ فضیلت کی مستحق ٹھہریں۔ اسی طرح حلیمہ سعدیہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ شفقت مادرانہ کا برتاؤ کرتی تھیں اور وہ ''رضی اللہ عنہا'' کے منصب پر فائز ہوئیں۔

۳: موسیٰ علیہ السلام اپنے مخالفین سے بچ کر نکل گئے تھے اور نبی ﷺ بھی اپنے محاصرین کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے گھر سے غار ثور کو تشریف لے گئے تھے۔

۴: موسیٰ علیہ السلام کو دختر شعیب علیہ السلام نے ان کی قوت و امانت کے اوصاف سے پہچانا تھا اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی کریم ﷺ کے اوصاف صدق و امانت کو دیکھ کر اپنا دل حضور کی نذر کیا تھا۔

۵: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [1]

''جب موسیٰ علیہ السلام (دس برس حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہ کر) مدت پوری کر کے اپنی بیوی کو لے کر رات کو روانہ ہوئے تب اس نے طور کی جانب آگ دیکھی اس نے اپنے اہل سے کہا یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں جاتا ہوں) شاید وہاں سے کچھ خبر راہ کی ملے یا آگ میں سے کوئی انگارہ لے آؤں، تاکہ تم تاپ سکو جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچا تب اس مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے کے ایک درخت سے یہ آواز دی گئی اے موسیٰ علیہ السلام میں اللہ ہوں سب عالموں کا پالنے والا۔''

اس نظارہ کا تعلق جہاں تک حسیات سے ہے اس کا ذکر آگ، وادی، شجرہ اور ندا کے الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

نبی ﷺ کے پاک نظارہ کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے اور ہم ان آیات کو جو اس نظارہ پاک کے متعلق ہیں درج کرتے ہیں:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ ﴾ [2]

''پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو شباشب مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا (اور واپس لایا) وہ مسجد جس کے گردونواح کو ہم نے برکت دی ہے۔ یہ سیر اس لیے تھی کہ اپنے بندہ کو ہم اپنی آیات دکھائیں۔''

فرمایا:

---

[1] ۲۸/ القصص: ۲۹، ۳۰۔ [2] ۱۷/ الاسرآء: ۱۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۭ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ﴾ ❶

''اس کا دوبارہ نزول بھی دیکھا سدرۃ المنتہٰی کے قریب جس کے پاس جنت الماویٰ ہے، اس وقت سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا جس شے نے ڈھانپ رکھا تھا۔ نبی کی آنکھ نے جو کچھ وہاں دیکھا اس کی دید میں کچھ شبہ نہیں ہوا اور نہ آنکھ اس نظارہ کے وقت ادھر ادھر ہوئی۔ نبی نے اللہ کی بڑی بڑی آیتوں کو دیکھا۔''

فرمایا:

﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ ﴾ ❷

''آنکھ نے جو کچھ دیکھا دل نے اسے نہیں جھٹلایا یعنی نظارہ کی حقیقت پر دل تصدیق کرتا ہے۔''

فرمایا:

﴿ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ ﴾ ❸

''پھر اللہ نے اپنے بندہ پر وحی کی، جو کی۔'' ❹

یہ نظارہ جس قدر روحانیت اور رؤیت عینی و یقین قلبی پر حاوی ہے اس کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے سواکس کو ہوسکتا ہے مگر الفاظ کی شوکت اور معانی کی برتری مفہوم کی رفعت اس بے چون و چگوں کیفیت کو تعقل انسانی کے سامنے اس طرح مصور و متشکل بنا رہی ہیں اور قلب و دماغ اس سے متلذذ و متکیف بھی ہو رہے ہیں اور مع ہذا گہری حیرت اور عمیق درر بودگی کو بھی ساتھ ساتھ لیے ہوئے ہیں۔

۲: موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا فرعون نے تعاقب کیا تھا وہ بالکل قریب پہنچ جاتا ہے تو بنی اسرائیل پکار اٹھتے ہیں:

﴿ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۚ ﴾ ❺ ''ہم تو پکڑے گئے۔''

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ ﴾ ❻ ''نہیں ایسا نہیں، میرا اللہ میرے ساتھ ہے وہ میری رہبری فرمائے گا۔''

ذرا غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اس معیت ربانی میں اپنی قوم کو اپنے ساتھ شامل نہیں فرماتے، جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ قوم ہنوز، ایسے پست درجہ پر تھی کہ اس معیت کی اہلیت ان میں نہ تھی۔

نبی ﷺ کو بھی ایسا ہی موقع پیش آیا۔ حضور اقدس ﷺ اور حضور کے یار غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے اندر ہیں اور کفار نابکار یلغار کرتے ہوئے اس کے کنارے پر آ گئے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان خاموش ہے۔ مگر اندرون قلب میں ضرور اندوہ کا ایک

---

❶ ۵۳/ النجم:۱۳ تا ۱۸۔ ❷ ۵۳/ النجم:۱۱۔ ❸ ۵۳/ النجم:۱۰۔

❹ جملہ آیات پر ذرا تدبر سے غور کرنا چاہیے کہ نبی ﷺ کی نظر و بصیرت اور روحی و رؤیت اور لسان و جوارح کا تزکیہ کیسے اسلوب بدیع میں فرمایا گیا۔

❺ ۲۶/ الشعراء:۶۱۔ ❻ ۲۶/ الشعراء:۶۲۔

جوش ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ ﴾ ❶

''ابوبکر دل کا فکر دور کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام کے لفظ مَعِي اور نبی ﷺ کے لفظ مَعَنَا پر تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کا جذب کس قدر قوی ہے کہ اپنے ساتھی کو بھی اسی معیت الٰہیہ میں شامل فرما لیتے ہیں جو حضور فداہ ابی و امی کو خود حاصل تھی۔

۷: بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے حکم جہاد کی تعمیل کرنے سے انکار کیا اور یوں گستاخانہ اُن کی جناب میں کہا تھا:

﴿ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ ۝ ﴾ ❷

''تو اور تیرا اللہ جاؤ اور دونوں جنگ کرو۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

رب العالمین نے ان کی سزا میں حکم دیا:

﴿ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ ﴾ ❸

''ان لوگوں پر وعدہ کی زمین کا داخلہ حرام ہے ۴۰ سال تک یہ اسی زمین میں چکر لگاتے رہیں گے تو ان فاسقوں کا (اس فیصلہ کی وجہ سے) افسوس نہ کر۔''

بنی اسرائیل کا یہ قصور چالیس ۴۰ سال کے بعد معاف ہوا اور پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یُوشع بن نون کے ساتھ جہاد کیا اور ظفر یاب ہوئے۔

نبی ﷺ کے عہد ہمایوں میں بھی ایسا ہی واقعہ کچھ گنوار (دیہاتی) لوگوں کے ساتھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ ﴾ ❹

''اے نبی ﷺ! اعراب (بادیہ نشینوں) کو جو تیرے ساتھ بچھڑ گئے تھے۔ کہہ دیجئے کہ عنقریب تم کو ایک سخت جنگ جو قوم کے ساتھ لڑنے کے لیے دعوت دی جائے گی یا تو اُن سے تمہاری لڑائی ہوگی یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اگر تم نے اس وقت حکم مانا تب اللہ تعالیٰ تم کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔''

سورۂ فتح کا نزول ۷ ھ میں ہوا تھا۔ نبی ﷺ کی حیات میں ان مخلفین کو کبھی دعوت نہ دی گئی تھی۔ کیونکہ قرآن مجید ہی نے ان مخلفین کو جب انہوں نے نبی ﷺ کے ہم رکاب چلنے کی ایک دفعہ اجازت بھی چاہی تو یہ بھی بتا دیا تھا:

﴿ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ ﴾ ❺

''اے نبی ﷺ! کہہ دے کہ اب تم کو میری معیت میں خروج کا کبھی بھی موقع نہ ملے گا اور میری معیت میں تم کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔''

---

❶ ۹/ التوبۃ:۴۰۔ ❷ ۵/ المائدۃ:۲۴۔ ❸ ۵/ المائدۃ:۲۶۔

❹ ۴۸/ الفتح:۱۶۔ ❺ ۹/ التوبۃ:۸۳۔

البتہ ۱۱ھ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جملہ اشخاص و اقوام کو دعوت الی الجہاد دی تھی اور جُند در جُند عساکران کی دعوت پر جمع ہوئے تھے۔ اس واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت آشکارا ہے کہ بنی اسرائیل اور مسلمانوں دونوں کا قصور ایک ہی تھا۔ ان کا گناہ چالیس سال کی آوارہ گردی و حیرانی کے بعد معاف ہوا تھا۔ اور مسلمانوں کا قصور چار سال کے اندر ہی اندر، ضمناً یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت فی الواقع الٰہی حکم تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بالکل یوشع بن نون کی خلافت کی سی تھی۔ یہ تشبیہ کامل ہو جاتی ہے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ارض موعودہ کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی تھی اور بشارت یوشع بن نون کے ہاتھ پر پوری ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارض موعود کی فتح کی نوید مسلمانوں کو دی تھی اور اس کا ایفاء ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی کے مبارک عہد میں ہوا تھا۔

۸: فرعون کی عداوت اور بنی اسرائیل پر لشکر کشی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ فَأَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ ﴾ ❶

"پھر ہم نے ان کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ستھرے مکانوں سے نکال دیا۔ ایسا ہی ہوا اور ہم نے ان سب چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کفار نے احزاب و عساکر کے ساتھ حملہ کیا تھا جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ظاہر فرمایا:

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَــــُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ ﴾ ❷

"اللہ نے کافروں کو دلی رنج کے ساتھ واپس کر دیا وہ کچھ بھی بہتری حاصل نہ کر سکے اور مومنین کی جنگ کا اللہ تعالیٰ خود کافی ہوا ہاں اللہ تعالیٰ تو قوی و غالب ہے اللہ نے ان اہل کتاب کو جو حملہ آوروں کے مددگار ہوئے تھے۔ قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں کو رعب سے بھر دیا۔ تم نے ان میں سے ایک حصہ کو قتل کیا اور ایک حصہ کو اسیر کیا اللہ نے تم کو ان کی زمین اور گھروں اور مالوں کا اور اس زمین کا جس پر تمہارا لشکر بھی نہ گیا تھا وارث کر دیا۔ ہاں اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

۹: موسیٰ علیہ السلام نے عطیہ نبوت کا مژدہ پا کر عرض کیا تھا:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ ﴾ ❸ "اے اللہ! میرا سینہ کھول دے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ ﴾ ❹ "کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔"

---

❶ ۲۶/ الشعرآء:۵۷تا۵۹۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب:۲۵تا۲۷۔ ❸ ۲۰/ طٰہٰ:۲۵۔ ❹ ۹۴/ الم نشرح:۱۔

۱۰: موسیٰ نے فرائض نبوت کی گراں باری کا اندازہ کر کے عرض کیا تھا:

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ ﴾ ❶

''میرے کنبہ میں سے ہارون کو میرا وزیر (وزن اٹھانے والا، بوجھ بٹانے والا) بنا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حق میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ ﴾ ❷

''اس بوجھ کو جس نے تیری پشت کو جھکا دیا۔ ہم نے تجھ سے اتار دیا۔''

۱۱: موسیٰ علیہ السلام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں:

﴿ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ ﴾ ❸

''تیری جانب آنے میں اے رب میں نے اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے۔''

نبی ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ ﴾ ❹

''تیرا رب تجھے اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''

پہلی آیت میں رضوان ربانی مطلوب ہے اور دوسری آیت میں رضائے محمدی منطوق۔

﴿ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ❺

حضرت ہارون علیہ السلام ❻

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ ان کو حضرت موسیٰ کی دعا والتجا پر نبوت عطا ہوئی تھی:

۱: بائبل میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق عبادت خانہ کا اہتمام تھا اور وہی امامت کرایا کرتے تھے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ خود امامت فرماتے اور مؤمنین ان کے ساتھ ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ﴾ ❼

''اللہ جانتا ہے کہ تو دو تہائی شب سے کم اور نصب شب اور ایک ثلث شب کے وقت عبادت کے لیے قیام کرتا ہے اور تیرے ساتھ والوں میں سے بھی ایک گروہ ایسا ہی کیا کرتا ہے۔''

﴿ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ ﴾ ❽

---

❶ ۲۰/ طٰہٰ:۲۹۔ ❷ ۹۴/ الم نشرح:۲، ۳۔ ❸ ۲۰/ طٰہٰ:۸۴۔
❹ ۹۳/ الضحیٰ:۵۔ ❺ ۳۷/ الصّٰفّٰت:۱۸۱، ۱۸۲۔
❻ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو سال پیشتر ۱۴۵۲ ق۔م، کوہ طور پر جو روم کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ وفات پائی بائبل کتاب گنتی ۲۰۔۲۸۔
❼ ۷۳/ المزمل:۲۰۔ ❽ ۲۶/ الشعرآء:۲۱۸، ۲۱۹۔

''اللہ تجھے دیکھتا ہے، جب تو سجدہ کرنے والوں کے اندر رکوع و سجود کرتا اور قیام کیا کرتا ہے۔''

۲: قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے:

﴿ وَأَخِي هٰرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا ﴾ ❶

''ہارون میرا بھائی وہ تو مجھ سے بہت زیادہ فصیح البیان ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام کمال فصیح تھے۔

فصاحت و بلاغت ایک وجدانی شے ہے اور الفاظ میں اس کی تصویر دکھانا مشکل ہے ایک فاضل کا قول ہے:

فصاحت آنست کہ درگزارش زبان کج مج نشود
و بلاغت آنست کہ معنی کثیر در الفاظ اندک گفتہ شود

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فصاحت و بلاغت کا تعلق الفاظ سے بھی ہے اور معانی سے بھی۔ اسلوب کلام سے بھی اور مناسب موقع سے بھی۔ قائل کی شان اور ملکی وقومی و شخصی خصوصیت سے بھی۔ جب کلام ان جملہ اوصاف پر حاوی ہو تو کچھ شک نہیں کہ وہ فصاحت و بلاغت کے ذروہ اعلیٰ پر پہنچ جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک میں یہ جملہ اوصاف اس فراوانی سے موجود ہیں کہ جوہرشناس کو اندازہ فصاحت لگانے میں اعترافِ قصور کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ نمونہ کے لیے چند اقوال مبارک درج کرتا ہوں۔ وضاحت بیان، ایجاز کلام، جزل الفاظ، صحتِ معانی کا اندازہ ماہرینِ فن پر منحصر ہے:

۱: مَا هَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَهُ۔ ❷ — جو کوئی اپنی قدر جان لیتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔

۲: حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَ يُصِمُّ۔ ❸ — کسی شے کی محبت انسان کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔

۳: اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰی۔ ❹ — اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

٤: اَلْخَيْرُ كَثِيْرٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهُ۔ ❺ — نیکی کی اقسام تو بہت ہیں مگر کرنے والے کم ہیں۔

٥: رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ أَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ۔ ❻ — اللہ اس بندہ پر رحم کرے کہ بولتا ہے تو اچھی بات ہی کہتا ہے یہ تو وہ ہے جو بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے یا چپ رہتا ہے تو اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

٦: ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ: — نجات دہندہ تین ۳ باتیں ہیں اور ہلاک کنندہ بھی تین باتیں۔ نجات دہندہ یہ ہیں:

فَخَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ۔ — ا۔ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرنا۔

---

❶ ۲۸/ القصص: ٣٤۔ ❷ الشفاء فصل و أما فصاحة اللسان: ١/ ١٨٨۔

❸ ابو داود، كتاب الأدب، باب في الهوى، حديث ٥١٣٠۔

❹ بخاري، كتاب الزكاة، باب لاصدقة الاعن ظهر غني، حديث ١٤٢٧۔ ❺ تاريخ بغداد للخطيب: ٨/ ١٧٦۔

❻ كتاب الزهد لابن المبارك، حديث نمبر: ٣٨٠۔

وَالْاِقْتِصَادُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ۔	۲۔فراخ دستی و تنگدستی میں میانہ روی کرنا۔
وَالْحُکْمُ بِالْعَدْلِ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ۔	۳۔عدل کرنا خواہ وہ فریق مقدمہ سے خوش ہو یا ناخوش ہو۔
وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ:	ہلاک کنندہ یہ ہیں:
فَشُحٌّ مُّطَاعٌ۔	ا۔بخل جو تم پر حکم کرنے لگے۔
وَهَوًى مُّتَّبَعٌ۔	۲۔خواہش بے جا جس کے پیچھے تم لگ چلو۔
وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔ ❶	۳۔خود پسندی۔

۷: لَا تَزَالُ أُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَالَمْ تَرَی الْأَمَانَةَ مَغْنَمًا وَالصَّدَقَةَ مَغْرَمًا۔ ۷:۔میری امت ہمیشہ بہبود میں رہے گی جب تک امانت کو لوٹ نہیں سمجھے گی اور صدقہ کو جرمانہ نہیں خیال کرے گی۔

اب میں اصل مطلب کی جانب عود کرتا ہوں۔ نبی ﷺ کی فصاحت و بلاغت کے متعلق قرآن مجید میں معاندین کی زبان سے کہا گیا ہے:

﴿سِحْرٌ یُّؤْثَرُ﴾ ❷ ''وہ کلام تو جادو ہے جو اثر کر جاتا ہے۔''

مخالفین نے خواہ اسے جادو کہا، یا کچھ اور مگر شہادت موجود ہے کہ حضور کا کلام زبان سے نکلتے ہی دلوں میں جاگزیں ہوتا اور دلوں پر قبضہ کر لیتا تھا۔

ع سخن کز دل آید بود دل پذیر

الغرض نبی ﷺ کی فصاحت و بلاغت ملک میں اس درجہ مسلمہ تھی کہ مخالفین کے زمرہ میں نبوت سے انکار کرنے والے تو پائے جاتے تھے، مگر آنحضرت ﷺ کی فصاحت و بلاغت سے انکار کرنے والا جزیرہ نمائے عرب میں کوئی موجود نہ تھا اور نہ آج تک کسی شخص نے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو۔ عربیت میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اس کا انکار کیا ہے۔

فقرہ بالا میں میں نے جزیرہ عرب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرب کے مختلف اقطاع میں مختلف لغت اور لہجے پائے جاتے تھے۔ نبی ﷺ کے اس کلام کو دیکھو جو حجازیوں کے ساتھ تھا پھر اسے جو اہل مدینہ کے ساتھ تھا علیٰ ھذا حضور کے ان کلمات پر جو وائل کندی اور قطن علیمی اور طہفہ نہدی اور ابو ثور بن نمط ہمدانی و دیگر ملوک یمن و فرماں روایان حضرموت کو ارشاد فرمائے غور کرو ہر لغت ہر لسان میں فصاحت کا بحرِ ذخار موجزن ہے کہ قریشی و انصاری بھی منہ تکتے رہ جاتے۔

حضرت الیسع علیہ السلام

الیسع یا یسع وہی ہیں جن کو بائیبل نے یوشع بن نون ❸ کہا ہے:

ا: سورۂ کہف میں ان کو فتیٰ موسیٰ کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں نبی ﷺ کے فتی یعنی زید رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔

---

❶ طبرانی أوسط، حدیث: ۵۸۵۰؛ شعب الایمان للبیهقی الحادی عشر من شعب الایمان۔ باب فی الخوف من الله، حدیث: ۷۴۵۔

❷ ۷۴/ المدثر: ۲۴۔ ❸ یوشع بن نون نے ۱۴۲۶ ق۔م میں بہ عمر ۱۱۰ سال وفات پائی ۲۵ سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلافت و نبوت کی وعدہ کی زمین کو انہی نے فتح کیا۔ کتاب یشوع ۲۹/۲۴۔

۲: الیسع ہی کا ذکر اس آیت میں:

﴿ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ 1

''ان لوگوں میں سے جو اللہ سے ڈرنے والے تھے دو شخصوں نے جن پر اللہ نے انعام کیا تھا، کہا۔''

اس آیت میں ان کا وصف انعم اللہ علیھما کے الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ ﴾ 2

''اللہ نے اس پر انعام کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر انعام کیا۔''

۳: حضرت الیسع کا نام سورۂ ص میں آیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْأَخْيَارِ بتایا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور کی تبعیت میں اُمت کو خیر کلی کے عطا ہونے کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ 3

''اہل کتاب میں سے کفر والے اور مشرک یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر نازل ہو۔''

حضرت داوٗد علیہ السلام

داوٗد علیہ السلام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی عزت بحال کرنے والے، اسباط دوازدہ کے تفرقہ کو جمعیت سے بدل دینے والے منکرین ذات باری تعالیٰ سے جہاد کرنے والے، ملک اور قوم کو عزت و رفعت دینے والے حکومت اور نبوت کے جامع تھے اور صفات بالا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھنے والے ہیں۔ مزید برآں حضرت داوٗد علیہ السلام نے قدوم میمنت لزوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بنی اسرائیل کو بہت سی امارات و علامات بتائی ہیں اور بشارات دی ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کی مدح میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ﴾ 4

''ہم نے داوٗد اور سلیمان علیہما السلام کو علم عطا کیا۔''

بے شک نعمت علم سب سے برتر نعمت ہے خصوصاً انبیا کا علم جو براہ راست رب العالمین سے ان کو ملا کرتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صراحت فرما دی ہے۔

﴿ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ 5

''ہم نے سب نبیوں کو حکم اور علم عطا فرمایا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

1 ۵/ المائدۃ: ۲۳۔ 2 ۳۳/ الاحزاب: ۳۷۔

3 ۲/ البقرۃ: ۱۰۵۔ 4 ۲۷/ النمل: ۱۵۔ 5 ۲۱/ الانبیاء: ۷۹۔

﴿ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ ❶ ''اور جو جو کچھ تو نہ جانتا تھا اس کی تجھے تعلیم دی۔''

نیز فرمایا ہے:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ ﴾ ❷ ''اے رب مجھے علم میں بڑھاتا رہ۔''

پہلی آیت سے واضح تھا کہ حضور کو جملہ علوم کی تعلیم ابتدا ہی میں دی گئی تھی۔ اب دوسری آیت سے آشکارا ہے کہ حضور ﷺ کا علم ساعت بہ ساعت لحظہ بہ لحظہ ترقی پذیر زیادت میں تھا۔

۲: حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ﴾ ❸

''اور ہم نے اپنی طرف سے داؤد کو فضل عطا فرمایا۔''

نبی کریم ﷺ کی شان میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ ﴾ ❹

''تجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔''

۳: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى ﴾ ❺

''اے داؤد علیہ السلام ہم نے تجھے الارض کا خلیفہ بنا دیا اب تو لوگوں کا فیصلہ راست بازی سے کیا کر اور خواہش کے پیچھے نہ چلنا۔''

الارض وعدہ کی زمین کو کہتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسی زمین کے خلیفہ ہوئے تھے۔ وعدہ کی زمین کو اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام کے لیے تا بحشر لکھ دیا ہے۔ بشارت مندرجہ آیت سے پیشتر حضرت داؤد علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑھایا اور ان کو الارض کا خلیفہ بنایا۔

قرآن مجید میں نبی ﷺ کو خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اس ارض کا خلیفہ بنائے گا۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ ﴾ ❻

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تم میں سے ان کے ساتھ جو ایمان لا چکے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں کہ اللہ ان کو الارض کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے لیے دین کو جسے اللہ ان کے واسطے پسند کر چکا ہے تمکین بخشے گا اور ان کے خوف کو امن کے ساتھ بدل دے گا وہ میری ہی عبادت کیا کریں گے

❶ ٤/ النساء:۱۱۳۔ ❷ ۲۰/ طٰه:۱۱٤۔ ❸ ۳٤/ سبا:۱۰۔
❹ ٤/ النسا:۱۱۳۔ ❺ ۳۸/ صٓ:۲٦۔ ❻ ۲٤/ النور:۵۵۔

اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں گے۔''

آیت پر تدبر کرنے سے امور ذیل بصراحت واضح ہوتے ہیں:

(الف) آیت کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو نزول آیت سے پیشتر ایمان اور عمل صالح کے اوصاف سے موصوف تھے۔

(ب) آیت میں خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(ج) اس خلافت کا عطیہ منجانب اللہ تعالیٰ ہوگا۔

(د) یہ خلافت اس الارض کی ہوگی جس کی خلافت قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کو دی تھی۔

(ہ) اس خلافت کا نشان ایک یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پسند کردہ دین کو عزت و تمکنت ملے گی۔

(و) اس خلافت کا نشان ایک یہ ہوگا کہ امن بسیط قائم ہو جائے گا اور خوف و ہراس اٹھ جائے گا۔

(ز) اس خلافت والے اللہ کے بڑے عبادت گزار مخلص بندے ہوں گے۔

(ح) اس وعدہ کے اندر دو سے زائد مسلمان داخل ہیں، کیونکہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ میں ضمیر جمع موعود ہے اور عربی میں دو سے زائد کے لیے صیغہ جمع آتا ہے۔

ضروری ہے کہ آیت کا زمانہ نزول معین کیا جائے۔ واضح ہو کہ یہ آیت سورۂ نور کی ہے اور سورۂ نور میں ایک قصہ بھی مذکور ہے۔ یہ قصہ غزوہ مریسیع میں ہوا اور یہ غزوہ ۵ھ کا ہے، ہاں واقعہ افک کے بعد وعدۂ خلافت کا الحاق اس حکمت پر مبنی ہے کہ جھوٹی دنیا کے کذاب لوگوں نے صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کو صدمہ پہنچایا، رب العالمین نے اس وعدہ سے ان کی دل دہی فرمائی ﴿ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴾ [1]

نتیجہ یہی مستنبط ہوتا ہے کہ آیت کا نزول ۵ھ کا ہے اور اس سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ خلافت کے واسطے چن لیے جانے کا اعزاز صرف انہی سابقین کو تھا، جو ۵ھ سے پیشتر ایمان اور عمل صالح کے اوصاف سے موصوف تھے۔

خلفائے اربعہ کو دیکھو۔ وہ سب ۵ھ سے بہت پہلے کے مشرف بہ ایمان ہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کو بھی انہی میں شامل کرو، جنہوں نے ۹ ماہ خلافت کی تھی۔ کیونکہ ان کا وجود باوجود بھی ۳ھ سے رونق افروز عالم تھا۔ اب تاریخ کو دیکھئے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی وہ ہیں جنہوں نے اسلام میں سب سے پیشتر اس الارض پر خلافت پائی تھی۔ چونکہ خلفائے اربعہ کو جو عطیات ملے وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ایمان لانے کے طفیل تھے۔ اس لیے آیت استخلاف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فضیلت آشکارا ہوتی ہے۔

۴: حضرت داؤد علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ﴾ [2] ''ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم بنا دیا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کلام پر ایمان لانے والوں کے احوال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ﴾ [3]

---

[1] ٦/ الانعام: ١٤٩۔ [2] ٣٤/ سبا: ١٠۔ [3] ٣٩/ الزمر: ٢٣۔

''ان کے جسم، ان کے قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے نامور فرزند ہیں۔ باپ کے سترہ بیٹوں اور اٹھارہ بیٹیوں میں سے یہی صحیح طور پر اپنے نامور باپ کے قائم مقام تھے اور اس لیے قرآن مجید میں ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ ❶ کی تخصیص فرمائی گئی ہے:

۱: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو گفتگو سفیران سبا سے فرمائی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زر و مال دنیوی کی پروانہ تھی۔

﴿ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ ﴾ ❷

''کیا تم مال سے میری مدد کرتے ہو مجھے تو جو کچھ اللہ نے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے۔''

نبی ﷺ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ۗ ﴾ ❸

''اللہ نے دیکھا کہ آپ بڑے کنبے والے ہیں پس اللہ نے آپ کو غنی عطا فرمائی۔''

۲: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ﴾ ❹ ''ہم نے ہوا کو سلیمان کا مسخر بنا دیا تھا۔''

نبی ﷺ کے حالات کے بیان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ ﴾

''جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ہوا کو اور ان لشکروں کو جو تم نے نہ دیکھے تھے بھیجا۔'' ❺

اس آیت میں ہوا کی اس خدمت کا ذکر ہے جو اس نے دشمنانِ اسلام کے تباہ و برباد کرنے میں ادا کی تھی صحیح بخاری کی حدیث میں ہے ((نُصِرْتُ بِالصَّبَا)) 'بادِ صبا میری نصرت کا آلہ بنا دی گئی ہے۔'' ❻

قرآن مجید میں امت محمدیہ کے متعلق بھی لفظ ریح کا استعمال ہوا ہے۔ گو اس کے معنی اس جگہ دوسرے ہیں، فرمایا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾

''اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں نزاع نہ کرو پھر تم گر جاؤ گے اور تمہاری ہوا نکل جائے گی۔'' ❼

غرض حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر حکومت ایک ریح تھی اور اولین مسلمانوں کے قبضہ میں بھی ایک ریح۔ ہمارے باہمی

---

❶ ۲۷/ النمل:۱۶۔ ❷ ۲۷/ النمل:۳۶۔ ❸ ۹۳/ الضحی:۸۔ ❹ ۳۴/ سبا:۱۲۔ ❺ ۳۳/ الاحزاب:۹۔

❻ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قوله وهو الذی یرسل الریاح نشرا بین یدی رحمته، حدیث: ۳۲۰۵۔

❼ ۸/ الانفال:۴۶۔

نزاعوں نے اس ربح کو کھو دیا اور مسلمانوں کی ہوا بگڑ گئی۔

۳: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی شوکت کا ذکر فرمایا:

﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ ﴾ ❶

''سلیمان علیہ السلام کے لیے جن اور آدمی اور پرند کے لشکر جمع کیے گئے۔''

نبی ﷺ کے احوال مبارکہ میں بھی ان تینوں کا ذکر آیا ہے۔

۱: جنوں کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاۙ۝ يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ﴾ ❷

''کچھ جنوں نے قرآن کو سنا تو وہ بولے کہ ہم نے عجیب کتاب کو جو نہایت پڑھی جانے والی ہے سنا ہے وہ ہدایت کی راہ دکھاتی ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لائے۔''

۲: بنی آدم کے لشکروں کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُۙ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاۙ۝ ﴾ ❸

''اللہ کی نصرت اور فتح آ گئی اور تو نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔''

۳: طیر کی خدمات کا ذکر اس سورۂ مبارکہ میں ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِؕ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍۙ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَۙ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍۙ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۝ ﴾ ❹

''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیسی کی۔ کیا ان کے مفسدانہ ارادوں کو ملیامیٹ نہیں کر دیا اور ان پر ابابیل پرندے بھیجے جو ان کے اوپر سنگریزے پھینکتے تھے اور پھر ان کو کھائے ہوئے بھس جیسا بنا دیا۔''

جملہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ واقعہ ارہاص نبوت تھا اور اس لیے یہ بھی نبی کریم ﷺ کے فضائل میں سے ہے۔ الفاظ قرآنی میں بھی اَلَمْ تَرَ اور رَبُّكَ میں دو دفعہ خطاب کے صیغے مستعمل ہوئے ہیں اور یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ مفسرین رحمہم اللہ کا بیان بالکل مرادِ ربانی کی وضاحت ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام

یہ شہر نینوا ❺ کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ وہاں ایک لاکھ سے زائد آبادی تھی۔ لوگوں نے نبی کی اطاعت سے انکار کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام ان سے خفا ہو کر وہاں سے چلے آئے، تب لوگ پچھتائے۔ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ گئے اور سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

---

❶ ۲۷/ النمل: ۱۷۔ ❷ ۷۲/ الجن: ۱، ۲۔ ❸ ۱۱۰/ النصر: ۱ تا ۲۔ ❹ ۱۰۶/ الفیل: ۱ تا ۵۔

❺ حضرت یونس علیہ السلام [یونہ] بن متی کا زمانہ قریباً ۸۶۲ ق م ہے یونہ نبی کی کتاب مجموعہ بائیبل میں شامل ہے۔

ا: اللہ تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کے حال میں فرماتا ہے:

﴿ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ ﴾ ❶ ''مچھلی نے ان کو لقمہ بنایا۔''

یونس علیہ السلام مچھلی کے شکم میں تین دن تک رہے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین دن تک غار کے شکم میں رہے تھے۔قرآن پاک میں ہے:

﴿ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ﴾ ❷

''جب کافروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دیا تھا اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو میں دوسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار کے اندر تھے۔''

یونس علیہ السلام کا شکم ماہی میں جانا بھی سرکش قوم سے علیحدہ ہونے کے بعد تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں رہنا بھی ہجرت از مکہ کے وقت تھا۔

۲: اللہ تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کی بابت فرماتا ہے:

﴿ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ ﴾ ❸

''اگر وہ تسبیح نہ کرتا تو مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتا۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شکم ماہی میں جانے کے بعد بھی یونس علیہ السلام ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غار کے اندر یادِ الٰہی میں تر زبان ہونا اور معیت ربانی سے شادکام ہونا قرآن مجید کی آیت ذیل میں ہے:

﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ ❹ ''غم نہ کر اللہ تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے۔''

۳: یونس علیہ السلام کی تسبیح کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾ ❺

''کوئی بھی معبود نہیں مگر تو۔تو پاک ہے اور میں اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔''

اس آیت پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور بندہ کی تقصیر کو جمع کر دیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک جواب میں ہر دو امور کو جمع فرمایا ہے:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴾ ❻

''کہہ دے میرا رب پاک ہے میں تو ایک بشر و رسول ہوں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بھی فرمائی اور اپنے آپ کو بھی تزکی نفس سے محفوظ رکھا اس قسم کی دیگر آیات بھی ہیں، جہاں ہر دو اصول کو جمع کیا گیا ہے۔

﴿ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾

---

❶ ۳۷/ الصّٰفّٰت:۱٤۲۔ ❷ ۹/ التوبۃ:٤۰۔ ❸ ۳۷/ الصّٰفّٰت:۱٤۳، ۱٤٤۔ ❹ ۹/ التوبۃ:٤۰۔

❺ ۲۱/ الانبیاء:۸۷۔ ❻ ۱۷/ بنی اسرائیل:۹۳۔

''پاک ہے وہ مالک جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی جان ہے اور تم سب اسی کی طرف جانے والے ہو۔'' ❶

دعا سکھائی گئی

﴿ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ ❷ ''تو پاک ہے، ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔''

۴: یونس علیہ السلام کی دعا کی بابت اللہ تعالیٰ نے مؤمنین بر خدا و رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ❸

''یعنی ایمان والوں کو اس تسبیح کے ورد سے اسی طرح اللہ تعالیٰ غم سے نجات دے گا جیسی یونس علیہ السلام کو دی تھی۔''

حضرت ایوب علیہ السلام ❹

ایوب علیہ السلام بڑے درجے کے نبی ہیں۔ سورۂ نساء کے آخری رکوع میں ان کا نام ہے اور اس مقام سے ظاہر ہے کہ ان پر وحی ربانی کا نزول ہوا۔

۱: اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت میں فرماتا ہے:

﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ﴾ ❺ ''ہم نے اسے صابر پایا۔''

صبر فضائل محمودہ میں سے اعلیٰ فضیلت ہے اور دین و دنیا کا کوئی منصب عالی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ صفت صبر حاصل نہ ہو، پختگی ارادہ، ثبات و استقلال اور توکل علی اللہ در حقیقت صبر ہی کی شاخیں ہیں: اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی صفت میں فرماتا ہے۔

﴿ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ ❻

''تیرا صبر تو خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے (اور تیرا صبر تو خاص اللہ تعالیٰ کی اعانت سے ہے۔)''

اس آیت میں نبی ﷺ کے لیے دو صفات کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اول صبر، دوم خلوص فرمایا:

﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ ❼

''اپنے رب کے حکم سے صبر کر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

عالم محبت میں یہ فقرہ عجیب دل آویز اور مسرت خیز ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت میں فرماتا ہے:

﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ ﴾ ❽ ''اچھا بندہ!''

نبی ﷺ کا عبودیت میں کامل ہونا مقامات متعددہ میں ہے یہ امر مسلّمہ ہے کہ معراج نبویہ حضور ﷺ کے مراتب میں سے مرتبہ اقصیٰ ہے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے حضور کا ذکر لفظ عبد ہی سے فرمایا:

---

❶ ۳۶/ یٰسٓ:۸۳۔ ❷ ۳/ آل عمران:۱۹۱۔ ❸ ۲۱/ الانبیاء:۸۸۔

❹ حضرت ایوب کا زمانہ اہل کتاب نے ۱۵۲۰ ق م تجویز کیا ہے ابتلا کے بعد وہ ۱۴ ہزار بھیڑوں ۶۰ ہزار اونٹوں، ایک ہزار جوڑے بیل، ایک ہزار گدھے کے مالک، سات بیٹوں تین بیٹیوں کے باپ تھے ۱۴۰ سال عمر پائی۔ ❺ ۳۸/ صٓ:۴۴۔ ❻ ۱۶/ النحل:۱۲۷۔

❼ ۵۲/ الطور:۴۸۔ ❽ ۳۸/ صٓ:۴۴۔

﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ﴾ ❶

''پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے شباشب اپنے بندہ کو سیر کرائی۔''

حضور ﷺ کا ذکر نماز میں بھی عبد سے کیا گیا ہے:

﴿ اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡہٰی ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ﴿ؕ۱۰﴾ ﴾ ❷

''کیا اس سرکش کو دیکھا کہ جب میرا بندہ نماز پڑھتا ہے تو وہ روکتا ہے۔''

﴿ وَّ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ ﴾ ❸

''جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارتا ہے۔''

غالباً یہی راز ہے کہ نماز کو معراج المومنین کہا گیا ہے:

۳: اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت میں فرماتا ہے:

﴿ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ ﴾ ❹ ''وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔''

ان کے رجوع الی اللہ کا واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿ؕ۴۱﴾ ﴾ ❺

''اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ مجھے شیطان دکھ اور تکلیف سے چھو گیا ہے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ وہ دکھ اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ دعا میں حسن ادب کی پوری مراعات فرماتے تھے۔ دکھ درد وغیرہ کو ذات سبحانی کی طرف نسبت دینے سے اجتناب کرتے تھے۔

نبی ﷺ کا زندگی کے ہر لمحہ میں رجوع الی اللہ فرمانا اس آیت سے واضح ہے:

﴿ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ۙ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾ ﴾ ❻

''میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت، اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں (لوگو!) مجھے ایسا ہی بتانے کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلے اس حکم کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

حضرت زکریا علیہ السلام

۱: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت زکریا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ۚ﴿۲﴾ ﴾ ❼

---

❶ ۱۷/ بنی اسرائیل:۱۔ ❷ ۹۶/ العلق۹تا۱۰۔ ❸ ۷۲/ الجن:۱۹۔

❹ ۳۸/ صٓ:۴۴۔ ❺ ۳۸/ صٓ:۴۱۔ ❻ ٦/ الانعام:۱٦۲، ۱٦۳۔ ❼ ۱۹/ مریم:۲۔

''یہ تیرے پروردگار کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر فرمائی۔''

۲: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴾ ❶

''تیرے رب کی رحمت ہے اور اس کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ ❷

''ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔''

اس مقام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ''رحمت'' رکھ دیا ہے۔ یعنی پیکر نورانی کو رحمت مشکّل فرمایا ہے اور یہ غایت درجہ کا شرف ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا ہے:

﴿ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ﴾ ❸

''جب اس نے نہایت پست آواز سے اپنے رب کو پکارا۔''

یہ دعا قبول کی گئی تھی اور ان کو یحییٰ نامی فرزند کی بشارت دی گئی تھی۔ اس سے زکریا علیہ السلام کی بڑی تعریف نکلتی ہے کہ باوجود فقدان اسباب ظاہر یہ ان کی دعا کو قبول فرمایا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ﴾ ❹

''ہم نے تیرے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھا ہم تجھے اس قبلہ کی طرف پھرا دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت شرف اور احترام ظاہر ہوتا ہے کہ جس امر کی جانب قلبِ اطہر میں میلان اور وجہ انور میں تقلب ہی پیدا ہوتا ہے۔ جسے ہنوز دل سے زبان پر نہیں لایا گیا۔ اسے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔

معاملہ اہم تھا، ہزاروں انبیا کے تسلیم کردہ قبلہ کا تبدیل کرنا تھا۔ مگر باری تعالیٰ کو اپنے حبیب کی پسند اور میلان طبع کا پورا کرنا اس سے بھی زیادہ مقدم تھا۔ قبلہ بدل گیا اور صاف طور پر فرما دیا گیا:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ ﴾ ❺

''قبلہ کو جس پر تو تھا قبلہ اس لیے کیا گیا تھا کہ رسول کی پیروی کرنے والوں اور الٹے پھر جانے والوں کی ہم الگ الگ شناخت قائم کر دیں۔''

---

❶ ۱۷/ الاسرآء:۸۷۔ ❷ ۲۱/ الانبیاء:۱۰۷۔ ❸ ۱۹/ مریم:۳۔

❹ ۲/ البقرۃ:۱٤٤۔ ❺ ۲/ البقرۃ:۱٤۳۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

۱: یحییٰ علیہ السلام اپنے والد پیرحرم زکریا علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہیں ۔ جوانہوں نے محراب مسجد میں مانگی تھی۔ نبی ﷺ بھی اپنے بوڑھے باپ ابراہیم علیہ السلام (جو قوموں کے باپ ہیں) کی دعا کا نتیجہ ہیں، جوانہوں نے تعمیر بیت اللہ کے وقت بشمولیت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مانگی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ [1]

''جب ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تب وہ دعا کر رہے تھے،(ایک دعا کرتا اور دوسرا آمین کہتا) کہ اے سمیع وعلیم اس عمارت کو قبول فرما اور اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھ اور ہماری ذریت کو بھی فرمانبردار رکھنا اور ''اے تواب رحیم'' ہم کو جملہ آدابِ عبادت سکھا اور ہماری فرمانبردار ذریت ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما۔''

۲: اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت یحییٰ کی بابت فرماتا ہے:

﴿ مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ [2]

''ایک کلمہ کی جو اللہ کی جانب سے ہوگا تصدیق کرنے والا''

قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ من اللہ کہا ہے اور حضرت یحییٰ کو ان کا مصدق بتایا ہے کچھ شک نہیں کہ یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ کے قدوم میمنت لزوم کی خبر لوگوں کو دی تھی اور ان کے فضائل سے لوگوں کو باخبر بنایا تھا۔

نبی ﷺ کا نام اللہ عزوجل نے ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ [3] (اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرنے والا رکھا ہے) اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تصدیق انبیا کے کام کو زیادہ وسعت کے ساتھ سرانجام فرمایا ہے۔

(الف) نبی ﷺ نے بعض ایسے انبیا کے اسمائے مبارکہ سے اطلاع دی اور ان کے حالات بیان فرمائے جن سے اہل کتاب بھی واقف نہ تھے۔مثلاً ہود۔صالح۔شعیب علیہم السلام

(ب) بعض انبیا کی نبوت کی حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی، جن کی تکذیب اہل کتاب کرتے تھے۔مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصدیق بمقابلہ یہود ونصاریٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق بمقابلہ یہود۔

(ج) پھر اس سے بڑھ کر ایک وسیع ترین اصول تمام دنیا کی آگاہی کے لیے ظاہر فرمایا جس سے دنیا کے لوگ بے خبر تھے۔

بنی اسرائیل کا دعویٰ تھا کہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کو نبوت عطا نہیں کی گئی۔

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱۲۷تا۱۲۹۔ [2] ۳/ آل عمران:۳۹۔ [3] ۵/ المائدۃ:۴۸۔

پارسیوں کا دعویٰ تھا کہ مہ آبادیوں وغیرہ کے سوا جو سب ایرانی نژاد تھے اور کسی قوم کو نبوت نہیں دی گئی۔ یہی ہندوؤں کا دعویٰ تھا اور یہی دعویٰ چین والوں کا تھا۔ یہی دعویٰ قدیم مصریوں کا تھا۔ گویا ہر قوم اپنے دعویٰ میں دنیا کی تمام قوموں کو جھوٹا بتاتی تھی اور اس سے منافرت اور جدائی پیدا ہوتی تھی جس نے قوموں کو قوموں سے اور ملکوں کو ملکوں سے الگ کر رکھا تھا۔ نبی ﷺ ہی نے ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ [1] کا لقب حاصل کر کے اس عقدہ کو کھولا، اس راز کو آشکارا کیا، اور مختلف آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی جن میں مختلف الفاظ اور متنوع اسلوب کے اندر بتایا گیا:

﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ [2]

''کوئی امت نہیں مگر یہ کہ اس میں نذیر ہوا ہے۔''

﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ [3]

''ہر قوم میں ایک ہادی ہوا ہے۔''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ [4]

''ہر رسول کو ہم نے اس کی قوم کی زبان میں بھیجا۔''

﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ﴾ [5]

''قیامت کے دن ہم ہر امت میں سے اپنا شہید (اللہ کا گواہ) اٹھائیں گے۔''

یہ پاک تعلیم جس قدر وسیع ہے اسی قدر قوموں میں محبت بڑھانے اور برادرانہ تعلقات مضبوط کرنے والی بھی ہے۔

۳: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سید بھی فرمایا ہے (آل عمران رکوع ۱۴) اور نبی کریم ﷺ کو بھی اسی خطاب سے مخاطب کیا ہے: فرمایا:

﴿ يٰسٓ ﴾ [6] ''اے سید۔'' [7]

۴: حضرت یحییٰ کو اللہ تعالیٰ نے حصور بھی فرمایا ہے:

نبی ﷺ بھی حصور تھے۔ حصور کے لغوی معنی حصر کردہ شدہ، باز داشتہ ہیں جس سے مراد وہ بزرگوار ہوتا ہے جس کا محافظ خود رب العالمین ہو۔ چنانچہ نبی ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ [8] ''اللہ تعالیٰ تیری حفاظت سب طرح کے لوگوں سے فرمائے گا۔''

حصور کے معنی وہ شخص بھی کیے گئے ہیں جو باوجود قوت عورتوں کی جانب ملتفت نہ ہو۔ جس شخص کو نبی ﷺ کی سیرت پر عبور ہے وہ جانتا ہے کہ ۲۵ سال کی عمر تک نبی ﷺ نے شادی نہ کی تھی اس عمر کے بعد شادی ہوئی بھی تو نبی ﷺ کی طلب اور شوق پر نہیں بلکہ خود منکوحہ کے اشتیاق والتجا پر، جس کی قبولیت اس لیے ہوئی کہ حضور کسی کے سوال کو رد نہ فرمایا کرتے تھے۔ پھر عالم سیرت کو

---

[1] ۵/ المائدۃ: ۴۸۔ [2] ۳۵/ فاطر: ۲۴۔ [3] ۱۳/ الرعد: ۷۔ [4] ۱۴/ ابراھیم: ۴۔ [5] ۱۶/ النحل: ۸۴، ۸۹۔

[6] ۳۶/ یٰسٓ: ۱۔ [7] یہ معنی حضرت جعفر صادق سے مروی ہیں دیکھو: الشفاء الفصل الرابع فی قسمہ تعالیٰ بتعظیم قدرہ: ۱/ ۷۳۔

[8] ۵/ المائدۃ: ۶۷۔

یہ بھی معلوم ہوگا کہ ۵۳ سال کی عمر تک صرف ایک ہی بیوی حضور ﷺ کے گھر میں تھی ۵۰ سال کی عمر تک صرف خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ۵۳ سال کی عمر میں صرف سودہ رضی اللہ عنہا اور یہ دونوں جو یکے بعد دیگرے نکاح میں آئیں، اس وقت اپنی جوانی کو پورا کر چکی تھیں۔ ایسی عورت سے مناکحت پر رضامند ہونا اور محصور رہنا صرف اسی کا کام ہے، جسے اس جنسِ لطیف کی خصوصیات نفسیہ اپنی جانب ملتفت نہ کر سکتی ہوں ان کے بعد دیگر نکاح جس طرح ہوئے ان کا بیان ناظرین کو ہمارے مضمون اُمہات المؤمنین میں ملے گا جس سے واضح ہوگا کہ نبی کی خواہش کا ان میں کچھ دخل نہ تھا۔

ہاں! اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی پڑھو:

﴿ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ ﴾ [1]

”اے نبی ﷺ! ہم نے تیرے لیے حلال کر دی ہیں، (۱) تیری بیویاں جن کے مہر تو ادا کر چکا ہے (۲) اور وہ عورتیں جو اللہ کے دیئے ہوئے فے میں سے تیرے داہنے ہاتھ لگیں۔ (۳) اور چچا کی بیٹیاں (۴) اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں (۵) اور ماموں کی بیٹیاں (۶) اور خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہو (۷) اور وہ مومن عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کر دے بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کا ارادہ بھی رکھتا ہو۔ یہ خالص تیرے لیے ہے اور مؤمنین کے لیے نہیں۔“

ان ہفت گانہ اقسام کی عورتوں میں سے مؤرخ کو نظر آئے گا کہ حضور ﷺ کے نکاح میں صرف پہلی اقسام ہی کی عورتیں ہیں۔ دیگر اقسام کی کوئی عورت نہیں۔

قسم دوم کے تحت میں ایک یا دو نام بیان کیے جایا کرتے ہیں، مگر ان کی صحت میں بہت بحث ہے، ممکن ہے کہ کوئی شخص حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نام کو قسم چہارم کے تحت پیش کرے۔ ہم تسلیم کریں گے کہ یہ ام المؤمنین حضور ﷺ کی پھوپھی زاد ہیں، مگر ان کا شمار تو قسم اول میں ہو چکا ہے الغرض جس مقدس ہستی نے باوجود اجازت ربانی اور حلت قرآنی ان اقسام کی عورتوں کی جانب کبھی نظر التفات بھی نہ کی ہو، اس کے حصور ہونے میں کیا کلام ہے۔

۵: یحییٰ کو نبی بھی فرمایا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو قرآن پاک میں گیارہ دفعہ یایہا النبی سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اور بائیس دفعہ حضور ﷺ کا ذکر باسم نبی فرمایا گیا ہے۔

۶: یحییٰ علیہ السلام کو ﴿ خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ ﴾ [2] فرمایا گیا ہے۔ ”یعنی اے یحییٰ کتاب کو قوت سے تھام۔“

نبی ﷺ کی بابت فرمایا گیا ہے:

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ ﴾ [3]

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۵۰۔ [2] ۱۹/ مریم: ۱۲۔ [3] ٦٢/ الجمعة: ٢۔

''لوگوں کو کتاب اور حکمت سکھانے والا۔''

۷: یحییٰ کی شان میں ہے۔

﴿ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ ❶ ''اللہ کی جانب سے نرم خو، نرم دل۔''

نبی ﷺ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ ❷

''یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے تجھے نرم بنایا اگر آپ بدخو یا سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگا کرتے (اور استفاضہ سے محروم رہتے) پس آپ ان کی تقصیرات کو معاف کیا کریں اور ان کے لیے بخشش کی دعا کردیا کریں۔''

۸: یحییٰ کو ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ ❸ فرمایا گیا ہے۔ یعنی وہ ستھرے اور پاکیزہ تھے۔

نبی ﷺ کی شان میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ ❹ ''وہ لوگوں کو پاکیزہ بنانے والا ہے۔''

۹: یحییٰ علیہ السلام کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَكَانَ تَقِيًّا ﴾ ❺ ''وہ بہت تقوے والا ہے۔''

نبی ﷺ کے دربار میں حاضر رہنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ﴾ ❻

''پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینہ نازل فرمایا اور کلمہ تقویٰ کا لزوم مومنین کے ساتھ کر دیا اور یہ مومنین اس کلمہ کے سب سے زیادہ حق دار اور سب سے بڑھ کر اہل بھی ہیں۔''

۱۰: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ﴿ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ ﴾ ❼ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا فرمایا ہے۔

نبی ﷺ تو یتیم تھے، ماں باپ سے سلوک کرنے کا حضور کو موقع حاصل ہی نہ تھا حضور ﷺ کی نبوت کے عہد مبارک میں ام ایمن رضی اللہ عنہا زندہ تھیں۔ یہ حبشن تھیں اور لونڈی تھیں، انہوں نے حضور ﷺ کو گود میں کھلایا تھا۔ نبی ﷺ ان کی نہایت عزت فرمایا کرتے ان کی ملاقات کے لیے ان کے گھر جایا کرتے اور اُمِّيْ بَعْدَ اُمِّيْ کے لقب سے ان کو یاد کیا کرتے۔ (ماں کے بعد یہی میری ماں ہے) ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک زانو پر ایک طرف اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک زانو پر دوسری طرف لے کر بیٹھتے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا تھے، ان کو صِنْوُ اَبِيْ (باپ کا ہمسر) بتایا کرتے تھے ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفت نبی ﷺ میں کس قدر کامل تھی۔

---

❶ ۱۹/ مریم:۱۳۔ ❷ ۳/ آل عمران:۱۵۹۔ ❸ ۱۹/ مریم:۱۳۔
❹ ۲/ البقرۃ:۱۲۹۔ ❺ ۱۹/ مریم:۱۳۔ ❻ ۴۸/ الفتح:۲۶۔ ❼ ۱۹/ مریم:۱۴۔

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام کی شان بلند انبیائے کرام کے زمرے میں نہایت نمایاں ہے۔

۱: قرآن حکیم میں ہے کہ ان کی جدہ (نانی صاحبہ) نے ان کی والدہ مریم صدیقہ علیہا السلام کی پیدائش کے وقت یہ دعا کی تھی:

﴿ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾ ❶

''میں اس لڑکی اور اس کی نسل کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

نبی ﷺ کو بھی استعاذہ کے متعلق یہی تعلیم دی گئی تھی:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴾ ❷

''اے پروردگار! میں وساوس شیطان سے تیری پناہ لیتا ہوں اور اے پروردگار مجھے تیری ہی حفاظت درکار ہے اس بارہ میں کہ شیطان میرے حضور میں آ سکیں۔''

۲: فرقان حمید میں مریم و عیسیٰ علیہما السلام کی بابت ہے:

﴿ وَّاٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ﴾ ❸

''ہم نے مریم اور ابن مریم علیہما السلام کے لیے ایک بلند جگہ میں ٹھکانہ بنایا۔''

یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد طفلی کے متعلق ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ ان کی پرورش میں الٰہی سامان تھے نبی کریم ﷺ کی بابت حی القیوم فرماتا ہے:

﴿ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ﴾ ❹

''تو دنیا میں یتیم ہو کر آیا تھا پھر اللہ ہی نے تیرا ٹھکانا بنایا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہ تھا اور نبی ﷺ بھی پیدائش کے وقت بے پدر تھے۔ حضانت پدری سے مجبوری میں ہر دو مقدسین یکساں حالت میں تھے۔

۳: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام، کلام اللہ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴾ ❺

''میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔''

رسول اللہ ﷺ کی شان میں قادر ذوالجلال خود فرماتا ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَیِّمًا ﴾ ❻

''حمد ہے اس اللہ کی جس نے اپنے عبد پر کتاب کو نازل کیا اور اس کتاب میں کوئی کجی نہ رہنے دی، بلکہ اسے

---

❶ ۳/ آل عمران: ۳۶۔ ❷ ۲۳/ المؤمنون: ۹۷، ۹۸۔ ❸ ۲۳/ المؤمنون: ۵۰۔
❹ ۹۳/ الضحیٰ: ۶۔ ❺ ۱۹/ مریم: ۳۰۔ ❻ ۱۸/ الکہف: ۱۔

پائیدار (صداقت) بنایا۔"

۴: عیسیٰ علیہ السلام کا فرمودہ ہے، جو کتاب اللہ میں ہے:

﴿ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ﴾ ❶

"مجھے مبارک بنایا جہاں کہیں بھی رہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اپنی امت کو اس مبارکی کے حاصل کرنے کے متعلق قرآن پاک میں یہ ہے:

﴿ فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ﴾ ❷

"تب اپنے لوگوں پر سلام بھیجو۔ تمہارے لیے اللہ کی جانب سے یہ مبارک طیب تحفہ ہے۔"

۵: عیسیٰ علیہ السلام ان احکام کا ذکر کرتے ہیں، جو ان کی شریعت میں واجب العمل تھے:

﴿ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴾ ❸

"اللہ نے مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک زندہ رہوں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معبودِ حقیقی کا فرمان ہے:

﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ﴾ ❹

"موت آنے تک اپنے پروردگار کی عبادت کیے جا۔"

۶: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں رب القدوس فرماتا ہے:

﴿ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ ❺

"ہم نے روح القدس سے اس کی مدد کی۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں معین المتین نے فرمایا:

﴿ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ ❻

"ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لشکروں سے مدد دی جن کو انسانوں نے نہیں دیکھا۔"

نیز فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ ﴾ ❼

"اللہ نے تیری تائید اپنی نصرت سے کی۔"

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ ❽

---

❶ ۱۹/ مریم: ۳۱۔ ❷ ۲۴/ النور: ۶۱۔ ❸ ۱۹/ مریم: ۳۱۔ ❹ ۱۵/ الحجر: ۹۹۔
❺ ۲/ البقرۃ: ۸۷۔ ❻ ۹/ التوبۃ: ۴۰۔ ❼ ۸/ الانفال: ۶۲۔ ❽ ۱۶/ النحل: ۱۰۲۔

''کہہ دے کہ اس کلام ربانی کو روح القدس لے کر میرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ آیا ہے۔''

۷: فرقانِ حمید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا مدعا آیت ذیل کے اندر بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِي اسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ﴾ ❶

''عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے تصدیق کرتا ہوں اور میں اس رسول کی تم کو بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔''

مسیح علیہ السلام نے اپنی رسالت کے دو مقصد بیان کیے۔ تصدیق توراۃ اور بشارت احمد۔ ہم درج کریں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہر دو مقاصد کے متعلق کیا کیا۔

(الف (تصدیق تورات)

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا، نمبر ۱۷ یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا ہوں، میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں نمبر ۱۸، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک لفظ یا شوشہ توراۃ کا ہرگز نہ مٹے گا، جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ انجیل متی ۵ باب ۷ اورس۔

یہ کلام معجز نظام جس استحکام کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے اپنی رسالت کے مقصد اولین کو بخوبی پورا فرمایا۔

(ب) بشارت ﴿ اسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ﴾ ❷

اس بشارت میں دو لفظ زیادہ تر قابل تدبر ہیں۔

اول:۔ مِنۢ بَعْدِي اس سے یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والا وہی شخص ہو جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور اس مبشر اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی تیسرا شخص جو رسول بھی ہو اور احمد نام بھی رکھتا ہو، حائل نہ ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک وجہ التباس کی ہو سکتی تھی۔ الفاظ آیات کا یہ مفہوم کچھ ہمارا ہی طبع زاد نہیں ہے بلکہ شفاء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اور خصوصیات صغریٰ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اور انسان العیون میں ابن دحلان نے بیان کیا ہے کہ اسم پاک احمد ایسا نام ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کسی ایک انسان کا بھی نہیں رکھا گیا۔

دوم:۔ قابل تدبر اِسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ۔ کہ کیا فی الواقع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد تھا۔ واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام دو ہیں احمد اور محمد۔ اسم پاک احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بشارت رؤیا کے موافق رکھا اور اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور کے دادا نے رکھا۔ ان دونوں اسموں کا مادہ ایک ہی ہے یعنی دونوں اسم مبارک ''حمد'' سے بنتے ہیں۔ اسم پاک احمد، حمد سے افعل التفضیل ہے اور اسم پاک محمد، حمد سے مفعل کے وزن پر ہے۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب جلاء الافہام میں تحریر کیا ہے کہ علما کے ایک گروہ کا قول ہے۔ انہی میں ابوالقاسم

---

❶ ٦١/ الصف:٦۔ ❷ ٦١/ الصف:٦۔

سہیلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک احمد پہلے رکھا گیا اور اسم مبارک محمد ﷺ بعد میں رکھا گیا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت میں حضور ﷺ کا اسم مبارک احمد واقع ہوا ہے۔ 1

اس ثبوت میں کہ احمد ﷺ حضور کا اسم مبارک ہے ہم دلائل پیش کریں گے۔

اوّل: احادیث

۱: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الکبریٰ میں روایت کی ہے:

عَنْ أَبِیْ جَعْفَرِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ: أُمِرَتْ اٰمِنَةُ وَهِیَ حَامِلَةٌ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تُسَمِّیَهُ أَحْمَدَ۔ 2

''امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آمنہ کے شکم مبارک میں نبی ﷺ تھے اس وقت آمنہ کو حکم ہوا تھا کہ وہ بچہ کا نام احمد رکھیں۔''

۲: امام ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں بروایت مرفوع بیان کیا ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ یَعْنِی ابْنَ الْحَنَفِیَّةِ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ أَبِیْ طَالِبٍ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُمِّیْتُ أَحْمَدَ۔ 3

''محمد ابن حنفیہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام احمد (ﷺ) رکھا گیا تھا۔''

۳: خصائص الکبریٰ باب اعلام اللہ بہ موسیٰ میں بیہقی کی روایت مندرج ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ الْجَارُوْدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَأَسْلَمَ وَقَالَ: وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ وَجَدْتُ وَصْفَكَ فِی الْإِنْجِیْلِ وَلَقَدْ بَشَّرَبِكَ ابْنُ الْبُتُوْلِ۔

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جارود بن عبداللہ (جو ملک یمن کے سب سے بڑے عیسائی عالم تھے) آئے اور اسلام لائے تھے اور انہوں نے کہا کہ اس اللہ کی قسم ہے جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا کہ میں نے آپ کا وصف انجیل میں دیکھا ہے اور بتول کے فرزند (عیسیٰ علیہ السلام) نے آپ ہی کی بشارت دی ہے۔''

۴: امام ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں روایت کی ہے:

عَنْ سَهْلٍ مَوْلٰی عُثَیْمَةَ أَنَّهُ كَانَ نَصْرَانِیًّا مِنْ أَهْلِ مَرِیْسٍ وَكَانَ یَقْرَأُ الْإِنْجِیْلَ فَذَكَرَ أَنَّ صِفَةَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْإِنْجِیْلِ وَهُوَ مِنْ ذُرِّیَّةِ إِسْمٰعِیْلَ اسْمُهُ أَحْمَدُ۔

---

1 یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو حمد سے مناسبت خاص ہے۔ حضور کا اسم مبارک احمد و محمد ہے حضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں میدان محشر میں جو جھنڈا ہوگا اس کا نام ''لواء الحمد'' ہے اور حضور ﷺ کی امت کا نام ''حمادون'' ہے اور حضور ﷺ پر نازل شدہ کتاب کا الحمد للہ سے آغاز ہوتا ہے۔ 2 طبقات ابن سعد: ۱/ ۹۸ ذکر حمل آمنة برسول اللّٰه۔

3 طبقات ابن سعد ذکر اسماء الرسول: ۱/ ۱۰۴۔

''سہیل مولیٰ عثیمہ کہتے ہیں کہ اہل مریس کے اندر ایک نصرانی تھا جو انجیل پڑھا کرتا تھا، اس نے بتایا کہ نبی ﷺ کی صفت انجیل ❶ میں درج ہے۔ وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے اور ان کا نام احمد ہوگا۔''

۵: صحیح مسلم میں بہ روایت جبیر بن مطعم عن ابیہ ہے:

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: إِنَّ لِیْ أَسْمَآءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَ أَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یُمْحَی اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرُ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔

''کہا نبی ﷺ نے فرمایا میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے کفر کو محو کیا میں حاشر ہوں کہ سب لوگ میرے قدم پر قیامت کو اٹھیں گے، میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' ❷

۶: یہی حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ❸

صحیحین کی حدیث پر غور کرنا چاہیے کہ نبی ﷺ نے (۵) نام بتائے۔ ان میں سے دو اسم محمد و احمد کے معنی نہیں بتائے اور ۳ اسماء ماحی و حاشر و عاقب کے معنی بتائے ہیں اس لیے صاف ثابت ہوگیا کہ محمد و احمد حضور ﷺ کے ذاتی نام ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نام بھی وصفی ہوتا ہے تو اس کے معنی بھی اسی طرح بیان فرما دیتے۔ جیسا کہ اسم نمبر۳ نمبر۴ نمبر۵ کے معنی بتائے تھے۔

دوم: اشعار

ائمہ تاریخ کے نزدیک مسلمہ اشعار عرب کی شہادت کسی واقعہ کے متعلق ایسی ہی یقینی ہے جیسا کہ ائمہ لغت کے نزدیک کسی لفظ کے استعمال کے لیے اشعار قدماء کی شہادت قطعی ہوتی ہے۔

(الف) اشعار قبل از ولادت نبی ﷺ

ا: تبع جس کا نام قرآن مجید میں بھی آیا ہے، یمن کے بادشاہوں میں سے تھا۔ اس نے یثرب پہنچ کر اوس اور خزرج و یہود سے جنگ کی تھی۔ اہل یثرب دن کو لڑتے اور رات کو تبع کی مہمانی کرتے تین شب اسی طرح گزر گئیں تبع شرمندہ ہوا اور اس نے صلح کی درخواست کر دی۔ معاہدہ صلح کے طے کرنے کی غرض سے اُحیحہ بن الحلاج اوسی اور بنیامین قرظی ❹ مامور ہوئے اُحیحہ نے تبع سے عرض کیا کہ ہم تو آپ ہی کی قوم کے ہیں۔ ❺ ہم سے کیوں جنگ کی گئی۔ بنیامین یہودی نے کہا کہ آپ اس شہر کو فتح بھی نہیں کر سکتے۔ تبع نے کہا کیوں؟ کہا یہ شہر ایک نبی کی فرودگاہ ہے جو قریش میں سے ہوگا۔ تبع نے اس پر یہ شعر پڑھا:

أَلْقٰی إِلَیَّ نَصِیْحَۃً کَیْ أَزْدَجِرْ عَنْ قَرْیَۃٍ مَحْجُوْرَۃٍ بِمُحَمَّدٖ

اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس آبادی سے ہٹ جاؤں جو محمد کی وجہ سے محفوظ رکھی گئی ہے۔

---

❶ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اکثر علما فقط تورات کو اور بعض فقط انجیل کو مجموعہ بائبل کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

❷ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی أسمائہ، حدیث: ٦١٠٥۔

❸ بخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء الرسول، حدیث: ٣٥٣٢۔ ❹ بنو قریظہ سے قرظی کہلاتے ہیں۔

❺ اوس و خزرج کا نسب اہل یمن سے ملتا ہے یہ سیل عرم کے بعد مدینہ میں آ گئے تھے۔

پھر یہ اشعار تصنیف کیے:

شَهِدْتُ عَلٰی أَحْمَدَ أَنَّهُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِئُ النَّسَمِ
فَلَوْمُدَّ عُمْرِي إِلٰى عُمْرِهٖ لَكُنْتُ وَزِيْراً لَهٗ وَابْنَ عَمّ

ترجمہ:۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد ﷺ اس اللہ کے رسول ہیں جو جان آفریں ہے اگر میری عمر اس کی عمر تک لمبی ہوئی تو میں ضرور اس کا وزیر اور ابن عم بنوں گا۔

تلمسانی کا قول ہے کہ اشعار بالا بطور تواتر ثابت ہوئے ہیں۔ [1]

۲: قس بن ساعدہ نجران کا اسقف اور حکمائے عرب میں سے تھا اس کے اشعار ہیں:

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَخْلُقِ الْخَلْقَ عَبَثَ
أَرْسَلَ فِيْنَا أَحْمَدَا خَيْرَ نَبِيٍّ قَدْ بَعَثَ
لَمْ نُحِيْنَا مِنْهُ سُدَى مَنْ بَعْدُ عَيْشٍ وَاكْتَرَثَ
صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا حَجَّ لَهٗ رَكْبٌ وَ حَثَّ

(ب): اشعار جو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں لکھے گئے:

۱: حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ المؤید بروح القدس، نبی ﷺ کی نعت میں فرماتے ہیں:

مَتٰى يَبْدُ فِي اللَّيْلِ الْبَهِيْمِ جَبِيْنُهٗ يَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَى الْمُتَوَ قَّدِ
جب شب تاریک میں اسکی پیشانی نمایاں ہوتی ہے تو روشن چراغ کی طرح چمکا کرتی ہے
فَمَنْ كَانَ أَوْ مَنْ قَدْيَكُوْنُ كَأَحْمَدَ نِظَامٌ لِحَقٍّ أَوْ نَكَالًا لِمُلْحِدِ
حق کو استحکام دینے اور ملحد کو ذلیل بنانے میں احمد جیسا نہ کوئی تھا اور نہ آئندہ کوئی ہو گا

یہ اشعار دیوان حسان رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں اور ان پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت امام ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب میں موجود ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان اشعار کو پڑھا اور فرمایا:

كَانَ وَاللّٰهِ كَمَا قَالَ فِيْهِ شَاعِرُهٗ۔

”بخدا نبی ﷺ ایسے ہی تھے جیسا کہ آپ کے شاعر نے ان ابیات میں کہا ہے۔“

۲: کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے شعرائے خاص میں سے تھے حضرت کعب ان تین بزرگواروں میں سے ہیں، جن کی توبہ قبول کیے جانے کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ وہ غزوہ احد کے متعلق فرماتے ہیں:

غَدَاةَ أَجَابَتْ بِأَ سْيَا فِهَا جَمِيْعًا بَنُوالْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ
صبح کے وقت تمام بنواوس و خزرج نے اپنی اپنی تلواروں کو سنبھال کر حضور کے حکم کی تعمیل کی

---

[1] اگر تلمسانی کا یہ فقرہ اس روایت میں نہ ہوتا تو میں ان اشعار کے درج کرنے کی ضرورت نہ سمجھتا۔

وَأَشْيَاعُ أَحْمَدَ إِذْ شَايَعُوْا عَلَى الْحَقِّ ذِي النُّوْرِ وَالْمَنْهَجِ

اشیاع احمد (مہاجرین) نے بھی ایسا ہی کیا وہ سب نبی ﷺ کے ساتھ حق پر چلتے ہیں

۴: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ واقعہ خیبر کے متعلق فرماتے ہیں:

وَنَحْنُ وَرَدْنَا خَيْبَرًا وَفُرُوْضَهُ بِكُلِّ فَتًى عَارِي الْأَشَاجِعِ نَذْوَدِ

ہم خیبر اور اس کے قلعوں تک پہنچے ہمارا ہر جوان پھرتیلا اور عمدہ بچاؤ سے لڑنے والا تھا

يَرَى الْقَتْلَ مَجْدًا إِنْ أَصَابَ شَهَادَةً مِنَ اللّٰهِ يَرْجُوْهَا وَفَوْزًا بِأَحْمَدِ

ہم میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اگر شہادت ملی تو ایسا مرنا خدا کے ہاں سے فضیلت اور احمد کی خوشنودی حاصل کرنے کا سبب ہوگا

ج: اشعار جو نبی ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھے:

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک لمبے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

أَطَالَتْ وُقُوْفًا تَذْرُفُ الْعَيْنُ جُهْدَهَا عَلَى طَلَلِ الْقَبْرِ الَّذِيْ فِيْهِ أَحْمَدُ

آنکھ پوری طاقت سے بہہ رہی ہے اور میں اس قبر کے ڈھیر پر دیر سے کھڑا ہوا ہوں جس کے اندر احمد ہیں

فَبُوْرِكْتِ يَا قَبْرَ الرَّسُوْلِ وَبُوْرِكَتْ بِلَادٌ ثَوَى فِيْهِ الرَّشِيْدُ الْمُسَدَّدُ

اے قبر رسول تو مبارک ہے اور اے عرب تو مبارک ہے کہ تیرے اندر نبی کی جو رشید المسدد ہیں خواب گاہ ہے

۲: خاتم الخلفاء علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب خوارج نے کہا کہ وہ ان کے سامنے اپنے ایمان کی تجدید کریں اور از سرِ نو داخل فی الاسلام ہوں تو انہوں نے زبان مبارک سے یہ شعر پڑھے تھے:

يَا شَاهِدَ الْخَيْرِ عَلَيَّ فَاشْهَدْ إِنِّيْ عَلَى دِيْنِ النَّبِيِّ أَحْمَدِ

مَنْ شَكَّ فِي اللّٰهِ فَإِنِّيْ مُهْتَدِيْ۔ [1]

ترجمہ: ''اے اللہ لگتی بات کہنے والے تو گواہ رہنا کہ میں نبی احمد ﷺ کے دین پر ہوں اللہ کے بارے میں اور کوئی شک پر ہو تو ہو میں تو ہدایت یافتہ ہوں۔''

۳: جگر گوشہ رسول سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کے اشعار اپنے والد احمد مصطفیٰ ﷺ کی وفات پر ہیں:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدَ أَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

ترجمہ: ''مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر دن پر آ پڑتیں، تو رات بن جاتا، جو کوئی قبر احمد ﷺ سونگھ لے تو اس پر کیا واجب ہے؟ یہ واجب ہے کہ وہ مدت العمر خوشبو نہ سونگھے۔''

---

[1] ماخوذ از کتاب الکامل لابو العباس المبرد۔

ان جملہ حوالہ جات سے ہمارا مقصود باقتضائے مقام یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اسم مبارک احمد، حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے اور حیات کے اندر اور ارتحال کے بعد یعنی ہر زمانہ ہی میں مسلم و محقق رہا ہے قبل از ولادت یہی پاک نام عرب، یمن، نجران اور شام کے یہودیوں اور عیسائیوں میں معروف تھا اور ہر فرقہ اپنی فتح و نصرت کو حضور ﷺ کی تشریف آوری و رونق افروزیٔ عالم پر منحصر سمجھتا تھا۔ حضور ﷺ کی حیات و ممات میں حضور کے شاعران خاص اور ذوی القربیٰ حضور ﷺ کو اس نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ حضور کی ولادت سے پیشتر عرب میں یا کسی دیگر ملک میں جہاں زبان عربی متداول تھی کسی شخص کا نام احمد نہیں رکھا گیا۔ یعنی قدرت الٰہیہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی بشارت کو جو بحق نبی کریم ﷺ تھی۔ پونے چھ سو سال تک اس قدر محفوظ کیا کہ اس عرصہ میں کوئی بھی اس نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ اب اسی دلیل کی تذئیل میں ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد اسم ہمایوں وگرامی کا امت محمدیہ میں بطور تیمن و تبرک کس قدر زیادہ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ حضور کے بعد مِنْ بَعْدِیْ کی شرائط اٹھ چکی تھیں اور التباس کا مظنہ جاتا رہا تھا۔ اب صرف حصول یمن و برکت مقصد رہ گیا تھا، اس لیے قدرت الٰہیہ نے جیسا کہ نبی ﷺ کی ولادت سے پیشتر اس امر کی صیانت و حفاظت فرمائی تھی کہ مبشر اصلی اور موعودِ حقیقی کے سوا اور کوئی شخص بھی اس اسم سے برائے نام بھی موسوم نہ ہو۔ اس طرح رحمتِ ربانی کا اقتضا یہ ہوا کہ حضور کے بعد اس اسم سامی کی خوب اشاعت ہو اور ہر موسوم شخص گویا اپنے نام ہی سے یہ ثابت کرتا رہے کہ اس اسم کا مبشر دنیا میں آ چکا ہے اور بشارت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت دنیا پر آشکارا ہو چکی ہے۔

پس میں چاہتا ہوں کہ ایک فہرست ایسے علمائے محدثین و مفسرین و فقہا و علما و شاہان و امراء کی پیش کروں جو اسم احمد سے اسلام میں موسوم ہوئے تھے۔ اگر ایسے اسماء کا بالاستیعاب استقصا کیا جاتا تو ایک جلد درکار ہوتی مگر اس جگہ اسم مبارک احمد کے اعداد ۵۳ کے مطابق ۵۳ نام تحریر کیے جاتے ہیں:

ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہ (۹)

(۱) احمد بن محمد بن حنبل (ابوعبداللہ) امام اہل السنۃ والجماعۃ یکے از ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم

(۲) احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ الحافظ الکبیر ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) احمد بن شعیب بن علی بن سنان (ابوعبدالرحمٰن امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ)

(۴) احمد بن محمد بن ابراہیم النیشاپوری المفسر المشہور ابواسحٰق الثعلبی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق الاصبہانی (الحافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ)

(۶) احمد بن یحییٰ بن اسحاق الراوندی (ابوالحسین) رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷) احمد بن علی بن ثابت بن احمد الحافظ ابوبکر المعروف بالخطیب البغدادی۔

(۸) احمد بن محمد بن احمد محمد سلفۃ الاصبہانی (الحافظ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ)

(۹) احمد بن الحسین بن یحییٰ بن سعید الہمدانی ابوالفضل الحافظ معروف بدیع الزمانی رحمۃ اللہ علیہ

فقہائے محققین (۱۹)

(۱۰) احمد بن عمرو بن شریح (ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۱) احمد بن ابی احمد المعروف بابن القاص الطبری الفقیہ (ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۲) احمد بن عامر بن بشیر بن حامد المروزی القاضی ابوحامد رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۳) احمد بن محمد بن احمد المعروف بابن القطان ابوالبغدادی (ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۴) احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک الازدی الطحاوی (ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۵) احمد بن ابی طاہر محمد بن الاسفرائینی (الشیخ ابوحامد رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۶) احمد بن محمد بن جعفر ابوالحسین المعروف (قدوری رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۷) احمد بن محمد بن احمد بن القاسم الضبی المحاملی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۸) احمد بن ابی داؤد فرح بن جریر الایادی القاضی (ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۹) احمد بن محمد بن عبدالرحمان الہروی القاشانی (ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۰) احمد بن علی بن محمد الوکیل ابوالفتح المعروف ''بابن برہان رحمۃ اللہ علیہ''

(۲۱) احمد بن محمد بن المظفر الخوافی (ابوالمظفر رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۲) احمد بن موسیٰ بن یونس بن محمد الارملی (ابوالفضل شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۳) احمد بن محمد بن ابوالفضل المعروف بابن الخازن ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ

(۲۴) احمد بن فارس بن زکریا بن محمد الرازی (ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۵) احمد بن محمد الحسین رحمۃ اللہ علیہ ابوبکر ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲۶) احمد بن منیر بن احمد الطرابلسی (ابوالحسین مہذب الدین رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۷) احمد بن علی بن ابراہیم الغسانی الاسواتی (القاضی الرشید رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۸) احمد بن عبدالغنی بن احمد اللخمی المالکی (ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ)

عرفائے کاملین (۴)

(۲۹) احمد بن محمد بن احمد الطوسی الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (ابوالفتوح برادر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۰) احمد سرہندی الشیخ الامام المجدد الف ثانی، فاروقی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳۱) احمد المدعو بشاہ ولی اللہ المحدث بن شاہ عبدالرحیم الفقیہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۳۲) احمد بریلوی السید الامام المجاہد فی سبیل اللہ رحمۃ اللہ علیہ

وزراء وامراء (۶)

(۳۳) احمد بن محمد بن عبدالکریم بن سہل الکاتب ابوالعباس صاحب کتاب الخراج رحمۃ اللہ علیہ

(۳۴) احمد بن عبداللہ بن سلیمان التنوخی (ابوالعلاء المعری رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۵) احمد بن عبدالملک الاشجعی الاندلسی ذی الوزارتین الاعلی رحمۃ اللہ علیہ

(۳۶) احمد بن ہارون الرشید بن المہدی الہاشمی (ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۷) احمد بن طولون صاحب دیار مصریہ (ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۸) احمد بن المستنصر بن الظاہر (ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ)

شعراء وادباء (۱۳)

(۳۹) احمد بن الحسین بن الحسین بن عبدالصمد الجعفی الکوفی، ابوالطیب المتنبی۔

(۴۰) احمد بن محمد الدارمی المصیصی المعروف بالنامی (ابوالعباس)

(۴۱) احمد بن محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم طباطبا۔

(۴۲) احمد بن محمد الانطاکی (ابوحامد الشاعر)

(۴۳) احمد بن محمد بن العاصی بن محمد الاندلسی (ابوعمرو)

(۴۴) احمد بن جعفر بن موسیٰ برمکی الندیم۔

(۴۵) احمد بن عبداللہ بن احمد بن غالب المخزومی اندلسی القرطبی۔ (ابوالولید)

(۴۶) احمد بن محمد الخولانی الاندلسی المعروف بابن الآبار۔

(۴۷) احمد بن یوسف السلیکی (ابونصر)

(۴۸) احمد بن محمد بن علی الثعلبی الدمشقی (ابوعبداللہ)

(۴۹) احمد بن محمد بن احمد المیدانی النیشاپوری (ابوالفضل)

(۵۰) احمد بن عبداللہ بن احمد اللخمی القاسی (ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ)

(۵۱) احمد بن علی بن احمد بن الہی (ابوالعباس)

نحویّین (۲)

(۵۲) احمد بن محمد بن اسمٰعیل بن یونس المرادی المصری ابوجعفر۔

(۵۳) احمد بن بکر بن بقیۃ العبدی ابوطالب۔

یہاں تک جو کچھ مذکور ہوا، فضیلت خاتم النبیین ﷺ کا بیان مرسلین رب العالمین کے فضائل کے ساتھ ساتھ تھا مگر حضور ﷺ کی نعوت عالیہ اور محامد متکاثرہ ایسے بھی ہیں جن میں حضور ﷺ بالکل منفرد ہیں ان کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کی جلد سوم میں ہوگا۔

خاتمہ باب سے پیشتر اس جگہ ایک مختصر سا مضمون جو ایک آیت مبارکہ کے تحت میں لکھا گیا ہے درج کر دیتا ہوں۔ امید ہے کہ محبانِ صادق و متبعین مخلصین اسے بھی باب ہذا سے متناسب پائیں گے۔

اللہ جل وعلا نبی کریم ﷺ کو یوں مخاطب فرماتا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ ❶

شَاهِدًا

قرآن مجید میں نبی ﷺ کو شاہد بھی فرمایا گیا ہے اور شہید بھی مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو۔

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾ ❷

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾ ❸

﴿ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ ﴾ ❹

﴿ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ ❺

﴿ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ ❻

شہادت امر کے واقع کو بیان کرنا اور دوسرے شخص کو اپنے بیان کے ذریعے سے اس امر کا باور کرانا ہے۔

نبی ﷺ کی شہادت جسے حضور ﷺ نے ادا کیا اور جسے ادا فرما کر لوگوں کو تیقن کے درجہ تک پہنچایا۔ امور ذیل کے متعلق تھی۔

ہستی باری تعالیٰ، تقدیس ذات و تنزیہہ صفات، سلسلہ وحی، وجود نبوت، اعمال کا جزا و سزا سے تعلق، جزا و سزا کی حقیقت، وجود عالم معاد، عالم ارواح، علوم مابعد الطبیعہ۔

ان امور کو جس وضاحت اور کمال علم اور روشن دلائل اور براہین قاطعہ سے نبی ﷺ نے بیان فرمایا اور پھر اپنے گفتار و کردار سے اس صداقت کے تیقن کو ملحدوں اور دہریوں، منکروں اور مادہ پرستوں کے قلوب میں مستحکم فرمایا۔ یہ حضور ہی کا حصہ تھا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت الٰہیہ اور حکمت ربانیہ نے نبی ﷺ کو دنیا کے سامنے بطور اپنے گواہ کے پیش کیا ہے۔ یہ ایک قانونی حقیقت ہے کہ گواہوں کی قلت یا کثرت کسی معاملہ کے ثبوت و نفی پر ذرا موثر نہیں، بلکہ شہادت کو قوت دینے اور صداقت کے درجہ تک پہنچانے والی جو شے ہے۔ وہ شاہد کی ثقاہت، اعتبار اور راست بازی ہے۔

نبی ﷺ کی راست بازی اور اعتبار کی یہ حد تھی کہ جب کفار نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے کیونکر

---

❶ ۳۳/ الاحزاب: ۴۵، ۴۶۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب: ۴۵۔ ❸ ۴۸/ الفتح: ۸۔
❹ ۲۲/ الحج: ۷۸۔ ❺ ۲/ البقرۃ: ۱۴۳۔ ❻ ۴/ النساء: ۴۱۔

محمد ﷺ کو رسول اللہ تسلیم کر لیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہونٹ جھوٹ بولنے والے کے نہیں۔

ہرقل نے ابوسفیان کے جواب میں کہا تھا کہ جس شخص نے کبھی کسی مخلوق پر جھوٹ نہیں بولا۔ ناممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ ابوجہل جیسے الدّ الخصام نے کہا تھا کہ محمد ﷺ میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا مگر تیری تعلیم پر میرا دل ہی نہیں جمتا۔

صداقت اور اعتبار ہو تو ایسا ہو کہ خواہ کوئی شہادت کو قبول کرتا ہے یا نہیں، لیکن شہادت دہندہ کی ثقاہت کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکالتا یا بقول ابوسفیان نہیں نکال سکتا بلکہ ہر شخص دل میں سمجھ گیا ہے کہ اس کے خلاف لب کشائی کرنا اپنی ہنسی کرانا اور خود کو ذلیل کرنا ہے۔

حضور ﷺ نے اس شہادت کو دشت وجبل میں آشکار کیا۔ بیابان اور شہروں کے سمع اور قلب تک پہنچایا أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے نعرہ سے فضائے ارض وسماء کو بھر دیا اور سننے والوں کے دل ودماغ کو شک وانکار اور تذبذب وگمان کے ہوائے فاسد سے خالی کر دیا۔ اللہ اکبر! شاہد کس زبردست شہادت سے اٹھا ہے جس کے منہ سے نکلتے ہی وہی کلمہ شہادت ہر ایک کی زبان پر رواں ہے اور کیا عجمی، کیا عربی، کیا شرقی، کیا غربی ہر ایک اسی شہادت کا کلمہ خواں ہے۔ شاہد خاموش نہیں ہو جاتا جب تک ہزار در ہزار اور شمار در شمار بندوں کو ﴿ لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ [1] کے فرض پر آمادہ نہیں کر لیتا اور اسود و احمر اور عبید وملوک کو ﴿ كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ [2] کے وجوب امری کا پابند نہیں ٹھہرا دیتا۔ شاہد کی صداقت پر لاکھوں شاہد غیبی موجود ہو گئے ہیں، ملکوں اور قوموں، جزیروں اور وادیوں نے اس کی شہادت سے ایقان حاصل کر لیا ہے۔ تب شاہد اس داوری گاہ سے عزمِ رحلت فرماتا ہے اور چلتے وقت بھی ان سب کو یہ سنا دیتا ہے۔

أَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ قَالُوْا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ: بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَآءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ـ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ـ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ـ [3]

وہ پوچھتا ہے کہ لوگو، وہ قاضیٔ جہاں رب زمین وزماں جب دریافت فرمائے گا کہ میں نے اپنی شہادت کو کیوں کر ادا کیا؟ تو آپ کیا بتائیں گے۔ سب کے سب متفق اللفظ بول اٹھتے ہیں، جی حضور نے تو جتنا کچھ فرمانا تھا اسے خوب ہی فرمایا حضور نے تو تبلیغ وتفہیم کا حق ادا کر دیا حضور نے تو اپنی شہادت سے معاملہ کا کھوٹا کھرا پن الگ الگ کر کے دکھا دیا۔ شاہد آسمان کی جانب انگشت شہادت اٹھاتا پھر لوگوں کی طرف جھکاتا اور اپنے بھیجنے والے سے مخاطب ہو کر عرض کرتا ہے۔ الٰہی میری شہادت کو سن لے میری گواہی کا تو خود گواہ رہنا، ان لوگوں کے بیان کو محفوظ فرمالینا۔

ایسے شاہد پر دل وجان خود بخود قربان ہوتے ہیں، جو داوری گاہ عالم میں شہادت کے لیے اکیلا آیا اور لاکھوں لوگوں کو گواہ بنا گیا۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شاہد اور شہید فرما کر حضور کی بہترین خوبی سے دنیا کو آگاہ فرمایا ہے۔

---

[1] ٢/ البقرة: ١٤٣۔ [2] ٥/ المائدة: ٨۔

[3] مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: ٢٩٥٠

مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

تمام قرآن مجید پرنظر ڈال جایئے کسی نبی کی نسبت عَلَيْهِمْ وَعَلٰى نَبِيِّنَا الصَّلٰوةُ والسَّلامُ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ۔ دونوں لفظ وارد نہیں ہوئے۔ نبی ﷺ ہی کی شان میں مبشرّ منذر کے لفظ بھی ہیں اور بشیر ونذیر بھی اور چونکہ یہ فضیلت جامعیت نبی کریم ﷺ ہی کی ذات مبارک میں پائی گئی ہے۔ اس لیے یہ اوصاف حضور ﷺ کے علومرتبت نبوت کا اظہار کرنے میں خاص ہیں۔

بشارت کے متعلق دیکھئے کہ کہیں تو مومنین کو اس امر کی بشارت دی گئی ہے کہ

﴿ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴾ [1]

''مومنین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [2]

''ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی بشارت ہے اللہ کے فرمودہ میں تبدیلی نہیں ہے یہ بشارت برترین کامیابی ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ ﴾ [3]

''ان بندوں کو بشارت سنا دے جو بات سنتے ہیں اور سب سے اچھے طریقہ پر چلتے ہیں۔''

یہ سب روحانی اور اخلاقی بشارات ہیں اور انہی کے لیے مسلمانوں کو ابھارا اور تیار کیا گیا ہے۔

انذار کے معنی ڈرانا کے کیے جاتے ہیں، لیکن ڈرانا صحیح طور پر انذار کے مفہوم کو ادا نہیں کرسکتا بلکہ اس کے مفہوم کو الٹ دیتا ہے۔ انذار کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی کو اس کے ہونے والے نقصان سے آگاہ کردیا جائے۔

انبیا علیہم السلام اپنی اپنی امت کو ان کے افعالِ ناشائستہ کے عواقب بد سے آگاہ کیا کرتے تھے اور برے انجام اور برے نتیجہ کی خبر دیا کرتے تھے۔ یہ صفت دلسوزی و ہمدردی سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا ترسی اور رحم دلی سے ظہور پکڑتی، محبت نوع انسانی اور حُب جنس سے اشاعت پاتی ہے۔ نبی ﷺ کے مبارک حالات سے ان جملہ اوصاف کا بدرجہ کمال ہونا بخوبی ثابت ہے اور اسی لیے راہ گم کردہ قوم کو غلط راستہ کی کجی اور اس کے خطرات سے آگاہ کرتے رہنا حضور ﷺ کا خاصہ فطرت ہوگیا تھا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ تم جلتی آگ کی خندقوں میں منہ کے بل پروانہ وار گر رہے ہو اور میں کمر سے پکڑ پکڑ کر تم کو خندق سے پیچھے ہٹا رہا ہوں۔ [4]

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ٤٧۔ [2] ۱۰/ یونس: ٦٤۔ [3] ۳۹/ الزمر: ۱۸۔

[4] بخاري، كتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصي، حديث: ٦٤٨٣۔

دَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهٖ

نبی ﷺ نے دعوت الی اللہ کو جس سرگرمی سے شروع کیا اور جس کامیابی تک پہنچایا وہ حضور ﷺ ہی کا حصہ ہے۔

(الف) اس پہاڑی کے وعظ کو دیکھو جس پر سے یَا اٰلَ فِهْرٍ وَيَا اٰلَ غَالِبٍ کی آواز سے عرب کو حضور ﷺ نے بلایا تھا۔

(ب) اس خلوت کدہ کا خیال کرو، جہاں مکہ سے دور دامنِ کوہ کے سایہ میں ارقم بن ابوارقم کے گھر کے اندر خفیہ تعلیم دی جاتی تھی۔

(ج) کوہِ طائف کا واقعہ یاد کرو، جہاں حضور کا خون جسم سے بہہ رہا تھا، جوتے میں جم رہا تھا اور زبان پر دعوت الی اللہ کا وعظ جاری تھا۔

(د) عکاظ کے بڑے سالانہ میلے پر نظر ڈالو، جہاں نبی ﷺ يٰأَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا [1] کا نعرہ لگا رہے ہیں اور سنگ دل ابولہب حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے جا رہا اور حضور ﷺ کو دیوانہ بتا رہا ہے۔

(ھ) مکہ سے باہر پہاڑیوں کی گھاٹی عقبہ کا تصور کرو۔ تاریکی چھا گئی ہے بے پناہ مسافر اس پرخطر مقام پر ٹھہرنا نہیں چاہتا ہے، مگر راستہ کی صعوبت اور خطرات راہ کے تصور نے یثرب کے قافلہ کو اسی جگہ ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ نور عالم ﷺ اسی تاریکی میں یکہ و تنہا اس لیے گام فرسا ہیں کہ شاید کسی ایک نفس ہی کے کان میں اپنی دعوت کی آواز پہنچا سکیں۔

(و) کوہِ تنعیم کے دامن تک نظر کو بڑھاؤ چالاک دشمن نے حضور کو بے یار و مددگار اور آرام میں دیکھ کر حضور ﷺ کی تلوار پر قبضہ کر لیا ہے۔ حضور ﷺ کو گستاخانہ لہجہ اور متکبرانہ انداز سے جگایا ہے۔ حضور ﷺ دیکھتے ہیں کہ دشمن سر باختہ ایک تیغ آختہ کے ساتھ کھڑا ہے اور پوچھتا ہے کہ اب تم کو کون بچائے گا۔ حضور ﷺ اس وقت بھی دعوت الی اللہ کے فرض کو فراموش نہیں کرتے، اسے وہی مبارک نام سناتے ہیں، جو غافل انسان کے زنگ آلود دل کا حجاب اٹھا دیتا جو قلب مردہ کو حیات تازہ عطا کرتا ہے۔

(ز) راہ ہجرت کی سیر کرو، سینکڑوں میل کا سفر درپیش ہے۔ خشک پہاڑیوں اور بے آب و گیاہ میدانوں سے دو اونٹ گزر رہے ہیں جنہوں نے راہ میں کہیں آرام نہیں لیا ہے، حضور کے ہمرکاب دو مخلص اور ایک وفادار ہے کینہ دوز دشمن کے تعاقب کا ہر لحظہ خطرہ لگا ہوا ہے۔ یہی اندیشہ رہواروں اور راہ رووں کو تیز گامی سے لیے جا رہا ہے۔ پھر بھی نبی ﷺ دعوت الی اللہ کے فرض کو نہیں بھول گئے ہیں۔ ام معبد الخزاعیہ، سراقہ بن مالک المدلجی اور بریدہ بن الحصیب اسلمی اور اس کے ستر ساتھی وغیرہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس خشک بیابان ہی میں آب حیات پیا اور چشمہ زندگی حاصل کیا ہے۔

(ح) آٹھ یوم کی شبا روزی تگاپو کے بعد اللہ کا رسول ﷺ قبا پہنچ گیا ہے۔ صبر آزما سفر نے بے زبان حیوانوں کو بھی تھکا دیا ہے۔ مگر حضور ﷺ اس دعوت الی اللہ کے شوق کی تعمیل میں دوسرے ہی دن ایک مسجد کے قیام کا اہتمام فرما رہے ہیں جہاں سے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کی صدا ہر صبح و مساء پہاڑیوں سے ٹکراتی، غافلوں کو جگاتی، شائقوں کو بلاتی، آج تک اس داعی کی پکار کو تازہ کر رہی ہے۔

---

[1] مسند احمد: ۴۹۲/۳، حدیث: ۱۵۹٦۵

(ط) حضور ﷺ قبا سے مدینہ کو جاتے ہیں۔ اہل مدینہ زن و مرد، پیر و جوان، یہود و نصاریٰ، صابی و تر سا بھی اہل ایمان کی طرح ہمہ راہ چشم اور ہمہ تن شوق بن رہے ہیں۔ راہ ہی میں نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا رسول ﷺ اسی جگہ دعوت الی اللہ کے لیے ٹھہر جاتا ہے بنی سلیم کے قلوب سلیم کو تقویٰ کے رنگ سے رنگین بناتا۔ رضوانِ ربانیہ کی نوید سے شاد کام فرماتا ہے۔

(ی) مدینہ میں بنو اشہل اور بنو غفار، اوس و خزرج کا ہر شخص دل و دیدہ کو حضور ﷺ کے فرش راہ بنائے بابی و امی، بابی وامی عرض کر رہا ہے، مگر حضور ﷺ دعوت الی اللہ کے لیے ابن سلول کے پاس جاتے۔ کوچہ میں صاف زمین پر اس کے قریب جا بیٹھتے ہیں وہ ناک چڑھاتا، تیوری پر تیوری ڈال کر رومال کو منہ پر رکھ لیتا ہے اور زبان سے کہتا ہے۔ محمد ﷺ تم نے گرد سے اور تمہاری سواری نے اپنی بو سے میرے دماغ کو پریشان کر دیا۔

نبی کریم ﷺ ہنس پڑتے ہیں اور آیات قرآنیہ کی تبلیغ فرما کر دعوت الی اللہ کا اتمام فرماتے ہیں۔

(ک) ربیع بنت معوذ ایک شب کی بیاہی ہوئی دلہن کے پاس تشریف لے جاتے اور اسے دعوت الی اللہ فرماتے ہیں۔ وہاں انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو حربیہ اشعار فخریہ لہجہ میں پڑھتے ہوئے سنتے ہیں تو ان کو بھی عقائد صحیحہ کی تلقین فرماتے ہیں۔

(ل) سسکتی ہوئی جان توڑتی ہوئی نواسی کو گود میں لیتے ہیں۔ اس وقت بھی دعوت الی اللہ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اکلوتے بچے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی لاش پر بیٹھتے ہیں، اس وقت بھی حاضرین کو سخط (غصہ) اور رضائے الٰہیہ کے معانی سمجھاتے، استقامت کا نمونہ دکھاتے ہیں۔

(م) آخری مرض ہے۔ گیارہ دن کے تپ شدید اور دردِ سر میں ذرا تخفیف ہوئی ہے۔ ضعف اس قدر ہے کہ پاؤں کے بل کھڑا نہیں ہوا جاتا، مگر دعوت الی اللہ میں وہی سرگرمی ہے سر پر پٹی باندھے ہوئے عباس و علی رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر سہارا دیئے ہوئے مسجد میں تشریف لاتے ہیں، منبر پر نہ کھڑا ہوا جاتا ہے اور نہ چڑھا جاتا ہے اس کے زیریں زینہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور نصیحت بالغہ و مواعظ مودعہ سے دعوت الی اللہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔

(ن) آخری دن ہے، سفرِ آخرت میں صرف پانچ گھنٹہ کا وقفہ رہ گیا ہے۔ مسلمان صبح کی نماز کے لیے مسجد میں جمع ہیں، نبی ﷺ ضعف اور شدت دردِ سر کی وجہ سے اپنے بستر پر جسے کھجوروں کے پتھوں سے نرم بنایا گیا ہے لیٹے ہیں۔ دعوت الی اللہ کا فرض پھر حضور ﷺ کے قلب پاک میں تازہ حرارت پیدا کرتا ہے۔ مسجد اور حجرہ مبارک کے درمیان جو پردہ پڑا ہوا تھا، اسے ہٹاتے ہیں، تھوڑی دیر تک تبسم کے ساتھ اس نظارہ کا ملاحظہ فرماتے ہیں، جو ایک اللہ کی عبادت کے لیے سیکڑوں مسلمانوں کے یک دل و یک جہت و یک آواز ہونے سے پیدا ہو گیا تھا اب پھر زمین پر گھسٹتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور اس بڑے مجمع کے سامنے پھر آخری دفعہ دعوت الی اللہ کی نورانی مثال قائم فرماتے ہیں۔

(س) آخری گھڑی ہے بیوی، بیٹی، نواسے اس تنگ حجرہ میں جمع ہیں، جس کے اندر دس سے زیادہ اشخاص کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ اس وقت بھی دعوت الی اللہ اور ترحم بر عباد اللہ کی تعلیم زبان پر ہے: الصلوۃ الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم نماز، نماز اور لونڈی غلام کے حقوق۔ [1]

---

[1] ابن ماجة، كتاب الوصايا، باب هل أوصى رسول الله ﷺ، حديث: ٢٦٩٧۔

(ع) آخری سانس ہے دیدۂ حق بین کو آسمان کی جانب بلند کیا ہے۔ اُس پاک نام کا اعلان فرماتے ہوئے جس کی دعوت عمر بھر دیتے رہے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْأَعْلٰی کہتے ہوئے چشم حق بین کو فانی نظاروں سے بند کر لیا ہے۔ ❶

ہم کو تاریخ بشر ایسا نمونہ دکھانے سے قاصر ہے، جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دعوت الی اللہ ہی میں پورا ہوا ہو اس لیے دَاعِیًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهٖ کا خطاب نبی ﷺ ہی کی ذات مبارک سے خاص معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے خداوند کریم نے حضور ﷺ کو اس صفت سے معرف فرمایا ہے۔

سِرَاجًا مُّنِیْرًا

سورۂ فرقان اور سورۂ نوح میں آفتاب کو سِراجا اور سورۂ نبأ میں سِرَاجًا وَّ هَّاجًا فرمایا ہے۔ مگر سِرَاجًا مُّنِيْرًا ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ذات پاک نبوی ﷺ کے سوا اور کسی کے لیے نہیں فرمایا گیا۔

نظام شمسی میں آفتاب کا بہت بڑا درجہ ہے کیونکہ اس نظام ھذا کے جملہ سیارگان کا قبلۂ اعظم جس کا طواف ان اجرام پر لازم ہے، یہی نیرّ اکبر ہے۔

عالم کون وفساد میں بھی آفتاب کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اس کی حرارت کا نور ہر ایک شے کے وجود اور قیام پر گہرا اثر رکھتا ہے ہاں عالمِ مادی کا آفتاب ایسا ہی ہے۔

اب خداوند کریم عالم روحانی کے نیر اعظم کو ❷ اپنے نور میں دکھاتا ہے اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو سراجاً منیراً کے خطاب سے روشناس عالم فرماتا ہے سچ ہے جملہ سیارگان سمائے نبوت کا مدارِ اعظم بھی ہیں۔ عالم شریعت کی بقائے دوام کی علت اولیٰ بھی (صَلَّى اللهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ)

آفتاب رات کی تاریکی کو دور کرتا ہے اور سراج منیر نے ظلمت کفر وشرک کو محو کر دیا ہے آفتاب کی روشنی سب تاروں پر چھا جاتی انہیں چھپا لیتی ہے۔ سراج منیر کی شریعت بھی تمام شریعتوں کی مہیمن ثابت ہوئی ہے آفتاب کی روشنی جرائم کا ارتکاب روک دیتی ہے۔ سراج منیر کے نور نے بھی معاصی کو بند کر دیا ہے۔

آفتاب ایک وقت میں کرہ ارض کے ایک ہی پہلو کو روشن کر سکتا ہے لیکن اس سراج منیر نے وقت واحد میں جاہلیت کی ظلمت و جہالت کی تاریکی، کفر وشرک کی سیاہی۔ رسوم کے اندھیر، رواج کی گھٹا، تقلید کی تیرگی کو اپنی نورانی شعاعوں سے اٹھا کر دلوں کو نور ایمان سے دماغوں کو عقائد صحیحہ کے لمحات سے، آنکھوں کو کتاب مبین کے مطالعہ سے، خلا کو نورانی تعلیم سے دھندلے تذبذب کو دلائل ساطعہ سے، تاریک ظنوں کو براہین مبینہ سے روشن فرما دیا۔ اس روشنی میں ہر ایک نے حقیقتِ اشیاء کو دیکھا اور ہر ایک کی نگاہ خود اپنے آپ کو دیکھ سکنے کے قابل ہوئی۔ وہ جو انسانیت کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے تھے اب خود أَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمِ اقْتَدَيْتُمْ، اِهْتَدَيْتُمْ ثابت ہوئے۔ وہ جو عمایت سے راہ وراہنما گم کردہ تھے۔ اب خود خضر راہ بنے۔ ❸

---

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب آخر ما تکلم به النبی ﷺ، حدیث: ٤٤٦٣۔ ❷ قرآن مجید کا نام نور بھی ہے۔

❸ جامع بیان العلم لابن عبدالبر؛ سلسلة الضعيفة، حديث: ٥٨۔

بعض شپرؔ چشم آفتاب کی روشنی میں چندھیا جاتے ہیں اور بعض بوم طبع رات کی تاریکی ہی میں پروبال کھولتے ہیں۔ یہی حال ان تیرہ درونوں کا ہے، جو انوار محمدی کی تاب نہیں لا سکتے اور ضوئے رسالت سے مستنیر نہیں ہوتے۔ مومنین کو تو اس سراج ربانی پر پروانہ وار نثار ہونا ضروری ہے۔

باب ششم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ [1]

اس آیت مبارکہ کو زیب عنوان کرتے ہی مجھے خیال آیا۔ قرآن مجید دیکھنا چاہیے کہ ''لِّلْعَالَمِیْنَ'' کا لفظ کن کن اشیاء یا شخص کے متعلق آیا ہے؟ مجھے مندرجہ ذیل آیات میں یہ لفظ ملا:

۱: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [2]

۲: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [3]

۳: ﴿ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [4]

٤: ﴿ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [5]

٥: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [6]

٦: ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [7]

۷: ﴿ وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [8]

۸: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۝ ﴾ [9]

آیات بالا پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۱ نمبر ۲ نمبر ۳ میں قرآن مجید کو ذکر للعالمین فرمایا گیا ہے اس میں کلام نہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو جملہ عالمین کے لیے ''ذکر'' ہے۔

نبی ﷺ کا اسم مبارک تو اس مصدر کے ساتھ مذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ۝ ﴾ [10]

آیت نمبر ۴ اور نمبر ۵ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ برکت استعمال کیا ہے آیت نمبر ۴ بیت الحرام کے لیے مسلمان ان دونوں مسجدوں کو اسی ادب واحترام کا مستحق سمجھتے ہیں جو کلام الٰہی میں ان کے لیے ظاہر فرمائے گئے ہیں اور چونکہ لفظ برکت ہر دو کے لیے مشترک ہے اور لفظ ھدیٰ بیت الحرام کے لیے خاص اور زائد ہے اس لیے بیت الحرام کا درجہ بیت المقدس سے زیادہ تسلیم شدہ ہے۔ آیات نمبر ٦، ۷، ۸ میں لفظ آیت کا استعمال ہوا ہے اور اس کا مصداق ان مختلف آیات میں متعدد ہے۔

آیت نمبر ٦ میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو یا اہل کشتی کو آیت فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۷ میں حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے فرزند کو آیت بتایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۸ میں نوع انسانی کی مختلف زبانوں اور متلون رنگتوں کے اختلاف کو آیت بیان کیا گیا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ

---

[1] ۲۱/ الانبیاء:۱۰۷۔ [2] ٦/ الانعام:۹۰۔ [3] ۱۲/ یوسف:۱۰٤؛ ۳۸/ صٓ:۸۷۔ [4] ٦۸/ القلم:٥۲۔
[5] ۲۱/ الانبیاء:۷۱۔ [6] ۳/ آل عمران:۹٦۔ [7] ۲۹/ العنکبوت:۱٥۔ [8] ۲۱/ الانبیاء:۹۱۔
[9] ۳۰/ الروم:۲۲۔ [10] ۸۸/ الغاشیة:۲۱۔

﴿ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ❶ ''صرف قرآن مجید ہے۔''

﴿ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''بیت المقدس و بیت الحرام ہیں۔''

﴿ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴾ ❷ ''اصحابِ نوح اور کشتی نوح اور حضرت مریم وحضرت ابن مریم اور اقوام عالم کا اختلاف الوان اور تباین السنہ ہیں۔''

اور لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ہی نبی ﷺ کے لیے ہوا حضور کے سوا کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ ❸

''میری رحمت ہر ایک شے سے زیادہ وسیع ہے۔''

پس جب نبی ﷺ کو جملہ عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لیے ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رحمۃ للعالمین وہی وجود مزکی ٹھہرے گا۔

جس نے اہل عالم، بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود، رفاہ و فلاح، خیر و صلاح، عروج و ارتقا، صفا و بہا کے لیے بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزشِ طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا ہو۔

جس نے بندوں کو اللہ سے ملایا ہو۔

جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو۔ جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست، طبع کو ہموار بنایا ہو۔

جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو۔

جو غریبی و امیری، جوانی و پیری، امن اور جنگ، امید اور ترنگ، گدائی و بادشاہی، مستی و پارسائی، رنج و راحت، حزن و مسرت کے ہر درجہ ہر پایہ و ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو۔

جس نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سورج کی چمک، جگنو کی دمک، ذرہ کی پرواز، قطرہ کی طراوت میں عرفان ربانی کی سیر کرائی ہو۔

جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہاں بانی، غلاموں کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔

جس نے خشک میدانوں میں علم و معرفت کے دریا بہائے ہوں۔

جس نے سنگلاخ زمینوں سے کتاب وحکمت کے چشمے چلائے ہوں۔

جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا دردمند بنایا ہو۔

جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا ہو۔

---

❶ ۳۸/ صٓ:۸۷۔ ❷ ۳۰/ الروم:۲۲۔ ❸ ۷/ الاعراف:۱۵۶۔

وہ غریب کا محب	مسکین کا ساتھی
شاہوں کا تاج	آقاؤں کا آقا
غلاموں کا محسن	تیموں کا سہارا
بے آسروں کا آسرا	بے خانماؤں کا ماویٰ
دردمندوں کی دوا	چارہ گروں کا دردمند
مساوات کا حامی	اخوت کا بانی
محبت کا جوہری	اخلاص کا مشتری
صدق کا منبع	صبر کا معدن
خاکساری کا نمونہ	رحمت ربانی کا پتلا
اولین انسان	آخرین رسول ﷺ

اگر رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا؟

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری۔ اقوام کی بیگانگی۔ رنگوں کا اختلاف زبانوں کا تباین (ایک دوسرے کا ضد ہونا) دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ، سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور، سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو یہودیوں کی طرح نذر و منت کی قبولیت کے واسطے نبی لاوی کا واسطہ ضروری نہیں ٹھہراتا۔

جو کاتھولکوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا۔

جو روح کو سرگ یا نرگ میں دھکیل دینے کی طاقت صرف برہمنوں ہی کو عطا نہیں کرتا۔

جو خاص رقبہ کے باشندوں کو آسمانی بادشاہت کے فرزند نہیں ٹھہراتا۔

جو نسل واحد کے افراد ہی کو اللہ کی برگزیدہ قوم نہیں قرار دیتا۔

جو یہودیوں، عیسائیوں، زردشتیوں، برہمنوں، جینیوں اور لاماؤں کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت و افضال کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو بندہ کو اللہ کی حضوری تک لے جاتا ہے اور اسے اُدْعُوْنِیْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ [1] کی قدسی آواز سے آشنا بناتا ہے اور اللہ و بندہ کے درمیان کسی تیسرے کے لیے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑتا۔ ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جس کے دربار میں:

عداس نینوائی	بلال حبشی	سلمان فارسی
صہیب رومی	ضماد ازدی	طفیل دوسی
ذوالکلاع حمیری	عدی طائی	ثمامہ نجدی

[1] ٤٠/ المؤمن: ٦٠۔

ابوسفیان اموی | ابوذر غفاری | ابوعامر اشعری
کرز فہری | ابوحارث مصطلقی | سراقہ مُدلجی

پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے ہیں، اتنی قوموں اور اتنے مختلف الدعاوی سرداروں کا مجمع کسی اور جگہ بھی نظر آتا ہے؟ یہاں ہر شخص اپنے اپنے ملک اور اپنی قوم کا حق وکالت ادا کر رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے دامانِ دل کی وسعت کے موافق پھولوں سے جھولیاں بھر رہا ہے اور اپنے اپنے ملک کے مشامِ جان کو ان سے معطر کر رہا ہے۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جس کے دربار میں عثمان بن طلحہ بھی موجود ہے جو کعبہ کا کلید بردار ہونے سے حجازی قوموں میں اسی اعزاز کا مالک سمجھا جاتا تھا جو عزت کلیسائے روما کے مسند نشیں کو آسمان کے کلید بردار ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔

اس کے دربار میں عبداللہ بن سلام بھی موجود ہے۔ نسب عالی کے سلسلہ کو دیکھو تو یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ قومی وجاہت پر نظر کرو تو یہود ان بنوقریظہ و بنوقینقاع و بنونضیر و خیبر و فدک کا بچہ بچہ انہیں خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا [1] کہہ کر یاد کرتا ہے۔ فضیلتِ علمی اور امامت قوم کی بزرگی کا اندازہ کرنا ہو تو سن لو کہ ربیون اور احبار تک سیدنا و ابن سیدنا کہہ کر ان کو مخاطب کرتے ہیں۔ یہی بزرگوار دربار محمدی کے صفِ نعال میں جاگزیں ہیں اور دل ہی دل میں یہ کہہ کر خوش ہو رہے ہیں۔ ع

تیری مجلس میں جہاں بیٹھ گئے، بیٹھ گئے

اسی دربار میں صرر بن انس بھی حاضر ہے۔ صحفِ انبیا کا عالم ہے۔ سوریا اور یروشلم کے متواتر سفر کر چکا ہے۔ توراۃ اور انجیل کو قدیم زبانوں میں پڑھا ہے۔ دربار ہرقل میں اس کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے اور دربار حبش میں اس کی کرامتوں کا خوب چرچا ہے۔ عیسائیان حجاز کا گویا سب سے بڑا بشپ یہی ہے۔ اب وہی ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ [2] کو بار بار پڑھ رہا ہے۔ اور توحید خالص کی لذت میں مستغرق ہے۔

اسی دربار میں سلمان بھی موجود ہے۔ فارس کے بڑے زمیندار کا اکلوتا بیٹا ہے جو زرتشتی مذہب چھوڑ کر کاتھولیکی عیسائی بنا، پھر اطمینان قلب نہ پا کر دینِ حقہ کی طلب میں ایران سے شام، شام سے عراق، عراق سے حجاز پہنچا تھا۔ اب تو دل و جان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کا فرش بنا چکا ہے۔ کوئی شخص اگر ان سے باپ دادا کا نام پوچھتا ہے تو فرما دیتے ہیں۔ سلمان بن اسلام بن اسلام بن اسلام سبعین مرۃ، (اسی طرح ستر بار کہتے چلے جاؤ)

اسی دربار میں خالد بن ولید بھی حاضر ہے۔ بت پرستی کی تائید اور بتوں کی حمایت میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا چکا ہے۔ احد میں اسلامی لشکر کو فاش شکست دے چکا ہے۔ نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ فتح کا غرور اور غلبہ کا سرور اس کے ازدیادِ غفلت اور ترقی رعونت کا سبب بن جائے۔ لیکن رحمت عالم کی خاکساری نے اس فاتح کے دل کو بھی فتح کر لیا ہے، وہ خود ہی کھچا کھچا آتا ہے اور لات و عزیٰ کے توڑنے کی خدمت حاصل کرنے کی التجا کر رہا ہے۔

اسی دربار میں شاہِ حبش کا عریضہ پیش ہو رہا ہے، جو سلطنت چھوڑنے اور حاضر خدمت ہو جانے کی اجازت کا خواست گار ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب رقم ٥١، حدیث: ٣٩٣٨۔ [2] ٥/ المائدۃ:٧٥۔

اسی دربار میں ذوالبجادین موجود ہے جو گھر بار اہل وعیال چھوڑ کر آیا ہے۔ کمبل کا تہہ بند، کمبل کا کرتہ جس پر ببول کے کانٹوں سے بخیہ گری کی ہے۔ زیب تن ہے۔ فرطِ شوق اور جوش انبساط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آج شاہ کج کلاہ سے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو یہودیوں جیسی مخذول ومقہور قوم کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے:

الف: إِنَّ يَهُوْدَ بَنِيْ عَوْفٍ أُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

''یہود بھی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھی جائے گی۔''

ب: وَإِنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ حَارَبَ۔

''جو کوئی ان سے لڑے مسلمان ان کو مدد دیں گے۔''

ج: وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النُّصْحَ وَالنَّصِيْحَةَ وَالْبِرَّ دُوْنَ الْإِثْمِ۔

''مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خیر اندیشی نفع رسانی نیکی کے ہوں گے۔''

د: وَأَنَّ بِطَانَةَ يَهُوْدَ كَأَنْفُسِهِمْ۔

''یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں اس کے ساتھ شامل ہیں۔''

ہ: وَإِنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُوْمِ۔ [1]

''مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔''

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو خراج گزار اور مفتوح عیسائیوں کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے۔

۱: لِنَجْرَانَ جَوَارُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَعَشِيْرَتِهِمْ وَتَبَعِهِمْ۔ ''اہل نجران کو اللہ کی حفاظت اور محمد رسول اللہ کی ذمہ داری حاصل ہو گی ان کی جان اور مذہب اور ملک اور اموال کے متعلق تمام موجودہ اشخاص اور غیر موجودہ اور ان کی قوم اور انکے پیرو اسی ذمہ داری میں شامل ہوں گے۔''

۲: وَأَنْ لَّا يُغَيِّرُوْا لِمَا كَانُوْا عَلَيْهِ۔ ''ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی۔''

۳: وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِهِمْ۔ ''ان کے حقوق میں سے کوئی حق بدلا نہ جائے گا۔'' اور جو کچھ تھوڑا

٤: وَلَا يُغَيَّرُ كُلَّ مَا تَحْتَ أَيْدِيْهِمْ مِنْ قَلِيْلٍ أَوْكَثِيْرٍ۔ [2] بہت ان کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔''

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو کافروں کو بھی باآوازِ بلند سناتا ہے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [3] ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''

---

[1] سیرت ابن ہشام: ۱/ ۵۰۳ کتابہ ﷺ بین المهاجرين والأنصار وموادعة يهود۔

[2] فتوح البلدان بلاذری۔ [3] ۱۰۹/ الکفرون: ٦۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو دین اور مذہب کے متعلق کل دنیا کو یہ اصول سکھاتا ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ ❶ ''دین کے معاملہ میں کسی پر بوجھ نہیں ہے تحقیق ہدایت اور گمراہی میں ظاہر و باہر امتیاز ہو گیا ہے۔''

پھر اسی سلسلہ میں اپنی حیثیت کو کھلے لفظوں میں ظاہر کرتا ہے:

﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ﴾ ❷ ''رسول کا کام لوگوں کو احکام الٰہی کا سنا دینا ہے اور بس۔''

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو تمام عالم سے نیکی اور عمدہ سلوک کی تعلیم اس طرح دیتا ہے:

﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ ❸ ''اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ، جنہوں نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ نیکی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کے طریق کی اس طرح تعلیم دیتا ہے:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ ﴾ ❹ ''بدی کا بدلہ نیکی سے دو۔ پھر جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے وہ تمہارا گرم جوش حامی بن جائے گا۔''

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو اخوت و محبت کا نام نعمتِ الٰہی رکھتا ہے اور کہتا ہے:

﴿ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ ❺ ''تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے ہو۔''

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو معاملات انصاف میں عداوت و نصرت کے تاثرات سے ہم کو علیحدہ رہنے کا حکم دیتا ہے اور خالص انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ❻

''کسی قوم سے مخالفت کا ہونا تمہیں انصاف نہ کرنے کی طرف کھینچ نہ لے جائے، انصاف ہی کرو، یہی اللہ شناسی سے قریب تر ہے اور تقویٰ اختیار کرو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے۔''

فرمایا:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا

❶ ٢/ البقرة:٢٥٦۔ ❷ ٢٤/ النور:٥٤۔ ❸ ٦٠/ الممتحنة:٨۔
❹ ٣/ آل عمران:١٠٣۔ ❺ ٤١/ حٰمٓ السجدة:٣٤۔ ❻ ٥/ المائدة:٨۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ❶

''قوم کی یہ مخالفت کہ انہوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تھا۔ تم کو ادھر نہ لے جائے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو، تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ان کی مدد کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں ان کا ساتھ نہ دو، اللہ سے ڈرتے رہو۔''

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو شہادت واقعہ کے لیے لوگوں کو اس طرح تیار کرتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ❷

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور انصاف کے ساتھ شہادت دیا کرو۔''

انصاف کا وجود شہادت ہی پر قائم ہے اس لیے شہادت کی بابت پھر ان الفاظ میں تعلیم دی گئی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ﴾ ❸

''اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ قیام کرنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ تمہاری گواہی خود تمہارے والدین کے خلاف یا اقرباء کے خلاف ہو۔ امیر ہو یا غریب کہ رعایت یا رحم کے خیالات تمہیں آتے ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ اللہ ان دونوں سے بڑھ کر ہے دیکھو ایسا نہ کرنا کہ سچی شہادت سے عدولی کرو یا دبی زبان سے کوئی بات نہ کہو یا گواہی سے ٹل ہی جاؤ یہ باتیں تو خواہش نفس پر چلنے کی ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے۔''

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے، جو ہر انسان کو اس کی بیوی کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ❹

''اللہ کے نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری بیویوں کو تمہاری جنس کا بنا دیا، تا کہ تم ان سے تسلی پاؤ پھر تمہارے درمیان محبت اور پیار قائم کر دیا سوچنے والوں کے لیے اس کے اندر بہت سے نشان ہیں۔''

رحمۃ للعالمین وہی ہے، جس نے شوہر بیوی کے رشتہ کو اتنا پاک ٹھہرایا کہ بہشت میں جاتے وقت بھی اس جوڑے کو ایک دوسرے سے الگ نہ کیا، بلکہ یوں خبر دی:

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ ﴾ ❺

''تم اور تمہاری بیویاں، شادی ونشاط اور نعمت وشادمانی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔''

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو شوہر اور بیوی کے حقوق کی بابت یہ فیصلہ سناتا ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ ﴾ ❻

---

❶ ٥/ المائدة:٢۔ ❷ ٥/ المائدة:٨۔ ❸ ٤/ النساء:١٣٥۔
❹ ٣٠/ الروم:٢١۔ ❺ ٤٣/ الزخرف:٧٠۔ ❻ ٢/ البقرة:٢٢٨۔

''عورتوں کے حق شوہروں پر ویسے ہی ہیں جیسے شوہروں کے حق عورتوں پر۔''

پھر سینارٹی (فوقیت) کے متعلق یہ تعلیم فرماتا ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ ❶

''مرد غالب ہیں عورتوں پر بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے (پیدائش سے) ایک کو دوسرے پر دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر صرف کرتے ہیں۔''

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو ایک انسان کی جان کی قدر و قیمت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے:

﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ ❷

''اگر کسی شخص نے ایک انسان کو بھی قتل کر دیا (واجب القصاص اور مجرم اس سے الگ ہیں) گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔''

رحمۃ للعالمین وہ ہے، جو خونخوار لڑائیوں کو بند کرتا، حکمرانی کی آرزو یا توسیع ملک کی تمنا یا غلبہ قوت کے اظہار یا جوش انتقام کے دفور کے اصول پر لڑائی کرنے کو قطعاً ممنوع ٹھہراتا ہے، وہ جنگ کو صرف مظلوم کی امداد کا آخری ذریعہ، عاجزوں، درماندوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑانے کا وسیلہ، مذاہب مختلفہ اور ادیان متعددہ میں عدل و توازن قائم کرنے کا آخری حیلہ بتاتا ہے۔ دنیا کا رحمدل سے رحمدل شخص بھی ان اصولوں کے لیے لڑائی کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا اور معمولی سمجھ کا انسان بھی ایسی لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں ذرا تامل نہیں کر سکتا، اب اصولِ ہائے بالا پر رحمۃ للعالمین کے بتائے ہوئے احکام کو سنو۔

۱: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ ❸

''جن مسلمانوں سے قتال ہوا، انکو جنگ کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم تھے اور اللہ ان کی نصرت پر قدرت رکھتا ہے یہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بلا کسی وجہ کے نکالے گئے ہیں صرف اس لیے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا ہے اگر اللہ تعالیٰ (یہ اجازت دے کر) بعض لوگوں (دشمنوں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں) کے ذریعہ سے روک نہ دیتا تب عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے معابد پارسیوں کے مندر مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا بہت نام لیا جاتا ہے ضرور گرائی جاتیں۔''

۲: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ﴾ ❹

''تم اللہ کی راہ میں اور ضعیف مردوں اور عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کے لیے کیوں جنگ نہیں کرتے، حالانکہ وہ دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے بڑے ظالم ہیں۔''

❶ ٤/ النساء:٣٤۔ ❷ ٥/ المائدة:٣٢۔ ❸ ٢٢/ الحج:٣٩، ٤٠۔ ❹ ٤/ النساء:٧٥۔

ان احکام سے واضح ہے کہ اسلام میں جنگ کو اختیار کیا گیا ہے، تو نہ ملک گیری کے لیے نہ ہوس حکمرانی کے لیے بلکہ ضعیفوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے پنجہ سے رہائی دینے کے لیے جنگ کو اختیار کیا گیا تھا، نہ تلوار کا خوف دلا کر کلمہ اسلام پڑھوانے کے لیے، بلکہ یہودیوں، عیسائیوں، ترساؤں کے معابد کو حفاظت وحمایت میں مثلِ مساجد لے کر ان کو انہدام سے بچانے کے لیے۔

کیا کسی اور مذہب کی پاک ترین کتاب سے بھی یہ بیان مل سکتا ہے کہ ادیانِ مختلفہ کے بچاؤ اور ان کی عبادت گاہوں کے قیام کے واسطے کسی قوم نے جنگ کی ہو، اگر نہیں اور ہم کو وثوق کے ساتھ یقین ہے کہ ہرگز نہیں تو سب کو اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ رحمۃ للعالمین ہی کی رحمت قلبی کا نتیجہ ہے کہ جنگ کا مقصد ایسا مقدس بنایا جس سے آج دنیا کا کوئی مذہب انکار نہیں کر سکتا۔

ایسی ضروری جنگ کے لیے رحمۃ للعالمین یہ بھی ضروری ٹھہراتے ہیں کہ الٹی میٹم ایک لمبے وقت کا دیا جائے، تا کہ اس عرصہ میں باہمی سمجھوتے کی ایسی صورتیں نکل آئیں جس سے جنگ ٹل بھی جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ﴾ [1] "یعنی تم کو چار ماہ کی مہلت ہے۔"

جنگ کے لیے اتنی مہلت کا دیا جانا ہی رحمت ہے، لیکن جنگ شروع ہو جانے کے بعد مستثنیات کا خاص طور پر ذکر ہے:

الف: ﴿ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ﴾ [2]

"جو لوگ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، جن سے تمہارا عہد ہے۔"

ب: ﴿ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ﴾ [3]

"یا وہ جو حاضر ہو کر ظاہر کر دیں کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے میں رک گئے۔"

تو وہ جنگ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ صاف لفظوں میں فرمایا:

﴿ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴾ [4]

"پھر اگر یہ لوگ علیحدہ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کی درخواست کریں تب اللہ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔"

خیال کرو کہ یہ احکام کس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ اس جنگ کا مقصد دین کو بجبر قبول کروانے کا ہرگز نہیں۔ خیال کرو کہ ایک معاہد قوم کا وجود بھی تم کو نظر آئے گا جو مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوتی تو ان سے مسلمانوں کا تعلق (بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ) ہی کا نہ ہوتا، بلکہ وہ تو (فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ) کے درجے میں ہوتے۔ پھر اس معاہد قوم کی بھی اتنی عزت ہے کہ اگر فریق جنگ میں سے کوئی شخص اس کے پاس چلا جائے تو وہ بھی فریق جنگ کے حکم سے نکل جائے گا۔

پھر وہ شخص بھی جنگ سے مستثنیٰ ہو جائے گا، جو مسلمانوں سے یہ عہد کر لے کہ وہ نیوٹرل (غیر جانب دار) رہے گا۔ نہ مسلمانوں کا طرف دار ہوگا، نہ ان کے مخالفین کا۔ دیکھو اگر جنگ کی بنیاد مذہب کا بجبر قبول کروانا ہوتا تو ان غیر مذاہب والوں کے لیے یہ ضوابط کبھی نہ ہوتے۔

ہاں! رحمۃ للعالمین وہ ہے جو انسانوں کو اخلاق فاضلہ اور فضائل محمودہ اور محاسن جمیلہ اور صفات کاملہ کی تعلیم دیتا ہے:

---

[1] ۹/ التوبۃ:۲۔ [2] ٤/ النساء:۹۰۔ [3] ٤/ النساء:۹۰۔ [4] ٤/ النساء:۹۰۔

ماں باپ کی بابت سکھایا:

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴾ ❶

''ان کے لیے ذلت کے بازوؤں کو زمین پر بچھا دے اور دعا بھی کیا کر اے اللہ! ان پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے۔''

اس حکم میں فرماں برداری اطاعت وخدمت گزاری کا بھی حکم دیا اور یہ بھی بتایا کہ ماں باپ کے لیے دعا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ جس طرح بچہ ماں باپ کی تربیت کا محتاج ہے اسی طرح ہر انسان اللہ کے رحم کا محتاج ہے۔

قصور والوں کی معافی کے متعلق فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ ﴾ ❷

''چاہیے کہ تم معافی دیا کرو اور درگزر کیا کرو کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے۔''

معافی دینا انسان کو ذرا مشکل اور شاق گزرتا ہے اس لیے اسے سمجھایا گیا ہے کہ جب انسان معافی کا اللہ سے خواستگار ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ خود معافی دینے کو پسند نہیں کرتا گویا یہ اصول بتایا۔ معاف کرو تم کو بھی معاف کیا جائے گا۔

زنا کی برائی کے متعلق بھی استدلال کا ایسا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴾ ❸

''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ تو بے حیائی ہے اور برا رستہ ہے۔''

برے رستے کے لفظ پر غور کرنا چاہیے۔

ایک عیاش مزاج شاید اپنی شوریدگی طبع کی حالت میں زنا کو کچھ معیوب نہ سمجھتا ہو۔ مگر اسے غور کرنا چاہیے کہ کسی کی بہو بیٹی کو اپنے بستر پر بلانا تو اسے ناگوار نہیں گزرتا، لیکن کیا اسے یہ بھی ناگوار نہیں ہے کہ اس کی بیٹی بہو غیر کے بستر پر جائے۔ اس کی غیرت اسے پسند نہیں کرتی تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص خود اپنے طرز عمل سے ایسی ہی برائیوں کا رستہ بنا رہا ہے؟ یہ رستہ سب سے پہلے اس کے گھر تک سیدھی سڑک بن جائے گا۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم تمام عالم کو سنایا۔ شراب کو رجس اور عمل شیطان اور بنائے عداوت وسبب بغض وسرمایۂ غفلت اور ذریعۂ دوری از باری تعالیٰ بتایا یہ فیصلہ اس زمانہ کا ہے۔ جب تمام دنیا شراب پر لٹو تھی۔ جب بزرگوار پولوس کی ہدایت کے پابند سادہ پانی پینے کو معیوب سمجھتے تھے۔ جب ایران شراب کے پیالہ کو جام جم سمجھتا تھا۔ جب ہندوستان دیوتاؤں اور ٹھاکروں کے تقرب کے لیے اس کا استعمال ضروری سمجھتا تھا۔ جب بہت سے مراسم دینی و دنیوی کی تکمیل شراب کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ جب عرب کے کسی شاعر وزبان آور کا کلام اس کی توصیف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اسلام کے اس حکم کا تیرہ سو برس تک دنیا نے مقابلہ جاری رکھا تھا، لیکن یورپ کی جنگ عظیم ۱۴ تا ۱۹۱۸ء نے اس حکم کی اصلیت کو منکشف کر دیا۔

---

❶ ۱۷/ بنی اسرائیل: ۲۴۔ ❷ ۲۴/ النور: ۲۲۔ ❸ ۱۷/ الاسرآء: ۳۲۔

شاہِ برطانیہ جارج پنجم نے ترک مے نوشی میں اول قوم کو خود نمونہ بن کر دکھایا۔ پھر روس وانگلستان وفرانس میں ایک حد تک اس پر عمل کیا گیا۔ امریکہ نے شراب تیار نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ فی الواقع ترک شراب ایک رحمت ہے۔

اور جس وجود پاک نے سب سے پہلے دنیا کو اس مسئلہ کی ہدایت کی وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ ایسے احکام قرآن مجید اور حدیث پاک سے سیکڑوں کی تعداد میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔

ناظرین غور سے معلوم کریں گے کہ ہم نے اس مضمون میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے، یہ خالص ایسے مسائل ہیں کہ مسلم وغیر مسلم ہر دو مساوی طور پر اُن سے مستفید ہو سکتے ہیں چنانچہ مستفید ہو رہے ہیں ان مسائل کے ترک کر دینے کے بعد تمدن کے قیام اور شائستگی کے وجود کی بقا ہی نہیں رہ سکتی، اس لیے دنیا کو ماننا پڑے گا کہ نبی ﷺ فی الواقع رحمۃ للعالمین تھے۔

البتہ اہل اسلام کے ساتھ نبی ﷺ کو التفاتِ خاص ہے اور یہ لوگ اس آفتاب حقیقت سے زیادہ تر منور ہونے کی سعی کیا کرتے ہیں، اس لیے رب العالمین نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا ہے: ﴿ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ [1] دیکھو رحمت کے ساتھ یہاں رافت کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو نبی ﷺ کی رحمت ورافت سے استفاضہ کرتے ہیں۔

---

[1] ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔

باب ہفتم

حُبُّ النبی ﷺ

غزلیات وادبیات کے شیدا لفظ عشق کا اکثر استعمال کیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ عشق کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ [1] قاموس میں ہے:

اَلْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ وَالْعِشْقُ مِنْ فَنِّهِ يَسْتَجْلِبُهُ الْمَرْءُ عَلٰى نَفْسِهِ بِاِسْتِحْسَانِ بَعْضَ الصُّوَرِ وَالشَّمَائِلِ۔

"یعنی جنون کی بہت سی اقسام ہیں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے۔ اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کر لیا کرتا ہے۔"

پس جب عشق کے معنی قسمے از جنون ہوئے تو ضروری تھا کہ اللہ اور رسول ﷺ کے پاک کلام میں اس لفظ کا استعمال نہ کیا جاتا اور اسے فضائل محمودہ یا محاسن جمیلہ سے شمار نہ کیا جاتا۔ بے شک قرآن حکیم اور احادیث رسول کریم ﷺ میں لفظ محبت کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ محبت ہی صرف کمال انسانی ہے۔

محبت اور عشق میں یہ بھی فرق ہے کہ محبت روح کے میلان صحیحہ کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالات عُلیا کی وجہ سے محبت کیے جانے کے شایان ہو۔ معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو، محبوب، محبوب ہی ہے، خواہ کوئی محبّ پیدا ہو یا نہ ہو۔ مگر معشوق، معشوق نہیں۔ جب تک کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔ غالباً مشہور مثل "لیلیٰ را بہ چشم مجنون باید دید" کے واضع نے انہی معانی کو ایک دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا ہے۔

بعض نے محبت کے معنی شوق الی المحبوب بیان کیے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ محبت ایثار للمحبوب کا نام ہے۔

بعض نے کہا محبت اسے کہتے ہیں کہ قلب کو مراد محبوب کا تابع بنا دیا جائے۔ میرے نزدیک تعریف محبت تو وہی ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور یہ معانی تو صرف ثمرات محبت کو بیان کرتے ہیں۔

محبت روح انسانی کی وہ صفتِ نورانی ہے جو جسم انسانی میں آنے سے پیشتر بھی روح کے اندر پائی جاتی اور کارفرما تھی۔ حدیث شریف ((اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ..... الخ)) [2] اسی معنی کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

محبت کے مدارج محبوب کے مدارج پر منحصر ہوتے ہیں۔ محبوب جتنا زیادہ ارفع واعلیٰ ہو گا محبت کا درجہ بھی اسی قدر ارفع ودائمی ہو گا۔ محبت کو ذات وصفات محبوب سے جس قدر زیادہ عرفان ہو گا اسی قدر زیادہ استحکام سے اس کا اس کی جانب میلان ہو گا۔

---

[1] ولا يحفظ عن رسول الله ﷺ لفظ العشق فى حديث صحيح البتة زاد المعاد، ج ٤/ ٢٧٥ واضح ہو کہ حدیث مَن عشق فعفّ فمات فهو شهيد اور حدیث مَن عشق وكتم و عف وصبر الخ ہر دو صحیح نہیں ابن جوزی نے موضوعات میں ان کا ذکر کیا ہے ان کا راوی صرف سوید بن سعید ہے اور ائمہ حدیث نے اس کی نسبت سخت ترین الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ (یہ دونوں حدیثیں سلسلہ ضعیفہ جلد نمبر ا کے آخری حصہ میں مذکور ہیں)۔

[2] بخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب الارواح جنود، حديث: ٣٣٣٦۔

﴿ يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۗ ﴾ 1

''مشرک لوگ شرکاء کے ساتھ اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، مگر جو ایمان والے ہیں ان کی محبتیں اللہ کے ساتھ بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔''

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سیرت النبی ﷺ کے لکھنے کا مقصد اس خاکسار کا بلکہ جملہ علمائے کبار کا یہی ہے اور یہی ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے وجود باجود کے متعلق پڑھنے والے کے قلب کو ایمان، فواد کو ایقان، روح کو راحت اور صدر کو انشراح حاصل ہو جائے اور محبت کا وہ پاک چشمہ جو خس و خاشاک علائق سے دب گیا تھا یا سنگلاخ جہل میں رک گیا تھا۔ پھر فوارہ وار اسی بلندی تک موجزن ہو جائے جس بلندی سے چلا تھا۔

محبت ہی یاس کو دھکیل دینے والی اور مصائب کو کشادہ پیشانی کے ساتھ جھیل لینے والی ہے محبت ہی دل کی زندگی اور زندگی کی کامیابی ہے۔ محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی اور پھر اس بقا کو تختِ ارتقا پر بٹھاتی ہے۔

محبت ہی ہے جس کی صفت میں حبیب اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) 2

''ہر شخص کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

ہم لکھ چکے ہیں کہ محبت کی بنیاد کسی کمال اصلی پر ہوتی ہے۔ سیکڑوں اشخاص حاتم طائی سے محبت رکھتے ہیں، اس لیے نہیں کہ انہیں اس کی جائیداد سے کوئی پیسہ یا پائی ملی ہو۔ بلکہ اس لیے کہ ایسے اشخاص کو صفت جود و سخا سے محبت ہوتی ہے سیکڑوں اشخاص نوشیرواں عادل سے محبت رکھتے ہیں، نہ اس لیے کہ ان کو کسی مظلمہ میں دادرسی یا کسی دعویٰ میں ڈگری اس داوری گاہ سے ملی ہو۔ بلکہ اس لیے کہ یہ لوگ صفت عدل و داد کو محمود سمجھتے ہیں۔

سیکڑوں اشخاص رستم و اسفندیار کی داستان کو پورے جوش سے پڑھتے یا سرگرمی سے سنا کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ بھی ان کی فتوحات میں حصہ دار ہیں، بلکہ اس لیے کہ صفتِ مردانگی و شجاعت سے ان کو محبت ہوتی ہے۔

بیسیوں اشخاص سقراط و افلاطون کے نام محبت اور پیار سے لیا کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ بھی ان کے مدرسہ خاص میں جس کے دروازے عوام پر ہمیشہ بند رہتے تھے کچھ اسباق سن چکے ہیں، بلکہ اس لیے کہ یہ لوگ علم و حکمت کے خود قدردان ہوتے ہیں۔

بیسیوں اشخاص، شیکسپیئر، ہومر، فردوسی و سعدی، لبید و متنبی، بیاس اور دالمیک کی فصاحت و بلاغت کے بیان میں اپنی تمام قوتِ گویائی کو صرف کر دیا کرتے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ بھی اس شہرت دہی کے اجارہ دار ہیں بلکہ اس لیے کہ یہ لوگ راز فطرت انسانی کے مشتاق ہوتے ہیں اور ہر شخص کی مدح کو جو اس فن میں تکلم کرے پسند کرتے ہیں۔

یہاں جس ہستی مزکی کی محبت کا ذکر ہے، اس کی شان بلند کا تعقل کرنے کے لیے خیال کرو۔

---

1 ٢/ البقرة:١٦٥۔ 2 بخاری، کتاب الأدب، باب علامة الحب فی الله، حدیث: ٦١٦٨۔

ایک	آدم علیہ السلام	انابت الی اللہ کا راز آشکار کرنے والا
ایک	ادریس علیہ السلام	علوم اولین و آخرین کا درس دینے والا
ایک	نوح علیہ السلام	اسرار و اعلان سے تبلیغ کرنے والا
ایک	ابراہیم علیہ السلام	گناہگاروں کے لیے رب العزت سے درگزر اور رحمت کا سوال کرنے والا۔
ایک	اسمٰعیل علیہ السلام	بیت اللہ کو معظم ٹھہرانے والا
ایک	یعقوب علیہ السلام	خدائے قادر سے عہد باندھنے والا
ایک	یوسف علیہ السلام	بدخواہ اور بداندیش پر ترحم کرنے والا۔
ایک	موسیٰ علیہ السلام	قوم کو برگزیدہ بنانے والا
ایک	ہارون علیہ السلام	امام فصیح
ایک	یحییٰ علیہ السلام	مبلغ متواضع
ایک	داؤد علیہ السلام	قوم کو اجتماعی قوت دینے والا
ایک	سلیمان علیہ السلام	اللہ کے لیے پاک گھر بنانے والا

صلی اللہ علیہم وعلیٰ جمیع اخوانہ من النبیین والمرسلین۔

ہاں وہ جس کے منہ میں اللہ کا کلام ہونے کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی۔

ہاں وہ جسے عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے روح الحق بتایا۔

ہاں وہ جس کی ہیبت و جلال سے داؤد علیہ السلام نے دشمنوں کو مرعوب بنایا۔

ہاں وہ جس کے حسن و جمال کا نشید سلیمان علیہ السلام نے مقدس میں گایا۔

وہ جس کے حمد سے حبقوق علیہ السلام نے عالم کو پرآوازہ کیا۔

وہ جس کے خیر مقدم کی تہنیت سے ملاکی علیہ السلام نے اللہ کے گھر کو جلال دیا۔

وہ جس کے لباس اور ران پر ''شہنشاہوں کا شہنشاہ، خداوندوں کا خداوند'' لکھا ہوا یوحنا نے پڑھا۔

وہ جس کے پیچھے پیچھے آسمانی فوجوں کا چلنا صاحب مکاشفات نے مشاہدہ کیا۔

کیا کوئی صاحب بصر، صاحب دل۔

ایسے محبوب، ایسے محمود، ایسے مصطفیٰ، ایسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا نہ ہوگا اور اس فدا ہونے کو اپنے لیے غایت شرف اور انتہائی کمال انسانیت نہ سمجھے گا:

یاد رکھو کہ آیت ذیل میں اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾ [1]

''سب لوگوں کو سنا دے کہ اگر تم کو ماں، باپ، بیٹے، بیٹیاں، بہن بھائی، زن وشوہر، قوم وقبیلہ اور مال جو تم نے جمع کیا۔ اور تجارت جس کے خسارہ کا تم کو ڈر لگا رہتا ہے۔ اور وہ محل جن میں بسنا تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے (وہ سب) زیادہ پیارے ہیں اللہ اور رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تب تم منتظر رہو کہ اللہ تمہارے لیے اپنا کوئی حکم دے۔''

اس آیت میں جن جن شخصیتوں یا چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی محبت عام میلان انسانی کے موافق مسلمہ ہے اور اسی لیے رب العالمین نے جو فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کا مالک ہے، ان سب کے ساتھ انسانی محبت کی نفی نہیں فرمائی اور نہی نہیں کی، بلکہ تفریق درجات کے سبق کی تعلیم دی ہے۔ ؎

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی!

یہی راز صحیحین کی اس حدیث پاک عن انس رضی اللہ عنہ میں کھولا گیا ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)) [2]

''کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ماں، باپ اور اولاد اور باقی سب اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔''

صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ)) [3]

''کوئی مومن نہیں بن سکتا، جب تک میں اسے اس کے اہل ومال سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا۔''

ہمارا اعتقاد ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ صرف محبوب بلکہ حبیب ہیں، یعنی حضور ﷺ کے وہ صفات عالیہ اور فضائل متکاثرہ اور محاسن جمیلہ اور نعوت رفیعہ، جنہوں نے حضور ﷺ کو حبیب الٰہی اور محبوب خلق باری تعالیٰ بنا دیا ہے، ثبات واستقرار رکھتے اور دوام بقا سے متمکن ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ نبی ﷺ کے محاسنِ اخلاق اور شرف افعال کے اول چند نمونے پیش کروں اور پھر دکھاؤں کہ ایسی صفاتِ عالیہ کے مالک سے کون شخص محبت کرنا نہیں چاہتا۔

---

[1] ۹/ التوبۃ:۲٤۔ [2] بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، حدیث: ۱۵؛ مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ الرسول ﷺ، حدیث: ۱٦۹۔ [3] سنن نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان، حدیث: ۵۰۱۷؛ زرقانی، المقصد السابع الفصل الأول وجوب محبتہ: ۹/ ۷۳۔

جودوسخا کا بیان

۱: جنگ حنین میں چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں، ۴ ہزار اوقیہ (چھٹانک) چاندی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے ان میں سے ایک چیز کو بھی نہیں چھوا گھر سے جس خیر و برکت کے ساتھ تشریف لائے تھے اسی طرح واپس گئے۔

۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا بَعِيْرًا وَلَا شَاةً وَّلَا أَوْصٰى بِشَيْءٍ۔ ❶

''نبی ﷺ نے اپنی وفات کے بعد کوئی سکہ چاندی یا سونے کا یا بکری یا اونٹ دنیا میں نہیں چھوڑا اور نہ کسی شے کی بابت کوئی وصیت ہی فرمائی۔''

۳: معلیٰ بن زیاد نے حسن سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک سوالی آیا فرمایا بیٹھو، اللہ دے گا۔ پھر دوسرا آیا، پھر تیسرا آیا۔ حضور ﷺ نے سب کو بٹھالیا۔ حضور ﷺ کے پاس دینے کو اس وقت کچھ نہ تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے چار اوقیہ چاندی حضور کی خدمت میں پیش کی۔ حضور ﷺ نے ایک ایک اوقیہ تو ان تینوں کو تقسیم فرمادیئے اور ایک اوقیہ کی بابت پکار بھی دیا، مگر کوئی لینے والا نہ اٹھا۔ رات ہوئی تو حضور ﷺ نے وہ چاندی اپنے سرہانے رکھ لی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو نیند نہیں آتی، اٹھتے ہیں اور نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ پھر ذرا لیٹ کر اٹھتے ہیں اور نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا حضور ﷺ کو آج کچھ تکلیف ہے، فرمایا نہیں، انہوں نے پھر پوچھا، تب کوئی خاص حکم الٰہی کا آیا ہے، جس کی وجہ سے یہ بے قراری ہے، فرمایا، نہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا، پھر حضور ﷺ آرام کیوں نہیں فرماتے اس وقت حضور ﷺ نے وہ چاندی نکال کر دکھائی فرمایا یہ ہے جس نے مجھے بے قرار کر رکھا ہے۔ مجھے ڈر لگا کہ مبادا یہ میرے پاس ہی ہو ❷، اور میری موت آجائے۔

۴: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَرَكَ دَيْناً فَعَلَيَّ وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهٖ)) ❸

''جو مسلمان قرض چھوڑ مرے گا۔ میں اسے ادا کروں گا اور جو مسلمان ورثہ چھوڑ مرے گا اسے اس کے وارث سنبھا لیں گے۔''

۵: جابر بن عبداللہ صحابی انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ: لَا ۔ ❹

---

❶ ابو داود، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيما يؤمر به من الوصية، حديث: ٢٨٦٣۔

❷ اعلام النبوة الباب العشرون فضائل أفعال ۔ ❸ مسند احمد: ٢/ ٢٩٠، حديث: ٧٨٨٦؛ اعلام النبوة، ص: ١٥٥۔

❹ صحيحين؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب في سخائه، حديث: ٦٠١٨؛ بخاري، كتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما يكره من البخل، حديث: ٦٠٣٤۔

''نبی کریم ﷺ سے کبھی کسی چیز کا بھی سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں حضور نے لا (نہیں) فرمایا ہو۔''

اسی حدیث کا مفہوم کسی نے یوں ادا کیا ہے۔

نرفت لا بہ زبان مبارکش ہرگز مگر بِأَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

ان روایتوں کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو، ثابت ہو جائے گا کہ نبی ﷺ فی الحقیقت أَجْوَدُ النَّاسِ بِالْخَيْرِ (نیکیوں میں سب سے زیادہ سخاوت والے) تھے۔ ❶

عدل وانصاف کا بیان

۱: نبی ﷺ کی اس صفت کا اعتراف اعداء بھی کرتے تھے۔ ربیع بن خیثم سے روایت ہے کہ بعثت سے پیشتر بھی لوگ اپنے مقدمات کو نبی ﷺ کے حضور میں فیصلہ کے لیے لایا کرتے تھے۔ ❷

۲: حجر اسود کے نصب کرنے میں جو جھگڑا قریش میں ہو گیا تھا، اس کا ذکر ''رحمۃ للعالمین'' جلد اول میں موجود ہے۔ قابل ذکر یہ ہے کہ قرارداد یہ تھی کہ جو کوئی شخص اب سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی حکم قرار پائے۔ نبی ﷺ آ نکلے، تو لوگوں کی خوشی ومسرت کی کوئی حد نہ تھی اور خوش ہو ہو کر پکارتے تھے:

هٰذَا مُحَمَّدٌ هٰذَا الْأَمِيْنُ قَدْ رَضِيْنَا بِهٖ۔ ❸

''لو محمد ﷺ آ گئے، ان کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں۔''

تیقنِ انصاف ہو تو ایسا ہو کہ فیصلہ سننے سے پیشتر ہی ہر مخالف اس فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

۳: فاطمہ نامی مکہ کی ایک عورت چوری میں ماخوذ ہوئی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے جس سے حضور ﷺ نہایت محبت کیا کرتے تھے۔ بھولے پن سے اس کی سفارش کر دی۔ آپ ﷺ ناخوش ہو گئے اور فرمایا کہ تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ دیکھو، اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ایسا کرتی تو میں وہی فیصلہ کرتا جو اس کے لیے کروں گا۔ ❹

نجدت وشجاعت کا بیان

۱: نجدت اس صفت کو کہتے ہیں کہ موت کے سامنے نظر آنے پر بھی اعتماد علی النفس قائم رہے۔ شجاعت قوتِ غضبیہ کے اس کمال کو کہتے ہیں جو انقیاد عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی ان صفات کے متعلق بیسیوں روایات اور راویوں کے عینی مشاہدات موجود ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے نام اور ان کی شجاعت کے بلند کارناموں سے کون ناواقف ہو گا وہی فرماتے ہیں:

---

❶ بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي، حديث: ٦۔

❷ شفاء، الباب الثاني، فصل في عدله: ١/ ٢٩٥، ٢٩٦۔

❸ شفاء، الباب الثاني، فصل في عدله: ١/ ٢٩٥۔

❹ بخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب حديث الغار، حديث: ٣٤٧٥۔

أَنَّا كُنَّا إِذَا حَمِيَ الْبَأْسُ وَاحْمَرَّتِ الْحُدُقُ إِتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَمَا يَكُوْنُ أَحَدٌ أَقْرَبَنَا إِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ۔ ❶

''جب گھمسان کا رن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا، اس وقت ہم نبی ﷺ کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سے سب سے آگے دشمن کی جانب نبی ﷺ ہی ہوتے تھے۔''

۴: جنگِ حنین میں دشمنوں نے پہاڑ کے درہ میں بیٹھ کر تیروں کی ایسی بارش برسائی کہ مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج کا منہ موڑ دیا۔ کسی نے اس واقعہ کے متعلق براء بن عازب سے پوچھا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟

قَالَ: لٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَفِرَّ ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُهٗ وَإِنَّهٗ لَعَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَآءِ وَأَنَّ أَبَاسُفْيَانَ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ: ((أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ))

''تو براء رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، مگر رسول اللہ ﷺ تو پھر بھی نہیں بھاگے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار ہیں، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی نے لگام پکڑ رکھی ہے اور حضور ﷺ یہ فرما رہے ہیں ''انا النبی لا کذب۔'' ❷

خچر پر سوار ہونا ہی ثبات واستقلال کی دلیل ہے۔ بھاگنے والا تو تیز گام گھوڑے کو پسند کیا کرتا ہے سفید خچر کا انتخاب بھی مردانگی کی دلیل ہے۔ ورنہ لڑائی میں ایسے رنگ کا جانور پسند کیا جاتا ہے جو ذرا سی گرد وغبار میں چھپ جائے۔ فوج کی خاکی وردی کا مدعا بھی یہی ہے۔ بارہ ہزار فوج کے بھاگ جانے پر میدان میں کھڑے رہنا بھی کوہِ تحمل کا ہی کام ہے۔ ایسے وقت خود بول بول کر اپنی شناخت دشمن کو کرانا اور اسی دعوے کو دہرانا جو حملہ آوروں کے کینہ وعداوت کا موجب تھا صرف قمر نبوت ہی کا خاصۂ نور پاشی ہے۔

اسی واقعہ کے متعلق عباس رضی اللہ عنہ عم النبی ﷺ کی روایت میں ہے:

وَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِيْنَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْكُضُ بَغْلَتَهٗ نَحْوَ الْكُفَّارِ وَأَنَا اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا أَكُفُّهَا إِرَادَةَ أَنْ لَّا تُسْرِعَ وَأَبُوْسُفْيَانَ اٰخِذٌ بِرِكَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ ❸

''مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اس وقت نبی ﷺ خچر کو ایڑ لگانے اور دشمن کی جانب بڑھانے لگے میں نے لگام اور ابوسفیان نے رکاب پکڑ لی اس ارادہ سے کہ حضور ﷺ کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔''

صحیح مسلم میں اسی واقعہ کے متعلق پھر یہ الفاظ ہیں:

نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَغْلَتِهٖ۔ ❹ ''نبی ﷺ اپنے خچر سے اتر پڑے۔''

یہ شجاعت کی غایت الغایت ہے کہ جس شخص کے سامنے سے بارہ ہزار فوج بھاگ رہی ہے، حضور ﷺ اس کے مقابلہ کے لیے اپنی سواری آگے کو لے جارہے ہیں اور جب اہل بیت کے دو شخص عم اور ابن العم نے سواری کو روک لیا تو حضور ﷺ پیادہ ہو کر

---

❶ الشفاء فصل في شجاعته ﷺ: ۱/ ۲۵۸۔ ❷ بخاري، كتاب الجهاد، باب من قاد دابة غيره، حديث: ۲۸٦٤۔

❸ مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة حنين، حديث: ٤٦١٢۔

❹ بخاري، كتاب المغازي، باب قول الله ويوم حنين اذ اعجبتكم، حديث: ٤٣١٧۔

آگے بڑھنے کو ہیں۔

۳: صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ مدینہ میں ایک رات غل سا ہوا۔ لوگ سمجھے چھاپہ آ پڑا سب لوگ مل کر آبادی سے باہر اس شور کی جانب کو چلے آگے چلے تو انہیں نبی ﷺ واپس ہوتے ہوئے ملے۔ حضور ﷺ گھوڑے پر سوار اور تلوار حمائل کیے ہوئے تھے۔ یعنی آواز سن کر سب سے پہلے اور تن تنہا تفتیش کو تشریف لے گئے تھے اور ہم سے فرماتے تھے ((لَمْ تُرَاعُوْا لَمْ تُرَاعُوْا)) ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔ [1]

۴: ناظرین کو بیعت العقبہ کی بنیادی ملاقات کا واقعہ تو یاد ہی ہوگا کہ شب تاریک اور منزل پر خطر کے خوف سے ایک قافلہ پہاڑ کی گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا اور آبادی تک پہنچنے کی جرأت نہیں کرتا اور نبی ﷺ جن کی جان کا دشمن مکہ کا ایک ایک شخص تھا، ایسے وقت اور ایسے مقام میں اس لیے چکر لگا رہے ہیں کہ شاید کسی راہ گم کردہ ضلالت کو ہدایت فرما سکیں۔

۵: تمام دنیا کے مقابل سچے اصول کی اشاعت کے لیے کھڑے ہونا اور ایک ایسے ملک میں جہاں خونریزی وسفاکی ہی کی حکومت تھی۔ ہر ایک کی مذہبی ضلالت کا اعلان کرنا، کسریٰ وقیصر وحبش کے حکمرانوں اور عرب کے جنگ جو قبائل کے خشم وغضب کی پروانہ کرنا شجاعت اور قوت قلب کا بہترین نمونہ دکھاتا ہے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

تواضع کا بیان

مسکنت وتواضع نبی ﷺ کی صفت لازم تھی۔ تواضع ہی تھی کہ خچر اور حمار پر سواری فرماتے دوسرے کو ساتھ سوار کر لیتے۔ مسکینوں، غریبوں کی عیادت فرماتے۔ فقراء کے برابر جا بیٹھتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مل جل کر بیٹھ جاتے اپنی نشست کے لیے نہ جانب صدر کی ضرورت سمجھتے، نہ کوئی امتیازی نشان بناتے، غلاموں اور خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ بازار سے سودا خرید کر اور خود اٹھا کر لے آتے۔ اپنے جانوروں کو خود چارہ ڈالتے، اونٹ کی زانو بندی کر دیتے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کاج اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ جب ہزاروں جانثار ایسی خدمت سرانجام دینے کو اپنی سعادت دارین سمجھنے والے موجود اور آمادہ ہوتے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضور ﷺ حج کو تشریف لے گئے میں نے دیکھا کہ جو چادر حضور ﷺ کے اوپر تھی، اس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہ ہوگی۔

یہود انِ بنو قریظہ کی جانب تشریف لے گئے، تو اس روز حضور ﷺ حمار پر سوار تھے، جس کی باگ کھجور کے پٹھے کی رسی سے بنی ہوئی تھی اور اس کی پشت پر صرف ایک کھجور کی صف [2] پڑی ہوئی تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضور ﷺ نے ایک دکان سے پاجامہ خریدا، اٹھنے لگے تو دکاندار نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بوسہ دینا چاہا۔ حضور ﷺ نے جھٹ سے ہاتھ کو پیچھے ہٹا لیا اور زبان مبارک سے فرمایا:

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب الحمائل وتعليق السيف بالعنق، حديث: ٢٩٠٨؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب شجاعته، حديث: ٦٠٠٦۔ [2] کھجور کی صف میں نے اکاف من لیف کا ترجمہ کیا ہے یہ لفظ شمائل ترمذی میں ہے۔ مختصر شمائل ترمذی للالبانی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ، حدیث: ٢٨٦۔

((هٰذَا يَفْعَلُهُ الْأَعَاجِمُ بِمُلُوْكِهَا وَلَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِّنْكُمْ))

''یہ تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تم ہی میں سے ایک ہوں۔'' ❶

حیا کا بیان

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ۔ ❷

''نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمگیں تھے کوئی مکروہ چیز دیکھ لیتے تو زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ حضور ﷺ کے چہرہ پر کراہت کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے۔''

اسی صفت حیا کا اثر تھا کہ کسی کو رُو در رُو کسی عیب کے متعلق کچھ نہ فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ بِهٖ أَثَرُ صُفْرَةٍ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَكَادُ يُوَاجِهُ أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْقُلْتُمْ لَهٗ يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ۔

''ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں زعفران کا رنگ ملے ہوئے آیا حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی کے سامنے ایسی بات نہ کہا کرتے تھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو جب وہ چلا گیا تو حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کاش تم اس سے کہہ دیتے کہ وہ اس رنگ کو چھوڑ دیتا۔'' ❸

۳: بعض اوقات لوگوں کی طول کلامی سے حضور ﷺ تھک جاتے یا زیادہ بیٹھے رہنے کی وجہ سے مجبور ہو جاتے تب بھی حیا کی وجہ سے خود تکلیف اٹھاتے اور ان سے کچھ نہ فرماتے۔

شفقت ورافت کا بیان

۱: ایک گنوار (دیہاتی) آیا، اس نے سوال کیا، حضور ﷺ نے اسے دے دیا اور پوچھا کہ ٹھیک ہے۔ وہ بولا: نہیں۔ تم نے میرے ساتھ کچھ بھی سلوک نہیں کیا، مسلمان یہ سن کر بے تابانہ اس کی طرف اٹھے۔ حضور ﷺ نے اشارہ کیا کہ رک جاؤ، پھر حضور ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور گھر سے لا کر اور بھی کچھ دیا، وہ خوش ہو کر دعا دینے لگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، تیرا پہلا کام میرے اصحاب کو ناگوار گزرا تھا، کیا تم پسند کرتے ہو کہ ان کے سامنے بھی اسی طرح کہہ دو، جس طرح اب میرے پاس کہہ رہے ہو، تا کہ ان کے دل بھی تیری طرف سے صاف ہو جائیں۔ وہ بولا ہاں! میں کہہ دوں گا۔ پھر اگلے دن یا شام ہی کو وہ گنوار آ گیا۔ آپ ﷺ نے اصحاب سے فرمایا کہ اب یہ مجھ سے خوش ہے کیوں ٹھیک ہے نا، وہ بولا ہاں اور پھر دعا دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک

---

❶ المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث: ٦٥٩٠، جلد ٧/ ٣٠٨؛ الشفاء فصل فی تواضعه ﷺ: ١/ ٢٩٤۔ ❷ بخاری، کتاب الأدب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب، حدیث: ٦١٠٢؛ مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرة حیائه، حدیث: ٦٠٣٢۔

❸ مختصر شمائل ترمذی للالبانی، باب ماجاء فی خلق رسول اللّٰه ﷺ، حدیث: ٢٩٧۔

شخص کی اونٹنی بھاگ گئی، لوگ اس کے پیچھے دوڑے وہ آگے ہی آگے بھاگتی رہی مالک بولا تم سب ٹھہر جاؤ، میری اونٹنی ہے اور میں ہی اسے سمجھ سکتا ہوں لوگ ہٹ گئے۔ اونٹنی گھاس کھانے میں لگ گئی۔ مالک نے آگے سے جا کر اسے جا پکڑا اور کاٹھی ڈال لی میری اور اس گنوار کی مثال تو ایسی ہی تھی۔ اگر تم اسے اسی حالت پر قتل کر دیتے تو بے چارہ جہنم ❶ میں جاتا۔

۲: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ اے خدا میری اس عرض کو ایک مضبوط عہد سمجھا جائے کہ اگر میں کسی شخص کو از راہ بشریت بد دعا بھی دے بیٹھوں تو میری اس بد دعا کو بھی اسکے حق میں رحمت و برکت اور زکا و تقرب بنا دینا۔ ❷

۳: امام احمد و طبرانی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص کو گرفتار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلی دے کر فرمایا کہ تم اس الزام سے نہ ڈرو (پھر اسے رہا کر کے یہ بھی فرمایا) کہ اگر تیرا ارادہ بھی ہوگا تو تو قابو نہ پا سکے گا۔ ❸

عفو و کرم

عفو کی صورت اس وقت متحقق ہوتی ہے کہ جرم ثابت ہو اور مجرم کو سزا دینے کی طاقت حاصل ہو پھر معافی دی جائے۔

کرم کے معنی میں داد و دہش یا عزت افزائی کی صورت شامل ہے۔ یہ عفو کے بغیر بھی پائی جاتی ہے اور عفو کے ساتھ بھی اور اس وقت اس کی شان اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو تقصیر کے ساتھ عموماً کرم بھی پایا جاتا تھا۔

۱: صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو زور سے کھینچا چادر کا کنارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں کُھب گیا اور نشان پڑ گیا۔ وہ اعرابی بولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہ دو اونٹ ہیں، ان کی لاد کا کچھ سامان مجھے بھی دو، کیوں کہ جو مال تیرے پاس ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم چپ سے ہو گئے، پھر فرمایا، مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔

پھر پوچھا — جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا، تم اس پر ڈرتے نہیں ہو؟

اعرابی بولا — نہیں۔

پوچھا — کیوں؟

اعرابی — مجھے معلوم ہے کہ تم برائی کے بدلے برائی نہیں کیا کرتے ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے اور حکم دیا کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے جو، ایک کی کھجوریں دی جائیں۔ ❹

۲: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن سعنہ یہودی کا قرض دینا تھا وہ تقاضا کرنے کے لیے آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کی چادر اتار لی اور

---

❶ کتاب الشفاء، الباب الثانی فصل فی شفقتہ ورافتہ: ۱/ ۲۷۵، ۲۷۶۔ ❷ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۶۶۱۹؛ کتاب الشفاء، ص: ۴۸، الباب الثانی فصل فی حلمہ: ۱/ ۲۴۳۔ ❸ مسنداحمد: ۳/ ۴۷۱، حدیث: ۱۵۸۱۲؛ معجم الطبرانی کبیر: ۲/ ۲۸۴، حدیث: ۲۱۸۳۔ ❹ بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحبر والشملۃ، حدیث: ۵۸۰۹؛ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اعطاء المؤلفۃ، حدیث: ۲۴۲۹۔

کرتہ پکڑ کر سختی سے بولا کہ عبدالمطلب کی اولاد بڑی نادہندہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے رہے اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((أَنَا وَهُوَ كُنَّا إِلَى غَيْرِ هٰذَا مِنْكَ أَحْوَجُ يَا عُمَرُ تَأْمُرُنِيْ بِحُسْنِ الْقَضَاءِ وَتَأْمُرُهُ بِحُسْنِ التَّقَاضِيْ))

''عمر تم کو مجھ سے اور اس سے اور طرح کا برتاؤ کرنا تھا تم مجھے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہیے اور اسے سکھاتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہیے۔''

پھر زید کو مخاطب کر کے فرمایا:

((لَقَدْ بَقِيَ مِنْ أَجَلِهِ ثَلَاثٌ)) ''ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔''

پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا، جاؤ اس کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ بھی دینا، کیونکہ تم نے اسے جھڑکا بھی تھا۔ [1]

۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوہ تنعیم سے ۸۰ شخص یہ ارادہ کر کے اترے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم دامان کوہ میں اترے ہوئے تھے) انہوں نے اپنے کام کے لیے نماز صبح کا وقت انتخاب کیا تھا (جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لمبی قراءت پڑھا کرتے تھے) وہ آئے اور پکڑے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چھوڑ دیا۔ [2]

۴: ابوسفیان بن حرب اموی رضی اللہ عنہ وہ شخص تھا، جس نے احد، احزاب وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فوج کشی کی تھی وہ قبل از اسلام دوران ایام جنگ میں گرفتار ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مہربانی سے اس سے کلام فرمایا:

((وَيْحَكَ يَا أَبَاسُفْيَانَ أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ وَتَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ))

''افسوس، ابھی وقت نہیں ہوا کہ تم اتنی بات سمجھ جاؤ کہ اللہ کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔''

ابوسفیان بولا:

بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ مَا أَحْلَمَكَ وَأَوْصَلَكَ وَأَكْرَمَكَ۔

''میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ کتنے بردبار کتنے قرابت کا حق ادا کرنے والے اور کس قدر دشمنوں پر عفو و کرم کرنے والے ہیں۔'' [3]

۵: زینب بنت الحارث بن سلام خیبر کی یہودیہ نے گوشت میں زہر ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا اس نے اقرار جرم بھی کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اسے معاف فرما دیا۔ [4]

---

[1] الشفاء، فصل فی حلمہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/ ۲۴۳، ۲۴۴؛ رواہ البیہقی مفصلاً۔ واضح ہو کہ وزن صاع ہمارے ۸۰ تولہ سیر کے حساب سے دو سیر ساڑھے تین چھٹانک کا ہوتا ہے یہی واقعہ ابن سعنہ کے اسلام کا موجب ہوا اس نے سنا تھا کہ نبی موعود کا علم ہر جہالت پر سابق ہوگا اور شدتِ جہل اس کے علم کی فراوانی کا سبب ہوگی۔ اسی پیشین گوئی کی آزمائش کے لیے اس نے یہ حرکات کی تھیں۔ [2] مسلم، کتاب الجهاد، باب قول الله وهو الذی کف ایدیهم عنکم، حدیث: ٤٦٧٩؛ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی المن علی الاسیر، حدیث: ٢٦٨٨۔

[3] الشفاء، فصل فی حلمه: ١/ ٢٤٦۔ [4] الشفاء، فصل فی حلمه: ١/ ٢٤٠۔

زہد فی الدنیا

واقعات زہد کے بیان میں میں نے اس زمانہ کے حالات کو لیا ہے۔ جب نبی ﷺ کا حکم تمام عرب میں نافذ تھا۔ جب بحرین سے حبش تک حضور ﷺ کا کلمہ پڑھا جاتا تھا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ کا زہد اضطراری نہ تھا۔ بلکہ اختیاری تھا۔ اس کا سبب لاچاری نہ تھی بلکہ فطری سُبک روحی کہ علائق مادی سے پیوستگی پسند بھی نہ کر سکتے تھے۔

۱: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، نبی ﷺ نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا اور کبھی فاقہ کا شکوہ کسی سے نہیں فرمایا۔ ناداری حضور ﷺ کو غنیٰ سے زیادہ پیاری تھی، کبھی ایسا ہوتا کہ بھوک کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آئی، مگر اگلے دن کا روزہ پھر رکھ لیتے تھے۔ اگر حضور ﷺ چاہتے تو اللہ تعالیٰ خزائن ارض کی کنجیاں اور ثمرات وتمتعات کی زندگی کی افزائشیں سب ہی عطا فرما دیتا۔ میں حضور ﷺ کے فاقہ کی حالت دیکھ کر رو پڑی، اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے پیٹ پر پھیرا کرتی (کہ فاقہ سے کیسا دب گیا ہے) اور کہا کرتی واری جاؤں، دنیا میں سے اتنا ہی قبول کر لیجئے، جو جسمانی طاقت قائم رکھنے کو کافی ہو تو جواب میں فرما دیتے:

((يَا عَائِشَةُ! مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا إِخْوَانِيْ مِنْ أُولِي الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ صَبَرُوْا عَلٰى مَا هُوَ أَشَدُّ مِنْ هٰذَا فَمَضَوْا عَلٰى حَالِهِمْ فَقَدِمُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ فَأَكْرَمَ مَا بِهِمْ وَأَجْزَلَ ثَوَابَهُمْ فَأَجِدُنِيْ أَسْتَحْيِيْ أَنْ تَرَفَّهْتُ فِيْ مَعِيْشَتِيْ أَنْ يُقْصَرَلِيْ غَدًا دُوْنَهُمْ وَمَا مِنْ شَيْءٍ هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ اللُّحُوْقِ بِإِخْوَانِيْ وَأَخِلَّائِيْ)) [1]

''عائشہ مجھے دنیا سے کیا کام، میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ حالت پر صبر کیا کرتے تھے وہ اسی چال پر چلے اور اللہ کے سامنے گئے۔ اللہ نے ان کا اکرام کیا اور ان کو پورا پورا ثواب دیا۔ اب اگر میں آسودگی کی زندگی کو پسند کرتا ہوں تو مجھے یہ بھی شرم آتی ہے کہ کل کو ان سے کم رہ جاؤں۔ دیکھو مجھے جو چیز سب سے زیادہ پیاری ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے بھائیوں اور خلیلوں سے جا ملوں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس گفتگو کے بعد حضور ﷺ صرف ایک ہی مہینہ تک رونق افروز عالم رہے اور پھر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

أَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْكَاتِ وَجَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا۔ شَقِيِّهَا وَسَعِيْدِهَا إِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ وَرَأْفَةَ تَحَنُّنِكَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَيْشَاتِ الْأَبَاطِيْلِ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِيْ مَرْضَاتِكَ بِغَيْرِ نِكْلٍ عَنْ قَدَمٍ وَلَا وَهْنٍ فِيْ عَزْمٍ وَاعِيًا لِوَحْيِكَ حَافِظًا لِعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلٰى نَفَاذِ أَمْرِكَ حَتّٰى أَوْرٰى قَبَسًا لِقَابِسٍ آلَاءَ اللّٰهِ تَصِلُ بِأَهْلِهٖ أَسْبَابَهٗ بِهٖ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ وَأَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْأَعْلَامِ وَمُنِيْرَاتِ الْإِسْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ فَهُوَ أَمِيْنُكَ الْمَأْمُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ

[1] كتاب الشفاء، فصل في هديه: ۱/ ۱۱۳ ـ ۲۱۳

وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعْثِيُكَ نِعْمَةً وَرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً۔ ❶

"اے مبسوطات کے پھیلانے والے، اے مرفوعات کو بلند کرنے والے، اے شقی وسعید کے دلوں کو ان کی فطرت پر درست کرنے والے، بزرگ ترین درود اور ترقی کرنے والی برکتوں اور مہربانی سے بھری ہوئی محبت کو محمد ﷺ پر نازل فرما، وہ تیرا بندہ، تیرا رسول، نبوت کا خاتم اور بند دروازوں کا فاتح وہ حق کا حق کے ساتھ اعلان کرنے والا، وہ بطلان کی فوجوں کو کچل دینے والا، ذمہ داریوں کو پورا کرنے والا، وہ جس نے ذراسی لغزش قدم یا ذراسی سستی عزم کے بغیر تیرے حکم پر تیری اطاعت میں قیام کیا اور تیری خوشنودی کو پورا کیا، وہ تیری وحی کا محافظ تیرے عہد کا نگہبان، وہ تیرے حکم کے نفاذ کا دلدادہ، وہ جس نے راہ گیروں کے لیے سر راہ مشعل جلائی (جس کے اسباب بفضل باری تعالیٰ ان لوگوں کو مل جاتے ہیں) وہی محمد ﷺ جس کے سبب سے ان دلوں کو جو کفر و گناہ میں غوطے کھا رہے تھے، نجات ملی، وہ جس کی وجہ سے روشن دلائل کے جھنڈے نمایاں ہوئے ضیائے اسلام چمکی، اور نورانی احکام کی روشنی پڑی وہ تیرا امین و مامون، وہ تیرے علم مخزون کا خزینہ دار، وہ قیامت کے دن تیرا گواہ، وہ تیری نعمت کا اٹھایا ہوا اور تیری رحمت کا فرستادہ سچا رسول۔"

۲: علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور کی سنت (طریقہ) کیا ہے۔ فرمایا:

أَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ	۱: میرا راس المال (اصل سرمایہ) تو معرفت ہے
وَالعَقْلُ أَصْلُ دِيْنِيْ	۲: میرے دین کی جڑ عقل ہے
وَالْحُبُّ أَسَاسِيْ	۳: میری بنیاد محبت ہے
وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ	۴: میری سواری شوق ہے
وَذِكْرُاللهِ أَنِيْسِيْ	۵: میرا انیس ذکر الٰہی ہے
وَالثِّقَةُ كَنْزِيْ	۶: میرا خزانہ اعتماد بر اللہ ہے
وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ	۷: میرا ساتھی غم دل ہے
وَالعِلْمُ سِلَاحِيْ	۸: میرا ہتھیار علم ہے۔
وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ	۹: میرا لباس صبر ہے
وَالرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ	۱۰: میرا مال یغما رضائے سُبحانی ہے
وَالْعَجْزُ فَخْرِيْ	۱۱: میرا فخر عجز بدرگاہِ ربانی ہے
وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ	۱۲: میرا پیشہ زُہد ہے
وَالْيَقِيْنُ قُوَّتِيْ	۱۳: میری خوراک یقین ہے
وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ	۱۴: میرا شفیع صدق ہے

❶ الحزب الاعظم المنزل السابع۔

وَالطَّاعَةُ حَسْبِیْ	۱۵: میرا اندوختہ طاعت الٰہی ہے
وَالْجِهَادُ خُلُقِیْ	۱۶: میرا خلق جہاد ہے
وَقُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ ❶	۱۷: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

عام اخلاق

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی شہادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پیشتر کے اخلاق کی بابت بر بنائے پانزدہ (پندرہ) سالہ تجربہ یہ ہے:

إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ	۱: آپ قرابتیوں سے سلوک کرنے والے
وَتَحْمِلُ الْكَلَّ	۲: درماندوں کو سواری دینے والے
وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ	۳: ناداروں کو سرمایہ دینے والے
وَتَقْرِی الضَّيْفَ	۴: مہمانوں کی خدمت کرنے والے
وَتُعِيْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ ❷	۵: مصیبت زدوں کی اعانت فرمانے والے ہیں۔

۲: بیہقی نے ابو قتادہ ❸ سے روایت کی ہے کہ نجاشی کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کی آسائش کا اہتمام فرماتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی خدمت کے لیے ہم حاضر ہیں فرمایا ہاں، مگر إِنَّهُمْ كَانُوْا لِأَصْحَابِنَا مُكْرِمِيْنَ وَإِنِّی أُحِبُّ أَنْ أُكَافِيَهُمْ ان لوگوں نے حبش میں میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت کی تھی، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ خود ہی ان کی ضرورت کو پورا کروں۔

۳: انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اس عرصہ میں مجھے کبھی ہش تک نہیں کی۔ میں نے کوئی کام کر لیا تو یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا۔ کوئی کام نہ کیا تو یہ نہ پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔ ❹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام کے لیے فرمایا۔ میں نے کہا کہ میں نہیں جاتا۔ میرے دل میں یہ تھا کہ میں جاؤں گا میں وہاں سے نکلا تو لڑکوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا (آغاز خدمت کے وقت حضرت انس کی عمر ۸ سال کی تھی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں آ گئے۔ میری گردن پر ہاتھ رکھا۔ میں نے لوٹ کر دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے اور فرمایا: ''پیارے انیس اب تو اس کام کو جاؤ۔'' میں نے عرض کیا ہاں میں جاتا ہوں۔ ❺

۴: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیر السکوت تھے۔ بلا ضرورت نہیں بولا کرتے تھے۔ جب بولتے تو کوئی ضروری جز و کلام باقی نہ رہ جاتا تھا اور کوئی فضول لفظ استعمال نہ ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس حلم و حیا اور خیر و امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ تبسم ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا تھا۔

---

❶ الشفاء، فصل فی خوفه من ربه عزوجل: ۱/ ۳۱۸؛ تخریج أحادیث احیاء علوم الدین، حدیث: ۳۷۹۰ج ۵/ ۲۳۷۶۔

❷ بخاری، کتاب بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی، حدیث: ۳۔ ❸ شعب الایمان، فصل فی الثانی والستون وهو باب فی رد السلام، حدیث: ۸۷۰۴۔ ❹ مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه، حدیث: ۶۰۱۱۔ ❺ مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه، حدیث: ۶۰۱۵؛ ابوداود، کتاب الأدب، باب فی الحلم وأخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۴۷۷۳۔

اصحاب بھی حضور ﷺ کے سامنے تبسم ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ ❶ حضور ﷺ کی راست گوئی ایسی مسلمہ تھی کہ نضر بن حارث جیسا جانی دشمن ایک دن قریش سے کہنے لگا کہ محمد بچپن ہی سے تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سب سے زیادہ سچا، سب سے بڑھ کر امانت دار مانا جاتا تھا، اب جو اس کی ڈاڑھی کے بال پک گئے اور اس نے اپنی تعلیم تمہارے سامنے پیش کی تو تم نے کہہ دیا کہ وہ ساحر ہے۔ نہیں نہیں، بخدا وہ ساحر تو نہیں۔ ❷

المختصر اس بحرِ ناپیدا کنار کی شناوری محال ہے اور خلاصۃ المقال یہ ہے کہ کیا ایسے اخلاق فاضلہ کا ہادی ایسے محاسنِ جمیلہ کا مالک، ایسے اشرف اقوال کا صاحب، ایسے جمیل السجایا کا متحمل ایسا ہے کہ اس سے محبت کی جائے؟ یا ایسا ہے کہ اس سے محبت نہ کی جائے؟

میں تو زور سے کہوں گا کہ جو کوئی بھی ایسے محمد ﷺ، ایسے ستودہ، ایسے محمودہ، ایسے وجود باجود، ایسے مصطفیٰ، ایسے برگزیدہ سے محبت نہیں کرتا۔ وہ فی الحقیقت ان جملہ اخلاق وصفات سے محبت نہیں رکھتا اور اس لیے وہ خود بھی ان اخلاق وصفات سے متصف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ (اعاذنا اللہ منہا)

آؤ ہم تو محبت کریں اور محبت کرنا ان سے سیکھیں، جن کو اللہ نے خود اپنے پیارے کی محبت وصحبت کے لیے چن لیا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محبت ہی ادب وتوقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی اتباع واطاعت پر آمادہ کرتی ہے۔ تعظیم وہی تعظیم ہے جس کا منشا محبت ہو اور اکرام وہی اکرام ہے جس کا مبدا محبت ہو۔

عروہ بن مسعود ثقفی کو قریش نے صلح حدیبیہ سے پیشتر اپنا سفیر بنا کر حضور عالی میں روانہ کیا تھا، اسے سمجھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حالات کو غور سے دیکھے اور قوم کو آ کر بتائے۔ عروہ نے دیکھا کہ نبی ﷺ وضو کرتے ہیں تو بقیہ آب وضو پر صحابہ رضی اللہ عنہم یوں گرتے پڑتے ہیں گویا ابھی لڑ پڑیں گے۔ حضور ﷺ کے لب وغیرہ کو زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر روک لیا جاتا ہے جسے وہ منہ پر مل لیتے ہیں۔ حضور کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے سب دوڑے پھرتے ہیں۔ حضور کچھ بولتے ہیں تو چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور قوم سے آ کر بیان کیا۔ لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا اور قیصر کا دربار بھی دیکھا۔ نجاشی کا دربار بھی دیکھا، مگر اصحاب محمد جو تعظیم محمد ﷺ کی کرتے ہیں وہ تو کسی بادشاہ کو بھی اپنے دربار اور ملک میں حاصل نہیں۔

زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے پکڑ لیا اور قریش نے قتل کے لیے ان سے خرید لیا تھا۔ جب ان کو سولی دینے کے لیے چلے تو ابوسفیان بن حرب نے اس سے کہا۔ زید تجھے اللہ ہی کی قسم تم چاہتے ہو کہ محمد ﷺ کو پھانسی دی جاتی اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے۔

زید رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے بدلے نبی ﷺ کے پائے مبارک میں اپنے گھر کے اندر بھی کانٹا لگے۔

ابوسفیان حیران رہ گیا اور یوں کہا کہ میں نے تو کسی کو بھی نہ دیکھا جو دوسرے شخص سے ایسے محبت رکھتا ہو، جیسے اصحاب محمد کو محمد ﷺ سے ہے۔

---

❶ شفاء، فصل فی وقارہ وصمتہ: ۱/ ۳۰۲۔ ❷ شفاء، فصل فی عدلہ وامانتہ: ۱/ ۲۹۷۔

عبیداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی کا ذکر ہے، انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ حضور مجھے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں، جب حضور ﷺ مجھے یاد آتے ہیں تو میں گھر میں ٹِک نہیں سکتا۔ آتا ہوں، اور حضور کو دیکھ کر تسلی پاتا ہوں، مگر میں اپنی موت اور حضور ﷺ کی موت کا تصور کر کے کہا کرتا ہوں کہ حضور تو فردوس بریں میں انبیا کے درجۂ بلند پر ہوں گے، میں اگر بہشت میں پہنچا بھی تو کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں حضور ﷺ کا دیدار نہ پاسکوں گا۔ نبی ﷺ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کے قلب کو سکینہ عطا فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ ❶

''جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہوا۔''

ایک اور صحابی کا ذکر ہے۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آتے تو حضور ﷺ ہی کی جانب تاک لگائے دیکھتے رہتے، نبی ﷺ نے پوچھا یہ کیا بات ہے وہ بولے میں سمجھتا ہوں کہ دنیا ہی میں اس دیدار کی بہار لوٹ لوں، آخرت میں حضور ﷺ کے مقام رفیعہ تک تو ہماری رسائی بھی نہ ہوگی، اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾ کو نازل فرمایا۔ اور نبی ﷺ نے حدیث انس رضی اللہ عنہ میں صاف ہی فرما دیا:

((مَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ))

''جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

اس حدیث کی ابتدا میں ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے فرمایا، اگر تو ایسی صبح و شام میں زندگی بسر کرتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کا کینہ نہ ہو، تو ضرور ایسا ہی کر۔ پھر فرمایا، یہی میری روش ہے جس نے میری روش کو زندہ کیا۔ اس نے مجھ سے محبت کی۔ ❷

جنگ احد کا ذکر ہے۔ ایک عورت کا بیٹا، بھائی، شوہر قتل ہو گئے تھے وہ مدینہ سے نکل کر میدان جنگ میں آئی۔ اس نے پوچھا کہ نبی ﷺ کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بحمد للہ وہ تو بخیریت ہیں جیسا کہ تو چاہتی ہے۔ بولی نہیں مجھے دکھلا دو۔ کہ حضور ﷺ کو دیکھ لوں جب اس کی نگاہ چہرہ مبارک پر پڑی تو وہ جوش دل سے بول اٹھی:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ۔ — آپ زندہ ہیں تو اب ہر مصیبت کی برداشت آسان ہے ❸

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اور اس کا فرزند عبداللہ صادقین میں سے تھا۔ اس نے نبی ﷺ سے گزارش کی لَوْ شِئْتَ لَأَتَيْتُ بِرَأْسِهٖ اگر حضور ﷺ چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر لے آؤں؟ نبی ﷺ نے انکار فرما دیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھے کوئی بھی پیارا نہ تھا، مگر میرے دل میں حضور ﷺ کا جلال اس قدر تھا کہ میں آنکھ بھر کر حضور ﷺ کو نہ دیکھ سکتا تھا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ کے اصحاب مہاجرین و انصار بیٹھے ہوتے ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی ہوتے، حضور ﷺ باہر تشریف لاتے تو کوئی بھی حضور ﷺ کی جانب نگاہ بلند نہ کرتا۔ ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ دیکھا کرتے۔ حضور ﷺ ان کو دیکھا

---

❶ ٤/ النساء:٦٩۔ ❷ ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة، حدیث: ٢٦٧٨۔

❸ زرقانی، المقصد السابع الفصل الاول فی وجوب محبته۔ خاتون بلند پایہ ہند زوجہ عمرو بن الجموح انصاریہ ہیں۔ محمد سلیمان۔

کرتے۔ حضور بھی تبسم فرماتے اور وہ بھی متبسم ہوتے تھے۔

نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے کہا تم بیت الحرام میں آ گئے ہو، طواف تو کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ سے پیشتر میں کبھی طواف نہ کروں گا۔

علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت کیسی ہوتی تھی؟ فرمایا بخدا نبی ﷺ ہم کو مال و اولاد، فرزند و مادر سے زیادہ محبوب اور اس سے زیادہ پیارے تھے، جیسا ٹھنڈا پانی پیاسے کو ہوتا ہے۔ ❶

جذبات محبت کو دیکھنا ہو

تو اس وقت دیکھو جب کوئی صحابی نبی ﷺ کا ذکر کرتا ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْراً وَّلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا شَمَمْتُ مِسْكاً قَطُّ وَلَا عِطْراً كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ ﷺ ❷

''رسول اللہ ﷺ خوش خلقی میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے میں نے ریشم کا دبیز یا باریک کپڑا یا کوئی اور شے ایسی نہیں چھوئی جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو، میں نے کبھی کوئی کستوری، یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو نبی ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والا ہو۔''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا چمکیلا تھا بول اٹھے:

لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔ ❸

''نہیں نہیں، حضور ﷺ کا چہرہ تو آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔''

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَزْهَرَ اللَّوْنِ كَأَنَّ عَرَقَهُ اللُّؤْلُؤُ۔ ❹

''نبی ﷺ کا رنگ سفید روشن تھا پسینہ کی بوند حضور کے چہرہ پر ایسی نظر آتی تھی، جیسے موتی۔''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ مسجد سے نکل کر گھر جو چلے تو بچوں نے حضور کو گھیر لیا۔ حضور ہر ایک کو پیار دیتے، اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ میرے رخسار پر بھی حضور ﷺ نے ہاتھ رکھا مجھے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی گویا وہ ابھی جوئے عطار سے نکالا گیا تھا۔ ❺

---

❶ یہ مثال عرب جیسے ملک میں بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے جہاں پانی نہ ملنے سے بیسیوں اشخاص جنگلوں میں مر جایا کرتے تھے۔

❷ بخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: ٣٥٦١؛ ترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في خلق النبي ﷺ، حديث: ٢٠١٥؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب طيب ريحه ولين مسه، حديث: ٦٠٥٣ صحیحین میں عطر کی جگہ عنبرہ اور عرق کی جگہ رائحۃ ہے۔ ❸ بخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: ٣٥٥٢ (شمس کے لفظ نہیں ہیں)۔

❹ مسلم، كتاب الفضائل، باب طيب ريحه ولين مسه، حديث: ٦٠٥٤۔

❺ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب طيب ريحه ولين مسه، حديث: ٦٠٥٢۔

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ رَّاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ يَقُوْلُ نَاعِتُهُ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَ لَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔ ❶

''جو کوئی یکا یک حضور ﷺ کے سامنے آ جاتا وہ دہل جاتا جو پہچان کر پاس آ بیٹھتا وہ شیدا ہو جاتا دیکھنے والا کہا کرتا کہ میں نے حضور ﷺ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے یا پیچھے نہیں دیکھا۔''

رُبَیّع بنت معوذ صحابیہ ہیں۔ ان سے عمار بن یاسر کے پوتے نے کہا کہ نبی ﷺ کا کچھ حلیہ بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا:

لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً۔ ❷

''اگر تو حضور کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ سورج نکل آیا۔''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، چاندنی رات تھی، نبی ﷺ حلۂ حمرا اوڑھے لیٹ رہے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا کبھی حضور ﷺ پر نگاہ ڈالتا تھا۔

فَإِذَا هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِيْ مِنَ الْقَمَرِ۔ ❸

''بالآخر میں نے یہی سمجھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوشنما ہیں۔''

اس روایت کا لفظ عِنْدِیْ عجیب طور پر لذتِ دیدار و ذوق نظارہ کو ظاہر کر رہا ہے۔ وہی چہرہ جس کے دیدار سے جابر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قلب کو منور کرتا ہے۔ حدیث ترمذی میں ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں آپ کو دیکھنے گیا تھا۔ فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ ❹

''یعنی مجھے تو چہرہ نظر آتے ہی عرفان ہو گیا کہ جھوٹے میں یہ بات کہاں؟''

ام سلیم رضی اللہ عنہا جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ ایک نیک خاتون ہیں۔ نبی ﷺ کبھی کبھی دوپہر کو ان کے گھر سوتے، بستر چمڑے کا تھا۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا پسینے کی بوندوں کو جمع کر لیتی اور شیشی میں بہ احتیاط رکھ لیتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو انہوں نے کہا:

عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيْبِ۔ ❺

''یہ حضور ﷺ کا پسینہ ہے۔ ہم اسے عطر میں ملا لیں گے اور یہ تو سب عطروں سے بڑھ کر ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایام خلافت میں رات کو گشت کے لیے نکلے، سنا کہ ایک عورت دھنک رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے:

عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلٰوةُ الْأَبْرَارِ صَلّٰى عَلَيْهِ الطَّيِّبُوْنَ الْأَخْيَارُ

---

❶ ترمذی، کتاب المناقب، باب وصف آخر من علی، حدیث: ٣٦٣٨۔

❷ دارمی، باب ماجاء فی حسن النبی ﷺ، حدیث: ٦١۔ ❸ شمائل ترمذی، حدیث ٨، باب ماجاء فی خلقه؛ الدارمی باب ماجاء فی حسن النبی ﷺ، حدیث: ٥٨۔ ❹ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب حدیث افشوا السلام، حدیث: ٢٤٨٥۔

❺ مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرقه والتبرك به، حدیث: ٦٠٥٥؛ بخاری، کتاب الاستئذان، باب من زار قوما فقال عندهم، حدیث: ٦٢٨١۔

لَقَدْ كَانَ قَوَّامًا بَكَى بِالْأَسْحَارِ يَالَيْتَ شِعْرِىْ وَالْمَنَايَا أَطْوَارُ

هَلْ تَجْمَعْنِىْ وَحَبِيْبِى الدَّارُ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ گئے، روتے رہے اور چند دن تک صاحبِ فراش رہے مجھے جذبات محبت کا دکھانا مقصود ہے۔

ذرا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان چند اشعار کو دیکھو جو وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں:

جِنَا بِقِيلِكَ التُّرْبَ لَهْفِي لَيْتَنِى غُيِّبْتُ قَبْلَكَ فِى بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ

أَأُقِيْمُ بَعْدَكَ بِالْمَدِيْنَةِ بَيْنَهُمْ يَالَهْفَ نَفْسِى لَيْتَنِى لَمْ أُوْلَدْ

فَظَلَلْتُ بَعْدَ وَفَاتِهِ مُلَبَّدًا يَالَيْتَنِى أُسْقِيْتُ سَمَّ الْأَسْوَدِ

أَوْحَلَّ أَمْرُ اللّٰهِ فِيْنَا عَاجِلاً مِنْ يَوْمِنَا فِى رَوْحَةٍ أَوْ فِى غَدِ

فَتَقُوْمُ سَاعَتُنَا فَنَلْقٰى طَيِّبًا مَحْضًا ضَرَائِبُهُ كَرِيْمُ الْمَحْتَدِ

وَاللّٰهِ أَسْمَعُ مَا بَقِيْتُ بِهَالِكٍ إِلَّا بَكَيْتُ عَلَى النَّبِىِّ مُحَمَّدِ

صَلَّى الْإِلٰهُ وَ مَنْ يَحُفُّ بِعَرْشِهِ وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ أَحْمَدِ

ترجمہ: جب مٹی نے آپ کو چھپایا تو مجھے دریغ آتا تھا کہ میں کیوں اس سے پیشتر قبر میں نہیں جا چکا تھا؟ کیا اب میں حضور کے بعد مدینہ میں لوگوں کے اندر بھی بیٹھا کروں گا؟ ہائے افسوس میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ میں تو وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد از ہوش رفتہ بن گیا ہوں۔ کاش کوئی کالا سانپ آئے مجھے ڈس جائے۔ یاالٰہی آج ہی یا کل ہی تک موت آ جائے یا قیامت ہی کھڑی ہو جائے کہ ہم طیب پاک کریم النفس، جمیل الشیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملیں۔

اللہ خوب سنتا ہے، میں تو جب تک زندہ رہوں گا محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر روتا رہوں گا۔ اللہ اور حاملانِ عرش اور سب طیب لوگ احمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھے ہوئے تھے کہ محبت صرف ایمائے لفظی سے ثابت نہیں ہو سکتی ہے وَدُوْدُ الْغَفُوْر نے بھی ان لوگوں کو جو محبت الٰہی کا دعویٰ رکھتے تھے صاف طور پر فرما دیا تھا:

﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ ﴾ ❷

''اگر اللہ سے محبت ہے تو میری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) اتباع کرو۔''

اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ وہ کام کیے جو ہزاروں سال تک اسلام کی صداقت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلوص اور محبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معنی کا مفہوم ظاہر کرتے رہیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور توقیر و تعظیم کیوں کر کیا کرتے تھے۔ مغیرہ کی روایت

---

❶ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ابرار کے درود، اس پر طیبون داخیار درود پڑھ رہے ہیں وہ تو راتوں کو جاگنے والے سحر کو رونے والے تھے۔ موت تو بہتیری آتی ہے کاش مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد بھی مجھے حضور کی زیارت نصیب ہوگی۔ ❷ ۳/ آل عمران:۳۱۔

میں ہے کہ اگر کسی صحابی کو حضور ﷺ کے در دولت پر دستک کی بھی ضرورت پڑا کرتی تو وہ اپنے ناخنوں کے ساتھ دروازہ کو کھٹکھٹایا کرتا تھا۔

کوئی صحابی حضور ﷺ کے سامنے ایسی آواز سے نہ بولتا کہ اس کی آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی ہوتی اس ادب کی تعلیم خود اللہ برتر نے دی تھی:

﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ ❶

''لوگو! اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔''

ائمہ اعلام اس حکم کو دوام کے لیے قرار دیتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ صوت النبی ہے۔ حدیث پاک کے ہوتے اپنے قال و قیل کو پیش کرنا اپنی رائے اور سمجھ کو شامل کرنا صوت النبی ﷺ پر اپنی صوت بلند کرنا ہے نہی بالا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح بھی فرمائی ہے۔ جو ان آداب کی پابندی کرتے ہیں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ﴾ ❷

''جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں یہ وہی ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللہ تعالیٰ نے تقویٰ میں لیا ہے۔''

پس محبت النبی ﷺ کی ایک علامت ہمارے لیے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے کلام اور فرمودہ کی عزت ہمارے دل میں ہو اور جب کوئی حکم صحیح طور پر نبی معصوم سے جس کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے۔ ہم کو مل جائے اس وقت اس کی قبولیت اور تعمیل میں ہم کو ذرا تامل اور عذر باقی نہ رہے۔

محبت النبی ﷺ کی ایک علامت یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ذکر خیر زبان پر اکثر جاری رہے۔ حدیث پاک میں ہے:

((مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهِ)) ❸

''جس کسی کو کوئی چیز پیاری ہوتی ہے وہ اس کا ذکر اکثر کیا کرتا ہے۔''

محبت النبی ﷺ کی ایک علامت یہ ہے کہ آل نبی کے ساتھ سچے دل اور شفاف قلب سے محبت ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات میں ہے کہ جب وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے روزینے مقرر کرنے لگے، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (اپنے فرزند) کا روزینہ تین ہزار مقرر کیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا تین ہزار ۵۰۰ سالانہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اسامہ رضی اللہ عنہ کو کون سی فضیلت حاصل ہے وہ کسی غزوہ میں میری طرح حاضر نہیں رہا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا باپ تیرے باپ سے اور وہ خود تجھ سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پیارے تھے، اس لیے میں نے اپنے پیارے پر نبی ﷺ کے پیارے کو ترجیح دی ہے۔

سیدین شہیدین حسنین رضی اللہ عنہما اور ان کے ابوین طیبین کی محبت عین محبت النبی ﷺ ہے ان کے فضائل یاد رکھنا بیان کرنا، ان

---

❶ ٤٩/ الحجرات:٢۔ ❷ ٤٩/ الحجرات:٣۔

❸ زرقانی المقصد السابع الفصل الاول فی وجوب محبتہ۔

کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا عین محبت نبوی ہے۔

مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم سے جن کے اوصاف قرآن مجید و احادیث پاک میں بکثرت موجود ہیں محبت رکھنا محبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم اور متابعت سنت خلفا عین محبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس بحث کی تکمیل ان شاء اللہ جلد ثالث میں کی جائے گی۔

أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا إِلَى حُبِّكَ۔

باب ہشتم

﴿ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ ﴾ ❶

واقعاتِ سیرت کو قلمبند کرتے وقت بڑے بڑے فاضل مصنف واقعات کو یوم و تاریخ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ کبھی دن صحیح ہوتا ہے تو تاریخ غلط ہوتی ہے۔ کبھی تاریخ صحیح ہوتی ہے تو دن غلط اس لیے سن ہجری کے متعلق مختصر طور پر لکھا جاتا ہے، تاکہ تصحیح و تطبیق ایام و تواریخ ہجری کے لیے کارآمد ہو۔ اس بارے میں تمام مبحث جو موجب طوالت اور ہمارے موضوع سے زائد ہیں، چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

(۱) سنہ ہجری

۱: یہ سنہ خالص قمری ہے، قمری ہجری سال ۳۵۴ دن سے کم اور ۳۵۵ دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ (یہ سنہ جولین پیریڈ کے ۱۹۴۸۴۳۹ دن گزرنے کے بعد شروع ہوا ہے۔)

۲: اہل ہیئت نے سنین قمری کو دور صغیر و کبیر پر تقسیم کیا ہے۔ ۳۰ سال قمری کا دور صغیر اور (۷) دور صغیر یعنی کہ ۲۱۰ سال قمری کا دور کبیر ❷ ہوتا ہے، دور صغیر کے ۳۰ سال میں سے ۱۹ سال تو ۳۵۴ دن کے اور ۱۱ سال ۳۵۵ دن کے ہوتے ہیں (اور بلحاظ تعداد ایام ہر دور صغیر ۱۰۶۳۱ دن کا اور دور کبیر ۷۴۴۱۷ دن کا ہوتا ہے۔)

۳: ہر دور صغیر دوسرے دور صغیر کے ساتھ یہ مماثلت رکھتا ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ پہلے دور صغیر میں قمری مہینے ۲۹۔۲۹ یا ۳۰۔۳۰ دن کے آئے تھے، اس سے ملحق دوسرے دور میں بھی سب قمری مہینے اسی ترتیب کے ساتھ ۲۹۔۲۹ یا ۳۰۔۳۰ دن کے آئیں گے اور پچھلے دور صغیر کے تمام سال اور مہینے اپنے سے پہلے دور کے برسوں اور مہینوں سے بالترتیب پانچ دن بعد شروع ہوا کرتے ہیں۔

۴: دور کبیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے دور کے برسوں اور مہینوں کے مطابق ہوتا ہے یعنی برسوں اور مہینوں کے شروع ہونے کے دن اور ان کے دنوں کی تعداد بالترتیب بالکل وہی ہوتی ہے جو اس سے ماسبق دور میں تھی۔

۵: دور صغیر ۱۰۶۳۱ دن کا اور دور کبیر ۷۴۴۱۷ دن کا ہوتا ہے۔

۶: نقشہ مندرجہ ذیل میں ۱ھ ہجری سے ۱۴۷۰ھ تک سالہائے ہجری کے شروع ہونے کا دن رؤیت عرب کے مطابق درج کیا گیا ہے اور ۳۵۵ دن کے برسوں کو خطوط وحدانی میں دکھایا گیا ہے۔

غرہ سنہ ہجری کے دریافت کرنے کا قاعدہ

نقشہ مندرجہ ذیل سے کسی سال ہجری شروع ہونے کا دن معلوم کرنے کے لیے پہلے یہ دیکھیں کہ وہ سال ۲۱۰ سال سے کم

---

❶ ۱۰/ یونس:۵۔ ❷ سنہ ہجری کا پہلا دور کبیر ۲۱۰ ہجری کو ختم ہوتا ہے، اس میں دس سال عہد نبوت کے ہیں باقی ماندہ دو سو ۲۰۰ سال وہ ہیں جو حدیث الآیات بعد المائتین کے ہیں۔

ہے یا زیادہ۔ اگر ۲۱۰ سے کم ہے تو اسے ۳۰ پر تقسیم کریں۔ اگر ۲۱۰ سال سے زیادہ ہے تب اس کو ۲۱۰ پر تقسیم کریں۔ جتنی بار تقسیم ہوا اس ہندسہ کو خانہ (ب) میں اور جتنے سال بعد تقسیم باقی رہیں ان کو خانہ (الف) میں دیکھیں خانہ (الف) کے ہندسہ کی سیدھ میں خانہ (ب) کے ہندسہ کے نیچے جو دن لکھا ہوا ملے گا، اسی دن سے وہ سال ہجری شروع ہوگا۔

نقشہ غرہ سنین قمری از ۱ ہجری تا ۱۴۷۰ ہجری

سالہائے ہجری (الف)						دور ہائے ۳۰ سالہ (ب)						
سالہائے ہجری						۲۱۰	۳۰	۶۰	۹۰	۱۲۰	۱۵۰	۱۸۰
۱		۹	۱۷	۲۵	بجدول جنتری کے مطابق	یک شنبہ	جمعہ	چہارشنبہ	دوشنبہ	شنبہ	پنجشنبہ	سہ شنبہ
(۲)		۱۰	۱۸	۲۶		جمعہ	چہارشنبہ	دوشنبہ	شنبہ	پنجشنبہ	سہ شنبہ	یک شنبہ
		۱۱	۱۹	۲۷		سہ شنبہ	یک شنبہ	جمعہ	چہارشنبہ	دوشنبہ	شنبہ	پنجشنبہ
	۴	۱۲	۲۰	۲۸		شنبہ	پنجشنبہ	سہ شنبہ	یک شنبہ	جمعہ	چہارشنبہ	دوشنبہ
	(۵)	(۱۳)	(۲۱)	۲۹		پنجشنبہ	سہ شنبہ	یک شنبہ	جمعہ	چہارشنبہ	دوشنبہ	شنبہ
	۶	۱۴	۲۲			دوشنبہ	شنبہ	پنجشنبہ	سہ شنبہ	یک شنبہ	جمعہ	چہارشنبہ
	۷	۱۵	۲۳			شنبہ	پنجشنبہ	سہ شنبہ	یک شنبہ	جمعہ	چہارشنبہ	دوشنبہ
۳	(۸)	(۱۶)	(۲۴)	(۳۰)		چہارشنبہ	دوشنبہ	شنبہ	پنجشنبہ	سہ شنبہ	یک شنبہ	جمعہ

۷: سنین ہجری و عیسوی کی تواریخ و شہور کی مطابقت کے لیے ذیل میں جدول تعداد ایام سالہائے ہجری درج کی جاتی ہے۔ جب کسی سال ہجری کا غرہ اور اس کے مطابق عیسوی تاریخ ماہ و سنہ معلوم کرنا ہو تو جس قدر پورے سال ہجری گزر چکے ہوں ان ہجری سالوں کے دن جدول تعداد ایام سالہائے ہجری سے معلوم کر کے ان میں ۲۲۷۰۱۵ دن جمع کریں۔ مجموعہ ایام کے برابر دنوں کا شمار یکم جنوری ۱ ء عیسوی یوم دوشنبہ سے بحساب جدید شمار کریں جیسا کہ سنہ عیسوی جدید کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ جس سال مہینے تاریخ عیسوی پر وہ دن ختم ہوں اسی تاریخ عیسوی کو سنہ مطلوب ہجری کا یکم محرم ہوگا۔

تعداد ایام عیسوی از یکم جنوری ۱ء یوم دوشنبہ تا آغاز یکم محرم سنین مندرجہ ذیل	جدول تعداد ایام سالہائے ہجری			تعداد ایام عیسوی از یکم جنوری ۱ء یوم دوشنبہ تا آغاز یکم محرم سنین مندرجہ ذیل	جدول تعداد ایام سالہائے ہجری		
	سالہائے ہجری	تعداد ایام	میزان افزون ایام		سالہائے ہجری	تعداد ایام	میزان افزون ایام
۲۲۷۰۱۴	۱	۱۰	۳۵۴	۲۳۳۳۳۰	(۱۶)	۳۵۵	۵۶۷۰
۲۲۷۰۶۸	(۲)	۳۵۵	۷۰۹	۲۳۲۶۸۵	۱۷	۳۵۴	۶۰۲۴
۲۲۷۷۲۳	۳	۳۵۴	۱۰۶۳	۲۳۳۰۳۹	۱۸	۳۵۴	۶۳۷۸
۲۲۸۰۷۷	۴	۳۵۴	۱۴۱۷	۲۳۳۳۹۳	(۱۹)	۳۵۵	۶۷۳۳
۲۲۸۴۳۱	(۵)	۳۵۵	۱۷۷۲	۲۳۳۷۴۸	۲۰	۳۵۴	۷۰۸۷

۲۲۸۷۸۶	۶	۳۵۴	۲۱۲۶	۲۳۳۱۰۲	(۲۱)	۳۵۵	۷۴۴۲
۲۲۹۱۴۲	۷	۳۵۴	۲۴۸۰	۲۳۳۴۵۷	۲۲	۳۵۴	۷۷۹۶
۲۲۹۴۹۵	(۸)	۳۵۵	۲۸۳۵	۲۳۳۸۱۱	۲۳	۳۵۴	۸۱۵۰
۲۳۹۸۵۰	۹	۳۵۴	۳۱۸۹	۲۳۱۵۶۵	(۲۴)	۳۵۵	۸۵۰۵
۲۳۰۲۰۴	۱۰	۳۵۴	۳۵۴۳	۲۳۵۵۲۰	۲۵	۳۵۴	۸۸۵۹
۲۳۰۵۵۸	(۱۱)	۳۵۵	۳۸۹۸	۲۳۵۸۷۴	۲۶	۳۵۴	۹۲۱۳
۲۳۰۹۱۳	۱۲	۳۵۴	۴۲۵۲	۲۳۶۲۲۸	(۲۷)	۳۵۵	۹۵۶۸
۲۳۱۲۶۷	(۱۳)	۳۵۵	۲۶۰۷		۲۸	۳۵۴	۹۹۲۲
۲۳۱۶۲۲	۱۴	۳۵۴	۴۹۶۱		۲۹	۳۵۴	۱۰۲۷۶
۲۳۱۹۷۶	۱۵	۳۵۴	۵۳۱۵		(۳۰)	۳۵۵	۱۰۶۳۱

جدول دور ہائے صغیر قمری مع تعداد ایام		جدول دور ہائے کبیر مع تعداد ایام	
تعداد سالہائے قمری	تعداد ایام	تعداد سالہائے قمری	تعداد ایام
۳۰	۱۰۶۳۱	۴۲۰	۱۴۸۸۳۴
۶۰	۲۱۲۱۲		
۹۰	۳۱۸۹۳	۶۳۰	۲۲۳۲۵۱
۹۰	۳۱۸۹۳	۸۴۰	۲۹۷۶۸۶
۱۲۰	۴۲۵۲۴	۱۰۵۰	۳۷۲۰۸۵
۱۵۰	۵۳۱۵۵	۱۲۶۰	۴۴۶۵۰۲
۱۸۰	۶۳۷۸۶	۱۴۷۰	۵۲۰۹۱۹
۲۱۰	۶۴۴۱۷		

۸: اسلام میں سنہ ہجری کا استعمال بعہد خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جاری ہوا۔ (یوم الخمیس ۳۰ جمادی الثانی ۱۷ھ م ۹/۱۲ جولائی ۶۳۸ء) علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سنہ کا شمار واقعہ ہجرت نبویہ سے کیا گیا اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے محرم کو پہلا مہینہ مقرر کیا گیا۔

۹: سن ہجری میں ایک عجیب فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ شروع سے حال تک اپنی صورت مجوزہ پر چلا آتا ہے جو دنیا کے مروجہ سنین میں سے غالباً کسی سنہ میں نہیں پائی جاتی۔

دوسری عجیب خصوصیت اس کی یہ ہے کہ بلحاظ تداول و استعمال بھی سنہ ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم سنہ ہے۔ اگرچہ وہ اپنے اعداد کے لحاظ سے سنہ ہجری سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں مثلاً یکم محرم ۱ھ ۶ جولائی ۵۳۳۵ جولین کے

مطابق۔

(الف) جولین پریڈ کا سنہ بظاہر سنہ ہجری سے ۵۳۳۴ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ سنہ ہجری سے ۹۸۹ سال بعد ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے۔

(ب) سنہ عبرانی کے مطابق یکم محرم ۱ھ ہجری کے دن ۳ آب ۴۳۸۲ عبری تھا۔ اس لیے بظاہر سن عبرانی ہجری سے ۴۳۸۱ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، مگر در اصل یہ سنہ ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔

(ج) سنہ کل جگ سنہ ہجری سے ۳۷۲۳ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، مگر یورپین مورخ اور ہیئت دان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سنہ چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا۔ یعنی اپنے حساب سے ۳۴ صدیوں کے گزرنے کے بعد اس کا نام عالم وجود میں لایا گیا تھا۔

(د) سنہ سکندری سنہ ہجری سے ۹۳۲ سال پہلے کا ہے، مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے کیونکہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا ہے اور اب اسے شمسی مہینوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(ہ) سمت پروشٹہ سنہ ہجری سے ۶۷۸ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر ہندو اور یوروپین محققین (بال کرشنا ڈک شٹ۔ رابرٹ سیول وغیرہ) کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ ۷۹۸ پروشٹہ سب سے پہلا سال ہے جو سمت پروشٹہ کے نام سے موسوم ہوا چونکہ ہم پہار طرہ اول ۷۹۸ پروشٹہ ۲۳ جمادی الاول ۲۲۶ ہجری کے مطابق ہے اس حساب سے سمت سنہ ہجری ۲۲۵ سال بعد شروع ہوتا۔

(و) سنہ عیسوی قدیم کا استعمال یورپ میں آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ جب کہ سنہ ہجری کی دوسری صدی تھی۔

(ز) عیسوی جدید یعنی جو سال کہ اب یورپ و امریکہ میں سب جگہ جاری ہے۔ انگلستان میں ۱۷۵۲ء عیسوی بمطابق ذیقعدہ ۱۱۶۵ھ ہجری میں جاری ہوا تھا۔

۱۰: اسلام نے سال کا شمار قمری حساب پر رکھا ہے اور اس حساب کو شمسی حساب کے برابر کرنے کے لیے کوئی لوند یعنی کبیسہ کا مہینہ اختیار نہیں کیا، کیوں کہ اسلام دین الفطرت ہے۔ اس لیے ضرور تھا کہ شارع علیہ السلام اس نہج حساب کو پسند فرماتے، جو فطرت کے اصول پر اور مبنی بر مصلحت دین ہے اسلام کی اعلیٰ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت مساوات کی بھی ہے اور ایک خصوصیت اس کی ہمہ گیری بھی ہے۔ اسلام نے ان خصائص کی حصانت وحمایت میں یہ پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے موسم میں آیا کریں اور لوند وغیرہ کے اضافے سے اس صفتِ تقلب ایام کا سد باب نہ کیا جائے۔ ذرا اسلام کے رکن چہارم ماہ رمضان پر غور کرو کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ صیام کے لیے کوئی شمسی مہینہ مقرر فرما دیتے یا قمری حساب میں کبیسہ (لوند) لگانا منظور فرما لیتے تو نتیجہ کیا ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ مہینہ خواہ گرم موسم کا ہوتا یا سرد موسم کا مگر لابدی حالت یہ ہوتی کہ نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ کے لیے آسانی میں اور نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ کے لیے تنگی وسختی میں پڑ جاتے، کیوں کہ ایک عالم علم جغرافیہ سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ماہ دسمبر جو نصف شمالی دنیا کا سرد اور سب سے چھوٹے دن کا مہینہ ہے۔ وہ نصف جنوبی دنیا کا گرم اور طویل دن کا مہینہ ہے۔ پس اسلام کی مساوات جہانگیری کا اقتضا ہی یہ تھا کہ اسلامی سال قمری حساب پر ہوتا اور قمر کی حرکات کو انسانی اختراع لوند وغیرہ کی شمولیت سے کالعدم نہ کر دیا جاتا۔ (وللہ الحجۃ البالغۃ)

(۲) جولین پیریڈ

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از آغاز سنہ ہذا	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از شروع سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک جس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
سہ شنبہ	جنوری	۳۶۵ دن ۶ گھنٹے	,,	۲۰ شعبان ۵۴۹۹ھ	۱۹۲۹۷۲۵ ❶

سنہ جولین پیریڈ جو ۱۵۸۲ء مطابق ۹۹۰ھ میں وضع کیا گیا تھا۔ اس کا آغاز مختلف سنین و تواریخ کی تصحیح و تطبیق کی غرض سے سنہ عیسوی سے ۴۷۱۳ سال (شمسی) پہلے قرار دیا گیا ہے۔ سال کی مقدار ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ہے مگر تین سال تک ۶ گھنٹے کی کسر کو ترک کیا جائے تو ہر سال ۳۶۵ دن کا رہ جاتا ہے۔ جب ۴ سال میں ۶ گھنٹے کی کسر سے ۲۴ گھنٹے کا دن ہو جاتا ہے تو وہ ایک دن فروری کے مہینے میں شامل ہو کر فروری کا مہینہ ۲۸ دن کی بجائے ۲۹ دن کا ہو جاتا ہے اور ہر چوتھا سال ۳۶۶ دن کا ہوتا ہے۔

سنہ جولین پیریڈ کا دور صغیر ۲۸ سال کا ہے، جس کے بعد سال کے مہینے اور دن بدستور سابق واقع ہوتے ہیں اس لیے ذیل میں ۲۹ سالہ دور جولین پیریڈ کا نقشہ درج کیا جاتا ہے، جس میں جولین پیریڈ کے ہر سال کے شروع ہونے کا دن درج ہے۔

(۳) سنہ عبرانی

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از سنہ ہذا	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
دوشنبہ	تسری	۱۲۔۱۳ ماہ قمری	۳۴۷۹۹۷	۲۸ شعبان ۴۵۱۷ھ	۱۵۸۱۷۲۸

نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارک کا سال جولین پیریڈ ۵۲۸۴ھ ہے۔ اس کو ۲۸ سال پر تقسیم کرنے سے ۲۰ سال باقی رہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۲۸۴ھ جولین پیریڈ اسی دن سے شروع ہوگا جس سے دور صغیر کا بیسواں سال شروع ہوا تھا، نقشہ بالا سے ظاہر ہے کہ بیسواں سال بدھ کو شروع ہوا تھا۔ اسی لیے ۲۰ھ کی یکم جنوری بدھ کے دن سے شمار کرتے ہیں۔

---

❶ ۵ھ آغاز سنہ عیسوی سے ۴۷۱۳ سال پہلے شمار کیا گیا ہے یعنی جولین پریڈ کا سال (۱۰۲۲۷) دن کا ہے اس کے بعد تمام سال مہینے اس طرح ایام ہفتہ کے مطابق ہیں جس طرح دو سابق میں واقع ہوئے تھے۔

انبیائے بنی اسرائیل کے زمانے میں سال کا آغاز ماہ نیساں سے کیا جاتا تھا مگر یہود نے اپنا سال قبل از موسیٰ علیہ السلام فصل خریف میں ماہ تسری سے شروع کرنا اختیار کر لیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے عام سے سال کا آغاز نیساں سے کرنے لگے پھر اسے چھوڑ کر ماہ تسری ہی سے آغاز سال مانا گیا۔ یہ تبدیلی ۳۵۸ھ میں ہوئی تھی مگر دسویں صدی عیسوی مطابق ہشتم صدی ہجری تک یہود کا اپنا سنہ کوئی نہیں تھا۔ اس وقت تک وہ سنہ سکندری کو اسرائیلی مہینوں کے ساتھ استعمال کرتے تھے پندرھویں صدی عیسوی مطابق نیم صدی ہجری میں یہود نے اپنا سنہ سنہ پیدائش کے نام سے قرار دے کر اس سنہ کا آغاز بہ حساب خود پیدائش آدم علیہ السلام سے ایک سال پہلے اور سنہ سکندری سے ۳۴۴۹ سال پہلے شمار کیا ہے، بروئے حساب یہود پیدائش آدم علیہ السلام کو سنہ سکندری تک ۳۴۴۸ سال گزرے تھے۔ اولین سال یہود کے ہاں ماہ تسری کی پہلی تاریخ ۷ اکتوبر ۳۷۶۱ء ۹۵۳ء جولین یوم دوشنبہ کے مطابق تھی۔ سنین یہود کا حساب دور ۱۹ سالہ پر رکھا گیا ہے۔ ۱۳۳۱ھ یہود ۱۸/ ۱۶ اقبل ۵۷ء کو سہ شنبہ کے دن مطابق ۲۹ رجب شروع ہوا تھا۔ یہ سال ۳۵۴ دن کا تھا۔

دور ۱۹ سالہ میں بارہ بار ماہ قمری اور سات سال تیرہ تیرہ ماہ قمری کے ہوتے ہیں ۱۲ ماہہ سال کو سال بسیط اور ۱۳ ماہہ سال کو سال کبیسہ کہتے ہیں۔ پھر سال مکبوس و مبسوط کو تین اقسام پر منقسم کیا جاتا ہے۔

سالہائے مبسوط	سالہائے مکبوس
سال بسیط ناقص = ۳۵۳ دن	سال کبیسہ ناقص = ۳۸۳ دن
سال بسیط معتدل = ۳۵۴ دن	سال کبیسہ معتدل = ۳۸۴ دن
سال بسیط کامل یا زائد = ۳۵۵ دن	سال کبیسہ کامل یا زائد = ۳۸۵ دن

۳۵۳ دن کا سال ایام ہفتہ میں سے شنبہ یا دوشنبہ کو شروع ہوگا۔ ۳۵۴ دن کا سال ایام ہفتہ میں سے سہ شنبہ و پنجشنبہ کو شروع ہوگا۔ ۳۵۵ دن اور ۳۸۳ دن اور ۳۸۵ دن کا سال شنبہ دوشنبہ و پنجشنبہ کو ۳۸۴ دن کا سال ہمیشہ سہ شنبہ سے شروع ہوگا۔

یہود کا کوئی سال جمعہ، اتوار، بدھ سے شروع نہیں ہوتا۔

سنہ عیسوی میں ماہ ستمبر سے پہلے ۳۷۶۰ سال اور ستمبر کے بعد ۳۷۶۱ سال جمع کر دینے سے عبرانی سال معلوم ہو جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی پیدائش مبارک تک:

دور صغیر	۱۵۷۵۳۱۱	دن کے
۱۷ سال	۶۲۰۰	دن کے
۷ مہینے	۲۰۷	دن کے
آٹھویں مہینے کے	۱۰	دن

۱۵۸۱۷۲۸ کل دن ہوئے تھے۔ اس سنہ کے مطابق تاریخ ولادت ۱۰ آیار ۴۳۳۱ عبرانی ہے۔

(۴) نوح یا سنہ طوفان

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	سال کا پہلا مہینہ	تعداد ایام سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از آغاز سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
پنجشنبہ	توت	۳۶۵	۵۸۸۴۶۴	۲۷۔ ربیع الاول ۳۸۳۸ق	۱۳۴۱۲۶۱

طوفان سے ولادت مسیح علیہ السلام تک کی مدت میں عیسائی علما میں اختلاف ہے کیونکہ تورات عبرانی سے ۲۳۴۸ تورات سامری سے ۲۹۹۸ تورات یونانی سے ۳۱۲۸ سال شمسی مدت کا استخراج ہوتا ہے ۱۳۰ سال سے ۷۸۰ سال تک کا باہمی فرق پایا جاتا ہے۔ سنہ طوفان کا دور سات سال کا ہے۔ اس کے بعد سال مہینے ہفتے کے ایام بدستور سابق واقع ہوتے ہیں۔ ابومعشر بلخی نے بحساب رفتار کو کب طوفان کا تعین اس وقت سے کیا ہے جب سبع سیاروں کا اجتماع برج حوت کے ۲۷ درجے سے برج حمل کے پہلے درجہ تک ہوا تھا۔ اسی طرح ابومعشر کے حساب سے سے سنہ عیسوی تک ۳۱۰۲ سال شمسی کی مدت ہوتی ہے اس لیے ابومعشر کی قرارداده مدت آغاز طوفان عیسائیوں کی استنباط کردہ مدت از تورات یونانی سے ۲۶ سال بعد ہے۔

ابومعشر ابوریحان کے حساب سے طوفان کا آغاز سنہ ہجری سے ۱۳۵۹۹۷۵ دن قبل ہوا تھا۔ اس حساب سے سنہ طوفان کا پہلا دن سنہ عیسوی سے ۳۰۱۲ سال پہلے ۱۷ فروری ۱۶۱۲ء جولین یوم پنجشنبہ کے مطابق آتا ہے۔ پروفیسر جرمن یونیورسٹی جس نے البیرونی کی کتاب الآثار الباقیہ کا عربی سے جرمن زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ طوفان کا پہلا دن یوم جمعہ شمار کیا ہے یہ اختلاف اس لیے ہے کہ طوفان کا وقت ابن البازیار نے کتاب القرانات میں پنجشنبہ و جمعہ کی درمیانی رات کو شروع ہونا لکھا ہے۔ اس لیے طوفان کا پہلا دن بعض اہل علم نے شب طوفان سے پہلے یوم پنجشنبہ کو قرار دیا اور بعض اہل علم نے شب طوفان کے بعد کا پہلا دن جمعہ کو قرار دیا۔ قدیم کتب ہیئت میں سنہ طوفان کا آغاز پنجشنبہ کے دن سے شمار کیا گیا ہے۔ ابومعشر بلخی نے سنہ شمسی کی مقدار ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے تسلیم کرنے کے باوجود سنہ طوفان کو شمسی حساب سے قرار دے کر سال ۳۶۵ دن کا رکھا ہے جس کا ہر مہینہ ۳۰۔ ۳۰ دن کا شمار ہوتا ہے اور ۵ دن آخر سال میں بڑھا کر ۳۶۵ دن پر ختم کیا گیا ہے:

(۵) کل جگ

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے

جمعہ	بیساکھ	منٹ گھنٹے د ن ۱۲-۶- ۳۶۵ سیکنڈ ۲۶،۵۵۸۵۳	۵۸۸۴۶۵	۲۸ ربیع الاول ۳۸۳۸	۴۱۲۶۰

سال مبدل کا کل جگ یوم اعتدال ربیعی سے ۵۸ دن پہلے ۱۷-۱۸ فروری کی درمیانی شب کے ۱۲ بجے سے شروع ہوا تھا۔ اس سال میں اعتدال ربیع کا دن ۱۶ ۱۱ اپریل ۱۶۱۲ مطابق ۲۹ جیٹھ یوم یک شنبہ کو ہوا تھا اور سنہ ایک کل جگ کا شمار اس سے ایک سال بعد کیا جاتا ہے۔ مبدا کل جگ کو علمِ ہیئت کی اصطلاح میں سالِ صفر کل جگ کہتے ہیں۔

سنہ طوفان اور سنہ کل جگ کے جداگانہ ہونے کی وجہ سے بظاہر سنہ طوفان و سنہ کل جگ دو مختلف سنہ معلوم ہوتے ہیں مگر سنہ طوفان و سنہ کل جگ دونوں ایک ہیں دونوں کا آغاز شب طوفان سے ہوتا ہے سنہ کل جگ کا آغاز بھی طوفان نوح علیہ السلام کے واقعہ عظیمہ کی یادگار ہے سنہ کل جگ کے مطابق تاریخ ولادت یکم جیٹھ ۳۶۷۲ ہے۔

(۶) سنہ ابراہیمی

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
یک شنبہ	اکتوبر	منٹ گھنٹے د ن - ۶ - ۳۶۵		۵ ربیع الثانی ۲۷۱۷ ق	۹۴۴۰۰۸

سنہ عیسوی میں ۲۰۱۴ سال ۳ ماہ جمع کرنے سے اسی سنہ عیسوی کے مطابق کا سنہ ابراہیمی ہوتا ہے۔ آرک بشپ اُشر نے ولادت ابراہیم کا زمانہ عیسوی سے ۱۹۹۶ سال قبل تحریر کیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا (دیکھو جلد چہارم مطبوعہ دفعہ نہم ص ۶۸۱) نے ولادت ابراہیم کو ۲۰۱۵ قبل عیسوی تحریر کیا ہے جو مطابق یکم اکتوبر ۲۶۹۹ جولین پیریڈ کے ہے ہم نے اس نقشہ میں انسائیکلوپیڈیا کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ اس سنہ کے مطابق ولادت مبارک ساتویں مہینے کی بیس تاریخ کو تھی۔

(۷) بخت نصری

۶	۵	۴	۳	۲	۱
تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	تعداد ایام سال	شروع سال کا پہلا مہینہ	شروع سنہ کا پہلا دن
۴۸۱۰۸۸	۴ شعبان ۱۴۱۱ھ۔ق	۱۴۴۸۶۳۷	۳۶۵ دن	توت	چہارشنبہ

یہ سنہ بخت نصر اول کے یوم جلوس ۲۶ فروری ۷۴۷ء جولین اور ۷۴۷ سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بخت نصر وہ نہیں، جس نے بیت المقدس کو ویران کیا وہ تو اس سے ۱۴۲ سال بعد تھا۔

اس سنہ کا دور سات سال کا ہے۔ اس کے بعد سال، مہینے ان ہی ایام ہفتہ کو ہوتے ہیں۔ جس طرح سات پہلے گزرے تھے۔ اس سنہ کے مطابق تاریخ ولادت نبوی ۱۸ توت ۱۳۱۹ بخت نصری ہے۔

(۸) سنہ سکندری

۶	۵	۴	۳	۲	۱
تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	مقدار سال	شروع سال کا پہلا مہینہ	شروع سنہ کا پہلا دن
۳۲۱۹۸۷	۲۴۔ رجب ۹۶۲ھ	۱۶۰۷۷۳۸	دن گھنٹے ۳۶۵۔۶	تشرین اول	دوشنبہ

سنہ سکندری آج کل قسطنطنیہ میں سنہ رومی کے نام سے بحیثیت سال شمسی ظاہری ہے۔ اس کا چوتھا سال جس کو ۴ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی رہتے ہوں ۳۶۶ دن کا ہوتا ہے، جس میں ماہِ شباط بجائے ۲۸ دن کے ۲۹ دن لیا جاتا ہے اس سنہ کا دور ۲۸ سال کا ہے جس کے بعد سال و ماہ و ایام ہفتہ دور سابق کے مطابق ہوتے ہیں۔

اس سنہ کو اہل یورپ مقدونوی یا سلوکسی سنہ کہتے ہیں۔ یہ سنہ سکندر کی وفات سے بارہ سال بعد اس کے جانشین جنرل سلوکس نے بابل فتح کرنے پر جاری کیا تھا۔ اس کا شمار سنہ عیسوی سے ۳ ماہ ۳۱۱ سال قبل یکم اکتوبر ۴۴۰۲ء جولیانی سے ہوتا ہے۔ اس کے سنہ کے مطابق تاریخ ولادت نبوی، ۲۰ نیسان ۸۸۲ سکندری ہے۔

(۹) بکرمی بروشٹھ

۶	۵	۴	۳	۲	۱

شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از شروع سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
شنبہ	بیساکھ	منٹ۔ گھنٹے۔ دن ۳۶۵۔۶۔۱۲ ۳۶٫۵۵۸۵۳	۱۷۰۰۶۷۵	۲۸ شوال ۷۰۰ ق۔ھ	۲۲۹۰۵۰

سمت بروشٹہ اگر چہ بظاہر شمسی سال معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں یہ سنہ شمسی نہیں بلکہ شمسی کو بکی شامل ہے کیونکہ شمسی سال کے مطابق تو دن رات کا برابر ہونا اور بہت چھوٹا اور سب سے بڑا دن ایک ہی مقررہ تاریخ پر واقع ہوتے ہیں اور سمت بروشٹہ میں فصلِ ربیع وخریف میں دن رات کا برابر ہونا اور سب سے بڑا اور سب سے چھوٹا دن مختلف مہینوں اور تاریخوں میں ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ سنہ بروشٹہ کا یکم بیساکھ سنہ عیسوی سے ۵۶ سال ۹ ماہ ۱۹ دن قبل ۱۳ مارچ ۷۶۵ء جولین کو آفتاب کے برج حمل میں داخل ہونے سے ۱۰ دن پہلے ہمارے زمانے میں سنہ بکری بروشٹہ۔ یوم اعتدال ربیعی سے ۲۳ دن بعد ۱۳ اپریل کو شروع ہوتا ہے اس سنہ کے مطابق ولادت یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ ہے۔

(۱۰) بکرمی قمری شمسی سال

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از شروع سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
شنبہ	چیت	۱۲۔۱۳ ماہ قمری	۱۷۰۰۶۷۵	۲۸۔ شوال ۷۰۰	۲۲۹۰۵۰

ہندی قمری شمسی بکرمی سال ۱۳/۱۲ ماہ قمری کا ہوتا ہے۔ ہر ماہ قمری ۱۵۔۱۵ دن کے دو حصوں پر تقسیم ہے نصف اول کو بدی پکش کہتے ہیں جو عموماً چاند کی ۱۴ تاریخ سے شروع ہو کر ۲۸ کو ختم ہوتا ہے نصف دوم کو شدی پکش کہتے ہیں۔ یہ پکش رویت ہلال سے ایک دو دن پہلے شروع ہو کر چاند کی ۱۳ کو ختم ہوتا ہے۔ بدی پکش سے پندرھویں دن کا نام اماوس (اجتماع نیرین) ہے۔ شدی پکش کے پندرھویں دن کا نام پورنماشی (بدر) ہے یہ سال اس وقت شروع ہوتا ہے جب ماہ چیت کے ۱۵ دن گزر کر ۱۵ دن باقی رہتے ہیں۔ اس طرح ماہ چیت قمری کا نصف اول سال ماقبل میں اور نصف دوم سال مابعد میں شامل ہوا کرتا ہے سال ۱۳ ماہ کا اس وقت ہوتا ہے جب شمسی سال کے کسی شمسی مہینہ میں اجتماع نیرین دو دفعہ واقع ہوتا ہے۔ یہ ان شمسی مہینوں میں ہوتا ہے جو ۳۰ دن سے زائد کے ہوتے ہیں۔ تیرھویں مہینے کا نام اوبک ماس ہے جسے لوند بولتے ہیں۔ لوند کا مہینہ سوریا سدھانتا کے قاعدہ سے اس وقت زیادہ کیا

جاتا ہے۔ جب معمولی مہینے کا نصف اول گزر چکا ہو اور نصف ثانی باقی ہو۔ مگر جنوبی ہندوستان میں لوند کا پورا مہینہ معمولی مہینہ سے پہلے زیادہ کرتے ہیں۔ جب کسی ماہ شمسی میں اجتماع نیرین ایک دفعہ بھی نہیں ہوتا تو اس ماہ شمسی کے قمری مہینہ کا نام سال کے مہینوں میں شمار نہیں کیا جاتا اس مہینے کو کشیا (متروک) کہتے ہیں، کشیا کا مہینہ منکسر یوس ماگھ کے سوا نہیں ہو سکتا۔ کشیا کی وجہ سے سال ۱۱ ماہ کا رہ جاتا ہے اس کی کو پورا کرنے کے لیے اصل قمری مہینہ کے عوض لوند کا مہینہ زیادہ کیا جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کشیا کا مہینہ اسی سال میں واقع ہوتا ہے جس سال کے ایک ماہ شمسی میں دو دفعہ اجتماع نیرین ہوتا ہے۔ اندریں صورت کشیا کے سال میں ۱۱ مہینے قمری تو اصل ہوتے ہیں اور دو مہینے لوند کے (ایک کشیا کے عوض کا، ایک اودبک ماس کا ہوتا ہے) اس کشیا کا سال اکثر ۱۳ مہینے کا اور شاذ ۱۲ مہینے کا ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی پیدائش مبارک تک ۶۲۷ قمری شمسی سالوں میں ۳۹۶ سال ۱۲ ماہ اور ۲۳۱ سال ۱۳ ماہ یعنی کل ۷۷۵۵ ماہ گزرے تھے۔ منجملہ ان کے ۳۶۴۱ ماہ، ۲۹۔۲۹ دن کے اور ۴۱۱۴ مہینے ۳۰۔۳۰ دن کے تھے اسی طرح ۶۲۷ قمری شمسی سالوں کے ۲۲۹۰۹۰ دن ہوتے ہیں۔ ان میں ۱۵ دن چیت شدی ۶۲۸ کے ۱۵ دن بیساکھ بدی ۶۲۸ کے ۱۱ دن بیساکھ شدی ۶۲۸ کے شامل کرنے سے تاریخ ولادت باسیادت آنحضرت ﷺ تک ۲۲۹۰۵۰ دن ہو جاتے ہیں اس طرح آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارک موہنی اکاوش کے دن ہوتی ہے جو ہنود کے اعتقاد میں نہایت مقدس دن سمجھا جاتا ہے۔

(۱۱) عیسوی قدیم

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام دور جولیانی قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک، اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
شنبہ	جنوری	گھنٹے۔ دن ۶۔۳۶۵	۱۷۲۱۴۲۳	۱۲ جمادی الاول ۶۴۰ ق ھ	۲۰۸۳۰۲

سنہ عیسوی حضرت مسیح علیہ السلام کے سال پیدائش سے شروع کیا گیا تھا، مگر زمانہ حال کے محققین یورپ نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت اس سنہ سے ۴ سال پہلے کی ہے۔ تاریخی طور پر سنہ عیسوی کا سب سے پہلی دفعہ لکھا جانا ۲۸ھ مطابق ۱۳۰ ھ سے ہے۔ اس سنہ کا دور ۲۸ سال کا ہے۔ جس کے بعد سال مہینے اور مہینوں کی تاریخیں انہی ایام ہفتہ کو واقع ہوتی ہیں، جس طرح ۲۸ سالہ دور گزشتہ میں ہوئی تھیں۔ مختلف ممالک میں مارچ یا ایسٹر یا کرسمس یا ستمبر سے شروع کیا جاتا تھا۔ انگلستان نے ۱۷۵۲ء سے جنوری سے آغاز کیا۔ اب یورپ و امریکہ میں سال کا آغاز اس مہینہ سے مانا جاتا ہے۔

اس سنہ کے مطابق ولادت مبارک ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہے۔

(۱۲) عیسوی جدید

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام جولین پیریڈ قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
دوشنبہ	جنوری	گھنٹے۔دن ۵۔ ۳۶۵ سیکنڈ۔منٹ ۴۶۔۴۸	۱۷۲۱۴۲۵	۱۸ جمادی الاول ۶۴۱ ق۔ہ	۲۰۸۳۰۰

قدیم حساب میں سال کی مقدار صحیح مقدار سے ۱۱ منٹ ۱۴ سیکنڈ زیادہ تھی اس لیے اعتدال ربیعی کا دن ۲۱ مارچ تھا اور ۱۵۸۲ء میں ۱۱ مارچ اس روز افزوں غلطی کی درستی کے لیے اصلاح کرنی پڑی حالیہ قاعدہ سے یوم اعتدال ربیعی خریفی سب سے بڑا اور سب سے چھوٹا دن اپنی مقررہ تاریخوں پر ہوتے ہیں اور وہ اندیشہ بھی نہ رہا کہ کبھی سرد موسم کے مہینے گرم موسم میں یا گرم موسم کے مہینے سردی میں آ جائیں گے۔قدیم حساب میں یوم دوشنبہ کو ۳ جنوری ۱ء عیسوی تھی۔حساب جدید میں دوشنبہ کو یکم جنوری ۱ء قرار دی گئی ہے بہ حساب قدیم ہر پوری صدی کا سال ۳۶۶ دن کا اور صدی ۳۶۵۲۵ دن کی ہوتی تھی۔اب بہ حساب جدید پہلی صدی سے ۳۹ صدیوں تک جس صدی کو ۴۰۰ پر تقسیم کرنے سے باقی کچھ نہ رہے، اس پوری صدی کا سال ۳۶۶ دن کا اور وہ صدی ۳۶۵۲۵ دن کی ہیں اور جو پوری صدی ۴۰۰ پر تقسیم نہیں ہوسکتیں ان کا سال ۳۶۵ دن کا اور وہ صدی ۳۶۵۲۴ دن کی ہیں۔اس سنہ کے مطابق ولادت مبارک ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو ہے۔

(۱۳) قطبی جدید

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام دور جولیانی قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از شروع سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوت تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
جمعہ	توت	گھنٹے۔دن ۶۔۳۶۵	۱۸۲۵۰۲۹	۲۹ رمضان المبارک ۳۴۹ ق۔ہ	۱۰۴۲۶۹۲

یہ سنہ روما کے آخری بت پرست بادشاہ قلطیانوس انطاکی کے یوم جلوس ۲۹ اگست ۲۸۴ء یوم جمعہ سے شروع ہوتا ہے۔آج کل مصر میں جاری ہے۔اس سنہ میں ۳ سال ۳۶۵ دن کے اور سال چہارم جسے ۴ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی رہ جائیں ۳۶۶ دن کا ہوتا

ہے۔ ہر مہینہ تیس دن کا۔ ۳۶۵ دن کے سال میں ۱۲ مہینوں کے بعد ۵ دن نسئی کے اور ۳۶۶ دن کے سال میں ۶ دن نسئی کے زیادہ کر لیتے ہیں۔

اس سنہ کا دور ۲۸ سال کا ہے اس سنہ کے مطابق ولادت مبارک ۲۵ برمودہ ۲۷۸ کو ہوتی ہے۔

(۱۴) جلوس نوشیروانی

۱	۲	۳	۴	۵	۶
شروع سنہ کا پہلا دن	شروع سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام دور جولیانی قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
شنبہ	خورداد	۳۶۵	۱۹۱۵۲۶۰	۱۴۔ جمادی الاول ۹۴ ق۔ھ	۱۴۴۶۵

مجوس میں سنہ کا استعمال ہر بادشاہ کے سال جلوس سے ہوتا تھا۔ نئے بادشاہ کے جلوس سے پہلا مستعمل سنہ متروک ہو جاتا تھا۔ نوشیرواں کا جلوس آغاز سال مجوس سے ۶۳ دن بعد بروز شنبہ ۱۳/۱۵ ستمبر ۵۳۱ء مطابق ۴ ماہ خرداد کو ہوا تھا اور نبی ﷺ کی ولادت باسعادت یوم جلوس نوشیروانی سے ۱۴۴۶۴ دن کے بعد ۴۰ سنہ جلوس نوشیروانی میں ۱۸ ماہ دے مطابق ۲۰/۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی مجوس کا مستقل سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے کا ہے مگر ۱۱۹ سال تک ۶ گھنٹے کی سالانہ کسر کو شمار میں نہیں لاتے جب ۱۲۰ سال میں ۶ گھنٹے سالانہ کی متروک کسروں کے مجموعہ سے ۳۰ دن بن جاتے ہیں تب ایک مہینہ کبیسہ کا ۱۲۰ سال میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

۱۲۰ سال کا دور صغیر اور ۱۲ دور صغیر یعنی ۱۴۴۰ سال کا دور کبیر ہوتا ہے کبیسہ کا مہینہ ہر دور صغیر کے بعد اس طرح اضافہ کرتے ہیں کہ پہلے دور کے ۱۲۰ ویں سال میں ماہ اول دو بار۔ دوسرے دور کے ۱۲۰ ویں سال میں دوسرا مہینہ دو بار تیسرے دور کے ۱۲۰ ویں سال میں تیسرا مہینہ دو بار، اسی طرح دور اعظم کے ۴۴۰ ویں سال بارھواں مہینہ دو بار شمار ہو کر از سر نو ماہ اول سے ماہ کبیسہ کا شمار کرتے ہیں۔

یزدجرد آخری بادشاہ فارس کے بعد کبیسہ کے بڑھانے کا دستور تو جاتا رہا ہے اب پارسیوں میں یزدجروی سال ۳۶۵ دن کا اس طرح مستعمل ہے کہ مہینہ ۳۰ دن کا شمار ہوتا ہے اور پانچ دن خمسہ مترقہ کے اضافہ کر کے سال کو ۳۶۵ دن کا شمار کرتے ہیں ۵ دن مجوس ماہ آبان کے بعد زیادہ کرتے ہیں اور اہل اسلام آخری ماہ کے بعد بڑھاتے ہیں۔ اس طرح ماہ دے سے آخر سال تک پارسیوں کی تاریخ مورخین اسلام کی تاریخ سے ۵ دن کم ہوتی ہے سنہ مجوسی کا دور سات سال کا ہے۔

(۱۵) عام الفیل

۱	۲	۳	۴	۵	۶

شروع سنہ کا پہلا دن	سال کا پہلا مہینہ	مقدار سال	تعداد ایام دور جولیانی قبل از شروع سنہ	شروع سنہ کی قمری تاریخ قبل از سنہ ہجری	تعداد ایام شروع سنہ سے تاریخ ولادت نبوی تک اس میں یوم ولادت بھی شامل ہے
یک شنبہ	جمعرات محرم	منٹ گھنٹے دن ۴۸_۸_۳۵۴ سیکنڈ ۳۳،۴۴	۱۹۲۹۶۵۷ ۱۹۲۹۶۷۴	۱۸_محرم ۵۳ ق_ہ	۵۱/۶۸

اصحاب الفیل کا حملہ مکہ معظمہ پر محرم کی ۱۷ تاریخ کو ہوا تھا۔ اس لیے سنہ اصحاب الفیل کا شمار ۱۸ محرم یوم یک شنبہ سے کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ پیدائش نبی ﷺ سے ۵۰ دن پہلے کا ہے۔ محرم کے ۱۳ دن۔ صفر کے ۲۹ دن۔ ربیع الاول کے ۸ دن = کل۔ ۵۰ دن اس سنہ کے مطابق ولادت مبارک ۹ ربیع الاول ۱ ء عام الفیل کو ہوئی۔

جدول آغاز شہور قمری بابت بست و سہ سال نبوت محمدیہ ﷺ

بقید دوم و تطبیق و تاریخ و ماہ و سال مسیحیہ متعلق جلد دوم کتاب ''رحمۃ للعالمین''

سنین اسلام	محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی
۴۱ میلاد النبی	خمیس ۴_۱۲_۶۰۹	شنبہ ۳_۱_۶۱۰	یکشنبہ ۱_۲_۶۱۰	سہ شنبہ ۳_۳_۶۱۰
(۴۲)	دوشنبہ ۲۳_۱۱_۶۱۰	چارشنبہ ۲۳_۱۲_۶۱۰	جمعہ ۲۲_۱_۶۱۱	شنبہ ۲۰_۲_۶۱۱
(۴۳)	شنبہ ۱۳_۱۱_۶۱۱	یک شنبہ ۱۲_۱۲_۶۱۱	سہ شنبہ ۱۱_۱_۶۱۲	چارشنبہ ۹_۲_۶۱۲
(۴۴)	چارشنبہ ۱_۱۱_۶۱۲	جمعہ ۱_۱۲_۶۱۲	شنبہ ۳۰_۱۲_۶۱۲	دوشنبہ ۲۹_۱_۶۱۳
(۴۵)	دوشنبہ ۲۲_۱۰_۶۱۳	منگل ۲۰_۱۱_۶۱۳	خمیس ۲۰_۱۲_۶۱۳	جمعہ ۱۸_۰_۶۱۴
(۴۶)	جمعہ ۱۱_۱۰_۶۱۴	شنبہ ۹_۱۱_۶۱۴	دوشنبہ ۹_۱۲_۶۱۴	بدھ ۸_۱_۶۱۵
(۴۷)	منگل ۳۰_۹_۶۱۵	خمیس ۳۰_۱۰_۶۱۵	جمعہ ۲۸_۱۱_۶۱۵	اتوار ۲۸_۱۱_۶۱۵
(۴۸)	اتوار ۱۹_۹_۶۱۶	دوشنبہ ۸_۱۰_۶۱۶	بدھ ۱۷_۱۱_۶۱۶	خمیس ۱۶_۱۲_۶۱۶
(۴۹)	خمیس ۸_۹_۶۱۷	شنبہ ۸_۱۰_۶۱۷	اتوار ۶_۱۱_۶۱۷	منگل ۶_۱۲_۶۱۷
(۵۰)	دوشنبہ ۲۸_۸_۶۱۸	بدھ ۲۷_۹_۶۱۸	خمیس ۲۶_۱۰_۶۱۸	شنبہ ۲۵_۱۱_۶۱۸
(۵۱)	شنبہ ۱۸_۸_۶۱۹	اتوار ۱۶_۹_۶۱۹	منگل ۱۶_۱۰_۶۱۹	بدھ ۱۴_۱۱_۶۱۹
(۵۲)	بدھ ۶_۸_۶۲۰	جمعہ ۵_۹_۶۲۰	شنبہ ۴_۱۰_۶۲۰	دوشنبہ ۳_۱۱_۶۲۰
(۵۳)	شنبہ ۲۷_۷_۶۲۱	منگل ۲۵_۸_۶۲۱	خمیس ۲۴_۹_۶۲۱	جمعہ ۲۳_۱۰_۶۲۱

ہجری	جمعہ ۲۷-۷-۶۲۲	یکشنبہ ۱۵-۸-۶۲۲	دوشنبہ ۱۲-۹-۶۲۲	منگل ۱۲-۱۰-۶۲۲
(۲)	منگل ۵-۷-۶۲۳	خمیس ۴-۸-۶۲۳	جمعہ ۲-۹-۶۲۳	اتوار ۲-۱۰-۶۲۳
۳	اتوار ۶-۶-۶۲۴	دوشنبہ ۳-۷-۶۲۴	بدھ ۲۲-۸-۶۲۴	خمیس ۲۰-۹-۶۲۴
۴	خمیس ۱۳-۶-۶۲۵	شنبہ ۱۳-۷-۶۲۵	اتوار ۱۱-۸-۶۲۵	منگل ۱۰-۹-۶۲۵
سنین اسلام	جمادی الاول	جمادی الآخر	رجب	شعبان
(۵)	دوشنبہ ۳-۶-۶۲۶	بدھ ۲-۷-۶۲۶	خمیس ۲۱-۷-۶۲۶	شنبہ ۳۰-۸-۶۲۶
۶	شنبہ ۲۳-۵-۶۲۷	اتوار ۲۱-۶-۶۲۷	منگل ۲۱-۷-۶۲۷	بدھ ۱۹-۸-۶۲۷
۷	بدھ ۱۱-۵-۶۲۸	جمعہ ۱۰-۶-۶۲۸	شنبہ ۹-۷-۶۲۸	دوشنبہ ۸-۸-۶۲۸
(۸)	اتوار ۳۰-۴-۶۲۹	منگل ۳۰-۵-۶۲۹	بدھ ۲۸-۶-۶۲۹	جمعہ ۲۸-۷-۶۲۹
۹	جمعہ ۲۰-۴-۶۳۰	شنبہ ۱۹-۵-۶۳۰	دوشنبہ ۱۸-۶-۶۳۰	منگل ۱۷-۷-۶۳۰
۱۰	منگل ۹-۴-۶۳۱	خمیس ۹-۵-۶۳۱	جمعہ ۷-۶-۶۳۱	اتوار ۷-۷-۶۳۱
۱۱	شنبہ ۲۸-۳-۶۳۲	دوشنبہ ۲۷-۴-۶۳۲	بدھ ۲۷-۵-۶۳۲	خمیس ۲۵-۶-۶۳۲
۴۱	چارشنبہ ۱-۴-۶۱۰	جمعہ ۱-۵-۶۱۰	شنبہ ۳۰-۵-۶۱۰	دوشنبہ ۲۹-۶-۶۱۰
۴۲	دوشنبہ ۲۲-۳-۶۱۱	سہ شنبہ ۲۰-۴-۶۱۲	خمیس ۲۰-۵-۶۱۱	جمعہ ۱۸-۶-۶۱۱
۴۳	جمعہ ۱۰-۳-۶۱۲	یکشنبہ ۱۹-۴-۶۱۲	دوشنبہ ۸-۵-۶۱۲	چارشنبہ ۷-۶-۶۱۲
۴۴	سہ شنبہ ۲۷-۲-۶۱۳	خمیس ۲۹-۳-۶۱۳	معہ ۲۷-۴-۶۱۳	یکشنبہ ۲۷-۵-۶۱۳
۴۵	اتوار ۱۷-۲-۶۱۴	دوشنبہ ۱۸-۲-۶۱۴	بدھ ۱۷-۴-۶۱۴	خمیس ۱۶-۵-۶۱۴
۴۱	خمیس ۶-۲-۶۱۵	مشنبہ ۸-۳-۶۱۵	اتوار ۶-۴-۶۱۵	منگل ۶-۵-۶۱۵
۴۷	دوشنبہ ۲۶-۱-۶۱۶	بدھ ۲۵-۳-۶۱۶	جمعہ ۲۶-۳-۶۱۶	شنبہ ۲۴-۴-۶۱۶
۴۸	شنبہ ۱۵-۱-۶۱۷	اتوار ۱۴-۲-۶۱۷	منگل ۱۵-۳-۶۱۷	بدھ ۱۳-۴-۶۱۷
۴۹	چارشنبہ ۴-۱-۶۱۸	جمعہ ۳-۱-۶۱۸	شنبہ ۴-۳-۶۱۸	دوشنبہ ۳-۴-۶۱۸
(۵۰)	دوشنبہ ۲۵-۱۲-۶۱۹	منگل ۲۳-۱-۶۱۹	خمیس ۲۲-۲-۶۱۹	جمعہ ۲۲-۳-۶۱۹
۵۱	جمعہ ۱۴-۱۲-۶۲۰	شنبہ ۱۲-۱-۶۲۰	دوشنبہ ۱۱-۲-۶۲۰	منگل ۱۱-۳-۶۲۰
(۵۲)	منگل ۲-۱۲-۶۲۱	خمیس ۱-۱-۶۲۱	جمعہ ۳۰-۱-۶۲۱	اتوار ۱-۳-۶۲۱

سنین اسلام	جمادی الاول	جمادی الآخر	رجب	شعبان
۵۳	اتوار۲۲-۱۱-۶۲۲	دوشنبہ۲۱-۱۲-۶۲۲	بدھ۲۰-۱-۶۲۲	خمیس۱۸-۲-۶۲۲
۱-ہجری	خمیس۱۱-۱۱-۶۲۳	شنبہ۱۱-۱۲-۶۲۳	اتوار۹-۱-۶۲۳	منگل۸-۲-۶۲۳
(۲)	دوشنبہ۳۱-۱۰-۶۲۳	بدھ۳۰-۱۱-۶۲۳	خمیس۲۹-۱۲-۶۲۳	شنبہ۲۸-۱-۶۲۴
۳	شنبہ۲۰-۱۰-۶۲۴	اتوار۱۸-۱۱-۶۲۴	منگل۱۸-۱۲-۶۲۴	بدھ۱۶-۱-۶۲۵
۴	بدھ۹-۱۰-۶۲۵	جمعہ ۸-۱۱-۶۲۵	شنبہ۷-۱۲-۶۲۵	دوشنبہ۲۶-۱۲-۶۲۶
۵	اتوار۲۸-۹-۶۲۶	منگل۲۸-۱۰-۶۲۶	خمیس۲۷-۱۱-۶۲۶	جمعہ۶-۱-۶۲۷
۶	جمعہ۱۸-۹-۶۲۷	شنبہ۱۷-۱۰-۶۲۷	دوشنبہ۱۶-۱۱-۶۲۷	منگل۱۵-۱۲-۶۲۷
۷	منگل۶-۹-۶۲۸	خمیس۶-۱۰-۶۲۸	جمعہ۴-۱۱-۶۲۸	اتوار۴-۱۲-۶۲۸
۸	شنبہ۲۶-۸-۶۲۹	دوشنبہ۲۵-۹-۶۳۰	بدھ۲۵-۱۰-۶۲۹	خمیس۲۳-۱۱-۶۲۹
۹	خمیس۱۶-۸-۶۳۰	جمعہ۱۴-۹-۶۳۰	اتوار۱۴-۱۰-۶۲۰	دوشنبہ۱۲-۱۱-۶۳۰
۱۰	دوشنبہ۵-۸-۶۳۱	بدھ۴-۹-۶۳۱	خمیس۳-۱۰-۶۳۱	شنبہ۲-۱۱-۶۳۱
۱۱	شنبہ۲۵-۷-۶۳۲	اتوار۲۳-۸-۶۳۲	منگل۲۲-۱۰-۶۳۲	بدھ ۲۱-۱۱-۶۳۲
سنین اسلام	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ
۴۱میلادنبوی	سہ شنبہ۲۸-۷-۶۱۰	خمیس۲۷-۸-۶۱۰	جمعہ۲۵-۹-۶۱۰	یکشنبہ۲۵-۱۰-۶۱۰
۴۲	یکشنبہ۱۸-۷-۶۱۱	دوشنبہ۲۶-۸-۶۱۱	بدھ۱۵-۹-۶۱۱	خمیس۲۴-۱۰-۶۱۱
۴۳	خمیس۶-۷-۶۱۲	شنبہ۵-۸-۶۱۲	دوشنبہ۴-۹-۶۱۲	سہ شنبہ۳-۱۰-۶۱۲
۴۴	دوشنبہ۲۵-۶-۶۱۳	چارشنبہ۲۵-۷-۶۱۳	جمعہ۲۴-۸-۶۱۳	شنبہ۲۲-۹-۶۱۳
۴۵	شنبہ۱۵-۶-۶۱۴	اتوار۲۱-۷-۶۱۴	منگل۱۳-۸-۶۱۴	بدھ۱۱-۹-۶۱۴
۴۶	بدھ۴-۶-۶۱۵	جمعہ۲۱-۷-۶۱۵	شنبہ۲-۸-۶۱۵	دوشنبہ۱-۹-۶۱۵
سنین اسلام	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ
۴۷	دوشنبہ۲۴-۵-۶۱۶	منگل۲۲-۶-۶۱۶	خمیس۲۲-۷-۶۱۶	جمعہ۲-۸-۶۱۶
۴۸	جمعہ۱۳-۵-۶۱۷	شنبہ۱۱-۶-۶۱۷	دوشنبہ۱۱-۷-۶۱۷	بدھ۱۰-۸-۶۱۷
۴۹	منگل۲-۵-۶۱۸	خمیس۱-۶-۶۱۸	جمعہ۳۰-۶-۶۱۸	اتوار۳۰-۷-۶۱۸

۵۰	اتوار ۲۲ـ۴ـ۶۱۹	دوشنبہ ۲۱ـ۵ـ۶۱۹	بدھ ۲۰ـ۶ـ۶۱۹	خمیس ۱۹ـ۷ـ۶۱۹
۵۱	خمیس ۱۰ـ۱ـ۶۲۰	شنبہ ۱۰ـ۱ـ۶۲۰	اتوار ۶ـ۶ـ۶۲۰	منگل ۸ـ۷ـ۶۲۰
۵۲	دوشنبہ ۳۰ـ۳ـ۶۲۱	بدھ ۲۹ـ۴ـ۶۲۱	خمیس ۲۸ـ۵ـ۶۲۱	شنبہ ۲ـ۶ـ۶۲۱
۵۳	شنبہ ۲۰ـ۳ـ۶۲۲	اتوار ۱۸ـ۴ـ۶۲۲	منگل ۱۸ـ۵ـ۶۲۲	بدھ ۱۶ـ۶ـ۶۲۲
ا ہجری	بدھ ۹ـ۳ـ۶۲۳	جمعہ ۸ـ۴ـ۶۲۳	شنبہ ۷ـ۵ـ۶۲۳	دوشنبہ ۶ـ۶ـ۶۲۳
۲	اتوار ۲۶ـ۲ـ۶۲۴	منگل ۲۷ـ۳ـ۶۲۴	خمیس ۲۶ـ۴ـ۶۲۴	جمعہ ۲۵ـ۵ـ۶۲۴
۳	جمعہ ۱۵ـ۲ـ۶۲۵	شنبہ ۱۶ـ۳ـ۶۲۵	دوشنبہ ۱۵ـ۴ـ۶۲۵	منگل ۱۴ـ۵ـ۶۲۵
۴	منگل ۴ـ۲ـ۶۲۶	خمیس ۶ـ۳ـ۶۲۶	جمعہ ۴ـ۴ـ۶۲۶	اتوار ۴ـ۵ـ۶۲۶
۵	اتوار ۲۵ـ۱ـ۶۲۷	دوشنبہ ۲۳ـ۲ـ۶۲۷	چارشنبہ ۵ـ۳ـ۶۲۷	خمیس ۲۳ـ۴ـ۶۲۷
۶	خمیس ۲۵ـ۱ـ۶۲۸	جمعہ ۱۲ـ۲ـ۶۲۸	اتوار ۱۳ـ۳ـ۶۲۸	منگل ۱۲ـ۴ـ۶۲۸
۷	دوشنبہ ۱۴ـ۱ـ۶۲۹	بدھ ۱ـ۲ـ۶۲۹	خمیس ۲ـ۳ـ۶۲۹	شنبہ ۱ـ۴ـ۶۲۹
۸	شنبہ ۱۳ـ۱۲ـ۶۲۹	اتوار ۲۱ـ۱ـ۶۳۰	منگل ۲ـ۲ـ۶۳۰	بدھ ۲۱ـ۳ـ۶۳۰
۹	بدھ ۱۴ـ۱۲ـ۶۳۰	خمیس ۱۰ـ۱ـ۶۳۱	شنبہ ۹ـ۲ـ۶۳۱	دوشنبہ ۱۱ـ۳ـ۶۳۱
۱۰	اتوار ۱ـ۱۲ـ۶۳۱	منگل ۳۱ـ۱۲ـ۶۳۱	بدھ ۲۹ـ۱ـ۶۳۱	خمیس ۲۷ـ۳ـ۶۳۲
۱۱	جمعہ ۲ـ۱۱ـ۶۳۲	شنبہ ۱۹ـ۱۲ـ۶۳۲	دوشنبہ ۱۸ـ۱ـ۶۳۳	منگل ۱۶ـ۲ـ۶۳۳

جدول واقعات عظیمہ متعلق سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والصلوٰۃ

شمارہ	واقعہ	یوم	سنہ قمری اسلامی					سن شمس عیسوی			سنہ قمری
			تاریخ	ماہ	قمری ولادت	سنہ نبوت	سنہ ہجرت	تاریخ	ماہ	سال	عیسوی ❶
۱	ولادت باسعادت	یک شنبہ / دوشنبہ	یکم/۹	محرم/ربیع الاول	۱/۱			۲/۱۵	فروری / اپریل	۵۷۱/۵۷۱	۵۸۸/۵۸۸
۲	بعثت نبوت	دوشنبہ	۹	ربیع الاول	۴۱	۱		۹/۱۲	۲	۶۱۰	۶۲۸
۳	نماز فجر وعصر کا مسلمانوں پر فرض ہونا	دوشنبہ	۹	ربیع الاول	۴۱	۱		//	//	//	//
۴	آغاز نزول قرآن مجید	شب جمعہ	۱۷	رمضان	۴۱	۱		۱۴/۱۷	۸	۶۱۰	۶۲۸
۵	ہجرت صحابہ بملک حبش			رجب	۴۵	۵			۴	۶۱۴	۶۳۲
۶	نبی ﷺ کا محصور ہونا	سہ شنبہ	یکم	محرم	۴۷	۷		۳۰/۳	۹/۱۰	۶۱۵	۶۳۴
۷	سفر طائف			جمادی الثانی	۵۰	۱۰			۲	۶۱۹	۶۳۷
۸	معراج وفرضیت نماز خمسہ	دوشنبہ	۲۷ شب	رجب	۵۰	۱۰		شب ۱۹/۲۲	مارچ	۶۱۹	۶۳۷
۹	ابتدائے ایمان اہل مدینہ			ذی الحج	۵۰	۱۰			۷	۶۱۹	۶۳۷
۱۰	بیعت عقبہ اولیٰ			ذی الحج	۵۲	۱۲			۷	۶۲۱	۶۳۹
۱۱	بیعت عقبہ ثانیہ			ذی الحج	۵۳/۵۴	۱۳/۱۴			۶ جون	۶۲۲	۶۴۰

❶ اگست ۱ ؁ یوم چہار شنبہ کو محرم کی پہلی تاریخ تھی ہم نے سنہ عیسوی قمری کا آغاز اسی تاریخ سے کیا ہے ہم نے عیسوی قمری سنہ اس لیے وضع کیا، تاکہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ ایک مدت معینہ میں شمسی اور قمری برسوں میں کس قدر تفاوت ہو جاتا ہے۔

۱۲	ہجرت از مکہ و داخلہ غار	شب جمعہ	۲۷	صفر	۵۴	۱۴	۱	شب ۱۳/۱۰	۹ ستمبر	۶۲۲	۶۴۱
۱۳	داخلہ قبا	دوشنبہ	۸	ربیع الاول	۵۴	۱۴	۱	۲۰/۲۳	۶ ستمبر	۶۲۲	۶۴۱
۱۴	داخلہ مدینہ طیبہ	جمعہ دوشنبہ	۱۲/۲۲	ربیع الاول	۵۴	۱۴	۱	۲۴/۲۸ ۴/۷	۶ ستمبر/ ۱۰ اکتوبر	۶۲۲	۶۴۱ [1]
۱۵	بنیاد مسجد نبوی			ربیع الاول	۵۴	۱۴	۱		۱۰ اکتوبر	۶۲۲	۶۴۱
۱۶	ظہر و عصر و عشاء کی نمازوں میں اضافہ			ربیع الثانی	۵۴	۱۴	۱		۱۰ اکتوبر	۶۲۲	۶۴۱
۱۷	تحویل قبلہ	شنبہ	۱۵	شعبان	۵۵	۱۵	۲	۱۱/۱۴	۱۰ اکتوبر	۶۲۳	۶۴۲
۱۸	فرضیت کے بعد رمضان کا سب سے پہلا روزہ	یک شنبہ	یکم	رمضان	۵۵	۱۵	۲	۳۶/۲۹	۲ فروری	۶۲۴	۶۴۲
۱۹	فرضیت زکوٰۃ				۵۵	۱۵	۲			۶۲۴	۶۴۲
۲۰	فرضیت جہاد				۵۵	۱۵	۲			۶۲۴	۶۴۲
۲۱	جنگ بدر کا دن	سہ شنبہ	۱۷	رمضان	۵۵	۱۵	۲	۱۳/۱۶	۳ مارچ	۶۲۴	۶۴۲
۲۲	تحریم خمر				۵۶	۱۶	۳			۶۲۵	۶۴۳
۲۳	حکم حجاب نساء	جمعہ	یکم	ذی قعدہ	۵۷	۱۷	۴	۴/۷	۴ اپریل	۶۲۶	۶۴۴
۲۴	تبلیغ اسلام بسلاطین عظام	چارشنبہ	یکم	محرم	۶۰	۲۰	۷	۱۱/۱۴	۵ مئی	۶۲۸	۶۴۷
۲۵	فتح المبین مکہ	پنجشنبہ	۲۰	رمضان	۶۱	۲۱	۸	۱۱/۱۴	۱ جنوری	۶۳۰	۶۴۸

[1] یہ تاریخ امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ہے، دیگر علمائے سیر نے داخلہ مدینہ کی تاریخ جمعہ ۱۲ ربیع الاول اختیار کی ہے۔

۲۶	فرضیت حج				۶۲	۲۲	۹			۶۳۱	۶۴۹
۲۷	اولین حج اسلام جو امامتِ صدیق اکبر ہوا	دوشنبہ/سہ شنبہ	۹	ذی الحج	۶۲	۲۲	۹	۱۸/۲۱	۳ مارچ	۶۳۱	۶۴۹
۲۸	حجۃ الوداع نبی ﷺ	جمعہ		ذی الحج	۶۳	۲۳	۱۰	۶/۹	۳ مارچ	۶۳۲	۶۵۰
۲۹	ابتدائے مرض نبوی	دوشنبہ	۲۹	صفر	۶۴	۲۴	۱۱	۲۵/۲۸	۵ مئی	۶۳۲	۶۵۱
۳۰	وفات پر آیات	چاشت دوشنبہ	۱۳	ربیع الاول	۶۴	۲۴	۱۱	۸/۱۱	۶ جون	۶۳۲	۶۵۱
۳۱	تدفین پیکر اطہر ﷺ	شب چہارشنبہ ۳۲ گھنٹے بعد از وفات	۱۴	ربیع الاول	۶۴	۲۴	۱۱	۹/۱۲	۶ جون	۶۳۲	۶۵۱

قصیدہ در حمد باری تعالیٰ

خدائے عزوجل کے لیے ہے شکر نعم زیادہ حدّ و عدد سے ہیں جس کے فضل و کرم
وہی ملک ہے، وہی مستعان، وہی معبود وہی اللہ وہی ہادیٔ رہِ اقوم
وہی ہے غافر ذنب اور وہی ہے قابل توب وہی ہے نائر ارض و سما و نور و ظلم
وہی ہے رافع عزوعلا و مجد و عطا وہی ہے دافع درد و بلا و رنج و سقم
جلال اس کا ہی آفاق کے لیے ہے محیط نوال اس کا ہے ارزاق کے لیے مقسم
کمال عقل ہے عرفان کنہ میں قاصر زبان نطق بیان ثنا میں ہے ابکم
نمونہ قدرت باری کا ہے کہ صفحۂ چرخ ہجوم نجم سے ہوتا ہے اطلسِ مُعلَم
ہے شان صنعتِ صانع کہ ارض کا یہ کرہ وفورِ سبزہ سے بنتا ہے صفحۂ مُلَحَم
اسی کے حکم سے قائم جبال شامخہ ہیں اسی کے امر سے سائر ہے نیّر اعظم
اسی کے فیض سے باغ حدوث ہے شاداب اسی کے نام سے قلبِ سلیم ہے خرم
اسی کی داد سے مہ کو ملا ہے سکۂ سیم اسی کے جود سے ماہی کو کیسۂ درہم
اسی نے فرش زمین بچھادیا ہموار اس نے سلک ثریا کو کردیا درہم
اسی کے قصد میں پوئیندہ ہیں الوف ملل اسی کی حمد میں گوئیندہ ہیں صنوف امم
اسی کے خوض میں ہے تہ نشین دریا دُر اسی کے شوق میں ہے آسماں گرا شبنم
اسی کا نور ہے چشم جہاں کی بینائی اسی کا حکم بقا و فنا مستلزم
اسی کی آیت قدرت سے ہے ہُبُوبِ ریاح جو بادلوں کو ہے کرتی فراہم ودرہم
اسی کی آیت قدرت سے ہے تلمع برق چمک میں جس کی ہے بیم ور جا کی شان بہم
اسی کی آیتِ قدرت سے ہے نزول میاہ کہ مرگ زیست کی ملتی نظیر ہے پیہم
اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ مردہ زمیں حیات تازہ سے باردگر ہوئی منضم
اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ خاکِ سیاہ ہزاروں بیش بہا گنج کی بنی مدغم
اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ لیل و نہار ہمیں سکھاتے ہیں طرز و طریق رامش د رم
اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ بین بہار بنا دیئے ہیں جزیرے مثال باغ ارم
اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ گنبد چرخ مثال سقف بغیر از عمد رہا ہے کھم

اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ انساں کی لسان و لون میں نوعیں جدا جدا ہیں علم
اسی کی آیت قدرت سے ہے کہ ہوتا ہے یہ موسموں کا تغیر یہ انقلاب امم
اسی کے امر سے تھامے ہوئے ہیں سب طائر فضا میں جسم کو اپنے بلاتردد و غم
اسی کے حکم سے ٹھہرے ہوئے ہیں یہ ابحار کہ موج موج کا اندر ہے اپنی حد کے قدم
اسی کے نور تجلی سے طور ہے روشن اسی کی ذرہ نوازی سے نحل ہے ملہم
اسی کی ذات مقدس حقیق سجدہ ہے اسی کے اسم اعظم کے واسطے ہے قسم
اسی جناب میں ہوتی ہے عرض رب اغفر اسی سے کہتے ہیں وَارْحَمْ کہ سب سے ہے اَرْحَمْ
اسی کی غائت حمد و ثنا ہے لَا اُحْصِیْ اسی کے اول ادراک پر ہے لَا اَعْلَمْ
وہی ہے ایک وحید اور لا شریک لہٗ کہ ملک و حمد اسی کو ہے اور کبر و قدم
غنی و مقتدر و باسط و ودود و جلیل کبیر وقادر و برّ و رؤف وحی و حکم
سلام و مومن و قدوس و والی و باری غفور و باقی و ستار اور حکیم حکم
احد ہے اور صمد لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ مثال و کفو سے ہے پاک تر بحدِ اتم
ہے شرک جو اسے کہتا ہے صرف رب النوع وہ ہے مصور اشیاء و خالق عالم
شریک خلق میں اس کے نہ مادہ ہے نہ روح مشیر امر میں اس کے وزیر ہیں نہ خدم
اسی کے خلق ہیں اور اس کو پا نہیں سکتے حواس سمع و بصر ، عقل ، درک لمس اور شم
دگر ہے صدق ارادت ! تو برگ برگ گیاہ ہے بام معرفت لا یزال کا سلم
مرے کریم مرے ذوالجلال و الاکرام عمیم ہیں تیرے احساں کثیر تیری نعم
ہے ایک حکم میں تیرے حیات اور ممات ہے سب کا تیرے ہی دو حرف میں وجود و عدم
نہیں وجود عوالم سے تیری قدرت بیش نہ انعدام خلائق سے تیرے صنعت کم
ہو تیری عفو و رحیمی کا جس جگہ اظہار ہے مستحقِ کرامت گناہ اور ظلم
مقربین ہیں بین رجا و خوف ترے کہ ہے حجاب عدالت میں رحمت اور کرم
فرشتگان مکرم کہ انبیائے کرام عبودیت پہ تیری شاد ہیں بفخر اتم
تیری جناب میں سب کی ہی التماس دعا تری حضور میں سب کا سر ارادت خم
نہ مال میرا مآل طلب نہ حشمت و جاہ کہ سب ہیں مشتمل اس فیض میں بنی آدم
یہ التجا ہے یہی آرزو یہی خواہش مدام دل کی تمنا یہی بدیدۂ نم
رہوں سدا متمسک نبی ﷺ کی سنت سے قدم ہوں میرے صراط ہدیٰ پہ مستحکم

رگوں میں جوش لہو میں محبت اسلام بدن میں جان رہے جب تک اوردم میں دم
ترے حبیب نے جو امیوں کو دی تعلیم وہی ہو میرا عقیدہ نہ اس سے بیش نہ کم
رسول سید ابرار بندۂ رحمٰن نبی جہاں کے لیے رحمت اور مطاع امم
سراج و شاہد و داعی مبشر و منذر ملاذ کعبہ و حامی قدس و شاہ حرم
ہماری جاں پہ ہم سے سوا رؤف و رحیم شفیع و حامد و احمد محمدؐ و خاتم
عوام کا اب وجد سے ہے مایۂ نازش ہیں اس کی ذات پہ نازاں خلیلؑ اور آدم
درود اس پہ اور اصحاب و آل پر اس کے کہ پر ہے اُن کے فضائل سے مصحف محکم
تو قبر کی متوحش جگہ میں ہو مونس توہولناک قیامت میں بن میرا ہمدم
الٰہی رحم مرے والدین پر فرما اسی سوال میں سارے سوال ہیں منضم
نفس ہے سینے میں سلمان کے رواں جب تک
نبی ﷺ کی نعت میں چلتی رہے زبان و قلم

www.KitaboSunnat.com
جلد سوم
سیرۃ النبی ﷺ پر ایک بہترین اور جامع کتاب
وما ارسلناک الا
رحمۃ للعالمین
تالیف
قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری
تخریج وتصحیح
پروفیسر حافظ محمد اصغر
مکتبہ اسلامیہ

کتاب ---------------------- رحمۃ للعلمین ﷺ

تالیف ---------- قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

ناشر ---------------------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------------------- 2013ء

قیمت ----------------------

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 37244973-042 فیکس: 37232369-042

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2034256 ,2631204-041

e-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدمہ

''رحمۃ للعالمین'' اور اس کا مصنف مرحوم

از جناب علامہ سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہٗ

آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرۃ نبوی ﷺ کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی، اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں، صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی، یہ مولوی ان شاء اللہ خان مرحوم ایڈیٹر ''وطن'' کی آواز تھی۔ انہوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب چونکہ اس کے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اس لیے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خاموشی سے بیس برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصنیفوں کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی۔ پھر یہ کس کو خیال آ سکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیر باد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ اللہ کے سامنے میں اس کی دی ہوئی اس عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کے متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصہ میں رکھی۔

رحمۃ للعالمین کے مصنف سے میں سب سے پہلے ۱۹۱۶ء میں واقف ہوا جب کہ حافظ عبدالحلیم صاحب تاجر کانپور نے اپنے وطن بسی میں سرہند کے قریب جو ریاست پٹیالہ میں واقعہ ہے ایک یتیم خانہ کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔ مرحوم اس زمانہ میں ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے، وہ بھی ریاست کے دوسرے عہدہ داروں کے ساتھ بسی کے جلسہ میں آئے اور مجھ سے خلوص و محبت سے ملے اور دیر تک بعض پادریوں اور عیسائیوں کے ساتھ اپنے چند مناظروں کا ذکر فرماتے رہے۔ یہ طرفین کی محبت کا پہلا تخم تھا جو مجدد الف ثانی کی سرزمین پر ہم دونوں نے بویا۔

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور میرے بزرگ تھے، مگر ان کی طرف سے انکسار و تواضع نے اور میری طرف سے اعتراف اور اقرار نے اس تخم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس میں بالیدگی ہوئی کہ اس شجر طوبیٰ کے سایہ میں ہم نے بارہا بڑا آرام پایا۔ ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یکجائی نصیب ہوتی۔ ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس مئو کے صدر ہو کر آئے تو اعظم گڑھ آ کر دارالمصنفین میں بھی دو راتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عامل بالحدیث ہیں۔ ایسے خاموش آمین بالجہر کرنے والے کو آنکھوں نے سب سے پہلی دفعہ دیکھا اور لطف روحانی اٹھایا۔ میں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے، فرمایا یہ تو مدت العمر سے ہے۔

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دماغی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یک جا تھی وہ علم کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف ستھرے رہتے تھے، تبلیغ کے دلدادہ تھے۔ صلح پسند اور خاکسار تھے علم کی نمائش پسند خاطر نہ تھی اور ان سب سے

بالاتر جو وصف تھا وہ ذات پاک رسالت مآب ﷺ کے ساتھ شیفتگی اور عقیدت تھی۔ دو حج کیے، اور آخر دوسرے حج میں دیار حبیب میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی اور عبودیت کا سر اس آستانہ اقدس پر اس طرح جھکایا کہ پھر نہ اٹھایا، عشق باطن نے ظاہری نعمت کے ساتھ باطن کی سعادت یہ بخشی کہ اس سرزمین میں ان کو ہمیشہ کے لیے جگہ دی جس کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ان کی رگ رگ کو وابستگی تھی۔

مرحوم نے اسلام کے فضائل میں اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں، مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' ہے، جس کے دو حصے خود ان کی زندگی میں چھپ چکے تھے اور مقبول ہو چکے تھے اور اب یہ تیسرا حصہ ان کے بعد شائع ہو رہا ہے اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ناظرین دیکھیں گے کہ ایک عاشق رسول ﷺ کے قلم نے عشق و محبت کے نشۂ سرور میں علم و عقل کی فرزانگی اور ہوشیاری کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ وری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں۔ افسوس کہ یہ چشمۂ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا، مگر مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہے گا۔ رحمۃ للعالمین کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتی ایمان کے لیے اس میں چلتے پھرتے تیرتے ابھرتے رہیں گے۔

مرحوم نے ''رحمۃ للعالمین'' لکھی، رب العالمین نے اس دنیا میں اس کو قبول کے شرف سے ممتاز کیا امید ہے کہ اس کی رب العالمینی اور اس کے رسول ﷺ کی رحمۃ للعالمینی دوسری دنیا میں بھی اس کی چارہ نوازی کرے گی۔

''رحمۃ للعالمین'' کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے۔ مصنف مرحوم کو توراۃ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے ان کو پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر ان کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔

پیش نظر حصہ کہنے کو تو خصائص محمدی ﷺ کے بیان میں ہے، مگر درحقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے، جس کی بنا پر اس کو ''دین کامل'' کا خطاب ملا ہے۔ اس طرح اس میں آنحضرت ﷺ کے وہ فضائل و محامد درج ہیں، جن کی بنا پر آپ ﷺ کو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پُر فخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دل نشین اور طرزِ ادا ایسا متین ہے کہ ان کی یہ تصنیف ہر صاحب ذوق کے لیے باعث تسکین ہو سکتی ہے۔ زمانہ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ مصنف مرحوم نے اس کی پوری نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ اُلوف التحیات والسلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے مرحوم نے ان کا پورا استقصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کارآمد نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے، مگر جس طرح خود مصنف مرحوم اس وصف میں ممتاز تھے، اسی طرح ان کی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیازِ خاص رکھتی ہے۔ پوری کتاب مناظرہ اور احقاق حق کی روداد وں سے لبریز ہے۔ تاہم کہیں تہذیب اور مذاقِ سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [1]

اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجر جزیل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو یہ کہنے میں قلم کو باک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف مرحوم کے جلائل اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا۔ اور غالباً یہی ان کا ایک کام ان کی مغفرت اور نجات کے لیے کافی ہوگا۔ کتاب کے دو پہلے حصوں نے عام ناظرین کے علاوہ اسلامی مدارس و مکاتب میں درس کی حیثیت سے بھی جگہ پائی ہے مجھے امید ہے کہ یہ حصہ بھی اسی قدر مقبول ہوگا اور عام مسلمان اور طلبہ اُس کے مضامین سے مستفید اور اس کے مطالب سے بہرہ مند ہوں گے۔

کسی مصنف کی یہ خوش قسمتی کیا کم ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے قلم کا خیر جاری رہے۔ انسان فانی ہے۔ مگر اس کا عمل باقی ہے۔ مرحوم مصنف خاک کے کسی گوشہ میں آسودہ ہے، مگر ان کے ہاتھ کی جنبش نے کاغذ کے صفحات پر اخلاص و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں، اس کی بہار ان شاء اللہ سدا قائم رہے گی اور اس کی خوشبو ایمان کے مشامِ جان کو ہمیشہ معطر رکھے گی۔ ناظرین میرے ساتھ دست بہ دعا ہوں کہ مرحوم کو رضائے الٰہی کی بہشت جاوید میں درجات عالیات نصیب ہوں کہ ان کے قلمی احسانات کا ہماری طرف سے یہی زبانی شکریہ ہوسکتا ہے۔ آمین

والسلام

۲۹ محرم ۱۳۵۲ ہجری

سید سلیمان ندوی

---

[1] ٥/ المائدۃ:٥٤۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَإِلٰهُ الْمُرْسَلِيْنَ. قَيُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرَضِيْنَ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ بِالصِّدْقِ وَالنُّوْرِ الْمُبِيْنِ وَرَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ وَخُلَفَائِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اٰمِيْنَ إِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ!

ناظرین کی خدمت میں کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کی یہ جلد سوم نہایت ادب سے پیش کی جاتی ہے۔ اس جلد کے مضامین عرصہ ہوا قلم بند کیے جا چکے تھے لیکن سیرت نگار کے بیمار ہو جانے سے فراہمی وترتیب مضامین میں تاخیر پر تاخیر ہوتی رہی۔

احباب کا شوق اور تقاضے اور راقم الحروف کی ندامت بڑھتی رہی۔ اب ان مضامین کو فراہم کر دیا گیا ہے، لازم تھا کہ نظر ثانی کر لی جاتی، مگر سفر حج کا داعیہ پیدا ہوا اور یہ ضروری کام رہ گیا۔ اب تو کلا علی اللہ روانگی سفر مبارک سے پیشتر ان اوراق کو مطبع میں روانہ کر رہا ہوں۔ [1] اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

قبل ازیں اس کتاب کی جلد اول اور دوم شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قبولیتِ عام ان کتابوں کو عطا فرمائی ہے وہ محض اسی کا فضل خاص ہے۔

بندہ مستمند نقش نگار حروف چند کے فہم وتصور سے بالاتر تھا کہ یہ کتاب مدارس اسلامیہ کے نصاب درسیہ میں داخل کی جائے گی اور جامعہ عثمانیہ دکن، جامع عباسیہ بہاولپور وندوۃ العلماء لکھنؤ ودیوبند وحمایت اسلام لاہور کے صاحبان فضل وکمال ان کتابوں کو جزو تعلیم قرار دیں گے اور جملہ مدارس ثانویہ اسلامیہ میں اس کی تدریس لازم قرار دی جائے گی۔

امید ہے کہ اب فتاح العلوم اس جلد سوم کو بھی حسن قبول کے شرف سے مشرف فرمائے گا اور بزرگان دین وعلمائے صدق اس کتاب کا ملاحظہ مربیانہ التفات سے کریں گے۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [2]

﴿ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي

---

[1] مصنف رحمہ اللہ کا ارادہ یہی تھا، مگر افسوس کہ پورا نہ ہو سکا اور آپ مسودہ نظر ثانی کے لیے اپنے ساتھ ہی لے گئے چنانچہ ریل اور جہاز میں یہی کام کرتے رہے اور چند نئے ابواب کا اضافہ بھی کر دیا اور مکہ معظمہ پہنچنے تک اسے بالکل مکمل کر دیا۔ واپسی پر جہاز ہی میں آپ کا وصال ہو گیا اور مسودہ کچھ عرصہ تک آپ کے اسباب ہی میں بند پڑا رہا۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اب زیور طبع سے مزین ہو کر نذر ناظرین ہو رہا ہے۔ اسی اثنا میں ہم نے مصنف رحمہ اللہ کی سیرت بھی مرتب کر لی ہے جو مسلمان کمپنی سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ نے شائع کر دی ہے۔ آپ وہاں سے منگوا کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ خادم عفی عنہ۔

[2] ۲/ البقرۃ:۱۲۷۔

ذُرِّيَّتِيْ ؕ﴾ ❶

﴿ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ ❷

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ﴾ ❸

خاکسار

سید محمد سلیمان، سلمان منصور پوری

(پٹیالہ۔پنجاب)

---

❶ ٤٦/ الاحقاف:١٥۔ ❷ ١٤/ ابراهيم:٤٠، ٤١۔ ❸ ٧/ الاعراف:١٥١۔

باب اوّل

خصائص النّبی ﷺ

خصوصیات نبوی ﷺ کے متعلق متقدمین کی بھی چند کتابیں ہیں، جو اس زمانہ کے ایک خاص گروہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے موزوں کہی جاسکتی ہیں۔

مع ہذا جو کچھ پہلے لکھا جاچکا ہے، اسی کو دہرانا متلاشیان مزید کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔

خصائص النبی ﷺ کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے، لہٰذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف ''ما حضر'' کے تحت میں ہے۔ خصائص کا استنباط زیادہ تر آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب کی خصوصیات کا جاننے والا اور وہی اس کنز مخفی کی مفتاح عطا فرمانے والا ہے۔

کمی علم، یا سُوئے فہم کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوئی ہو، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے: اول خصوصیات وجود گرامی۔ دوم خصوصیات نبوت، جس کے فیضان میں عالم و عالمیان بھی داخل ہیں۔ آخر میں ایک حدیث پاک سے طریقہ محمدیہ کی توضیح کی گئی ہے نیز اسمائے مبارکہ میں سے چند اسمائے عالیہ کے معانی لکھ کر باب ہذا کو ختم کیا گیا ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

فصل اوّل

خصوصیت نمبر ۱

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ [1]

''محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

آیت بالا میں نبی ﷺ کا نام بھی ہے اور حضور ﷺ کا منصب بھی بتادیا گیا ہے ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کی مظہر ہے۔

(الف) نبی ﷺ کی رفعت شان کے اظہار میں حضور ﷺ کا نام ہمایوں بھی اپنے اندر خصوصیت رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسمّیٰ کے کمالات نبوت کا شاہد عدل ہو، بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آدم: کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابوالبشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

نوح: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔

---

[1] ٤٨/ الفتح:٢٩۔

اسحٰق:	کے معنی ضاحک، یعنی ہنسنے والا ہیں، ہشاش بشاش چہرے والے تھے۔
یعقوب:	پیچھے آنے والا، یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توأم پیدا ہوئے تھے۔
موسیٰ:	پانی سے نکالا ہوا۔ جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔
یحییٰ:	عمر دراز، بڈھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان ہے۔
عیسیٰ:	سرخ رنگ، چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسمائے بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کسی طرح مسمیٰ کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے۔

مگر اسم ''مُحمّد'' کی شان خاص ہے۔

حضور کا ذاتی نام محمد ﷺ بھی ہے اور احمد بھی۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدت مادہ موجود ہے یعنی دونوں حمد سے بنے ہیں۔ اب معنی حمد کا سمجھنا ضروری ہوا۔

جب صفات میں کمال اور نعوت میں جلال اور فطرت میں احسان بر غیر اور فیضانِ عام کے فضائل جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کا نام ''حمد'' ہوگا۔

ثنا و تکریم، رفعت شان و رفعت ذکر اور استلزام جود و عطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا حرفِ لام یہی بتلا رہا ہے اور اسم پاک حمید بھی اسی راز کا انکشاف کرتا ہے۔

سیدنا حسان المؤید بروح القدس رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ ۔۔۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

مُحَمَّدٌ، حَمَّدَ (مضاعف) سے مبالغہ کے لیے ہے یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔ ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ زمرۂ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں۔ اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان سجایا و شِیَم کے مداح ہیں، جن کا لزوم و ثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔

ہاں! حضور ﷺ ہی ''مقام محمود'' والے ہیں اور ''لواء الحمد'' حضور ﷺ ہی کے رایت شاہی کا نام ہے حضور ﷺ کی امت کا نام بھی انہی مناسبات سے ''حمادون'' ہے۔

محمد و احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے جس کی حمد و نعت جملہ اہل الارض والسماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو۔ اور احمد وہ ہے جس نے رب السمٰوات والارض کی حمد و ثنا جملہ اہل الارض والسمٰوات سے بڑھ کر کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر دال بھی ہے اور مدلول بھی۔

یہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت و خاموش ہیں۔

(ب) اسم پاک کے ساتھ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا علم بھی سورۃ الفتح، ع ۴۔ آل عمران، ع ۱۵ میں موجود ہے۔ رسول بروزنِ فعول بمعنی مرسل ہے۔ اللہ کی طرف مضاف ہونے سے اس کے معنی یہ ہو گئے ہیں کہ اس کی رسالت صرف منجانب اللہ ہے وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سناتا اور کسی دوسرے کی بات پہنچانا اس کی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ لفظ بہ شکل مضاف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا، وہاں معرف باللام مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص کا عرفان دیتا ہے۔

آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ [1] اور آیت ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ﴾ [2] کی تنزیل سے آشکارا ہو گیا کہ فرقان حمید میں جہاں کہیں بھی ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ [3] کی وحی موجود ہے اور جتنی آیات اِس کی ہم معنی پائی جاتی ہیں اُن سے حضور ﷺ ہی کی ذات بابرکات مقصود ہے اور حضور ہی کو رب العالمین نے مطاع عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہل اسلام کا ایمان رہا ہے، مگر ہمارے زمانہ میں یہ عقیدہ محدثہ ایجاد کیا گیا کہ رسول سے مراد آیاتِ الٰہیہ میں خود قرآن ہے۔ لہٰذا اطاعت قرآن فرض ہے اور اطاعتِ محمد ﷺ فرض نہیں۔

آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ [4] (جو زیب عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے اس مسئلہ کا حل کیا جائے۔

اہل ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیائے کرام پر یا ان ملائکہ پر جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے۔ فرمایا گیا ہے۔ لیکن لفظ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر کبھی نہیں ہوا۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے

﴿ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ ﴾ [5]

''اے قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

حضرت ہُود علیہ السلام کی زبان سے

﴿ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاہَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ ﴾ [6]

''اے قوم! مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں، میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے

﴿ وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ ﴾ [7]

''موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔''

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ ﴾ [8]

''جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! مجھے کیوں ایذا دیتے ہو۔ تم تو جان چکے ہو کہ میں تمہاری جانب اللہ کا

---

[1] ٤٨/ الفتح:٢٩۔ [2] ٣/ آل عمران:١٤٤۔ [3] ٤/ النساء:٥٩۔ [4] ٤٨/ الفتح:٢٩۔

[5] ٧/ الاعراف:٦١۔ [6] ٧/ الاعراف:٦٧۔ [7] ٧/ الاعراف:١٠٤۔ [8] ٦١/ الصف:٥۔

رسول ہوں۔"

حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے

﴿ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ ❶

"سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول ہے۔"

﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ ﴾ ❷

"مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہیں۔"

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾ ❸

"عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں۔"

حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے

﴿ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ ﴾ ❹

"مریم علیہا السلام سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں۔"

آیات بالا سے ہویدا ہے کہ سیدنا نوح و ہود و موسیٰ و عیسیٰ اور جبریل علیہم السلام کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا ہے۔

فیصلہ طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ سیدنا و مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے تو پھر کیوں دیگر انبیا کے ناموں کے ساتھ رسول بہ معنی پیغمبر سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہی معنی کیوں نہ سمجھے جائیں۔

ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ثابت ہے۔ نیز وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہو سکتی۔

۱: ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ ﴾ ❺

"اللہ نے اپنے رسول کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔"

یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے کتاب کا نہیں۔ خواب نبی علیہ السلام نے دیکھا تھا قرآن مجید نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

۲: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ ﴾ ❻

"جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ہاں اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ اس کے رسول ضرور ہیں۔"

منافقوں کا آنا جانا دربارِ نبوی میں تھا۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب

---

❶ ٤/ النساء: ١٧١۔ ❷ ٥/ المائدة: ٧٥۔ ❸ ٦١/ الصف: ٦۔
❹ ١٩/ مريم: ١٩۔ ❺ ٤٨/ الفتح: ٢٧۔ ❻ ٦٣/ المنفقون: ١۔

ہے۔تین جگہ حرف ''ک'' خطاب موجود ہے۔

۳: ﴿ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ ﴾ ❶

''ہاں تمہارے برے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنبوں میں نہیں آئیں گے۔''

جانا، لوٹ کر آنا، بچ رہنا، کنبہ دار ہونا، یہ صفات قرآن کے نہیں ہو سکتے۔غور کرو کہ رسول کو یہاں کنبہ دار، صاحب اہل و عیال بھی کہا گیا ہے۔جیسا کہ دیگر مؤمنین کو بھی کنبہ دار کہا گیا۔

اس سے آگے بڑھو تو ایسی آیات بھی متعدد ملیں گی کہ نبی ﷺ کا ذکر بہ شمول ذکر قرآن پاک ہے۔

(الف) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ❷

''اے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ کہ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔''

یقیناً قرآن مجید ﴿ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ❸ ہے اور سیدنا محمد النبی الامی وہ رسول ہیں جو آیت بالا میں مخاطب ہیں۔ جسے بَلِّغْ فرمایا وہ فرض تبلیغ اُن پر عائد کیا گیا ہے۔ہاں یہ بھی غور کرو کہ اِلَيْكَ کا مخاطب بھی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کون ہے جس پر نزول قرآن ہوا۔

(ب) ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا ﴾ ❹

''ہم نے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے اور وہ ہماری آیات تم پر پڑھا کرتا ہے۔''

اٰيٰتِنَا تو قرآن مجید ہی ہے۔اب أَرْسَلْنَا رَسُوْلًا کا مصداق کون ٹھہرا۔وہ مِنْكُمْ والا کون ہے جسے قریش میں حسب و نسب بھی حاصل ہے۔کلام اللہ المنان تو کسی حسب و نسب کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

(ج) ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ❺

''شاندار رسول تمہارے پاس آیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے۔''

قرآن مجید کی ایسی کون سی شخصیت ہے جو نوع بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے۔المختصر قرآن پاک نے نبی ﷺ کا اسم وعلم بیان فرمانے کے بعد حضور کا رسول ہونا اور پھر بحکم الٰہی مطاع اور مفترض الطاعت ہونا ظاہر کر دیا۔مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی أَلْقُرْاٰنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ موجود نہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم و قطعیت کے ساتھ بتلا دیا کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم و عالمیان کے مخدوم و مطاع ہیں۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ❻

''ہم نے ہر ایک رسول کو اس لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اِذن سے کی جائے۔''

---

❶ ٤٨/ الفتح:١٢۔ ❷ ٥/ المائدة:٦٧۔ ❸ ٥/ المائدة:٦٧۔

❹ ٢/ البقرة:١٥١۔ ❺ ٩/ التوبة:١٢٨۔ ❻ ٤/ النساء:٦٣۔

حضور ﷺ ہی کے لیے ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ ❶

''جس نے اس رسول کی اطاعت کی اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔''

کا فرمان واجب الاذعان حضور ﷺ ہی کے احترام و احتشام میں نفاذ پذیر ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے حضور ﷺ کی شان بلند کو نہایت ارفع و اعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔

جملہ آیات بالا سے ثابت ہو گیا کہ ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ ❷ وہی عبداللہ کا فرزند، آمنہ کا جایا، مکی، المدنی، الامی، الہاشمی، القرشی، الکنانی، العدنانی، فخر اسمٰعیل ذبیح اللہ، دعائے ابراہیم خلیل اللہ اور بشارت عیسیٰ مسیح علیہم السلام ہیں۔ جن کی اطاعت عالم و عالمیان پر تا انقراضِ عالم و عالمیان فرض عین ہے اور یہ امر حضور ﷺ کی خصوصیت میں ہے۔

خصوصیت نمبر۲

﴿ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ ❸

''وہ رسول تم میں سے ہے۔''

یہاں مِنکُمْ کے مخاطب قریش مکہ بھی ہیں جو سارے عرب میں مخدوم و مطاع مانے جاتے تھے نیز اس کے مخاطب جملہ بنی نوع انسان بھی ہیں۔

لہٰذا قابل غور ہے کہ مِنکُمْ فرمانے میں کیا خوبی و مصلحت ہے؟

واضح ہو کہ حضور ﷺ سے پیشتر دنیا کی مشہور مشہور امم نے اپنے اپنے مقتداؤں کو جنسِ انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔

ہندوؤں میں ۳۲ کے قریب ایسے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ اوتار کا خطاب لگا ہوا ہے۔ اوتار کے معنی ہیں کہ خود خدا منش (انسان) کے چولے میں آیا۔ یعنی ایشر نے تشکل مادّی اختیار کر کے جامۂ مخلوق پہن لیا اور پھر انسان یا شیر یا خوک یا کچھوا وغیرہ بن کر اپنی قدرت الوہیت کے نمونے ظاہر کیے۔

عیسائیوں نے بھی مسیح کو اوتار ہی کا درجہ دیا۔

اہل تبت نے دلائی لامہ کو خالقیت کی مسند پر بٹھایا۔

اہل انگلستان نے کنگ آرتھر کی کرسی کو معصوم و غیر معصوم کی شناخت کا آلہ ٹھہرایا۔

اہل ناروے کا دوڈن بت صدیوں تک یورپ کا خدا بنا رہا۔

تاتاریوں نے بھی النقوا بیگم کے مجہول النسب بیٹوں کو فرزندان نور قرار دیا۔

زنانِ مصر نے بھی جمالِ یوسفی دیکھا تو جھٹ ان کے بشر ہونے کی نفی کر کے ان کو فرشتہ بزرگ کا لقب دیا۔

---

❶ ٤/ النساء:٨٠۔ ❷ ٤٨/ الفتح:٢٩۔ ❸ ٢/ البقرة:١٥١۔

ان حالات میں ایک سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جو اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں اور بشریت کو مخلوقیت کا برترین درجہ قرار دے کر خود کو بشر بتلاتے ہیں۔

اسی پاک لفظ مِنْكُمْ نے ایک طرف انسان کا أَشْرَفُ مَا كَانَ ہونا بتلایا اور دوسری جانب ان کوتاہ بینوں کو نظر بلند پرواز کا ہم عنان بنایا۔ توہمات کے بادل چھٹ گئے۔ ظنون واوہام کا پردہ پھٹ گیا۔ ناواقفیت کا حجاب اٹھ گیا اور نقشِ حقیقت لوحِ قلب پر جا گزیں ہوا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات اور اقتدار فوق الطبیعیات کو رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ اس لیے سرورِ کائنات ہیں کہ کمالاتِ عبدیت کا اتمام و اختتام حضور ﷺ ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے:

﴿ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴾ [1]

''نہیں ہوں میں مگر بشر اور رسول۔''

پس مِنْكُمْ نے درجہ بشریت کو بالاتر بنادیا ہے اور نبی ﷺ کی ذات ہمایوں کو کوتاہ بینوں کی خیالی توجیہات سے ارفع اور اعلیٰ ثابت کیا ہے، جس سے حضور ﷺ کا رسول رب العالمین اور مبشر اً جمعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

خصوصیت نمبر ۳

﴿ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ [2]

''تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔''

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔

اب لفظ عَلَّمَكَ ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت شنوائی و بینائی یعنی حسیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم جو حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام ''تعلیم پاجانا'' رکھا جاتا ہے۔

انبیا علیہم السلام کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے۔ أَنْزَلَهُ عَلَى قَلْبِكَ لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ﴾ [3]

''ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔''

تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جاسکتی۔

---

[1] ١٧/ بنی اسرائیل: ٩٣۔ [2] ٤/ النساء: ١١٣۔ [3] ٨٧/ الاعلیٰ: ٦۔

جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں، تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔ نبی ﷺ کے لیے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متمدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے، پھر چالیس سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے ناآشنا بھی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کھول دیے۔ آیت اولین:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ﴾ ❶

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔''

پر نگاہ ڈالیے کہ حضور ﷺ کی الف، با، تا حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں منتہی فلسفی بھی حیران ہیں۔

لہٰذا آیت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔

خصوصیت نمبر ۴

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ ﴾ ❷

''کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھول دیا۔''

شرح صدر کے متعلق ایک وہ روایت ہے جسے صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق نبی ﷺ کے عالم صغرسنی سے ہے، جب کہ حضور ﷺ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ میں تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سینہ مبارک میں اثر مخیط بھی دیکھے تھے۔

شرح صدر کے متعلق دوسری روایت صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن مالک بن صعصعہ والی ہے۔ جس میں شق صدر شب معراج کو بمقام حطیم ہوا تھا۔ ❸

قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے، وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور بااین ہمہ وسیع تر معانی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱: ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ ❹

''جس شخص کو اللہ راہ راست دکھانا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کی گمراہی کا

---

❶ ۹۶/ العلق: ۱، ۲۔ ❷ ۹۴/ الم نشرح: ۱۔ ❸ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب فی المعراج، حدیث: ۳۸۸۷؛ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، حدیث: ۴۱۶۔ ❹ ٦/ الانعام: ۱۲۵۔

ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بھنچا ہوا کر دیتا ہے۔''

۲: ﴿ أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ ❶

''بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔''

۳: ﴿ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ❷

''لیکن جن کا سینہ کفر کے لیے کھلا ہے، ان پر اللہ کا غضب ہے۔''

٤: ﴿ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ ﴾ ❸

''میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان رواں نہیں۔''

٥: ﴿ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ ۝ ﴾ ❹

''کہا اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان بنا دے۔''

آیت اول میں شرح صدر اسی حالت کو فرمایا گیا ہے، جب ہدایت الٰہی توفیق راہ اور رفیق سالک ہو جاتی ہے اور سینہ میں دینِ صحیحہ کا شوق جوش زن ہوتا ہے۔

آیت دوم میں ہے کہ رغبت صحیحہ اور شوق اصلیہ کے بعد دین حقہ حاصل ہو جاتا ہے اور پھر برکاتِ دین کے انوار کا حصول ہوتا ہے۔

آیت سوم میں ہے کہ جس شخص کا رجحان و میلان بہ جانب کفر ہوتا ہے وہی شرح بالکفر کا مصداق ٹھہرتا اور غضبِ الٰہی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

آیت چہارم و پنجم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہیں، جب ان کو تبلیغ و انذار کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا، تب انہوں نے اسی خدمت کو خوف و ہراس سے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا سینہ اس بار خدمت سے بھنچا جاتا ہے۔ اس حالت نے جرأت کو پیچھے ہٹا دیا ہے۔ جب ان کو اطمینان مزید منجانب اللہ عطا فرمایا گیا، تب انہوں نے آیت پنجم والی دعا کا استعمال کیا۔

پنجگانہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ صداقت و حقانیت کا غلبہ ہو جائے اور قلب کو وہ اطمینان کلی مل جائے جو ہدایت و نور تک فائز ہو جانے کے لیے کافی ہو۔

نبی اللہ کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ ابلاغ و انذار کے لیے ہمت عالی اور عزم راسخ اور استقامت محکم حاصل ہو، کسی بادشاہ کا جبروت، کسی کافر کی فرعونیت کا رعب سینہ صافی پر سایہ افگن نہ ہو سکے اپنی تنہائی، بے کسی، بے سروسامانی کا خیال بھی اٹھ جائے۔

اب آیت زیبِ عنوان کو سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کے ساتھ ملا کر پڑھو کہ جب حضور کو

---

❶ ۳۹/ الزمر:۲۲۔ ❷ ۱٦/ النحل:۱۰٦۔
❸ ۲٦/ الشعرآء:۱۳۔ ❹ ۲۰/ طٰہٰ:۲٥، ۲٦۔

﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ [1] کا فرمان ملا تو حضور ﷺ نے کوئی عذر نہیں کیا، کسی خوف و ہراس کا اظہار نہیں فرمایا۔ تکذیب کا خوف، قتل کا ڈر قلبِ پاک کے نزدیک بھی نہیں آ سکا موسیٰ علیہ السلام نے تو ایک فرعون کے پاس جانا تھا، لیکن نبی ﷺ کے معاندین میں سینکڑوں ہی فرعون طینت تھے۔ فرعون تو ایک حکومتِ منتظمہ کا حکمران تھا، اس لیے اس نے قتلِ موسیٰ علیہ السلام کو باضابطہ کونسل میں پیش کر دیا تھا۔

﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ﴾ [2]

''فرعون نے اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو بڑے علم والا جادوگر ہے اس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں کو جادو کی طاقت سے تمہارے ملک سے نکال دے اب بتلاؤ کہ مشورہ کیا ہے؟ سرداروں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو مہلت دیجیے۔''

مگر عرب کے سفاک و خونریز تو نہ کسی کونسل کی رائے کے پابند تھے اور نہ کسی سے مشورہ کرنے کے رَوادار۔ نبی ﷺ حکم ملتے ہی فوراً انذار و تبلیغ قوم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وہ سینہ جو اب تک علوم درسیہ سے بھی خالی تھا۔ نور و معرفت کا خزینہ اور ہدایت و عرفان کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ ہزاران در ہزار علوم و حکمت کے رموز و اسرار اس سے نکلتے اور اہل دنیا کو ظلمات سے نور میں لانے کا سبب ٹھہرتے ہیں۔

آیات قرآنیہ پر تدبر کرنے والا جب دیکھے گا کہ شرح صدر وہ مقام رفیع ہے، جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو خود طلب و مسائلت کرنی پڑی اور نبی ﷺ کو قبل از سوال یہ عطیہ عطا ہوا۔ اور پھر خود رب العالمین نے حضور ﷺ سے اس کی تصدیق کا سوال بطور استفہام تقریری فرمایا۔ تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت بالا میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیت علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر ۵

﴿وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝﴾ [3]

''ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ پر سے اتار دیا۔''

''وِزر'' بارگراں کو کہتے ہیں۔ حَمْلِ وِزر کسی دوسرے کو بارگراں سے سبکدوش کر کے خود اس کی ذمہ داری کو لے لینا ہے۔ انہی معنی میں ہے ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ﴾ [4] ''کوئی گناہگار کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔''

وَزِیر، وہ عہدہ دار ہے جو سلطنت کی تمام ذمہ داریوں کا مرجع ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر جب بارِ نبوت ڈالا گیا تو انہوں نے دعا کی تھی:

﴿وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝﴾ [5]

''میرے کنبے میں سے ایک کو میرا وزیر بنا دے میرا بھائی ہارون اس منصب کا شایاں ہے۔''

---

[1] ٧٤/ المدثر: ٢۔ [2] ٢٦/ الشعرآء: ٣٤ تا ٣٦۔

[3] ٩٤/ الم نشرح: ٢۔ [4] ٦/ الانعام: ١٦٤۔ [5] ٢٠/ طٰهٰ: ٢٩۔ ٣٠۔

اس سے ظاہر ہے کہ فرائض نبوت کی ادائیگی کچھ آسان نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو پہلے ہی دن وزیر ملنے کی درخواست کر دی تھی، مگر نبی ﷺ نے اس میدان میں یکہ وتنہا قدم رکھا تھا اور آفتاب عالمتاب کی طرح فضا میں چھائے ہوئے تاروں کی کثرت پر یا عالم پر طاری شدہ گہری ظلمت پر نظر نہ کرتے ہوئے بذات واحد علم توحید اور رایت تبلیغ کو بلند فرمایا تھا۔ اس ایثار و بے جگری اور اس اطاعت و فرمانبرداری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کی اعانت فرماتا اور حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

زبان عرب میں موازرت بہ معنی معاونت مستعمل ہے۔ وَازَرْتُ فُلَانًا مُوَازَرَةً کے معنی ہیں أَعِنْتُهٗ عَلٰی أَمْرِهٖ۔ یعنی اس کے کام میں مدد کی۔

وہ بوجھ کیا تھا؟ مفسرین کے اقوال متعدد ہیں اور یہ ضروری ہے کہ بعض کو بعض پر ترجیح ہو۔ ترتیب کلام پر نظر غائر ڈالو۔ یہ آیت ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ ﴾ ❶ اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ موزوں ہے کہ اس آیت کا زمانہ بھی ہر دو حالتوں کے درمیان میں ہو۔ اس وزر کا اندازہ مندرجہ ذیل آیات سے ہو سکتا ہے:

۱: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ ❷

”کیا تم اپنی جان کو ان کی اس حالت پر ہلاک کر دو گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔“

۲: ﴿ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ ❸

”ان کی باتوں سے آپ کے دل پر صدمہ نہ ہونا چاہیے ہم ان کی چھپی اور کھلی حالت کو خوب جانتے ہیں۔“

اہل ضلالت کا کفر پر لزوم، شرک پر جمود، دلائل سمعیہ و براہین بصریہ پر التفات سے انکار، تقلید آباء پر اصرار، تحقیق حق سے فرار، فواحش کی کثرت، اباطیل کی اشاعت، انسانیت کا فقدان، سبعیت کا زور، یہ سب وہ امور تھے جن کا سننا، دیکھنا حضور ﷺ پر بار خاطر تھا۔ قوم کا ایسی نجاسات میں آلودہ ہونا حضور ﷺ کے رحم پرور دل پر سخت صدمہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اعانت سے حضور ﷺ کی تعلیم رفتہ رفتہ پھیلتی گئی۔ کفر وضلالت کی تاریکیاں چھٹتی گئیں۔ رب العالمین نے ملک کے گوشہ گوشہ سے ان پاکیزہ منش لوگوں کو ابھارا اور خدمت عالی میں ان کو پہنچایا، جو اسلام کے لیے سابقین واولین ٹھہرے۔

انہوں نے نہ صرف اپنے لیے غذائے روح حاصل کی، بلکہ سینۂ نبوی ﷺ سے وہ درد دل بھی اخذ کیا جو کہ دردمندوں کا غم گسار ٹھہرا اور مجروحوں کا چارہ کار بنا۔ جنہوں نے سینکڑوں کے سامنے شمع ہدایت کو روشن کیا اور ہزاروں کو صراط مستقیم کا منزل پیما بنایا۔ مثلاً صدیق الامتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اموی، فہری، تیمی، مخزومی، اسدی، عدوی قبائل میں نور تبلیغ پہنچایا۔ حبشی، بربری، سوڈانی، امۃ و غلام کو ﴿ مُّسْفِرَةٌ ۝ ❹ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ ﴾ ❺ کی جماعت میں داخل کیا۔

خاتم الخلفاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آلِ ہاشم وآلِ بنو طالب میں نصرت ومعیت کا آوازہ لگایا۔ طفیل بن عمرو دوسی نے ریگستان میں دوس کے اور عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے طائف کے کوہستان کی چوٹیوں پر اس پیغام کو پہنچایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں تبلیغ کا باقاعدہ مدرسہ کھولا۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار حبش میں اسی پیغام کی صدا بلند فرمائی۔

---

❶ ۹۴/ الم نشرح:۱۔ ❷ ۲۶/ الشعراء:۳۔ ❸ ۳۶/ یٰسٓ:۷۶۔

❹ روشن، خندہ رُو، بشارت یافتہ چہرے۔ ❺ ۸۰/ عبس:۳۸، ۳۹۔

یہ وہ نظارہ تھا، جس نے حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ یہ وہ نظارہ تھا جو حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بازو کی قوت اور کمر کی صلابت واستقامت اور قلب کا سکینہ بن گیا تھا۔

فی الحقیقت یہ وہ کمال ہے جو سیدنا ومولانا محمد النبی الامی ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر ۶

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ ﴾ [1]

''اور ہم نے تیرا نام بلند کر دیا۔''

بحرالکاہل کے مغربی کنارہ سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے، جس نے صبح کے روح افزا جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خموشی میں أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔ [2]

یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو ان کی ہستی کے بہترین آغاز وانجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔

کیا رفعت ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے۔ آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقۂ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز وشب اس طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں وہ اعلان صرف اس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں بلکہ اس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بیشک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدۂ انام کے نام نامی کو حاصل ہے جس کی رفعت ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے اور جس کی بابت یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، کہ اسی کے نام کو برکت دی جائے گی۔

(۲) طامس کارلائل کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ وزبان دانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے وہ ''ہیروز آف ہیروز'' لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیا میں سے صرف حضور ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے جو آج تک بحیرۂ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں ناواقف ہے؟ کیا وہ داود علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنہوں نے بنو اسرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنہوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائیدار کیا کہ ان سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندان یعقوب علیہ السلام نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

---

[1] ۹۴/ الم نشرح: ٤۔ [2] بغوی (تفسیر البغوی سورۂ الم نشرح: ۴/۵۰۲) نے باسناد ثعلبی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی حقیقت دریافت کی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِي (جب میرا ذکر ہوگا ساتھ تیرا بھی کیا جائے گا) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس ارشاد الٰہی میں اذان واقامت تشہد وخطبہ مراد ہیں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں:

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ، مِنَ اللّٰهِ مَشْهُوْدٌ يَلُوْحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤد نے عبادت و موسیقی کو جمع کر کے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا۔ موسیقی کی اس قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہیے تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یسعیاہ کی وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں جو اناجیل متی یوحنا کی تصانیف کا مایہ خمیر ہیں۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی علیہ السلام کی اُن برکات سے بے خبر تھا، جس نے بابل کے کافر و جابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت و اکرام پر آمادہ کر دیا تھا۔ جس نے لاکھوں ایمانداروں کو قتل و صلب سے بچالیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آیندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شالتی ایل کی خدمت کا علم نہ تھا، جس نے اسیری سے رہائی پا کر اتنا بڑا ایوان یروشلم تعمیر کر دیا تھا، جو ہیکل سلیمانی سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی کہانت [1] اور حضرت یوحنا بپتسمہ دہندہ کے زہد و عبادت اور وعظ و تذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا۔ ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے عزیزو! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا، پہچانتا ہوا۔ بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیا علیہم السلام میں سے صرف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔

اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ کارلائل نے انبیا میں سے صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر اسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکما و شعرا اور فلاسفروں کی صنف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کے انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔

لہٰذا ہماری دلیل اور بھی متین و وقیع ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مؤرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تب اسے ہزاروں سال کے عہد وسیع کے آسمان پر اور کوئی بھی کوکب نبوت نظر نہ آیا، جسے اس آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ ایک صحیح الاعتقاد عیسائی، کیمبرج یونیورسٹی جیسے دار العلوم کا مسلمہ استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے، ہزاروں انبیا علیہم السلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سینکڑوں انبیا علیہم السلام کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا تو سیدنا و مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجود باجود کا ذکر کر سکا، اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا جو قرآن حکیم میں ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [2]

"تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ملیں گے۔"

۳۔ رفعتِ ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں۔ اسے بھی یاد رکھنا چاہیے ہم نے موجودہ بائیبل سے ثابت کر دیا ہے کہ

---

[1] لفظ کہانت عیسائی اصطلاح میں اخبار عن الغیب کے معنی میں آتا ہے اور اسی لیے وہ اس لفظ کا اطلاق انبیا کی پیش گوئی پر کیا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اس لفظ کا استعمال یہاں انہی معنی میں کیا ہے۔ [2] ۳۳/ الاحزاب: ۲۱۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوب وموسیٰ، داؤد وسلیمان، یسعیاہ یرمیاہ، دانی ایل، حزقی ایل، حبقوق، ملاکی، یحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام نے محامد محمدی اور نعوت مصطفوی کو اسالیب بدیعہ اور علاماتِ متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

انجیل اول کے مصنف سینٹ متی نے اُن چند پیش گوئیوں کی تلمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔

اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر ان آیات بینات کو دیکھے جو بائبل ہی کے اندر ہیں اور نبی ﷺ کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو محبت صادقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل ان کو مضامین بائبل پر حاصل تھی ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح کی ذات گرامی سے تھا۔

ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح علیہ السلام ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعدازاں ان پیش گوئیوں کو لیتے ہیں جو جناب متی کے زمانہ تک بطور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصداق نبی ﷺ کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سن رکھیں کہ اسی موجودہ بائبل کے اندر نبی ﷺ کا مبارک نام مقامِ ولادت اور دارِ ہجرت اور حضور ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام حضور ﷺ سے برسرِ پیکار آنے والی قوموں کے نام اور ان کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ ❶ کی صحیح تفسیر ہیں۔ اور ان سے یہ امر بوضوح تام ظاہر ہو جاتا ہے کہ رب العالمین نے حضور ﷺ کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔ بے شک اس فضیلت علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور ﷺ کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔

خصوصیت نمبر ۷۔ ۸۔ ۹

۱: ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴾ ❷

۲: ﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾ ❸

۳: ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ ❹

۱: ''تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا، نہ تجھ سے ناراض ہوا۔''

۲: ''آخرت تیرے لیے اولیٰ سے بہتر ہے۔''

۳: ''تیرا رب تجھے اتنا کچھ دے گا کہ تو راضی، خوش ہو جائے گا۔''

---

❶ ۹۴/ الم نشرح: ۴۔ ❷ ۹۳/ الضحی: ۳۔ ❸ ۹۳/ الضحی: ۴۔ ❹ ۹۳/ الضحی: ۵۔

ہر سہ آیات سورۂ والضحیٰ کی ہیں علمائے مفسرین کا اتفاق ہے کہ ابتدائے بعثت میں اول اول کلام الٰہی کا نزول ہوا اور اس کے بعد وحی میں ابطاء (دیر و درنگ) ہوا۔ وحی کا رک جانا۔ نبی ﷺ کی طلب صادق کی ترقی اور شوق کامل کی افزونی کا سبب ٹھہرا۔

یہ ظاہر ہے طلب و اشتیاق تردد و اضطراب سے جدا نہیں رہ سکتے۔ قلب و روح پر وحی ربانی نے جو باب علوم و حقائق کھول دیا تھا، اس کے لیے بیش از بیش کیوں طلب نہ بڑھ جائے۔

زمانِ ہجر بڑھتا گیا تو اشتیاق صادق میں گونا گوں توجیہات پیدا ہونے لگیں۔

۱: ابتدا تو خود اس دل ربا نے کی ہے۔

۲: اس نے خود اپنے پیام سے مجھے شاد کام فرمایا۔

۳: پھر اب یہ خاموشی کیسی؟

۴: نہیں اس بارگاہ عالی کی جانب لفظ خاموشی کا اطلاق بھی کیوں صحیح ہو۔

۵: یہی داخل ادب ہے کہ میں اس کے کسی سبب کو اپنی ہی طرف منسوب کروں۔

۶: کیا مجھے اسی تشنہ لبی، اسی تڑپ میں، اسی سوز، اسی گداز میں چھوڑ دیا جائے گا۔

۷: اس حالت کا خاتمہ کب تک ہوگا۔

یہ وہ خیالات ہیں جو محب صادق کے دل میں جوش زن ہو سکتے ہیں۔ آخر انتظار کا زمانہ ختم ہوا۔ بارگاہ قدسی سے ایسے خیالات کا ازالہ کیا گیا، جن کو شوق و ارادت کی مجموعی حالت نے پیدا کر رکھا تھا یا سوز و گداز نے قالب قلب کو گرما رکھا تھا۔

پیارے تو دیع کسے کہتے ہیں؟

قلیٰ کا ذکر کیا۔

جس مالک کی ربوبیت نے تجھے پالا پوسا ہے۔

جس نے از آدم تا ایں دم ﴿ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴾ [1] کے اطوار میں تیری نگہداشت فرمائی ہے۔

جس نے تیرے آبائے کرام اور امہات عظام کی ظہور و بطون کو پاک و طاہر رکھا ہے۔

جس نے ایام یتیمی میں تیری حفاظت دُرِ یتیم کی طرح کی ہے۔

جس نے عیال کی کثرت میں بھی تجھے اس کے جنجال سے پاک رکھا ہے۔

جس نے کوہِ حرا کو تیرے لیے طور بنا دیا ہے۔

جس نے آگ کے ظاہری چمکارے کے بغیر تیری آنکھوں کو نور سے تیرے قلب کو سرور سے تیری روح کو راج سے تیرے ایمان کو ایقان سے معمور، بھرپور اور نورٌ علیٰ نور کر دیا۔

---

[1] ۲۶/ الشعراء: ۲۱۹۔

اس کی طرف سے وداع وقلی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ [1]

اچھا اب ہم تمہیں ایک مژدہ روح پرور سے شادکام کرتے ہیں کہ ''اب آنے والا زمانہ گزرے ہوئے وقت سے خوش تر ونکوتر [2] ہوگا۔''

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ [3]

''اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''

تو اس درگاہ کی بسم اللہ تھی، آیندہ معارف وحقائق کے دروازے کھلے رہیں گے اور انوار و برکات اور مشاہدات وتدلیات کے ترشحات چمن آرائے نبوت ہوں گے۔ نصر وتمکین کا نشان سر بلند ہوگا۔ فراوانی علوم اور کثرت مومنین کا نظارہ خوش آئند۔

چنانچہ یہی ہوا کہ ترتیل وتنزیل کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ بائیبل میں پہلے سے یہ پیش گوئی موجود تھی، حکم پر حکم، حکم پر حکم تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔

عطاونوال کی مقدار کو خود جناب رسالت مآب ﷺ کی خوشنودی ورضا پر مقرر فرمایا گیا اور عطیہ کا اندازہ نہ صرف قلق و اضطراب کے ازالہ کی حد تک مقصود کیا گیا، بلکہ خود طلب وشوق کی فراخی اور دل وروح کی خوشنودی کو اس کی حد بتلایا گیا۔

یہ انتہائی فضل واکرام کی یہ حد تھی تکمیل کمالات کی۔

یہی نبی ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے کہ عطیہ کی مقدار کو خود حضور ﷺ کی خوشنودی ورضامندی کی حد تک بڑھا دیا گیا ہے۔

اسی خصوصیت کی تکمیل فرماتے ہوئے رب العالمین نے حضور ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی خلعتِ رضوان سے مشرف فرمایا ہے۔

(الف) ﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ [4]

''اللہ مومنوں سے رضامند ہوا جبکہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔''

(ب) ﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ [5]

''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔''

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ماودعك ربك وما قلی، حدیث، ٤٩٥٠؛ مسلم، کتاب الجهاد، باب ما لقی النبی من أذی المشرکین، حدیث: ٤٦٥٧ میں جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو یا تین شب بوجہ شکایت جسمانی بستر سے نہ اٹھے تھے۔ ایک عورت نے آ کر کہا کہ میں سمجھتی ہوں کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ گیا اور علیحدہ ہوگیا کیونکہ وہ فقط دو تین شب سے تیرے پاس نہیں آیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قلیٰ کا لفظ اس کافرہ نے استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ فقط

[2] آیت بالا میں لفظ آخرت کے معنی عالم آخرت دار الجزا یقیناً ہیں، لیکن اس لفظ کا اطلاق وسیع معنی میں بھی ہوا ہے ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ﴾ (٢٩/ عنکبوت: ٢٠) ﴿ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ﴾ (٣٨/ص: ٧) لہٰذا آخرت کا ترجمہ زمانہ مابعد بھی ہوسکتا ہے خازن نے تحریر فرمایا ہے۔ وَحَمْلُ الاٰخِرَةِ عَلٰی ظَاهِرِهَا مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالاٰخِرَةِ مَعًا أَوْلٰی۔ [3] ٩٦/ العلق: ١۔ [4] ٤٨/ الفتح: ١٨۔ [5] ٩٨/ البینة: ٨۔

فرمایا:

(ج) ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ ﴾ ❶

''ایمان لانے والے جنہوں نے ہجرت کی اور راہِ الٰہی میں مال اور جان سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے ہاں بہت بڑے درجہ والے ہیں اور یہی اپنی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضوان اور جنّات کی بشارت دیتا ہے، بہشت جس میں دائمی نعمتیں ہیں ان کے لیے ہوں گے۔''

فرمایا:

(د) ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ ❷

''اللہ کی رضوان تو سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بلندتر کامیابی ہے۔''

فرمایا:

(ہ) ﴿ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ ﴾ ❸

''میں خوش ہوں کہ اسلام تمہارا دین ہو۔''

ہمارا یقین وایمان ہے کہ یہ شان نبی ﷺ ہی کی ہے، کہ حضور ﷺ کے دست مبارک پر ایمان لانے والوں کو بھی رضائے رحمٰن اور خوشنودی منّان کا گراں مایہ عطیہ ارزانی فرمایا گیا اور اس طرح پر وہ وعدہ صدق پورا کیا گیا۔جو آیت زیب عنوان میں ہے:

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ ﴾ ❹

''تیرا رب تجھے وہ کچھ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔''

اس کا مکمل نظارہ اہل ایمان یوم الدین کو ملاحظہ کریں گے جب کہ ان کے طلب وسوال اور وہم وگمان سے بھی سینکڑوں درجہ بڑھ کر انعامات کا نزول فرمایا جائے گا۔

خصوصیت نمبر ۱۰

﴿ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ ❺

''وہ نبی اُمّی ہیں۔''

اُمّی یہ محقق ہے کہ سیدنا ومولانا محمد المصطفیٰ ﷺ کے سوا ﴿ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ ❻ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔حضور ﷺ کا یہی لقب انبیائے کرام کو اور سابقہ امم کو بتلایا گیا ہے۔

علمانے اسمِ اُمّی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ناظرین کے لیے ان پر عبور موجب فرح وسرور ہوگا۔

---

❶ ۹/ التوبۃ:۲۱۔ ❷ ۹/ التوبۃ:۷۲۔ ❸ ۵/ المائدۃ:۳۔
❹ ۹۳/ الضحیٰ:۵۔ ❺ ۷/ الاعراف:۱۵۷۔ ❻ ۷/ الاعراف:۱۵۷۔

(الف) اُمّی ،ام القریٰ کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام ام القریٰ فرمایا ہے:

﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ [1]

''کہ تو اُم القریٰ کو اور اس کے گرداگرد کی بستیوں کو ڈرائے۔''

مشہور قدیم جرمن مؤرخ سپرینجر اور سکریدر کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے۔ جو اولاد سام کا اصلی وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی روایات صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی ''بلدہ مکہ معظّمہ ہے'' جہاں خانہ بدوش قوموں نے قیام کیا اور بربریت وتوحش کو چھوڑ کر عمران وتمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔

الغرض تاریخ اور روایت کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ام القریٰ ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف توجہ کرنی چاہیے، انہوں نے بنائے مکہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ [2]

''اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا، اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلا۔''

دعا کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں:

﴿ وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ [3]

''ان میں ایک شاندار رسول بھی جو انہی میں سے ہو مبعوث فرما۔''

دعائے خلیل میں دو باتیں عجیب ہیں:

۱: اس بستی کے رہنے والوں کے لیے جہاں کی زمین ناقابلِ زراعت ہے میوہ جات وثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔

ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آ رہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں، ترکاریوں اور گونا گوں، میوہ جات سے بھرے نظر آتے ہیں۔ یہ علامت ظاہری اس امر پر دال ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے خلیل کی دعا کو من وعن شرف قبولیت بخشا۔

۲: یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراک جسمانی یا لذائذ کام ودہاں تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا بلکہ روحانیت کے لیے دعا کے الفاظ زیادہ پرزور تھے۔ وعدہ کا رسول اور دعائے خلیل کا رسول مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا اس کے حسبی و نسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس بستی کے سردار تھے۔ لہٰذا ام القریٰ کی نسبت سے اسے اُمی کہنا درست ٹھہرا۔

(ب) اسم اُمّی امت کی طرف نسبت رکھتا ہے اور اس کے معنی ایسا نبی ہے جو امت کثیرہ کا مخدوم ومطاع ہو۔

امت کی ''ت'' بہ وقت نسبت گر گئی ہے۔ جیسے مکہ سے مکی۔ اندریں صورت اسم اُمی اس حدیث صحیحہ کی تفسیر ہے جو صحیح مسلم، کتاب الایمان باب فی قول النبی أنا اول الناس یشفع فی الجنه حدیث ۴۸۳ میں بروایت انس رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا کثرت امت کے لحاظ سے میں سب انبیا علیہم السلام سے بڑھا ہوا ہوں۔

---

[1] ۶/ الانعام: ۹۲۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۲۶۔ [3] ۲/ البقرۃ: ۱۲۹۔

(ج) اسم امی، ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ نبی ﷺ بوجہ پاکی فطرت وعصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک وصاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔

ام المومنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے انہی معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعارِ ذیل نبی ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اوران اشعار کو سن کر آقائے نامدار نہایت مسرور [1] الوقت ہوئے تھے۔

وَمُبَرَّءٌ مِّنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءِ مُغِيْلِ

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ بَرَقَتْ بُرُوْقُ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ [2]

(د) امی، اُم کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ حضور ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم وفنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور حضور ﷺ کی لوح قلب پر تقریراً یا تحریراً کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچہ کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا، نہ درس لیا، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام اُمیون رکھ دیا تھا۔

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ﴾ [3]

''یہودی کہتے ہیں کہ ہم اُن اُمی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں، ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔''

یہی نام اہل عرب کے لیے معرفہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا ﴾ [4]

''اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔''

یہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ [5]

''یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔''

الغرض لفظ اُمی سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ طرز وطریق خواندگی اہل دنیا سے بالاتر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝ ﴾ [6]

''اے رسول قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمہارے دست راست نے کبھی کوئی خط کھینچا تھا، تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔''

---

[1] خصائص الکبریٰ، باب الآیة في عقله: ١٢/ ١١٦ دار الکتب العلمیة، بروایت خطیب وابن عساکر ودیلمی۔

[2] تاریخ بغداد: ١٣/ ٢٥٢ معمر بن مثنیٰ کے حالات زندگی میں۔ [3] ٣/ آل عمران: ٧٥۔

[4] ٦٢/ الجمعة: ٢۔ [5] ٢/ البقرة: ٧٨۔ [6] ٢٩/ العنکبوت: ٤٨۔

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الامی حضور ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔

واضح ہو کہ نبی، نباء سے ہے اور نباء واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور وقائع عظیمہ کی اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو، اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف سے مضاف ہوتا ہے، تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور شرائع عالیہ اور نوامیس ربانیہ کی اطلاع براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباوۃ سے بھی مشتق بتایا گیا ہے۔ نباوۃ کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو۔ جہاں کوئی انسان اکتساب و محنت و ریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفائے ربانی ہوتا ہے۔

نبی الامی کے وصف نے بتلا دیا کہ حضور ﷺ حرف شناسی و خط کشی سے تو دور ہیں اور باایں ہمہ علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا صدور حضور ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا اور حضور اسی طرز خطاب سے خرسند و مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جونہی کسی شخص کو ذرا شد بد کہنے کی لیاقت پیدا ہوئی تو وہ اپنے لیے فاضل، اکمل، لوذعی، المعی، علامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتا ہے۔ اور یہ تو ہر ایک صاحب قلم و زبان آور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اصلیت سے بڑھ کر اس کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے، لیکن ایک سیدنا محمد ﷺ ہیں، جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور اُمی ہونے کا اقرار ہے۔ اس اعتراف و اقرار پر بھی ہزاروں علما سینکڑوں فلاسفر حاضر ہوتے، زانوئے ادب تہہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان لوگوں کا علم و فہم اور حضور کا عرفان قطرہ و قلزم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ تمام دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسن اخلاق محامد اعمال تدبیر منزل، سیاستِ مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے۔ اس کی درس گاہ قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرا نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور بہ آن واحد اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت امی لقب سے عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَأَحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ کا نور ظہور بخش ہے اور ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ❶ کا دعویٰ متحقق ہو رہا ہے۔

(ہ) لقب امی کی وجہ یہ بھی ہے کہ اول الانبیاء ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبداللہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تک جملہ انبیاء و مرسلین نے حضور ﷺ کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیلہ بیان کئے۔ الف سے آدم میم سے مسیح مراد ہے اور یائے نسبت اس راز کی کاشف ہے۔

اُمی و گویا بزبان فصیح ... از الف آدم و میم مسیح ❷

خصوصیت نمبر ۱۱

﴿ اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ ❸ ''ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔''

---

❶ ٦٢/ الجمعة: ٢۔ ❷ مخزن اسرار نظامی گنجوی۔ ❸ ١٠٨/ الكوثر: ١۔

کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لیے ہے، جب اسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی اور بیش از فراوانی اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ الَّذِيْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُوْبِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيْدٌ النَّهَرُ الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ الَّذِيْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ. [1]

''ابوبشر نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ کو عطا فرمائی ہے۔ ابوبشر کہتے ہیں۔ میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے، سعید نے جواب دیا، ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔''

حوضِ کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین [2] کی حدیث عن انس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات نامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔

ازاں جملہ:

1: امت محمدیہ ہے، ایسی نبوت جامعہ اور ریاست عامہ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی۔

اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [3]

''جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

کا فرمان صادر ہوا، اور اسی نبوت کے گلہائے رنگین میں سے ہے کہ

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ ﴾ [4]

''ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لیے بھی کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت میں کی جائے۔''

کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔

صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔

صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ انا اعطینٰك الکوثر، حدیث: ٤٩٦٦۔

[2] بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، حدیث: ٦٥٨١؛ مسلم، کتاب الصلاۃ، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ، حدیث: ٨٩٤۔ [3] ٤/ النساء: ٨٠۔ [4] ٤/ النساء: ٦٤۔

صاحب کوثر کی نبوت وہی نبوت ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔ رب العالمین کے کلام پر غور کرو، وہ یہ بھی فرماتا ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ ﴾ ❶

''اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔''

نیز وہ یہ بھی اعلام فرماتا ہے:

﴿ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ ﴾ ❷

''وہ کہتے ہیں ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ (محمد ﷺ) اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔''

جب رب المشرقین ورب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق ومؤکد فرماتا ہے تو نبوت محمدیہ اور رسالت مصطفویہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

ازاں جملہ:

۲: کوثر سے مراد اسلام ہے، وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول ومنظور ہی نہیں۔

وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلام فرمایا۔

وہی اسلام جو سعادتِ دارین کا جامع اور اصلاح وفلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

ازاں جملہ:

۳: کوثر سے مراد کثرت امت ہے، یہ کثرت حد وعدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوماً فی یوم ترقی پذیر ہے۔ ۱۸۸۱ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ بیان کی جاتی ہے اور ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد پونے سات کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس سال میں اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دو چند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس بیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے رہنا یقینی کہا جا سکتا ہے۔

بالمقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحرِ فنا میں گر رہی ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سوتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

ازاں جملہ:

۴: کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتابِ مجید ہے۔

یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد جس کی مدح وثنا کے استیفا سے عاجز ہے۔ عمرِ نوح اور فہم جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصرِ اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلزم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے۔ یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیا کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا

---

❶ ۳/ آل عمران:۱۸۔ ❷ ٦٣/ المنافقون:۱۔

وجود و نمود پایا جاتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا، پھر اژدہا کا سیرت اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔

وہی عصا بنی اسرائیل کے لیے انفجار ماء کا آلہ بنا۔ ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ ہے، دائمی معجزہ ہے۔ ابدی معجزہ ہے اس کا اعجاز ہر وقت، ہر آن موجود و مشہور ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت د بہ ہر حین پیش کر سکتا ہے بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے۔ جس کا اعلان منجانب رب رحمٰن ہونا ضروری تھا۔

۵: کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ ہیں، جو وجود مصطفوی میں مندرج و منطوی تھے۔

انابتِ آدم	اور	استقامت نوح
حلمِ اسمٰعیل	و	علمِ خلیل
درسِ ادریس	و	تنفیث شیث
حقانیتِ اسحٰق	اور	عاقبت بنی یعقوب
نورانیت یوسف	و	صالحیت صالح
ہدیٰ ہود	اور	جمعیت شعیب
لطافت ہود	اور	عبرت عزیر
شکوہ سلیمان	و	اندوہ یحییٰ
داد داؤد	و	دعائے یونس
ایاب ایوب	و	ذہاب زکریا
امامت ہارون	و	ایناس الیاس
زہد عیسیٰ	و	علو موسیٰ
احسانیت لقمان	و	انقیاد خضر
مساعی الیسع	و	کفالت ذوالکفل

علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گوناگوں ہیں جو الٰہی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں اور رحمۃ للعالمینی کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگ خاص سے رنگین بنا دیا ہے۔

۶: کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔

یقیناً حضور ﷺ سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو یٰسٓ کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ مشعلِ ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دور فرمایا۔ حضور ﷺ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔

حضور ﷺ ہی وہ نور رحمت ہیں کہ قلب عالم کو منور اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ عبد کامل ہیں کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور امید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضور ﷺ کے زلال الطاف سے بہرہ یاب اور عطشان خشک زبان حضور ﷺ کے جام کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

خصوصیت نمبر ۱۲

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ ﴾ [1]

۱: آیت بالا میں فتح مبین کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور اسکے نتائج بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

۲: مقدم و مؤخر ذنب کا غفران۔

۳: اتمام نعمت۔

۴: صراط مستقیم کی ہدایت۔

۵: نصر عزیز کی یاوری و معیت۔

علمائے کرام نے ذنب ماتقدم و ما تاخر پر خوب بحث کی ہے اور اُن کا غفران بتلایا ہے۔

(الف) کسی نے ماتقدم و ما تاخر سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا اور معنی یہ بتلائے کہ امور جاہلی کے غفران کی خبر دی گئی ہے۔

امام سبکی کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ تو کبھی قبل از نبوت بھی امور جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا نا کردہ فعل کے غفران کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

(ب) زمخشری اور بیضاوی نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں اور بتایا ہے کہ رب العالمین نے ایسی حرکات کو بھی محل لطف و عنایت بنا دیا۔

امام سبکی کا اعتراض ہے کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں اور بالمقابل اس کے عصمت انبیا علیہم السلام کا مسئلہ مسلمہ ہے۔ انبیا سے نہ صدور کبائر ہوتا ہے، نہ صدور صغائر لہٰذا یہ توجیہ بھی نادرست ہے۔

(ج) سبکی نے خود یہ معنی لکھے ہیں اور شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی نے انہی معنی کی تحسین و تعریف کی ہے کہ یہ آیت کسی لغزش یا

---

[1] ۴۸/ الفتح: ۱۔۳۔

گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی، بلکہ از راہ تشریف و تکریم یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی لغزش کا امکان بھی تصور کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دی گئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثبات ذنب اور پھر غفران بعد از اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

(د) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔

(ہ) تفسیر خازن میں عطاء خراسانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ماتقدم سے مراد آدم و حوا علیہما السلام کا ذنب اور ذنب ماتاخر سے مراد امت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے ناظرین کو جو قول پسند ہو اسے قبول کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علما کی اس قدر شرح و بیان کے بعد بھی کچھ باقی رہ جاتا ہے۔

وجہ اشکال ایک تو یہ ہے کہ ﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ ❶ سے بظاہر اثبات ذنب واضح ہوتا ہے اور یہ بالا جماع عقیدہ جمہور امت کے خلاف ہے۔

اور اشکال دوم کی وجہ یہ ہے کہ لِيَغْفِرَ کے حرف لام کو بمعنی کَيْ بیان کیا گیا ہے اور اس وقت یہ دشواری آ پڑتی ہے کہ فتح مکہ کو سبب مغفرت قرار دینے میں کیا علاقہ ہے یا کیا خوبی ہے۔ متعدد علما کے اقوال عدیدہ کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اس بارے میں معنی مزید بیان کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الفاظ ﴿ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ ❷ سے مراد فتح مکہ لینا ہی غلط ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں نیز سنن ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ ﴾ ❸ کا نزول صلح حدیبیہ کے انجام پر ہوا تھا۔ ❹

ہمراہیان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا رنج و قلق تھا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ نہ طواف کعبہ نصیب ہوا، اور نہ قربان گاہ تک قربانی کے جانور پہنچے، حتی کہ اسی میدان میں قربانیاں کی گئیں اور احرام کھولا گیا۔

الغرض اس ناکامی کو مسلمان نہایت سختی سے محسوس کرتے تھے، مگر وہ معاہدہ جو اسی مقام پر فریقین کے درمیان طے ہو گیا تھا۔ اس کی اہمیت قانونی، اخلاقی، آئینی کا اندازہ بہت کم بزرگوں کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اسی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور ان نتائج اور فوائد اور برکات کو آشکار فرمایا جو انعقاد صلح سے مترتب ہونے والے تھے۔

صحیح بخاری (باب غزوۃ الحدیبیہ) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ یوم الفتح سے مراد فتح مکہ سمجھتے ہو۔ ہاں فتح تو وہ بھی ہے مگر ہم (گروہ صحابہ) تو حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو یوم الفتح قرار دیا کرتے تھے۔ ❺

روایت بالا سے واضح ہو گیا کہ معاہدہ حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا نام ''فتح مبین'' ہے۔ اس جگہ معاہدہ حدیبیہ کے فقرات متعدد روایات کو جمع کرنے کے بعد درج کیے جاتے ہیں۔

---

❶ ٤٨/ الفتح:٢۔ ❷ ٤٨/ الفتح:١۔ ❸ ٤٨/ الفتح:١۔ ❹ بخاری، کتاب التفسیر، سورة الفتح، باب قوله انا فتحنا لك فتحامبینا، حدیث:٤٨٣٤؛ مسلم، کتاب الجهاد، باب صلح الحدیبیة، حدیث: ٤٦٣٧؛ ترمذی، ابواب التفسیر، باب سورة الفتح، حدیث: ٣٢٦٢۔ ❺ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث: ٤١٥٠۔

هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَسُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلٰی.

۱: أَنْ يَّخْلُوَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوْفَ بِهِ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ.

۲: وَلَا يَدْخُلَ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ إِلَّا بِالسَّيْفِ فِي الْقِرَابِ، وَيَخْلُوْنَ لَهُ مَكَّةَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ.

۳: وَلَا يَخْرُجُ مِنْ أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَّتَّبِعَهُ وَأَنْ لَّا يَمْنَعَ مِنْ أَصْحَابِهِ أَحَدًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُّقِيْمَ بِهَا۔

٤: وَعَلٰی إِنْ جَآءَ الْقُرَيْشَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ۔

٥: وَمَنْ جَآءَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْقُرَيْشِ يَرُدُّوْهُ إِلَى الْقُرَيْشِ۔

٦: وَعَلٰی أَنَّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّدْخُلَ فِيْ عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَّعَهْدِهٖ دَخَلَ فِيْهِ۔ وَمَنْ دَخَلَ فِيْ عَقْدِ قُرَيْشٍ وَّعَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيْهِ۔

٧: وَعَلٰی أَنَّ الْحَرْبَ تُوْضَعُ بَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِيْنَ۔

٨: وَعَلٰی أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَّكْفُوْفَةً فِيْ صُدُوْرٍ سَلِيْمَةٍ۔

''یہ وہ سمجھوتہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو (کمشنر قریش) کے درمیان ہوا۔ یہ کہ

۱: سال آیندہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ اور طواف سے نہ روکا جائے گا۔

۲: مسلمانوں کے ساتھ ہتھیار نہ ہوں گے بجز تلوار کے جو میان سے باہر نہیں نکالی جائے گی۔ مکہ مسلمانوں کے لیے تین دن تک خالی چھوڑ دیا جائے گا۔

۳: اس وقت اہل مکہ میں سے کوئی شخص اگر مسلمانوں کے ساتھ جانے کا ارادہ بھی کرے تو اسے ساتھ نہیں لے جایا جائے گا، لیکن اصحاب محمد ﷺ میں سے اگر کوئی مکہ رہنا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

۴: اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے گا وہ اسے واپس نہ کریں گے۔ لیکن اگر

۵: قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو وہ اس کو واپس کر دیں گے۔

۶: قبائل میں سے جو کوئی پسند کرے وہ محمد ﷺ کی طرف داخل ہو سکتا ہے اور کوئی قریش کی جانب کو پسند کرے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو سکتا ہے۔

۷: دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی۔

۸: آپس کے سب جھگڑے فراخ حوصلگی کے ساتھ طے کیے جائیں گے۔

معاہدہ بالا کو اگر دنیا کا کوئی سٹیٹس مین (مدبر و سیادت دان) دیکھے گا تو سمجھ لے گا کہ مسلمانوں نے بہت ہی دب کر بلکہ گھٹیل شرائط پر معاہدہ کیا تھا۔

لیکن ہادی اسلام نے اسی کو فتح مبارک بتلایا اور قرآن حمید نے اسی کو فتح مبین فرمایا، وہ کھلی فتح کیا ہے:

الف: وہ یہ ہے کہ کینہ توز، جنگ آور قریش نے دس سال تک چپ رہنے، جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔

ب: وہ فتح یہ ہے کہ جانبین میں آمدورفت کی راہ کھل گئی۔

ج: وہ فتح یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو قبائل کفار میں تبلیغ کا موقع مل گیا۔ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے بعد جھوٹے شکوک زائل ہونے لگے اور ظنون باطل ٹھہرے۔

لفظ فتح کا استعمال جنگ کی فیروزمندی پر بھی کیا جاتا ہے اور حل مشکلات پر بھی اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اسلام کے لیے یہی فتح مبین تھی کہ اشاعت اسلام کی دشواریاں جاتی رہیں۔

اب آیت زیب عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے:

الف: اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔

ب: اس کے معنی الزام بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذنب بفتحتین کو دیکھتے ہیں، جس کے معنی ''دم'' ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذنب بفتح وسکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔

ذنوب بفتح اول اس ڈول کو کہتے ہیں جو رسی کے سرے پر بندھا ہوا ہو یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔

لہٰذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ اللہ کا تھا۔ قرآن مجید کی زبان سے سنو، موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴾ [1]

''انہوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔''

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا، لہٰذا اس کا ترجمہ ''الزام'' بھی صحیح ہے۔

قانوناً لفظ ''الزام'' اور لفظ ''جرم'' کے معنی میں بہت تفاوت ہے ''الزام'' کا اطلاق اس نسبت جرم پر کیا جاتا ہے کہ بادی النظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعلِ ممنوعہ ملک یا قانون کے مرتکب بننے کی بابت گمان کیا جا سکے اور جرم کا اطلاق اس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونیوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا قتل وقصاص تھی۔

موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ سطحی دماغ سے نہ تو ''نیت'' کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً منجر بہ ہلاکت ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اس کا منجر بہ ہلاک ہونے کا ظن غالب ہو سکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰ کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ ۳۲۳ تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

---

[1] ۲٦/ الشعرآء: ۱٤۔

ج: حدیث میں ہے:((إِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ)) [1] "جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔"

صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے أَيْ غِلٌّ وَّشَحْنَاءُ یعنی ذنب کے معنی یہاں کینہ اور تنگ دلی ہیں۔ [2]

د: قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے:﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [3] یہاں نبی اور مؤمنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔

ان جملہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ آیت زیب عنوان میں ذنب بمعنی الزام قوم ہے اور ماتقدم سے مراد زمانہ قبل از ہجرت اور ما تاخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے۔علمائے سیرت آگاہ ہیں کہ نبی ﷺ پر کفار نے جو جو الزامات و اتہامات لگائے تھے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔

اتہامات قبل از ہجرت

یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے، اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پڑھنت پڑھاتا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

الزامات بعد از ہجرت

یہ قوم میں پھوٹ ڈالنے والا ہے۔ مکہ کو اجاڑنے والا ہے۔ بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو مائی سے جدا کرنے والا ہے۔ ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا۔ قومی انتظامات کو پراگندہ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔

مؤمنین پر بھی ایسے ہی الزامات لگائے جاتے

بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کمینے ہیں، غلام ہیں، ناقابل التفات ہیں۔ آیت ﴿ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ ﴾ [4] میں انہی امور کی طرف اشارہ ہے۔ آجی یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد ﷺ کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔

آیت ﴿ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾ [5] میں یہی بات ان کی بتائی گئی ہے۔

عروہ بن مسعود نے جب وہ قبل از اسلام نبی ﷺ کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا یہی الزام مسلمانوں کے رُد در رُد مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے اور اس کا جواب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے پچھلے

---

[1] الجامع شعب الایمان، کتاب الهادی والستون، باب فی قصة ابراهیم فی المعانقة، حدیث: ۸۵۵۳۔

[2] مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار، باب الذال مع النون۔ [3] ٤٧/ محمد :١٩۔

[4] یہ ان کی نگاہوں میں حقیر ہیں۔ ۱۱/سورۂ ہود:۳۱۔ [5] جو شخص رسول کے ارد گرد ہیں ان کو خرچ نہ دو یہ منتشر ہو جائیں گے۔ ٦٣/ المنفقون:٧۔

الزامات اٹھ جائیں گے، دب جائیں گے، زیر خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غفر کے لغوی معنی بھی یہی ہیں، صداقت رسول آشکارہ ہو گی، بصارت کھل جائے گی، بصیرت بیدار ہوگی، اتہامات والزامات کی لغویت کا خود ان لوگوں کو اقرار بہ ندامت وانفعال کرنا ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح سے بہت جلد مترتب ہو گئے تھے۔

بشارت دوم ﴿ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ﴾ ❶ ہے، یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جس کا سال نزول ۶ھ ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور آیت ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ ❷ میں جو ۹ ذی الحجہ ۹ ہجری کو نازل ہوئی، اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔

اتمام نعمت کے معنی میں اتمام اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین متین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفائے قریش کے اندر رکی ہوئی تھی۔ وہ روک اٹھ گئی تھی، موانعات کے دور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے، پھر پچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم ﴿ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ ❸ ہے، جو صلح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا وہ صاف ہو جائے گی اور حضور ﷺ کو اپنی تعلیم پر چلانے اور سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔

بشارت چہارم ﴿ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴾ ❹ جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا۔ یعنی نصرت الٰہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکار ہوگی۔ قلوب میں کشش، ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جویا حقیقت کے طالب بن جائیں گے۔ حتیٰ کہ ﴿ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ ❺ کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔

نصرت الٰہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ﴾ ❻

''اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا اور رسول ﷺ اس وقت دو میں سے دوسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار میں تھے۔''

ہاں نصرت الٰہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی ﷺ اور صدیق رضی اللہ عنہ دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار برسر غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں۔ تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے، یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے ہو گئے ہیں۔

غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا۔ قریش کے انعام اور بت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام

---

❶ اللہ اپنی نعمت کو آپ پر پورا کرے گا۔ ۱۲/ یوسف:۶۔ ❷ میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی کامل نعمت کا اتمام کر دیا۔ ۵/ المائدۃ: ۳۔

❸ سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ تجھے لیے چلے گا۔ ۴۸/ الفتح: ۲۔ ❹ اللہ تیری مدد زبردست نصرت کے ساتھ فرمائے گا۔ ۴۸/ الفتح: ۳۔

❺ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ ۱۱۰/ النصر: ۲۔ ❻ ۹/ التوبۃ: ۴۰۔

راستہ کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا۔ یہ تین سو میل کا راستہ سینکڑوں اعدائے دین کا روکا ہوا تھا، پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر بخوش اسلوبی طے ہو جاتا ہے۔ بنو کنانہ کے مدلجی سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو منہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرۂ خدام میں منسلک ہو گیا۔ حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اہل ایمان تک لے جاتا ہے اور اہل مدینہ اس نعمت خداداد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روزافزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے حتیٰ کہ یہود کی آنکھیں بھی اس نظارہ سے جس کی خبر حبقوق نبی نے دی تھی پتھرا جاتی ہیں۔

اب چھ سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی ام القریٰ اور اس کے حوالی میں قدرتِ ربانیہ اور نصرت الٰہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھلانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہ مستقیم اور نصرت وعزت کے معنی سیرت رسول پاک ﷺ میں ہمیشہ سے مشکلاتِ اشاعت کی دوری اور موانعات تبلیغ کا اندفاع رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلائے کلمۃ الحق اور ظہور صداقت و بروز حقیقت رہا ہے۔

بیشک یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ﷺ ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پورے فرمائے گئے تھے۔ لہٰذا آیات زیب عنوان حضور ﷺ کی رفعت شان اور منصبِ عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کو مبرہن کرنے والی ہیں۔

مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مدارج علیا کی اور زیادہ وضاحت کن ہے، اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [1] فرما کر اہل عالم و عالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمتِ انبیا کے کیا معنی رہ سکتے ہیں؟

میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں، منزلت وسیلہ کے سریرآرا ہیں، شفیع المذنبین ہیں، شفاعت کبریٰ حضور ہی کے لیے خاص ہے۔ ((اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ)) [2] حضور ﷺ ہی کا مرأت کمال ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعتِ کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زیب عنوان سے ان معانی کا استفاضہ بھی ہو گیا کہ اعدائے دین نے جو الزامات سرور کائنات ﷺ پر لگائے تھے، ان کا ازالہ بھی حضور ﷺ کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔

---

[1] ''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔'' ۳۳/ الاحزاب:۲۱۔

[2] ''آدم اور ان سے نیچے سب برگزیدہ لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔'' مسند ابی یعلی الموصلی، حدیث: ۲۳۲۸ اول مسند ابن عباس رضی اللہ عنہما؛ ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا اللّٰہ لی الوسیلۃ، حدیث: ۳۶۱۵؛ الدارمی، مقدمہ، باب ما اعطی النبی ﷺ من الفضل، حدیث: ۴۸؛ صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب الحوض والشفاعۃ۔ ذکر الإخبار بأن الانبیاء أولهم وأخرهم یکونون فی القیامۃ تحت لواء المصطفی ﷺ۔

یہ بھی ثابت ہوگیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعتِ اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العنکبوت ثابت ہوئیں۔ قریش نے سمجھا تھا کہ جب نومسلم لوگ اکسٹراڈیشن کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر وستم اور بند وقید کے خوف سے آیندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترک اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آ کر جملہ حقوق شہریت سے متمتع رہ سکیں گے اور مسلمان ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے۔ مگر یہ دونوں خیال جھوٹے نکلے اور صرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور علیم الحکیم نے اسی معاہدہ کو فتح مبین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بے شک کوتاہ بین آنکھ تو یہ بھی نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جورات کی تاریکی میں گھروں سے نکلے، اور غار کی تہہ میں چھپ کر رہے۔ یہی کل دنیائے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی نورانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود عنسی اور مسیلمہ سجاح کی نبوت کاذبہ کے دعاوی مغاکِ ہلاک میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں مستاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشان قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بطور مجرم حاصل کیے جائیں گے وہی لوگ حبس و زندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے۔

جو لوگ ''اسلام بزور شمشیر'' کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں، وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ ان کی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے اور بایں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس نے اس حمایت و حفاظت و جنبہ داری کا فائدہ اٹھایا ہو۔

المختصر آیات زیب عنوان سے نبی ﷺ کی خصوصیات بخوبی آشکار ہیں اور مضمون ہذا کی مناسبت سے اسی قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّهٖ وَحَبِيْبِهٖ وَاٰلِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

خصوصیت نمبر ۱۳

﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ﴾ [1]

''جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔''

یہ آیت سورۂ انفال کی ہے، سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۂ انفال کا نزول بہ مقام بدر ہوا۔ [2]

---

[1] ۸/ الانفال: ۱۷۔ [2] بخاري، كتاب التفسير، باب قول الله يسئلونك عن الانفال، حديث: ٤٦٤٥؛ مسلم، كتاب التفسير، باب في سورة براءة، والانفال، والحشر، حديث: ٧٥٥٨۔

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جس واقعہ کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوۂ بدر ہی کے واقعات میں سے ہے اہل التفسیر و اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا۔ الٰہی یہ قریش ہیں، فخر وغرور میں چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول ﷺ کے مکذب، میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں۔ جبریل علیہ السلام آئے۔ کہا حضور ﷺ ایک مشت خاک لیجیے اور قریش کی جانب پھینک دیجیے اور نمونہ قدرت باری ملاحظہ کیجیے۔

نبی ﷺ نے کنکریوں والی مٹی کی مٹھی بھر لی اور لشکرِ اعداء کی طرف پھینک ماری اس لشکر خودسر میں ایک ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جن کے کبر وافتخار کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پہنچی اور ان بے بصرانِ حقیقت کو بتلا گئی کہ جو رسول پاک ﷺ کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزاوار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاکِ راہ ان کے لیے سرمہ بنے۔

واقعہ عجیب تھا کہ ایک مشتِ خاک اور ایک ہزار اعمی القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے۔ اس لیے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دست قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کے لیے اعجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ مَا رَمَيْتَ کی نفی اور اِذْ رَمَيْتَ کے اثبات میں اور ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ ﴾ [1] کے نتیجہ سے اتحادِ ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ گئے کہ یہی وہ آیت ہے جو حقیقت محمدیہ کے چہرہ سے برقع کشا ہے، مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

کہ نبی ﷺ کے خلقِ عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کی عفو اور درگزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لیے تعجب خیز تھا کہ محمد ﷺ تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے۔ ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اٹھتا نہ تھا، ہم لوگوں نے تیرہ سال تک مکہ میں سن سن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں اف تک نہ کرتے تھے۔ ہاتھ کو جنبش دینا تو کجا، زبان کو بھی ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد ﷺ کو کیا ہوگیا کہ اس کی عادت بدل گئی۔ کیا اس کی فطرت میں تبدیلی آ گئی؟ کیا اب بھی خلق محمدیہ ﷺ کو دنیا کے لیے نمونہ بنایا جائے گا؟

رب العالمین کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے حبیب پاک ﷺ کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں جھٹ اس کی نفی فرما دی اور بتلا دیا کہ اخلاق محمدیہ ﷺ تو وہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمہ ہیں، مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی ﷺ کا ذاتی فعل شامل نہیں۔ نبی ﷺ نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیر انداز کے ہاتھ میں ایک کمان کا ہے، لہٰذا ہمارے رسول ﷺ کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی ایک شان سمجھو۔

اِذْ رَمَيْتَ میں فعل کا اثبات اسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیر اندازی میں ہے اور مَا رَمَيْتَ میں فعل نبوی کی نفی اسی حقیقت پر ہے جو تیر انداز کے سامنے کمان کی ہے لہٰذا آیت کا محل اصلی ذبِّ رسول ﷺ ہے اور اہل اسلام کے لیے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے ان اعتراضات کی جواب دہی لازم وواجب ہے۔ جو حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بصری وکوتاہ بینی سے زبان پر لاتا ہے۔

---

[1] ٨/ الانفال:١٧۔

کمان کو تیر انداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد وحلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے ہاں آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے، اسی سورۂ انفال کو پڑھو کہ کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی:

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ [1]

''الٰہی! یہ محمد ﷺ کی نبوت اور دعوت اور تیرا نام لے کر آیات قرآنی کی تلاوت، اگر درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔''

دیکھو، ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسیں اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد ﷺ سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کر دے۔

ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیونکہ حقانیت اسلام کے لیے انہوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا۔ لہٰذا رسول ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشت خاک ان پر پھینک دو جب یہ مشتِ خاک سب کی آنکھوں میں پہنچے گی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسنا بھی بعید نہیں۔

لہٰذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لیے ان کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجت و دلیل بھی اسی توجیہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیے۔

کہ رمی حجارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے برأت و بیزاری کا اظہار بھی ہے۔ جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں جو بوجہ خبث باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دور ہو چکے ہوں کہ بظاہر آثار رشد بھی ان کے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بمقام منیٰ مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذِ حکم الٰہی پر تو بہ کمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزند خلیل اور دعائے ابراہیم علیہ السلام نے بھی بدر میں اسی نمونہ کا اتباع فرمایا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک شریر النفس کو خائب و خاسر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

فخر الانبیاء کی ایک ہی مشتِ خاک نے ایک ہزار طاغی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرما دیا۔

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔

---

[1] ۸/ الانفال:۳۲۔

فصل دوم

خصوصیت نمبر ۱۴

﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ [1]

''نبی لوگوں پر اللہ کی آیات کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے چاہا کہ خدمت اسلام میں وہ کام کریں جو سخت مشکل ہو۔ مسلمانوں نے بتلایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید سنانا ہے۔ یہ دھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچے اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو ان کا سارا بدن لہولہان تھا اور زخموں نے چہرہ کو بے پہچان بنا دیا تھا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو آیات قرآنیہ کا پڑھ کر سنانا کتنا کٹھن کام تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز اسی کام میں لگے رہتے تھے، آبادی مکہ کے اندر ہر ایک مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچتے تھے اور قرآن سناتے تھے ہر شخص کو تنہائی میں ملتے تھے اور اسے پیامِ الٰہی پہنچاتے تھے۔

آبادی سے باہر بھی جتنے رستے آنے جانے والوں کے تھے، ان سب پر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جا پہنچتے تھے اور قرآن کی تلاوت سے آنے جانے والوں کے کانوں میں حکم الٰہی ڈالتے تھے۔

عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ بذریعہ تلاوت اور اشاعت بذریعہ دعوت نہ فرمائی ہو۔ عکاظ کا ذرہ ذرہ اور طائف کا پتہ پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا گواہ ہے۔

غور کرو، اس گوہر مقدس کی جرأت وفتوت، نجدت وجلالت پر کہ رزم گاہ عالم میں جملہ افراد عالم بلکہ اقوام عالم کے خلاف اپنی زبان کھولتا ہے۔ ہر ایک کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے ہر ایک کا شیشۂ پندار سنگ براہین سے توڑتا ہے۔ ہر ایک کے بت بطلان کو سندانِ حقانیت پر پھوڑتا ہے۔

اسے نہ ضرب کا ڈر، نہ ضرر کا غم، نہ خوف وخطر کا اندیشہ، اس کا سینہ وجگر نیزہ وتیر سے دل نہیں چراتے، اس کی زبان بیان توحید سے بند نہیں ہوتی، اس کی سرگرمیاں لوگوں کی سرد مہری سے ٹھنڈی نہیں پڑ جاتیں۔ مال کی طمع حکومت کی للچاہٹ اسے اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تلاوت آیات کتنا کٹھن، دشوار اور خطرناک کام تھا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خوش اسلوبی سے پورا کیا کہ اپنی آواز کو ہر ایک غافل تک پہنچایا۔ ہر ایک غفلت زدہ کو خواب سے جگایا اور بالآخر سب کو ''بیدار'' کر کے چھوڑا۔

آج اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کا عمل سہل اور آسان سمجھتا ہے تو اسے بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مخالفین کے زمرہ میں تلاوت کا

---

[1] ۳/ آل عمران:۱٦٤، ٦٢/ الجمعة:۲۔

کام فی الواقع آج بھی آسان نہیں اور اب اگر کسی قدر سہولت پیدا بھی ہوگئی ہے تو یہ اسی تلاوت نبوی ﷺ کی برکت اور اثر ہے جس کے لیے حضور ﷺ خود گونا گوں مصائب اور بوقلموں نوائب کی برداشت کر چکے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلاوت کی دو صورتیں ہیں:

الف: خود اپنے لیے پڑھنا، اس کے آداب الگ ہیں، مثلاً تحسین صوت حضورِ قلب، معانی پر تفکر و تدبر، حقائق و معارف کی غوّاصی۔

ب: دوسروں کو پڑھ کر سنانا، وہ دوسرے بھی کون؟ مخالفین دین، جن کے کان سننے سے اور دل سمجھنے سے سخت منکر ہوں۔

ان کو اس طرح پر سنانا کہ ثوابِ ابدی، عذاب اخروی، نعمائے الٰہی، رضوان ربانی سننے والے کو مشکل نظر آنے لگیں، بدن لرز جائے اور دل کانپ اٹھے آنکھ کھل جائے اور طبیعت اپنے سابقہ اطوار سے رک جائے۔

یہ کام بے شک بدرجہ کمال حضور ﷺ ہی کے کرنے کا تھا اور قرآن گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کام کو نہایت ہی عمدگی کے ساتھ سرانجام دیا اور اسی لیے حضور ﷺ کا یہ طریق ''خصوصیت'' میں داخل ہوا۔

خصوصیت نمبر ۱۵

﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [1]

''نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔''

آیت کا خطاب جملہ اہل عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں۔ جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ تھی۔

مسیح علیہ السلام جیسے صادق اللہجہ نے استعداد مخاطبین اور قابلیت مستمعین کا اندازہ کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا تھا:

إِنَّ لِيْ أُمُوْرًا كَثِيْرَةً أَيْضًا لِأَقُوْلَ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تَسْتَطِيْعُوْنَ أَنْ تَحْتَمِلُوا الْاٰنَ وَأَمَّا مَتٰى جَآءَ ذٰلِكَ رُوْحُ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْشِدُكُمْ إِلٰى جَمِيْعِ الْحَقِّ. [2]

اردو انجیل کی عبارت یہ ہے:

''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے گی۔'' [3]

مسیح علیہ السلام کا قول بالا بتلا رہا ہے کہ جتنی تعلیم انہوں نے قوم کو دی، وہ کم تھی بہ نسبت اس تعلیم کے جو باقی رہ گئی تھی۔ اس فقرہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کمی تعلیم کا سبب یہ نہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود استاد کامل نہ تھے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ سننے والے ایسی ابتدائی حالت میں تھے کہ ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک ایم اے پاس استاد کسی پرائمری کلاس کو

---

[1] ۲/ البقرۃ: ۱۵۱۔ [2] یوحنا ۱۶ باب۔ نقل از کتاب المقدس عربیہ مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۷۱ء۔

[3] نقل از بائبل اردو، مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء یہ واضح رہے کہ الفاظ ''بتادے گی'' یہ صیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ اردو زبان میں روح مونث ہے ورنہ آنے والے کا نام روح الحق ہے اور یہ صیغہ مذکر عربی عبارت میں موجود ہے۔ محمد سلیمان۔

تعلیم دینے لگے اور وہ ان کو بہت سی علمی باتیں نہ بتا سکے اور نہ سمجھا سکے، اس لیے کہ شاگردوں کی سمجھ ناقص ہے۔

بہر حال نتیجہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جیسے نیک استاد کی تعلیم کا حصہ اور بہت بڑا حصہ دنیا کو اس وقت نہ مل سکا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیحی مذہب کی اس کمی کو کسی شخص نے کسی زمانہ میں پورا کیا جہاں تک ہم کو عیسائی عالموں سے معلوم کرنے کا اتفاق ہوا۔ وہ بتاتے ہیں کہ پینتی کاسٹ کے دن اس کمی کو پورا کر دیا گیا۔

پینتی کاسٹ کا ذکر کتاب اعمال کے دوسرے باب میں ہے اور اس کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رفع مسیح سے پچاس دن بعد کا ہے، الغرض پہلے ہی سال کا۔

پینتی کاسٹ کے معنی کتاب احبار (موسیٰ کی تیسری کتاب) کے ۲۳ باب میں یہ بتائے گئے ہیں کہ عید فصح کے ایام میں نذر کی قربانی کا پیش کرنا۔

ہاں کتاب اعمال سے ظاہر ہے کہ اس پینتی کاسٹ کے دن مسیح علیہ السلام کے بارہ کے بارہ شاگرد جمع تھے۔ ان کو ایک زور کی آواز سنائی دی اور شاگردوں کو جدا جدا آگ کی سی زبانیں (شعلے) دکھائی دیں اور وہ ہر ایک پر بیٹھے اور سب غیر زبانیں بولنے لگے، آواز سن کر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب حیران ہوئے ایک دوسرے سے گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے اور لوگوں نے ٹھٹھے سے کہا کہ یہ نئی شراب کے نشے میں ہیں۔ تب پطرس نے اپنی آواز بلند کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ نشے میں نہیں۔

۲/۱۶ یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا کہ

۲/۱۷ خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے تم پر بھیجوں گا۔

پطرس کی تقریر کے بعد تین ہزار آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ [1]

پینتی کاسٹ کے دن جو کچھ ہوا، اس پر شک کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غور کی ضرورت ہے سوال تو یہ تھا کہ مسیح کی پیش گوئی جو باقی ماندہ صداقت کی مکمل تعلیم کے متعلق تھی، کب پوری ہوئی، پینتی کاسٹ کے دن تو حضرت پطرس نے عین اس وقت جب کہ وہ روح القدس سے بھرپور تھا۔ یہ بتلا دیا تھا کہ یہ حالت وہ ہے جس کا ذکر یوایل نبی کی معرفت ہوا تھا۔

اب انصاف کا مقام ہے کہ پطرس مع روح القدس ظاہر کر رہا ہے کہ یوایل نبی کی پیش گوئی پوری ہوئی اور پادری بتلاتے ہیں کہ نہیں بلکہ مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

کیا پادری کا یہ کہنا پطرس کے سامنے سچ ٹھہرے گا اور پطرس مع روح القدس اس پادری کے سامنے جھوٹا قرار دیا جائے گا؟ میں کہتا ہوں کہ نہیں ہرگز نہیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ پینتی کاسٹ کے دن مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور مسیحی علما اس دن کے سوا اور کسی دن کا حوالہ بھی نہیں دے سکتے، جب مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی ہو۔

ساری دلیل کا لب لباب یہ ہوا کہ عیسائیوں کو بہت زیادہ صداقت کی باقی ماندہ تعلیم کبھی بھی نہیں ملی تھی۔

آیت زیب عنوان بتلاتی ہے کہ ﴿ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [2] کی تعلیم نبی ﷺ ہی نے دنیا کو دی تھی۔

---

[1] خلاصہ از کیم تا ۴۲ درس باب دوم اعمال۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۵۱۔

اس دلیل کی صحت اس اندرونی شہادت سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو فرمایا تھا کہ روح الحق اس کامل صداقت کی تعلیم دے گا جو مسیح علیہ السلام نہیں دے سکے تھے اور اس پینتی کاسٹ کے دن کسی ایک نئی بات کی تعلیم بھی نہیں دی گئی۔ پطرس نے اس واقعہ کو یوایل نبی کی پیش گوئی بتلایا یا صلیب مسیح کا واقعہ سنایا مگر تعلیم کچھ بھی نہیں دی گئی تھی۔

اندریں حالات ہماری برہان مکمل ہو جاتی ہے کہ عیسائیوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔

اس کے بعد یہودیوں کی حالت سنو۔

وہ یہود جو موسیٰ علیہ السلام کی مسند پر بیٹھنے والے تھے۔

وہ یہود جو غرور کتاب دانی اور نخوت کتاب داری سے سرشار تھے۔ قرآن مجید نے خود ان کو مخاطب بنا کر فرمادیا تھا کہ ﴿ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ ❶ یعنی تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔

جب اہل کتاب کے یہ دونوں گروہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت اور قرآن پاک کے اعلان سے بہت تھوڑے علم والے ثابت ہو چکے تو ضروری تھا کہ دنیا کو بھی مکمل تعلیم دی جاتی نبی ﷺ کے عہد نورانی میں وہ وقت آ گیا کہ ﴿ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ❷ کی کمی کو پورا کیا جائے۔

یہ بدیہی ہے کہ جب کتاب والے ہی ادھورے نکلے تو دیگر اقوام کا تو علمی حیثیت میں ان سے ادنیٰ درجہ پر ہونا بالضرور ثابت ہو گیا۔ لہٰذا آیت بالا کے مخاطب جملہ اہل عالم ہیں اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا وہ منصب عالی ہوا کہ سب کو ایسی تعلیم دی جس سے دنیا آج تک بے بہرہ تھی۔

مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی کے متعلق یہ امر بھی شرح طلب ہے کہ اس پیش گوئی میں اسم ''روح الحق'' کا استعمال ہوا ہے اور اناجیل اربعہ میں اس مقام کے سوا اور کسی جگہ اسم ہذا کا استعمال نہیں ہوا۔ دوسرے مقامات پر تو روح القدس کا لفظ آیا ہے۔ پینتی کاسٹ والے دن بھی پطرس نے روح القدس ہی کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ ہر دو مقامات کا فرق صراحۃً بتا رہا ہے کہ ''روح الحق'' اور ہے ''روح القدس'' اور ''روح القدس'' کو پادری صاحبان تثلیث کا جزو ثالث تسلیم کرتے ہیں تو کیا کریں، مگر روح القدس نے تو کبھی کوئی نئی تعلیم کسی مسیحی کو نہیں دی۔ چنانچہ خود کسی مسیحی عالم کی شہادت بھی یہ موجود نہیں، کہ اسے راست بازی کی وہ باقی ماندہ تعلیم روح القدس سے مل گئی ہے، جسے حضرت مسیح ادھورا چھوڑ گئے تھے۔

آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت حضور سرور کائنات ﷺ کو ہی حاصل ہے۔

ناظرین دریافت کر سکتے ہیں کہ امور کثیرہ کیا ہیں؟ جو مسیح کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یہودیوں کی کتابیں بھی ان سے خالی ہیں اس کا جواب ناظرین کو ہمارے دوسرے مضمون ''خصائص القرآن'' سے ملے گا، اسے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

---

❶ ۱۷/ بنی اسرائیل :۸۵۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱۵۱۔

اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں جن کو علم لدنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ ان میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگوں کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت پیشتر کا ہے۔ پس وہ لوگ مسیح علیہ السلام کی کمی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سریر آرائے علوم ہیں، جو فرشِ خاک پر بیٹھے اور خاکی و نوری انسی و جانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض فرمایا کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے مسیح علیہ السلام کے بارہ شاگردوں میں سے شمار کر لو کہ کتنے شاگردان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے۔ دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جا سکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے۔

آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ملک داری و جہاں بانی کی تعلیم۔

ابوعبیدہ و خالد رضی اللہ عنہما ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی۔

معاذ و ابودرداء رضی اللہ عنہما بیان دین و دانش کی۔

سلمان و ابوذر رضی اللہ عنہما زہد و قناعت کی۔

علی مرتضیٰ و ابن مسعود رضی اللہ عنہما حقائق علمیہ کی۔

عثمان غنی و ابن عوف رضی اللہ عنہما پرورش یتامیٰ و اعانت ایامیٰ کی۔

زید بن ثابت و ابی بن کعب رضی اللہ عنہما انصاری فرائض الٰہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں۔

یہ چند مبارک نام صرف تقریب و تفہیم مدعا کے لیے درج کر دیے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہِ قدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشت زار علوم کے لیے باران رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا شمار ۲۲۱۰ ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ و انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مرویات بھی اسی کے قریب پہنچ جاتی ہیں۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کا شمار ۵۳۷۴ ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ کہلاتے ہیں، جن کے نام مکثرین روایات کے تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس، جابر بن عبداللہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر ایک طالب علم استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت ﴿ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ ﴾ [1] کے الفاظ میں نمایاں ہے یعنی ان پڑھ اور کتاب سے بے خبر۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نہ صرف یہی لوگ ذروہ علیائے علوم کو پہنچے، بلکہ ان کے شاگرد بھی ﴿ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾ [2]

[1] ۲/ البقرۃ: ۷۸۔ [2] ٦٢/ الجمعۃ: ۳۔

کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی کی جود و عطا نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔

یہ حضور ﷺ ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے جنہوں نے سپین و غرناطہ، بغداد و سسلی، تیونس و الجزائر، ترکستان و چین و تاتار میں سینکڑوں مدارس و مکاتب کھول دیئے تھے جن میں جملہ اقوام (مسلم و غیر مسلم) کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے، انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اس روش اور طریقہ کو دیکھیں، جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعت خاطر کا اندازہ لگائیں جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول یہ رہا ہے تو بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتداءً دنیا میں علوم کو پھیلایا۔

تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہٰذا ان غلاموں کے افعال بھی حضور ﷺ ہی کے سنن ہدیٰ کا بیان اور حضور ﷺ ہی کے اسوۂ حسنہ کی برہان ہیں۔ اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و احتشام اعلیٰ کے ساتھ حضور ﷺ ہی میں پائی جاتی ہے۔

غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا، اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج و اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے۔ ڈی رومینس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے۔ اسے اللہ کی کمان جنگ بتانا یا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا، وہ جیل ہی میں مرا، اس کے لاشہ کو اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا۔ اس میں اس سوختنی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا گویا سائی صلح اسی پاداش کا مستحق تھا۔ برونو کو ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکار ہوتا تھا۔

کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے، قتل کر دیئے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ ۱۷۲۱ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا اسے یورپ میں لے گئی، تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی، حتیٰ کہ بادشاہ سے بھی درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔

امریکہ میں جب یہ طریق نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر کر دیا جائے۔ تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے، جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔

کرونیال اکسیمینس نے ۸ ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

پروٹسٹنٹ کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی ہے۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو:

کلفان نے سیرفیٹ کو جلا ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس نیقہ کے انعقاد سے بھی پیشتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔

اسے زندہ دہکتی آگ میں کباب کی طرح صرف اسی گناہ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔

فاینی بھی ۱۶۲۹ء کو اسی جرم میں شہر تلوز میں جلایا گیا تھا۔

پادری لوتیر ارسطو کو ہمیشہ جھوٹا، ناپاک، خنزیر کہا کرتا تھا۔

علم برادرانِ اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی، کہ وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے تنگ دلی کی، کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔

ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں، جو مؤرخین اسلام پیش کرتے ہیں، جن میں سے بیسیوں کا ذکر ڈیون پورٹ، لین پول اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روشنی اسی منبع نور سے آئی، جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت، ﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [1] زیب عنوان ہے۔

ناظرین کو تاریخ عالم کے تفحص سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضور ﷺ صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاباں و درخشاں ہے فقط۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

خصوصیت نمبر ۱۶

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [2]

''ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

قبل ازیں تحریر ہو چکا کہ الکتاب قرآن مجید ہے اور تعلیم الکتاب کے تحت میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ شامل ہیں۔

لہٰذا خصوصیت ہذا کے تحت میں ''تعلیم حکمت'' کا مذکور ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ [3]

''جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی۔''

آیت بالا سے آشکار ہے کہ فضائل محمودہ اور محاسنِ کثیرہ کا نام ''حکمت'' ہے۔ لفظ حکمت کا اثبات منصب نبوت سے علیحدہ بھی کیا گیا تھا۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ [4]

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱۵۱۔ [2] ۶۲/ الجمعۃ:۲۔ [3] ۲/ البقرۃ:۲۶۹۔ [4] ۳۱/ لقمان:۱۲۔

''ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی تھی۔''

قابل غور یہ امر ہے کہ ''الکتاب'' اور ''تعلیم الکتاب'' کے بعد اب کون سی بات رہ گئی تھی جسے حکمت سے تعبیر فرمایا گیا۔

واضح ہو کہ ہدایات واضحہ اور بیانات راشدہ پر عمل کرنے کے موقع پر مختلف الامزجہ لوگوں کی حالت بھی مختلف ہوا کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے پیچیدہ معاملات کو عملی طریق پر بھی حل کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکمل تعلیم عطا فرمائی تھی۔

۱: نبی ﷺ رونق افروز مدینہ ہوتے ہیں تو اول مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کرتے ہیں اور پھر یہودان یثرب اور مؤمنین اسلام میں ایک معاہدہ قلم بند فرما کر ان کو بھی اتحاد مدنیت میں شامل فرما لیتے ہیں۔ معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

۱: هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ وَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ اِنَّهُمْ اُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ.

۲: وَاِنَّ يَهُوْدَ بَنِىْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

۳: وَاِنَّ بَيْنَهُمْ لَنَصْرًا عَلٰى مَنْ حَارَبَ اَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ.

''۱: یہ تحریر محمد النبی ﷺ کی جانب سے ہے کہ مؤمنین و مسلمین مکہ و یثرب ایک قوم ہوں گے اور جو جو لوگ ان کا اتباع کریں گے اور اُن کے مجاہدات میں شامل ہوں گے وہ سب ہی اس وحدت میں شامل ہوں گے۔

۲: یہودان بنی عوف بھی مومنین کی معیت میں قوم سمجھے جائیں گے۔

۳: مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی امداد کا طریق جاری ہوگا۔ خواہ کوئی بھی اس معاہدہ والوں کے خلاف لڑنے کو آئے۔''

غور کرنے والا جب الفاظ معاہدہ کی گہرائی کا اندازہ کرے گا تو اسے یہ فعل عین حکمت نظر آئے گا۔

۲: سرور کائنات ﷺ نے مدینہ پہنچ کر ان سب راستوں پر آباد قبائل سے جو مکہ سے مدینہ کو آتے ہیں، معاہدہ باہمی کا قائم و مستحکم کر لینا ضروری خیال فرمایا۔ بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدات اسی حکمت پر مبنی ہیں۔

۳: صلح نامہ حدیبیہ میں مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ [1] لکھا گیا تھا۔ قریش کا کمشنر معاہدہ اس پر معترض ہوا، وہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے اور کاتب نبی بھی اس مقدس کتاب پر اتنا ہی جما ہوا ہے جتنا یہ کلمۂ پاک اس کے دل پر مرتسم ہے۔ یہ تکرار یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ صلح نامہ کا ناتمام رہ جانا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: میں ''محمد رسول اللہ'' بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی۔ لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھ دیا جائے۔ اس حکمت سے سارا مناقشہ ختم ہو جاتا ہے۔

۴: کفارِ مکہ نے کفار یثرب کو لکھا کہ وہ مہاجرین و انصار سے جنگ شروع کر دیں۔ اگر یثرب والوں نے ایسا نہ کیا تو مکہ والے خود حملہ کر کے اپنے مخاطبین کو فنا کر دیں گے، اہل یثرب پر دھمکی کا یہ جادو چل گیا اور انہوں نے مہاجرین و انصار پر حملہ کی تیاری کر لی۔ نبی ﷺ یہ اطلاع پا کر اہل یثرب کے پاس گئے اور یوں تقریر فرمائی:

---

[1] مسلم، كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية، حديث:٤٦٣٣؛ بخاري، كتاب المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: ٤٢٥١.

''تم اہل مکہ کی چال کونہیں سمجھتے، وہ تمہارے ہاتھ سے تمہارے اعزا واقارب کو جو مسلمان ہو گئے ہیں قتل کرانا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر تم کو اہل مکہ سے جنگ کرنی پڑی تو وہ مقابلہ اغیار سے ہوگا۔''

اس مختصر تقریر نے عجیب اثر کیا اور اہل مدینہ میں جو اندرونی جنگ شروع ہونے والی تھی، رک گئی۔ اس حکمت نے اہل اسلام کی ہجرت گاہ کو اندرونی بے امنی سے محفوظ کر دیا۔

۵: طائف وحنین کے لوگ مسلمانوں پر حملہ آورانہ بڑھے تھے اُن کو بمقام اوطاس شکست ہوئی۔ ان کی فوج طائف کے قلعہ میں حصار بند ہوگئی، محاصرہ کیا گیا۔ جب محصورین کو محاصرہ کی سختی محسوس ہونے لگی اور اندر کے آدمی یگاں یگاں قلعہ کی دیوار پھاند پھاند کر بھاگنے لگے تو نبی ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دیا۔ اس حکم سراپا رحم کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے بعد طائف کی تمام آبادی مسلمان ہوگئی۔

۶: ہرقل نے عرب پر حملہ کرنا چاہا۔ نبی ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ عرب کو روما کی فوجوں کا تاراج گاہ بنایا جائے۔ خود آگے بڑھے اور عرب کی انتہائی سرحد پر جا کر ٹھہر گئے۔ اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ تمام ملک کی امداد لشکر اسلام کو بخوبی پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل پر اس پیش قدمی اور جرأت کا گہرا اثر پڑا اور اس نے عرب پر حملہ کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

۷: ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو وہاں سے ۳۶۰ بت تو نکال دیئے گئے، مگر خود عمارت کعبہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ موجودہ عمارت وہ تھی جو حضور ﷺ کی نبوت و بعثت سے پانچ سال پیشتر بنائی گئی تھی۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا طول کم کر دیا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنا منشا بطور استحسان تو ظاہر فرما دیا کہ عمارت کا بنا ابراہیمی پر ہونا بہتر ہے مگر اس حکمت سے ابھی قوم کی دین داری حداثت میں ہے۔ عمارت کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اس عمارت کے لیے مالی، بدنی امداد دی تھی۔ اس لیے یہ بعید نہ تھا کہ ان لوگوں کو اس عمارت کا انہدام شاق گزرتا۔ نبی ﷺ نے دل داری و دل دہی کی بنیاں کو مضبوط فرمایا اور اینٹ پتھر کی عمارت کے لیے زیادہ اہتمام نہ فرمایا۔

امثال بالا اور اس کی اشباہ و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کیوں کر جملہ معاملات تمدن و اخلاق اور مصلحت شناسی میں تعلیم حکمت کو جاری رکھتے تھے۔

ہاں یاد رکھو کہ تعلیم حکمت میں یہ امر بھی شامل ہے کہ نبی ﷺ نے احکام شرائع کو علل و حکم پر مبنی ٹھہرایا تھا اور ان احکام کی علت و حکمت کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے۔ یہ ایک عجیب خصوصیت حضور ﷺ کی حکمت آموزی کی تھی۔ ورنہ حضور ﷺ سے پیشتر شرائع ماقبل میں بہت کم اس پر توجہ کی گئی بلکہ احکام کی تعمیل و عدم تعمیل کو علامت اطاعت یا نشان طغیان کے اصول پر منحصر رکھا گیا تھا، جس سے لوگ سمجھنے لگے تھے کہ شریعت کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقا نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھ دے۔ اگر غلام نے پتھر اٹھا دیا تو فرماں بردار سمجھا گیا اور نہ اٹھایا، تو نافرمان قرار دیا گیا، حالانکہ اس حکم سے نہ آقا کا کوئی اصلی مقصود تھا اور نہ غلام کا کچھ فائدہ یا نقصان اس کی تعمیل یا عدم تعمیل میں مضمر تھا۔

ہاں دیکھو، کہ نبی ﷺ نے شریعت کو بطور طب روحانی مرتب فرمایا ہے۔ عضو عضو پر وارد ہونے والے امراض روحانیہ کا ذکر

فرمایا۔ پھر ان کا علاج اور علاج میں مفرد و مرکب اشیاء کا استعمال سکھایا ہے صحت قلب کی حفاظت کرنے والی، حیات روحانی کو نشوونما دینے والی، روحانیت کے اعضائے رئیسہ کو قوی و چست بنانے والی ادویہ کا ذکر درجہ بدرجہ فرمایا ہے۔

تکمیل نفس کے بعد حضور ﷺ کی تعلیم حکمت کا دور ثانی شروع ہوتا ہے اور تدبیر منزل و تربیت عائلہ کے مفصل احکام ملتے ہیں۔

دور ثالث میں سیاست مدن کے دروس کا آغاز ہوتا ہے اقوام عالم اور بلدان جہاں کے واجبات وحقوق سے عالم در عالم کو روشناس فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کی یہ جملہ مساعی بطور معلم حکمت ہیں اور اہل بصیرت و دانش کو اقرار کرنا پڑے گا کہ حضور ﷺ کے برابر اس فرض کو اور کسی نے بھی اس حسن تکمیل کے ساتھ ادا نہیں فرمایا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسماء اللہ الحسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی ''حکیم'' ہے اور کتاب اللہ کی صفت میں بھی یہی اسم استعمال ہوا ہے۔ فرمایا ﴿ يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴾ [1] اور اس کتاب حکیم نے حضور ﷺ کو معلم حکمت بتلایا ہے، تو ان حوالہ جات سے اول تو حکمت و دانش اور علم و دانش کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے اور پھر نبی ﷺ کے منصبِ عالی کا ارفع و اعلیٰ ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تعلیم حکمت کے متعلق مجھے نبی ﷺ کی صرف ایک حدیث اس مضمون کے اختتام پر لکھ دینی چاہیے۔ مضمون حدیث کی ہمہ گیری اور صاحب ارشاد کی حکمت آموزی کی وسعت کا اندازہ ناظرین خود فرمالیں گے۔

((اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا)). [2]

''کہ حکمت کو تم گم شدہ لعل سمجھو، جہاں پاؤ، اسے اپنا مال سمجھو۔''

خصوصیت نمبر ۱۷

﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ [3]

''اور ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اور پھندے کھول دیتا ہے جو ان پر پڑے تھے۔''

آیت بالا سے روشن ہے کہ لوگوں کو بھاری بوجھوں نے دبا رکھا تھا اور ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔

ان بندشوں، قیدوں، زنجیروں، بندھنوں سے لوگوں کو نبی ﷺ ہی نے آزاد فرمایا تھا اور ایسا کرنا حضور ﷺ کی نبوت عامہ کا لازمہ تھا۔

نبی ﷺ کی نبوت عرب وعجم پر عام ہے اور حضور ﷺ کی دعوت میں ﴿ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ [4] شامل ہیں لہٰذا مفہوم آیت بالا کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قبل از بعثت نبوی دنیا بھر کی ساری اقوام کیسی کیسی قیود بیجا میں گرفتار تھیں۔

ہم مختصراً عرب، یہود و نصاریٰ، مجوس و ہنود کا ذکر کریں گے۔ یہی وہ اقوام ہیں جن کو تمدن کے لحاظ سے کوئی منزلت دی

---

[1] ۳۶/ یٰسٓ:۱، ۲۔ [2] ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة؛ مسلم، حدیث: ۲٦۸۷۔

[3] ۷/ الاعراف:۱۵۷۔ [4] ۳۴/ سبا:۲۸۔

جاسکتی ہے۔

(الف) عرب

بدکاری وزنا کاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور اپنے افعالِ قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے ان کو اپنے اشعار کے ذریعہ مشتہر کیا کرتے تھے۔

شراب اور سخت نشیلی عرقیات کا استعمال تھا، مدہوشی میں جو معیوب اور خراب باتیں سرزد ہوتیں ان پر شرمندہ نہ ہوتے تھے۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں، گانے بجانے، ناچنے کے لیے پالا کرتے تھے، ان کی زنا کاری کی آمدنی کو ان کے آقا اچھی آمدنی سمجھا کرتے تھے، جو عورتیں لڑائی میں گرفتار ہو کر آتیں، ان کو قینات میں داخل کیا جاتا تھا۔

عورت کسی جانور کا دودھ نہیں نکال سکتی تھی اگر کسی گھرانے کی عورت ایسا کر بیٹھتی تو سارا خاندان حقیر سمجھا جاتا۔ مال وراثت کا حصہ صرف بالغ مرد پاتے تھے، تمام عورتیں اور بچے اپنے والدین اور عزیز واقارب کے ترکہ سے قطعاً محروم رکھے جاتے تھے۔

بیوہ عورت پر متوفی شوہر کا قریبی رشتہ دار اپنی چادر ڈال دیتا تھا، عورت خوش ہو یا ناخوش، وہ چادر والے کی بیوی بن جاتی تھی، سوتیلے بیٹے بھی اپنی سوتیلی ماؤں پر اسی طرح قابض ہو جایا کرتے تھے۔ عورتیں بے حجاب مجمع عام میں نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا مخفی سے مخفی حصہ عوام الناس کو دکھلانے میں عار نہ سمجھتی تھیں مرد وزن جسم کو نیل سے گودا کرتے، عورتیں مصنوعی بال لگاتیں، دانتوں کو درانتی سے تیز بناتی اور ان مصنوعی طریقوں سے خود کو نوجوان بنا کر نوجوانوں کو جل دیا کرتی تھیں۔

جو خاندان زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے وہ زندہ لڑکیوں کو زیر زمین دفن کر دیتے یا چاہ عمیق میں دھکیل کر ہلاک کر دیتے تھے اس فعل پر فخر کیا کرتے اور اسے اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا کرتے تھے۔

ازدواج کے متعلق کوئی قاعدہ موجود نہ تھا اور محرم وغیر محرم عورتوں کی تمیز کے لیے کوئی صاف آئین منضبط نہ تھا۔

قمار بازی نہایت دل پسند شغل تھا اور مشہور مشہور لوگوں کے گھر ''قمار خانہ عام'' سمجھے جاتے تھے۔ ارواح خباثہ کا اعتقاد عام تھا اور انسان پر ایسی ارواح کے تصرف تام کو تسلیم کرتے تھے خیالی و وہمی دیوتا اور دیویاں مانی جاتی تھیں۔ ان کی شکلیں عجیب عجیب بناتے اور اسی کے موافق ان کے بت گھڑے جاتے تھے، پھر مندروں میں استاپن کیے جاتے اور پوجے جاتے تھے۔ عموماً ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا بت الگ تجویز کیا کرتا تھا اور اپنی قسمت اسی بت کے قبضہ میں سمجھا کرتا تھا، اگر ایک قبیلہ کی عداوت دوسرے قبیلہ سے ہو جاتی تو اس کے بتوں سے بھی عداوت ونفرت کی جاتی تھی۔

گھوڑ دوڑ پر بازی لگانے کا بہت رواج تھا۔ اسے رہان کہتے تھے، گھوڑ دوڑ میں تین یا سات گھوڑے شامل کیے جاتے تھے۔

گھوڑوں کے نمبر لگانے میں کبھی اتنا اختلاف بڑھ جاتا کہ لڑائی چھڑ جاتی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔

اگرچہ غلاموں کا آزاد کرنا موجب فخر ومباہات سمجھا جاتا تھا، مگر آزاد شدہ غلاموں پر مالک کا حق ملکیت قائم رہتا تھا۔ اس حق کو آقا دوسرے کے پاس فروخت یا ہبہ بھی کر سکتا تھا۔

بتوں اور ارواح کی پرستش کی جاتی، ان کو سجدہ کیا جاتا، ان کی منت مانی جاتی، ان کے نام پر قربانیاں کی جاتیں اونٹ، گائے،

بکری کا پہلوٹا بچہ ان کے نام پر ذبح کیا جاتا۔

زراعت میں زمین کا بہترین حصہ بتوں کے نام پر خاص ہوتا، اگر اس حصہ کی پیداوار کسی ارضی وسماوی حادثہ سے ماری جاتی تو زمین کے دوسرے حصہ کی پیداوار سے اس کی کمی کو پورا کیا جاتا۔

بھوک اور قحط کے وقت مویشی کا خون پی جاتے تھے۔ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ جانوروں کی حرکات سے یا آوازوں سے شگون لیا کرتے، ٹوٹکے، منتر مانے جاتے تھے۔ ان کی عقل وفکر پر توہمات کی پوری حکومت تھی۔

انتقام اور کینہ جوئی کو اچھا سمجھا جاتا۔ ایک ایک، دو دو نسل اوپر کے واقعات کا انتقام لیا جاتا اور اسے بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا۔

عرب کے ملحق الحدود ملکوں میں جو جو فواحش اور قبائح موجود تھے، ان کو جلد اخذ کر لیا جاتا۔

حسب نسب پر غلو کے ساتھ فخر کیا کرتے۔ ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل کو ذلیل وحقیر سمجھا کرتا اور یہی بات بسا اوقات عداوت، منافرت اور جنگ کا موجب بن جاتی۔

خاندانی رسوم کی حکومت دل ودماغ پر قانون اور مذہب سے بڑھ کر حکمران تھی۔ رسوم کے مقابلہ میں حریت رائے کا وجود گم تھا۔

اپنے دشمنوں کو نیست ونابود کرنے کے لیے قبائل اپنے ملحق الحدود اقوام غیر سے ساز وباز رکھا کرتے، فارس، روما، حبش کو اپنے ہی ملک پر چڑھا لانے پر ہوشیاری سے کام لیتے۔

ان کے مشہور مشہور بت مندرجہ ذیل تھے۔

هُبُلْ: یہ بہت لمبا بت تھا۔ یہ بت خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار کی منڈیر پر نصب شدہ تھا۔ عرب کے تمام قبائل اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں تھے۔ جنگ احد میں ابوسفیان نے اُعْلُ هُبُلْ ہی کا نعرہ لگایا تھا۔ میں نے ۱۳۳۹ھ میں باب السلام سے باہر پتھر کا ایک لمبا ستون پڑا ہوا دیکھا تھا۔ جس کے اوپر سے قدم رکھتے ہوئے لوگ آتے جاتے تھے۔ عام طور پر مشہور تھا کہ یہ ستون اسی هبل کا ایک حصہ ہے۔ اس کے تین پہلو نمایاں تھے، ان پر کوئی مورت نہ تھی، ود، سواع، یغوث، یعقوق، نسر حضرت شیث علیہ السلام کے پوتوں، پرپوتوں کے نام ہیں۔ لوگوں نے ان کے بت تیار کر رکھے تھے۔

قبیلہ بنوکلب وَدکو بنومدلج سواع کو

بنومراد یغوث کو بنوہمدان یعوق کو

اور بنوہمدان کی دوسری شاخ نسر کو معبود سمجھا کرتے تھے۔

لات: لفظ اللہ کا مؤنث بنایا گیا ہے۔ اسے "ربہ" بھی کہا کرتے تھے۔

مَنات: لفظ منان کا مؤنث ہے، کوہ مشلل پر اس کا بت تھا۔ ان دونوں بتوں کی خدائی تمام عرب میں مسلمہ تھی۔ ہذیل ونزار، اوس وخزرج منات کے خاص پوجا کرنے والے تھے۔

عُزّیٰ: لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔ بنوشیبان خصوصیت سے اس کی پرستش کرتے اور اعتقاد رکھتے کہ موسم گرما میں خدا اسی کی استھان میں رہا کرتا ہے۔ بنوکنانہ بھی اسی کے معتقد تھے۔

دوّار: نوجوان عورت کا بت تھا، اس کے گرداگرد چکر لگایا کرتے۔

اساف: بن یعلیٰ اور مسماۃ نائلہ بنت زید بن جرہم۔ یمن کے باشندے تھے، ان کے باہمی تعلقات گندے تھے۔ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر یہ مرتکب کبیرہ ہوئے، ان کو سزا دی گئی اور انکے لاشے تشہیر و رسوائی کے لیے بلا دفن رکھے گئے۔ اساف کو کوہ صفا پر اور نائلہ کو کوہ مروہ پر۔ لاشے گل سڑ گئے، تو ان کے بت بنا کر رکھ دیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد لوگ ان دونوں کی پرستش کرنے لگے۔ [1]

عبعب: ایک بڑا پتھر تھا، قربانی چڑھانے کا استھان۔

عم انس: زراعت کا دیوتا، جیسے یو، پی کے صوبہ میں ایک فرضی نام ماموں اللہ بخش بنا رکھا ہے۔ ایسا ہی یہ ایک بت کا نام تھا۔ ایک بار بایام قحط اس بت کی رضامندی کے لیے ایک سو بیل (گاؤنر) اس کی بھینٹ چڑھائے گئے تھے۔ اس کے حالات وفد خولان نے اسلام لانے کے بعد نبی ﷺ کے حضور میں گزارش کیے تھے۔

ذوالکفین: لکڑی کا بت تھا، قبیلہ دوس کا معبود، طفیل بن عمرو بن صعصعہ نے اسلام کے بعد اسے آگ لگا کر راکھ بنایا تھا۔

فَلسْ: قبیلہ طے کا بت تھا، جلایا گیا۔

سعد: بنی ملکان بن کنانہ کا بت۔

ذوالشَّری: بنو حارث بن یشکر کا بُت۔

نُہم: بنو مزینہ کا بت۔

سُعَیْر: عنزہ کا بت۔

ذوالخلصہ: تاج پوش عورت کی شکل میں قبیلہ خثعم و بجیلہ کا معبود۔ [2]

ان بتوں کی پرستش میں جن تکالیف اور مصائب نے اہل عرب کو اپنا شکار بنایا ہوا تھا انہی کو آیت پاک میں ''اصر'' اور ''اغلال'' فرمایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی پاک تعلیم ہی کے طفیل تمام عرب کو ان بندشوں سے نجات ملی تھی۔ اب یہود کا حال بھی معلوم کرو۔

(ب) یہود

یہود اگرچہ صرف اسی ایک قبیلہ کو کہنا چاہیے تھا، جو یہودا پسر یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن اب یہ نام بہ عرف عام ان بارہ قبائل کا ہو گیا ہے جو دوازدہ اسباط بنو اسرائیل ہیں۔

ذیل میں اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے سب فرزندوں کے نام بہ ترتیب ولادت تحریر کیے جاتے ہیں۔

---

[1] اغاثة اللهفان فصل قول الله وما كان الناس الا امة واحدة، ج:۲/ ۳۰۸۔

[2] اغاثة اللهفان فصل قول الله وما كان الناس الا امة واحدة: ۲/ ۳۰۸۔

نمبر شمار	نام	نام کے معنی	والدہ کا نام
۱	روبن	انظر ابنًا بیٹا دیکھو	لیاہ بیگم
۲	سمعون	سماعت	لیاہ بیگم
۳	لاوی	جفت	لیاہ بیگم
۴	یہوداہ	تحسین	لیاہ بیگم
۵	دان	منصف	مسماۃ بلہا کنیز راخیل بیگم
۶	نفتالی	کشتی گیر یا پہلوان	مسماۃ بلہا کنیز راخیل بیگم
۷	جد	عسکر	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم
۸	آشر	نصیب	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم
۹	اشکار	اجرت یا انعام	لیاہ بیگم
۱۰	زبلون	رفیق	لیاہ بیگم
۱۱	یوسف	مزید	راخیل بیگم
۱۲	بن یمین	دست راست کا فرزند	راخیل بیگم

یہودیوں کی عزت وشہرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے بڑھ گئی تھی، ان کے فرزند سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہر ہر یہودا اپنی خوشی سے اٹھتا بیٹھتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے کہ ان کے فرزند رجعام سے دس اسباط علیحدہ ہو گئے۔ رجعام کی حکومت صرف دو فرقوں پر رہ گئی۔ رجعام کی اولا دشاہان یہودا اور دوسری شاخ شاہان بنو اسرائیل کہلائے۔

وہ یروشلم جسے خدا نے اپنا گھر کہہ کر منظور کیا تھا، چالیس سال ہی کے بعد پھر مردود ربانی ٹھہرا۔ یہودیوں کی تاریخ کو پڑھو، پھر وہ ہمیشہ کے لیے مصیبتوں کی داستان بن گئی، ان میں بت پرستی و بے ایمانی کا آغاز تو عہد سلیمانی کے آخری ایام ہی میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ بخت نصر نے دونوں شاخوں کا خاتمہ کیا اس وقت سے انکی تاریخ اسیری، مظلومی، جلاوطنی، غلامی کے واقعات سے لبریز ہے یہ عہد سلطنت نیرور (بادشاہ روما) یعنی ۷۰ء میں فلسطین یہودیوں سے بالکل خالی تھا وہ ﴿ مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا ﴾ [1] کے پورے پورے مصداق تھے۔

جب قسطنطین اول عیسائی ہو گیا تو یہودیوں کی حالت آسیائے سنگ میں پھنسے ہوئے دانہ کی سی تھی ان کی قومیت کسی جگہ تسلیم نہ کی جاتی تھی، ان کو کسی ملک میں بھی آزاد شہری کے حقوق حاصل نہ تھے۔

---

[1] ۳۳/ الاحزاب:۶۱۔

دینی حالت بد سے بدتر تھی موسیٰ کلیم اللہ کے عہد سے لے کر عیسیٰ کلمۃ اللہ کے زمانہ تک انہوں نے ہر ایک نبی اللہ کی تکذیب و تذلیل میں ہمیشہ سرگرمی دکھلائی تھی۔ کتاب تورات ان میں موجود نہ رہی تھی، اس لیے حلال وحرام اور سخط و رضا کا بیان صرف احبار کے اخبار و اعتبار پر رہ گیا تھا اور یہ لوگ اکل سحت مُردار خوری اور اخذ ربوا (سودخوری) میں اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ فتاویٰ شرعیہ فروخت ہوتے تھے اور امیر و غریب کے مقدمات مقدار رشوت کے مطابق طے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں رسل و انبیا بہ کثرت و تواتر بھیجے، لیکن اسرائیلیوں نے کبھی ان کی نہ وقعت کی اور نہ نصرت، بلکہ بعض اوقات انبیا کو قتل کرنے سے بھی نہ ٹلے۔

توہمات نے روحانیت مذہبی کو فنا کر دیا تھا اور خود گھڑت زہد و اتقا نے شریعت کو ان کے حق میں لعنت ٹھہرایا تھا۔ سیدنا مسیح ان کو سانپ اور سانپ کے بچے فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مخذول قوم کے اغلال و اصر کو دور کر دینے کا عزم فرمایا اور از راہ ترحم چاہا کہ ان کو بھی دنیا کی دیگر اقوام کی مجلس میں عزت کی جگہ عطا فرمائیں اس مبارک خیال سے حضور ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی ایک معاہدہ بین الاقوامی منعقد فرمایا اور معاہدہ میں یہود کو تمدن کے حقوق مساویانہ سے معزز بنایا۔

ان کی دینی حالت کو درست فرمانے کی طرف توجہ کی گئی۔ یعنی احبار کے خود ساختہ فتاوے سے اُن کو علیحدہ کر کے اصل شریعت سے روشناس فرمایا اور یہود کے مقدمات باہمی میں تورات کے احکام بینہ کے مطابق فیصلے صادر کیے۔

یہ جملہ تدابیر اس قوم کی اغلال و اصر سے رہائی دلانے کے لیے تھیں۔

۲: شریعت موسوی کے احکام میں بھی شدت و سختی بہت زیادہ تھی مثلاً توبہ کے لیے خودکشی یا تحریم دیت یا تحریم غنیمت یا سبت کا قطعاً ترک عمل یا نماز کا کنیسہ سے باہر عدم جواز وغیرہ وغیرہ ان احکام میں سہولت و وسعت کا پیدا کر دینا بھی اصر و اغلال سے رہائی دینے کے برابر تھا۔

(ج) نصاریٰ

مسیح علیہ السلام نے اپنے لیے بارہ شاگرد چن لیے تھے کہ وہ اسرائیل کے دوازدہ اسباط کے سامنے مسیح کی تعلیم کے گواہ ٹھہریں ایسے کامل استاد کی موجودگی میں بھی یہ لوگ ایسے کچے نکلے کہ مسیح نے کئی بار ان سے فرمایا کہ اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ ایسا اور ایسا کر سکتے؟ مسیح ان کو ملامت فرمایا کرتے کیونکہ مسیح کے ساتھ ایک رات بیدار رہ کر بھی وہ دعا و استغفار میں مشغول نہ رہ سکتے تھے حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف بری کے بعد ان بارہ شاگردوں کے درمیان عقائد اور اعمال کے متعلق سخت اختلافات نمودار ہو گئے۔

(الف) احکام شریعت (توراۃ) کی پابندی ضروری ہے یا نہیں۔

(ب) اقوام غیر میں تبلیغ عیسائیت جائز ہے یا نہیں۔

(ج) ختنہ صرف اسرائیلیوں کے لیے ہے یا ہر ایک شخص کے لیے جو عیسائیت میں داخل ہو۔ ان مسائل پر خوب گرما گرم بحثیں

ہوا کرتیں۔

پولوس یہودی جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا بلکہ مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں خود مسیح علیہ السلام اوران پر ایمان لانے والوں کو ستانے والا تھا۔ اب عیسائیت میں داخل ہوگیا تھا۔ اس کی علمی قابلیت ان بارہ شاگردوں سے بڑھی ہوئی تھی اس لیے وہ تحریر وتقریر میں خاص شاگردان مسیح علیہ السلام کو دبالیتا تھا اور اس تعلیم کے مقابلہ میں جس کی بابت مسیح علیہ السلام نے ان کو اپنا گواہ ٹھہرایا تھا۔ ایک نئی تعلیم پیش کرتا رہتا تھا۔

پولوس ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت سے بالاتر درجہ دیا اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو نئی نسل کے لیے حلال ٹھہرادیا۔

پولوس نے اپنی زندگی میں یہ ایسی نظیر قائم کردی تھی جو آیندہ آنے والی نسلوں کے لیے شمع راہ بن گئی، کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں، نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کیے جاتے تھے اور پھر جو کوئی اس اعتقاد محدثہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا، اسے تلوار اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیح علیہ السلام کی الوہیت وابنیت کا تھا کسی نے مسیح علیہ السلام کو دو شخصیتوں اور ایک روح والا اور کسی نے مسیح علیہ السلام کو ایک شخصیت اور دو روح والا قرار دیا تھا کسی نے مسیح علیہ السلام کی زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر فائض بتلایا۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے اور مسیح علیہ السلام کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔

تثلیث کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی تثلیث (خدا، عقل اور نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے اس لیے یونان میں اس تثلیث پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

تثلیث کے اقانیم کی بابت بھی اختلافات ہوئے۔ کسی نے تثلیث کے ارکان خدا، مریم اور مسیح کو بتایا کہ کسی نے خدا، جون، یعنی یوحنا اور مسیح علیہ السلام کو اقانیم ثلاثہ ظاہر کیا۔

پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوئے۔

۱: کسی نے بتلایا کہ مسیح کی پیدائش خدا اور روح القدس سے ہوئی۔

۲: کسی نے بتایا کہ روح القدس کی پیدائش خدا اور مسیح سے ہوئی۔ یہ اختلافات وہ تھے جو شجر عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بن کر اسے بیخ وبن سے کھوکھلا کر رہے تھے۔

روما وقسطنطنیہ اور مصر ویروشلم کے کلیسیا اپنے اپنے شرف وبزرگی کے مدعی تھے اور ایک دوسرے پر خارج از دین ہونے کے فتوے جاری کر رہے تھے۔

انھی ایام میں مریم علیہا السلام اور مسیح علیہ السلام کا نمونہ بننے کا شوق بھی ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں اور ہزاروں ہزار مردنن اور منک (راہبات ور ہبان) بن جاتے تھے۔ ان کا وجود متمدن دنیا کے لیے بوجھ تھا، نیز کلیسا کے اخلاق واعمال پر ایک بدنما دھبہ تھا۔

کفارہ کے مسئلہ نے اعمال صالحہ کی رغبت کو مٹا دیا تھا اور مسیح کے لعنتی اور جہنمی بن کر نجات دہندہ ہو جانے کی مسرت نے وحشیانہ طبائع کی امنگوں کو مطلق العنان کر دیا تھا۔

مقدس جھوٹ کے مسئلہ نے ہر ایک فرقہ کو اپنی اپنی خواہشات اور قیاسات کے مطابق اعلیٰ سندات بنا لینے کے اختیارات کامل عطا کر دیئے تھے۔

ان تمام خرابیوں نے مسیحیت کو نہایت مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا۔ پرسبیٹر، آرڈین، ڈیکن بشپ وغیرہ کے ہاتھوں جو جور وستم عیسائیوں پر ہوئے۔ ان کے سامنے ہیروڈیس اور نیرو کے مظالم بالکل ہیچ تھے۔

یہی حالت تھی جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔

اسلام کے ظلِ حمایت میں آ جانے کے بعد شام ومصر اور عراق کے عیسائیوں کو اپنے اپنے معتقدات پر رہ کر امن مستحکم کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسلام کی حفاظت نے اُن اغلال و اِصر (ہتھکڑیوں اور طوقوں) کو ان کے جسم سے اتارا، جنہوں نے عیسائیوں کے سر ودوش اور عقل وہوش کو زیر بار گراں کر رکھا تھا۔

(د) ہندو اقوام

اہل اسلام نے دریائے انڈ یا سندھ کے شرق میں رہنے والوں کو انڈو یا ہندو تحریر کیا ہے اس ملک اور قوم کی تاریخ قدیم بالکل تاریک تھی، تاہم ایسے آثار قوی پائے جاتے ہیں کہ اس ملک میں بھی کسی زمانہ میں علم کی ترقی ہو چکی ہے۔

ہندو قوم اور ملک اور مذہب وعلم کا زوال مہابھارت کی جنگ سے شروع ہوا۔ [1]

یہ جنگ کم از کم ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح ہوئی تھی۔ [2]

بیان کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایک ایسا شخص نہ رہ گیا تھا۔ جو فریقین (کورو پانڈو) میں سے کسی ایک کا جانب دار نہ ہو۔ ہم اندازاً قیاس کر سکتے ہیں کہ

اس وقت ملک کی آبادی پانچ کروڑ تو ضرور ہوگی مگر جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کہ طرفین میں سے صرف بارہ مَرد باقی رہ گئے تھے۔ فاتحین نے یہ حالت ہوش ربا دیکھی تو انہوں نے بھی جلد از جلد اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ صدی پیشتر بدھ مذہب نے ظہور کیا۔ [3]

بدھ نے پالی زبان کو اختیار کیا تھا اور سنسکرت پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی [4] ویدمت کی جگہ بدھ مت قائم ہو جانے سے قدیم مذہب کی کتابیں نیست ونابود ہو گئیں اور ان کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

شنکر اچارج نے ان لوگوں سے کچھ مناظرے کیے اور اپنی علمیت کا رنگ جمایا۔ مگر وہ ۳۳۔۳۴ سال کی عمر میں مر گیا۔ اس کی

---

[1] ستیارتھ پرکاش۔ [2] قدیم ہندوستان مصنفہ رومیش چندرت صاحب۔ [3] بدھ کا اصلی نام سدھارتھ ہے خاندانی نام گوتم، بدھ تعظیمی نام ہے جس کے معنی بیدار ہیں۔ کپل دستو نیپال کی لڑائی میں مایا کے بطن سے بخانہ سر دونا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ساکھیا قوم کا حکمران تھا۔ مسماۃ سبودا سے شادی ہوئی۔ راہولا نام فرزند پیدا ہوا۔ ۲۹ سال کی عمر میں فقر اختیار کیا۔ سن ولادت ۵۶۰ قبل مسیح ہے ہشتاد سالہ عمر میں انتقال کیا۔ دنیا کے مشہور ترین اشخاص میں سے ہیں۔

[4] پنڈت وجے نرائن کی کتاب بدھ ص ۱۶۹۔

مساعی کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ سنسکرت کو پھر دربار میں جگہ مل گئی، مگر اس کے ساتھ ساتھ شاعرانہ غلو اور استغراق نے بھی قدم جما لیے اور حقائق و واقعات پر استعارات کا پردہ پڑ گیا۔

قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب مہابھارت پائی جاتی ہے، مگر وہ بھی یار لوگوں کے تصرفات سے محفوظ نہ رہی بیس ہزار شلوک اس کتاب میں جعلی طور پر شامل کر دیے گئے۔ ❶

بدھ مذہب کا زور راجہ اشوک کے عہد تک رہا ❷ اس کے بعد بدھ ازم رو بہ زوال ہو گیا۔ بدھ ازم کے اصول متمدن دنیا کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ بھکشوؤں (گداگروں) کی لاتعداد جماعت جو بدھ مت نے تیار کر دی تھی، وہی زیادہ تر اس کے زوال اور حدود ملک سے انتقال کا باعث بھی ہوئی۔ گو پران مت نے بھی اس کے نکالنے میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی۔

بدھ مت کے بعد ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ فسق و فجور اور فواحش کا دور دورہ ہو گیا، چکرانت، وام مارگی، سہسز بھگ درشان مکتی، شاکت، نوارک آدک، رام ایاسک ڈنڈی وغیرہ بیسیوں ایسے فرقے پیدا ہو گئے جنہوں نے اخلاق و تہذیب کو جلا کر راکھ کر دیا۔ ❸

یہ فرقے تمام ہندوستان میں چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے شراب، جوا، بدکاری کو مذہب کا لباس پہنا کر پوتر قرار دیا تھا۔

ہندوستان کی یہی بدترین حالت تھی جب سندھ اور شمال مغربی حدود اور جنوبی ہند سے مبلغین اسلام پہنچے۔ انہوں نے ملک کو حقائق و معارف سے روشناس کیا۔ تب دیدہ وروں کو اپنی برہنگی نظر آئی۔ اکثر نے خلعت اسلام زیب تن کیا اور اکثر نے اپنی دھوتی کو خود ہی سنبھال لیا۔

الغرض یہ وہ اصرار و اغلال تھے، جن سے رہائی ہندو ملک اور ہندو قوم کو نبی ﷺ کے خدام اور تعلیم الاسلام کے طفیل حاصل ہوئی۔

(ھ) مجوس

ایران میں نہایت قدیم زمانہ سے سلطنت قائم تھی، انہوں نے قریباً ایک ثلث کرۂ ارض پر جو اس وقت آباد تھی۔ مدت ہائے دراز تک حکومت کی، حکومت سے امن، امن سے عیش و عشرت کا وجود پیدا ہوا۔ عیاشی نے دل و دماغ کو کمزور کر دیا اور ایوان سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

مانی کے مذہب نے آئین قدیم کو نیست و نابود کر دیا۔ مرد و زن کے طبائع میں شوریدگی و آوارگی پیدا کر دی۔ مزاک نے زن و زر و زمین پر سے ملکیت اٹھا دینے سے فحش و ظلم اور طغیان و عصیان کا طوفان بپا کر دیا۔ مائیں اپنے بیٹوں کے عشق کا شکار بنیں اور صاحب تخت و تاج شہزادیاں اپنے افسران فوج کے جذبات حیوانی سے تختہ ہائے موت پر لٹائی گئیں۔ محرمات ابدیہ کو محصنات اولیہ بنائے جانے کے دلائل پسند کیے گئے، عصمت و پاک دامنی کو ہر دو جنس کے لیے ناپاک قرار دیا گیا۔ فرہاد جیسے نمک حرام ملازم اپنے

---

❶ ستیارتھ پرکاش۔ ❷ راجہ اشوک کا عہد ۲۶۰ ق ڈاکٹر مسٹر اس کی کتاب بدھ ص ۱۴۵۔

❸ ان فرقوں کے کرتوت ستیارتھ پرکاش میں دیکھو۔

بادشاہ کے رقیب بن گئے اور شیرو یہ جیسے ناخلف پسر نے جوش بہیمیت میں باپ کا شکم چاک کر کے شیریں پر قبضہ کیا۔ سپاہ بد بہرام چوبیں ملکہ پوران دخت کی آتش کدہ عشق کا ایندھن بنا۔

سلطنت ہائے روماوایران کی عداوت قدیم اور آئے دن ایک سلطنت پر دوسری چڑھائی نے ملک کو بے چراغ بنا دیا تھا۔ اصل مذہب کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مقدس کتب سکندر کی تاخت وتاراج میں گم و بے نشان ہو چکی تھیں یہ حالت تھی جب اسلام نے اس ملک کو اپنی حمایت میں لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات نے اس وسیع ملک کے باشندوں کو جبر واستبداد اور فحش وظلم کے بندوزندان سے آزاد کیا۔

ناظرین ان حالات کو جو عرب اور یہود، عیسائی و ہنود اور مجوس کے متعلق مختصراً قلمبند کیے گئے ہیں۔ مکرر غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شاندار قومیں کس طرح قبل از اسلام تطاولِ زمانہ کے جور وستم سے برباد ہو چکی تھیں، کیسی کیسی درماندگی وتیرگی ان پر چھائی ہوئی تھی۔

ان جملہ اقوام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبانہ و ہمدردانہ وصادقانہ و بے غرضانہ، جود ورحم نے غارِ ہلاکت سے نکالا اور تمدن وحسن معاشرت وامن عامہ و عافیت کلیہ سے بہرہ اندوز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ [1] حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہمایوں پر صادق ومنطبق ہوا۔

خصوصیت نمبر ۱۸

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ﴾ [2]

''تمہارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔''

(الف) مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے مخاطب اہل عرب اور قریش ہیں۔

اہل عرب کو اپنے حسب ونسب پر بے انتہا فخر اور بے حد ناز تھا وہ غیر عرب کی وقعت نہ سمجھتے تھے اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی ننگ و عار سمجھتے تھے۔ لہٰذا رب العالمین نے اہل عرب پر یہ بھی اظہار منت واحسان فرمایا کہ یہ عظیم الشان رسول جس کا اولین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے تم ہی میں سے ہے تم سے غیر نہیں۔

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے:

((بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ)) [3]

''اللہ تعالیٰ نے مجھے قبائل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا حتیٰ کہ میں اس قرن سے پیدا ہوا جو میرا ہے۔''

صحیح مسلم میں بہ روایت واثلہ بن اسقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[1] ۷/ الاعراف:۱۵۷۔ [2] ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔

[3] بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۳۵۵۷۔

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ)) [1]

''اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔''

سنن ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ عم رسول کی روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اہل قریش بیٹھے ہوئے حسب ونسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی آ گیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نخلِ کدیہ [2] سے تشبیہ دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيْقَيْنِ ثُمَّ خَيَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ الْقَبِيْلَةِ ثُمَّ خَيَّرَ الْبُيُوْتَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ بُيُوْتِهِمْ فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا)) [3]

''اللہ تعالیٰ نے خلقت پیدا کی اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا، پھر قبائل بنائے اور مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانے میں بنایا۔ لہٰذا میں اُن سب سے بہترین ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔''

(ب) مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے مخاطب کل اہل جہاں ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ رسول جو منصب رسالت کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ جنس بشر ہی سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ جنس ملائک سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان سے اتحاد اور یگانگت کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ تعلیم و تعلم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا کہ اسوۂ رسول کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور اتباع نہ کرنے والوں کو سب سے بڑا بہانہ ہاتھ آ جاتا اور ایسی ایسی کہاوتیں استعمال کرتے کہ۔

کارِ پاکاں راقیاس خود مگیر
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اب کہ حضور کا نسل انسانی اور جنس بشریت سے ہونا ثابت ہو گیا تو جملہ انواع بشر کو بھی عزت و عظمت ہو گئی۔

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرہ آفتاب تا بانیم

اور شیدائیان اتباع کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اقتدا سب کو مرغوب و محبوب بن گیا۔

(ج): صاحب معالم التنزیل [4] اور خازن نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زہری و ابن محیصن نے مِنْ اَنْفُسِكُمْ کو بہ فتح فاء یعنی

---

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۵۹۳۸۔

[2] یعنی کھجور کا وہ درخت جو سنگلاخ زمین میں ہوا، اس سے قریش کا اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند نرینہ نہ ہونے کی جانب تھا۔

[3] ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۳۶۰۷۔

[4] معالم التنزیل للبغوی، سورۃ التوبۃ:۱۲۸، ۲/ ۳۴۱۔

مِنْ اَنْفُسِکُمْ تلاوت کیا ہے اس وقت اس کا مادہ نفاست ہوگا اور اس کے معنی پاکی گوہر اور لطافت طبع اور طہارت ذات میں حضور کا افضل خلائق ہونا ثابت ہو جائے گا اور آیت زیبِ عنوان میں اسی خصوصیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر ۱۹

﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ❶

''تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔''

جب عَزَّ یَعِزُّ (بفتح عین) ہو، تب اس کے معنی شاق اور سخت ہوتے ہیں عَنْتٌ جس سے عَنِتُّمْ بنا ہے، کے معنی مشقت، فساد، ہلاکت، خطا وغیرہ ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز تم کو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی ﷺ کو نہایت ہی شاق وگراں گزرتی ہے۔

یعنی تمہاری تکلیف سے نبی ﷺ کو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ تمہارے درد کو وہ اپنا درد سمجھتے ہیں۔

واضح ہو کہ نبی ﷺ کی یہ صفت کفار اور مؤمنین دونوں کے حق میں تھی۔

۱: نبی ﷺ جب کفار کو کفر و شرک میں دیکھتے اور خیال فرمایا کرتے کہ یہ لوگ کس انجام بد کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ کیوں کر اپنے ہاتھوں اپنے لیے چاہِ ہلاکت کھود رہے ہیں، تب حضور ﷺ کے دل رحم پرور کو نہایت صدمہ گزرتا تھا۔

بسا اوقات یہ کیفیت اس قدر بڑھ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کے تسلیہ وسکینہ کے لیے اپنا کلام و پیغام بھیجنا پڑتا:

سورۂ یٰسٓ میں ہے ﴿ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ﴾ ❷ ''ان کی باتوں سے آپ اپنا جی برا نہ کریں۔'' سورۂ آلِ عمران میں ہے ﴿ وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ﴾ ❸ ''کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ اندوہ گیں نہ ہوں۔''

واقعات بدر میں مذکور ہے کہ جب حملہ آوران مکہ قید کر لیے گئے تو رات کو نبی ﷺ کو نیند نہ آئی۔ ادھر سے ادھر حضور ﷺ کروٹیں لیتے تھے، کرب واضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے، فرمایا نہیں۔ مگر عباس کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آرہی ہے، اس لیے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چپکے سے اٹھا، اس نے جا کر عباس کی مشک بندی کھول دی، انہیں آرام مل گیا تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اب عباس کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری بولا کہ میں نے ان کے بندھن کھول دیئے ہیں، فرمایا جاؤ۔ سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں، تب نبی کریم ﷺ کا اضطراب دور ہوا، اور حضور ﷺ خوابِ شیریں سے استراحت گزیں ہوئے۔

ذرا سوچنا ہے، قیدی وہ تھے جنہوں نے ۱۳ سال تک متواتر اہل ایمان کو ستایا تھا، کسی کو آگ پر لٹایا کسی کو خون میں نہلایا، کسی کو بھاری پتھروں کے نیچے دبایا، کسی کو سخت اذیتوں کے بعد خاک وخون میں سلایا تھا اور پھر ان پر یہ نرمی، یہ سلوک۔

عباس حضور ﷺ کے چچا تھے اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے۔ وہ بادل ناخواستہ صرف قوم کے اکراہ واجبار

---

❶ ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔ ❷ ۳۶/ یٰسٓ:۷۶۔ ❸ ۳/ آل عمران:۱۷۶۔

سے بدر میں آئے تھے باایں ہمہ حضور کے عدل وانصاف نے ان میں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔

لیکن حضور کی رحم دلی اور طبعی شفقت ورافت کا یہ عالم تھا کہ جب تک سب قیدیوں کے بہ آرام ہونے کی رپورٹ نہ لی اس وقت تک حضور ﷺ کو نیند تک نہ آئی۔

﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ❶ کا یہ جلوہ ایسے حملہ آوران ودُشمنان جانی وایمانی کے مقابلہ میں تھا۔

۲: جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر رونق افروز مدینہ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے اب فرمان ﴿ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ﴾ ❷ کا مفہوم ظاہر فرمایا اور اہل مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اتارا قحط اس شدت کا تھا کہ اہل مکہ کی آنکھوں کی روشنی بھی کم ہوگئی۔

ابوسفیان اموی ہمیشہ مسلمانوں سے برسر پرخاش رہا کرتا تھا۔ وہ خود دربارِ مصطفوی میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے عرض گستر ہوا کہ حضور ﷺ ہمیشہ احسان اور صلہ رحمی کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے قرابتی ہیں اور رحم کے ملتجی۔ احسان فرمایئے اور دعا کیجئے کہ اس قحطِ شدید سے ہم کو نجات ملے۔

نبی ﷺ نے ثمامہ بن اثال سردارِ نجد کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکا تھا۔ حکم بھیج دیا کہ مکہ میں فوراً غلہ پہنچانے کا بندوبست کرے اس کے علاقہ میں اناج بکثرت تھا، اس نے غلہ صرف اس لیے روک رکھا تھا اور منفعت تجارت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا کہ اہل مکہ دشمنان رسول ہیں، اب حکم نبوی کی تعمیل ہوئی اور اہل مکہ کی جان میں جان آئی۔

یہ بھی دشمنوں کے مقابلہ میں ﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ❸ کا ایک ثبوت تھا۔

۳: جنگ طائف ان حملہ آوروں کے ساتھ ہوئی، جن سے حنین واوطاس میں شدید محاربہ ہوا تھا، یہ لوگ ان مقامات سے شکست کھا کر قلعہ طائف میں متحصن ہو گئے تھے اور ابھی ان کی فوجی طاقت زوروں پر تھی۔ نبی ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ دشمن محاصرہ کی شدت سے سخت تکلیف میں ہے، بھوک نے ان کی ہلاکت کو بہت قریب کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض بھی کیا کہ اب تو قلعہ فتح ہی ہونے والا ہے۔ مگر حضور ﷺ نے از راہ رحم وکرم جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کرائی۔ یہ واقعہ ﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ کا تیسرا نمونہ ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے اور ایسے نظائر اور بھی بہت ہیں کہ قلب رحیم اور طبع کریم پر اہل محاربہ کی حالت زبوں اور انجام دگرگوں کا کیا اثر ہوا کرتا تھا۔

اہل اسلام کے متعلق حضور ﷺ کی رحمت وشفقت کا بیان بے پایاں ہے۔

عبادات ومعاملات میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ امت کو دشواری سے بچانے کے لیے یا امت کی آسانی کے لیے حضور ﷺ کیا کچھ توجہ فرمایا کرتے تھے۔

یعنی امت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور امت کی راحت کو اپنی راحت قرار دے رکھا تھا۔

---

❶ ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔ ❷ ۸/ الانفال:۳۳۔ ❸ ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔

صحیح بخاری میں ابن عباس اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب معراج کو پچاس نمازیں فرض کی گئیں تھیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ سے کہا اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ (آپ کی امت میں اتنی عبادت کی طاقت نہیں) تب حضور ﷺ نے رجوع الی اللہ فرمایا۔ تخفیف ہوئی موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی حضور ﷺ کو وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور نبی ﷺ ہر بار رجوع الی اللہ فرماتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ [1]

اس واقعہ سے دو نتیجے صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں:

(الف): نبی ﷺ فرمانِ رحمٰن کے کتنے منقاد و مطیع تھے کہ جب پچاس نمازوں کا حکم ہوا تو حضور ﷺ نے اس بارے میں ذرا بھی لب کشائی نہیں فرمائی۔

(ب): حضور ﷺ اپنی امت پر کس قدر مہربان تھے کہ جب موسیٰ کلیم اللہ جیسے تجربہ کار نبی نے اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ کو دہرایا تو فوراً اس پاک فطرت کا ظہور ہوا جو ﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ کی تحت میں پنہاں تھی اور حضور ﷺ نے بار بار رجوع الی اللہ فرمایا۔

اس حسن ادب اور التماس متواترہ کا ثمرہ یہ ہوا کہ تعداد تو پچاس سے پانچ رہ گئی اور ثواب وہی پچاس کا رکھا گیا۔

میرا خیال ہے کہ اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ کے فقرہ کا استعمال نہ فرماتے اور حضور ﷺ کو کسی اور دلیل سے التماس تخفیف پر مائل کرنا چاہتے تو وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکتے۔

نبی ﷺ کے کمال عبودیت اور وفورِ شوق عبادت کے سامنے تو پچاس نمازوں کی کثرت بھی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ قلب شاکر اور وہ لسان ذاکر جو یاد الٰہی سے ایک دم کے لیے غافل نہ ہوتے ہوں، ان کے لیے محدود وقت میں معدود رکعتوں کا ادا کر لینا کیا دشوار ہو سکتا ہے۔

۴: ماہ رمضان تھا، نبی ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کو تشریف لا رہے تھے، حضور ﷺ روزے رکھا کرتے تھے، جب بمقام عسفان پہنچے تو حضور ﷺ نے پانی منگایا اور دست مبارک کو بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دکھلا کر پانی پی لیا اور پھر مکہ پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔

یہ ترجمہ تو صحیح بخاری [2] کی روایت عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن دیگر روایات میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اس لیے روزہ افطار فرمایا اور ترک صوم کیا تھا کہ اہل لشکر کو سفر میں روزہ کی شدت تکلیف دہ تھی اور امت کی تکلیف سے حضور ﷺ خود تکلیف محسوس فرماتے تھے۔

۵: صلوٰۃ التراویح کے متعلق صحیحین اور سنن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو شب یہ نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی اور تیسری شب کو حضور ﷺ مسجد میں نماز کے لیے تشریف نہ لے گئے اور پھر صبح لوگوں سے فرمایا:

((قَدْ رَاَيْتُ صَنِيْعَكُمْ فَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَيْكُمْ اِلَّا اَنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ)) [3]

---

[1] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء، حدیث: ۳۴۹۔

[2] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، حدیث: ۴۲۷۶۔ [3] بخاری، کتاب التہجد، باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل، حدیث: ۱۱۲۹؛ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان، حدیث: ۱۱۸۳؛ ابوداود، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان، حدیث: ۱۳۷۳۔

''اس نماز کے لیے تمہارا آنا، انتظار کرنا وغیرہ میں نے دیکھا، مجھے آنے میں صرف یہ خیال مانع ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔''

۶: صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز تہجد میں تھے، میں حضور ﷺ کے ساتھ جا شامل ہوا، حضور ﷺ نے میری اقتدا کو محسوس کیا تو نماز ہلکی کر دی۔

۷: ام المومنین حضرت عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے شیوۂ عمومی کو ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے:

اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يَّعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ. ❶

''نبی ﷺ ایسے عمل کو بھی چھوڑ دیتے جس کا کرنا حضور ﷺ کو پسند ہوتا، اس خیال سے کہ لوگ بھی عمل کرنے لگیں گے اور ڈر رہوتا، کہ کہیں وہ عمل فرض نہ ٹھہرایا جائے۔''

ان جملہ روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ❷ کی صفت حضور ﷺ میں کیسی مستحکم تھی اور امت کی تکلیف کا خیال حضور ﷺ پر کس قدر شاق تھا۔

یہ محبت، یہ شفقت، یہ ترحم، یہ پیار تو ماں باپ کو بھی اپنی سب اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوتا جو حضور ﷺ کو اپنے ہزار در ہزار اور الوف در الوف افرادِ امت کے ساتھ تھا۔

بے شک حضور ﷺ کی رحمت رب العالمین کے بعد ہر ایک رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے سے برتر اور بڑھ کر تھی۔

خصوصیت نمبر ۲۰

﴿ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ❸

جب حرص کا استعمال علیٰ کے صلہ سے کیا جاتا ہے تو اس کے معنی شدت طلب ہوتے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ ''ہمارا نبی ﷺ تم لوگوں کی نفع رسانی کا کمال درجہ طالب و شائق ہے۔''

آیت بالا سے بوضوح ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو بنی نوع کے مفاد اور رفاہ و صلاح کی آرزو بہ درجۂ کمال تھی۔

سورۂ یوسف میں ہے:

﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾ ❹

''بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو ان سے ایمان لے آنے کی بڑی چاہت ہے۔''

اس آیت سے بھی یہی استفادہ ہوا کہ حضور ﷺ کا منتہائے نظر اور کمال آرزو یہی تھا کہ تمام عالم کے سر ایک ہی مالک وحدہ لاشریک لہٗ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔

---

❶ بخاري، كتاب التهجد، باب تحريض النبي ﷺ على صلوٰة الليل والنوافل، حديث: ١١٢٨۔

❷ ٩/ التوبة:١٢٨۔ ❸ ٩/ التوبة:١٢٨۔ ❹ ١٢/ يوسف:١٠٣۔

رب واحد کا دین واحد ہی تمام اصناف انسانی کو متحد و متفق بنانے والا ہو۔

۲: قریش کے سردار عتبہ نے ایک بار نبی ﷺ سے مل کر یہ عرض کیا تھا۔

(الف): کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟

میرا ذمہ ہے کہ سب سے زیادہ مال و زر تیرے پاس جمع کر دوں گا۔

(ب): کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟

ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔

(ج): کیا تم تخت قائم کرنا چاہتے ہو؟

میں سارے عرب سے تیری فرماں روائی کی تصدیق کرا دوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا، مجھے نہ زر و دولت کی ضرورت ہے اور نہ ریاست و حکومت کی آرزو ہے۔ میں تو رب العالمین کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اسی پیغام کا ہر ایک سننے والے کان تک پہنچا دینا میرا مقصود اعلیٰ ہے۔

۳: ایک بار ابوجہل لعین نے حضور ﷺ کو مضروب کیا۔ حمزہ عم رسول ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو انہوں نے ابوجہل کو جا پیٹا اور پھر نبی ﷺ کو آ کر بتلایا۔ ''محمد ﷺ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔''

نبی ﷺ نے جواب دیا، مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات جم گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا دامن اغراض کے گرد و غبار سے بلند تر تھا، حضور ﷺ کی تعلیم اور تعلم کے لیے بے حد سرگرمی کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہ تھی، انتقام اور دیگر رذائل سے حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ پاک و صاف تھے یعنی حضور ﷺ کی آرزو اپنے نفس کے لیے کچھ بھی نہ تھی۔ حضور ﷺ کا پیکر محبت کل تھا اور حضور ﷺ کا وجود منفعت عامہ اور جود عامہ کے صفات سے متشکل و مجسّم تھا۔ ﷺ۔

ذرا حضور ﷺ کی ان ادعیہ پر نظر ڈالو، جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ نے امت کے حق میں فرمائی ہیں۔ وفات سے ایک ماہ پیشتر ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا: ''مسلمانو! اللہ تمہیں سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے بچائے، تمہاری مدد کرے، تم کو بلند کرے، ہدایت اور توفیق دے، اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے، تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ بنائے۔'' ذرا ان الفاظ پر غور کرو، ایک کے بعد دوسری دعا اور دوسری کے بعد تیسری گویا دعا و برکت دیتے تھکتے ہی نہیں یہ اسی صفت ﴿ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ [1] کا ظہور ہے۔

اور یہ خصوصیت ذات ہمایونی ہی کی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى نَبِيِّكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

---

[1] ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔

خصوصیت نمبر ۲۱

﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ❶

''وہ مومنوں سے بہت پیار کرنے والا اور ان پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔''

آیت بالا میں نبی ﷺ کو رَؤُوْفٌ اور رَحِیْمٌ کے اسماء سے یاد فرمایا گیا ہے۔ رَؤْفٌ رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ رَحِیْمٌ رحم سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو صیغے مبالغہ کے اوزان ❷ پر آتے ہیں، وہ معنی کثرت و فراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں اور جو صیغے صفت مشبہ ❸ کے اوزان پر آتے ہیں، وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔

لہٰذا رَؤُوْفٌ کے معنی کامل العطوف ہیں اور رَحِیْمٌ کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ❹

''اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤف ورحیم ہے۔''

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف وعزت اور غایت تکریم وحرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں دو نام بہ حالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترتیب کے ساتھ خود ذات پاک سبحانی کے لیے مستعمل ہوئے ہیں۔

ہاں الٰہ المحمود ❺ کی رافت ورحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ کی رافت ورحمت کو بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم وخصوص کا امتیاز یاد رکھتے ہوئے مومنین کے لیے شکر وابتہاج کا مقام ہے کہ اُن کو المضاعف رحمت وعطوفت کا مورد ومصداق بنایا گیا ہے۔

مناسبتِ مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لیے ایسا شرف وامتیاز موجود ہے؟

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَشَقَّ لَهٗ مِنَ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

اگر حسان بن ثابت المؤید بروح القدس کی سنت حسنہ کا اقتدا کیا جائے، تب تو حضور ﷺ کے اسی سے زیادہ ایسے اسمائے گرامی نکلیں گے جن کا توافق وتطابق اسماء اللہ الحسنٰی سے ہو جاتا ہے۔

---

❶ ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔ ❷ مبالغہ کے اوزان دس ہیں اور مندرجہ ذیل لغات ان اوزان پر ہیں: (۱) نَجَّارٌ (۲) عَلَّامَةٌ (۳) صِدِّيْقٌ (٤) مِسْكِيْنٌ (٥) مِسْعَرٌ (٦) مِعْطَارٌ (٧) نَصِيْرٌ (٨) ضُرُوْبٌ (٩) حَذِرٌ (١٠) فَارُوْقٌ۔ مبالغہ ہمیشہ فاعلیت کے معنی دیتا ہے۔

❸ صفت مشبہ فعل لازم سے بمعنی فاعل آتا ہے مندرجہ ذیل لغات اس کے وزن کو ظاہر کرتے ہیں: (۱) حَسَنٌ (۲) طَيِّبٌ (۳) صَعْبٌ (٤) جَبَانٌ (٥) شُجَاعٌ (٦) شَفِيْعٌ (٧) مُهْدٌ (٨) أَشْيَبُ (٩) عَطْشَانُ (١٠) كَرِيْمٌ (١١) وَقُوْرٌ (١٢) فَرِحٌ۔ اسے مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی معنی اور تصرف میں اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ ❹ ۲۲/ الحج:٦٥۔

❺ عزت افزائی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا نام اپنے نام سے نکالا ہے اللہ تعالیٰ ''محمود'' ہے اور حضور ''محمد'' ہیں۔

سیرت نبویہ کے ائمۃ الا علام کا شیوہ رہا ہے کہ

(الف): جس مصدر یا فعل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی ہے اس سے اسم بنا لیتے ہیں۔

(ب): جس صفت کے ساتھ حضور ﷺ کی توصیف الفاظ حدیث میں آئی ہے، اسے اسم شمار کر لیتے ہیں۔

(ج): جن اعلام کے ساتھ اشعار میں جو حضور ﷺ کے سامنے پڑھے گئے، حضور ﷺ کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے ان کو اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

ائمہ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن اور حسن ادب، نیز کمال محبت پر دال ہے۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں اسمائے مبارکہ کی جو فہرست بہ ترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہے وہ انہی اصول ثلاثہ پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد یہ قابل گزارش ہے کہ حضور ﷺ کے جن اسماء کی صراحۃً تطبیق کلام ربانی سے ہوتی ہے، ان کا شمار (۹۲) ہے۔ ان اسماء کے معانی کی بحث تو آگے چل کر آئے گی۔ اس جگہ حضور ﷺ کے وصف رافت ورحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھ دینا ضروری ہے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا۔ [1]

''نبی کریم ﷺ ہم کو گاہ بگاہ وعظ سنایا کرتے اس اندیشہ سے کہ روز وعظ کا سننا ہم پر گراں نہ گزرے۔''

نبی ﷺ کا یہ اصول از راہِ شفقت ورافت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں نشاطِ طبع اور حضور قلب سے سنیں اور آئندہ کے لیے شوق تمام باقی رہے۔

عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب بحالت نماز کسی بچے کے رونے کی آواز سن پاتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچے کو جلد سنبھال سکے۔

عادتِ مبارکہ تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پا پیادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے، یا تو اسے سوار کرا لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔

عادتِ مبارک تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو اس کا قرض بیت المال سے قبل از تدفین ادا فرما دیتے تھے۔ مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے، کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔

بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو پیار کرتے اور ان کو خود سلام کیا کرتے، ان کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے، غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔ ان سب امور کا ظہور از راہ شفقت ورافت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رافت ورحمت کا ظہور حضور پُر نور ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔

---

[1] بخاري، كتاب العلم، باب ماكان النبي يتخولهم بالموعظة، حديث: ٦٨؛ مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب الاقتصاد في الموعظة، حديث: ٧١٢٧۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

خصوصیت نمبر۲۲

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ ❶

''ہم نے تجھے جملہ نوعِ انسانی کے لیے بھیجا ہے۔''

کتاب خروج بابِ سوم میں ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا وہ دیکھنے کو آگے بڑھے، تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔(۲)

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔ (۷)

اور میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرضیوں اور حویوں اور یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔(۸)

اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں، دیکھا ہے۔ (۹)

بس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ (۱۰)

مندرجہ بالا فقرات (۷،۸،۹،۱۰) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوام عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت فرمائی جو کہ یعقوب علیہ السلام کی جماعت کی میراث ہو، باب ۳۲، درس ۴۔

اس فقرہ نے شریعت تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لیے ہی ہونا ظاہر کر دیا۔ اگر یہ فقرہ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی مدعی کہہ سکتا کہ شریعت تورات سب دنیا کے لیے ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کے لیے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم کو صراحۃً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

الف: انجیل متی کا باب ۱۵ پڑھنا ضروری ہے، جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لیے آئی ہے کہ حضور اپنی معجزانہ طاقت سے اس کی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اسرائیل

---

❶ سبا:۳۴/۲۸

کے گھر کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' ۱۵/۲۴۔

''پردہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا، اے خداوند میری مدد کر۔'' [۱۵/۲۵]

مسیح علیہ السلام نے جواب دیا: ''مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔'' [۱۵/۲۶]

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہیے کہ مسیح نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انہوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا، اس دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو یوں کہا:

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔'' [۱۰/۵]

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔

یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت اور ان کے بارہ شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔

انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذہب میں تبلیغی شان موجود ہے

عام لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ بدھ مت میں تبلیغ عام کا وجود پایا جاتا ہے، لیکن بدھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ، انہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم تک تبلیغ کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابلی، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ سلسلہ تعامل کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے، تب تو یہ بھی ہے کہ بدھ ازم کوئی علیحدہ ازم نہ تھا بلکہ بودھا مہاراج ویدمت کے تازہ کرنے والے تھے۔ ❶

اب ویدمت کو لیجئے۔ ویدمت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے۔ وید اور چھ شاستر اور منوسمرتی خاموش ہیں کہ ویدمت کو کبھی تبلیغی مذہب بتایا گیا ہو، یا کسی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔

منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم و فضل اور قراءت وید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور ان کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور کے سیکھنے کے لیے مجتمع ہوئے تھے۔ ویدمت کو کبھی تبلیغی مت نہیں قرار دیا تھا۔

دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے۔

❶ سماج کی یہ تحقیقات اس لیے صحیح نہیں کہ بدھ نے سنسکرت زبان کی تعلیم اور وید کے تعلم سے لوگوں کو روک دیا تھا اس امر کا اقرار خود بدھ ازم کے مصنفین کو ہے۔

غور کرو کہ شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی۔ بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا۔

یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے بیشتر بزرگوں نے حقیقۃً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص سمجھا ہوا تھا۔

نبی ﷺ کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لیے مبعوث ہیں آیت زیب عنوان کے لیے دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ❶

''اے نبی کہہ دیجیے! کہ اے نسل انسانی کے بچو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔''

خصوصیت نمبر ۲۳

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ ❷

''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔''

مبایعت بیع سے ہے، لغت میں بیع مطلقاً بمعنی مبادلہ ہے۔ شرعاً اخذ ثمن اور اعطائے مثمن کو جب کہ یہ تراضی جانبین ہو، بیع کہتے ہیں۔

بیع بمعنی شراء اور شراء بمعنی بیع بھی مستعمل ہے۔ یہ جانبین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مبایعت میں جانبین کو کچھ دینا اور کچھ لینا ضروری ہے۔

بیعت: اصطلاح میں اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو اطاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے وہ بمقام حدیبیہ درخت سمراء کے تحت میں ہوئی تھی۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ ❸

''اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو کہ شجرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔''

اس بیعت کی ضرورت و حقیقت یہ تھی کہ نبی ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ اُن کی معیت میں دس صحابہ بھی بھیجے گئے۔ اُن کے پہنچ جانے سے ایک دو روز بعد حضور ﷺ تک ایک اڑتی سی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمان کو قید اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو حرمتِ سفارت

---

❶ ۷/ الاعراف: ۱۵۸۔ ❷ ۴۸/ الفتح: ۱۰۔ ❸ ۴۸/ الفتح: ۱۸۔

اور احترامِ سفارت کے لیے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف ادائے عمرہ و طواف کی نیت سے آئے تھے اُن کے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش و تبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلانی ہوگی۔

لہٰذا یہ بیعت کر لینی پڑی:

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ اس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو کس تھی۔ ❶

نبی ﷺ درخت کے سایہ میں نور افروز تھے، بیعت لینے کے لیے دست مبارک پھیلایا ہوا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا کہ ید مبارک کو تکان نہ ہو۔

لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگرے بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے بیعت علی الموت کی تھی۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے عدم فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایات کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریت اسلام ایسی ہی حریت نفس کی معلم ہے، جس میں اجبار و اکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جد بن قیس اسلمی ایسا تھا جو اپنے اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اس پر بھی کچھ سختی نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مبایعین کا شرف و جاہ ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا:

((اَنْتُمْ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ)) ❷ آج تم روئے زمین کے جملہ موجودہ اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔

اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضوان الٰہیہ کو تعلق مستحکم اور رابطہ قویم ہے۔

فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ ❸

''اللہ نے مومنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلہ میں کہ جنت ان کی ہے۔''

فرمایا:

﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ﴾ ❹

''اپنی ایسی بیع پر تم کو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں۔''

---

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث: ٤١٥٤؛ مسلم، کتاب الامارة، باب استحباب مبایعة الامام الجیش، حدیث: ٤٨٠٧۔ ❷ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث: ٤١٥٤۔

❸ ٩/ التوبة: ١١١۔ ❹ ٩/ التوبة: ١١١۔

میں نے اس آیت کا ذکر خصائص النبی میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضل وشرف محمدیہ کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔

غور کرو کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مبایعین ذات قرار دیا ہے۔

اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زیب عنوان ﴿ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ [1] کے الفاظ ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ لفظ یَد ہر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی میں۔

الف: اگر یَدْ کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الٰہی تمہارے احسان سے برتر واعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ [2]

''بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔''

نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے وہ اس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہ رضی اللہ عنہم حاصل ہے۔

لفظ یَد بمعنی غلبہ ونصرت وقوت زبان عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے کہ اَلْيَدُ لِفُلَانٍ اب فلاں شخص کا غلبہ ہے۔

ب: یَدْ [3] کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے تب یَدُ اللّٰهِ کے معنی حفظ الٰہی ہیں اور اَيْدِيْهِمْ سے مراد مبایعین کے ہاتھ (یہ جارحہ جسمانی) ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونصرت ہمیشہ ان مبایعین کے ساتھ ہوگی۔

اس کی تائید اسی سورۂ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے:

﴿ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ﴾ [4]

''اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا، ان پر سکینہ اتارا ان کو فتح قریب عطا فرمائی اور وہ بڑی فتوحات بھی ان کے لیے خاص کر دیں، جن کو وہ حاصل کر لیں گے۔''

خلفاء راشدین اور ان کے ماتحت عمال، وگورنر و جرنیل، وقائدین لشکر اور فاتحین کشور انہی بیعت کرنے والوں میں تھے۔ حضر موت، عمان، عراق و فلسطین، شام ومصر، افریقہ وسوڈان، تیونس والجزائر، مالٹا اور کریٹ، ایران وخراسان کی فتوحات ومغانم انہی خلفا راشدین اور ان کے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں، یہی وہ بزرگ ہیں جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انہی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انہی پر نزول سکینہ ہوا۔ وہ سکینہ جس کے نزول کا ذکر احوال موسیٰ علیہ السلام میں بھی ہے۔

انہی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے کبھی کسی سلطنت کی قواعد دان اور باقاعدہ مسلح

---

[1] ٤٨/ الفتح ١٠۔ [2] ٤٩/ الحجرات: ١٧۔ [3] اہل حدیث لفظ یَد کی کوئی تاویل نہیں کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو جسم ولوازم جسم سے پاک و برتر تسلیم کرتے ہیں اور مجسمہ ومعطلہ سے علیحدہ ہیں۔ صفات میں ان کا مسلک ہر ایک ایچ پیچ سے پاک وصاف ہے۔ [4] ٤٨/ الفتح: ١٨، ١٩۔

افواج ان پر غالب نہ آ سکیں ﴿وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ﴾ ❶ کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضل و شرف، جاہ و احتشام، دولت و اقبال مادی اور رحمت و برکات روحی کا سبب، ذریعہ کیا تھا۔ یہی بیعت نبوی، یہی اتباع محمدی، یہی صدق و اخلاص، جو انہیں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔

لہٰذا وہ سب طفیلی تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک سے ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر ۲۴

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ﴾ ❷

خاتم اور ختم دونوں کے معنی ایک ہیں۔ ❸ النبیین کا الف لام جنس جملہ انبیاء و رسل پر حاوی ہے کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

یہ ایک عجیب پیش گوئی ہے اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔ ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مہارشی ایسے ہوئے جن پر آ کاس بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دو، دو، چار، چار نبی موجود پائے گئے۔ مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت و رسالت ہونے کے دعاوی کو بلند کیا۔

لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت زیب عنوان کا اعلان ہوا ہے اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے اس وقت سے ان سب مذاہب و ادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے ہیں۔

مجوسی اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ و زردتشت کے اورنگ پر نہیں بٹھاتے۔ آریہ دت اب کیوں آ کاش بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا۔

بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

پیارے ناظرین! یہ سب قدرت الٰہیہ کا روشن کارنامہ ہے۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، نبی، رسول، اوتار کہا جائے۔

دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔

---

❶ لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لیے۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب: ۴۰۔

❸ خاتم بفتح تا بمعنی ختم القاموس۔ منتھی الارب۔ المنجد وغیرہ۔

کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لیے ایسا فرما دیا ہے۔

اول: اس لیے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے مگر زمانِ مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے۔ یہاں تو چودہ صدیوں کا زمانہ ❶ اور مختلف اور متعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ جس شے کی تائید میں خود نیچر ہو وہاں تصنع کا کیا دخل رہ جاتا ہے۔

دوم: اگر نبی ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضور ﷺ ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے متبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنے اتباع کرنیوالے انبیا کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیہ کی نسبت یہ بات زبان زد عوام ہے کہ انہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم، اگر ثابت بھی ہو جائے کہ کسی شخص نے اَنَا الْحَقُّ بھی کہا یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ بھی کہا۔ تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا۔ مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔ ایسے لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ذیل میں ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے۔ جو آیت زیب عنوان کی تفسیر میں نبی ﷺ سے باسناد صحیحہ ثابت ہیں:

۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُهٗ وَتُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ وَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِهٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ)). وَفِیْ رِوَایَةٍ: ((فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ)) ❷

امام بخاری و امام مسلم نے بالاتفاق ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور دیگر سب انبیا کی مثال ایک محل کی سی ہے، جسے خوب بنایا گیا تھا۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی، دیکھنے والے آتے تھے۔ مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں ہوں، جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعہ ہی سے عمارت ختم ہوئی اور میری وجہ سے رسول ختم کیے گئے اور وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب انبیا کا ختم کرنے والا ہوں۔''

۲: عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ)) ❸

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متفق روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی زبان سے سنا ہے۔

---

❶ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو یوم ولادت مطہرہ سے پورے چودہ سو برس ہو جاتے ہیں یعنی سنہ ھ میں ۵۳ سال حضور کی عمر بوقت ہجرت کو جمع کر لینا چاہیے۔

❷ بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، حدیث:۳۵۳۵؛ مسلم، کتاب الفضائل باب ذکر کونہ خاتم النبیین، حدیث:۵۹٦۱۔ ❸ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الصف حدیث: ۴۸۹٦؛ مسلم، کتاب الفضائل باب فی أسمائہ ﷺ، حدیث:٦۱۰٦۔

حضور ﷺ فرماتے تھے: ''میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں [1]، میں ماحی ہوں، اللہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو محو کر دیا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔''

۳: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتَّةٍ، اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ)) [2]

صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سب انبیا پر چھ باتوں میں فضیلت ہے۔ ۱: مجھے کلمات جامعہ عطا فرمائے گئے۔ ۲: مجھے رعب سے مدد دی گئی۔ ۳: مال غنیمت ہم پر حلال کیا گیا۔ ۴: روئے زمین کو ہمارے لیے مسجد اور سبب طہارت بنایا گیا۔ ۵: مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا۔ ۶: میری ذات پر انبیا کا خاتمہ ہو گیا۔'' [3]

٤: عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ خُطْبَةِ الْوَدَاعِ: ((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ لَا اُمَّةَ بَعْدَكُمْ)) [4]

ابن جریر اور ابن عساکر نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا: ''لوگو یاد رکھو، میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔''

٥: رَوَی اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالْحَاكِمُ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((اَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ)) [5]

زرقانی (شرح المواہب اللدنیہ) میں ہے کہ امام احمد و امام ترمذی، امام حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔''

٦: عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابًا كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَّاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ)) [6]

---

[1] اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے۔ محمد، احمد، ان کے معانی نہیں فرمائے۔ ماحی، حاشر، عاقب ان کے معنی بتلائے، اس سے واضح ہوا کہ محمد و احمد ذاتی نام ہیں اور ماحی، حاشر، عاقب وصفی نام ہیں۔ [2] مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث: ۱۱۶۳۔ [3] اس حدیث کی شرح ہم آگے چل کر لکھیں گے۔ [4] معجم کبیر للطبرانی: ۸/ ۱۳۶، حدیث: ۷۶۱۷۔
[5] احمد: ۳/ ۲٦۷، حدیث: ۱۳۷۵۸؛ ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ذہبت النبوۃ حدیث: ۲۲۷۲؛ مستدرک حاکم، کتاب تعبیر الرؤیا، باب لا یبقی من النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ۔ [6] مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل، حدیث: ۷۳٤۲؛ ابوداود، کتاب الفتن، باب ذکر الفتن، حدیث: ٤۲۵۲۔

صحیح مسلم میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس شخص ایسے ہوں گے، جو کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

۷: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ)) [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔"

سب جانتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے۔ ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا۔

۸: جنگ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ)) [2]

"کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔"

موسیٰ علیہ السلام میقات ربی کے لیے طور پر چالیس یوم ٹھہرے تھے اور اپنے بعد ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ نبی ﷺ کو بھی غزوہ تبوک میں قریباً پچاس یوم مدینہ سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ میں خلافت بعد وفاتِ رسول کا اشارہ تک نہیں۔ کیونکہ ہارون علیہ السلام کی وفات موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

۹: سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے:

بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَآءِ. [3]

"میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں۔ حضور ﷺ کی موت سے وہ چیز ختم ہو گئی، جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی۔ یعنی نبوت اور اخبار غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا اب ختم ہو گیا۔"

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قدرت قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرمادی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور ﷺ ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [4] کی تفسیر بھی پڑھ لینی چاہیے، تا کہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایان ہے جو کمال دین اور اتمام نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ حضور کی خصوصیت "ختم المرسلین" کو واضح کر رہی ہے۔

---

[1] ترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، حدیث:٣٦٨٦۔ [2] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، حدیث:٤٤١٦؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابی طالب، حدیث:٦٢١٨۔

[3] نہج البلاغۃ خطبۃ:٢٣٥، ص: ٣٥٥۔ [4] ٥/ المائدۃ:٣۔

والحمد لله علی ذالك۔

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر اگر چاہے تو ان تیس کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشاد نبوی ﷺ کے سامنے اپنے زعم باطل کو چھوڑ کر تائب و مؤمن بن جائے۔

خصوصیت نمبر ۲۵

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [1]

''ہم نے جو تجھے بھیجا ہے تو سب عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں جو آسمانِ شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے ان کے خطابات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

کسی کا لقب مہاراجہ ادھیراج ہے۔

کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے۔

کوئی مہادیو۔

کوئی مہابلی، کوئی تہمتن، کوئی رومین تن، کوئی گئوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھا (بمعنی بیدار) کوئی سولہ کلاں سپورن، کوئی چندر ہنسی، کوئی سورج ہنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے دیگر خطابات اس شخص کی اپنی ذات و اوصاف کے متعلق ایک نمایاں خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطابات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات سے اس ہستی کو کیا نسبت ہے۔

لیکن رحمۃ للعالمین ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے، جو ممدوح الوصف کو مخلوقات کے ساتھ ہے۔

رحمت کے معنی پیار، ترس، دیا، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری ہیں، ان الفاظ کے معانی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔

کون شخص ہے؟ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے۔ غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم، علیت کی صفت سے بنا ہے۔ یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے، وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس لفظ کا استعمال انواع و اصناف و اجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالم جمادات عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم علوی، عالم سفلی، اور جذبات و ذہنیات و کوائف کے لیے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالم شوق، عالم شباب وغیرہ۔

الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی و ذہنی تک وسیع ہے۔ عالمین صیغہ جمع ہے اور جملہ عوالم پر اس کا احاطہ ہے۔

اب اندازہ کرو! اس مقدس ہستی کا جس کا سب سے پیار ہے، جو سب پر ترس کھاتا ہے، ہر ایک کا ہمدرد و غمگسار ہے، جس کی

---

[1] ۲۱/ الانبیاء: ۱۰۷۔

محبت عام ہے، جو ہر ایک کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک وساوس کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے۔ جس کے فیوض سے مادیت وذہنیات تصورات وتصدیقات کو شادابی ودرستی، صحت اور صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرما کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپروا نہیں رہ سکتی، اسی طرح رسول کریم ﷺ کی تعلیمات وتفہیمات سب کے لیے اور سب کے فائدہ کے لیے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج کی روشنی اور گرمی کی احتیاج نہیں، لیکن ایک عالم اور صاحب دماغ کے لیے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ ﷺ کی مطلقاً حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں نبوت محمدیہ ﷺ کے بعد کیوں کر انہوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس خرمنِ حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت پر غور کرو اور حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کرو۔

۱: رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے ۱۴۔۱۵ سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا اور اسی وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، انسان کا انسان کو شکار غضب ووحشت بنانا، ناپسند فرمایا۔

۲: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کی فطرت سلیمہ اور طینت طیبہ نے حلف الفضول [1] کے عہد وپیان کو مستحکم واستوار بنانا اور ایک شریف النفس کے لیے دادخواہی مظلوماں اور دستگیری ملہوفاں، حفاظت مسافراں، اور اعانت بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔

۳: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ [2]

''برائی کی مدافعت خوبی ونیکی سے کرو، پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔''

۴: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں، عبادت سے روکنے والے دشمنوں کے ساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا۔ اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت وقوت بھی موجود تھی۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ [3]

''اس قوم کا بغض، جس نے تم کو حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا، اس امر کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔''

---

[1] قبل از نبوت محمدیہ ﷺ مکہ معظمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کیا کریں گے، عورتوں اور یتامیٰ پر ظلم نہ ہونے دیں گے، قتل وغارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے، اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے اس لیے اس انجمن کا نام ''حلف الفضول'' ہو گیا تھا۔

[2] ٤١/ حٰمٓ السجدۃ: ٣٤۔ [3] ٥/ المائدۃ: ٢۔

۵: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے کاہنوں کے ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاس کو، یہودیوں کے فرقہ لامساس کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان سب کے افسوسناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا۔ اور:

﴿ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ﴾ [1]

"رہبانیت تو لوگوں کی خودساختہ گھڑت ہے، اللہ نے تو اسے انسان کے لیے کبھی مفید نہیں فرمایا۔"

کا فرمان سنایا اور لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت نہیں) کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز عطا فرمایا۔ [2]

۶: رحمۃ للعالمین وہ ہے جو یہودیوں کی طرح ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا، جو کاتھولیکوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا، جو گنگا اور بیھویا کے برہمنوں ہی کو نرگ اور سرگ میں آدمِ انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکہ دار نہیں بناتا، جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزندان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔

جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت وافضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

۷: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری و سوڈانی سب مساوی ہیں جس کے دربار میں مدعم سوڈانی، بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی، اثامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں، جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں بلکہ عمان کا حکمران جفر ان آلِ حمیر کا مدعی الوہیت ذوالکلاع اور ملک یمن کا بڑا کاہن ضماد غلامان بارگاہ سے بہت پیچھے صفِ نعال میں خرم وشادمان موجود ہے۔

۸: رحمۃ للعالمین وہ ہے جو یہود جیسی مخذول ومغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل وخوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا ہے اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شادکام فرماتا ہے۔

۹: رحمۃ للعالمین وہ ہے، جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل کو اور تیسری مذہبی کونسل دوسری مذہبی کونسل کو کفر ولعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کارروائی کیا کرتی تھی۔

وہ عیسائیوں کے جان و مال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جبکہ مسیح کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا ہے۔

۱۰: رحمۃ للعالمین وہی ہے جس کی تعلیم لوتھر کی راہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں، مگر رحمۃ للعالمین کے فیوض سے استفاضہ کرنے میں نہیں جھجکتا اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گرجاؤں سے دور کر دیتا ہے۔

۱۱: رحمۃ للعالمین وہ ہے جو جملہ اقوام وممالک عالم کو دین صحیحہ کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے:

﴿ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ﴾ [3]

---

[1] ۵۷/ الحدید: ۲۷۔ [2] ان الفاظ میں یہ حدیث مجھے نہیں ملی البتہ یہ الفاظ ہیں: علیك بالجهاد فانه رهبانية الاسلام۔ دیکھیں مسند ابی یعلی ۲/۲۸۴ من مسند ابی سعید۔ [3] ۳۰/ الروم: ۳۰۔

''اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے۔ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔''

اہل رومان اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر راہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھلائیں کہ دین صحیحہ کی یہ تعریف کبھی کسی اور جگہ بھی بتلائی گئی ہے۔

دین صحیحہ کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ ❶

''دین کے متعلق ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں رکھے۔''

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہ ﷺ کے احکام کا نفاذ ہوا ہے:

﴿ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ﴾ ❷

''ہاں! شریعت سے ارادہ الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو پاک و صاف ٹھہرائے اور ان پر اتمامِ نعمت بھی فرمائے۔''

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ ❸

''دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے۔''

۱۲: رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تبلبل زبان اور تباین ملکی سے بہت بلند ہے، جس کی تعلیم میں حسب و نسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

۱۳: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے سب سے پہلے ﴿ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴾ ❹ کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی۔ جس نے سب سے پہلے احمر و اسود، غربی و شرقی، مبتدین و غیر مبتدین کو قوم واحد بنایا، ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

۱۴: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ترہب اور تبتل میں تفریق کی، جس نے ایک گرستی کو گرست میں رہ کر سنیاسی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودی رحمٰن کا مورد بتلایا۔

۱۵: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا، امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے، جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۱۶: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے دیکھا کہ کہیں تو عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے (ہندومت) کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے۔ یا کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے (سترھویں صدی سے پہلے پہلے کی عیسویت

---

❶ ۲۲/ الحج:۷۸۔ ❷ ۵/ المائدۃ:۶۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۲۵۶۔ ❹ ۱۱۲/ الاخلاص:۱۔

کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے (یہودیت)۔
اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لکدکوب ہونا تجویز کیا ہے (ایران کے مزدکیہ و مانویہ) اوران جملہ حالات میں اس کی شخصیت و ذہنیت اور حقوق کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لیے یہ حکم سناتا ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ ﴾ ❶

''جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔''

علم نحو میں لام استحقاق و تخصیص و تملیک کے لیے آتا ہے لہٰذا لَهُنَّ کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)) ❷

''عورتیں مردوں ہی کا ایک جزو اور حصہ ہیں یا عورتیں مردوں کے لیے گل و ریحان ہیں۔''

ارشاد فرمایا:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ)) ❸

''عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لینا۔''

۱۷: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ ❹

''بوجھ اتار دیے اور زنجیر و طوق کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔''

۱۸: رحمۃ للعالمین وہ ہے، جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے، تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان سنایا:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ ﴾ ❺

''جملہ اقسامِ نیکی میں اور جملہ انواع خداترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔''

۱۹: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کا کام جملہ خصائل رذیلہ اور اخلاق نکوہیدہ سے انسان کو پاک و صاف کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيُزَكِّيهِمْ ﴾ ❻

---

❶ ٢/ البقرة: ٢٢٨۔ ❷ ابوداود، كتاب الطهارة، باب في الرجل يجد البلة، حديث: ٢٣٦۔
❸ مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: ٢٩٥٠۔ ❹ ٧/ الاعراف: ١٥٧۔
❺ ٥/ المائدة: ٢۔ ❻ ٦٢/ الجمعة: ٢۔

''وہ ان کے میل کچیل کو دور کر کے ان کو پاک وصاف بناتا ہے۔''

۲۰: رحمۃ للعالمین وہ ہے جو انسانیت کے درجہ رفیع کو نہ تو زرودولت کے لباس میں دیکھتا ہے اور نہ فقر و تہی دستی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔

لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے، فرمان ذیل پر غور کرو:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ ﴾ ❶

''اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے، انکے جو تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا۔''

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لیے فرمایا:

((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى أَدْنَاكُمْ)) ❷

''عالم کی عابد پر فضیلت اتنی ہے جتنی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔''

۲۱: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) ❸ کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لیے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے جس طرح ایک عضو میں سمیت آ جانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قطع عضو بہرحال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ مسلّم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت مرد کی بقاو صحت وحفاظت ایمان و عزت کے لیے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

۲۲: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لیے ایسی تدابیر کو ضروری ٹھہرایا جن پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پروا اور ہر ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے محفوظ فرمالیا ہے۔

(الف) زوجین کے اختلاف وشقاق کے مٹانے کے لیے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ دو ثالث مقرر کیے جائیں ایک مرد کے گھرانے کا ایک عورت کے گھرانے کا۔ وہ دونوں ان زوجین کے حالات وشکایات کو سنیں اور فیصلہ کر دیں۔

(ب) اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے ہم بستری ترک کر دے یہ تدبیر بہت مؤثر ہے۔

(ج) اب بھی کوئی درستی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی مار یہ ہے کہ چہرہ پر نہ مارے۔ ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائے۔ یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

---

❶ ۵۸/ المجادلۃ:۱۱۔ ❷ ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، حدیث:۲۶۸۵۔

❸ ابو داود، کتاب الطلاق، باب فی کراهية الطلاق، حدیث:۲۱۷۸۔

(د) یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لیے شوہر کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ جب وہ ماہواری ایام سے پاک صاف ہو جائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں، ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت وعادت اور فعل پر، جس کی طفیل نوبت بحدّے رسید ہوگئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ رَل مِل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

(ہ) ایک مہینہ گزر گیا، عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے۔ لیکن اس دوسری طلاق کے بعد زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا، سہنا، سونا، بیٹھنا ہوگا۔ اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے۔ جذبات انسانی، جھوٹے غصہ، بے جا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب ومعدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوگیا تو پھر یہ جوڑا میاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

(و) اب تیسری طلاق کا موقع آ جائے گا، اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو، اب شریعت اسے بتلاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہُما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے۔ پرندا اڑ جاتا ہے، تو کفِ افسوس ہی ملنا پڑتا ہے۔ سمجھ لے اور تیسری طلاق سے رک جا۔

ان ہدایات پر بھی اگر نفرت وشقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد اب تک طلاق ہی پر تلا ہے تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی اور معاہدہ شادی کو لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے، جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔ بلاوجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ علیٰ ہذا یہ بھی گوارا نہیں کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بدمزاجیوں، گستاخیوں یا امراض مخصوصہ کے بعد بھی اس سے گلوخلاصی نہ ہو سکے، جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوق زوجین کا ازحد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تفریط کی گھاٹیاں آتی ہیں اور نہ افراط کے پہاڑ حائل ہیں۔

۲۳: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تلوار ونیزہ اٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائیداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائیداد سے بوجہ بہن ہونے، شوہر کی جائیداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائیداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے اور حضور ﷺ کے تعلیم کردہ قانونِ توریث کو اصولاً بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

۲۴: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر، تنگدستی سے اور جائیداد کو تباہی سے اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیۃً ناواقف تھی۔

۲۵: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے جواز جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوقِ ملّی وقومی سے بلاوجہ محروم کر دیے جانے، دینِ حقہ کی

حفاظت کرنے والوں کی جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور ان کے اماکن عبادت کے معرضِ تلف میں آ جانے کو بطور شروط اولین قرار دیا:

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکار ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُۨ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ۭ ﴾ [1]

''جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیونکہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرور قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلا سبب نکالے گئے صرف اس بات پر کہ انہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا تھا، ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صائبین کی عبادت گاہیں نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے ضرور گرادی جاتیں۔''

۲۶: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا۔ اور اسے اُم الخبائث بتلایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر انتہائی اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو پولوس نے مرعی رکھی تھی کہ تبدیل مزہ کے لیے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا لیا کر سد باب کر دیا۔

﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ [2]

''شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا، تاکہ تم خلاصی پاؤ۔''

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی ((مَا اَسْكَرَ كَثِیْرُهٗ فَقَلِیْلُهٗ حَرَامٌ)) [3] ''جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو، اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔''

۲۷: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے زنا کی جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لیے رکھ لیے گئے تھے حرام ٹھہرایا اور اس حکم کو منبر و محراب میں خوب شائع کیا:

﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ ﴾ [4]

''فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ

---

[1] ۲۲/ الحج: ۳۹، ۴۰۔ [2] ۵/ المائدہ: ۹۰۔ [3] ابوداود، کتاب الأشربة، باب ما جاء فی السکر، حدیث: ۳۶۸۱؛ ترمذی، کتاب الأشربة، باب ما جاء ماأسكر كثيره فقليله حرام، حدیث: ۱۸۶۵؛ ابن ماجة، کتاب الأشربة، باب ما أسكر كثيره فقليله حرام، حدیث: ۳۳۹۲۔ [4] ۲۳/ المؤمنون: ۵ تا ۷۔

ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں، مگر جو کوئی ان کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔''

۲۸: رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اسیران جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے۔ تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا، ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جان کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا تھا۔

﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً ﴾ [1]

''جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو اور جب ان کو چور چور کر دو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو۔ اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو۔''

حملہ آور دشمن پر، مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان نمائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلد رہی ہیں اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی۔ لیکن نبی ﷺ نے بدر و احد، مکہ و حنین کی فتوحات سے ہر موقع پر اسیران جنگ اور دشمنان دین اور قاتلانِ مومنین اور محاربینِ رسول ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔

۲۹: رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے بے پڑھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کیا کرتے اور ان پڑھ رہنے کو نوزائیدہ امی بچہ کی معصومی کا چربہ سمجھا کرتے تھے، علم سے روشناس کیا، علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا، علم کا شائق بنایا۔ پھر ان کو معلم اور مقری کے منصب پر بلند فرمایا۔

آیات ذیل پر غور کرو:

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾ [2]

﴿ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [3]

''اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول (ﷺ) بھیجا جو انہیں میں سے ہے، وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ تو اس رسول (ﷺ) سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'' ''تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔''

۳۰: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کیا۔

۳۱: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے گناہگار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی، توبہ کے اجزا بتائے ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

---

[1] ٤٧/ محمد:٤۔ [2] ٦٢/ الجمعۃ:٢۔ [3] ٢/ البقرۃ:١٥١۔

۳۲: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے تزکیۂ نفس، تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا، جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

۳۳: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل، مدارج رجوع، مراتب احسان، حقیقت ورع و توکل اور روح اخلاص و صدق اور مقامات قرب و رضا کا عرفان عطا کیا۔

۳۴: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْن کا نشان دیا۔ چاہِ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسمانِ ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

۳۵: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے رہزنوں کو چوبانی اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی، جس نے غلاموں کو سلطانی دی، جس نے بساط کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھا دیا۔

۳۶: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثارِ نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق، جس نے میزان اور حق و باطل کا توازن بتلایا۔

۳۷: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا، جس نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا، جس نے قتل و غارت گری کو غارت کر دیا، جس نے خون انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہاں کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا، جس نے ایران کو فواحش سے اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی، جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ پھیلایا، جس نے ایوانِ صلح کو مرتفع کیا، جس نے ﴿حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾ [1] ''یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحات کو رکھ دے۔'' کے لیے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

۳۸: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں اور غلاموں کو برابر کا کھانا برابر کا پہننا، ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا اور اس طرح پر غلاموں کو خاندان کا ایک جز و یا ممبر بنا دیا۔

۳۹: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

۴۰: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے ۱/۸ حصہ خزانہ میں غلامی کے مٹانے کے لیے مقرر فرمایا۔ ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ [2]

۴۱: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا، حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے، جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

۴۲: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے قانونِ شریعت میں آزادی غلاماں کے لیے مواقع نکالے اس کی تفصیل مسائل ظہار و صوم و حج کے ابواب میں دیکھنی چاہیے۔

---

[1] ٤٧/ محمد:٤۔ [2] ٩/ التوبة:٦٠۔

۴۳: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

۴۴: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آقاؤں کو عتاق من النار کا ذریعہ آزادیٔ غلام بنایا۔

۴۵: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آزادیٔ غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت، ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا۔ جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

۴۶: رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلاموں پر حصول قرابت وصہریت اور اخذ امارت وحکومت اور نصب امامت وولایت اور اعداء کو عطائے صلح وامان کے حقوق سے مالا مال فرمایا۔

اسلام سے پیشتر غلامی تو جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی۔ کیا حضور رحمۃ للعالمین سے پیشتر کسی نے غلامی کے محور زائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں بھی کوئی کارروائی کی۔ یہ ہندوستان ہے جہاں اچھوت اقوام کی تعداد آج تک برہمنوں، کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمۂ جسم وروح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں، لاکھوں سالوں کی امتداد مدت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی۔ اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں، برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنایا گیا ہے اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان و مال کو یکساں حرمت واحترام کے حقوق حاصل ہیں، معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں، ہر ایک ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی یا امامت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب ہذا کا موضوع یہ نہیں کہ ہر ایک مسئلہ پر پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ اور دلربا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے اور اس گنجینہ کا نشان خود ہادیٔ مطلق نے دیا ہے، یہ ایک بشارت ہے جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے یہ ایک نوید ہے جو عالمیان کو شیفتۂ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

خصوصیت نمبر ۲۶

﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ [1]

''تو بھی ان سب کی ہدایت کی موافقت کر۔''

اقتدا کے معنی اصل لغت میں شخص ثانی کا شخص اول سے موافقت کرنا ہے۔

---

[1] ٦/ الانعام: ٩٠۔

آیت بالا پر جو کوئی شخص سرسری نظر ڈالے گا۔ وہ سمجھے گا کہ حضور کو کسی دوسرے شخص کے مقتدی (پیرو) ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کافہ اہل اسلام کے اس مسلمہ اعتقاد کے خلاف ہیں کہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں۔

لہٰذا آیت بالا شرح طلب ہے اور شرح معانی کے بعد واضح ہو جائے گا کہ آیت بالا نبی ﷺ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔

ناظرین کو آیت ﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ [1] سے غور شروع کرنا چاہیے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیا کا ذکر فرمایا ہے اور اس ذکر ترتیب زمانی یا ترتیب مدارج کو چھوڑ کر ایک اور ترتیب بدیع اختیار کی گئی ہے۔

اول ترتیب اصول نسب

اس صنف میں نوح و ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ جملہ انبیائے عالم کے انساب انہی پر منتہی ہوتے ہیں اور اکثر اقوام کا انتساب نسلی انہی کی جانب ہے۔

دوم ترتیب ملک وقدرت

اس صنف میں داؤد وسلیمان علیہما السلام خصوصیت سے قابل بیان تھے۔

ترتیب بلحاظ مراتب صبر وشکر

اس صنف میں ایوب اور یوسف علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ترتیب بلحاظ معجزات وظہور آیات

اس صنف میں موسیٰ وہارون علیہما السلام کے نام مذکور ہوئے ہیں۔

تریب بلحاظ زہد واعراض عن الدنیا

اس صنف میں زکریا و یحییٰ وعیسیٰ والیاس علیہم السلام کا مذکور ہوا۔

ترتیب بلحاظ تبلیغ امم مختلفہ

اس صنف میں اسمٰعیل والیسع و یونس ولوط علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان انبیائے مذکورہ کے مختصر حالات بھی لکھ دیئے جائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ نوح بن مالک بن متوشالح بن اخنوع بن یارو بن مہلل ایل بن قینان بن آنوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال کی تھی، جب سام، حام اور یافث ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر کے چھ سو سال کے بعد دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو طوفان شروع ہوا چالیس دن تک پانی اوپر سے برستا اور زمین سے ابلتا رہا پھر بڑھنا بند ہوا

---

[1] ٦/ الانعام: ٧٥۔

اور ڈیڑھ سو دن میں پانی کم ہوا، ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ تھی کہ کشتی اراراط کے پہاڑ پر رک گئی۔ ۶۰۱ میں عمرِ نوح کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی چھوڑ کر زمین پر قدم رکھا ایک سال ۱۱ یوم کشتی میں رہے۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ۳۵۰ سال زندہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش طوفانِ نوح علیہ السلام سے ۳۷۵۵ سال بعد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

ان کا نسب نامہ حضرت نوح علیہ السلام تک یہ ہے۔ ابراہیم بن آزر (تارح) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن شالح آرفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا زمانہ ۲۵۸۵ سال پیشتر کا ہے۔ ۷۵ سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت فرمائی اور کنعان کے ملک میں پہنچے (کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کا ملک)۔

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ ملک تیری اولاد کو دیا جائے گا۔ پھر مصر گئے۔ مصر سے واپس آ کر کنعان میں ٹھہرے۔ یہاں سے ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام جو ہجرت میں ان کے ساتھ تھے، علیحدہ ہوئے اور دریائے یاردن کے پرلے کنارے پر آباد ہوئے۔ یہ علاقہ شاہ صدوم کا تھا۔ شاہ صدوم پر شاہِ عیلام نے مع اپنے تین اتحادیوں کے حملہ کیا اور حضرت لوط کو بھی اسیر کر کے لے گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف جہاد کیا اور حضرت لوط علیہ السلام چھڑا لیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ اسّی سال کی عمر تھی، جب آپ کے گھر میں اسماعیل علیہ السلام (از بطن ہاجرہ خاتون جو بادشاہ مصر کی دختر تھیں) پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ سال تھی جب ختنہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی عمر میں حضرت نے اپنا ختنہ خود کیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب خلیل الرحمٰن ہے اور لقب عمود عالم اور آدم ثالث، کنیت ابو محمد اور ابو الانبیاء ۱۷۵ سال کی عمر تھی جب خلیل الرحمٰن نے انتقال فرمایا۔

خانہ کعبہ اور مناسک حج حضور کی نبوت کی دائمی یادگار ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی نبی ہوا، خواہ کسی ملک اور کسی قوم میں ہوا۔ وہ ان ہی کے خانوادہ اور نسل کا تھا۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی، جب ان کے ہاں اسحٰق از بطن سارہ خاتون پیدا ہوئے۔ سارہ علیہا السلام خاتون حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کی نسل سے ہیں اور اول الاسلام ہیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر ۴۰ سال کی تھی جب ان کی شادی ربقہ خاتون سے ہوئی۔ ربقہ حضرت ابراہیم کے برادر حقیقی نخور کی پوتی ہیں۔ ربقہ خاتون سے دو توام بچے پیدا ہوئے، عیسو و یعقوب علیہ السلام۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ۱۴۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

انہی کا لقب اسرائیل بھی ہے ان کے گھر میں لیاہ بیگم سے چھ فرزند، راحیل خاتون سے دو فرزند، زلفہ لونڈی سے دو فرزند اور بلہہ لونڈی سے دو فرزند پیدا ہوئے۔

جب یوسف علیہ السلام نے ان کو مصر میں مع خاندان افراد طلب کیا تب ان کی عمر ۱۳۰ سال تھی۔ ۱۷ سال مصر میں قیام کے بعد انہوں نے مصر ہی میں وفات پائی۔ یوسف علیہ السلام ان کا جنازہ شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ کنعان لائے اور وہ حضرت ابراہیم و اسحق علیہما السلام کے پہلو میں مدفون ہوئے ان کی وفات ق م ۱۶۸۶ سال اندازہ کی گئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

راحیل خاتون کے پہلے بیٹے ہیں، یوسف کے معنی عربی میں ''مزید'' ہیں ان کی پیدائش کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

۱۷ سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے تین شب چاہ میں رہے۔ چھ سال عزیز مصر کے گھر میں قیام فرمایا سات سال زندان میں بسر کیے، ۳۰ سال کی عمر میں مصر کے حاکم مطلق باختیارات شاہی مقرر ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر تھی جب یعقوب علیہ السلام سے مصر میں ۲۳ سالہ فراق کے بعد ملاقات ہوئی۔ ہشتاد سالہ فرمانروائی کے بعد ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے ان کی شادی ملک مصر کے شہر اُون کے کاہن کی دختر مسماۃ آسناتھ سے ہوئی تھی ان کے ہر دو فرزند منسی وفراہم اسی خاتون کے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: داؤد بن یسی (یشاہ) بن عوبید بن سونجز بن سلما (سلمون) بن نخسون بن عمداب بن ارام بن حصروم بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب علیہ السلام۔

یہ اپنے باپ کے ساتویں بیٹے تھے، چھ بھائی ان سے بڑے تھے۔

ان کی ابتدائی شہرت کا باعث وہ جنگ ہوئی جو فلسطینی اسرائیلیوں سے کر رہے تھے، فلسطینی فوج میں ایک بہادر جولیت (جالوت) تھا جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا وہ پیتل کی خود اور زرہ اور موزے پہنا کرتا تھا۔ چالیس دن تک وہ میدان جنگ میں نکل کر مبارز طلب کرتا رہا، اسرائیلیوں میں سے کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تین بڑے بھائیوں کی (جو شامل جنگ تھے) خبر لانے کو رزم گاہ میں گئے وہاں انہوں نے سنا کہ ساؤل شاہ بنی اسرائیل نے اس شخص کے قاتل کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ مع دیگر انعامات دینے کا اعلان کیا ہوا ہے۔

حضرت داؤد بادشاہ سے اجازت لے کر جالوت کے مقابلہ کو نکلے انہوں نے فلاخن سے پتھر چلایا اور وہ پتھر اس کی پیشانی کے اندر اتنا گھس گیا کہ پیشانی کے اندر جا چھپا۔ فلسطینی گر پڑا، داؤد علیہ السلام نے اسی کی تلوار اس کی کمر سے نکالی اور اس کا سر کاٹ لیا۔

بعد ازاں حضرت داؤد ترقی کرتے کرتے سپہ سالار فوج ہو گئے اور پھر بادشاہ کے داماد بن گئے۔ بادشاہ ان کے روز افزوں اقبال سے حسد کرنے لگا اور حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے جان بچاتے پھرتے آخر ساؤل بادشاہ نے فلسطینیوں سے ایک مقام پر

شکست کھا کر خودکشی کر لی اور اس کے ولی عہد نے بھی خودکشی کر لی۔ تب بنی اسرائیل کے اتفاق سے حضرت داؤد بادشاہ ہوئے انہوں نے چالیس سال تک نہایت کامرانی و اقبال کے ساتھ سلطنت کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ازواج اور حرموں کی تعداد ۹۹ تھی ان کے اٹھارہ فرزند اور سترہ لڑکیاں تھیں لیکن وراثتِ داؤد علیہ السلام صرف سلیمان علیہ السلام ہی کو ملی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال نبی ﷺ سے تقریباً ۱۵۸۶ سال پہلے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال کی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

بنت سبع دختر انعام کے بطن سے یروشلم میں پیدا ہوئے جب کہ داؤد علیہ السلام سلطنت حاصل کر چکے تھے انہوں نے شاہ مصر کی بیٹی سے شادی کی۔

انہوں نے اپنے جلوس کے چوتھے سال کے دوسرے مہینے میں بیت المقدس کو بنانا شروع کیا۔ اصل مسجد ۶۰ ہاتھ طویل، ۲۰ ہاتھ عریض اور تیس ہاتھ بلند تھی اور اس کے اردگرد بہت مکانات تھے، یہ عمارت سات سال میں ختم ہوئی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چالیس سال سلطنت پورے عروج اور اقبال و دولت کے ساتھ کی۔ ان کا عہد بالکل امن کا تھا ان کی بیگمات کی تعداد سات سو اور لونڈیوں کی تعداد تین سو ہے۔ ان کا انتقال نبی ﷺ سے تقریباً ۱۵۴۶ سال ماقبل ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: ایوب بن آموص بن رازح بن روم بن عیص (عیسو) بن اسحٰق یہ ارض عوض (ایشیائے کوچک) میں رہتے تھے، ان کے سات بیٹے، تین بیٹیاں تھیں۔ یہ سات ہزار بھیڑوں، تین ہزار اونٹوں، پانچ سو جوڑی بیلوں اور پانچ سو خر ماچہ کے مالک تھے۔ نوکر چاکر بہت تھے اہل مشرق میں ان جیسا کوئی مالدار نہ تھا۔ جب مصیبت آئی، تو ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے سب بیٹے بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ سخت آندھی آئی اس نے مکان کی چھت کو اٹھایا اور ان پر گرا دیا۔ اسی وقت ایک دوسرے شخص نے آ کر اطلاع دی کہ بیلوں اور گدھوں کو ملک کے سب لوگ لوٹ کر لے گئے۔ نوکروں کو قتل کر گئے، صرف میں بچ نکلا ہوں۔ اسی وقت ایک دوسرے شخص نے آ کر اطلاع دی کہ آسمان سے آگ پڑی اور سب بھیڑوں کو اور نوکر چاکروں کو جلا کر خاک کر گئی اکیلا میں بچ نکلا۔ اسی وقت ایک اور شخص آیا، اس نے بتلایا کہ قوم کسدی کے لوگوں نے تین طرف سے حملہ کیا، اونٹوں کو لے گئے اور نوکروں کو تلوار کی دھار سے قتل کیا، فقط میں ہی بچ رہا ہوں۔

ایوب علیہ السلام نے سب کچھ سنا اور پھر سجدہ میں گر پڑے۔ کہا، میں اپنی ماں کے پیٹ میں سے ننگا پیدا ہوا تھا اور اس کے حضور میں ننگا ہی پیش ہوں گا۔ بعد ازاں ان کے جسم میں خارش پیدا ہوئی، وہ کھجلاتے تو وہاں پھوڑے بن جاتے، اسی طرح سارا جسم پک گیا۔ لیکن اب بھی ان کی زبان سے کوئی خطا کی بات نہ نکلی۔ اس وقت ان کا بستر صرف راکھ کا ہوتا تھا۔ یہ مصیبت چند سال تک رہی۔ آخر حضرت ایوب علیہ السلام کے توبہ و استغفار پر رحمت الٰہی نے ان پر توجہ کی، وہ تندرست ہو گئے، ان کے مال مویشی کی مقدار پہلے سے دو چند ہو گئی۔

ان کو پھر اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں عطا فرمائیں، انہوں نے اپنی اولاد کی چار پشتیں دیکھیں اور مصیبت کے بعد ۱۴۰ سال تک دولت وحشمت اور آرام وفراغت میں بسر کر کے انتقال فرمایا۔ ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً اکیس صدی پیشتر کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بعض نے عمران (عمرام) کو قاہث کا بیٹا بتایا ہے، درمیان میں یصہر کا نام درج نہیں کیا۔ ان کے حالات قرآن پاک اور تورات میں بہت تفصیل سے ملتے ہیں۔ انہوں نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی اور وادیٔ موآب میں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً ۲۰۲۲ سال پیشتر کا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک سال بڑے تھے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سال پیشتر کوہ حور پر وفات پائی تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام

مجموعہ بائبل میں کتاب زکریا شامل ہے۔ یہ زروبابل کے ہم عصر ہیں اور مسیح سے پانچ صدی پیشتر ان کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورہ مریم وآل عمران میں جس زکریا کا ذکر ہے وہ یحییٰ کے والد ہیں۔ ان کے گھر میں مسیح علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ مسیح کا اصطباغ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لیے وہ زکریا نہیں ہو سکتے، جن کا ذکر بائبل میں ہے۔ ہر دو بزرگواروں میں صرف وحدت اسمی پائی جاتی ہے۔

زکریا علیہ السلام جن کا مذکور قرآن حکیم میں ہے، بیت المقدس کے امام ومتولی تھے اور مریم صدیقہ علیہا السلام کے کفیل ومربی ان کا اور انکے فرزند کی پیدائش کا واقعہ انجیل لوقا کے باب اول میں مذکور ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

ان کو بائبل میں یوحنا بپتسمہ دینے والا لکھا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں انہی کی پیدائش کا ذکر سورۂ آل عمران و سورۂ مریم میں ہے۔ ان کا نام بھی منجانب اللہ رکھا گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان ہی میں رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈ کو خوراک بنا رکھا تھا، بیابان میں وعظ وتذکر کا سلسلہ جاری کیا، یہ توبہ کر لینے کے وقت تائب کو پانی میں غسل دلایا کرتے تھے۔ بپتسمہ کی رسم یہیں سے جاری ہوئی یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے، مگر انہوں نے مسیح علیہ السلام سے چھ سال پیشتر تبلیغ شروع کر دی تھی۔

ان کے وقت میں چوتھائی ملک کا حاکم ہیرودیس رومی تھا اور اس کے ناجائز تعلقات اپنے بھائی فیلیسوس کی بیوی سے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام حاکم کے افعال پر نکتہ چینی کرتے تھے، حاکم نے ان کو قید کر دیا تھا۔

حاکم کی بھاوج کا نام ہیرودیاس تھا۔ وہ ہمیشہ حاکم کو یوحنا کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی، مگر حاکم اس کی بات نہ سنتا تھا۔ اتنے میں ہیرودیاس کی سالگرہ کا دن آیا۔ مسماۃ ہیرودیاس کی لڑکی اپنے چچا کے سامنے خوب ناچی گائی اور حاکم وقت نے قسم کھائی کہ جو کچھ

وہ مانگے گی اسے وہی دیا جائے گا۔

لڑکی نے اپنی ماں کی سکھلاوٹ پر حضرت یحییٰ کا سر مانگا۔ حاکم نے جلاد کو حکم دیا اور اسی وقت ان کو جیل میں جا کر قتل کیا اور ان کا سر لڑکی کے حوالہ کیا گیا۔ جس نے اپنی ماں کی خدمت میں تحفہ پیش کر دیا۔

یہ واقعہ ۳۰ ء یعنی ولادت نبی کریم ﷺ سے ۵۴۱ سال پہلے کا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام عبرانی میں یسوع ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے نام موسیٰ علیہ السلام کے خانوادہ عالی کے افراد کے مطابق تھے۔

ان کا نام یسوع تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول یوشع بن نون کی یادگار میں رکھا گیا تھا۔ ان کی والدہ کا نام مریم علیہا السلام تھا جو خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام تھا۔ ان کے ماموں کا نام ہارون تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی کا نام تھا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی یہی نام تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب مریم صدیقہ علیہا السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تھیں۔ تب ان کی والدہ نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے پیٹ کے پھل کو محرر، آزاد، یا تدریا بیت المقدس کی خدمت کے لیے مخصوص بنائے گی۔

لیکن جب لڑکی (مریم علیہا السلام) پیدا ہوئی تو وہ حیران رہ گئی کیونکہ لڑکی کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ نیک خاتون اپنی نیت اور نذر کے مطابق مریم کو بیت المقدس میں لے گئی اور یروشلم کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کو خدمت کے لیے لیا جائے۔ حضرت زکریا کو ان کا متکفل بنایا گیا۔

پھر جب مریم جوان ہوئیں، تب فرشتہ نے ان کے سامنے آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ بشارت سنائی کہ ان کے پیٹ سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں گے اگرچہ ان کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ بشارت کے مطابق مولود پیدا ہوا تو بشارت ہی کے موافق ان کا نام (عیسیٰ) یسوع رکھا گیا۔ انہوں نے طفولیت مصر میں بسر کی اور تیس سال کی عمر تک یہودیوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد اپنی نبوت کی تبلیغ شروع کی۔ تبلیغ میں اتنے سرگرم تھے کہ ایک رات سے زائد ایک مقام پر قیام نہ فرماتے تھے۔ انہوں نے فلسطین میں بنی اسرائیل کی ہر ایک بستی میں اپنی آواز کو پہنچایا۔ تین سال کے بعد ان کو رفع الی السماء حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں ان کو صرف بارہ شاگرد ملے۔ جن میں سے ایک غدار نکلا۔ کتاب الاعمال کے مصنف لوقا کا خیال ہے کہ کل ۱۲۴ تعداد ایسے اشخاص کی مل جاتی ہے جو ان کے معتقد تھے۔

آج تحریر مضمون ہذا کے وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء سال عیسوی کی تاریخ ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی ولادت مسیح سے شروع ہوتا ہے، لیکن اب تفحص و تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت اس سنہ سے چار سال پیشتر کی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول کے علمی مباحث ہماری کتب ''غایت المرام'' و ''تائید الاسلام'' میں ملاحظہ طلب ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کا دوسرا نام الیاس علیہ السلام بھی ہے، مگر اس آیت میں ان سے مراد نہیں، کیونکہ اس آیت میں ذریت

نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اور ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے آبائے کرام میں سے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: الیاس بن سنا بن فنحاص بن عیترار بن ہارون علیہ السلام لہٰذا ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً ۱۹ صدی پیشتر کا ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الیاس علیہ السلام ابھی زندہ ہیں مگر انکی حیات کی بابت کوئی روایت نبی ﷺ سے ثابت نہیں لہٰذا یہ خیال محض بے بنیاد ہے۔

حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام

سیدنا ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ سیدہ ہاجرہ خاتون علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ فلسطین ان کا مولد اور مکہ ان کا دار الہجرت اور مصران کا ننھیال ہے۔ حجاز و یمن و حضرموت ان کا رقبہ تبلیغ تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے سہیم کار تھے (اللہ کے ذبیح، اللہ کے گھر کے محافظ)۔ ان کا زمانہ نبی کریم ﷺ سے تقریباً ۲۴۰۰ سال پیشتر ہے۔ مصری، بابلی، فلاسطینی، عربی زبان کے ماہر کامل تھے۔ ان کی ایک شادی مصر میں اور ایک شادی عرب میں ہوئی۔

اولاد عرب شہزادی سے ہوئی، بارہ بیٹے ہوئے۔ ہر ایک اپنے اپنے قبیلہ کا سردار اور جداگانہ علاقہ کا حکمران تھا۔ ان کی دختر کی شادی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند کلاں عیسو سے ہوئی تھی۔ نبی ﷺ سردار قیدار فرزند دوم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جن کا نام بائیبل میں بکثرت آتا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام برکاتِ الٰہی میں برابر ہیں۔ تاہم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چند فضائل حاصل ہیں۔

(۱) یہ بیت الحرم کے بانی اور محافظ ہیں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کسی بیت الحرم کے بانی و محافظ نہ تھے۔

(۲) یہ ذبیح اللہ ہیں، گو مسلمانوں اور اہل کتاب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے مگر آثارِ قدیمہ کی شہادت انہی کے حق میں ہے۔

(۳) یہ وہ فرزند ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد باندھا یہ اسی روز اس عہد میں شامل ہوئے۔ اسحٰق علیہ السلام ہنوز پیدا بھی نہ ہوئے تھے، لہٰذا عہد کے فرزند یہی ہیں .... [کتاب پیدائش ۱۷ باب]

(۴) ان کا رقبہ نبوت بہت وسیع تھا اور انہوں نے اپنی تبلیغ کو عرب العرباء کے سب خاندانوں تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن حضرت اسحٰق علیہ السلام کے رقبہ تبلیغ کے متعلق ہم کو ایسی معلومات اسرائیلی روایات یا اسلامی روایات میں کچھ نہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ ان کا رقبہ تبلیغ بہت محدود تھا۔ والعلم عند اللہ۔

حضرت الیسع علیہ السلام

میں سمجھتا ہوں کہ الیسع سے مراد یسعیاہ ہوں گے، جن کی کتاب مجموعہ بائیبل میں موجود ہے اور بہت سی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ انکا زمانہ شاہان یوعز و یوتام کے برابر ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ سے یہ ۱۳۳۰ سال پہلے ہوئے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام

ان کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ صافات و انعام و نساء میں بھی ہے اور ایک سورت بھی ان کے نام سے نامزد ہے۔ نبی ﷺ نے

عداس نیلوزی کے سامنے ان کو یونس بن متی فرما کر اپنا بھائی فرمایا تھا۔ انہی کو سورۂ ن میں صاحب الحوت بھی فرمایا گیا ہے۔ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے، سفرِ ہجرت کے رفیق، مصر سے واپس آنے کے بعد یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے علیحدہ ہو کر آخر وے یارڈن دریا پر رہتے تھے اور وہی علاقہ ان کی تبلیغ کے لیے تھا۔ ناپاک اور نافرمان قوم نے نبی اللہ کی تحقیر کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور ان پر آسمان سے پتھراؤ کیا گیا۔

ہاں آیت بالا پر غور کرو!

اصول نسب کی بنیاد پر نبی ﷺ کو یہ شرف خاص حاصل ہے کہ قیامت کے دن جملہ حسب نسب منقطع ہو جائیں گے صرف حضور ﷺ کا انتساب باقی رہے گا۔

اصول حکومت کی بنیاد پر غور کرو کہ حضور ﷺ ہی نے عرب کو پنجہ اغیار سے چھڑایا اور حضور ﷺ ہی نے عرب کو فرمان فرمائی پر پہنچایا۔ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی صفات عالیہ اپنے اندر جمع کر لینے کا حکم ہے، کیونکہ موافقت اخلاقی اسی طریق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو حسب نسب میں خود صاحب عمود عالم ہونا چاہیے اور لوگوں کو نوح علیہ السلام وابراہیم علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی جانب انتساب سے مستغنی کر دینا چاہیے۔ نبی ﷺ کو چاہیے کہ داؤد علیہ السلام کی طرح عرب کے قبائل متعددہ اور شعوب مختلفہ کو متحد بنا دیں، تا کہ وہ سب مل کر قوم واحد بلکہ شخص واحد کی شان پیدا کر لیں۔ اور هُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ [1] کے مصداق بن جائیں۔

نبی ﷺ کو سلیمان علیہ السلام کی طرح امن محکم اور صلح استوار سے ملک کو سرسبز و شاداب بنا دینا چاہیے۔ نیز عبادت الٰہی کے لیے ایک ایسا معبد تیار کر دینا چاہیے، جو تقدیس میں بیت المقدس سے بڑھ کر اور اعداء کی دست برد سے بالاتر ہو۔ نبی ﷺ کو صبر ایوبی کا وہ نمونہ دکھلانا چاہیے کہ ﴿ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ [2] کا توقیع خاص حضور ﷺ کے لیے صادر ہو جائے اور عفو یوسف علیہ السلام کا نمونہ بعید ترین اعداء اور سنگین ترین اشقیاء کو بھی ایسا دکھلانا چاہیے کہ ان کے کینہ اور غل کا پورا پورا درمان بھی ہو جائے اور آئندہ کے لیے ان کے دل حضور کی محبت سے معمور اور ذوق اطاعت سے پرنور ہو جائیں۔ نبی ﷺ کا کام تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہین صادقہ اور آیات باہرہ سے فرعون سرشت لوگوں پر حجت الٰہی کا اتمام فرماتے اور سحر کاران ماہر فن پر باب نجات کھول دیتے۔ حضور ﷺ کا کام تھا کہ ایک آتشین شریعت کی جگہ نور آگین شریعت سے اتمام نعمت فرما دیتے۔

حضور ﷺ کی شان ہے کہ ہارون علیہ السلام کی طرح منبر کو اپنے خطاب سے اور محراب کو اپنی امامت سے سربلند فرمایا۔ بے جانوں میں جان ڈال دی اور سوکھی ہوئی نخلوں کو دردِ محبت کا شناسا بنا دیا۔ نبی ﷺ ہی کا کام ہے کہ زکریا علیہ السلام کی طرح دنیا کو دعا کی طاقت سے باخبر فرمایا اور مزید برآں آدابِ دعا و اوقاتِ دعا، الفاظِ دعا اور مراتبِ دعا سے اپنی امت کو حقیقت شناس بنا دیا۔ نبی ﷺ

---

[1] ابوداود، كتاب الجهاد، باب في السرية ترد على أهل العسكر، حديث: ٢٧٥١؛ نسائي، كتاب القسامة، باب القود بين الأحرار، حديث: ٤٧٣٨؛ ابن ماجة، كتاب الديات باب المسلمون تتكافأ دمائهم، حديث: ٢٦٨٣۔ [2] ١٦/ النحل: ١٢٧۔

ہی ہیں کہ جنگلی شہد اور بیابانی ملخ پر گزران کرنے والے یحییٰ علیہ السلام کی طرح خشک کھجوروں اور آب مقطر کو اپنی اور اپنے اہل بیت کی مستقل غذا قرار دیا۔ اہل وعیال والے نبی علیہ السلام کے گھر میں بھی مہینوں تک چولہا روشن نہ ہوا۔ الیاس علیہ السلام خشک لبوں اور بیابان نوردوں کو سیراب کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہی ہیں کہ سنگلاخ زمینوں پر معرفت کے چشمے بہا دیئے اور ہر ایک تفسیدہ لب کے سامنے جامِ کوثر لے کر خود آگے بڑھتے۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی عمارت کو مکمل کیا۔ حضور ﷺ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر جن وانس وملائک کا مرکز عبادت اور مسمرِ عبادت قرار دیا۔ یونس علیہ السلام تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور نبی ﷺ تین شبانہ روز غار کے پیٹ میں سکون پذیر ہوئے۔

یونس علیہ السلام کی زبان پر استغفار تھا اور حضور ﷺ کی زبان معیت الٰہی کے عرفان سے گہر ریز تھی۔

لوط علیہ السلام کے مواعظہ تحریم خبائث پر مشتمل تھے۔ نبی ﷺ نے بھی اس بارہ میں سعی بلیغ اور کوشش کامل فرمائی۔ مقدمات زنا کو بھی حرام ٹھہرایا اور ان اسباب وذرائع کو بھی جو فسق وفنا تک پہنچانے والے ہیں، داخل محرمات کیا۔ حتیٰ کہ امت کے سامنے تقویٰ کا وہ بلند ترین مقام رکھ دیا کہ ہر ایک بندہ رحمٰن امام المتقین بننے تک اپنی ہمت وارادہ اور عزم اور سعی کو ترقی دے سکے۔

ناظرین جب دیکھیں گے کہ آیت زیر عنوان نبی ﷺ کو ان جملہ صفات عالیہ کا جامع بتلا رہی ہے تو انہیں بوثوق تام اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ مقام جامع بھی نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ

فصل سوم

خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ

صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً)) [1]

''مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ ۱: ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ ۲: ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے، جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ۳: غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ ۴: مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ۵: پہلے نبی اپنی قوم کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔''

صحیح مسلم کی روایت میں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے: ((فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ)) فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں أُعطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ نمبر ۱ پر اور خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ نمبر ۶ پر ہیں نمبر ۲ میں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ اور نمبر ۳ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ نمبر ۴ پر جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا نمبر ۵ پر أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ہیں۔ [2]

صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابو ہریرہ میں جَوَامِعَ الْكَلِمِ اور نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ کے بعد خزائن الارض کی مفاتح کا خواب میں حضور ﷺ کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے۔ [3]

جملہ روایات پر اجمائی غور کرنے سے آٹھ امور حاصل ہو جاتے ہیں:

(۱) نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (۲) روئے زمین کا مسجد وطہور ہونا (۳) حلت مغانم (۴) عطائے منصب شفاعت (۵) بعثت عامہ (۶) عطیہ جوامع الکلم (۷) ختم نبوت (۸) خزائن ارض کی کلید ہا کا حضور ﷺ کے سامنے خواب میں رکھا جانا۔

لہٰذا ہر ایک کے متعلق مختصراً گزارش کیا جائے گا۔

اول: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ

نبی ﷺ کے ۲۳ سالہ عہد نبوت پر نظرِ غائر ڈالو۔ سرور عالم ﷺ تبلیغ و دعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر اور آبادی مکہ سے

---

[1] بخاری، کتاب التیمم، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: فلم تجدوا ماء...... ، حدیث:۳۳۵؛ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث:۱۱۶۳۔ [2] مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب المساجد، حدیث:۱۱۶۷۔

[3] بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب قول النبی ﷺ نصرت بالرعب، حدیث:۲۹۷۷؛ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث:۱۱۶۸۔

باہر یکہ وتنہا رات ہو یا دن تن تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے، مگر کسی شخص کو حضور ﷺ پر جاں ستاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزار ہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا، حضور ﷺ جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا۔

مکہ سے دور دراز قبائل میں جو خشونت، اخلاق اور خون ریزی و بے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے حضور ﷺ نے تبلیغ کے لیے متعدد چکر لگائے۔ اس سفر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی بھی حضور ﷺ کا ہمرکاب نہ ہوتا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی ان قبائل کو کچھ تعارف نہ تھا۔ آپ ﷺ ہر جگہ دعوت فرماتے۔ ہر ایک پر حجت الٰہیہ ختم کرتے اور کوئی بھی حضور ﷺ کے سامنے برسر پیکار نہ آتا۔

آغاز سفر ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلے کا بہادر دشمنوں نے جمع کر لیا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا رعب تھا کہ تختے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ ساری رات اس انتظار میں پوری کر دی کہ حضور ﷺ خود ہی باہر تشریف لائیں تو یہ حملہ کریں جب حضور ﷺ تن تنہا باہر بھی نکلے تو شَاهَتِ الْوُجُوْهُ لَا يُنْصَرُوْنَ [1] کے کلام سے ان کو غصہ بھی دلایا اور مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان کے سروں پر بھی پھینک دی۔ بایں ہمہ کسی نے سر نہ اٹھایا اور حضور ﷺ کے چہرہ تاباں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکا۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضور ﷺ کے خلاف ہیں، مگر ان کی سنگباری اور شرارت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ حضور ﷺ کی تقریر نہ ہو سکے۔ آخر وہی اہل طائف ہیں اور وہی ان کا حکمران ابن عبد یالیل، کہ خود مدینہ میں حاضر ہوتے اور داخل اسلام ہو جاتے ہیں۔

نصرت بالرعب کی مثالیں اس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہویدا ہیں۔ یمن سلطنت ایران کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے مگر سلطنت ایران یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا رعب ان کے دل و دماغ پر مستولی تھا۔

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے اور اسی کی مدافعت کے لیے حضور ﷺ عرب کی سرحد تبوک تک تشریف بھی لے جاتے ہیں مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھے ہوئے ایمپرر کا دل خوف سے بھر جاتا ہے اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ وغسان قائم ہیں۔ انہی کے دربار کے شعرائے خاص حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کعب انصاری رضی اللہ عنہ تاج پوش بادشاہوں کو چھوڑ کر بوریا نشین رسول ﷺ کے آستان پر حاضر ہو گئے ہیں۔ مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا کہ اپنے شعرائے خاص کو واپس لینے کے لیے ہی اظہار طاقت کریں اور دربار عالی کے خدام تک کوئی دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔

---

[1] المعجم الكبير، حديث: ٧١٩٢، ج: ٧/ ٢٩٩۔

ذی ظلیم ، ذی یذن کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے اور خزانے بھی معمور ہیں۔ وہ گھر بیٹھے حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ عدوان و سرکشی کا خیال تک بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔

ذوالکلاع حمیری اپنے گھر میں بیٹھا پندرہ ہزار غلاموں سے سجدہ کراتا اور خدا کہلاتا ہے، لیکن ایسے رسول ﷺ سے وہ بھی دل میں ڈر رہا ہے۔ جس نے کئی ایسے دعاوی فرعونیت کو غرقاب کر دیا ہے۔ اس عبدہ و رسولہ' کہلانے کا رعب مسجود و معبود بننے والے کو مغلوب کیے ہوئے ہے۔

نبی ﷺ کی یہ صفت خاص نزدیک و دور ہر جگہ جلوہ گستر تھی۔ امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فقرہ ہے۔ مَنْ رَّاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے یکا یک آ جاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔ [1]

یہ وہ نصرت الٰہیہ تھی جو رعب بن کر حضور ﷺ کی حشمت و عظمت کو دوبالا کر رہی تھی۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ.

دوم: روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا

یہود اپنے کنیسہ اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مجوسی بھی پاک آگ کے آتش کدہ کے بغیر سرگرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے۔ ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی نماز نہ محراب عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبی ہادی کی قبولِ توبہ کے لیے ان کو حاجت ہے۔ ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیا سے بے نیاز ہیں اس لیے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ اور ہر ایک قطعہ ان کی سجدہ ریزی کے لیے موزوں ہے۔ ان پر ﴿ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ [2] کھڑے، بیٹھے اور لیٹے لیٹے ذکر کی حالت طاری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور ﷺ کے لیے مسجد بنا دیا۔

زنہار کہ بیرون روم از سجدہ گہ خویش
آنجا کہ خداہست مرا سجدہ رواہست

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملا جس کی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے، جس کے سامنے ریگستان کا ذرہ ذرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے، جسے ہر شے مظہر جمالی لم یزلی اور مرآۃ جلالی قدسی نظر آتی ہے، جس کے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تحمید ہر وقت گونج رہی ہے، جسے آسمان و زمین کی فضا نعرۂ تکبیر و زمزمہ تہلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی کے لیے تمام روئے زمین مسجد بھی بنا دی گئی۔

طہور سے مراد وضو ہے۔ اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے۔ وضو نماز کے لیے شرط ہے مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں

[1] ترمذی، ابواب المناقب، باب وصف اخر عن علی: ۳۶۳۸۔ [2] ۳/ آل عمران: ۱۹۱۔

وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔

لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وحدہٗ لاشریک لہٗ سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں۔

ضروری تھا کہ انسان حصول طہارت کے لیے کوئی دوسری تدبیر اختیار کرتا۔ انسان مٹی ہی سے بنا ہے، مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس نے بن جانا ہے۔ مٹی ہی مخلوقات کا گہوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے۔ اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنا دیا گیا۔

ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لیے ۳۶ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک گھی بھی ہے، گھی کے سولہ چمچے آگ میں ڈالنے ضروری ہیں۔ ہر ایک چمچہ ۶ ماشہ کا ضرور ہو (ستیارتھ پرکاش)۔

سندھیا کے لیے ہون کی شرط نے اور ہون کے لیے ۳۶ چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے محروم کر دیا ہے۔ مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہو گا وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی۔ خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھیر لینا اس عجز وفقر کو ہی ظاہر کرتا ہے، جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔

الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے تراب روئے زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا اور حضوری بارگاہِ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مہجور نہ ہونے دیا۔

سوم: حلّتِ مغانم

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی فتوحات میں جس قدر مغانم حاصل ہوتے تھے، ان کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ توراۃ میں جانوروں تک کو جلا دینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوۂ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی۔ مال غنیمت جمع بھی ہوا اور تقسیم بھی کیا گیا لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ [1] فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ [2]

”اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا تب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا، اب تم غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔“

دوسری جگہ ہے:

﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ ﴾ [3]

---

[1] یہ اشارہ سورۂ نساء کی آیت ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ﴾ کی طرف ہے۔ [2] ۸/ الانفال: ۶۸ تا ۶۹۔ [3] ۴۸/ الفتح: ۲۰ تا ۲۱۔

’’اللہ نے تم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے لہٰذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیبر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے، تا کہ مؤمنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغانم بہت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شئے پر قدرت والا ہے۔‘‘

یہ مغانم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روما پر فتوحات حاصل کرنے میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں، چونکہ یہ وعدہ مومنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا۔ اس لیے اس وعدہ کا ایفا بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا، جبکہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا بلکہ مؤمنین سے تین وعدے کیے گئے تھے، دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آ سکا تھا۔

تیسرا وعدہ ہدایت صراط مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہد خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

چہارم: عطائے منصب شفاعت

۱: شفاعت شفع سے ہے، شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ جو اسی کی جنس سے ہو، شامل کر دینا۔ اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کا کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

۲: مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے، اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ شفیع ان سب کو جو اسی کے ہو کر رہیں، نعمائے اخروی و دنیوی عطا کر سکتا ہے۔ ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا۔ لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں۔ لہٰذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع زبردست ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا لے گا، لیکن اگر شفیع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا۔ اسی عقیدہ کو کسی پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے۔

ہر روٹھے تب ٹھوڑ ہے گور روٹھے نہیں ٹھوڑ
ہر روٹھے گور میل سی ، گور روٹھے ہرناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ خدا اگر روٹھ جائے گا تب مرشد ملا دے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ❶

''یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرتے ہیں اللہ کے پاس۔''

انہی لوگوں کے حق میں دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ ❷

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیا بنا رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔''

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اسی کو خداوند (مثل خدا) کہتے ہیں، اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے داہنے ہاتھ جا بیٹھا ہے، جو کوئی اسے پکارتا، اس سے مدد مانگتا، اسے اپنا کارساز جانتا ہے۔ اس کو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے بچا لیتا اور بخشوا لیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا اور اس کے رد و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا:

الف: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ ❸

''کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔''

فرمایا:

﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ﴾ ❹

''اس دن سب فرشتے اور جبریل علیہ السلام صف باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا۔ مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔''

اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے۔

ب: ﴿ وَقَالَ صَوَابًا ﴾ ❺

''اور وہ شفیع ٹھیک بات کہے گا۔''

یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔

آیت مَنْ اَذِنَ لَهُ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن و حدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ ❻

---

❶ ۱۰/ یونس: ۱۸۔ ❷ ۳۹/ الزمر: ۳۔ ❸ ۲/ البقرۃ: ۲۵۵۔

❹ ۷۸/ النبا: ۳۸۔ ❺ ۷۸/ النبا: ۳۸۔ ❻ ۱۷/ بنی اسرائیل: ۷۹۔

''تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔''

مقامِ محمود وہی مقام شفاعت ہے کہ جب ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے، تو جملہ اولین و آخرین حضور ﷺ کی حمد کریں گے۔ (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں وہ صحیح حدیث موجود ہے، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ عنہ درج فرمایا ہے کہ [1]

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کریں گے۔ تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر جنت میں ٹھہرایا، پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی لہٰذا آپ آج ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے، وہ کہیں گے نہیں۔ میں نہیں کر سکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں تب لوگ نوح کے پاس جائیں گے نوح کہیں گے نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے وہ کہیں گے نہیں، میں نہیں وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے، کہیں گے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی اور انہیں تورات بھی دی وہ کہیں گے نہیں میں نہیں وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا، پھر کہیں گے کہ عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے میں نہیں تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا، مجھے اذن دیا جائے گا، پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا، وہ جو کچھ چاہے، میری زبان سے کہلائے گا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا! يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ ، يُسْمَعْ لَكَ ، وَسَلْ تُعْطَ ، وَاشْفَعْ ، تُشَفَّعْ اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ، بولو، تمہاری سنی جائے گی، مانگو، تم کو دیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب! اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ

---

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب تعالٰی یوم القیامة مع الانبیاء وغیرھم، حدیث: ۷۵۱۰؛ مسلم، کتاب الایمان، باب أدنی أھل الجنة منزلة فیھا، حدیث: ۴۷۵۔

نبی ﷺ نے پھر یہ آیت ﴿ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ ❶ پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے، وہ یہی مقام ہے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالتخصیص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضور ﷺ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔

لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے اولوالعزم کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم سرور عالم ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے۔ اب جب ہر جگہ سے صاف جواب مل جائے گا تو سب کو بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل، کوئی اولوالعزم بھی حضور ﷺ کا سہیم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

پنجم: بعثتِ عامہ

اس کے متعلق قبل ازیں خصوصیت ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ ❷ کے تحت میں لکھا جا چکا ہے ناظرین اسی کتاب میں اسے ملاحظہ فرمالیں۔

ششم: جوامع الکلم کا عطیہ

بعض اہل قلم نے ''جوامع الکلم'' سے مراد قرآن مجید کو سمجھا ہے کون ہے جو قرآن مجید کے جامع ہونے سے انکار کر سکے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے جسے ''حدیث نبوی'' علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے گا، جو حضور پرنور ﷺ کے دل و زبان سے گوش عالمیاں تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام ''کلامِ نبوت'' ہے۔ مختصر سادہ، صاف، پرصدق معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔

اسی کتاب کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کا اندراج کیا گیا ہے، ناظرین کو تدبر اور تفکر کے بعد کلام نبوی ﷺ کی جامعیت کا حال کھل جائے گا اور بخوبی سمجھ میں آ جائے گا کہ یہ کلام صدق نظام صرف مطلع نبوت ہی سے جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ تیمناً و تبرکاً ایک حدیث درج کی جاتی ہے:

((اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا كَمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی. اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَعِرْضُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَاَجْسَادِكُمْ وَلٰكِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ. اَلَا لَا یَبِیْعُ بَعْضُكُمْ

❶ ۱۷/ بنی اسرائیل:۷۹۔ ❷ ۳۴/ سبا:۲۸۔

عَلٰى بَعْضٍ وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَّلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ)) وَأَخْرَجَهُ السِّتَّةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ. ❶

''خبردار!۔۱: بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔۲: لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا۔۳: اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا۔۴: بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا۔۵: باہمی حسد نہ کرنا۔۶: باہمی بغض نہ رکھنا۔۷: کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا۔۸: اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔۹: مسلم، مسلم کا بھائی ہے، بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے۔۱۰: نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے۔۱۱: انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھا کرے۔۱۲: مسلم کا مال، خون، عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے۔۱۳: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔۱۴: دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے۔۱۵: خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔۱۶: اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔۱۷: مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔''

خصوصیت معراج

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ ❷

معراج نبوی ﷺ کا ذکر اس کتاب کی جلد اول میں بھی کیا جا چکا ہے اور جلد دوم میں بھی، ہر دو مقامات پر یہ واقعہ الگ الگ اسلوب سے بیان ہوا ہے۔

اب اس مضمون ''خصائص النبی ﷺ'' میں بھی اس عنوان کا شامل ہونا ضروری تھا الحمد للہ کہ اس جگہ تیسرے طرز بدیع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ناظرین یاد رکھیں کہ معراج نبوی ﷺ ان خصوصیات میں سے ہے جس میں اور کوئی نبی و رسول حضور ﷺ کا سہیم نہیں۔

---

❶ بخاری، کتاب الأدب، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر، حدیث:٦٠٦٤، ٦٠٦٥؛ بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم، حدیث:٢٤٤٢؛ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن والتجسس، حدیث: ٦٥٣٦، ٦٥٣٧، ٦٥٣٨، ٦٥٣٩، ٦٥٤٠؛ ابوداود، کتاب الادب، باب فی ھجرۃ الرجل أخاہ حدیث:٤٩١٠، ٤٩١١؛ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی سوء الظن، حدیث: ١٩٨٨ وباب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم، حدیث: ١٩٢٧؛ ابن ماجة، کتاب الزھد، باب الحسد، حدیث:٤٢١٣؛ ابوداود، کتاب الأدب، باب فی الظن، حدیث:٤٩١٧۔

(نوٹ یہ حدیث بعینہٖ ان الفاظ میں ایک ہی متن میں مجھے نہیں مل سکی، البتہ حدیث مذکور کے تمام جملے ان مذکورہ حوالوں میں متفرق آ گئے ہیں۔)

❷ ١٧/ بنی اسرائیل:١۔

لفظ معراج کا مادہ ''عروج'' ہے۔ چونکہ احادیث میں الفاظ عُـرِجَ لِـیْ استعمال فرمائے گئے تھے۔ لہٰذا اس واقعہ مبارکہ کے لیے لفظ ''معراج'' خاص ہو گیا۔

لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں، چونکہ عروج وارتقا منزل بہ منزل ہوا تھا۔ لہٰذا واقعہ باطنی کے لیے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔

تعددِ معراج

علما میں سے بعض تعدد معراج کے قائل ہوئے ہیں اور لفظ ''اسریٰ'' ولفظ ''معراج'' کے معانی کا فرق بتلایا ہے اور اسی لیے انہوں نے ان واقعات کے لیے مختلف سالوں اور مہینوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے محقق ہیں، اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ تعددِ معراج کا قول مطلقاً بے سند ہے اور احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بھی مخالف ہے۔

تعیین زمانہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تین سال قبل از ہجرت تھی۔ دوسری روایت ہے، طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات فرضیت نماز پنجگانہ سے پیشتر تھی (بخاری عن عائشہ) نتیجہ یہ ہوا کہ واقعہ معراج بعد از وفات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھا اور اس واقعہ کو ہجرت سے تین سال زیادہ کا تاخر نہیں دے سکتے۔

ذکر ہجرت کا آغاز عقبہ کی اس اولین ملاقات سے جس میں انصار کے صرف چھ اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے، شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا واقعۂ معراج کو ہجرت سے قریب ترین تعلق ہے۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کو دیباچہ الاستیعاب میں ۵۲ھ ولادت نبوی کا بتلایا ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی تفصیلی بحث انہوں نے کتاب ''التمہید'' میں کی ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری اور امام نووی (تبعاً للرافعی) نے معراج کے لیے ماہ رجب کا تعین کیا ہے۔

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی (وفات ۱۳ ربیع الآخر ۶۰۰ھ) نے ستائیسویں رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ معراج ستائیسویں رجب ۵۲ھ ولادت نبوی کو ہوا تھا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے متعلق ۲۳ سالہ جنتری خود تیار کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ماہ رجب ۵۲ھ کا پہلا دن جمعہ تھا۔ لہٰذا ستائیسویں رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہار شنبہ تھا اور اسلامی تاریخ سے شب معراج بھی چہار شنبہ تھی۔

راویانِ احادیثِ معراج مع حوالہ کتب احادیث

ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کن کن دواوین حدیث میں مروی ہے۔

د۔ احمد، ابو یعلی، ابو نعیم، ابن مردویہ — من طریق عکرمہ عن ابن عباسؓ
و۔ ابن مردویہ — من طریق شہر بن حوشب

۱۔ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ا۔ صحیح بخاری و ابن جریر — بطریق شریک بن عبداللہ عن انسؓ
ب۔ صحیح مسلم — بطریق ثابت عن انسؓ
ج۔ نسائی و ابن ماجہ — بطریق یزید بن مالک عن انسؓ
د۔ ابن ابی حاتم — بطریق دیگر از یزید بن ابی مالک
ہ۔ ابن جریر و ابن مردویہ — بطریق عبدالرحمٰن بن ہاشم عن انس
و۔ احمد و ترمذی، بیہقی و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن مردویہ، ابو نعیم — بطریق قتادہ عن انسؓ
ز۔ ابو داؤد و احمد — بطریق عبدالرحمٰن بن جبیر عن انسؓ
ح۔ ابن مردویہ — بطریق قتادہ و سلیمان التیمی و علی بن زید عن انسؓ
ط۔ ابن سعد، سعید بن منصور، بزار، بیہقی، ابن عساکر — عن ابی عمران الجونی عن انسؓ

۲۔ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، صحابی بن صحابی

ا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم — عن جابر

۳۔ حدیث ابن عباس

ا۔ صحیحین — من طریق قتادہ عن ابی العالیہ عن ابن عباسؓ
ب۔ صحیح مسلم — ایضاً عن ابن عباسؓ
ج۔ احمد، ابو نعیم، ابن مردویہ — من طریق قابوس عن ابیہ عن ابن عباس بسند صحیح
ہ۔ احمد، نسائی، بزار، طبرانی، بیہقی، ابن مردویہ، عن ابن عباسؓ — من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ

۴۔ احادیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

ا۔ صحیح بخاری — من طریق علقمہ عن ابن مسعودؓ
ب۔ صحیح مسلم — من طریق مرۃ الہمدانی عن ابن مسعودؓ
ج۔ صحیح مسلم و بیہقی و ابو نعیم — من طریق زر عن ابن مسعودؓ
د۔ احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور و حاکم — من طریق مؤثر بن غفار عن ابن مسعودؓ
ہ۔ ترمذی و ابن مردویہ — من طریق عبدالرحمٰن عن ابن مسعودؓ
و۔ بزار، ابو یعلیٰ و حارث بن ابی اسامہ، طبرانی ابو نعیم، ابن عساکر — من طریق علقمہ عن ابن مسعودؓ

۵۔ حدیث مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ [1]

ا۔ صحیح بخاری و مسلم و احمد و مالک — من طریق قتادہ عن انسؓ

۶۔ حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ

ا۔ صحیحین — من طریق الزہری عن انس قال کان ابوذر یحدث بسندہ عن ابی ذر

۷۔ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

ا۔ صحیح مسلم و احمد و ابن مردویہ — من طریق ابی سلمہ
ب۔ احمد، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ — من طریق ابی الصلت
ج۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار، ابو یعلی، بیہقی — من طریق ابی العالیۃ عن ابی ہریرہؓ

۸۔ حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

ا۔ عمار بن شیبہ، ترمذی حاکم و صححاہ و نسائی و ابن جریر و ابن مردویہ، بیہقی — عن حذیفہ

۹۔ حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

ا۔ ابن مردویہ — عن سمرہؓ

۱۰۔ حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

ا۔ ابن عساکر — عن سہل بن سعدؓ

۱۱۔ حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

ا۔ ابن ابی حاتم بیہقی و صححہ بزار طبرانی، ابن مردویہ — عن شدادؓ

---

[1] نہایت قلیل الروایت ہیں یہی ایک حدیث ان سے بطریق صحیح محفوظ ہے۔ جو نہایت اتقان سے مروی ہے۔

۱۲۔حدیث صہیب رضی اللہ عنہ

ا۔طبرانی،ابن مردویہ عن صہیب بن سنانؓ

۱۳۔حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ

ا۔ابوداؤد،طبرانی(اوسط) بیہقی عن ابن عمرؓ

۱۴۔حدیث ابن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ

ا۔ابن مردویہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

۱۵۔حدیث عبداللہ بن اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ صحابی ابن صحابی

ا۔بزار،ابن قانع،ابن عدی بغوی،ابن عساکر عن عبداللہ بن اسعدؓ

د۔ابن مردویہ من طریق سلیمان التیمی

ہ۔سعید بن منصور ، ابن سعد طبرانی(اوسط)ابن مردویہ عن ابی وہب مولی ابی ہریرہؓ

۱۶۔حدیث ابوایوب رضی اللہ عنہ

ا۔ابن ابی حاتم،ابن مردویہ عن ابی ایوبؓ

۱۷۔حدیث ابی حبہ رضی اللہ عنہ

ا۔طبرانی،ابن قانع،ابن مردویہ عن ابی حبہ

۱۸۔حدیث ابی العمراء رضی اللہ عنہ

ا۔طبرانی ابن قانع،ابن مردویہ عن ابی العمراء

۱۹۔حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

ا۔ابن جریر،ابن المنذر ابن ابی حاتم ،ابن مردویہ بیہقی، ابن عساکر من طریق ابی ہارون العبدی

ب۔ابن مردویہ من طریق ابی نضرۃ عن ابی سعید

ج۔ابن مردویہ من وجہ آخر عن ابی نضرۃ

د۔ابن مردویہ من وجہ آخر من طریق علقمہ عن ابی سعید

۲۰۔حدیث ابی یعلی رضی اللہ عنہ

ا۔طبرانی(اوسط)ابن مردویہ من طریق محمد بن عبدالرحمٰن

۲۱۔حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ا۔ابن مردویہ،حاکم وصححہ،بیہقی من طریق زہری عن عروہ

۲۲۔حدیث اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہا

ا۔ابن مردویہ من طریق یحییٰ بن عباد

۲۳۔حدیث ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا

ا۔ابن اسحٰق،ابن جریر، عن الکلبی عن ابی صالح عن ام ہانیؓ

۲۴۔حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ا۔احمد عن عبید بن آدم عن امیر المؤمنین عمرؓ

ب۔ابن مردویہ من طریق مغیرہ بن عبدالرحمٰن

۲۵۔حدیث ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ

ا۔ابونعیم عن محمد بن کعب القرظی عن ابی سفیان بطریق الیمیا(موقوف)

۲۶۔حدیث امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

ا۔طبرانی من طریق الحسین عن ابیہ

ب۔ابونعیم من طریق محمد بن الحنفیہؒ

ج۔ابن مردویہ من طریق زید بن علی عن آبائہ عن علی

۲۷۔حدیث عبدالرحمٰن بن قرط الثمالی رضی اللہ عنہ

ا۔سعید بن منصور، طبرانی ابن مردویہ،ابونعیم(فی المعرفہ) عن عبدالرحمٰن بن قرط

۲۸۔حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ

ا۔ترمذی،حاکم وصححہ،و ابونعیم،ابن مردویہ،بزار عن بریدہؓ

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جس قدر راویان حدیث ہیں، ان میں مکی مہاجر بھی ہیں اور مدنی انصار بھی۔ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا لیکن یہ خیال غلط ہے کہ انصار اصحاب رضی اللہ عنہم نے بعد میں جو کچھ بیان کیا، وہ مہاجرین سے سنا ہوا تھا۔

اول تو راوی صحابہ کی خود صراحت کہ انہوں نے حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچایا، اس بارے میں کافی دلیل ہے۔

دوم یہ قدرتی امر ہے کہ جب انصار کبار نے معراج کے متعلق اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ سنا تو ان کے شوق و ذوق کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ خود سرور عالم ﷺ کی زبان سے سننے کی درخواست کرتے، جیسا کہ محدثین میں ہمیشہ علو اسناد کے حاصل کرنے کا شوق پایا گیا ہے۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایات میں صراحۃً اس کی بابت الفاظ موجود ہیں۔ حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ میں ہے قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ أُسْرِيَ بِكَ لفظ قُلْنَا پر غور کرنا چاہیے کہ یہ درخواست ایک مجمع صحابہ کی طرف سے تھی۔

صحیحین کی [1] روایت مالک بن صعصعہ میں ہے۔ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَدَّثَهُمْ (خود نبی کریم ﷺ نے ان سے حدیث بیان فرمائی)۔

لہٰذا معراج کی احادیث مرفوعہ خواہ ان کے راوی مہاجرین ہیں یا انصار سب کی سب نبی ﷺ سے سنی ہوئی ہیں۔

بعض صحابہ مثلاً ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ایسے بھی ہیں، جنہوں نے نبی ﷺ سے روایت براہ راست بھی کی ہے اور بالواسطہ کسی دوسرے صحابی سے بھی۔ ان کی طرف سے ہر دو گونہ روایات ہیں۔ اس تمیز کا قائم رکھنا بھی ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے مرسل کو مرفوع کہنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔ یہ امر اور بھی موجب اطمینان ہے کہ صحیحین کی احادیث واقعہ معراج کے متعلق زیادہ مکمل اور زیادہ مفصل ہیں۔

اب واقعات معراج کو بیان کیا جاتا ہے

۱: صحیح مسلم کی حدیث میں طریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ میں ہے: ''میں سواری پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا۔ جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں جا کر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کی طرف عروج ہوا۔'' [2]

۲: ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس رضی اللہ عنہ میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ ''میرے پہنچ جانے کے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی صفیں درست ہوئیں۔ میں انتظار میں تھا کہ نماز کون پڑھائے گا۔ جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ بعد از نماز جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں

---

[1] بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل وهل اتاك حديث موسى، حديث: ٣٣٩٣؛ مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ، حديث: ٤١٦۔ (مسلم میں یہ الفاظ نہیں ہیں)۔

[2] مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ، حديث: ٤١١۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ سب وہ انبیا علیہم السلام ہیں جو منجانب اللہ مبعوث ہو چکے۔"

۳: امام احمد کی روایت عن عبید بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ

"جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے، تب کعب سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے۔اس نے کہا صخرہ کے پیچھے۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کہا۔نہیں، میں وہاں پڑھوں گا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔"

۴: مالک بن صعصعہ کی حدیث من طریق انس رضی اللہ عنہ بھی صحیحین میں موجود ہے۔ [1]

مالک بن صعصعہ نہایت قلیل الروایہ ہیں، حتیٰ کہ اکثر محدثین کا خیال ہے کہ اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث مروی ہی نہیں۔ایسے بزرگوار نے حدیث کو نہایت اتقان کے ساتھ یاد رکھا اور روایت کیا ہوگا۔کیونکہ ان کی ساری عمر کی کمائی یہی ہے اور غالباً یہی پختہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے خود مرفوعاً روایت کرنے کے بعد بھی بزرگوار ابن صعصعہ سے روایت کرنا اپنے لیے موجب فخر ومسرت سمجھا۔اب مالک بن صعصعہ والی حدیث ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (قتادہ نے لفظ "حطیم" کی جگہ کہیں لفظ "حجر" بھی استعمال کیا ہے)۔دونوں نام ایک ہی مقام کے ہیں (یعنی خانہ کعبہ کے اندر کی وہ زمین جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا)۔جب آنے والا (جبرئیل علیہ السلام) میرے پاس آیا۔اس نے اپنے ساتھی (میکائیل) سے کہا کہ ان تین میں سے درمیان والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔پھر وہ میرے پاس آیا، سینہ سے لے کر زیر ناف تک میرا جسم شق کیا۔پھر سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے پر تھا۔میرے قلب کو دھویا اور ایمان وحکمت سے بھر دیا۔پھر زخم درست کر دیا، پھر میرے لیے سواری لائی گئی، جس کا قد خچر سے کم اور حمار سے اونچا تھا۔اس کا قدم اس کی حدِ بصر تک پڑتا تھا مجھے سوار کیا گیا۔جبرئیل علیہ السلام میرے ساتھ ساتھ چلا۔آسمان دنیا تک مجھے لے کر پہنچ گیا۔دروازہ کھلوایا، اندر سے پوچھا کون ہے؟ کہا جبرئیل، کہا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کہا، کیا آپ کو بلوایا گیا؟ جبرئیل نے کہا ہاں۔فرشتوں نے مرحبا کہا اور کہا کہ خوب تشریف لائے۔دروازہ کھلا، میں اندر گیا تو وہاں آدم علیہ السلام تھے۔جبرئیل نے کہا، یہ تمہارے ابا آدم علیہ السلام ہیں۔سلام کیجئے، میں نے سلام کیا۔انہوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح فرما کر مرحبا بھی کہا۔

پھر جبرئیل دوسرے آسمان تک پہنچا۔دروازہ کھلوایا (وہی گفتگو پہلے آسمان والی ہوئی) میں اندر گیا تو وہاں یحییٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام تھے، یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔جبرئیل نے بتایا کہ یہ یحییٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام ہیں، سلام کیجئے۔میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا بھی کہا۔

پھر تیسرے آسمان پر گئے (وہی گفتگو ہوئی، دروازہ کھلا)۔وہاں یوسف علیہ السلام تھے، سلام وجواب کے بعد انہوں نے بھی اخ صالح و نبی صالح کے الفاظ میں مرحبا کہا۔پھر جبرئیل چوتھے آسمان تک بلند ہوا۔دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا کون؟ کہا جبرئیل، پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کیا بلوائے گئے ہیں؟ کہا ہاں۔فرشتوں نے مرحبا کہا اور میرے جانے پر اظہار خوشی کیا۔اندر گئے تو وہاں ادریس علیہ السلام تھے۔میں نے سلام کیا۔انہوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔اسی طرح

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب فی المعراج، حدیث:۳۸۸۷؛ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ٤١٦۔

پانچویں آسمان والے فرشتوں کی بات جبرئیل سے ہوئی۔ میں اندر گیا وہاں ہارون علیہ السلام ملے۔ سلام کا جواب دے کر مجھے اخ صالح و نبی صالح کے ساتھ مرحبا کہا۔

اسی طرح چھٹے آسمان پر جبرئیل اور فرشتوں کی گفتگو ہوئی۔ میں اندر گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملے، میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

میں ان سے آگے کو چلا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے، پوچھا گیا کہ تم کیوں روئے؟ کہا یہ نو جوان میرے بعد نبی ہوا اور اس کی امت کے لوگ میری امت سے، بہت زیادہ تعداد میں داخل جنت ہوں گے۔

پھر ساتویں آسمان پر جبرئیل پہنچا۔ فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور وہاں میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک اٹھایا گیا۔ اس کا پھل بڑی چاٹیوں جیسا اور اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے بڑے ہیں۔ جبرئیل نے بتایا کہ سدرۃ المنتہیٰ یہی ہے۔ وہاں چار نہریں دیکھیں، دو اندر بہتی تھیں، دو کھلم کھلی، جبرئیل نے بتایا کہ اندر اندر چلنے والے دریا تو بہشت کے دریا ہیں، کھلے چلنے والے نیل و فرات۔

پھر سامنے بیت المعمور نمودار ہوا۔ قتادہ جو راوی حدیث ہیں انہوں نے کہا حسن نے ہم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں، اور پھر لوٹ کر نہیں آتے: اس قدر ایزادی کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ نے پھر حدیث انس رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میرے سامنے شراب، دودھ اور شہد کے برتن پیش کیے گئے۔ میں نے دودھ لے لیا۔ جبرئیل نے کہا یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ کی امت ہے۔ پھر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ روزانہ پچاس نمازیں۔ پھر میں نیچے آیا اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں روزانہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت میں اس کی استطاعت نہ ہوگی اور میں قبل ازیں لوگوں کا امتحان کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی تدبیر کرتا رہا ہوں۔ آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے، میں واپس آ گیا۔ دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ میں نے لوٹ کر یہی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا، وہ بولے کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا اور دس نمازوں کی تخفیف کر دی گئی، میں نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو یہی آ کر بتلایا، انہوں نے کہا کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا، تب دس نمازوں کی اور تخفیف کر دی گئی۔ انہوں نے پھر کہا کہ واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں اسی طرح جاتا رہا حتیٰ کہ پانچ نمازوں کا حکم ہو گیا اور میں نے موسیٰ کو یہ بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت میں اس کی استطاعت بھی نہ ہوگی۔ مجھے لوگوں کا خوب تجربہ ہے اور میں نے بنی اسرائیل کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں لہذا واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کرتا شرمسار بھی ہو گیا ہوں، اب تو میں اسی کو خوشی سے مانوں گا اور تسلیم کروں گا، اس وقت پکارنے والے کی ایک آواز آئی کہ میں نے اپنے فریضہ کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی

کردی۔ ❶

۵: شیخین کی حدیث عن زہری عن انس رضی اللہ عنہ میں مزید یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا کرتے تھے کہ ❷

آدم علیہ السلام جب دائیں جانب دیکھتے، تب ہنستے اور جب بائیں جانب دیکھتے تب روتے۔ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر بتلایا کہ دائیں، بائیں اولادِ آدم کی ارواح ہیں۔ دائیں جانب اہل جنت ہیں، بائیں جانب اہل نار، دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں کو دیکھتے ہیں تو روپڑتے ہیں۔

۶: زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے مجھے بتلایا کہ ابن عباس اور ابوحبۃ الانصاری یہ بھی کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مجھے بلندی پر لے جایا گیا اور میرے سامنے مستوی آ گیا، میں صریف الاقلام سنتا تھا۔ ❸

پانچ نمازوں کی تعیین کے بعد موسیٰ علیہ السلام بھی میرے ساتھ چلے۔ میں سدرۃ المنتہیٰ پر واپس آیا، اس پر ایسے رنگا رنگ الوان پڑ رہے تھے کہ جن کی صفت بیان سے باہر تھی۔ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، جس کی کنکریاں آبدار موتی ہیں اور جس کی زمین مشک خالص کی ہے۔

ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء کی ملاقات کا راز

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیا علیہم السلام کی ملاقات بہت سی نصائح دینی پر مشتمل ہے۔

۱: پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہانِ عالم معزز مہمان کے اکرام کے لیے اپنی سرحد خاص سے لے کر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امرائے عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں، اسی طرح ان انبیائے کرام علیہم السلام کا تعین بھی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔

۲: آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں، اول الانبیاء ہیں۔ اس لیے ان کا تعلق آسمان اول سے ایک خصوصیت رکھتا ہے، آدم علیہ السلام ہیں جن کو ترک جنت کا الم اٹھانا پڑا۔ مگر جب زمین پر آئے اور خلافت الارض کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد ورفقا سے زمین آباد ہوگئی، تب ان کا وہ الم مبدل بہ سرور ہوگیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی أَحَبُّ الْبِلَادِ عِنْدَ اللّٰهِ کو ترک کرنے والے تھے، لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعت اسلام اور نشر علوم کا سبب تھی۔ یہیں سے نصرت وفتح کے اعلام بلند ہوئے اور یہی بلدہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا کا بھی مستقر ثابت ہوا۔

۳: یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں قرابت بھی ہے۔ مسیح علیہ السلام نے اصطباغ بھی یحییٰ علیہ السلام سے پایا تھا۔ احوال زہد و محنت میں بھی دونوں متحد الاحوال ہیں۔ اس لیے وہ دونوں ایک ہی مقام پر جمع تھے اور دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و توکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھلانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے اپنا کام عیسیٰ مسیح علیہ السلام پر چھوڑا تھا اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے اکمال صداقت اور اتمام حقانیت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

۴: یوسف علیہ السلام کے احوال مبارکہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت کلی ہے۔ دونوں صاحب الجمال والکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات

---

❶ یعنی نمازیں پانچ اور ثواب پچاس کا۔ ❷ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ذکر ادریس، حدیث:۳۳۴۲؛ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۴۱۵۔ ❸ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ذکر ادریس، حدیث:۳۳۴۲۔

ساتھ دینے پڑے، دونوں میں عفوو کرم کا وفور ہے، دونوں نے اخوان جفا پیشہ کو ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ ❶ کے مژدہ سے جان بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر و حکومت ہیں اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

۵: چوتھے فلک پر ادریس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ کثرت درس اور توغل تعلیم اور شغف تدریس میں ادریس علیہ السلام کا خاص درجہ ہے۔ اور یہی کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ❷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

۶: پانچویں پر ہارون علیہ السلام ملے۔ ہارون اپنی قوم وامت میں ہر دلعزیز اور محبوب قلوب تھے، ہارون مسجد کے امام تھے۔ ہارون تفرقہ و فرقہ بازی کو سب سے برا سمجھتے تھے اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں، جن کے انوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں واضح و آشکار ہیں۔

۷: چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی یہ صاحب شریعت بھی ہیں، صاحب کتاب ہیں، غازی و مجاہد ہیں۔ مہاجر و مناظر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان محاسن میں مشابہ تر ہیں۔ ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیا سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

۸: ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نظر آئے، یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور بیت المعمور کے مہتمم ہیں۔ یہی امام خلق ہیں، خلیل الرحمٰن ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو ارجاس اوثان سے پاک کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کعبہ کو قبلۂ نماز بنایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ملت حنیفیہ کو زندہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مناسک حج کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حلیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔

رفعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مقام محمود والے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ((اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ)) ❸ فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

اول: سورۂ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ ❹

کلمہ ''سُبْحَانَ'' تنزیہ کے لیے آتا ہے اور شروع کلام میں اس لیے لایا گیا ہے کہ جن واقعات بعد کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ اللہ کی قدرت اور طاقت اس کو ظہور میں لانے سے عاجز و درماندہ نہیں۔ لیلًا کی تنوین رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔

---

❶ ۱۲/ یوسف:۹۲۔ ❷ ۶۲/ الجمعة:۲۔ ❸ مسند ابی یعلی الموصلی اول مسند ابن عباس، حدیث:۲۳۲۸؛ صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب الحوض والشفاعة ذکر الاخبار بأن الانبیاء اولهم واخرهم یکونون تحت لواء المصطفی؛ ترمذی، ابواب المناقب باب سلوا الله لی الوسیلة، حدیث:۳۶۱۵؛ دارمی، مقدمة باب ما أعطی النبی ﷺ من الفضل، حدیث:۴۸۔
❹ ۱۷/ بنی اسرائیل:۱۔

بَارَكْنَا حَوْلَهٗ اسی مقام کے قرب و جوار میں اشجار مثمرہ اور انہار جاریہ اور شجرہ مبارکہ زیتون کی کثرت ہے، اسی کا حوالی انبیائے کثیر کا محبط وحی اور معجزات باہرات کا مصدر رہا ہے۔

مِنْ اٰيٰتِنَا سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال و ادبار اور شرف و ذلت کی زندہ زبان ہیں۔

اور وہ نشانات عظمیٰ بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے عروج کے بعد ملکوت السمٰوٰت والارض میں ملاحظہ فرمائے۔

دوم: سورۃ النجم میں ذکر ہے، مندرجہ ذیل آیات پر تدبر کرو۔

(الف) ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝﴾ ❶ ''اس نے اپنے رب کی ان آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ''کبریٰ'' بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں۔''

اس کے تحت جبرئیل کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہیٰ اور اس پر چھا جانے والی انوار قدسیہ کا بصورت تجلی یا جنت و نار کا بہیئت موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیلی معائنہ کچھ بھی لکھ دیا جائے۔ لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ کبریٰ کے سامنے کم ہی ہوں گے، اس لیے ان کا حصر و تعقل دشوار ہے۔

(ب) ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝﴾ ❷ اس آیت میں نبی ﷺ کے شوق دید کا بھی بیان ہے اور مراعات حسن ادب کا بھی ذکر ہے۔ اور نبی ﷺ کے ثبات و وقار اور تحمل و استعداد رؤیت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ کے حال میں فرمایا گیا ہے ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾ ❸ ''جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔''

سیدنا حضرت محمد ﷺ خوب آنکھیں بھر کر ان انوار کو دیکھ رہے ہیں۔ مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے نہ ادھر ادھر تاکتی ہے۔ قوت ربانیہ متوجہ نمائش ہے اور بصارت محمدیہ ﷺ کمال قوت نظارہ کے ساتھ وقف دید۔

(ج) ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝﴾ ❹ ''جو کچھ آنکھوں نے دیکھا، دل نے اسے نہیں جھٹلایا'' بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شے کو دیکھتی ہیں اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے۔ مثلاً ہم صبح کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زریں طشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے، اس کا قد و قامت اس وقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ کرہ ارض سے کروڑوں حصے کم ہو گیا لیکن دل کہہ دیتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے، یہ تو زمین سے کروڑوں حصے بڑا ہے اور یقیناً بڑا ہے، ہم پانی کے اندر گری ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔

ہم سورج کی روشنی کو دیکھ کر اسے صرف ایک صاف، سفید روشنی سمجھتے ہیں حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقت اصلیہ کو دیکھ رہی ہے، غلط ہوتا ہے۔ لیکن حقائق کی

---

❶ ۵۳/ النجم:۱۸۔ ❷ ۵۳/ النجم:۱۷۔ ❸ ۷/ الاعراف:۱۴۳۔ ❹ ۵۳/ النجم:۱۱۔

اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین اور وثوق اور اعتبار مجتمع ہو جائے تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز اور بصارت افزا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نظارہ پاک کو جملہ ظنون و شکوک سے برتر اور جملہ صداقتوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیے۔

(د) ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ [1] ''پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجنی تھی وہ بھیجی۔'' آیات بالا میں دیدہ و دل کی کیفیات کا ذکر تھا اس آیت میں گوش و دل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَا أَوْحَىٰ کا لفظ اجمال کے لیے نہیں بلکہ تفخیم کے لیے ہے اس سے تفخیم وحی بھی مقصود ہے اور یُوْحیٰ إِلَیْهِ کی تعظیم بھی۔ اور ان کی عظمت اصلیہ تو لفظ عبد میں پنہاں ہے، پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعہ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اور سورۃ النجم میں بھی لفظ عبد ہی کا استعمال فرمایا ہے، تاکہ مخلوق الٰہی خوب سمجھ لیں کہ اس مقدس ہستی کے لیے بھی جس کی شان ''بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' سے آشکار ہے۔ سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے اور ہم سب کو اسی مقام عبودیت میں ارتقا (بقدر قابلیت و استعداد) کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

﴿لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [2] بے شک اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن.

کے معنی بھی اس نکتہ سے حل ہوتے ہیں، کیونکہ اظہار عبودیت و بیان عجز و افتقار اور تشکل بندگی اور ابتہال کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

بیداری و خواب کی بحث

بعض علماء کو آیت ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ [3] سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیت کا اشارہ معراج کی طرف ہے اور چونکہ اسے رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا معراج کے واقعات خواب میں نظر آئے تھے۔

اس اشکال کو امام لغت ابن وجیہ نے حل کر دیا ہے کہ رؤیت و رؤیا کا استعمال بمعنی واحد ہوتا ہے۔ اہل لغت کا قول ہے رَأَيْتُ رُؤْيَةً وَرُؤْيَا قُرْبَةً وَقُرْبىٰ ہے اب یہ وہم اٹھ گیا کہ رؤیا صرف خواب ہی کے لیے مستعمل ہے۔

زمخشری نے جو ائمہ لغت و معانی و بیان میں سے ہیں۔ اپنی تفسیر کشاف جلد دوم صفحہ نمبر ۱۹۱ پر آیت بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس رؤیا کا تعلق واقعہ بدر سے ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کافر کے گرنے کا نشان و مقام بھی بتلا دیا تھا اور کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو استہزا ہی بتاتے رہے بعد ازاں لفظ قبل کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے:

إِنَّمَا سَمَّاهَا رُؤْيَا عَلَى قَوْلِ الْمُكَذِّبِيْنَ حَيْثُ قَالُوْا لَهُ لَعَلَّهَا رُؤْيَا رَأَيْتَهَا وَخَيَالٌ خُيِّلَ إِلَيْكَ.

لفظ رؤیا کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے۔ وہ معراج کا حال سن سن کر کہتے تھے کہ شاید خواب دیکھا ہوگا، شاید خیال ہوگا۔

---

[1] ۵۳/ النجم: ۱۰۔ [2] ۹۸/ البینۃ: ۵۔ [3] ۱۷/ بنی اسرائیل: ۶۰۔

اس کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ ﴾ ❶ ﴿ أَيْنَ شُرَكَائِيَ ﴾ ❷ ﴿ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴾ ❸

اب محدثین کی سنیئے: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں آیت ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ❹ کے تحت میں بروایت عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ.

''یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو نبی ﷺ کو شب اسریٰ دکھلایا گیا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما بہتر امت محمدیہ ﷺ اور بہ دعائے رسول پاک ﷺ بہترین مفسر قرآن ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لغت و ادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔ ان کا قول ہے:

''میرا ایمان ہے کہ نبی ﷺ کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔'' یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہل سنت محدثین و فقہائے تابعین و صحابہ کا ہے جو لوگ واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں۔ وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں:

عَنِ الشَّيْخَيْنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِيْنَ أُسْرِيَ بِيْ إِلٰى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهٖ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ)) ❺

''صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس تک جانے کو جھٹلایا اور نشانات پوچھنے لگے، تب میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا، اور جو جو نشان وہ پوچھتے تھے، میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔''

یہ ظاہر ہے کہ اگر حضور ﷺ نے واقعات معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان پتے دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور ﷺ کے سامنے ظاہر و جلوہ گر کر دے۔ اور حضور ﷺ اسے دیکھ دیکھ کر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ خواب کے لیے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو اپنی آیات کبریٰ دکھلائیں اور وراء الوراء کی سیر کرائی۔

طے کنم ایں نامہ را گر نکنم چوں کنم!
حوصلۂ خامہ نیست تاب رقم داشتن

---

❶ ۳۷/ الصفت:۹۱۔ ❷ ۲۸/ القصص:٦٢ اور ۷٤۔ ❸ ٤٤/ الدخان:٤٩۔ ❹ میرے سامنے جو صحیح بخاری موجود ہے اور بمقام بمبئی ۱۲٦۸ھ میں لکھی گئی اور ۱۲۷۰ھ میں چھاپی گئی اس میں لفظ رؤیۃ (بالتاء) ہے آیت میں بھی اور تفسیر ابن عباس کے الفاظ میں بھی۔ اس لیے میں نے اس جگہ بالتاء نقل کیا ہے مگر میرے پاس ایک پرانی قلمی صحیح بخاری ہے اس میں وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا کو رسم الخط قرآنی کے مطابق لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ ۱۷/ بنی اسرائیل:٦٠۔ ❺ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حدیث الاسراء، حدیث:۳۸۸٦؛ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام، حديث:٤٧١٠؛ مسلم، کتاب الایمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، حديث:٤٢٨۔

فصل چہارم

معجزات نبویہ ﷺ

لفظ ''معجزہ'' عجز سے بنایا گیا ہے، عجز کا استعمال لفظ قدرت کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے۔ دراصل عجز سے یہ مفہوم لیا گیا ہے ،عجز انسان کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں۔ ﴿ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴾ ❶ میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔ پھر اس عجز سے کسی کام میں مؤخر رہنے کا مفہوم اور پھر اس سے درماندگی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

''عجوز'' اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور کرنے سے درماندہ وعاجز رہ جائے۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب قابیل کے سامنے ایک کوے نے دوسرے کوے پر مٹی ڈال کر اسے زیر خاک کیا۔ تب قابیل بولا:

﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ ﴾ ❷

''افسوس میں تو اس کوے جیسا بھی نہ ہوا! کوے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا۔''

اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار سے فرمایا ہے:

﴿ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ ﴾ ❸

''یاد رکھو! کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو گے۔''

اس لغوی معنی کے بعد لفظ معجزہ کا استعمال عام طور پر انبیاء اللہ کے ان افعال نبوت پر کیا جانے لگا ہے، جو ان کی شان نبوت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بروئے تواریخ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لفظ معجزہ کا استعمال اس خاص معنی میں کس زمانہ سے ہونے لگا اور وہ پہلا کون شخص ہے، جس نے اس مفہوم میں اس کا استعمال کیا۔ مگر اس امر کا مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یا نبی ﷺ کے کلام میں یا کسی دوسرے نبی کے کلام میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں بھی نہیں ہوا۔

اب لفظ معجزہ کی تعریف کی طرف آیئے۔

''معجزہ'' کو معنی معینہ بالا میں معجزہ کہنے والے کہتے ہیں کہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ اس تعریف کے بعد ہی وہ اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا خرق عادت ممکن بھی ہے یا نہیں؟

عادت کے معنی کیے جاتے ہیں: ''استمرار قوانین فطرت۔''

اور خرق کے معنی کیے جاتے ہیں: ''بطلان استمرار مذکورہ۔''

مبحث کے اس مقام پر پہنچ کر اہل قلم چند اصناف پر منقسم ہو جاتے ہیں۔

اول: وہ جو فطرت کے لیے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر بازار معقولات میں خوب خوب

---

❶ ٥٤/ القمر: ٢٠۔ ❷ ٥/ المائدۃ: ٣١۔ ❸ ٩/ التوبۃ: ٢۔

آوازے کسے جاتے ہیں۔

دوم: وہ جو قانون فطرت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے قانون کی تنسیخ (بمعنی خرق) جائز نہیں سمجھتے یہ قسم بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔

الف: جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے۔

ب: وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح نہ سمجھا جائے۔

سوم: وہ ہیں، جو قانون فطرت میں مُستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانون فطرت ہی مان لیتے ہیں۔ اس لیے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے سے اسی قانون کے اندر موجود تھا۔

معجزات سے منکرین یا اولین یا قائلین کا شمار انہیں اقسام ثلاثہ میں آ جاتا ہے۔

ان اقسام ثلاثہ کا تعلق متعلقین لفظ خرق عادت سے تھا۔ لیکن ایسے لوگ بھی جو لفظ معجزہ کی تعریف ''خرق عادت'' سے نہیں کرتے اور لفظ خرق عادت کا استعمال ہی نہیں کرتے۔

وہ صرف یہ کہا کرتے ہیں کہ ''معجزہ نبی اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس وقت دوسروں کو ویسا فعل کرنے سے عاجز بنا دے۔'' اس تعریف میں خدشہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی دوسرے وقت میں کوئی غیر نبی اسی فعل کے کرنے پر قادر ہو جائے تو اس میں بھی صورت التباس پیدا ہو جاتی ہے۔

ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے علمائے محققین نے یہ راہ اختیار کی کہ جب صحف سماویہ میں لفظ ''معجزہ'' اور لفظ ''خرق عادت'' آتے ہی نہیں، تو اس خارزار میں دامن الجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

قرآن مجید تو لفظ آیت کا استعمال کرتا ہے اور انجیل و تورات میں بھی لفظ نشان ہی کا استعمال ہے اس لیے ہم بھی لفظ ''آیت'' ہی استعمال کریں گے۔

استعمال ہذا میں چند فوائد اور بھی ہیں:

ا: لفظ ''آیت'' نہایت وسیع المعنیٰ ہے۔

(الف) اس کا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح علیہ السلام کو آیت بتلایا:

﴿ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ ❶

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتلایا: ﴿ وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ ﴾ ❷ ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ ﴾ ❸

انسانوں کا مٹی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا: ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ﴾ ❹ بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی آیت

---

❶ ''پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی والوں کو نجات دی، اور کشتی کو سب کے لیے ایک نشان بنایا۔'' ۲۹/ العنکبوت: ۱۵۔ ❷ ۳۶/ یٰسٓ: ۳۷۔

❸ ۴۱/ حٰمٓ السجدۃ: ۳۷۔ ❹ ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔'' ۳۰/ الروم: ۲۰۔

فرمایا:﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ ﴾ ❶

آسمان وزمین کی موجودہ بناوٹ واستقامت کو بھی آیت بتلایا:﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ﴾ ❷

امن عامہ کشائش وآسودگی، ترفہ اور سرسبزی کو بھی آیت بتلایا:﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ﴾ ❸

فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے، آیت بتلایا:﴿ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ﴾ ❹

سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بھی آیت بتلایا:﴿ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ﴾ ❺

یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ید موسیٰ علیہ السلام کی نسبت بھی جب کہ ان کا ثعبان اور بیضا ہو جانے کا امتحان کرادیا گیا، فرمایا ہے۔

مادہ پرست، پہلی آیت کو سن کر ان اشیائے مادی کا آیت یا نشان ہونا قابل توجہ بھی نہ خیال کریں گے۔ لیکن اگر ان واقعات کے مقابلہ میں کوئی ایسا واقعہ جس میں ذرا سی ندرت ہو، بیان کیا جائے تو جھٹ اس کا انکار کر بیٹھیں گے اور اسے خرقِ عادت قرار دیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر ایک وہ واقعہ جسے بزبان عوام معجزہ کہا جاتا ہے، فی الواقع آیت ہے۔ جیسا کہ یہ واقعات بھی آیات ہیں جن کو فہم کی نارسائی یا عدم تدبر سے آیت نہیں سمجھا گیا۔

ذرا غور کرو! کیا کشتی نوح علیہ السلام آیت الٰہی نہیں۔ غور سے معلوم ہوگا کہ وہ ضرور آیت ہے۔ ایک ایسے طوفان میں، جس نے طوفان زدہ رقبہ کے پہاڑوں کو بھی چھپالیا ہو، ایک معمولی کشتی کا بچ رہنا، اس کی سواریوں کا جانبر ہونا جیسا کہ قبل ازیں ان کو یقین بھی دلایا گیا تھا۔ حقیقتاً آیت ہے۔

کیا شب وروز کا وجود آیت نہیں۔ رات، اس کی تاریکی، اس کی دہشت، اس کا سکون، رات کو جملہ چرند وپرند، انسان وحیوان کا طبعاً استراحت پذیر ہو جانا کیا قدرت کا بڑا نشان نہیں۔ دن، اس کی روشنی اس کی تجلی اس کے اشغال، زندگی کی ہنگامہ آرائیاں، ہر جاندار شے کا اپنے اپنے مساکن سے نکلنا، طلب روزی وغیرہ کا انہماک کیا قدرت کا نشان نہیں؟

کیا انسان کا مٹی سے مخلوق ہونا آیت قدرت نہیں؟ انسان اپنے لیے ہر ایک چیز مٹی سے بناتا ہے یا ہر ایک چیز مٹی سے پاتا ہے۔ معدنیات، فلزات، جواہرات، اینٹ، پتھر، سیم وزر، گھاس پات، رزق وفواکہ، مکان وایوان سب کچھ مٹی ہی کے ہیں اگر انسان خود مٹی کا نہ ہوتا تو مٹی میں اس کے اتنے حقوق بھی نہ ہوتے۔

کیا بجلی کی چمک آیت نہیں، دن صاف نکھرا ہوا ہے، ہوا اٹکی ہوئی ہے۔ اتنے ہی میں کون سی طاقت ہے جو چلتی ہوئی ہوا کو بند کردیتی ہے۔ سمت مقابل سے دوسری ہوا آتی ہے، وہ بادل کو ساتھ ساتھ لاتی ہے، بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں، آبادی پر چھا جاتے

---

❶ ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے۔'' ۳۰/ الروم:۲۴۔ ❷ ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔'' ۳۰/ الروم:۲۵۔ ❸ ''سبا والوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی۔'' ۳۴/ سبا:۱۵۔

❹ ''تاکہ تو پچھلے آنے والوں کی نشانی بنے۔'' اس لیے تیرا لاشہ باہر پھینکا جائے گا۔ ۱۰/ یونس:۹۲۔

❺ ''یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔'' ۷/ الاعراف:۷۳۔

ہیں، ٹکراتے ہیں، غراتے ہیں، گویا بیسیوں شیر ہیں جو جنگل میں منگل بنا رہے ہیں۔ انسان کے بچے سہم رہے ہیں، دہل گئے ہیں، لوگ کاروبار کو مختصر کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بجلی بھی کوندنے لگتی ہے، وہ چمکتی ہے تو سینکڑوں کوس تک روشنی پھیل جاتی ہے۔ مسافر ڈرتا ہے اور زمیندار بے اختیار خوشی سے ہنس رہا ہے کہ اب خوب برسے گا، غلہ آئے گا، قحط ٹوٹے گا، قرض ادا ہوگا، بیٹے بیٹی کا فرض بھی اتار سکوں گا۔

ایک ہی چیز ہے جس نے خوف و طمع کے مختلف تاثرات پیدا کر دیئے ہیں، اب وہی بجلی ہے۔ جو ٹیلیگراف میں کام کرتی ہے جو لاسلکی اخبار کے لیے تجربہ میں آ چکی ہے، وہی بجلی ہے جس نے رونٹجن بن کر گوشت کے نیچے چھپے ہوئے اعصاب اور استخوان کو آنکھ کے سامنے کر دیا ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ کیا کیا نشان دکھلائے گی اور کن کن علوم میں ''آیت'' بن کر درخشاں ہوگی۔

کیا اس زمین کا قیام آیت نہیں؟ اگر زمین کی حقیقت یہی ہے کہ وہ سورج میں سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے، تو اس کا بہ عہد ماضی سورج ہی کا جزو اور جزو ہو کر گرم و درخشاں ہونا ضرور ایک نشان تھا اور پھر اس گرمی و درخشندگی سے قطعی جدا ہو کر ایک اور صورت میں جلوہ گر ہو جانا ضرور دوسرا نشان ہے، کیا یہ نشان لاٹھی سے سانپ اور سانپ سے لاٹھی کے نشان سے کم ہے؟

کیا عالم بالا کا وجود اور اس وجود کا قیام آیت نہیں؟ ہزار در ہزار، ثوابت و سیار کا مقررہ دور، مقررہ انضباط کے ساتھ چلنا پھرنا، موسموں کا تغیر اور لیل و نہار کا انقلاب ظہور میں آنا کیا آیت نہیں؟

ہاں قدرت الٰہیہ کی ہر شے آیت ہے اور جب عوام کے اذہان و افہام اسے آیت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، تو انبیائے کرام کے بیان سے ان کا آیت ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

مجھے ان سب معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں، جن کا ثبوت قطعی ہو، اگرچہ کسی سائنس دان کا فہم اس کی علت و اسباب کے سمجھنے میں عاجز بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات (مادی غیر مادی) میں جس قدر خواص پیدا کیے ہیں۔ ان سب کا احاطہ نہ انسان سے ہو سکتا ہے اور نہ کبھی کسی انسان نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرار کائنات کا انکشاف کر دیتا ہے۔ وہ کیمیاوی تدبیر جو قلت کو کثرت سے بدل دے یا ہوا کو پانی بنا دے، جو جامد کو متحرک یا متحرک کو جامد بنا دے، ان کے علم و تجربہ میں ہوتی ہیں۔ نیز ان کا علم اور تجربہ اور تدبیر اہل دنیا کی طرح آلات یا مشق یا تدریجی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا۔

ہم یہ سب باتیں معجزات انبیا کو قریب بہ فہم کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ ﴿ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ [1] ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت انبیائے اللہ کی تائید و نصرت میں ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدۂ بارگاہِ ربانی ہونا عوام پر بھی ثابت کر دے تب اسی طاقت و قدرت کو انبیائے اللہ کے توسط سے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اسی کو آیاتِ الٰہی کہتے ہیں اور اسی کو معجزات۔

---

[1] ۲/ البقرۃ: ۱۱۷۔

سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے جو معجزات بروایتِ صحیحہ ثابت ہیں ان کا شمار بہت زیادہ ہے۔اور ہر ایک نبی کے معجزات سے ان کی تعداد بھی افزوں ہے اور ندرت میں بھی ان کی شان اعلیٰ ہے۔

ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کی ترقی ایمان کا موجب ہو۔اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت بھی زیادہ دلنشین ہو جائے۔

میرا ارادہ معجزات پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ہے اس وقت مختلف عنوانات کے تحت مختصر واقعات لکھ دینا کافی ہیں۔

نَبْعُ الْمَآءِ
پانی کا معجزہ

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ ﴾ [1]

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی سیرابی کے لیے دعا کی تو ہم نے کہا کہ پتھر کو اپنا عصا مارو۔ تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔''

سورۂ اعراف رکوع ۲۰ میں بھی یہی مذکور ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورہ اعراف میں فَانْبَجَسَتْ ہے اور بقرہ میں فَانْفَجَرَتْ ہے۔ لفظ انبجاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلنے لگا تھا اور لفظ انفجار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پھر پانی خوب بہہ نکلا تھا۔

آیات بالا سے یہ مستفیض ہے کہ جب پانی کا فقدان ہو اور ساتھ کی تمام جماعت پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی اور آرام سے مایوس ہو جائے، تب لوگ نبی اللہ کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور اس وقت نبی اللہ کی دعا اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی مل جایا کرتا ہے۔

توراۃ کی کتاب الخروج کے ملاحظہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بیابان سور میں تین دن تک سفر کرنے کے بعد رونما ہوا تھا ۱۵/۲۱ خروج۔ کتاب مذکور میں ۱۲ چشموں کا عصائے موسیٰ کی ضرب سے برآمد ہونا نہیں بتلایا گیا۔ بلکہ ظاہر کیا ہے کہ مقام ایلیم میں ان کو وہ جگہ مل گئی جہاں پانی کے بارہ چشمے اور ستر درخت کھجور کے تھے ۱۵/۲۷ خروج۔

اہل اسلام میں جو لوگ معجزات کی تاویلات کرنے میں مشاق ہیں، انہوں نے معجزہ موسوی کی تاویل اس طرح کر دی کہ پہاڑ میں سے پانی کا رسنا، بہنا ایک معمولی امر ہے، کسی چشمہ کا اور سوت کا بیرونی رکاوٹوں سے بند ہو جانا بھی ایک معمولی بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھریلی زمین میں دبے ہوئے چشموں کا نشان بتلا دیا۔ چشموں کو عصا سے پھر باہر نکال لیا گیا اور چشمے بہنے لگے۔ یہ تاویل خواہ الفاظ قرآنی سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو مگر نفی معجزہ پھر بھی نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے ہدایت ملنا اور موسیٰ علیہ السلام کے فعل سے برکت کا ظاہر ہونا پھر بھی مسلمہ رہتا ہے۔ اب عہد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بھی آشکارا ہو جاتی ہے۔ پتھریلی زمین کی جگہ اب گوشت پوست میں سے پانی کے نکلنے کا عجیب ترین معجزہ ظہور میں آتا ہے۔

واضح ہو کہ فورانِ ماء و فیضان آب کے واقعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بار بار اور مختلف اسلوب سے ظہور میں آئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے واقعات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ۲/ البقرۃ: ۶۰۔

محرم ۷ھ

۱: جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم ❶ میں بصراحت مذکور ہے کہ ہم غزوہ ذات الرقاع اور وادی افیح ❷ میں تھے کہ نبی ﷺ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ جابر رضی اللہ عنہ ڈھونڈ آئے۔ لشکر میں ایک قطرہ نہ ملا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے جابر رضی اللہ عنہ اس انصاری کے پاس پہنچے، جو حضور ﷺ کے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔ وہاں بھی دیکھا، تو ایک پرانی مشک (مُجب) کے دہانہ پر ایک قطرہ آب نظر آیا اور پس حکم دیا وہی لے آؤ۔ پھر کاٹھ کا کٹھرہ منگایا گیا۔

نبی ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرہ آب اس بحرِ سخاف کے دستِ مبارک پر ڈال دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کی عینی شہادت ہے کہ سب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کٹھرے کو بھی چکر دے دیا۔ سب کو بلایا گیا، اور سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھالیا تب بھی وہ کٹھرہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ رحمۃ للعالمین جلد دوم کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس غزوہ میں چار سو غازی ہمرکاب مصطفوی ﷺ تھے۔

ذی قعدہ ۶ھ

۲: صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ الشہید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں نبی ﷺ نے وضو کیا۔ پانی ایک رکوہ (کوزہ) میں تھا۔ مسلمان اسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیا ہے۔ لوگوں نے کہا پانی نہ وضو کے لیے نہ پینے کے لیے۔ بس یہی کوزۂ آب ہے جو حضور ﷺ کے سامنے رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کوزہ میں ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی حضور ﷺ کی انگلیوں سے پھوٹ پڑا اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ سب نے وضو بھی کر لیے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے سالم بن ابی جعد کے سوال پر بتلایا کہ اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ یہ بھی کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کو کفایت کر جاتا۔ ❸

۳: مقام حدیبیہ ہی کا دوسرا واقعہ بھی جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، جو صحیح بخاری ❹ میں موجود ہے چونکہ حدیبیہ میں نبی ﷺ کا قیام ایک ہفتہ تک رہا تھا۔ اس لیے جمع بین الا حادیث کے قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اول پہلے روز کا ہے۔ اس کے بعد پانی کی پھر ضرورت لاحق ہوئی تب نبی ﷺ اس چاہ پر تشریف لے گئے۔ جس کا نام حدیبیہ تھا اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت بالا میں ہے۔ فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَفِيرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَآءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا۔

یعنی نبی ﷺ چاہ کی منڈیر پر آ بیٹھے، پانی منگا یا کلی کی اور چاہ میں ڈال دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم چاہ سے پانی لینے لگے اور سیراب ہوئے ڈیڑھ ہزار کے لشکر کے لیے یہ مستقل انتظام تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ ❺ نے اس واقعہ کو براء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ثُمَّ إِنَّهَا أَصْدَرَتْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابُنَا۔ امام احمد کی روایت سے ظاہر ہے کہ چاہ کا پانی

---

❶ مسلم، كتاب الزهد، باب حديث: جابر الطويل، حديث:٧٥١٩۔ ❷ افیح کا ترجمہ افع ہے متحمل ہے کہ اس وادی کا اسم ہے یا صفت۔

❸ بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:٤١٥٢۔

❹ بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حديث:٣٥٧٧۔

❺ بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:٤١٥٠۔

ابل پڑا۔ہم سے آخری شخص چادر لے کر بھاگا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہہ نکلا۔

۹ ہجری

۴: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ❶ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں تھے (مدارج النبوۃ میں اسے سفر تبوک بتایا گیا ہے)۔صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی کیونکہ سب سوتے رہ گئے تھے۔ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا ہم کو سخت پیاس لگی۔راہ چلتے ہوئے ہم کو ایک عورت ملی۔جس کے ساتھ پانی کے دو مشکیزے تھے،اس سے معلوم ہوا کہ پانی اس گاؤں سے ایک دن،ایک رات کی مسافت پر ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔وہاں عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ یتیموں کی ماں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مشکیزوں کو ہاتھ سے چھودیا۔ فَمَسَحَ بِالعَزْلاوَيْنِ۔ پانی بہہ نکلا چالیس صحابہ نے جو سخت پیاسے تھے۔سیر ہو کر پانی پی لیا اور مشک مشکیزے جتنے ساتھ تھے وہ بھی بھر لیے (اونٹوں کو وہ پانی نہیں پلایا)۔عمران کہتے ہیں کہ اس وقت وہ مشکیزے پانی سے ایسے بھرے بھرے دیکھے جاتے تھے گویا اب پھوٹ پڑیں گے۔وَهِيَ تَكَادُ تَبِضُّ مِنَ الْمِلْءِ۔

اس عورت نے گھر جا کر لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے جادوگر کو مل کر آئی ہوں یا اسے نبی کہنا چاہیے جیسا کہ اس کے ساتھیوں کا یقین ہے۔اس عورت کی اس اطلاع پر یہ دور افتادہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور وہ بھی اسلام لے آئی۔ ❷

عجب معجزہ ہے کہ دیکھنے والی اس وقت غیر مسلمہ ہے اور حضور کا ذکر أَسْحَرُ النَّاسِ کے لفظ کے ساتھ کرتی ہے مگر سننے والی قوم فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ سحر میں یہ طاقت کہاں کہ پیاسے سیر بھی ہو جائیں اور مشک ،مشکیزے بھی پر کر لیں۔

سحر تو صرف نظر بندی کا نام ہے۔ساحر قوت مسمریزم سے ناظرین کی قوت متخیلہ پر اور نظر پر اثر ڈالتا ہے اور ایسا معمول کسی شے کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور شے سمجھنے اور دیکھنے لگ جاتا ہے۔یہ تغیر صرف دیکھنے والے معمول کی نگاہ اور تخیل میں ہوتا ہے۔ورنہ وہ شے جوں کی توں اپنی اصلیت پر موجود ہوتی ہے۔سحر کی قریب تر مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک رسی کو اندھیرے میں سانپ سمجھ لیتا ہے۔اور اپنی اس سمجھ کی وجہ سے اس پر آثار خوف دہراس وغیرہ ویسے ہی طاری ہو جاتے ہیں جیسے اصلی سانپ کی موجودگی سے ہوتے ہیں۔حالانکہ وہ رسی ،رسی ہی ہوتی ہے اور اس ڈرپوک پر وہ بذات خود کسی طرح موثر نہیں ہوتی۔

انبیا کے معجزات میں حقیقت اصلیہ ہوتی ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کو ساحر سے بلند وارفع و اعلیٰ اور پاک و برتر ثابت کرتی ہے۔

قرآن مجید میں ساحرانِ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فن میں کمال رکھتے تھے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴾ ❸ اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ سحر عظیم کیا تھا:﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴾ ❹

---

❶ یہ قوم خزاعہ سے ہیں اور فضلائے صحابہ میں سے۔ سنہ خیبر میں مسلمان ہوئے۔ ۵۸ھ بمقام بصرہ وفات پائی۔

❷ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث: ۳۵۷۱؛ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، حدیث: ۱۵۶۳۔ ❸ ۷/ الاعراف:۱۱۶۔ ❹ ۲۰/ طٰہٰ:۶۶۔

''ان کی رسیاں اوران کی لاٹھیاں ان کے سحر کی وجہ سے دوڑتی ہوئی خیال کی جاتی تھیں۔''

ساحروں کی اس نمائش کا نتیجہ کیا ہوا: ﴿ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ ﴾ [1] ''لوگوں کو ڈرادیا۔''بس ساحروں کی سب سے بڑی کائنات یہی تھی کہ لوگوں کو یہ تماشا دکھا کر ڈرادیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے وہ اپنا عصا پھینک دیتے ہیں۔وہ اژدھا بن جاتا ہے اور جادوگروں کی سب لاٹھیوں اور رسیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔اگر معجزہ موسوی علیہ السلام کی حقیقت صرف اتنی ہی ہوتی کہ وہ عصا صرف ساحروں کی نگاہ میں اژدھا نظر آنے لگ جاتا تو ساحروں کے دلوں پر بھی اتنا ہی اثر ہوتا جتنا فرعون کے دل پر ہوا تھا۔یعنی اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمْ ''یہ تمہارا بڑا گرو ہے'' مگر ساحر تو فوراً سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام حدِ سحر سے بالاتر ہے وہ دیکھتے ہیں کہ وہ منوں رسیاں اور سینکڑوں لاٹھیاں موجود نہیں ہیں، اس لیے ثعبان موسوی کا ان رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر جانے کا نظارہ صرف تخیل ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً تھا اور بہترین صداقت رکھتا تھا۔اسی اصلیت پر فائز ہو جانے کے بعد وہ ساحر لوگ جھٹ سحر سے تائب ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا۔وہ انکشاف حقیقت کے بعد نہ فرعون کی پھانسی سے ڈرے اور نہ دست و پا کی قطع و برید کا عذاب ان کو اسلام سے مرتد کر سکا رحمت الٰہیہ کو دیکھئے کہ یہ ساحر جب میدان مقابلہ میں آئے تھے اس وقت بارگاہ روحانیت کے مقہور و مخذول تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آستان رحمانیت کے منظور و مقبول بن گئے تھے۔

یہی حال اس عورت اور اس کے قبیلہ کا ہوا جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے۔حدیث بالا کو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے، ہم نے بخاری کے الفاظ کو یہاں لیا ہے۔

بیہقی کی روایت میں اس قدر اور متزاد ہے کہ راویان حدیث کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اس طرف کو جاؤ۔ تمہیں ایک ایسی ایسی عورت ملے گی اندریں صورت یہ روایت نہ صرف ایک معجزہ پر، بلکہ ایک اور پیش گوئی پر بھی (جو اقسام معجزہ میں سے ہے) مشتمل ہے۔ [2]

۵: (الف) صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نماز کا وقت آ گیا۔جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں جا کر وضو کر آئے، باقی جو رہ گئے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھر کے پیالہ میں پانی لایا گیا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا اسی پانی سے ۸۰ سے زیادہ لوگوں نے وضو کر لیا۔ [3]

(ب) بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ میں اپنی چار انگلیاں ڈالی تھیں۔انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ انگلیوں میں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے یہ واقعہ مقام قبا کا ہے۔ [4]

(ج) صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مقام زوراء کی بابت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں ہاتھ رکھ دیا

---

[1] ۷/ الاعراف:۱۱۶۔ [2] دلائل النبوۃ للبیھقی، باب ذکر حدیث عمران بن حصین: ٤/ ٢٧٦۔

[3] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث: ٣٥٧٥؛ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ، حدیث:٥٩٤١۔ [4] دلائل النبوۃ، باب ذکر خروج الماء من بین أصابع رسول اللہ ﷺ: ٤/ ١٢١۔

اور پنجہ مبارک سے پانی بہہ نکلا۔ اس روز حضور ﷺ کے ہمراہیوں کی تعداد تین سو کس تھی۔ ❶

۶: صحیح بخاری میں ایک روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی ہی ہے کہ حضور ﷺ نے برتن میں ہاتھ رکھ دیا اور پانی حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے پھوٹ نکلا۔ اور نبی ﷺ نے زبان مبارک سے فرمایا ((حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ)) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پانی سے سب ہی نے وضو کر لیا تھا۔ ❷

نبی ﷺ نے اس پانی کو طہور اور مبارک فرمایا ہے۔ علمائے امت کا اتفاق ہے کہ برکت و عزت میں آب زمزم سے بڑھ کر وہ پانی تھا، جو حضور اقدس ﷺ کی انگلیوں میں سے نکلا تھا۔ ایسے ہی واقعات اور بھی ہیں اور روایات کی خصوصیتوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ انگشتان مبارک سے پانی پھوٹ پڑنے کے واقعات بار بار ہوئے بکثرت ہوئے، بے شک عرب جیسے گرم اور خشک ملک میں اور غزوات کے سفر ہائے طول وطویل میں اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو اس بے سروسامانی کی حالت میں جو بہ عہد نبوی ﷺ اسلامی لشکروں میں پائی جاتی تھی ضرور تھا کہ مجاہدین ہلاک ہو گئے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس معجزہ کی مثال عہد موسوی علیہ السلام میں نزولِ مَن اور حصولِ سلوٰی کی صورت میں پائی جاتی ہے لیکن پھر بھی معجزہ نبوی کا درجہ عہد موسوی علیہ السلام کے معجزات سے اسی قدر زیادہ بڑھا ہوا ہے جس قدر بقائے حیات میں پانی درجہ طعام پر فائق ہے۔

میں یہ بھی عرض کروں گا کہ نبی ﷺ کے اس معجزہ اور اس خصوصیت لاثانی کی خبر بھی انبیائے پیشین کے مبارک کلام میں دے دی گئی تھی۔

یسعیاہ میں ہے:

''خداوند خشک بیابانوں میں پانی کے چشمے بہائے گا۔''

ہم کو ان الفاظ کی تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ فی الواقع ان خشک میدانوں میں جہاں پینے کو پانی نہ ملتا تھا۔ نَبْعَ الْمَآءَ کے معجزات متواترہ نے چشمے جاری کر کے دکھلا دیئے تھے۔ وللہ الحمد۔

دودھ کی برکت

پانی کے بعد جس شئے کا درجہ ہے وہ دودھ ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے آسمان پر پیش کیے گئے اور حضور ﷺ نے ان میں سے دودھ کو پسند فرمایا اور جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا إِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ حضور ﷺ نے فطرت کو پسند کیا، اسی لیے اسلام کو بھی دودھ کے ساتھ تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔

انسان کا ہر ایک بچہ دودھ سے پلا ہے۔ مگر ایک بچہ بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کی رضاعت شراب سے ہوئی ہو۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دودھ فطرت انسانی کا راز دار ہے۔ داعی ایمان وہادیٔ اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی امت کو تعلیم پاک کے دودھ سے بھی پرورش کیا اور انکے لب دکام کو معجزانہ دودھ سے بھی ذوق آشنا بنایا۔ ایسے واقعات بہت ہیں۔

---

❶ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث:۳۵۷۲؛ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی المعجزات النبی ﷺ، حدیث:۵۹۴۳۔ ❷ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث: ۳۵۷۹۔

اول: امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب باندھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی گزران کا کیا حال تھا۔ اس باب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ جو معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مظہر ہے اور یہ حقیقت بھی ظاہر کرتی ہے کہ سرور کائنات وفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس دنیا میں کیسی زاہدانہ تھی۔

(۱) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بھوک کے مارے کبھی ایسا ہوتا کہ میں جگر کو تھام کر زمین پر گر جاتا، کبھی ایسا ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، ایک دن ایسا ہوا کہ میں سرراہ آ بیٹھا جہاں سے لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کی بابت دریافت کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دیں گے۔ وہ یونہی چلے گئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آ نکلے۔ ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ غرض وہی کھانے کی تھی کہ کچھ کھانے کو دیں گے، وہ بھی یونہی چلے گئے اتنے میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میرے جی کی بات سمجھ گئے میرے چہرہ کو تاڑ لیا۔ ارشاد فرمایا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں گئے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں دودھ دیکھا، گھر والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کا نام بتلایا۔ جس نے دودھ کا ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ابوہریرہ! جاؤ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ اہل صفہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ ہوتا۔ جن کو کسی شخص کا کوئی سہارا نہ ہوتا یہ أَضْيَافُ الْإِسْلَام (اسلام کے مہمان) ہوتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک یہ تھی کہ کوئی صدقہ آتا تو سب کا سب ان کو دے دیتے تھے اور ہدیہ آتا تو ان کو اپنے ساتھ شامل فرما لیتے تھے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا اہل صفہ میں اس دودھ کی حقیقت کیا ہوگی۔ اگر مجھے مل بھی جاتا، مجھ میں کچھ سکت آ جاتی۔ اب دیکھیے اس میں سے کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں۔ یہی خیالات تھے اور اطاعت الٰہی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ میں نے سب کو بلا لیا۔ آ کر بیٹھ گئے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ یہ پیالہ لو اور سب کو پلاؤ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر ایک کو دیتا جاتا تھا جب ایک شخص پی کر سیراب ہو جاتا تب میں دوسرے کو وہی پیالہ دیتا تھا۔ اسی طرح سب سیر ہو گئے۔ تو میں نے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیالہ پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر اسے دست مبارک پر رکھ لیا۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے، فرمایا۔ ابوہریرہ! اب تو میں رہ گیا یا تو رہ گیا، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہے فرمایا اچھا اب تو پی لے۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پی لیا۔ فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے، پیو، پیو۔ آخر میں نے عرض کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب تو گنجائش بالکل نہیں رہی۔ فرمایا لاؤ۔ پیالہ میں نے پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر کیا، بسم اللہ پڑھی اور پیالہ ختم کر دیا۔ [1]

یہ حدیث تو ایک ہے، لیکن آیات وعلامات نبوت کی اتنی جامع ہے کہ دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔

(الف) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وعالمیان کا گھر ہے اور اس میں جسمانی غذا نام ونشان کو بھی نہیں۔

(ب) کسی نے ہدیۃً کچھ بھیجا بھی ہے تو دودھ کا ایک پیالہ۔

پیالہ کتنا بڑا تھا؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ صرف ایک آدمی کے پی لینے کا۔

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ وأصحابه، حديث:٦٤٥٢۔

(ج) نبی ﷺ اتنی سی خوراک پر ان سب کو بلا لیتے تھے جو گھر بار کو تج کر، جو اہل و عیال کو چھوڑ کر، جو مال و منال سے منہ موڑ کر ادبستان نبوت میں پہنچ گئے تھے۔

یہ حالات تو اخلاق محمدی ﷺ کے مظہر ہیں۔

(د) اب آیات نبوت مشاہدہ ہوں کہ ہر ایک شخص نے سیر ہو ہو کر دودھ پیا اور پیالہ پھر بھرا کا بھرا رہ گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک پیا کہ حلف کرنا پڑا کہ اب گنجائش ہی نہیں رہی۔

(ہ) کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس پیالہ کو کوئی بڑی سے بڑی تعداد ختم کر سکتی تھی۔ ہرگز نہیں، لاکھ ہوتے تو کیا اور دس لاکھ ہوتے تو کیا۔ سب ہی اس سے سیراب ہو سکتے تھے۔ اس پیالہ کو ختم کرنے کی طاقت بھی اسی میں تھی۔ جس کی برکت و یمن سے وہ چیز سب کے لیے کفایت کر گئی تھی۔

(و) حدیث پر مکرر غور کرو کہ پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ کی حمد کی۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت کی روح و رواں ہے۔

(ز) ممکن ہے کہ کوئی غیر نبی ایسے عجوبہ کو دیکھ کر اپنی بڑائی کا خیال کر بیٹھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے ذاتی کمالات میں سے شمار کرنے لگے۔ مگر اللہ کا نبی ہر وقت اپنے مالک اور قادر کو یاد کیا کرتا اور جملہ عطیات کو اسی کی جانب سے قرار دیا کرتا تھا۔ جس کی ربوبیت اس شکل میں جلوہ گر ہوئی تھی۔

دوم: سفر ہجرت میں نبی ﷺ کا گزر ام معبد عاتکہ بنت خالد بن خلید خزاعیہ کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی اور خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی، آئے گئے کو پانی پلاتی، کھجوریں وغیرہ بھی فروخت کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ جو حضور ﷺ کے ساتھ پچھلی نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے [1] یا ابن اریقط تھا۔ جو اس راہ کا واقف تھا اور اسے اجرت پر ساتھ لے لیا گیا تھا۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پر ستانے، آرام لینے کے لیے ٹھہر گیا۔ بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اس کے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے۔ وہ بولی نہیں۔ اگر کچھ ہوتا تو میں خود پیش کر دیتی (ان ایام میں قحط بھی سخت پڑا ہوا تھا۔)

ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد (قتیل البطحاء) [2] کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دبلی کمزور بکری کھڑی ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کی بابت پوچھا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ یہ کمزور بہت ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس لیے یہاں رہ گئی۔ نبی ﷺ نے کہا اگر اجازت ہو تو ہم اسے دوھ لیں۔ وہ بولی اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دوھ لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک بڑا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ کہہ کر بکری سے دودھ نکالنا شروع کیا۔ برتن بھر گیا تو سب کو پلایا۔ دوبارہ پھر دودھ نکالا۔ برتن بھر گیا تو دوبارہ سب کو پلایا گیا۔ آخر میں نبی ﷺ نے پیا۔ سہ بار دودھ نکالا اور گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ [3]

آیت نبوت نے دودھ پلایا اور خلق محمدی ﷺ نے بھی اپنا معجزہ دکھلایا کہ رفقائے راہ کو حضور ﷺ پہلے سیراب فرماتے

---

[1] یہ غلام تھے، اسلام لے آئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید ا اور آزاد کر دیا تھا۔ ۴ھ کو واقعہ بئر معونہ میں شہید ہوئے ان کی لاش نہیں ملی۔

[2] فتح مکہ کے دن یہ حبیش اور کرز بن جابر فہری شہید ہوئے تھے اس لیے ان دونوں کو قتیل البطحاء کہتے تھے۔

[3] حاکم وصححه البیهقی وابن عبدالبر وابن شاهین وابن السکن والطبرانی وغیرهم (زرقانی جلد ا ص ۳۴۰) دلائل النبوة، باب اجتياز رسول الله ﷺ بالمرأة وابنها: ۲/ ۴۹۳۔

ہیں اور خود سب کے بعد نوش جاں فرماتے ہیں اور اہل خانہ کے لیے کافی ذخیرہ چھوڑتے ہیں۔

تکثیر طعام

تکثیر طعام سے مراد وہ معجزہ ہے کہ تھوڑا سا طعام بہت کے لیے کافی ہو جائے، انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معجزہ کا ظہور مسیح علیہ السلام سے بھی ہوا۔ انہوں نے چار روٹیوں اور تین مچھلیوں سے بہت بڑی جماعت کو سیر کیا۔

نبی ﷺ کی آیات نبوت میں بھی ایسے واقعات کا ذکر احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے۔

(۱) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ خندق کے ایام میں میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے پیٹ کو باندھ رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اس حالت میں بھی حضور ﷺ اہل صفہ کو سورۂ نساء کی تعلیم دے رہے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ (شوہر والدہ) کو جا بتایا۔ انہوں نے کچھ مزدوری کی اور جو حاصل کیے ان کی والدہ نے آدھ سیر جو پیس لیے۔ روٹی پکائی کہ نبی ﷺ اکیلے تشریف لے آئیں تو بخوبی سیر ہو سکتے ہیں۔ ایک آدھ کوئی ساتھ آ گیا، تب بھی کفایت سے کام چل جائے گا۔ انس رضی اللہ عنہ کو ماں باپ نے بھیجا۔ اچھی طرح سمجھا دیا کہ لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہنا۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر اندر گھر میں جانے لگیں تب عرض کر دینا کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلیے۔

انس رضی اللہ عنہ پہنچے تو نبی ﷺ انبوہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا تجھے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے! عرض کی ہاں! فرمایا کھانے کے لئے، عرض کی ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگو! چلو ابوطلحہ کے گھر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی۔ اس نے بیوی سے کہا کہ ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو پوری جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں۔

یہ خاتون بلند پایہ سمجھ گئی کہ کیا ہوگا۔ بولی اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ نبی ﷺ کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر بتلا بھی دیا کہ ایک ٹکیا موجود ہے۔ حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ (عکہ) گھی کی کپی لے آؤ کپی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔ نبی ﷺ نے انگشتِ مبارک سے روٹی چپڑ دی۔ روٹی پھولنے لگی۔ برتن سے اونچی ہوگئی نبی ﷺ نے مردانہ مکان کھلوایا۔ روٹی رکھ دی اور زبان سے فرمایا: ((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰھُمَّ أَعْظِمْ فِیْهَا الْبَرَكَةَ)) دس دس آدمی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہو کر اٹھتے جاتے تھے اسی طرح (۸۰) اسی شخصوں نے اس روز کھانا کھایا۔ [1]

۲: جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور بھاری قرض چھوڑ گئے تھے جب کھجور کی فصل آئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ چلے چلیں، تا کہ قرض خواہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔ فرمایا تم چلو۔ ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔ میں نے تعمیل کر دی۔ اتنے میں سرور عالم ﷺ آ گئے۔ حضور ﷺ نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر کر دیکھا اور بعد ازاں وہیں بیٹھ گئے۔ فرمایا قرض خواہوں کو بلاؤ، وہ آ گئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضور ﷺ نے کھجوریں دینی شروع کیں، حتیٰ کہ سب قرضدار نپٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے جوں کا توں نظر آتا تھا۔ گویا ایک دانہ بھی

---

[1] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، حدیث: ۳۵۷۸؛ مسلم، کتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غیره الی دارمن یثق برضاه، حدیث: ۵۳۱۶؛ مسند احمد: ۳/ ۱۴۷ حدیث: ۱۲۴۳۰۔

اس میں سے کم نہیں ہوا۔

میں تو اتنے ہی پر خوش تھا کہ ساری پیداوار قرض خواہ لے لیں اور مجھے گھر لے جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے۔(صحیح بخاری عن شعبی عن جابر) ❶

۳: صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”سب قرضداروں کو چکا دینے کے بعد پھر ایک یہودی بھی آ گیا۔اس کا قرض ۳۰ وسق کھجور کا تھا۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو ڈھیریاں باقی ہیں انہیں یہودی لے لے، یہودی نے انکار کر دیا۔نبی ﷺ ایک بار پھر ان ڈھیروں میں سے گزر گئے۔پھر حکم دیا کہ یہودی کو ناپ ناپ کر دے دو۔چنانچہ اس کے ۳۰ وسق پورے ہو گئے اور ۷ اوسق ابھی اور بھی باقی رہ گئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ ڈھیروں میں سے ہو کر نکلے تھے میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈال دے گا۔ ❷ (شیخین بروایت وہب بن کیسان عن جابر)

۴: صحیح مسلم میں ہے کہ ام مالک کے گھر ایک کپی گھی کی تھی۔وہ اس میں سے نبی ﷺ کے لیے گھی نکال کر بھیجا کرتی تھی۔اس کے بچے جب سالن مانگتے اور سالن نہ ہوتا تو اسی کپی میں سے گھی نکال کر انہیں بھی دیا کرتی۔مدتوں یہی طریقہ جاری رہا۔ایک روز ام مالک نے اس کپی کو نچوڑ لیا۔بعدازاں اس میں سے گھی نہ نکلا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((لَوْ تَرَكْتِيهَا مَا زَالَ قَائِمًا)) اگر تم نچوڑ نہ لیتیں تو اس میں ہمیشہ گھی پایا جاتا۔ ❸

۵: ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت کیا ہے کہ ان کا والد جہاد پر چلا گیا۔نبی ﷺ ان کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دوہ جاتے۔گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔جب خباب رضی اللہ عنہ واپس آ گئے، انہوں نے دودھ نکالا۔تو اتنا ہی نکلا جتنا پہلے اس بکری کا ہوا کرتا تھا۔

۶: صحیح بخاری میں عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک سفر میں ۱۳۰ نفر نبی ﷺ کے ہمرکاب تھے۔جب منزل پر اترے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے۔ایک صحابی کے پاس تقریباً دو سیر آٹا تھا۔وہ گوندھ لیا گیا۔پھر ایک شخص ریوڑ لیے ہوئے وہاں پہنچا۔اس سے ایک بکری خرید لی گئی۔بکری کی کلیجی آگ پر بھون لی گئی اور سب حاضرین کو تقسیم کر دی گئی۔بعدازاں وہی کلیجی دو برتنوں میں ڈالی گئی۔سب نے اسے سیر ہو کر کھایا۔پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی تو اسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا۔

نباتات پر اثر

حنین جذع

حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں جو فراق محبوب میں اس کے منہ سے نکلے، جذع کھجور کے کٹے ہوئے تنا کو کہتے ہیں۔ہم اس جگہ جس روایت کا اندراج کرنے والے ہیں اسے دواوین حدیث میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور مسند شافعی و مسند احمد و سنن نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی و طبرانی اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے صحابہ کرام

---

❶ بخاري، كتاب الوصايا، باب قضاء الوصي ديون الميت، حديث: ٢٧٨١۔

❷ بخاري، كتاب الاستقراض، باب اذا قاص أو جازفه في الدين، حديث: ٢٣٩٦۔

❸ مسلم، كتاب الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حديث: ٥٩٤٥۔

میں اس روایت و رؤیت عینی کے بیان کرنے والے: (۱) سید القراء ابی بن کعب (مات ۱۹ھ) (۲) جابر بن عبداللہ الشہید مات ۷۲ھ (۳) خادم الرسول انس بن مالک مات ۹۲ھ (۴) وعاشق السنہ عبداللہ بن عمر الفاروق (مات ۷۳ھ) (۵) وابن عم النبی عبداللہ بن عباس (مات ۶۸ھ) و (۶) سہل بن سعد الساعدی (مات ۹۱ھ) و (۷) ابوسعید سعد بن مالک الخدری (مات ۷۴ھ) و (۸) بریدہ بن الحطیب اسلمی (مات ۶۳ھ) و (۹) ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا (ماتت ۵۹ھ) اور (۱۰) مطلب بن ابو وداعہ القرشی رضی اللہ عنہم۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ تعمیر کی گئی تو شروع شروع میں کوئی منبر [1] نہ تھا۔ نبی ﷺ خطبہ کے وقت ایک کھجور کے خشک ٹنڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد تمیم داری [2] نے نبی ﷺ کی اجازت سے کرباقوم نجار سے جو ایک انصار یہ کے غلام تھے، منبر تیار کرالیا۔ وہ تین زینہ کا تھا۔ یعنی دو زینے اور تیسری نشست کی جگہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نبی ﷺ نے منبر پر خطبہ شروع فرمایا اور کھجور کا ٹنڈ حضور ﷺ کی ٹیک لگانے کی عزت سے محروم رہ گیا۔ تب اس سے آواز گریہ آنی شروع ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں صَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ [3] یعنی وہ بچوں کی طرح چلایا اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے سَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ۔ [4] دس ماہہ حاملہ اونٹنی کی سی آواز ہم نے اس کی سنی۔ نبی ﷺ منبر سے اترے، اس پر دست شفقت رکھا تو وہ چپ کر گیا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اسے منبر کے متصل دفن کرا دیا۔ (زیادہ تفصیل راقم کے سفرنامہ حجاز میں درج ہے) [5]

ابن ابی حاتم [6] نے کتاب مناقب الشافعی رحمۃ اللہ علیہ میں درج کیا ہے کہ امام شافعی [7] نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے نبی ﷺ کو جو عطیات عطا فرمائے گئے تھے۔ وہ کسی نبی کو نہیں ملے۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیائے موتی [8]

---

[1] نبر، آواز کو بلند کرنا۔ منبر آواز بلند کرنے کی جگہ۔ [2] تمیم بن اوس بن خارجہ۔ دار ایک لخم کا قبیلہ ہے۔ قبل از اسلام یہ عیسائی عالم تھے۔

[3] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، حدیث: ۳۵۸٤۔

[4] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، حدیث: ۳۵۸۵۔

[5] فتح الباری، ج ٦، ص: ٧٣٦۔ [6] فتح الباری، ج ٦، ص: ٧٣٨۔ [7] محمد بن ادریس القرشی المطلبی یکے از ائمہ اربعہ، ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۲ھ مصر میں مدفون ہیں از روئے نسب جملہ ائمہ دین کے اندر نبی ﷺ سے یہی قریب تر ہیں۔

[8] ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس معجزہ نمائی کی طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ باذن اللہ کسی مردہ کا احیا فرما سکیں۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں ہے: واحی الموتیٰ باذن اللّٰه ، اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ کبھی عملاً بھی اس کا ظہور ہوا۔ معالم التنزیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا:

۱: عاذر، مسیح علیہ السلام کا دوست جسے تین دن کے بعد قبر سے نکالا۔

۲: ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا جنازہ لے جا رہے تھے اور لوگوں کے کندھوں سے اتر کر گھر آ گیا۔

۳: ایک چونگی کے محصول لینے والے کی بیٹی، ایک دن کی مری ہوئی گھر میں پڑی تھی۔

۴: سام بن نوح علیہ السلام۔

واضح ہو کہ صاحب معالم نے اس روایت کو بلا سند روایت کیا ہے۔

لہٰذا محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنفین اناجیل اربعہ نے بھی ایسا کوئی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درج کیا ہے یا نہیں۔

(الف) العذر کا ذکر صرف انجیل یوحنا میں ہے وہ اس عورت کا بھائی ہے جس نے مسیح علیہ السلام کے قدموں پر قدرتی عطر انڈیل دیا تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بالمقابل حضور ﷺ کو کیا عطا ہوا تھا، امام نے فرمایا کہ حنین جذع کا واقعہ موجود ہے۔ جس کا تھرتھرانا [1] (روایت نسائی) اور رونا چلانا (روایت صحیحین وغیرہم) سے ثابت ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ احیائے موتی سے مراد جسم موتی میں اس وقت حیات کا اعادہ ہے۔ جو شخص میت میں پہلے کبھی حاصل تھی مگر گریۂ نخل تو اس سے بھی عجیب تر ہے، یعنی ایک نباتی جسم کے اندر ایک ایسی صفت کا پیدا ہو جانا جو خاص انسانی صفت ہے۔ یہ انسانی صفت نہ صرف تھرتھرانا، کپکپانا اور رونا ہے۔ بلکہ فراق محبوب کا احساس اور فقدان شرف کا علم بھی اس کے اندر حاصل ہے بلکہ یہ تو ایک عاشقانہ رنگ ہے جو ایک کھجور کے ٹنڈ میں نظر آیا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) یوحنا کہتا ہے کہ یہ واقعہ یروشلم سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہوا تھا اور اسی وقت مشہور ہو گیا تھا تعجب ہے کہ مصنفین اناجیل دیگر سے یہ واقعہ کیونکر پوشیدہ رہا۔ (ب) بڑھیا کے بیٹے کا ذکر اناجیل میں مطلق نہیں۔

(ج) ابن عباس کی روایت میں جسے بنت العاشر کہا ہے اس کا ذکر لوقا و مرقس نے کیا ہے اور اسے عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی بتلایا ہے۔ انجیل نگار لکھتے ہیں کہ سردار کے گھر سے اطلاع آئی کہ لڑکی مر گئی اور مسیح علیہ السلام نے کہا کہ وہ نہیں مری مسیح ان کے گھر پر گیا جہاں لوگ اور بھی تھے مسیح علیہ السلام نے لڑکی کو دیکھ کر کہا کہ وہ نہیں مری۔ لڑکی کو فرمایا کہ وہ اٹھ بیٹھے تو وہ اٹھ بیٹھی، ہم مسلمان مسیح کے منہ کے لفظوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ لڑکی نہ مری تھی بلکہ اس پر سکتہ یا ضعف طاری ہو گیا تھا اور مسیح علیہ السلام کی برکت سے اس نے شفا پائی۔

(د) سام بن نوح کے زندہ کرنے کا قصہ بھی اناجیل میں نہیں۔ میرا مقصود اناجیل کے ان حوالہ جات کا اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مسیح کی قوت احیائے موتی سے اناجیل خاموش ہیں اور ادھر شہادت اور روایت اور تواتر میں بڑھا ہوا واقعہ ''حنین جذع'' ہے۔ ہاں اناجیل کی صحت سے زیادہ صحت اور ثبوت والی روایت ہمارے دواوین میں بھی موجود ہے، جسے طبرانی اور ابونعیم و ابن مندہ و ابن ابی الدنیا نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کو امام ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں اور قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں درج کیا ہے کہ زید بن خارجہ کا بعہد خلافت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین راہ چلتے ہوئے گر کر انتقال ہو گیا تھا۔ عصر کے وقت ان کے کوچہ میں سے مردہ اٹھایا گیا اور گھر پہنچایا گیا۔ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ان کی لاش سر پر رکھی ہوئی تھی۔ کپڑا پڑا ہوا تھا۔ گھر کی عورتیں جمع تھیں کہ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا کی آواز آئی سب چونکنے ہو گئے کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ دیکھا تو کپڑے کے نیچے سے آواز آرہی تھی۔ مرد عورت جمع ہو گئے۔ زید کے چہرہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو انہوں نے مندرجہ ذیل کلام کیا۔

أَحْمَدُ أَحْمَدُ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ أَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ الضَّعِيْفُ فِيْ نَفْسِهِ الْقَوِيُّ فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَلٰى مِنْهَاجِهِمْ مَضَتْ أَرْبَعٌ وَبَقِيَتْ ثِنْتَانِ أَتَتِ الْفِتَنُ وَأَكَلَ الشَّدِيْدُ الضَّعِيْفَ وَقَامَتِ السَّاعَةُ وَسَيَأْتِيْكُمْ خَبَرُ بِئْرِ أَرِيْسٍ وَمَا بِئْرُ أَرِيْسٍ [2]

میں اللہ کی حمد کرتا ہوں کتاب اول میں سچ سچ ابوبکر صدیق جسم میں کمزور مگر اللہ کے حکم میں مضبوط ہیں سچ سچ عمر بن خطاب قوی اور امین کتاب اول میں اسی طرح ہے سچ سچ عثمان بن عفان ان کے راستے پر ہے چار سال گزر گئے دو باقی رہ گئے فتنے آ گئے اور مضبوط کا کمزور کو نگل جانا آ پہنچا اور قیامت واقع ہو گئی عنقریب تمہیں چاہ اریس کی خبر ملے گی خبر بھی چاہ اریس کی کیسی۔ واضح ہو کہ اس روایت کی صحت اندراجات انجیل سے ضرور بڑھ کر ہے۔ زید بن خارجہ، باپ بیٹا دونوں صحابی اور سرداران انصار میں سے ہیں۔

(۱) ان الفاظ کو شرح شفاء مصنفہ ملا علی قاری فصل فی قصۃ حنین جذع ۱/ ۶۲۵ اور کتاب الاستیعاب سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲) اس واقعہ میں بھی ایک پیش گوئی موجود ہے جسے چاہ اریس کا واقعہ بتلایا ہے نبی ﷺ کی انگشت پاک کی خاتم مبارک حضور ﷺ کے بعد صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیق کے بعد فاروق رضی اللہ عنہ اور فاروق کے بعد ذوالنورین رضی اللہ عنہ (درجہ بدرجہ) انتقال خلافت کے بعد پہنا کرتے تھے آخر ایام خلافت میں ذوالنورین رضی اللہ عنہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے وہ خاتم اس میں گر گئی اور تلاش کرنے سے پھر نہ ملی اسی دن سے اختلال خلافت کا آغاز ہوا۔

[1] نسائی، کتاب الجمعة، باب مقام الامام فی الخطبة، حدیث: ۱۳۹۷۔

---

[2] الاستیعاب حرف الزای باب من اسمه زید: ۱/ ۵۴۲۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ [1] اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تو کہا کرتے تھے، اے دعویداران بشریت فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ٹنڈ کا یہ حال تھا تو اب اپنی حالتوں کا بھی اس سے مقابلہ کرو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس واقعہ کو قاضی عیاض و دیگر محدثین کرام نے مشہور و متواتر تسلیم کیا ہے۔ میرا فہم ناقص یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نخلہ کا دفن کرا دینا غالباً اسی لیے تھا کہ وہ صفات انسانی کا مظہر بن گیا تھا۔ اس نکتہ کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل میں اور زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

حیوانات پر اثر

۱: صحیح مسلم [2] میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب گیا تھا۔ میرا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا اور چل نہ سکتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے راہ میں مل گئے پوچھا اونٹ کیسا ہے۔ میں نے کہا بیمار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو ڈانٹا اور دعا بھی فرمائی، وہ سب سے آگے چلنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کر دیا کہ اب وہ اچھا ہے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا حصہ مل گیا ہے۔

۲: صحیح مسلم [3] میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بلایا۔ اس نے حاضر ہو کر کہا کہ میری اونٹنی ایسی ہوگئی ہے کہ مجھے حاضر ہونے میں دیر لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو ایک ایڑ لگائی وہ سب سے آگے نکلنے لگی۔

۳: مسند احمد میں خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت ہے کہ خباب رضی اللہ عنہ تو جہاد پر گئے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری فرماتے اور ہماری بکریاں دوہ جاتے اور گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خباب رضی اللہ عنہ واپس آ گئے تو بکریوں کا دودھ بھی اترا رہ گیا، جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔

۴: بیہقی نے جعیل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میرے پاس ایک کمزور دبلی سی گھوڑی تھی اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آ ملے فرمایا گھوڑی والے چلو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو دبلی بھی ہے اور کمزور بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چابک اسے لگایا اور یہ الفاظ بھی زبان سے فرمائے أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُ فِيْهَا۔ پھر تو وہ ایسی تیز ہوگئی کہ مجھے اس کی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعدازاں میں نے اس کے شکم کے دس بچھڑے بھی فروخت کیے۔ [4]

۵: ابن سعد و ابویعلیٰ اور ابن مندہ، بیہقی و ابونعیم اور حاکم نے (معہ تصحیح) سفینہ رضی اللہ عنہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے کہ انہوں نے بحری سفر کیا۔ کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختہ پر بہتے ہوئے ساحل پر پہنچ گئے۔ جس کے ساتھ جنگل تھا۔ اس میں شیر تھے ایک شیر میری طرف آیا میں نے کہا او شیر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، شیر دم ہلانے لگا اور میرے برابر برابر چلتا ہوا مجھے رستہ پر ڈال گیا۔ جب میں اس سے الگ ہوا تو دھاڑتا تھا گویا مجھے رخصت کر رہا تھا۔ [5]

---

[1] حضرت حسن بصری ابوسعید ابوالحسن یسار نام ولادت ۲۱ھ وفات یکم رجب ۱۱۰ھ۔ [2] مسلم، کتاب المساقاة، باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ، حدیث: ٤١٠٠۔ [3] کتاب النکاح، باب ندب من اراد نکاح امرأة الی ان ینظر الی وجهها۔ حدیث ٣٤٨٦ ودلائل النبوة، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعیر جابر: ٦/ ١٥٤۔ [4] دلائل النبوة، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعیر جابر: ٦/ ١٥٣۔
[5] دلائل النبوة، باب ماجاء فی تسخیر اللّٰہ عزوجل الأسد لسفینة مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ٦/ ٤٦۔

افلاک پر اثر
اور
مُعجزہ شقّ قمر

نبی ﷺ کے اشہر معجزات میں سے شق قمر کا معجزہ ہے۔ کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد ﷺ سے اس کی صداقت کا کیا نشان طلب کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دے امید ہے کہ محمد ﷺ کچھ نہ دکھلا سکے گا۔ انہیں کی سکھلاوٹ سے کفار نے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ ❶

احادیث شق القمر کے راوی عبداللہ بن مسعود، امیر المؤمنین علی مرتضیٰ، جُبیر بن مطعم نوفلی، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِشْهَدُوْا)). ❷

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا اس سے نیچے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو گواہ رہنا۔''

اس روایت میں لفظ اشھدوا اس لیے ہے کہ شق قمر کا وقوع طلب کفار کے بعد بطور معجزہ رسول اخیار واقع ہوا تھا۔ ورنہ تاکید شہادت کے کیا معنی؟

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں ہے:

اِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا. ❸

''اہل مکہ (کفار) نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے۔ نبی ﷺ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھلایا، اس کے دو ٹکڑے تھے کوہِ حراء ان دونوں کے درمیان تھا۔''

---

❶ مجھے خیال گزرتا ہے کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے معجزے فلق بحر سے شق قمر کا تخیل پیدا کیا تھا۔ وہ قطعاً جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا معجزہ دکھلانا ہی دوسرے کے لیے محال ہے چہ جائیکہ ایسا معجزہ جو پہلے معجزہ کے مقابلہ میں زمین اور آسمان کا فرق رکھتا ہو۔ فقط۔

❷ بخاری، کتاب التفسیر، باب وانشق القمر، حدیث: ٤٨٦٤؛ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر، حدیث: ٧٠٧١۔

❸ بخاری، کتاب المناقب، باب سؤال المشرکین أن یریھم النبی أیة حدیث: ٣٦٣٧ و کتاب مناقب الانصار، باب انشقاق القمر، حدیث: ٣٨٦٨؛ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر، حدیث: ٧٠٧٦۔

صحیحین کی ایک روایت عن ابن مسعود میں یہ بھی صراحت ہے کہ اِنْفَلَقَ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔ [1] یعنی جب چاند پھٹا ہے تو اس وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مع دیگر صحابہ کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔

علی ہذا بیہقی [2] اور ابونعیم نے جو روایت جبیر بن مطعم سے بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ اجلہ صحابہ میں تین بزرگوں سیدنا علی و عبداللہ بن مسعود، وجبیر بن مطعم نوفلی رضی اللہ عنہم کی شہادت چشم دید ہے اور عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی روایات مرسل صحابی ہے۔

عبداللہ بن عمر [3] کی روایت میں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ہر دو احتمال ہو سکتے ہیں اور غالب ظن یہ ہے کہ وہ بھی چشم دید راوی ہیں۔ کیونکہ ان کے آخری لفظ یہ ہیں۔ [4]

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ)).

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ گواہ رہنا (کہ میں نے کفار کو یہ نشان دکھلا دیا ہے)۔''

اس معجزہ کی توثیق

قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۝ ﴾ [5]

''وقت آ گیا اور چاند پھٹ گیا اور کفار جب کوئی بڑا نشان دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔''

علما جانتے ہیں کہ "قَرُبَ" کی بجائے "اِقْتَرَبَ" کا استعمال وقوعہ کی تاکید کے لیے ہے "السَّاعَةُ" سے مراد خواہ قیامت ہے اور شق قمر جیسے واقعات اس تغیر عظیم کے قریب ہونے کی خبر دینے والے ہیں، جیسا کہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اور جبال و ارض سب کے سب ہی تلف ہو جائیں گے۔

خواہ "اَلسَّاعَةُ" سے مراد وہ وقت مقررہ ہے جو علم الٰہی میں واقعہ شق قمر کے لیے تھا۔ اس معنی کا اطلاق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔

۱: ﴿ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً ﴾ [6] ۲: ﴿ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً ﴾ [7]

لیکن ان مقامات پر ساعۃ معرف باللام نہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب وانشق القمر حدیث: ٤٨٦٥؛ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر، حدیث: ٧٠٧٢۔ [2] دلائل النبوۃ، باب سؤال المشرکین رسول اللہ ﷺ أن یریھم آیة فاراھم انشقاق القمر: ٢/ ٢٦٨۔

[3] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ۷۳ھ میں بعمر ۸۶ سال انتقال کیا یعنی ان کی عمر ابتدائے ہجرت کے وقت ۱۳ سال کی تھی ان کا اسلام اپنے والد کے ساتھ ۶ نبوت کو تھا اور واقعہ شق قمر ۹ نبوت کا ہے لہٰذا شہادت چشم دید ہے۔ [4] مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر، حدیث: ٧٠٧٤۔

[5] ٥٤/ القمر: ١، ٢۔ [6] ١٠/ یونس: ٤٥۔ [7] ٤٦/ الاحقاف: ٣٥۔

شبہ کرنے والے بیان شبہ سے نہیں چوکا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل قمر میں انشقاق نہ ہوا تھا بلکہ روایت انس رضی اللہ عنہ میں لفظ أَرَاهُمْ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی آنکھوں کو چاند کا دو ٹکڑوں میں ہو جانا دکھلایا گیا تھا۔

کاش یہ لوگ اسی روایت میں اور اسی لفظ ارَاهُمْ سے پہلے کے الفاظ سَأَلُوْا أَنْ يُرِيَهُمْ اٰيَةً کو دیکھ لیتے! کیا کفار کا سوال بھی یہی تھا کہ "چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو۔ مگر ہم کو شق شدہ نظر آ جائے۔ یقیناً ان کا یہ سوال نہیں تھا، اور نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا أَرَاهُمْ تو اسی يُرِيَهُمْ کے وقوع کی اطلاع ہے۔

دوسروں کا شبہ یہ ہے کہ یہ تو زمانِ مستقبل کے متعلق اطلاع ہے کہ چاند پھٹ جائے گا لیکن اقترب اور انشق دونوں لفظ صیغہ ماضی کے ہیں۔

اور مزید برآں خود کفار نے اسے دیکھ کر ﴿ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [1] کہا ہے، اگر اس کا تعلق مستقبل سے ہوتا تو اس واقعہ کو سحر مستمر سے کیوں تعبیر کرتے۔

الغرض شک وشبہ کے شبہات پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ ہذا بکمال صحت ثابت ہے۔ پرانے زمانے کے متشکک جو دقیانوسی ہیئت سے روشنی گیر تھے۔ خرق والتیام، اجرام سماوی کے امکان وعدم امکان پر بھی بحث کیا کرتے تھے۔ لیکن اب نہ ان کی وہ زمین باقی ہے اور نہ آسمان، اس لیے وہ اعتراضات بھی پادر ہوا ہو گئے۔

کاش ان لوگوں کو زلزلہ ارضی سے سبق ملتا کہ کس طرح زلزلہ کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑ جاتے ہیں اور کیوں کر وہی غار دوسرے جھٹکے میں پھر ہموار شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے زمانہ میں جو اعتراض سننا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہ ہوتا۔

ہندوؤں کا اعتراض تو تب صحیح ہوتا۔ جب ان کے ہاں تواریخ کی کتابیں بھی پائی جاتیں، جس ملک میں سرے سے کوئی تاریخ ہی موجود نہ ہو جہاں واقعات ملک وقوم کی کوئی یادداشت موجود نہ ہو، ان کو دوسرے ملک کی بابت کہنا کہ ہماری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں، کہاں تک زیبا ہو سکتا ہے؟

مصریوں کو دیکھو یہ بھی تہذیب قدیم کے بلند دعاوی میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر ان کی کتابوں میں واقعاتِ موسیٰ علیہ السلام کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ جس ملک کی تاریخ ایسے ایسے واقعات ارضی سے خالی ہو۔ ان سے یہ توقع کہ ان کے ہاں جملہ واقعات سماوی بھی ضرور ہی درج ہونے چاہئیں کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو کہ وہ کتاب یشوع ۱۲/۱۰ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

"یسوع نے کہا اے آفتاب جبعون پر ٹھہرا رہ اور اے ماہتاب تو وادی ایلون کے مقابل ۱۳/۱۰ تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔"

۱۳/۱۰ قریب دن بھر کے سورج پچھم کی طرف مائل نہ ہوا۔

---

[1] ٥٤/ القمر: ٢۔

کیوں جناب سورج اور چاند کا ۱۲ گھنٹے کے لیے اپنی رفتار سے رک جانا کس قدر زیادہ عجیب ہے۔شق القمر کا واقعہ تو رات کا تھا۔ ہزاروں مقامات پر لوگ سو رہے ہوں گے۔ ہزاروں انسان گھروں کے اندر ہوں گے۔لیکن سورج کا ۱۲ گھنٹے رک جانا تو سارے جہاں میں تہلکہ ڈال دینے والی بات تھی لیکن اس کا ذکر یسوع کی معاصر کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا۔اور بایں ہمہ آپ اس واقعہ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظّمہ میں یہ واقعہ رات کو ۹ بجے وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں اوقات کیا تھے۔

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
ہندوستان	۱۲	۵۰ شب	انگلستان، آئرلینڈ، فرانس		
مارشیش	۱۱	۲۰ شب	بلجیم، سپین، پرتگال، جبل	۶	۲۰ دن
رومانیہ، بلگیر یا ترکی، یونان	۸		الطارق، الجیریا		
جرمنی، لکسمبرگ، ڈنمارک		۲۰ دن	پیرو پنامہ، جمیکا، بھامن		
سویڈن			امریکہ	۱	۲۰ بعد نیم شب
آئس لینڈ، مڈیریا	۵	۲۰ (دن)	سموا	۶	۲۰ دن
مشرقی برازیل	۳	۲۰ بعد نیم شب	نیوزی لینڈ	۶	۵۰ صبح
متوسط برازیل و چلی	۲	۲۰ بعد نیم شب	تسمانیہ وکٹوریہ نیوساؤتھ ویلز	۵	۲۲ صبح
برٹش کولمبیا	۱۰	۲۰ قبل دوپہر	جنوبی آسٹریلیا	۴	۵۰ صبح
لوکون	۹	۲۴ قبل دوپہر	جاپان، کوریا	۴	۲۰ بعد دوپہر
برہما	۱	۵۰ بعد نیم شب	مغربی آسٹریلیا، شمالی بورنیو		
شمالی لینڈ مڈغاسکر	۱۰	۲۰ شب	جزائر فلپائن، ہانگ کانگ	۳	۲۰ بعد دوپہر
ریاست ہائے ملایا	۲	۲۰ بعد نیم شب	چین		
جزائر سنڈوک	۷	۵۰ دن			

یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔انتہی

معجزات

کی قسم دوم

یعنی اطلاع اخبار مستقبلہ وواقعات آئندہ

عہد مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں: ﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ﴾ ❶ ''کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔''

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے: ﴿ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ❷

رب العالمین ہی اپنے برگزیدہ انبیاء ورسل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے۔ جس کی ان کو ضرورت ہوئی یا جس کی ضرورت ان کی صداقت ورسالت کا یقین دلانے کے لیے پائی گئی۔

﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ ❸

''وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوش ہوا۔''

معجزات مادی کا انکار کرنے والے اور شکوک واوہام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں مگر اخبار مستقبلہ کی اطلاع صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ بھی معجزات میں داخل وشامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک معجزات مادی کا درجہ بڑا ہے، اور کسی کے نزدیک اظہار اخبار غیب کا درجہ بڑا ہے۔

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ نزول وحی سے پیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رویائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے بیداری میں وہ واقعہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔ ❹

انبیا علیہم السلام کے رؤیا کو دیگر اکابر صالحین کے رؤیا پر یہی فوقیت ہے کہ اوروں کے خواب تمثیلی رنگ میں بھی ہوتے ہیں۔ مگر انبیا کے رؤیا میں جلوۂ حقیقت ہوتا ہے۔ ذبح پسر کے متعلق امام الخلائق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضور علیہ السلام اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں: ﴿ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴾ ❺ ''پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تم غور کرو کہ اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔''

خلیل الرحمٰن کا فرزند، ذبیح اللہ کے منصب پانے کا آرزومند نبی بن نبی جواب دیتا ہے:

﴿ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ﴾ ❻

''بزرگ باپ جو حکم آپ کو ملا ہے اس پر عمل کیجیے۔''

غور کرو کہ صورت مرئیہ منام کا نام انہوں نے امر الٰہی رکھا ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ٹھیک اسی صورت میں کی گئی۔

---

❶ ۳۱/ لقمان: ۳٤۔ ❷ ۱۸/ الکھف: ۲٦۔ ❸ ۷۲/ الجن: ۲٦، ۲۷۔ ❹ بخاری، کتاب التفسیر سورۃ اقرأ باسم ربك الذی خلق، حدیث: ٤۹۵۳؛ مسلم، کتاب الایمان باب بدء الوحی الی رسول الله ﷺ حدیث: ٤۰۳۔

❺ ۳۷/ الصّٰفّٰت: ۱۰۲۔ ❻ ۳۷/ الصّٰفّٰت: ۱۰۲۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بھی ایک خواب کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ﴾ ❶

''اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کر دیا کہ تم ان شاءاللہ کعبہ میں امن سے داخل ہو گے۔اس وقت بعض مسلمانوں نے سر منڈائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے۔''

یہاں بھی مسجد الحرام اور حلق وقصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔

خواب کے بعد نبی کریم ﷺ کے وہ مشاہدات اور علامات ہیں جن میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر اہل دنیا کو مطلع فرمایا ہے۔عنوان بالا کے تحت میں ہم ایسے ہی واقعات کا ذکر بالاختصار کرتے ہیں۔

اِطلاعِ اخبارِ مُستقبلہ

(۱) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور حضور ﷺ نے ہر ایک بات جو قیامت تک ہونے والی تھی بیان فرمادی، جسے یاد ہے اسے یاد ہے، جو بھول گیا وہ بھول گیا، میرے سامنے بھی جب وہ ایسا واقعہ آ جاتا ہے جو میں بھول چکا تھا تو اسے دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہوں جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں اور پھر اس کا منہ دیکھ کر اسے پہچان لیا کرتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) ❷ صحیح مسلم بروایت ابوزید رضی اللہ عنہ ❸ روایت بالا کے متعلق یہ مزید صراحت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز فجر کے بعد نماز ظہر تک خطبہ فرمایا۔نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کر دیا۔غروب شمس تک یہی ہوتا رہا۔اس خطبہ میں واقعات تاقیامت کا ذکر فرمایا تھا جسے وہ خطبہ زیادہ محفوظ رہ گیا ہے وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے۔

جہاد بحری کی اطلاع

(۲) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ نے ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرمایا۔جب بیدار ہوئے تو حضور ﷺ ہنس رہے تھے۔ام حرام رضی اللہ عنہا نے وجہ پوچھی، فرمایا: مجھے میری امت کے وہ غازی دکھلائے گئے، جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کریں گے۔وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہوں گے جیسے ملوک اپنے اپنے تخت پر نشست کرتے ہیں۔ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ میرے لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے۔حضور ﷺ نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔فرمایا: مجھے میری امت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے دکھلائے گئے۔ام حرام رضی اللہ عنہا نے کہا دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔فرمایا: نہیں، تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بحری جہاد کو گئے تو یہ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر کے ساتھ گئیں۔غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے سواری لائی گئی وہ سوار ہونے لگیں تو جانور نے لات ماری اور ان کا انتقال

---

❶ ۴۸/ الفتح:۲۷۔ ❷ بخاری، کتاب القدر، باب وکان امر اللہ قدرا مقدورا، حدیث:۶۶۰۴؛ مسلم، کتاب الفتن باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الی قیام الساعۃ، حدیث: ۷۲۶۳۔

❸ مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الی قیام الساعۃ، حدیث:۲۷۶۸۔

وہیں ہو گیا۔ ❶

پیش گوئی

۳: صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی۔ دوسرا آیا اس نے ڈکیتیوں کی شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عدی رضی اللہ عنہ! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہو گی۔ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے کے ڈکیت کدھر چلے جائیں گے، جنہوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا ہے۔) ❷

(پھر فرمایا) اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کھولو گے۔ میں نے پوچھا۔ کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز (پھر فرمایا) اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تو دیکھ لے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لیے ہوئے پھرے گا اور اسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھ لیا جو کوفہ سے اکیلی حج کو آئی تھی اور اللہ کے سوا اسے کسی اور کا خوف نہ تھا۔ اور خزائن کسریٰ کی فتح میں تو میں شامل تھا۔ تیسری بات بھی تم اے لوگو! دیکھ لو گے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہو گئی کہ زکوٰۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا تھا اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔ ❸

پیش گوئی متعلق فتوحات ممالک

۴: بیہقی و ابونعیم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا اور سخت پتھر نکل آیا۔ جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر کو دیکھا، کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی۔ ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ))۔ ''مجھے ملک شام کے خزانے کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ بخدا میں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو ابھی دیکھ لیا ہے۔'' پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر توڑ دیا پھر فرمایا: ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْفَارِسِ وَاللّٰهِ لَاُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْاَبْيَضَ)) ''مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں۔'' پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا: ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِنِّيْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُبْصِرُ اَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَّكَانِي السَّاعَةَ)) ''مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں واللہ میں یہاں سے اس وقت شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔'' ❹

یہ پیش گوئی اس وقت فرمائی تھی جب مدینہ پر کفار کے عساکر حملہ آور ہو رہے تھے اور ان سے بچاؤ کے لیے شہر کے گرداگرد

---

❶ بخاری، كتاب الجهاد، باب غزوة المرأة في البحر، حديث:٢٨٧٨؛ مسلم، كتاب الامارة، باب فضل الغزو في البحر، حديث:٤٩٣٤۔ ❷ بخاری، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حديث:٣٥٩٥۔

❸ دلائل النبوة، باب قول الله: وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصّٰلحٰت: ٦/ ٣٢٣، ٦/ ٤٩٣۔

❹ دلائل النبوة، باب ما ظهر في حفر الخندق من دلائل النبوة وآثار الصدق: ٣/ ٤٢١۔

خندق کھودی جا رہی تھی۔ ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ﷺ ہی کا کام ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بہ حرف پورا فرمایا۔

فتح مصر کی پیش گوئی

:۵ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَ اَرْضًا يُّذْكَرُ فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَيْرًا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّرَحِمًا فَاِذَا رَاَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا)) ❶

''تم عنقریب اس ملک کو فتح کر لو گے جہاں سکہ قیراط ہے۔ تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا، کیونکہ ان کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں (پھر ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا) جب تم دیکھو گے کہ دو شخص ایک اینٹ برابر کی زمین پر جھگڑ رہے ہیں، تب وہاں سے چلے آنا۔''

ابوذر رضی اللہ عنہ نے فتح مصر کو بھی دیکھا اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی اور یہ بھی دیکھا کہ ربیعہ اور عبدالرحمٰن بن شرحبیل اینٹ برابر زمین کے لیے جھگڑ رہے ہیں، تب یہ وہاں سے چلے بھی آئے۔ صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ لَهُمْ ذِمَّةً وَّرَحِمًا کی تفسیر بیہقی ❷ و ابونعیم کی حدیث عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں موجود ہے کہ ہاجرہ ام اسمٰعیل اور ماریہ قبطیہ ام ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ مصریہ ہیں۔ حدیث بیہقی و ابونعیم میں ملک مصر کا نام صراحتاً ہے۔ ❸

ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی

:۶ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنَعَتِ الْعِرَاقُ دِرْهَمَهَا وَقَفِيْزَهَا وَمَنَعَتِ الشَّامُ مُدَّهَا وَدِيْنَارَهَا وَمَنَعَتْ مِصْرُ اِرْدَبَّهَا وَدِيْنَارَهَا وَعُدْتُّمْ مِنْ حَيْثُ بَدَاْتُمْ)) ❹

''عراق نے اپنے درہم وقفیز کو، شام نے اپنے مدو دینار کو اور مصر نے اپنے اردب و دینار کو روک لیا اور تم ویسے کے ویسے رہ گئے جیسے شروع میں تھے۔'' ❺

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا استعمال فرمایا ہے حالانکہ اس کا تعلق عہد مستقبل سے تھا، اس لیے کہ علم الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا۔

حدیث بالا اس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے۔ جب مدینہ منورہ میں خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور دمشق میں سلطنت

---

❶ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب وصية النبي ﷺ بأهل مصر، حديث:٦٤٩٣۔ ❷ دلائل النبوة، باب في قول الله عزوجل، وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات:٦/ ٣٢٢۔ ❸ مسلم کی حدیث نمبر ۶۴۹۴ میں بھی مصر کا ذکر صراحتاً ہے۔

❹ صحيح مسلم عن أبي هريرة، كتاب الفتن باب لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب حديث: ٧٢٧٧۔

❺ قفیز، مُد، اردب، اناج کے پیمانے ہیں۔ قفیز۔ مکوک کا مد ۳/ ۱/ ۱، ارطل یا بقول بعض ۲ رطل کا اور اردب ۲۴ صاع کا ہوتا ہے۔ مجمع البحار۔

امویہ کا قیام ہو گیا تھا، کہ پھر حجاز میں ان ممالک سے مالیہ نہ بہ شکل سکہ اور نہ بہ شکل جنس کبھی حجاز کو حاصل ہوا۔ یہ پیش گوئی اب تک بارہ صدیوں سے اسی طرح چلی آتی ہے

پیشگوئی کہ شہنشاہ ایران کے کنگن سراقہ اعرابی کو پہنائے جائیں گے

۷: نبی ﷺ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((کَیْفَ بِکَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَیْ کِسْرٰی)) [1]

''تیری کیا شان ہو گی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس فتح ایران کے مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن پہنچے تو انہوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اسے وہ کنگن پہنائے جو سراقہ رضی اللہ عنہ کے بازوؤں کے اوپر تک پہنچے۔ [2]

فاروق رضی اللہ عنہ نے کنگن پہنا کر زبان سے کہا، اللہ کا شکر ہے جس نے کسریٰ بن ہرمز سے جو اپنے آپ کو رب الناس کہلاتا تھا۔ یہ کنگن چھین لیے اور آج سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ اعرابی مدلجی کو پہنائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ یہ کنگن سراقہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی پیش گوئی کی تعمیل میں پہنائے گئے تھے۔

حدیث بالا کے مختصر فقرہ پر غور کرو، جو تین پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔

۱: خلافت فاروق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر، جس نے نبی اللہ کے ارشاد کو پورا کیا۔

۲: فتح ایران پر۔

۳: فتح ایران تک سراقہ رضی اللہ عنہ کے زندہ رہنے پر۔ کتاب الاستیعاب سے واضح ہے کہ سراقہ رضی اللہ عنہ نے ۲۴ھ میں وفات پائی تھی۔ یعنی فتح ایران سے صرف چند سال بعد وہ زندہ رہے۔

معجزات قسم سوم

اب ایسی پیشگوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن کا اندراج کتب احادیث میں پہلے سے ہو چکا تھا اور ان کتب کو عالم اسلام میں تداول بین الناس اور اشاعت تام کا درجہ حاصل تھا، پھر ان پیش گوئیوں کا ظہور دنیا کے سامنے بعد میں ہوا۔

اس سے ثابت ہو گا کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت تصنع یا ساخت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا، نیز ان سے یہ بھی ثابت ہو گا کہ قرب قیامت کی علامات و شرائط جن احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں اور جن کا ظہور آج بوقت تحریر جبکہ بوقت اشاعت ھذا ۱۳۴۸ھ تک نہیں ہوا۔ ان کا ظہور بھی یقیناً اپنے اپنے اوقات پر (جو علم الٰہی میں مقرر ہے) اپنے ظاہری الفاظ اور کمال تطابق کے ساتھ بصیرت افزائے مؤمنین ہو گا۔

---

[1] سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب قسم الفيء، باب الاختیار فی التعجیل ۳۵۸/٦ وخصائص کبری للسیوطی، باب ذکر المعجزات: ۲/ ۱۷۵۔

[2] دلائل النبوة، باب فی قول الله عزوجل وعد الله الذین امنوا منكم وعملوا الصلحٰت: ٦/ ۳۲۵۔

۳۹۳ سال پیشتر کی پیش گوئی

سنن نسائی وبیہقی ❶ میں غزوۂ ہند کی پیشگوئی بایں الفاظ درج ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: وَعَدَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ غَزْوَةَ الْهِنْدِ. ❷

''رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں غزوہ کریں گے۔''

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام نسائی رحمۃ اللہ نے اپنی سُنن میں درج کی ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ کو وفات پائی۔

نسائی طاہر ۲۱۵ بزادو از جہاں فیروز ۳۰۳ رفت

ہند پر سب سے پہلے سلطان محمود نے ۳۹۳ھ کو حملہ کیا تھا۔ یعنی اشاعت کتب سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد، جب کہ سن ہجرت ۳۹۳ تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اہل اسلام کی کتابوں میں ہند دریائے اٹک کا نام ہے اور اسی مناسبت سے انہوں نے ماورائے اٹک کے رہنے والی قوموں کا نام ''ہندو'' رکھا تھا (انگریزی میں ہندوستان کا نام انڈیا بھی اسی مناسبت سے ہے) لہٰذا حدیث بالا کا مصداق وہی غزوہ ہو سکتا ہے، جس میں اٹک سے عبور کیا گیا۔

۶۵۴ سال پہلے کی پیشگوئی

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنَ الْحِجَازِ تُضِيْءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرٰى)) ❸

''قیامت نہیں آئیگی جب تک حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو جو بصریٰ کے اونٹوں پر اپنی روشنی ڈالے گی۔''

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ نے ۲۵۶ھ کو امام مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ نے ۲۶۱ھ کو انتقال فرمایا تھا اور ان آئمہ کبار کی ہر دو کتب صحیحین ان کی زندگی ہی میں جملہ ممالک اسلام میں داخل درس و تدریس ہو چکی تھیں اور روز افزوں اشاعت کی وجہ سے یہ کتابیں ہر ایک اسلامی علاقہ میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

نبی ﷺ کے فرمودہ الفاظ کا ظہور جمادی الثانیہ ۶۵۴ھ کو ہوا یعنی شیخین الحدیث کی وفات سے بھی چار صدیوں کے بعد۔

گواہان عینی نے اس آگ کے متعلق جس کی ابتدا پہاڑ کی آتش فشانی سے ہوئی، جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین مدرسہ بُصریٰ کی شہادت موجود ہے کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا اسی شب بُصری کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا اور شناخت کیا۔

یہ آگ یکم جمادی الثانیہ کو پہاڑ سے پھوٹ پڑی تھی۔ دوسری تاریخ کو زلزلہ کی رفتار تیز محسوس ہوئی تھی۔ تیسری کو زلزلہ کی شدت بڑھ گئی۔ چوتھی کو زلزلہ کے ساتھ گرج کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ گویا رعد فلک زور زور سے کڑک رہا ہے۔ پانچویں کو دھویں

---

❶ نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوة الهند، حديث:۳۱۷۵؛ دلائل النبوة، باب في قول الله: وعدالله الذين امنوا منكم وعملوا الصّٰلحٰت:٦/ ٣٣٦۔ ❷ بالفاظ بیہقی۔ ❸ بخاری، کتاب الفتن، باب خروج النار، حديث:۷۱۱۸، مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من أرض الحجاز، حديث: ۷۲۸۹۔

نے زمین وآسمان اور افق کو چھپالیا۔ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ پتھر پگھلنے لگے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ پہاڑ پر سے نہر احمر کی آبشار گر رہی ہے۔ روز بروز آگ کا رخ جانب شہر مدینہ تھا۔ باشندگان مدینہ نے جمعہ کی شب مسجد نبوی ﷺ میں حاضر رہ کر بسر کی اور تمام شب تضرع وزاری کرتے رہے۔ صبح کو دیکھا کہ آگ کا رخ پلٹ گیا ہے۔ تعجب خیز امر یہ تھا کہ اس شدت نار کے وقت بھی مدینہ میں جو ہوا آتی تھی وہ ٹھنڈی نسیم ہوتی تھی۔

۶۵۶ سال پہلے کی پیشگوئی

صحیح بخاری وصحیح مسلم ❶ میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْأُنُوفِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ))

''قیامت قائم نہ ہوگی (کئی باتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرلو گے جو چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہرے والے، پست ناک والے ہوں گے ان کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔''

یہ فتنہ تاتار کی خبر ہے۔ ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان وعراق کو تباہ کیا، بعد کو لوٹا تھا اور بالآخر ان کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔ یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے اور صحیحین میں پانصدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔

۷۰۰ برس پہلے کی پیشگوئی

طبرانی وابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اُتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوكُمْ فَإِنَّ أَوَّلَ مَنْ يَسْلِبُ أُمَّتِي مُلْكَهُمْ)) ❷

''ترکوں کو نہ چھیڑنا جب تک وہ تم کو نہ چھیڑیں۔ کیونکہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے ملک (حکومت) چھین لے گی۔''

۸۵۵ سال پیشتر کی پیشگوئی

مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سنن ابو داؤد میں بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فتح قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔ ❸

امام ہمام احمد بن حنبل کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا۔ اور ان کی کتاب مسند تاریخ تدوین سے ہمیشہ علمائے امت اور آئمہ محدثین کے پیش نظر رہی۔

محمد فاتح سلطان نے قسطنطنیہ کو (۸۵۵ھ۔ ۱۴۵۳ء) میں فتح کیا۔ یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور سال ہجرت سے

---

❶ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حديث:٣٥٨٧؛ مسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل، حديث: ٧٣١٣۔ ❷ سنن ابی داود، كتاب الملاحم، باب في النهي عن تهييج الترك، حديث:٤٣٠٢؛ طبراني كبير، ج:٩، ص:٣٧٥۔ ❸ مسلم، كتاب الفتن، باب في فتح قسطنطنيه، حديث: ٧٢٧٨؛ وابوداود، كتاب الملاحم، باب في أمارات الملاحم، حديث: ٤٢٩٤۔

ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیا نے نعم الامیر اور نعم الجیش کا نظارہ دیکھ لیا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔

۱۳۴۸ سال کی پیشگوئی

فتح مکہ کے دن (پنجشنبہ ۲۰ رمضان ۸ ھ) نبی ﷺ نے شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

((خُذُوْهَا يَابَنِيْ أَبِيْ طَلْحَةَ تَالِدَةً خَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا ظَالِمٌ)) [1]

''لو یہ کنجی سنبھال لو ہمیشہ ہمیش کے لیے تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا مگر وہی جو ظالم ہوگا۔''

ان مختصر الفاظ میں تین پیشگوئیاں مندرج ہیں:

۱: خاندان ابوطلحہ کا دنیا میں برابر باقی رہنا نسل قائم رہنا۔

۲: کلید بیت اللہ کی حفاظت وخدمت کا انہی سے متعلق رہنا۔

۳: ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہونا۔

نمبر ۱ اور نمبر ۲ کی بابت اب تک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید بنوشیبہ میں آج تک موجود ہے اور یہ نسل اب تک جاری ہے۔

نمبر ۳ کی بابت مؤرخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے ان سے یہ کلید چھین لی تھی، اس کے بعد پھر یہ ۱۳۲۲ سال کا زمانہ شاہد صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول کی زبان سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

پیشگوئی جس کی تصدیق زمانہ حال ہمارے سامنے بھی کر رہا ہے

صحیح مسلم میں مستورد قرشی رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے سامنے یہ بیان کیا کہ آخری زمانہ میں یورپین عیسائیوں کا دنیا میں زور ہو جائے گا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے روکا اور کہا دیکھو کیا کہہ رہے ہو، انہوں نے کہا میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ عمرو بولے تب تو درست ہے۔ [2]

ناظرین غور کریں کہ یہ روایت صحابی رسول ﷺ نے اس وقت بیان کی جب عساکر اسلام جملہ اطراف عالم میں مظفر ومنصور تھے۔ جب ان کو عراق وشام ومصر، خراسان وایران وسوڈان کی فتوحات میں کہیں ایک جگہ بھی شکست نہ ہوئی تھی، عیسائی مسلمانوں کے سامنے جملہ ممالک میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور عقل ووہم وقیاس کے نزدیک یورپین اقوام کی کثرت وغلبہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ سکتی تھی۔

دنیائے اسلام کی یہی حالت امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) کی زندگی تک موجود تھی، مگر صحابی روایت کرتا ہے اور امام الحدیث اسے اپنی کتاب میں ایمان وایقان صحت کے ساتھ درج بھی کر دیتا ہے۔ آج دنیا دیکھ لے کہ امریکن (جو اپنی اصلی زاد ونہاد کے اعتبار سے یورپین ہیں) برطانیہ، فرانس، اطالیہ، پرتگال، سویڈن، ناروے، سوئزرلینڈ، سپین، جرمنی وغیرہ کی حالت کیا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد، غزوة رسول الله ﷺ عام الفتح: ۲/ ۱۳۷۔

[2] مسلم، كتاب الفتن، باب تقوم الساعة والروم أكثر الناس، حديث: ۷۲۸۰۔

پیشگوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے

بیہقی و حاکم نے ابو ہریرہ و معاویہ رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ (لمبی روایت میں) بیان کیے ہیں۔ ❶

((تَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثَةٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً)) ❷

''میری امت میں تہتر فرقے بن جائیں گے۔''

نزول قرآن پاک کے وقت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ افراد کا منفرداً مجتمعاً ایک ہی نام تھا یعنی مسلم جیسا کہ قرآن پاک میں ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ❸ ''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔'' امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرفہ رہا، لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور ان فرقوں کے نئے نئے نام نکلنے شروع ہو گئے ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص نام پر ناز ہے۔ یہ پیش گوئی ایسی ہدایت اور صداقت کے ساتھ پوری ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کے متدعویہ دعاوی اس کی تصدیق میں موجود ہیں۔

جامع کتاب کا مقصد صرف سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات (اخبار عن الغیب) کی شکل میں بیان کرنا ہے۔ الحمد للہ کہ جو کچھ اس بارے میں لکھا گیا وہ ثبوت مقصد کے لیے کافی ہے، ہر چند کہ حصر دشوار ہے۔

قسم چہارم از معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بندوں کی دعاؤں کا قبول فرمانا رب العالمین کے صفات علیا میں سے ہے۔ وہ رؤف الرحیم ہر ایک بندہ کی دعا کو بشرطیکہ پورے افتقار و اضطرار سے کی گئی ہو، قبول فرماتا ہے:

﴿ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ﴾ ❹

''وہ کون ہے اللہ کے سوا، جو مضطر کی پکار کو قبول فرماتا ہے۔''

وہ رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ اہل اطاعت کی دعاؤں کو خصوصیت سے منظور فرماتا ہے۔

﴿ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ ❺

''جب مجھ سے مانگنے والے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں ان کی پکار کو سن لیتا ہوں اور درخواست کو منظور کر لیتا ہوں۔''

وہ عزیز الحکیم اپنے عہد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بزرگی کو جہاں و جہانیاں کے دلوں میں مستحکم و استوار کرنے کے لیے ان

---

❶ ابوداود، کتاب السنة، باب شرح السنة، حدیث: ٤٥٩٦، ٤٥٩٧؛ ترمذی، ابواب الایمان، باب ما جاء فی افتراق هذه الأمة، حدیث: ٢٦٤٠۔ ❷ مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، باب ذكر مناقب عوف بن مالك: ٣/ ٥٤٧؛ مستدرك حاكم، كتاب العلم، باب تفترق هذه الأمة على ثلاث وسبعين ملة: ١/ ١٢٨؛ سنن کبری بیهقی، کتاب الشهادات باب ماترد به شهادة أهل الأهواء، ج١٠/ ٢٠٨؛ معجم کبیر طبرانی، ج١٨ ص: ٥١، ٧٠۔

❸ ٢٢/ الحج: ٧٨۔ ❹ ٢٧/ النمل: ٦٢۔ ❺ ٢/ البقرة: ١٨٦۔

کی دعاؤں کو بہ سرعت و بکثرت منظور فرماتا ہے۔حتیٰ کہ یہ علامت بجائے خود ایک معجزہ (دنیا کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کرنے والی) ایک نشانی (طالبان ہدایت کو راہ ہدایت پر لانے والی) ایک آیت (اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچانے والی) بن جاتی ہے۔

سینکڑوں ایسے نظائر موجود ہیں کہ نبی ﷺ کی زبان صدق سے جو الفاظ نکلے وہ پورے طور پر اسی طرح منجانب اللہ پورے کیے گئے، جیسا کہ ان الفاظ کے معانی لغوی کا اقتضا تھا۔ ایسے نظائر کا حصر دشوار ہے، مگر سیرت نگار کا فرض ہے کہ اس چمن فردوس بہار کی شمیم سے ناظرین کے دماغ کو عنبرآگین بنانے کی سعی کرے۔

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم [1] میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انہی ایام میں نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اٹھا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مال تباہ ہو گیا اور عیال بھوک سے نڈھال ہیں۔ ہمارے لیے دعا فرمایئے۔ نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔ اس وقت آسمان پر کوئی بدلی بھی نہ تھی۔ اللہ کی قسم کہ ابھی حضور ﷺ نے ہاتھ نیچے بھی نہ کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ ابھی منبر سے نہ اترے تھے کہ حضور ﷺ کی ریش مبارک پر قطراتِ بارش نظر آنے لگے۔ اس روز سارا دن برستا رہا۔ پھر اگلے اور اگلے دن بھی غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا اور پھر وہی اعرابی حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا، کہا اے اللہ کے رسول! اب تو مکانات گرنے لگے۔ نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ الفاظ کہے: ((اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا)) الٰہی گردونواح میں برسے، ہم پر نہ برسے۔ پھر حضور ﷺ جدھر کے بادلوں کی طرف اشارہ فرمادیتے تھے۔ وہی پھٹ جاتے تھے حتیٰ کہ مدینہ صاف نکھر گیا اور شہر سے باہر جل تھل کا منظر ہو گیا اور باہر سے بھی جتنے لوگ آئے سب نے بارش کا ہونا بتلایا۔ [2]

قتل سے مصئون رہنے کی دعا

۲: طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے حضور میں آئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائی جائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَةَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ)) [3]

''الٰہی میں مشرکین پر ابن ثعلبہ کا خون حرام کرتا ہوں۔''

یہ بزرگ جہاد میں دشمن پر بے دھڑک حملے کیا کرتے اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے اور پھر صحیح سلامت واپس آجاتے۔

---

[1] بخاری، کتاب الجمعة، باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة حدیث:۹۳۳؛ مسلم، کتاب صلاة الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء، حدیث: ۲۰۷۸۔ [2] بیہقی و ابن عساکر نے اس واقع پر حضور ﷺ کی دعائے استغفار کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا هَنِيْئًا مَرِيْئًا غَدَقًا طَبَقًا عَاجِلاً غَيْرَ رَائِثٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ وَتُنْبِتُ بِهِ الزَّرْعَ وَتُحْيِيْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ)). الخصائص الکبریٰ، باب ما وقع فی وفد فزارة: ۲/ ۴۲۔

[3] معجم کبیر للطبرانی، ج۸، ص:۳۰۸، حدیث:۸۱۵۶۔

دعائے عفت

۳: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت مل جائے۔ لوگ سنتے ہی اسے دیکھنے اور جھڑ کنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب آ ؤ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتا ہے وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔ [1]

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو، وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا: ہاں کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو، وہ بولا قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں کوئی اپنی بہن کے لیے ایسا پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو، وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا: ہاں کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا، تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو، وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا: ہاں کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اس پر رکھا اور یہ الفاظ زبان سے کہے: ((أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَأَحْصِنْ فَرْجَهٗ)) ''الٰہی اس کا گناہ دور کر دے، اس کا دل پاک کر دے اس کا ستر محفوظ کر دے۔'' اس دعا کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کیا کرتا تھا۔

قبل از دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے استدلالاً سمجھانا چاہتے تھے اگر زنا کی اجازت دی جائے تو زانیہ بہر حال کسی کی بیٹی یا بہن یا ماں یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ ہوگی اور یہ رشتے ایسے ہیں کہ خود سائل اور جملہ دیگر اشخاص بھی فطرتاً پسند نہیں کرتے کہ ان کی ایسی قرابت میں زنا کا وجود پایا جائے۔ لہٰذا جواز زنا کی درخواست جیسا کہ ایک غیور انسان کی فطرت کے خلاف ہے، اسی طرح وہ جملہ نوع بشری کی غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی انسان زنا کو پسند نہیں کر سکتا۔ یہ نکتہ سمجھانے کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

۴: صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسریٰ (خسرو بن پرویز) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان دعوت کو پڑھ کر چاک کر ڈالا تھا۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فرمایا: ((يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ)) وہ خود پارہ پارہ ہو گئے۔ قوم پارسی کو دیکھو اور وطن سے ان کی

---

[1] احمد: ۵/ ۲۵۷ حدیث: ۲۲۱۱۲؛ شعب الایمان، الباب السابع والثلاثون، حدیث: ۵۴۱۵۔

[2] بخاری، کتاب العلم، باب ما یذکر فی المناولة، حدیث: ۶۴۔

جدائی کا خیال کرو اور دیکھو کہ اب وہ کیسی تفریق اور پراگندگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بیہقی ❶ نے بروایت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا ((مَزَّقَ كِسْرىٰ مُلْكَهُ)) ''کسریٰ نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا'' صفحہ امان پر تلاش کرو کہ جب سے آخری کسریٰ خلیفہ ارشد، عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہلاک کیا گیا، اس کے بعد کوئی کسریٰ بھی ہوا؟ پارسی قوم میں حکومت یا سلطنت کا نام ونشان بھی کہیں پایا جاتا ہے؟ خسرو کا انجام بہت ہی حسرت ناک ہوا۔ اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں ''شیریں'' پر عاشق ہوگیا۔ باپ کو رشک رقابت میں خنجر سے ہلاک کر دیا۔

چاک فرماں نبی کی ہے سزا چاک شکم
دیکھ اے خسرو پرویز یہ بیداد نہیں

۵: بیہقی ❷ نے بروایت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ بُجَیْر بن بُجْرَۃ نے جو قوم طے سے تھا، واقعہ دومۃ الجندل کے متعلق اپنا شعر رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: ((لا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ)) وہ نوے (۹۰) برس کی عمر تک پہنچے، ان کی سب داڑھیں اور دانت سالم تھے۔ ❸

سائب بن یزید کے لیے دعا

۶: صحیح بخاری ❹ میں جُعَیْد بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ سائب بن یزید ۹۴ سال کے ہو کر فوت ہوئے اور باایں ہمہ مضبوط، معتدل تھے، انہوں نے کہا کہ یہ نبی ﷺ کی دعا کا ثمرہ ہے کہ میری بینائی وشنوائی اب تک درست ہیں۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ احد العشرۃ المبشرۃ کے لیے دعا

۷: صحیحین ❺ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمٰن کو ((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ)) فرما دیا تھا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں اس کی برکت سے اب تک یہ ہے کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو توقع ہوتی ہے کہ یہاں سے مجھے سونا یا چاندی دستیاب ہوگی۔ ❻

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

۸: صحیحین میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے ان الفاظ میں دعا دی تھی: ((اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ

---

❶ دلائل النبوة، باب ما جاء في بعث رسول الله ﷺ إلى كسرى بن هرمز، ج: ٤/ ٣٨٨۔

❷ دلائل النبوة، باب بعث النبي خالد بن الوليد إلى أكيدر دُومة ج:٥/ ٢٥١۔ ❸ شعر یہ ہے۔

تَبَارَكَ سَائِقُ الْبَقَرَاتِ اِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ يَهْدِيْ كُلَّ هَادٍ
فَمَنْ يَّكُ حَائِدًا عَنْ ذِيْ تَبُوْكَ فَاِنَّا قَدْ أُمِرْنَا بِالْجِهَادِ

خصائص الكبرىٰ، باب ما وقع في سرية قطبة: ١/ ٤٦٤۔

❹ بخاري، كتاب المناقب، باب نمبر ٢١، حديث: ٣٥٤٠۔

❺ بخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء للمتزوج، حديث: ٦٣٨٦؛ مسلم، كتاب النكاح، باب الصداق، حديث: ٣٤٩٠۔

❻ دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في دعاءه لعبدالرحمن بن عوف: ٦/ ٢١٨۔

وَبَارِكْ لَهٗ فِيْ مَا أَعْطَيْتَهٗ))

''الٰہی اس کے مال، اس کی اولاد کو بڑھا اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، بخدا میرے پاس مال کثیر ہے اور میرے بیٹوں اور پوتوں کا شمار ایک سو کے قریب تک ہے۔ [1] ترمذی اور بیہقی میں ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باغ تھا جس کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے۔ اس باغ میں ایک ایسا پھول تھا جس کی خوشبو کستوری جیسی تھی۔ [2]

مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

۹: ابن عساکر اور مندہ نے یزید بن ابومریم سے روایت کی ہے کہ میرے والد مالک بن ربیعہ نے مجھے بتایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے کثرت اولاد کی دعا فرمائی تھی اللہ نے مجھے اسّی (۸۰) فرزندان نرینہ عطا فرمائے۔

تکبر کی سزا

صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''داہنے ہاتھ سے کھاؤ'' وہ بولا میں نہیں کھا سکتا۔ یہ جواب اس نے صرف غرور میں آ کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نہ کھا سکے'' بعد ازیں اس کا داہنا ہاتھ منہ تک نہیں اٹھ سکتا تھا۔ [3]

شکستہ استخوان کی درستی کا معجزہ

۱۱: صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قتل ابورافع کے بعد زینہ سے اترے تو گر پڑے اور ان کی پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ فرمایا، پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ دستِ مبارک رکھ دیا۔ فوراً میں ایسا تندرست ہو گیا، گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ [4]

فصل پنجم

اسماء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے سید و آقا خواجہ ہر دوسرا کا مقدس نام ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ یہ نام قدرت الٰہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہے کہ اس کا مسمی ضرور امام الانبیاء اور سرتاج کائنات و مافیہا ہے۔ اس کی شرح آیت ﴿محمد رسول الله﴾ کے تحت میں موجود ہے۔

ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بزرگوں کے اسماء پر غور دلانا ضروری ہے۔ ان اسماء کو 'ارہاص نبوت'' قرار دینا صحیح ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبداللہ ہے، والدہ مکرمہ و معظمہ کا نام آمنہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایا (انا) کا نام حلیمہ ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بکثرة الولدمع البرکة، حدیث:٦٣٨٠؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس بن مالك، حدیث:٦٣٧٢، ٦٣٧٦۔ [2] ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب انس بن مالك، حدیث:٣٨٣٣؛ دلائل النبوة، باب دعاؤه لأنس بن مالك، ج:٦/ ١٩٥۔ [3] مسلم، کتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب، حدیث: ٥٢٦٨۔ [4] بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع، حدیث: ٤٠٣٩۔

یعنی حضور ﷺ ہی ایسے مقدس ہیں، جن کا پیکر اطہر عبودیت کے خون سے بنا جنہوں نے امن کے بطن میں مراتب وجود کو مکمل فرمایا، جن کی تربیت حلم و بردباری کے شیر سے ہوئی۔

کیا ایسے اسماء کا اجتماع محض اتفاقی ہے؟ نہیں، بلکہ قدرت اس مولود مسعود کی شان رفیع کی آئینہ داری فرما رہی ہے اور بتلا رہی ہے کہ جس بچہ کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت نمودار ہو۔ ضروری ہے کہ وہ بچہ حقیقۃً ''محمد ﷺ'' ہو۔

اب غور کرو کہ لغوی معنی کے تحت میں ایک پیش گوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی جانب سے جملہ عوالم پر یہ راز آشکارا کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسمّٰی کی مدح وثنا دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ توالی وتواتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب میں ساری ہے وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبت شاہانہ مساجد کے بلندترین میناروں سے سامعہ نواز ہے؟

وہ کون ہے، جس کی سیرت پاک انسانی زندگی کے ہر لحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے؟

وہ کون ہے، جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم سے محسود ہے؟

وہ کون ہے، جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے؟

وہ کون ہے، جس کی تعلیم کی وسعت بر و بحر پر چھائی ہوئی ہے؟

ا: بے شک وہ ''محمد'' ہے۔ اسم بھی محمد ہے اور مسمّٰی بھی محمد ہے اور حمد کو اس کی ذات ہمایونی سے نسبت خاص ہے۔

(۱) اسی کے مقام شفاعت کا نام ''مقام محمود'' ہے اور اسی کی امت ''حمادون'' کے لقب سے روشناس ہے اسی کی لائی ہوئی کتاب کا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [1] سے افتتاح ہوتا ہے۔

(۲) ہاں اسی کا نام ''احمد'' ہے۔ یہ بھی اسی سرچشمہ ''حمد'' سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع و ماخذ کے اعتبار سے اتحاد تام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار و برکات خاص سے مختص بھی ہیں۔

وہ ''محمد ﷺ'' ہے اور اسی لیے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر و مدح خواں ہے۔

وہ ''احمد'' ہے اور اسی لیے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریت کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک، اپنے خالق، اپنے رازق اپنے ہادی، اپنے معطی کی حمد و ثنا پھیلائی ہے۔

ہاں وہ ''محمد ﷺ'' ہے اور کل دنیا اس کی مداح ہے۔

وہ ''احمد'' ہے اور وہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد و احمد زمیں خواند و زماں حمید باشد و محمود ذاتِ ربانی
فزوں تراز کو کسے را نہ مدح گفت زماں نہ برتر از تو کسے گفت حمد سبحانی

محمد ﷺ احمد ﷺ

[1] ۱/ الفاتحۃ:۱۔

ہاں وہ پیارا ہے، اسی نے دشمن و دوست سب سے پیار کیا ہے۔

وہ حبیب ہے اور اسی نے محبت کو تاج اکمال سے مزین فرمایا ہے۔

۱: وہ محبوب ہے، مگر محبین سے بے نیاز ہے۔

۲: وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

۳: وہ متبوع ہے اور اس کی تبعیت دوسرے کو مطاع بنا دیتی ہے۔

۴: وہ نبی ہے اور اسی کی نباوت نے ہزاران ہزار حجاب چشم بصیرت سے ہٹا دیئے ہیں۔

۵: وہ رسول ﷺ ہے اور اسی کی رسالت نے نوع بشر کو اتمام نعمت اور اکمال دین اور رضوان رحمٰن کے انعامات سے ممتاز فرما دیا ہے۔

۶: وہ عبد ہے اور اسی کی عبودیت نے عبودیت کو اورنگ خلافت پر متمکن کر دیا ہے۔

۷: وہ معلم ہے اور اسی کی تعلیم نے مسیح علیہ السلام کے اس قول اور امید کو پورا کر دیا ہے کہ وہ صداقت کی ساری تعلیم دے گا۔

اس نے اپنی درس گاہ قدس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اس نے اپنی تعلیم پر کوئی فیس مقرر نہیں کی وہ مرموزات وتمثیلات میں تعلیم نہیں دیتا۔ اس نے اپنے اور ارشد تلامذہ کے درمیان اشاراتِ خاص نہیں تجویز کیے ہیں ۔ اس کے ادبستان پر ﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [1] کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے پاک دروس کا آغاز انسان کے جانے پہچانے علوم ومعارف کے انجام سے ہوتا ہے۔

۸: وہ امین ہے، اس کا یہی نام یوحنا رسول کو مکاشفات میں بتایا گیا اور اس کا یہی نام قریش کی زبان پر جاری ہوا۔ اسی نام سے حضور ﷺ کا احتشام ووقار نمایاں ہے اور اسی نام سے حضور ﷺ کا وحی آسمانی کا امانت دار ہونا واضح ہے۔ اسی معنی کی طرف حدیث مسلم عن ابی سعید رضی اللہ عنہ میں صراحت کی گئی ہے۔ کعب بن اسراف رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

أَمِيْنٌ مُحِبٌّ لِلْعِبَادِ مُسَوَّمٌ بِخَاتَمِ رَبٍّ قَاهِرٍ لِلْخَوَاتِمِ

۹: وہ امی ہے اور ام القریٰ کی عزت ووقعت اسی نسبت قدسیہ سے ہے۔

وہ امی ہے اور ولید سعید کی طرح جملہ افعال واقوال میں معصوم ہے۔

وہ امی ہے اور اس کی تعلیم حروف کتابی یا نقوش مرسیہ کی احتیاج مند نہیں۔

۱۰: وہ برہان ہے، قرآن مجید میں ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ [2] فرمایا گیا ہے اور امام سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر میں برہان آنحضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے۔

ہاں وہ برہان ہے اور حجت اللہ ہے۔

وہ برہان ہے اور حضور ﷺ کی ذات ہمایوں بذات خود ایک روشن دلیل ہے۔

۱۱: وہ بشر ہے، اور ﴿ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ [3] کے تاج سے متوج ہے۔ آدم کے لیے ابوالبشر ہونا اسی صد گونہ افتخار کا موجب ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں۔

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱۵۱۔ [2] ٤/ النسآء:۱۷٤۔ [3] ۱۸/ کهف:۱۱۰۔

ہاں وہ بشر ہے اور حضور ﷺ کا حسن ظاہر و جمال اطہر اہل لغت کو اسی معنی لغوی کی تعلیم دیتا ہے۔

۱۲: وہ بشیر ہے، اور ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ ❶ کے خطاب سے مخاطب ہوا وہ مبشر ہے اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کا مقصد حضور ﷺ ہی کی بشارت کا پہنچا دینا ہے۔

﴿ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ ❷ وہ بشارت رساں بھی ہے اور اہل ایمان و ایقان کے لیے ہزار در ہزار بشارت کا اعلام فرمانے والا ہے۔

۱۳: وہ بینہ ہے۔ وہ خود آیات باہرہ اور علامات واضحہ اور دلائل حقہ کا مجموعہ ہے۔ اس کا وجود سراپا صداقت ہے اور اس کا پیکر سراپا حقانیت ہے۔ یہی بینہ اہل کتاب اور مشرکین کی ظلمات کو دور کرنے والا ہے۔ تاریکیوں کو اٹھا دینے والا، عالم تیرہ وتار میں اجالا پھیلا دینے والا ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مثال حضور ﷺ ہی پر صادق ہے۔

۱۴: وہ حبیب اللہ ہے اور اس تقرب کا مالک ہے، جس کا ذکر حدیث صحیح میں بندۂ عابد و ساجد کے لیے ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

((فَاِذَا أَحْبَبْتُهُ وَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ بِهِ)) (الحدیث)۔ ❸

۱۵: وہ حلیم ہے، حلیم حُلم، بالضم سے بھی ہے اور یہ لفظ وفور دانش اور کمال عقل پر دال ہے۔ حلیم حلم۔ بالکسر سے بھی ہے۔ وہ مصائب کا برداشت کرنے والا، دشمنوں کے ہاتھوں سے پتھر کھانے والا اور جواہر لٹانے والا، گالیاں سننے والا اور دعائیں کرنے والا ہے۔

حضور ﷺ کا یہ اسم گرامی قبل از نبوت مشہور عالم تھا۔ سردار ابوطالب فرماتے ہیں:

حَلِيْمٌ رَّشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ
يُوَالِيْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ

۱۶: وہ خازن ہے، امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ((اِنْ اَنَا اِلَّا خَازِنٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ))۔ ہاں وہ خزینہ دار ربانی ہے، وہ گنجور رحمانی ہے، عطائے سبحانی کی تقسیم اسی گھر سے ہوتی ہے گہر پاشی اسی ید مبارک کا خاصہ ہے۔ ❹

۱۷: وہ خلیل الرحمٰن ہے، اہل عرب کے نزدیک محبت کے دس مراتب۔ ۱:۔ علاقہ، دل کا ذرا سا اٹکاؤ۔ ۲:۔ ارادہ، وہ میلان جو علاقہ کے بعد نمودار ہو۔ ۳:۔ صبابت، صَبَا يَصْبُوْ پانی کا نشیبی زمین پر بہہ نکلنا ہے اور اس جگہ بے اختیاری شوق کا نام ہے۔ ۴:۔ غرام، غرام قرض یا تاوان کو کہتے ہیں اور یہاں اس محبت لازم کا نام ہے جو قرض ہو کر چمٹ جاتی ہے اور کسی وقت بھی علیحدہ نہیں ہوتی۔ ۵:۔ وداد۔ خلوص محبت اور مغز محبت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی ودود بتلایا ہے۔ ۶:۔ شغف۔ شغاف پردۂ دل اور شغف و محبت جو قعر دل تک جا پہنچے۔ ۷:۔ عشق، یہ عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل ہوتی ہے۔ زرد رنگ کی جس درخت سے لپٹ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور عشق کی تاثیر بھی عاشق کے حق میں یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حالت سے استعاذہ فرمایا کرتے۔ ۸:۔ التیّم، انکسار اور عجز تمام کو کہتے ہیں، یتیم کا نام یتیم بھی اسی لیے ہوا کہ وہ انکسار اور عجز تام کا مورد ہوتا ہے۔ ۹:۔ التعبد، جب کہ محبّ جملہ دعاوی تملیک نفس و مال و عزت سے دستبردار ہو کر سارے دل و جان سے دوسرے کا غلام بن جائے۔ ۱۰:۔ خلت، جب کہ دل وسوسہ

---

❶ ۳۵/ فاطر:۲٤۔ ❷ ٦١/ الصف:٦۔ ❸ بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، حديث:٦٥٠٢ میں یہ الفاظ ہیں: ((حَتّٰى أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ))۔ ❹ احمد:۲/ ۳۱٤، حديث:۸۱٤۰۔

غیر سے اور عقل تعقل غیر سے اور نیت وعزم تعبد وتشوق غیر سے کلیۃً خالی ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کی تکمیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمائی ہے۔

مشہور عوام یہ ہے کہ درجہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے اور وہ خلیل الرحمٰن ہیں اور درجہ محبت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور وہ حبیب اللہ ہیں، لیکن دو حدیث صحیحہ میں نبی ﷺ کا خلیل الرحمٰن ہونا بھی ظاہر فرمایا گیا ہے۔ (۱) ((اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا))

(۲) ((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ))

۱۸: وہ خطیب الانبیاء ہے۔ حدیث الشفاعت میں ہے ((كُنْتُ اِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ)) [1]

(الف) خطیب، خطب سے ہے، خطب کے معنی فصاحت زبان میں اور خطیب وہ ہے جو صاحب فصاحت و بلاغت ہو۔ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کی صفت فصاحت کا ذکر فرمایا ہے۔

هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ اور حدیث بالا میں ہے کہ جملہ انبیاء کے مقدس ترین گروہ میں یہ شرف حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ((اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ)) سادہ صاف الفاظ، شستہ ترکیب، مختصر عبارت میں ایسے معانی عالیہ کو بھر دینا جو عمیق بھی ہوں اور دقیق بھی داخل کمال فصاحت ہے اور حضور ﷺ کا خطیب الانبیاء ہونا اسی اعتبار سے ہے۔ [2]

(ب) خطیب، خطابت سے ہے اور اس سے مراد اوامر ونواہی اور مواعظ وامثال کا بیان کرنے والا ہے۔

(ج) خطیب کے معنی وہ شے بھی ہیں، جس میں الوان بوقلموں شامل ہوں اور خطیب وہ ہے جو جملہ انواع کلام اور اسالیب خطاب کا ماہر و قادر ہو۔

۱۹: وہ خافض ہے، یہ نام قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [3]

طیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت، کیسے پیار، کیسی ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہپروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں، اہل ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت و پیار اور نگہداشت وحفاظت کا سلوک اس مثال سے بھی بڑھ کر تھا۔

۲۰: وہ خیرۃ اللہ ہے، خیرۃ کو علمائے لغت نے بکسر خاء اور بفتح خاء بہر دو صورت روایت کیا ہے۔ اس اسم کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ خیر الناس ہیں، خیر البریہ افعال خیر میں افضل واکثر ہیں۔

۲۱: وہ داعی الی اللہ ہے۔ کسی شخص کی طرف سے کسی کا دعوت دینے کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ اذن یافتہ بھی ہو۔ دنیا میں دیکھو، اگر کسی کا ملازم کسی کو دعوت طعام دے آئے مہمان صاحب خانہ کے ہاں پہنچیں اور تب میزبان کو اور مہمان کو پتہ لگے کہ نہ کسی نے بلایا اور نہ کوئی بلایا گیا۔ تب طرفین کو کس قدر ندامت اور رنج کا احساس ہوگا اور وہ دعوت دینے والا کس قدر ذلیل وحقیر اور جانبین کی طرف سے ہدف ملامت سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا اسم مبارک داعیاً الی اللہ تجویز کیا، تو کلام پاک میں اس کے ساتھ ساتھ بِاِذْنِهٖ بھی شامل فرما دیا

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا اللّٰہ لی الوسیلة، حدیث:٣٦١٣۔ [2] مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث: ١١٧١۔ [3] ١٥/ الحجر: ٨٨۔

اور اہل عالم پر ظاہر کر دیا کہ محمد ﷺ کو اختیار کلی دیا گیا ہے کہ سب کو اللہ کے گھر کا مہمان بنائیں اور تقرب و رضوان کی دعوت دیں۔ یہ اسم حضور ﷺ کے اسمائے خاصہ میں سے ہے۔

۲۲: وہ رحمت ہے اور آیت قرآنیہ میں حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ 1 فرمایا اور قرآن حکیم کو ﴿ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ 2 خانہ کعبہ کو ﴿ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ کشتی نوح علیہ السلام اور مریم و مسیح علیہما السلام کو ﴿ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ بنایا مگر ﴿ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ صرف حضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ 3 کے ارشاد کو پیش نظر رکھو اور دیکھو کہ رحمۃ للعالمین کے خطاب میں کتنی وسعت، کتنی برکت، کتنا فیض موجود ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت کا فیضان اہل ایقان کو بھی پہنچا جو دنیا میں حکمران بنے اور آخرت میں مغفرت و رضوان کے مستحق ٹھہرے منکرین اور اہل خسران کو بھی پہنچا جو بہ برکت دعائے مصطفوی ﷺ عذاب دنیوی غرق اور ہلاکت و تباہی سے مامون کیے گئے۔

عورتوں، بچوں، یتیموں، رانڈوں، مسافروں، اسیروں، غلاموں، لونڈیوں، رعایا و برایا و گروہ حکم فرما کو بھی پہنچا۔ جن کی راحت و آسائش اور حقوق و مفاد کے متعلق حضور ﷺ نے مستحکم آئین شرع متین، ضابطہ مبین دستور اساسی اور اصول مدنی و سیاسی وضع فرمائے اور ان سب پر اپنی حیات طیبہ میں خود بھی عمل فرما رہے اور تمام امت کو بھی پابند عمل فرمایا۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض طیور و وحوش اور مراکب و مواشی کو بھی پہنچا، جن کے ذبح و شکار کے قواعد اور تغذیہ و تربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض شوارع و طوارق اور مشارب و موارد کو بھی پہنچا، جن کو پر امن اور مصفا و پاکیزہ رکھنے نیز انجاس وارجاس و قاذورات سے پاک رکھنے کے قواعد مرتب فرمائے گئے۔ الغرض اس رحمت سے نہ کوئی کشتنی و گردن زدنی عدو محروم رہا اور نہ کوئی ذبح شدنی ان سے مہجور کیا گیا۔

لہٰذا حضور ﷺ کا سراپا رحمت ہونا اور بہ ہمہ وجوہ رحمۃ للعالمین ہونا مسلم و ثابت ہے۔

۲۳: وہ روح الحق ہے، اس خطاب کا استعمال سب سے پہلے مسیح نے اپنی اس آخری تقریر میں فرمایا جو انہوں نے دنیا چھوڑنے سے پیشتر اپنے خلفاء کے سامنے فرمائی تھی۔ 4

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اناجیل اربعہ میں عام طور پر اس روح القدس کا استعمال ہوا ہے۔ اور اس سے وہ ملکوتی قوت و شخصیت مراد ہے، جسے اہل اسلام جبرائیل کہتے ہیں اور جسے مسیحی صاحبان ان اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم اور ارکان تثلیث میں سے ایک رکن بتاتے ہیں اور بایں ہمہ اس کی ہستی کے متعلق وہ ذرا بھی عرفان نہیں رکھتے۔

ہاں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں اسم روح الحق کا استعمال ہوا۔ اس کے کام اور اس کی شان اور اس کی علامات کا اعلان کیا گیا۔ وہ روح الحق ہے اور ساری صداقت کی تعلیم دینا اس کا خاصہ ہے۔ وہ روح الحق اور طالبان خاک نشین کو پستی

---

1 ۷/ الاعراف: ۵۴۔ 2 ۱۲/ یوسف: ۱۰۴۔ 3 ۷/ الاعراف: ۱۵۶۔ 4 دیکھو یوحنا ۱۶ باب از ۱۱ تا ۱۶ درس۔

سے اٹھا کر زندگی کے بلند ترین کنگرہ پر پہنچا دینا اس کا کام ہے وہ روح الحق ہے اور زندگی بخش کلام اس کے منہ میں ہے۔ وہ روح الحق ہے اور قلوب مردہ کو حیات روحانی کا عطا کرنا اس کے فرائض میں ہے، اس کی تعلیم ظاہر کو پاک اور باطن کو طاہر، دماغ کو روشن اور قلب کو منور کرنے والی ہے۔

۲۴: وہ سید ہے اور سیادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے ؎

اے کہ برتخت سیادت زِ ازل جاداری
آنچہ خوباں ھمہ دارند تو تنہا داری

وہ سید کہلانے سے بے نیاز ہے۔ وہ سید ہے اور اپنے سید (اللہ تعالیٰ) کا عبد کہلانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ سید ہے اور اسباط رسول ((اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ))(ترمذی عن ابی سعید و صححه) کے خطابات صحیحہ سے معزز ہیں۔ [1]

وہ سید ہے اور اس کے وزراء بھی اسی اعزاز سے مشرف ہیں۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ: ((هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُوْلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ)) [2]

وہ سید ہے اور اس کے حلقہ نشیں بھی اسی علم گرامی سے روشناس ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری دیکھ کر حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: ((قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ)) [3]

وہ سید ولد آدم ہے۔ وُلد جمع ہے وَلد کی، اس خطاب سے حضور ﷺ کا سید اولاد آدم ہونا آشکار ہے۔ ظاہر ہے کہ ولد آدم کے دائرہ میں ہر ایک بشر، ہر ایک انسان، ہر ایک آدم زاد داخل ہے۔ جملہ اولین و آخرین اسی جملہ میں شامل ہیں۔ کیا کوئی وجہ التباس موجود ہے کہ خود آدم بھی اسی میں داخل ہیں یا نہیں شک کی ضرورت نہیں۔ دوسری صحیح حدیث میں ((آدَمُ وَمَا دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ)) [4] موجود ہے اور ہر دو احادیث بصر افروز و بصیرت افزا ہیں۔

۲۵: وہ شارع ہے۔ شریعت بیان کرنا آسان بات نہیں۔ موسیٰ صاحب شریعت ہیں اور ان کے بعد بنی اسرائیل میں دو ہزار سال تک کوئی بھی صاحب شریعت نہ نکلا۔

بزرگوار مسیح علیہ السلام نے بھی فرمایا: "یہ مت سمجھو کہ میں تورات منسوخ کرنے کو آیا ہوں، بلکہ اسے مضبوط کرنے کو آیا ہوں۔"

ہنود میں منوجی مہاراج ہوئے ہیں، جنہوں نے سمرتی پیش کی ہے۔ میں دنیا کی تمام قانون ساز کونسلوں اور ضوابط وقواعد مرتب کرنے والی حکومتوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ہر سہ شریعتوں کو دیکھیں اور رپورٹ کریں کہ ان میں سے کون سی شریعت

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی بن ابی طالب، حدیث: ۳۷۶۸۔

[2] رواہ الترمذی، ابواب المناقب، باب ابو بکر و عمر سیدا کہول أهل الجنة حدیث: ۳۶۶۵۔

[3] بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب، حدیث: ۴۱۲۱۔

[4] مسند ابی یعلی الموصلی اول مسند ابن عباس، حدیث: ۳۲۲۸؛ صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب الحوض والشفاعة، ذکر الاخبار بأن الانبیاء اولهم واخرهم یکونون فی القیامة تحت لواء المصطفٰی؛ دارمی، مقدمة باب ما اعطی النبی ﷺ من الفضل، حدیث: ۴۸؛ ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا اللّٰه لی الوسیلة، حدیث: ۳۶۱۵۔

زیادہ مکمل زیادہ مفصل جزئیات پر حاوی، کلیات پر مشتمل، ضرورت انسانی پر محتوی اور تمدن کی حامی ہے۔

بس ایک بات پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جب شرائع موجودہ عالم کی جانچ پڑتال ان اصولوں پر کی جائے گی تو شریعت محمدیہ کی فوقیت اور حضور فداہ ابی وامی کا تفوق خود بخود آشکارا اور واضح ہو جائے گا۔

:۲۶ وہ شافع ہے شفاعت کے معنی لوگوں نے کیا سمجھے؟ کسی نے کہا شفیع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غفران ذنوب فرماتا ہے، اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں۔ یہ لوگ شفیع بہ معنی غفور استعمال کرتے ہیں لیکن خود لفظ شفیع اس معنی کا متحمل نہیں کسی نے شفاعت کو بے جا دباؤ بتایا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے (۱) ﴿ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ﴾ ❶ ''جسے اللہ اذن دے'' (۲) ﴿ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ ❷ ''جو ٹھیک ٹھیک بات بیان کرے'' ہر دو اصول بالا شفاعت اسلامی کو ہر دو فریق کے افراط و تفریط سے الگ کر دینے والے شفاعت کو معقول اور قابل تسلیم بنا دینے والے ہیں، ہاں حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں اور حضور ﷺ ہی شفاعت کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔

:۲۷ وہ شاہد ہے، اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعات صحیحہ کو کتمان سے بروز میں لے آئے جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر اور بے علموں کو باعلم اور غائبین کو مثل حاضر بنا دے نبی ﷺ شاہد ہیں اور أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے حضور ﷺ ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لیے استحقاق الوہیت و معبودیت ثابت کیا ہے عبادت و استعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں سینکڑوں مذاہب سرگرداں حیران و پریشان تھے۔ حضور ﷺ ہی کی شہادت نے ان حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ حضور ﷺ ہی نے أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت ادا کی رسالت و نبوت کے خصائص وحی ربانی کی حقیقت و اعمال کا روح سے تعلق، جزا و سزا کا اعمال پر ترتب شریعت کی ضرورت اور شرائع الٰہیہ و نوامیس حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب حضور ﷺ ہی کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر! شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے اور داوری گاہ عالم میں شہادت کے لیے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار در ہزار بندگان اللہ کو اس شہادت پر قائم بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے ان کو بھی شاہد بنا گیا، اور ﴿ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ ❸ کی سند عطا فرما گیا۔

:۲۸ وہ صاحب ہے، صاحب کے معنی ساتھ رہنے والا ہے۔ مسیح علیہ السلام نے حضور ﷺ کا نشان انہیں الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس سے حضور ﷺ کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ ثابت ہے وہ نوع انسان کے ساتھ ساتھ اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ خود یہ نوع باقی رہے، منکرین مکہ بھی حضور ﷺ کو صاحب قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا لیکن قدرت الٰہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا اور ﴿ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ ﴾ ❹ فرما دیا۔ انبیاء علیہم السلام میں ایسے بزرگوار بھی ہوئے ہیں جنہوں نے امت عاصی کے مفسدات اور قابل نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور ان کو چھوڑ کر خود ان سے علیحدہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے استقامت و صبر کی مدح

---

❶ ۷۸/ النبا:۳۸۔ ❷ ۷۸/ النبا:۳۸۔ ❸ ۲۲/ الحج:۷۸۔ ❹ ۸۱/ التکویر:۲۲۔

وثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس نبی کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا، ان کو اپنے دربار سے دور نہیں کرتا۔ خود ان سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ صابر ہے۔ اور اس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت و معیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو، کل کو تمہیں خود اس کا صحابی بننا موجب شرف و عزت بن جائے گا۔

۲۹: وہ صادع ہے۔ صدع بیان واشگاف کو کہتے ہیں۔ امر الٰہی کو صاف صاف بیان کرنا دنیا کی مخالفت و مخاصمت کی پروا نہ کرنا۔ دباؤ اور دھمکی کو وقعت نہ دینا، اعداء کی تدابیر فاسدہ اور مکائد کاسدہ سے مرعوب نہ ہونا حضور ﷺ کا خاصہ ہے۔

وہ صادع ہے، اس نے عرب جیسے خونخوار، وحشی خون ریز بت پرستوں کو صاف صاف سنا دیا ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ ❶ ''تم بھی اور تمہارے معبود بھی جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔'' وہ صادع ہے جس نے یہودی قوم کو جو تجارت کے مالکِ واحد ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر چھائے ہوئے تھے اور جن کے سود اور قرضے کی زنجیریں ہر ایک امیر و غریب کی گردن میں پڑی ہوئی تھیں۔ نیز مسیحیوں کو جن کی حکومتیں، شام، مصر و یمن اور ایشیائے کوچک و یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ صاف صاف لفظوں میں یہ سنا دیا تھا:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ❷

''اے یہودیو! اے عیسائیو! تم تو سچائی کے کسی درجہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم (۱) تورات (۲) انجیل اور (۳) اللہ کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، قائم نہ ہو جاؤ۔''

ہاں صادع وہ ہے جو اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو بھی فرما دیتا ہے:

﴿ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ ﴾ ❸

''کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نقصان یا بہبودی کا مالک نہیں۔''

﴿ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ ﴾ ❹

''کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ سے اور کوئی بھی پناہ نہ دے سکے گا اور میں تو اس کے سوا اور کسی کو اپنا سہارا بھی نہیں پاتا۔''

ہاں وہ صادع ہے جو اپنے عزیز و اقارب کی نسبت بھی یہ پیغام سناتا ہے: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾ ❺ ''اپنے خاندان کے قریب ترین اشخاص کو بھی ڈرا دے۔''

۳۰: وہ صادق ہے۔ منازل روحانی میں صدق کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی معیار احوال، صدق ہی وہ دروازہ ہے جو دربار ذوالجلال تک پہنچاتا ہے۔ صدق ہی بنیاد دین ہے اور صدق ہی کی چوب پر یقین کا خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ صدق ہی ہے جس کا سوال خلیل رب العالمین نے فرمایا تھا: ﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾ ❻

صدق ہی ہے جس کی مجلس دربار شاہی کے قرب میں منعقد ہوتی ہے ﴿ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ ﴾ ❼

---

❶ ۲۱/ الانبیآء:۹۸۔ ❷ ۵/ المائدۃ:۶۸۔ ❸ ۷۲/ الجن:۲۱۔ ❹ ۷۲/ الجن:۲۲۔

❺ ۲۶/ الشعرآء:۲۱۴۔ ❻ ۲۶/ الشعراء:۸۴۔ ❼ ۵۴/ القمر:۵۵۔

نبی ﷺ ہی صادق ہیں اور حضور کا یہ نام یوحنا کو مکاشفات میں بتایا گیا ہے حضور ہی صادق ہیں، اپنی قوم میں اور اپنے وطن میں اور اطراف واکناف میں حضور ﷺ اسی نام سے قبل از نبوت روشناس ہوئے ﴿ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ﴾ ❶ ''وہ جو صدق کو لے کر آیا۔'' حضور ﷺ ہی ہیں جس کے متبعین صدیقیت ومحدثیت کے مراتب پر فائز ہوئے۔

۳۱: وہ مصدوق ہے، اس کے صدق پر زمین وآسمان گواہ ہیں۔ اس کے صدق کی شہادت میں بر و بحر تر زبان ہیں۔ عیسائیوں کے رہبان اور احبار یہودیوں کے آئمہ اور ربیون اس کی صداقت کے کلمہ خواں ہیں لات ومنات وعزیٰ کے پجاری اپنے اپنے کذب و بطلان اور حضور ﷺ کے صدق وحقانیت کے معترف ہیں۔ زبور اور امثال ذی الکفل اور دانیال، یسعیاہ و یرمیاہ، حبقوق وحزقائیل، حجی وملاکی زکریا ویحییٰ علیہم السلام کے صحیفے اس کے صدق وحقانیت کے بیان سے مملو ہیں عباس بن مرد جو عیسائیوں کے مشہور بشپ تھے اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں:

فَآمَنْتُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ أَنَا عَبْدُہٗ وَخَالَفْتُ مَنْ أَمْسٰی یُرِیْدُ الْھَالِکَا
وَوَجَّھْتُ وَجْھِیَ نَحْوَمَکَّۃَ قَاصِدًا وَبَایَعْتُ بَیْنَ الْأَخْشَبَیْنِ الْمُبَارَکَا
نَبِیٌّ أَتَانَا بَعْدَ عِیْسٰی بِنَاطِقٍ مِنَ الْحَقِّ فِیْہِ الْفَضْلُ مِنْہُ کَذَالِکَا

۳۲: وہ طٰہٰ ہے۔ وہ زہرۃ الحیواۃ الدنیا سے دور ہے۔ وہ نعمت ہائے باقیہ سے پرورش یافتہ ہے وہ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا کی سند ہاتھ میں لے کر آیا ہے، اس کی راحت، اس کی آسائش، اس کی خوشنودی، اس کی رضا کا رب العالمین خود نگران ہے۔

۳۳: وہ طیب ہے، اس کی اصل، اس کی نسل، اس کی ازواج، اس کی ذریت، اس کا پیکر، اس کا عنصر اُز جاس وانجاس وعیوب و نقائص قبائح اور رزائل سے پاک ہے۔ وہ زکی ہے، وہ طاہر ہے۔ طیبون اس کے ثنا گستر ہیں اور قدوسی اس پر درود خواں، سیدنا حسان بن ثابت فرماتے ہیں:

صَلَّی الْاِلٰہُ وَمَنْ یَحُفُّ بِعَرْشِہٖ
وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ أَحْمَدٖ

۳۴: وہ طاہر ہے، وہ حسب ونسب میں عالی ہے، آبائے اولین جو اسی کے نور کے حامل تھے۔ سفاح سے پاک رہے اور عمود نسب سے جملہ بزرگان ومحترمین اغیار کی غلامی سے آزاد۔

وہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اسی نے طہارت کی تعلیم دی اور اسی نے طہارت ظاہری وباطنی سے اپنے متبعین کو پاک ٹھہرایا۔ اسی کی تعلیم نے ﴿ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴾ ❷ کی جماعت کو قائم فرمایا اور اسی کے احکام و افعال کی غایت ﴿ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ ﴾ ❸ کو ٹھہرایا ہے۔

۳۵: وہ عبداللہ ہے، عبودیت ہی کمال انسانیت ہے اور عبودیت کی تکمیل منازلِ نبوت ہی میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی نبی اللہ کا ذکر پیار اور محبت اور قبولیت کے لہجہ میں فرماتا ہے، تو اس جگہ لفظ عبد کا اضافہ فرماتا ہے:

---

❶ ۳۹/ الزمر:۳۳۔ ❷ ۹/ التوبۃ:۱۰۸۔ ❸ ۹/ التوبۃ:۱۰۳۔

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ﴾ ❶

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ﴾ ❷

﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴾ ❸

نبی ﷺ کی عبودیت وہ شجرہ طیبہ ہے جس کے پھل نہایت شیریں ہیں۔

(الف) ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ ﴾ ❹

نزول قرآن کا سبب عبودیت کاملہ ہے۔

(ب) ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ ❺

کفایت الٰہیہ کا سبب عبودیت ہے۔

(ج) ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴾ ❻

معراج عبودیت کا ثمر ہے۔

(د) ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴾ ❼

خطابات عالیہ کا شرف عبودیت پر عطا ہوا۔

یہ سچ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے بھی صدیقہ مریم کی گود میں ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ ❽ کہا تھا۔

اور حضور ﷺ کو بھی آیت ﴿ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ ❾ میں عبداللہ فرمایا گیا ہے لیکن ہر دو مقامات پر تفاوت درجات کا نور اپنی اپنی ضیا میں روشن ہے۔ ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ ❿ حضرت مسیح علیہ السلام کا اپنا قول ہے۔ ہنوز فعل اس کی معیت میں نہیں۔ نبی ﷺ کو خود رب العالمین نے عبداللہ فرمایا اور حضور ﷺ کے قیام بر عبادت اور قیام بر دعوت کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے۔

ہاں وہ عبداللہ ہے اور اس کی عبودیت کا شاہد خود معبود مسجود ہے۔

وہ عبداللہ ہے اور دعوت عبودیت میں وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے، وہ عبداللہ ہے اور اس نے کلمۂ توحید میں اپنے مبارک محمود اسم کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کو جزو لاینفک بنا دیا ہے ناممکن ہے کہ کوئی شخص کلمہ شہادت پڑھنا چاہے اور وہ اسم اللہ کے ساتھ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اور اسم محمد کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ نہ پڑھے۔

اے مالک میں بھی اس مقام پر کلمہ شہادت کو دہراتا ہوں اور تیرے خزائن رحمت میں بطور امانت سپرد کرتا ہوں: أَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا۔

---

❶ ۳۸/ صٓ:۱۷۔ ❷ ۳۸/ صٓ:۴۱۔ ❸ ۱۹ مریم:۲۔ ❹ ۲۵/ الفرقان:۱۔ ❺ ۳۹/ الزمر:۳۶۔

❻ ۱۷/ بنی اسرائیل:۱۔ ❼ ۵۳/ النجم:۱۰۔ ❽ ۱۹/ مریم:۳۰۔ ❾ ۷۲/ الجن:۱۹۔ ❿ ۱۹/ مریم:۳۰۔

۳۶: وہ عفو ہے، عفو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے اور نبی ﷺ کی صفات عالیہ میں سے بھی جملہ صفات نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کے ظلال ہیں اور حضور ﷺ کے جملہ محاسن عطیات ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔

۱: کوہ تنعیم کے اسی (۸۰) اعدائے دین کو جنہوں نے حضور ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروف نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا، معاف کر دینے والا وہی ہے۔

۲: زینب بنت الحارث بن سلام خیبری کو جو مسموم گوشت کا ہدیہ لے کر آئی اقبال جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔

۳: سرداران قریش کو جنہوں نے ۱۳ سال تک اشاعت اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشق ستم اور ہدف تیر و نیزہ بنایا۔ مغلوب کر لیے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔

۴: ابن سلول رئیس المنافقین اور اس کی جماعت اہل یثرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی پاجیانہ حرکات سے درگزر کرنے والا وہی ہے۔

۵: جنگ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو ایک زبانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ يَقْبِلُ عُذْرَهُمْ فَإِنْ أَحْسَنُوْا فَاللّٰهُ بِالْخَيْرِ أَجْوَدُ

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و درگزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۳۷: وہ فاتح ہے، اگر فتح کے معنی کشور کشائی و ملک گیری ہیں تو یقیناً حضور ﷺ کی سیرت پاک میں اس کے نمونے بہت کم ملیں گے۔ حضور ﷺ کے مشہور غزوات جن میں لڑائی بھی ہوئی۔ بدر و احد، احزاب و خیبر اور حنین ہیں۔ ان پانچ میں سے فاتحانہ قبضہ صرف خیبر پر کیا گیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہاں کی اراضیات پر انہی دشمنوں کا قبضہ قائم رکھا گیا اور ان سے صرف حق مالکانہ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ باقی چار مقامات کی بابت سنو کہ احد اور احزاب کی جنگ خود مسلمانوں کی اپنی زمین پر ہوئی ہے اور بدر و حنین میں فتح کے بعد بھی کوئی علاقہ شامل خالصہ نہ ہوا تھا۔

بہ وجوہات بالا ضروری ہے کہ اسم فاتح کے معنی پر غور کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا موجود ہے اور اسی میں حضور ﷺ کی فتح مبین اور نصرت عزیز کا اعلان فرمایا گیا ہے وہ فتح صرف اسی ایک استحقاق حاصل کرنے کا نام ہے کہ آیندہ تبلیغ اسلام میں قریش مداخلت نہ کریں گے۔

ہاں حضور ﷺ فاتح ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیم سے ناواقفوں کے سینے کھول دیئے، اسرار روحانی واضح کر دیئے، صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے سامنے جو موانع موجود تھے، ان کو دور فرمادیا، حریت عطا فرمائی اور آزادی دین کے حقوق سے سب کو بہرہ مند فرمایا۔ عمان کا حکمران، اکیدر کا بادشاہ، حبشہ کا تاج ور، یمن کا فرماں روا، شام کا حاکم مختار اپنے اپنے مقامات پر مقیم اور اپنے اپنے ممالک پر متصرف اور اورنگ نشین ہیں، لیکن ان کے دل و دماغ کو اس حبیب اللہ ﷺ نے فتح کر لیا ہے، اور اب ان کو فدوی باخلاص کہلانے میں وہ مزہ ملتا ہے جو شاہ گردوں قباب کہلانے میں نصیب نہ تھا۔

وہ دلوں کا فاتح ہے، وہ قلوب پر قبضہ کرنے والا ہے، وہ روح رواں کی روح رواں اور تاب و تواں کی جان ہے۔

۳۸: وہ قاسم ہے۔صحیح بخاری کی حدیث میں ہے،((أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطِيْ)) [1] دینے والا تو اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں۔حضور ﷺ نے کن کن فیوض و برکات کو عام کیا اور کن کن تجلیات و تدلیات کو بصیرت افروز بنایا، کن کن آلاء و نعم سے دنیا کو متمتع کیا اور کن کن عطایا سے اہل دین کو ممتاز بنایا۔یہ ایک وسیع بیان ہے۔

اس عرب کو جو گرسنہ علوم اور تشنہ حقائق تھا۔حضور ﷺ ہی کی تقسیم نے سیر اور سیراب بنایا، جن نعمتوں کے گنجینہ دار اہل زرتشت تھے اور جن آلاء کے خازن اسرائیل تھے اور جن پرشاد کے بھنڈاری گنگا، جمنا پر قبضہ کرنے والے تھے، ان جملہ خزائن و دفائن کو حضور ﷺ نے نکالا اور عرب پر تقسیم کر دیا۔وہ عرب جو اب تک ریگ، بیاباں اور سنگلاخ وادی کے سوا اور کسی شے کے مالک نہ تھے، انہی لوگوں نے اپنے عطیات کا حصہ دار ہر ایک انسان کو بنایا۔انہی نے ہر ایک صادر و وارد کو اپنے دسترخواں پر بٹھلایا۔ انہی نے مساکین و ابنائے سبیل کے لیے مشرق سے مغرب تک لنگر جاری کیے، پیا و بٹھلائے، برابر کا بٹھلایا، برابر کا پلایا، غیروں کو اپنا کیا اور دشمنوں کو چھاتی سے لگایا اور اس طرح پر آج تمام دنیا زلہ خوار کرم مصطفیٰ ﷺ ہے اور جملہ اہل عالم نمک خوار احمد مجتبیٰ ہے ورنہ یہ حقائق، یہ معارف دنیا کو کہاں نصیب تھے۔

۳۹: وہ مصطفیٰ ﷺ ہے، نبی ﷺ کے خاص اسمائے مبارکہ میں سے ہے حتیٰ کہ اسم مصطفیٰ اب حضور ﷺ کے لیے بطور علم مستعمل ہے اور دوسرے کے لیے نہیں۔آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ آدم اور نوح اور ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام خصوصیت سے وہ بزرگوار ہیں، جن کے لیے فعل اصطفیٰ کا اطلاق ہوا ہے اور اصطفیٰ کا سبب یا ذریعہ کلام الٰہی اور وحی ربانی کا نزول تھا۔یہ وجوہ امتیاز بدرجہ اتم و اکمل وجود نبی ﷺ میں موجود ہیں۔کتاب استثناء کے باب ۱۸ میں نبی ﷺ کی خاص وجہ شناخت یہی فرمائی گئی ہے کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہوگا۔وحی کا نزول اور اس کا تسلسل تنزیل اور تکمیل کی کیفیت جو کچھ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے وہ اور کسی دوسری کتاب میں نہیں۔لہٰذا محمد ﷺ ہی وہ برگزیدہ و چیدہ ہستی ٹھہرے جن کا نام مصطفیٰ ہوا اور جن کا اصطفےٰ ہر ایک مقدس کے اصطفا سے برتر و اعلیٰ ہو۔

قرآن مجید میں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [2]

فرمایا گیا ہے۔آل ابراہیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اور حضور ﷺ کی آل ہر دو شامل ہیں اور اس اسلوب کلام کے اختیار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ آل ابراہیم علیہ السلام کا اصطفےٰ حضور ﷺ ہی کی شمولیت پر مبنی ہے۔

۴۰: وہ مطاع ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے۔جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لیے یہ معیار مقرر کر دیا ہے کہ انبیائے الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے، اور اطاعت انبیا سے گریز کرنے والے ہی اطاعت ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیے جائیں گے اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانون محکم ظاہر فرما دیا ہے:

---

[1] بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قوله تعالیٰ: فان لله خمسه وللرسول، حدیث: ۳۱۱۶۔

[2] ۳/ آل عمران: ۳۳۔

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ❶

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرمادیا، ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ ❷ ''اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی۔'' بعدازاں فرمادیا:

﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ ❸ ''اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب بن جاؤ گے۔''

قرآن مجید میں ﴿ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴾ ❹ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورۂ تحریم میں ﴿ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ ❺ نازل کیا گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی حضور ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں، جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مؤمنین ہر دو آیات نے نبی ﷺ کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرمادیا۔

لہٰذا اب کوئی نبی یا مرسل، کوئی ملک یا حامل وحی، کوئی پیر و مرشد، کوئی امام، کوئی شہید، یعنی مخلوق الٰہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کرسکتا ہو یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعث ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو حدیث پاک ((وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ)) ❻ اسی راز کی کاشف ہے۔

ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قرب الٰہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت و نجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ﷺ ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا مدعی بن کر حضور ﷺ کی اطاعت سے اظہار استغناء کرے تو وہ مغفرت و نجات سے دور ہے اور قرب و رضوان کے منازل عالیہ سے مہجور۔

نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج و مناسب اس لیے دیگر مخلوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار حضور ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین۔

محمد عربی کابروئے ہر دوسر است   کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او
مپندار سعدی کہ راہ صفا   تواں یافت جز در پئے مصطفےٰ

۴۱: وہ ماحی ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث پاک عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِيْ خَمْسَةَ أَسْمَآءٍ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ)) ❼

حضور ﷺ ماحی ہیں، کفر و ضلالت کو محو کرنے والے، شرک اور ماسوا پرستی کو مٹا دینے والے، حجاب رسم و نفس کو اٹھا دینے

---

❶ ٤/ النساء:٦٤۔ ❷ ٤/ النساء:٨٠۔ ❸ ٢٤/ النور:٥٤۔ ❹ ٨١/ التكوير:٢١۔

❺ ٦٦/ التحريم:٤۔ ❻ احمد:٣/ ٣٣٨ حديث:١٤٥٦٥۔

❼ بخاری، كتاب التفسير، سورة الصف، حديث:٤٨٩٦؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب فى أسمائه ﷺ، حديث:٦١٠٥۔

والے، کفران وخذلان کے غاروں کو بھر دینے والے، طغیان وعصیان کی بلند بلند چوٹیوں کو پیوست کر دینے والے حضور ﷺ ہی ہیں، جنہوں نے عرب کے تین سوساٹھ بتوں کو ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ [1] کا حکم سنا کر اوندھے منہ گرایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کے ارشادات کے بعد نصاریٰ نے سیدہ مریم کو والدہ خدا کہنے سے اجتناب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں، جن کی ہدایات نے دام مارگیوں، چتر رنگدیوں جیسے فحش پسند فرقوں کا بیڑہ غرقاب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں، جنہوں نے معصوم بچیوں کو پیوند خاک ہونے سے اور نا کردہ گناہ دلہنوں کو زندہ نذر آتش بنائے جانے سے بچایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے خمر و قمار کو رجس ونجس بتایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے ایک نشلی چیز کو جو ہر صحت انسانی کا دشمن ظاہر کیا۔ الغرض مفاسد ورذائل کو مٹانا مکارہ ومآثم کو محو کرنا حضور ﷺ ہی کی پاک اور طیب تعلیمات کا خاصہ ہے لہٰذا حضور ﷺ کا ماحی ہونا مسلم ہے۔

۴۲: وہ حاشر ہے، قیامت کے دن مرقد پاک اور آرام گاہ خاص سے سب سے پہلے سر اٹھانے والے احیائے موتی کی کیفیت کا ملاحظہ کرنے والے، منادِرب العباد کی ندا پر سب سے پہلے لبیک پکارنے والے عذر خواہی امت کی سب سے پہلے چارہ گری فرمانے والے حضور ﷺ ہی ہیں۔

۴۳: وہ عاقب ہے۔ سب سے پیچھے آنے والا جملہ انبیا کی اقتدا کو جمع کرنے والا عدیم النظیر عدیم المثال، آغازِ نبوت کا انجام اور انجام رسالت کا اتمام۔

۴۴: وہ نور ہے، اسی کے دین پر چلنے والا ﴿ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ ﴾ [2] کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے، اس کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتایا گیا ہے: ﴿ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ﴾ [3] ''اس نور کا اتباع کرو جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔'' اسی کا مبارک نام سورۂ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے: ﴿ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ [4]

خازن ومعالم میں نور کو نبی ﷺ ہی کی ذات بتایا ہے۔ حضور ﷺ ہی وضوح امر اور تبیین نبوت میں نور ہیں اور حضور ﷺ ہی کی تعلیم تنویر قلوب کے لیے نور ہے۔

حبیب اللہ ﷺ کی دعائے ذیل پر غور کرو اور دیکھو کہ مجیب الدعوات سے روزانہ کس شے کا سوال ہے؟ کیا ذات سبحانی کسی کا سوال رد بھی فرماتی ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّأَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَفِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا)) [5]

---

[1] ۱۷/ بنی اسرائیل: ۸۱۔ [2] ۳۹/ الزمر: ۲۲۔ [3] ۷/ الاعراف: ۱۵۷۔ [4] ۵/ المائدۃ: ۱۵۔

[5] کسی ایک متن میں یہ تمام الفاظ یکجا مجھے نہیں ملے البتہ مختلف احادیث میں مختلف الفاظ درج ذیل کتابوں میں مروی ہیں: بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، حدیث: ۶۳۱۶؛ ابوداود، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ اللیل، حدیث: ۱۳۵۳؛ ترمذی، ابواب الدعوات، باب منہ، حدیث: ۳۴۱۹۔

''الٰہی میرے قلب میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور میرے کانوں میں نور، میرے داہنے نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور، نور کو میرا بنا دے، میری زبان میں نور ہو، میرے خون میں نور ہو، میرے پٹھوں میں نور ہو، میرے بالوں میں نور ہو، میرے چہرے پر نور ہو، یا اللہ مجھے نور عطا فرما۔ یا اللہ میرے نور کو بڑھا، یا اللہ! مجھے نور ہی بنا۔''

کعب بن زہیر قصیدہ ''بانت سعاد'' میں کہتے ہیں:

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ

۴۵: وہ مدثر ہے۔ تدثیر کے معنی ہیں۔ طائر کا اپنے گھونسلے کو درست کر لینا۔ کاشانہ عالم حضور ﷺ کے علو مراتب کے مقابلہ میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنا دینا اہل عالم کی ضروریات مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرما دینا ہے۔ یہ تکمیل انذار اور تکبیر و تہلیل ربانی اور تطہیر خلائق از علائق مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی ہے، رجز و رجس کو دور فرما کر طہارت ظاہری و باطنی سے اہل عالم کو مطہر بنانا اسی مدثر کا کام ہے۔

۴۶: وہ مزمل ہے۔ اس کی آنکھیں دنیائے تیرہ و تاریک کے بدنما چہرہ کو نہیں دیکھ سکتیں اس کے کان عالم زور کے کذب و بہتان کو نہیں سن سکتے، وہ گھبرا کر غار حرا کے خلوت کدہ میں چلا جاتا ہے، اس کی پاک فطرت کے مطابق تجلیات قدسیہ کو اس کے سامنے کھول دیا جاتا ہے۔ ملکوت اعلیٰ کے مظاہر کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کلام لم یزل سامع نواز بن جاتا ہے۔ اس وقت ترہب و تبتل کا راز آشکار کر دیا جاتا ہے۔

جو لوگ ظلمت کدہ آفرینش سے بیزار ہوئے اکثر انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ دانش مند بدھ مرتاض دیو جانس، رشی دید بیاس وغیرہ نے جو آسمان تاریخ کے روشن کواکب ہیں۔ اسی روش کو پسند فرمایا ہزاروں نن اور منک نے نیک نیتی سے رہبانیت ہی کو اس دنیائے غدار سے چھوٹنے کی اعلیٰ تدبیر سمجھا، ہزاروں چینی درویش اسی ریاضت میں جان پر کھیل گئے۔

قدرت ربانیہ نے تبتل کا نسخہ اس مزمل کو بتایا۔ وہ فوراً کھڑا ہو جاتا ہے، اس کا سارا دن مخلوق کی رہنمائی اور عقدہ کشائی میں پورا ہو جاتا ہے اس کی ساری رات اپنے مالک کے سامنے معروضات کے پیش کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کی انذار و بشارت بعض کے سامنے فرعونیوں کے انجام کو قریب کر دیتی ہے اور بعض کو ہلاکت و تباہی کے بحر احمر سے بخیر و سلامت گزر جانے کے لیے دلیل راہ بن جاتی ہے۔ ہاں وہ مزمل ہے، وہ فرعونیوں کے لیے موسیٰ جیسا شکوہ، اور ایمانیوں کے لیے عیسیٰ جیسا یقین اور مذموم عاقبت والوں کے لیے ہدیٰ محمد ﷺ لے کر آیا ہے۔

۴۷: وہ مشہود ہے۔ امام قرطبی کا بیان ہے کہ انبیا علیہم السلام شاہد ہیں اور محمد ﷺ مشہود ہیں۔ قرطبی کا فرمودہ درست ہے۔ سیدنا یعقوب، موسیٰ، داؤد، سلیمان و یسعیاہ علیہم السلام و دانی ایل و یرمیاہ و حبقوق و یوحنا مسیح علیہ السلام نے حضور ﷺ کی شہادت ادا کی ہے۔ حضور ﷺ کے خیر مقدم کی اطلاعات دی ہیں۔ حضور ﷺ کا حلیہ، حضور کا مقام ولادت و ہجرت، حضور پر کلام اللہ کا نزول، حضور کی پاک تعلیم اور راست بازی کاملہ کے دروس پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ انبیا علیہم السلام کی زبان پر بالتحقیق مشہود ہیں۔

کارلائل، سرمور، واشنگٹن، جان ڈیون، ایڈورڈ گبن جیسے بے باک آزاد خیال بھی حضور ﷺ کی روشن ضمیری، خیر خواہی خلائق، بے لوث زندگانی، پاک ترین حیات، پاک ترین مقصود کے لیے پاک ترین تدابیر کے عمل میں لانے کے مدحت طراز اور توصیف نگار ہیں۔

ہاں وہ زمین وآسمان جس میں روزانہ اس کی عبودیت ورسالت کی شاہانہ نوبت اوقاتِ خمسہ میں بلند آوازہ ہے، حضور ﷺ کا مشہود ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔

۴۸: وہ رؤف اور رحیم ہے۔ ہر دو اسماء یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں حضور ﷺ کا ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [1] ہونا مسلم ہے اختصار نگار کے لیے یہی سند کافی ہے۔

۴۹: وہ مذکر ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کہ قافلہ بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو، وہ آگے بڑھتا ہے۔ خشک پتھروں کی اوٹ اور ریت کے بستر پر لیٹنے والوں کی تذکیر فرماتا ہے اور وہی مبارک نام جس کی تذکیر فرمائی گئی، سننے والوں کے دل وزبان پر بطور ذکر دوام جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مخالفین کی محفلوں، سالانہ منڈیوں، پر رونق میلوں ٹھیلوں میں جاتا ہے اور ((يٰاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا)) کی تذکیر فرماتا ہے۔ [2]

وہ پہاڑ پر جاتا ہے، پتھر کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پاک نام غافلوں کی جماعت تک پہنچاتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا بازو اس کا سر اس کے دو دندان سنگباری سے مجروح ہیں لیکن وہ اس حالت میں بھی تذکیر فرما رہا ہے، وہ بستر پر پڑا ہوا ہے چودہ دن سے شدید تپ ایک منٹ کے لیے بدن سے الگ نہیں ہوئی۔ درد سر بھی ہے۔ ضعف وناتوانی کا غلبہ ہے لیکن وہ تذکیر میں مشغول ہے۔ وہ وصایا ونصائح سے امت کے مستقبل کی فکر فرما رہا ہے، اور اللہ پاک کا نام تلقین کر رہا ہے وہی مذکر ہے اور تذکیر اسی پر ختم ہے۔

۵۰: وہ مبارک ہے۔ لفظ برکت، برك البعير سے ماخوذ ہے۔ اونٹ کا جم کر بیٹھ جانا۔ اس لفظ کا مفہوم لغوی ہے۔ برکت میں استقرار اور دوام کے معانی داخل وشامل ہیں۔ وہ مبارک ہے، اسی کا دین ہمیشہ تک رہنے والا ہے، اسی کی شریعت نسخ سے مبرا ہے وہی تا قیام قیامت سب کا ہادی ہے اسلام جہاں پہنچ گیا، جم گیا۔ سب ملک اسی کے ہیں، وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتا ہے، سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے لیے اس اسم کا استعمال کیا ہے:

صَلَّى الْاِلٰهُ وَمَنْ يَحُفُّ بِعَرْشِهٖ
وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ أَحْمَدٖ ﷺ

سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے جو راہب نصرانی تھے اپنے نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے:

وَوَجَّهْتُ وَجْهِي نَحْوَ مَكَّةَ قَاصِدًا
وَبَا يَعْتُ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ الْمُبَارَكَ

---

[1] ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔ [2] مسند احمد:۳/ ۴۹۲ حدیث: ۱۵۹۶۵۔

:۵۱ وہ مہاجر ہے۔ قرآن مجید مہاجرین وانصار کے فضائل ومدائح سے مملو ہے، مہاجرین کو انصار پر مزیت خاص اور امتیاز خاص ہے مہاجرین وہی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی اقامت کو پورا کیا، گھربار، خویش وتبار وطن ودیار کو ترک کردیا، مگر حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مہاجرین کی ہجرت حضور ﷺ ہی کی ہجرت سے مقبول ربانی ہوئی حضور ﷺ ہاجر ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم ولوط و اسمٰعیل وموسیٰ وہارون وداؤد علیہم السلام بھی مہاجر تھے۔

:۵۲ وہ ہادی ہے۔ ہدایت کے مفہوم دو ہیں کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾ [1]

''تو ہدایت نہیں دے سکتا اسے جسے تو پسند کرتا ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے بھی وہ چاہے۔''

کسی کو ایمان ویقین کی طرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعال حمیدہ واقوال حکمیہ سے مستحکم کرنا بلاشبہ غرض اور بلا آمیزش طمع خالصۃً خیر خواہی ونیک سگالی کے فرائض ادا کرنا۔ اس مفہوم کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ ﴾ [2]

''تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔''

نبی ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرمادیا تھا کشادہ روئی، نرم خوئی، خلق عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی، واضح بیانی ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا۔ سامع کے قلب میں اتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وارد کرنے میں حضور ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ژولیدہ تقریروں اور مغلق الفاظ اور الزام خصم وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کردیئے تھے۔ حضور ﷺ کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کردینا یا انسان کے ماحول کو انسان کے لیے دلیل راہ بنا دینا حضور ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر ان قوانین فطرت کو کھول دیا تھا، جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے دلائل بھی براہ راست سرشت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ وبیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

مع ھذا حضور ﷺ نوع انسانی کے لیے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، حضور ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور حضور ﷺ کے اقوال حضور ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر و باطن کے توافق اور افعال واقوال کے تطابق نے حضور ﷺ کو نوع بشر کا سچا ہادی بنا دیا تھا۔ ضرار بن الخطاب الفہری رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

يَا نَبِيَّ الْهُدٰى اِلَيْكَ لجاجِيْ قُرَيْشٌ وَلَدَتْ حِيْنَ لَجَاء

---

[1] ۲۸/ القصص:۵٦۔ [2] ٤۲/ الشوریٰ:۵۲۔

نابغہ جعدی کا شعر ہے:

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ إِذْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَيَتْلُوْا كِتَابًا كَالْمُجَرَّ نَيِّرًا

۵۳: وہ یٰسٓ ہے، وہ سید ہے، وہ سید الناس ہے، وہ سید البشر ہے۔ اس کا صدق اس کی دیانت اس کی راستی سب پر ثابت ہو چکی ہے۔ اب خواہ اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں۔ قرون ماضیہ میں بعض اقوام کے پاس یکے بعد دیگرے تین تین نبی بھیجے گئے اور وہ صرف ایک نسمہ طیبہ کو جنت تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سید وہ ہے جو اکیلا آیا، سینکڑوں اور ہزاروں کو ظلمات سے نکالنے اور نور میں پہنچانے کا سبب ٹھہرا۔ وہ کبھی عرب سے باہر نہیں گیا مگر اس کی تبلیغ نے دنیا کے ہر ایک براعظم پر قبضہ کیا۔ وہی اندھوں کے لیے بینائی ہے اور وہی بیناؤں کے لیے روشنی، دلوں پر گرے ہوئے پردوں کو اٹھا دینے والا، بہرے کانوں تک صدائے حق پہنچا دینے والا، اسرائیلیوں اور اسمٰعیلیوں کی منافرت کو دور کرنے والا، عرب اور عجم کو ایک کر دینے والا، وہ احرار کا سید اور غلاموں کا مولیٰ ہے، امویہ، عباسیہ، فاطمیہ، رشیدیہ مغلوں اور ترک، اور افریقی و مراکشی، الجزائری و حجازی اگرچہ اپنی اپنی فرمان دہی حکمرانی میں اپنے آپ کو لاثانی سمجھتے ہیں ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ابہت وشوکت سے انکاری ہے، لیکن حضور ﷺ کی کفش برداری کو ہر ایک تاجدار اپنا افتخار سمجھتا ہے۔ حضور ﷺ کے دربار میں خاک پر جگہ مل جانے کو تخت و اورنگ کی نشست سے بہتر جانتا ہے۔ درحقیقت حضور ﷺ ہی سید ہیں اور حضور ہی سرور عالم ﷺ۔

۵۴: وہ خاتم النبیین ہے۔ آیت قرآنیہ میں ﴿ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ [1] فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں کیسی برقی طاقت موجود ہے۔ طبائع انسانی پر اس کو کتنی قدرت حاصل ہے۔

اس آیت سے پیشتر ہی بنی اسرائیل میں سینکڑوں اور ہزاروں کو نبی تسلیم کیا گیا۔ ہندوؤں میں کروڑوں اشخاص کو دیوتا مانا گیا۔ چین اور ایران میں بھی سروش یزدانی کا نزول اور ملکوتی جلال کی تدلیات ہزاروں پر اترتی رہیں، مگر اس آیت کا اترنا تھا کہ تمام مذاہب اور جملہ ممالک اور جمیع اقوام کے علم وخیال اور دل و دماغ سے وجود نبوت اور اس کے دعویٰ کے اظہار کا تصور و تخیل ہی اٹھ گیا۔ سب نے اپنے اپنے گھروں میں بھی نبوت کے دروازوں پر قفل ڈال دیئے اور ہر ایک مذہب نے اپنے طریق عمل سے صحت مضمون آیت پر صاد کر دیا۔

دیکھیے اسے کہتے ہیں نصرت ربانی اور اسے کہتے ہیں کلام ربانی، جس کے نزول کے بعد منکرین نے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور مخالفین نے بھی اس مسئلہ پر اپنا علمی اتفاق پیش کر دیا۔ نظامی گنجوی فرماتے ہیں:

نبوت را توئی آں نامہ در مشت
کہ از تعظیم دارد مہر بر پشت

عباس بن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

يَا خَاتَمَ النُّبَّاءِ إِنَّكَ مُرْسَلٌ بِالْحَقِّ كُلُّ هُدَى السَّبِيْلِ هُدَاكَا

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۴۰۔

اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ اسم مبارک احمد ﷺ کے اعداد (۵۴) پر ختم کرتا ہوں۔ان شاء اللہ پھر بھی اسے اسم مبارک محمد ﷺ کے اعداد (۹۲) تک وسعت دی جائے گی اور معانی و لطائف میں بھی ذرا وسعت و فسحت سے کام لیا جائے اور پھر بھی یہ ہوگا کہ اس اعتراف کو بار بار دہراتا رہوں گا ۔

داماں نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار
گلچینِ تو از تنگی داماں گلہ دارد

فصل ششم

سنت مصطفویہ وطریقہ محمدیہ

قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں حدیث ذیل بہ روایت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق اور مکارم عادات کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔

مصنف کا جو درجہ حدیث میں ہے، وہ ان کی کتاب اکمال شرح صحیح مسلم اور مشارق الانوار سے بخوبی نمودار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وشیم وخصائل کے بیان صحیح میں جوان کو شغف قلبی ہے، وہ ان کی کتاب ''الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ'' سے خوب واضح ہے۔ مصنف کی ثقاہت اور امانت فی الدین توثیق حدیث کے لیے مکتفی ہے مع ہذا جملہ کلمات واردہ کی تطبیق دیگر روایات متعددہ سے ہوجاتی ہے۔

شرح حدیث کے وقت خوش قسمتی سے علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی الفقیہ الحنبلی المفسر النحوی الاصولی المتکلم الشہیر بابن قیم الجوزیہ کی کتاب مدارج السالکین بھی مل گئی۔ یہ کتاب شیخ الاسلام الہروی عبداللہ بن محمد بن علی الصوفی القدوۃ الحافظ احد الاعلام کی کتاب منازل السائرین کی شرح ہے۔ اس شرح میں ہر دو کتب سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔ جزاھما اللہ عنا خیر الجزاء۔

حدیث یہ ہے:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ: ((اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ وَالْعَقْلُ أَصْلُ دِيْنِيْ وَالْحُبُّ أَسَاسِيْ وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ وَذِكْرُ اللّٰهِ أَنِيْسِيْ وَالثِّقَةُ كَنْزِيْ وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ وَالْعِلْمُ سِلَاحِيْ وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ وَالرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ وَالْعَجْزُ فَخْرِيْ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ)) [1]

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (سنت) کیا ہے فرمایا: ''(۱) معرفت میرا راس المال ہے، (۲) عقل میرے دین کی اصل ہے۔ (۳) محبت میری بنیاد ہے، (۴) شوق میری سواری ہے، (۵) ذکر الٰہی میرا انیس ہے، (۶) اعتماد میرا خزانہ ہے، (۷) حزن میرا رفیق ہے، (۸) علم میرا ہتھیار ہے، (۹) صبر میرا لباس ہے، (۱۰) رضا میری غنیمت ہے، (۱۱) عجز میرا فخر ہے، (۱۲) زہد میرا حرفہ ہے، (۱۳) یقین میری خوراک ہے، (۱۴) صدق میرا ساتھی ہے، (۱۵) اطاعت میرا بچاؤ ہے، (۱۶) جہاد میرا خلق ہے (۱۷) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

---

[1] شرح الشفاء، فصل فی خوفه ﷺ من ربه عزوجل: ۱/ ۳۱۸۔

❶ اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ

معرفت میری اصل پونجی ہے

راس المال اس رقم کو کہتے ہیں جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہوسکتا۔ جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے، حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمایا گیا ہے۔

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال بدائت پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔

واضح ہو کہ معرفت کی ابتدا خود نفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے۔ سعید وہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

بائیبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدم کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے انہوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں، پھر اسی وقت انہوں نے درختوں کے پتے جمع کیے اور ان کو ٹانک ٹانک کر اپنی برہنگی کا پردہ بنایا۔

پدر اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اسکے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیے۔

لغت اور شرع میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے۔ گو متصوفین کی اصطلاح میں اب لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

١: ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ﴾ ❶

''جب انہوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اتارا گیا تب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے حق کی شناخت کر لی۔''

٢: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ ❷

''جس دن ہم ان کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کرلیں گے۔''

٣: ﴿ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ ﴾ ❸

''جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے ان کو شناخت کرلیا۔''

٤: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ ❹

''جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے۔''

ہر چہار آیات بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں۔ اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات

---

❶ ٥/ المائدۃ:٨٣۔ ❷ ١٠/ یونس:٤٥۔ ❸ ١٢/ یوسف:٥٨۔ ❹ ٢/ البقرۃ:١٤٦۔

میں دیکھو۔

۱: ﴿ فَاعْلَمُوٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ ❶ ''جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔''

۲: ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ ❷ ''اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔''

۳: ﴿ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ ❸ ''اے نبی یہ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھا۔''

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔

بلحاظ معنی معرفت وعلم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اس شے کے اندرونی احوال پر آتا ہے۔

لہٰذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جاسکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمانے سے اسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے یہی شناخت، یہی احساس بندہ کے لیے ہادی راہ بن جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل تصوف نے امارات اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عارف کو تعلقات سے کیا علاقہ، محبّ کو شکوہ سے کیا نسبت، بندہ کو دعویٰ سے کیا تعلق۔''

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: ''پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے۔''

اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر الوان عبودیت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کبھی ابتلائے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے اور کبھی نعمائے ربانی کے سامنے شاکر، کبھی وعدہ ہائے صدق کی بشارت سے اس کا قلب خلد بہار ہوتا ہے اور کبھی مواعید الٰہی سے وہ سراپا عجز وانکسار۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں:

(۱) نور معرفت پر نور ورع غالب ہو۔

(۲) اعتقاد باطن حالت ظاہر سے متناقض نہ ہو۔

(۳) نعم الٰہیہ کی فراوانی سے محارم الٰہیہ میں نہ گر پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور اس ہیبت ہی کے اندر انس وانشراح ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے:

((اَنَا اَعْرَفُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُمْ لَهٗ خَشْيَةً)) ❹

''میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کے سامنے خشیت والا ہوں۔''

گو معنی بالا کو الفاظ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔

---

❶ ۱۱/ هود:۱٤۔ ❷ ٤/ النساء:۱٦٦۔ ❸ ۲۰/ طٰهٰ:۱۱٤۔ ❹ بخاری میں یہ الفاظ ہیں ((اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا))۔ كتاب الايمان، باب قول النبی أنا اعلمكم بالله یہ حدیث مسلم كتاب الفضائل باب عِلمه بالله تعالی و شدة خشيته حديث:٦١٠٩ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے ((فَوَاللّٰهِ لَاَنَا اَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً))۔

یادرکھنا چاہیے کہ معرفت وہ نور ہے جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔

عارف صفات پر ایمان رکھتا ہے اور ان کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا ہے، وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے، آگے بڑھ کر وہ صفات و ذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل و وسائط، براہین اور شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب وروح کو اپنے مالک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔

﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ﴾ ❶ کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

❷ أَلْعَقْلُ أَصْلُ دِيْنِيْ

میرے دین کی جڑ عقل ہے

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ وہ عقیدہ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہم انسانی سے بالاتر ہے۔

وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ، خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔

مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا۔ عقل اور عاقلین کی فضیلت آیات قرآنیہ سے بخوبی ہویدا ہے۔

۱: ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ ﴾ ❷

''ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں۔''

۲: ﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ ﴾ ❸

''ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں عقل والوں کے لیے۔''

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے:

۳: ﴿ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ ﴾ ❹

''رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔''

بتلایا گیا کہ علم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور انہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں:

٤: ﴿ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۝ ﴾ ❺

''ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔''

بیشک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور اُن احکام پر غور بھی کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اسے بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکام شرعیہ کا تعلق بہ طریق مستحکم ہے۔

---

❶ ۱/ الفاتحۃ:۷۔ ❷ ۳۰/ الروم:۲۸۔ ❸ ۲۹/ العنکبوت:۳۵۔

❹ ۱۰/ یونس:۱۰۰۔ ❺ ۲۹/ العنکبوت:۴۳۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھو:

﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ۗ ﴾ ❶

''نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔''

روزے کے لیے یہ حکم پڑھو:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ ❷

''تم پر روزے لکھ دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کرو:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ ❸

''اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔''

حج کی بابت جو حکم ہے اس کے فوائد پر غور کرو:

﴿ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ ❹

''تاکہ تم اپنے اپنے نفع کو دیکھ لو۔''

قصاص کا اثر مجرم کے لیے:

﴿ لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ ﴾ ❺

''تاکہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔''

قصاص کا فائدہ ملک کے لیے:

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ ❻

''تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔''

ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتلایا گیا ہے، عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اسی لیے مخالفین کو فر[illegible] گیا ہے:

﴿ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴾ ❼

''کہہ دیجیے کہ تم اپنی برہان پیش کرو، اگر تم سچے ہو۔''

عقل، جبر و اکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتاب حمید میں ہے:

﴿ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ ﴾ ❽

---

❶ ۲۹/ العنکبوت:۴۵۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱۱۱۔ ❸ ۱۴/ ابراھیم:۷۔ ❹ ۲۲/ الحج:۲۸۔
❺ ۵/ المائدۃ:۹۵۔ ❻ ۲/ البقرۃ:۱۷۹۔ ❼ ۲/ البقرۃ:۱۱۱۔ ❽ ۲/ البقرۃ:۲۵۶۔

''دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں۔''

ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجر پاک سرزمین عقل میں اگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اسے پالا گیا ہے۔

نبی الامی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ((اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ)) اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل حتمی ہے۔ ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ [1]

مسلمان نوجوانوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل اپنا فہم سمجھا کرتے تھے یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔ جولوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جولوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے قفل اتارنے سے عاجز ہیں۔ ان کا کیا حق ہے۔ اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

③ وَالْحُبُّ أَسَاسِیْ

محبت میری بنیاد ہے

واضح ہو کہ تغزل و ابیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے، مگر فرقان حمید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اس کے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ذلیل لفظ ہے اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حب سے عاری ہے۔ قاموس میں ہے:

اَلْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ وَالْعِشْقُ مِنْ فَنِّہٖ.

''جنون کی بہت اقسام ہیں، عشق بھی یکے از انجملہ ہے۔''

لہٰذا لفظ حب کی تحقیق پر زیادہ توجہ کرنی چاہیے، زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

1: حَبَّبَ الْأَسْنَانُ۔ دانت روشن اور صاف ہیں۔

2: حَبَّبَ الْمَآءُ۔ پانی نتھرا ہوا پاکیزہ ہے۔ انہی معنی کے لحاظ سے بلبلے کو حباب کہتے ہیں جس میں علو اور صفائی پائی جاتی ہے۔

3: حَبُّ الْبَعِیْرُ اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیئے اس محاورہ میں حب کو لزوم و ثبات کے معنی میں لیا گیا۔

4: حَبَّ دانہ و تخم یا اصل شے، اسی لیے سویدائے دل کو حَبَّةُ الْقَلْبِ کہتے ہیں، اسی لیے دانہ کو حبّ (جس کی جمع حبوب ہے) بولتے ہیں۔

5: حَبَّ الْمَآءُ۔ وہ جوہڑ جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے، یہاں حفاظت و نگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حب کو جب کہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے۔ حرکت ضمہ دی گئی۔ جو جملہ حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ حب میں اوصاف صفا و بہا اور علو و ارتقاء اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جائے۔ حب ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور حب ہی کے حفظ تمسک کو مایہ حیات انسانی ثابت کیا جائے۔

بے شک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے۔

---

[1] ۲/ البقرۃ:۲٦۹۔

اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے:

﴿ يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ﴾ ❶

”یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عزوجل کو ہونا (ہر دو امور کا) ثابت فرمایا ہے:

﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾ ❷

”اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائیگا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔“

احادیث پاک میں بھی اس امر کو وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

١: ((اِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ الْجِهَادُ)). ❸

”اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے پھر جہاد ہے۔“

٢: ((أَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ)). ❹

”سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے جس پر عمل والا مداومت کرے۔“

٣: ((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّؤْخَذَ بِرُخْصَتِهٖ)). ❺

”اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے۔“

٤: ((أَحَبُّ الْأَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ الصَّلٰوةُ عَلٰى أَوَّلِ وَقْتِهَا)). ❻

”سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے جو اول وقت میں پڑھی جائے۔“

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ذکر تھا جو اسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے اب بندوں کی محبت کا ذات پاک کے ساتھ ہونا۔ آیت ذیل میں بصراحت ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ ❼

”کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ بیٹے، بیٹیاں، بہن بھائی، بیویاں اور خویش قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو اور تجارت جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور راہ خدا

---

❶ ٢/ البقرة:١٦٥۔ ❷ ٥/ المائدة:٥٤۔ ❸ بخاري، كتاب العتق، باب أي الرقاب افضل، حديث:٢٥١٨ (الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ) ❹ مسلم، كتاب الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان، حديث: ٢٤٢٣؛ بخاري، كتاب اللباس، باب الجلوس على الحصير، حديث: ٥٨٦١۔ ❺ المعجم الاوسط للطبراني، حديث: ٦٢٧٨، ج٧، ص: ١٥٤؛ مسند احمد ٢/ ١٠٨ حديث نمبر ٥٨٦٦ وارواء الغليل، ج٣، ٦/ ٣، حديث: ٥٦٤۔ ❻ مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون الايمان بالله تعالىٰ أفضل الاعمال، حديث: ٢٥٢ (الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ) ❼ ٩/ التوبة:٢٤۔

میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تب انتظار مہلت کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔''

اس آیت میں انسان کی اس محبت کا جو اسے مادر و پدر، دختر و پسر، برادر و خواہر، خویش وقبیلہ تجارت ومنفعت، قصر و باغ اور مال و زر سے ہوتی ہے، اثبات فرمایا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کو ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس کے بعد حبیت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب تر ہے، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر خدانخواستہ اللہ ورسول ﷺ کی محبت سے ان اشیاء کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی، تب معاملہ سخت مشکل ہے اس بارے میں جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، وہی جاری فرمائے گا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن اور تبتل کا راز منکشف کر دیا ہے اور توحش وترہب کو چھوڑ کر افراط وتفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے وہ عبودیت ہے۔ یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے۔

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف ورجا کا معدن ہے۔

محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔

صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو، ورنہ اس کا نام بے چارگی ہوگا۔

زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو۔ ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا۔

حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت سے ہو، جو ادب وتعظیم کی ہوا میں پلی ہو، ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا۔

فقر بھی وہی فقر ہے جو محب کو بجانب محبوب ہو اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جود ونوال کی جانب منجذب ہو جائے ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قوت القلوب ہے۔

اور محبت ہی غذائے ارواح ہے۔

محبت ہی قرۃ العیون ہے۔

محبت ہی حیوۃ الابدان ہے۔

محبت ہی دل کی زندگی ہے۔

محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے۔

محبت ہی کامیابی کو دوام وبقا کا تاج پہناتی ہے۔

محبت ہی بقا کو تخت ارتقا پر بٹھاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) محبت کی ابتدا علاقہ سے ہوتی ہے، یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے۔

(۲) اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

(۳) اب کشش پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے، اسی طرح محبّ کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔

(۴) اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت ایک جلن رہنے لگتی ہے۔

(۵) اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفت وداد سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔

(۶) اس پر ترقی وافزونی ہوئی تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعر قلب (دل کے گہراؤ) تک پہنچ جاتا ہے۔ مصائب کے برداشت اور موانعات کی سبکی نظر آنے لگتی ہے۔ تدابیر قرب اور مواصلات وصل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔

محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں۔ محبوب ہی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی کی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

(۷) اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے۔ یہ لفظ اسم عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل زرد پھولوں والی ہوتی ہے، جس درخت پر چڑھ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

(۸) اس سے آگے درجہ تیم کا ہے۔ تیم کے معنی ۔''غلامی'' ہیں اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور ان سے رہائی پانا اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

(۹) اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے جب کہ محبّ ہر ایک دعویٰ سے دستبردار ہو جاتا ہے جب کہ دنیا میں کوئی شے اس کی نہیں رہ جاتی ہے، جب کہ اس کا جسم، اس کا دل، اس کی روح، اس کی تمنا، اس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رہ جاتی ہے اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

(۱۰) اس سے بھی بالاتر درجہ خلت کا ہے۔ تب تو جسم کا ایک ایک بال اور نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن جاتے ہیں۔ جذبات اور متمنیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ، طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے، وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محبّ کا مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود محبّ کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر فہم انسانی اس کیفیت کے تعلق سے نارسا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اور سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ نے کی ہے الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں ایک کو تقدیم کی اولیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی افضلیت۔

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ أَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختتام سے پیشتر ان اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالب محبت اور جاذب محبّ ہیں، تا کہ کوئی سعادت مند ان سے تمتع حاصل کر سکے۔

اسباب بقا وارتقائے محبت الٰہیہ درج ذیل ہیں:

(۱) قراءت فرقان حمید: قراءت کے تحت میں تدبر معانی اور فہم مراد ربانی (ہر دو) شامل ہیں۔

(۲) نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی مواظبت وکثرت۔

(۳) دوام ذکر۔ اس لفظ کے اندر ذکر لسانی اور قلبی دونوں شامل ہیں۔ ذکر بالحال اور ذکر بالعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔

(۴) اسماء وصفاتِ الٰہی کا مطالعہ ومشاہدہ بذریعہ قلب۔

(۵) اللہ عزوجل کی نعمت ہائے ظاہری وباطنی واحسانات مادی وروحانی کا تذکار۔

(۶) مقامات عبادت میں کمال ادب اور حضور تام کے ساتھ وقوف قلبی۔

(۷) ذوق حضور میں قلب کا انکسار کلی۔

(۸) اپنی خواہشات کا احکام ربانی پر ایثار۔

(۹) محبین وصادقین کی مجالست۔

(۱۰) ان اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندہ ناچیز کے درمیان بعد ودوری کا موجب ہیں ان امور کی مواظبت سے امید ہے کہ وہ سرچشمہ محبت جو انسان کی سرزمین قلب میں ودیعت ہے اور جسے خس وخاشاک علائق نے بند کر رکھا ہے۔ پھر فوارہ ساں جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشتِ زارِ تمنا کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

أَللّٰهُمَّ ارْزُقْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّقَرِّبُنِيْ إِلٰى حُبِّكَ.

ناظر کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ وَالْحُبُّ أَسَاسِيْ پر ایک بار اور تدبر کر لینا چاہیے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد ''محبت'' ہو، وہ عمارت کیا ہوگی اور اس مکان کا مکین کس نشان کا ہوگا۔

یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ ﷺ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے۔

④ وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ

شوق میری سواری ہے

واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ ''شوق'' وارد نہیں ہوا اور بجائے اس کے لفظ ''لقاء'' کا استعمال ہوا ہے۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علمائے فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصولِ دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے ہے کہ ''شوق'' تو اس سفر کا نام ہے جو محب کو بجانب محبوب لے جاتا ہے۔ لہٰذا جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔ مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ حدیث زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی، جس کے الفاظ یہ ہیں:

((أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ)) [1]

---

[1] نسائی، کتاب السهو، باب نوع آخر من الدعاء، حدیث: ۱۳۰۶۔

''تیرے چہرے پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقا کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔''

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثارِ محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کمتر ہے۔ کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہاں شوق!

وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے
وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اٹھتی ہے

شوق ہی اعضاد جوارح کو منقاد اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔

شوق ہی ہے جو آلائے اخروی کو نعم دنیوی سے بھی قریب تر دکھلاتا اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کو مائل پرواز رکھتا ہے۔

شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا اور پہاڑوں کو لکد کوب بناتا ہے۔

یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبت آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدار شوق مقدار محبت پر مبنی ہے۔ یہ محال ہے کہ فراوانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔

سچ ہے کہ سالک کے لیے شوق سے بڑھ کر اور کوئی سواری نہیں۔

یہ وہی مرکب ہے جو گھاٹیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گزرتا ہوا جنت اللقاء تک پہنچا دیتا ہے۔ فَطُوْبٰى لِلْمُشْتَاقِيْنَ وَطُوْبٰى لِلْمُحِبِّيْنَ۔

5 ذِكْرُ اللّٰهِ أَنِيْسِيْ

اللہ کا ذکر میرا مونس ہے

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر ہی اہل ایمان کا زادِ راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں۔

ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے، جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے، جس کے بغیر اجساد بمنزلہ گور رہ جاتے ہیں۔

ذکر ہی وہ ہتھیار ہے، جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔

ذکر ہی وہ پانی ہے، جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔

ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے۔

فَإِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ أَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ [1]

---

[1] جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو تمہارے ذکر کو اپنی دوا بناتے ہیں۔ کبھی کبھی ذکر چھوٹ جاتا ہے تو ہم منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے:

۱: ذکر کا حکم دیا گیا:

(الف) حکم مطلق بھی:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ۝ ﴾ ❶

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو، بہت ذکر کرنا۔''

(ب) حکم مقید بھی:

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً ﴾ ❷

''اپنے رب کو یاد کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔''

﴿ وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۝ ﴾ ❸

''اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ صبح وشام۔''

۲: غفلت ونسیان ذکر سے نہی فرمائی گئی:

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْؕ ﴾ ❹

''مت بنو تم ویسے جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو نسیان میں چھوڑا۔''

۳: فلاح ونجات کو کثرتِ ذکر پر معلق فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَۚ ﴾ ❺

''اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔''

۴: اہل ذکر کی مدح وثنا فرمائی ہے:

﴿ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۝ ﴾ ❻

''مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔''

۵: غافلین ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ ﴾ ❼

''اے ایمان والو! تمہارا زر ومال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، جس نے ایسا کیا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔''

---

❶ ۳۳/ الاحزاب:۴۱۔ ❷ ۷/ الاعراف:۲۰۵۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب:۴۲۔ ❹ ۵۹/ الحشر:۱۹۔

❺ ۸/ الانفال:۴۵۔ ❻ ۳۳/ الاحزاب:۳۵۔ ❼ ۶۳/ المنافقون:۹۔

۶: ذکر کو جملہ اعمال سے افضل و اعلیٰ بتلایا ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ﴾ ❶

''نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔''

۷: قرآن مجید پر تدبر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالح کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے۔

(الف) حکم نماز پر غور کرو:

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ ﴾ ❷

''جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔''

(ب) اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھو:

﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ❸

''جب نماز ہو چکے، تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ اللہ کے فضل کی تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

(ج) اختتام حکم صیام پر تدبر کرو:

﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾ ❹

''تاکہ تم اللہ کی بزرگی کرو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔''

(د) اختتام حکم حج کو دیکھو:

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾ ❺

''جب مناسک پورے کر چکو تب اللہ کا ذکر کرو۔''

(ہ) اختتام حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اس کے لیے حدیث پاک میں داخلۂ جنت کا وعدہ ہے ((أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ))

۸: ذاکرین کو ہی صاحبانِ عقل و ہوش فرمایا گیا ہے:

﴿ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ ❻

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے الٹ پلٹ کر آنے میں بیشک نشانیاں ہیں عقل و مغز والوں کے لیے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔''

۹: ذکر الٰہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی روح الاعمال ہے۔ نماز کے متعلق ہے:

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ۝ ﴾ ❼

---

❶ ۲۹/ العنکبوت:۴۵۔ ❷ ۴/ النساء:۱۰۳۔ ❸ ۶۲/ الجمعة:۱۰۔ ❹ ۲/ البقرة:۱۸۵۔
❺ ۲/ البقرة:۲۰۰۔ ❻ ۳/ آل عمران:۱۹۰، ۱۹۱۔ ❼ ۲۰/ طٰهٰ:۱۴۔

''نماز کو قائم کر میرے ذکر کے لیے۔''

حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے ان کا ذکر الٰہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے:

((وَإِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ)). ❶

''خانہ کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور کنکریوں کا چلانا ذکر الٰہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔''

صحیح مسلم ❷ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اہل ذکر کو مفردون فرمایا گیا ہے یعنی اہل تفرید و توحید۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مسند امام احمد میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُم بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا: وَمَا ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) ❸

''کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے بلند تر کیا ہے اور جو زر و سیم کے خرچ سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو ملو ان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ کا ذکر۔''

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنْ عِنْدَهُ)) ❹

''جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں، فرشتے ان کے گرداگرد آجاتے ہیں۔ رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔ تسکین ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں میں فرماتا ہے۔''

صحیح مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں اس امر پر کہ اس نے ہمیں اسلام کی راہ دکھلائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا قسمیہ کہتے ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہاں قسمیہ کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا إِنِّيْ لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ وَلٰكِنَّهُ أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ)) ❺

''سنو! میں نے تم سے حلف نہیں لیا بہ سبب جھوٹ کی تہمت کے، لیکن میرے پاس تو جبریل علیہ السلام ابھی آئے تھے، انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔''

---

❶ ابوداود، کتاب المناسك، باب فی الرمل، حدیث:١٨٨٨۔ ❷ مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب الحدیث علی ذکر اللّٰه، حدیث:٦٨٠٨۔ ❸ مسند امام احمد، ج٥، ص:١٩٥، حدیث: ٢١٥٩٩؛ ترمذی، ابواب الدعوات، باب منه حدیث:٣٣٧٧۔ ❹ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، حدیث:٦٨٥٥۔

❺ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، حدیث:٦٨٥٧۔

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

((أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) ❶

''جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے۔''

ایک اور شخص نے عرض کیا کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجئے۔

فرمایا: ((لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) ❷

''تیری زبان برابر ذکر الٰہی میں جاری رہنی چاہیے۔''

مسند وغیرہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ إِرْتَعُوْا فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ))

''اے لوگو! چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔''

لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا:

((أُغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَاذْكُرُوْا مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَتَهُ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ مَنْزِلَةُ اللّٰهِ عِنْدَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ أَنْزَلَهُ مِنْ نَّفْسِهِ))

''صبح و شام ذکر الٰہی برابر کیا کرو، تم میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہو کہ اپنا درجہ اللہ کے ہاں دریافت کرے اسے لازم ہے کہ اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اس کے دل میں کیا ہے کیونکہ اللہ بندہ کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اس کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔''

سنن ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے پدر بزرگوار ابراہیم علیہ السلام سے روایت کیا ہے:

((أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَآءِ وَأَنَّهَا قِيْعَانٌ وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ)). ❸

''اپنی امت سے میرا سلام کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ جنت پاکیزہ زمین، میٹھے پانی والی ہے، وہ سفید جگہ ہے اور وہاں کے گل، بوٹے، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہیں۔''

صحیحین میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ)) ❹

''جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔''

---

❶ معجم الکبیر للطبرانی، ج ۲۰، ص:۹۳۔ ❷ ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الذکر، حدیث: ۳۳۷۵۔

❸ ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی ان غراس الجنة سبحان الله، حدیث: ۳۴۶۲؛ مسند احمد: ۵/ ۴۱۸، حدیث: ۲۲۴۴۲ البتہ مسند میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ ❹ بخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ، حدیث: ۶۴۰۷؛ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ النافلة فی بیته، حدیث: ۱۸۲۳ (مسلم میں گھر کا ذکر ہے)۔

روایت صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ)). [1]

''جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے گروہ سے کرتا ہوں جو ان کے گروہ سے بہتر ہے۔''

یادرکھو کہ ذکر کے تین طریقے ہیں:

صرف زبان ذکر کررہی ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

صرف دل ذکر کررہا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔

دل اور زبان دونوں ذکر کررہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔

یہ بھی یادرکھو، اقسام ذکر بھی تین ہیں:

اسماء وصفات اوران کے معانی کا ذکر، ثنائے ربانی اور توحید الٰہی۔

امر ونہی، حلال وحرام کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام، احسان اور عطیات کا بیان۔

یادرکھو کہ مراتب ذکر بھی تین ہیں:

(۱) وہ ذکر جو غفلت ونسیان کو اڑا دیتا ہے۔

(۲) وہ ذکر جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔

(۳) وہ ذکر جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ وزندہ کر دیتا ہے مبارک ہے وہ انسان، جسے ذکر ربانی نے اپنا فریفتہ بنالیا ہے۔

مبارک ہے وہ صاحبِ ایمان جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

⑥ اَلثِّقَةُ كَنْزِيْ

اعتماد الٰہی میرا خزانہ ہے

اصل اس بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي﴾ [2]

''جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو، تب اسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کرنا۔''

یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عزوجل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں

---

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله ویحذرکم الله نفسه، حدیث:٧٤٠٥؛ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب الحث علی ذکر الله، حدیث: ٦٨٠٥؛ مسند احمد: ٢/ ٣٥٤، حدیث:٨٦٣٥۔ [2] ٢٨/ القصص:٧۔

نہ ڈال دیتی۔

لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے۔

اور اعتماد ہی دائرہ تفویض کا مرکز ہے۔

اور اعتماد ہی قلب سلیم کا سویدا ہے۔ (قلب کا سیاہ نقطہ۔تل)

یہ اعتماد بوقت یاس بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے خلاف نہ زبان پر کوئی حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ۔

یہ اعتماد بوقت امید بھی ہوتا ہے اور انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہوجاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تمام نظام عالم پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ انسان کو نظر آ جاتا ہے کہ جمادات کا ذرہ ذرہ، نباتات کا پتہ پتہ، ارضیات وسماویات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جوہر اور ہر ایک جوہر کا وجود اسی کے انعام سے فیض یاب اور اسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے۔ یہ نظارہ بندہ کے اعتماد کو قوی بناتا ہے اور یقین کلی ہو جاتا ہے، کہ یہ ناچیز بندہ بھی اس کے لطف عام سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔

⑦ وَالْحُزْنُ رَفِيقِيْ

اندوہ دل میرا رفیق ہے

خوف وخشیت بھی ایسے دو لفظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں، لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم الگ الگ ہے۔

خوف کا اطلاق زیادہ تر حسی اشیاء پر ہوتا ہے۔

خشیت کا اطلاق غیر حسی اشیاء پر بکثرت ہوتا ہے۔

حزن اس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے۔ گو لب خاموش ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیا واصفیا کے لیے بکثرت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا ہے:

﴿ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ﴾ ❶

''ان کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہیے۔''

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت ورافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان نافرمانوں کے عواقب امور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گین رہتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا۔

---

❶ ٣٦/ یٰس:٧٦۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم ﷺ نے غارِ ثور میں رفیق صادق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی۔ یعنی، لَا تَحْزَنْ۔

صدیق کا فدائی دل نبی ﷺ کے رنج و آزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا، تب نبی ﷺ نے ﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ ❶ فرما کر باب حزن سے قصر انس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نقطہ لطیف یہ تھا کہ اس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبی ﷺ و صدیق رضی اللہ عنہ داخل و شامل تھے۔ اس حزن سے برتر و اعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیانک بنا دیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم ''اللہ'' کے ظلال میں جو معیت شامل ہے۔ وہ جملہ اسمائے حسنیٰ کے ظلال سے بدرجہ علیا ہے اور کمالات عارف کی تکمیل اسی اسم ذات ''اللہ'' کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الٰہی کا ظہور إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی عظمت و رفعت بھی اسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب و علل ساقط و مضمحل ہو جاتے ہیں۔

مادر موسیٰ کو جو وحی ربانی ہوئی، وہ یہ تھی:

﴿ لَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾ ❷

''آپ نہ خوف کیجئے اور نہ حزن کیجئے ہم اسے تیرے پاس واپس کریں گے ہم اسے مرسلین میں سے بنائیں گے۔''

ذرا غور کرو، کہ خوف حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور حزن غیر حسی کے ساتھ بھی ایک بشارت شامل ہے۔

خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اسے تیرے ہی پاس واپس کر دے گا حزن غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی، جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے ان آیات پر تدبر اور تتبع کے بعد حدیث زیر عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حزن جو ہر وقت پیراہن دل پاک رکھتا تھا، وہ یا تو امت آثمہ کی بخشش کا تھا یا امت عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی منزل میں خلق الٰہی کی محبت بھری تھی، اور عامۃ الناس کی ہمدردی و غم گساری حضور ﷺ کے رگ و پے میں ساری تھی۔ ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضور ﷺ کو اس طرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا۔

اس کی سو بکریوں میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہو جاتی اور جھاڑیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھیڑیئے کا شکار ہونے والی ہے۔ وہ اس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔

نبی ﷺ کا یہ حزن کبھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت امت کے لیے دعا کرنے میں وقف کر دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری فرما دی:

﴿ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ❸

''اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخشش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔''

---

❶ ۹/ التوبۃ:۴۰۔ ❷ ۲۸/ القصص:۷۔ ❸ ۵/ المائدۃ:۱۱۸۔

⑧ وَالْعِلْمُ سِلَاحِیْ

میرا ہتھیار علم ہے

واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔

علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔

علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔

علم امام ہے، حال ماموم ہے۔

دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے۔ دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔

حال ایک تیغ برّاں ہے، اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلوار اسی کی کاٹ کرتی ہے، جس کے ہاتھ میں ہوتی ہو۔

حال ایک آگ ہے، جس پر کسی کی نگرانی نہ ہو۔

حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کی لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کی اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے جو حیات القلوب ہے، نور البصائر ہے۔ شفاء الصدور ہے، ریاض العقول ہے۔

علم ہی لذت الارواح ہے، اور علم ہی مونس متوحشین ہے۔

علم ہی وہ میزان ہے جس میں اقوال واحوال واعمال وزن کیے جاتے ہیں۔

علم ہی وہ حاکم ہے جو شک و یقین اور ضلالت وارشاد میں فیصلہ دیتا ہے۔

علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے۔

اور علم ہی سے رب العالمین کی تحمید و تمجید و توحید نصیب ہوتی ہے۔

علم ہی حلال و حرام میں فرق بتلاتا ہے۔

علم ہی مواریث وارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی قوی تر ہے۔ آب و خورش کی ضرورت تو شبانہ روز میں صرف دو بار پڑتی ہے، مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر ہے۔

علم ہی ہے جس کی تلاش میں موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے سفر طویل اختیار کیا تھا اور اس سفر میں تین مسائل کو ثمر سفر قرار دیا تھا۔

علم ہی ہے جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ ﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ [1]

''پڑھا کرو، اے اللہ مجھے علم میں بڑھایا کر۔''

ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتا یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا اور شکار پر لگایا گیا ہو، جسے عربی میں معلم کہتے ہیں وہ تھوڑا سا علم سیکھنے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اس کی جنس کے دوسرے حیوان غیر معلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

---

[1] ۲۰/ طٰہٰ:۱۱۴۔

یہ معلم جارحہ انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اس کے ابنائے جنس نجس العین ہی رہتے ہیں۔ یہ درجہ اس کو کیوں کر ملا۔ اس کا سبب صرف علم ہے۔ صرف علم۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ علم وہ ہے جس کی ابتدائی علامت اقامت دلیل ہے اور جس کی آخری شناخت رفع جہل ہے۔

ہاں علم کے تین مدارج ہیں:

درجہ اول: (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔

وہ جو استفاضہ صحیحہ سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے۔

وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواترہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم: وہ علم ہے جو اجسام زکیہ و باطن طاہرہ میں پیدا ہوتا ہے۔

وہ جو اہل ہمت عالیہ کے انفاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

درجہ سوم: وہ علم ہے، جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم عبودیت کا ثمرہ اور متابعت احکام حقہ کا پھل ہوتا ہے۔ جب کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے، تب جوادِ مطلق کی جانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائق اصلیہ کھول دیئے جاتے ہیں، جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا، ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی ہے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر ان مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں کہ

''اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔''

غور کرو کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور ان فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں ثمرات علم قرار دیتے ہیں۔

درحقیقت نبی اللہ کا فخر اینٹ، چونہ، پتھر کی دیواروں، خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں، سکندر تیمور، ہلاکو خان، بوناپارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے۔ نبی اللہ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصون کو فتح کر لینے میں ہے۔

یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے ان یہودیوں کے (جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے) چند قلعے فتح کر لیے، تو انہی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبش کے نومسلم سرداران دربار بھی حاضر ہوئے اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کی کھلی آنکھ سے دکھلایا جائے کہ وہ اللہ کے اس رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھر کی دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں جس کا علم سمندر پار حبش کو فتح کر رہا ہے۔ جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اپنا علم صداقت نصب کر رہا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگیں نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل ادہرم نے یمن کو فتح کر کے ٦٠ ہزار فوج کا لشکر جرار مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کے گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر لا ڈالا تھا۔

یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحابِ فیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادت اقدس سے صرف پچاس دن پہلے کا ہے۔

ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود ان کا بادشاہ رسول حجازی کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سرعبودیت کو جھکائے گا۔

معشر مسلمین! کسی ملک، کسی قوم کو بزور شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیرزن بھی موجود ہوں، جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو کہ لوگ ان کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ ایسے بہادر، ایسے تلوار یے، ضرار بن الازور، شرحبیل بن حسنہ، عدی بن حاتم، عکرمہ بن ابی جہل، مقداد بن الاسود الکندی، مقداد بن معدی کرب، خالد بن ولید، زبیر بن العوام، اور علی رضی اللہ عنہم جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع ومنقاد ہو گئے تھے۔

ان کی تلواروں پر اس نہتے، غریب ومسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے جری، ایسے بطل تو خوف شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور انہوں نے تو صرف خوف جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔

جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابل غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شے کوئی ایسی قوت، کوئی ایسی کشش موجود ہے جو شیروں کا شکار کرتی اور ہزبران نبرد کو خادم بنا سکتی ہے۔ تو پھر ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا استعمال کریں۔

غور جتنا گہرا ہوتا جائے گا اسی قدر جلد یہ واضح ہو جائے گا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان العلم سلاحی ایسی حقیقت کا مظہر ہے جس کا کوئی بطلان نہیں ہو سکتا۔

جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی اس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا تھا۔

وہ علم جو ظلمات کو دور کر دیتا اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔

وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو بینا بنا دیتا ہے۔

وہ علم ہے جو ﴿ هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ ﴾ [1] کی صفت اسی پر صادق آتی ہے۔

9 وَالصَّبْرُ رِدَائِی

صبر میرا شاندار لباس ہے

قرآن مجید میں (۹۰) مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ ان طریقوں کا ذکر کریں گے۔

---

[1] ٤٥/ الجاثیۃ: ٢٠۔

اول: اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا ہے:

الف: ﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ﴾ ❶

''موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔''

ب: ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ ❷

''صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو۔''

ج: ﴿ اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا ﴾ ❸

''صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔''

د: ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ ❹

''صبر کرو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔''

دوم: عدم صبر سے نہی فرمائی۔ فرمایا:

الف: ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾ ❺

''صبر کیجیے، جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ اور ان کے لیے جلدی نہ کیجیے۔''

ب: ﴿ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴾ ❻

''دشمنوں کو پیٹھ مت دکھاؤ۔''

ج: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ﴾ ❼

''اپنا دل تھوڑا نہ کرو اور غمگین نہ بنو۔''

سوم: اہل صبر کی ثنا فرمائی۔ فرمایا:

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ ❽

''جو تکلیف میں اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں وہی ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔''

چہارم: اہل صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ❾

''اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔''

پنجم: اہل صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا:

---

❶ ۷/ الاعراف:۱۲۸۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۴۵۔ ❸ ۳/ آل عمران:۲۰۰۔ ❹ ۱۶/ النحل:۱۲۷۔
❺ ٤٦/ الاحقاف:۳۵۔ ❻ ۸/ الانفال:۱۵۔ ❼ ۳/ آل عمران:۱۳۹۔
❽ ۲/ البقرۃ:۱۷۷۔ ❾ ۳/ آل عمران:۱٤٦

﴿ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ❶

''بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک معیت عامہ ہے، جو بذریعہ علم و احاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ جس کا نتیجہ حفاظت و نصرت و تائید الٰہی ہوتا ہے آیت بالا میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

ششم: صبر کو اہل صبر کے لیے بہتر بتلایا۔ فرمایا:

الف: ﴿ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ ❷

''اگر تم صبر کرو، تو ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔''

ب: ﴿ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ❸

''اور صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

ہفتم: اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوگی:

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ❹

''ہم صبر کرنے والوں کو ان کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔''

ہشتم: خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا:

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ❺

''صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔''

نہم: اہل صبر کو بشارت دی گئی:

﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ❻

''صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجیے۔''

دہم: اہل صبر کی نصرت و امداد کی ضمانت فرمائی:

﴿ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ ❼

''ہاں! اگر تم صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آ جائے تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے جو نشان والے ہوں گے، فرمائے گا۔''

حدیث شریف میں ہے: وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ۔

یازدہم: اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں:

---

❶ ۲/ البقرة:۱۵۳۔ ❷ ۱٦/ النحل:۱۲٦۔ ❸ ٤/ النساء:۲۵۔ ❹ ۱٦/ النحل:۹٦۔

❺ ۳۹/ الزمر:۱۰۔ ❻ ۲/ البقرة:۱۵۵۔ ❼ ۳/ آل عمران:۱۲۵۔

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ ❶

''جس نے صبر کیا اور معافی دی، تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔''

دوازدہم: فرمایا کہ اعمال صالحہ اور حظوظ عظیمہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں:

الف: ﴿ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴾ ❷

''تمھیں خرابی ہو، اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک عمل والے کے لیے بہتر ہے اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔''

ب: ﴿ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ ❸

''اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پا سکتے ہیں جو بڑی قسمت والے ہیں۔''

سیزدہم: بتلایا کہ آیات الٰہی سے انتفاع و عبرت صرف اہل صبر ہی حاصل کر سکتے ہیں:

الف: ﴿ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ ❹

''ہم نے موسیٰ کو کہا اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لا اور ان کو تاریخ الٰہیہ کا سبق دے کیونکہ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔''

ب: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ ❺

''اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور علَم کی طرح بلند ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، اس میں نشانات ہیں ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔''

چہاردہم: بتلایا ہے کہ مطلوب و محبوب تک فائز ہونا مرہوب سے نجات پانا۔ جنت العلیٰ کا داخلہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے صبر کیا:

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ ❻

''فرشتے ہر طرف سے ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔''

پانزدہم: اہل صبر درجہ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں:

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ:٤٣۔ ❷ ٢٨/ القصص:٨٠۔ ❸ ٤١/ حٰمٓ السجدة:٣٥۔

❹ ١٤/ ابراهيم:٥۔ ❺ ٤٢/ الشوریٰ:٣٢، ٣٣۔ ❻ ١٣/ الرعد:٢٣، ٢٤۔

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ ❶

''ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا۔''

شانزدہم: اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرقان حمید میں اسلام وایمان اور یقین وتقویٰ اور توکل وشکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں صبر کا کیا درجہ ہے۔

یہاں تک سولہ اقسام کا ذکر ختم ہو گیا۔ اب یہ یاد رکھئے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کے لیے ہے بدن پر سر نہ ہو تو زندگی کہاں۔ ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: خَيْرُ عَيْشٍ أَدْرَكْنَاهُ بِالصَّبْرِ۔

صحیح حدیث میں ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَّلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ)). ❷

''مومن کی حالت بھی عجب سی ہے یعنی اس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور ایسا کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی حبس (روک) ہیں: محاورہ ہے۔ قُتِلَ فُلَانٌ صَبْرًا۔ فلاں شخص باندھ کر مارا گیا۔

آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ❸

''اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھئے جو اپنے رب کو صبح وشام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی کی ذات کے خواست گار ہوتے ہیں۔''

اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ وزاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے۔ معنی بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں:

صنف اول: اطاعت الٰہی پر صبر۔

صنف دوم: معصیت الٰہی سے صبر۔

صنف سوم: امتحان الٰہی سے صبر۔

صنف اول ودوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے، مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرا دیے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا، خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے:

---

❶ ۳۲/ السجدة:۲٤۔ ❷ مسلم، کتاب الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: ۷۵۰۰۔ ❸ ۱۸/ الكهف:۲۸۔

(۱) جوانی (۲) خالی مکان (۳) مجردی (۴) نفس کے مطابق خواہش کا ہونا (۵) بے وطنی جہاں خویش اقارب کا نہ دباؤ ہوتا ہے، نہ ان کی طرف سے حیا ہوتی ہے (۶) محکومی (۷) حسین عورت کی ذاتی درخواست (۸) اس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکروفریب (۹) لالچ اور خوشامد (۱۰) دھمکی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کی موجودگی صدیق کے منصب صبر کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صبر بر طاعات کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل و افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فعل اطاعت ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم اطاعت کا نقصان وجود معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ صبر کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ صبر باللہ ۲۔ صبر للہ ۳۔ صبر مع اللہ

۱۔ صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لیے نہ ہو، بلکہ اللہ کے لیے ہو، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ﴾ [1]

''صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لیے ہے۔''

۲: صبر للہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبت الٰہی اور ارادہ تقرب الٰہی ہو، نہ قوت نفس کا اظہار ہو اور نہ خلق الٰہی میں تعریف کرانے کا شوق ہو۔

۳: صبر مع اللہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامر الٰہی اور محارم الٰہی کا مطیع بنا دے، جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے، جہاں رک جانے کا حکم ہو، رک جائے۔

یہ صبر صدیقین کا ہے اور یہی سخت تر قسم صبر کی ہے۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کی بابت پوچھا گیا:

فرمایا: صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے محبین کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے، یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا موجب ہے۔

أَلصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ [2]

امام المحدثین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الادب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟

فرمایا:

((أَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ)). [3] ''صبر اور سیر چشمی۔''

---

[1] ١٦/ النحل: ١٢٧۔ [2] جملہ مقامات پر صبر کرنا اچھا ہے مگر تجھ سے صبر کرنا کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

[3] سماحت، جوانمردی، نرمی، آسانی پیدا کرنا، سرکشی و نفرت چھوڑ دینا۔ سید ھارویہ، مسند احمد: ٤/ ٣٨٥ حدیث: ١٩٣٢٨۔

اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ❶

''میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔''

ایوب علیہ السلام کی جناب احدیت میں دعا ہے:

﴿ رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ ❷

''اے رب مجھے نقصان اور ضرر آ لگا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

وَإِذَا عَرَتْكَ بَلِيَّةٌ فَاصْبِرْ بِهَا صَبْرَ الْكَرِيْمِ فَإِنَّهٗ بِكَ أَعْلَمُ
وَإِذَا شَكَوْتَ إِلَى ابْنِ اٰدَمَ إِنَّمَا تَشْكُو الرَّحِيْمَ إِلٰى مَنْ لَّا يَرْحَمُ ❸

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الٰہی کی تبلیغ اہل ایمان کی تعلیم، اہل خسران کے انذار، اہل عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب ونوائب اور ہموم وغموم کی برداشت فرمائی تھی۔

کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی، جس سے تشتت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا۔ گڑھے میں کانٹے بھر دیے جاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔

کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں محو تام دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں چادر ڈال کر پھانسی کا رسہ بنایا جاتا گردن کو افشار سے بھنچا جاتا۔

کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر (بحالت سجود) اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے جاتے اور قراءت قرآن پاک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا جاتا۔

کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی میں محصور رکھا گیا اور دانہ دخورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حوصلہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ ❹ کے تمغہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرمایا۔

سچ ہے ایسے ہی مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا: ((اَلصَّبْرُ رِدَائِيْ)) فرماتے اور صبر کو تجمل و شان اور شوکت و وقار کا خلعت قرار دیتے۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ بِقَدْرِ صَبْرِهٖ عَلٰى بَلَائِهٖ وَشُكْرِهٖ عَلَى الْاٰئِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

---

❶ ۱۲/ یوسف:۸۶۔ ❷ ۲۱/ الانبیاء:۸۳۔ ❸ جب تجھ پر کوئی بلا نازل ہو تو اچھا صبر کر، کیونکہ رب کو تیرا علم ہے لیکن اگر تو اس کا شکوہ ابن آدم سے کرے گا تب رحیم کا شکوہ اس سے کرتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔ ❹ ۱۶/ النحل:۱۲۷۔

⑩ وَالرِّضَاءُ غَنِيمَتِي

رضا الٰہی میری غنیمت ہے

واضح ہو کہ رضا کے متعلق ائمہ تصوف کے تین اقوال ہیں۔

(۱) اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل یہی ہے اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا تو منجملہ احوال ہے۔ یہ مکاسب میں سے نہیں، بلکہ مواہب میں سے ہے۔

(۳) تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا۔ وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں اکتسابی ہے اور منجملہ مقامات ہے اور انتہائی درجہ میں محض عطیہ ربانی ہے، لہٰذا منجملہ احوال ہے۔

گروہ اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح وثنا فرمائی ہے اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے۔ اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا اور مقدور بشری سے باہر ہوتا، تو ایسا نہ کیا جاتا۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا)) [1]

''ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔''

نیز فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ پڑھتا ہے: ((رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا)) [2] اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے۔ غور کرو کہ ان سے چار امور کا ثبوت ملتا ہے۔

الف: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔

ب: نبی ﷺ کی رسالت اور حضور ﷺ کی اطاعت پر رضامندی۔

ج: دین الٰہی پر رضامندی۔

د: دین الٰہی کے سامنے تسلیم وانقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ ہر چہار امور جمع ہو جائیں تو وہ صدیق ہے۔

ہاں! دعویٰ زبان آسان ہے مگر کامیابی امتحان دشوار ہے، خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد وخواہش اس کے خلاف ہو۔ یاد رکھو کہ الوہیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت وانابت اور تبتل الی اللہ میں توحید حاصل ہو خوف ہو تو اسی کا ہو۔ امید

---

[1] مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على أن من رضي بالله ربا...... ، حديث: ١٥١۔

[2] مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، حديث: ٨٥١۔

ہوتو اسی سے ہو۔ جملہ قویٰ کا انجذاب اسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصود توحید فی الاخلاص ہو۔

ربوبیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الٰہی کی توحید حاصل ہو، توکل واعتماد اور استعانت میں توحید ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کے ساتھ کرے۔

رسالت محمدیہ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکام نبویہ کے مقابلہ میں اطاعت کلی اور تسلیم کلی شیوہ بن جائے اور حضور ﷺ کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔

ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی ﷺ کی آستان پاک ہی سے حاصل کرے اور کسی دوسرے کی حکومت کا روادار نہ ہو۔ خصوصاً علوم الٰہیات کے متعلق، جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے، اسے پوری انشراح خاطر سے قبول کرے اور اس کے خلاف اگرچہ وہ کتنی ہی لمبی ڈاڑھی والے کی طرف منسوب ہو۔ ہرگز قبول نہ کرے۔

اس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی و درویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے، مگر رضا باسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں۔ اس پر ہرگز ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

اب یہ یاد رکھو کہ رضا کا مقام توکل اور تفویض اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں صعوبت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا، البتہ اس کا شوق ضرور دلایا ہے۔

یحییٰ بن معاذ سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیوں کر حاصل کر سکتا ہے۔

کہا جب وہ چار باتوں میں پختہ ہو جائے۔

(۱) عطا کو قبول کرے (۲) عدم عطیہ میں راضی رہے (۳) انقباض میں عبادت کرے (۴) انشراح میں حاضر درگاہ رہے۔

سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کسی نے دریافت کیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ ان کو فقر غنیٰ سے اور مرض صحت سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ میرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا:

''رضا کا درجہ زہد سے برتر ہے، کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزومند ہی نہیں۔'' امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا تھا:

اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الرِّضَاءِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضٰى وَإِلَّا فَاصْبِرْ.

''رضا میں تو سراپا خیر ہے اگر تم میں استطاعت ہے اس درجہ میں رہو۔ ورنہ صبر کیا کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَٱدْخُلِى فِى عِبَٰدِى وَٱدْخُلِى جَنَّتِى ﴾ [1]

''اے اطمینان والے نفس! اپنے رب کی طرف رجوع کر، دراں حالیکہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کردہ ہے۔
اب میرے بندوں میں شامل ہو جا میری جنت میں داخل ہو جا۔''

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا اور میدان قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مومن کو مسرور الوقت کیا جائے گا۔

اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخلہ اور جنت میں پہنچنا۔ ہر دو انعام راضی و مرضی ہونے کی صفت پر ہیں۔

⑪ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ

عاجزی میرا فخر ہے

عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں أَلْفَقْرُ فَخْرِیْ لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ أَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔

صاحب مجمع البحار نے بھی وَالْعَجْزُ فَخْرِیْ کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔

عجز کے معنی درماندگی ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کر سکنا۔ اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ مفوضہ کام نہ کر سکنے کو کوئی مناسبت نبی ﷺ کی ذات اقدس سے نہیں ہو سکتی، کیوں کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ تو سراپا سعی، مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔

لہٰذا عجز سے مراد عجز بہ بارگاہ احدیت ہے اور یہی معنی رب العالمین کے جاہ وجلال اور خاتم النبیین کے مقام واحوال پر صادق آتے ہیں۔

اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالو کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد انکے غرور و پندار کی کیا حالت ہوتی ہے اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھو۔

وہ رسول ﷺ جس کی نصرت وتائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو جس کا حکم نفوس پر فرماں روا ہو، جس کی عظمت سے مابین السماء والارض پر آوازہ ہو۔ وہ لمحہ بہ لمحہ، لحظہ بہ لحظہ عجز وافتقار اور تضرع وانکسار ہی کے تحیات وطیبات درگاہ احدیت اور آستانِ صمدیت پر پیش کر رہا ہے اور افتقار کو افتخار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی سکھلائی ہوئی دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھو جن سے غفلت قلب کافور اور حجاب روح دور ہو جاتا ہے کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے اور بے اختیار سطوت الٰہی اور احتشام لم یزل کے سامنے جھک پڑتا ہے۔

نمونہ کی طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے۔ ناظرین اس کے اسلوب بیان پر غور کریں، علو مکانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل زبان سے یہ الفاظ نکلے وہ خود بھی اظہار عجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایہ ناز وفخر وامتیاز سمجھتا ہے اور متبعین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

---

[1] ۸۹/ الفجر: ۲۷ تا ۳۰۔

((اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَرٰى مَكَانِي وَتَسْمَعُ كَلَامِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِي وَأَنَا الرَّجُلُ الْمُشْفِقُ وَالْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِي وَأَنَا الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ أَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ إِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيلِ وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهُ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهُ أَنْ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَّكُنْ لِي رَؤُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ))

''یا اللہ تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے، میرے پیدا و نہاں کو خوب جانتا ہے میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں تو کانپنے والا، ڈرنے والا ہوں، میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں، میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں، تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں گناہگار ذلیل کی طرح تیرے سامنے چلا رہا ہوں، نابینا خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں، میری پکار اس شخص کی سی ہے جس کی گردن نیچی ہو۔ جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں۔ جسم جھک گیا ہو اور ناک زمین پر رگڑ رہا ہو، اے معبود مجھے محروم نہ رکھنا۔ میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا۔ اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے۔ تو سب سے بڑھ کر جود و عطا کرنے والا ہے۔''

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس عجز و بیان کے ساتھ بارگاہ منان میں حاضر ہو ضروری ہے کہ رحمت اس کی دستگیری فرمائے۔ محبت اس کی شمع راہ بنے، اخلاص و صداقت اسے خاک سے اٹھا کر کرسی قبول و عزت پر بٹھلائے۔ فَطُوْبٰى لَهُمْ۔

⑫ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ

زہد میرا پیشہ ہے

حرفت، اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے

زہد، اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں، سورہ یوسف میں ہے۔

﴿ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴾ [1]

''قافلہ والوں کو یوسف علیہ السلام کے پاس رکھنے کی رغبت نہ تھی۔''

شَيْءٌ زَهِيْدٌ ''چیز اندک جو قابل التفات نہ ہو۔''

اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مال و متاع دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے: زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو اور نہ مفقود پر تاسف ہو۔

امام المحدثین احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، زہد کی تین اقسام ہیں:

---

[1] ۱۲/ یوسف:۲۰۔

الف: ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔

ب: حلال میں سے زائد شے کو چھوڑ دینا، یہ خواص کا زہد ہے۔

ج: ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی ہو۔ یہ عارفین کا زہد ہے۔

ناظرین! حدیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجئے۔

حرفہ تو اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازم ٹھہرائے اور یہاں نبی ﷺ نے ''زہد'' ہی کو اپنا حرفہ بتلایا، تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ کو ان سب اشیاء جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسوی اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں، ہٹا کر پورے اہتمام اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی جائے وسائل اور وسائط کو ہیچ پوچ سمجھ لیا جائے۔

وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے، سامان حاضرہ کو موجب طمانیت نہیں بنا سکتا اور اسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی عائد نہیں ہو سکتا کہ زہد تو اکتسابی ذرائع کا مانع ہے یا زہد تو اصول تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

⑬ وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ

یقین میری روزی ہے

واضح ہو کہ کتاب حمید میں یقین اور اہل یقین کا بیان آیاتِ متعددہ میں ہوا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [1]

''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا، نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

آیات بالا پر غور کرو کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے:

ب: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ [2]

''ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے:

﴿ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [3]

''یقین والوں کے لیے زمین اور خود ان کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔''

---

[1] ۲/ البقرۃ: ٤، ٥۔ [2] ۳۲/ السجدۃ: ٢٤۔ [3] ٥١/ الذٰریٰت: ٢٠، ٢١۔

آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ اور اعلامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع حاصل کرنا اہل یقین ہی کے لیے حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے۔

یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے۔

یقین ہی حقیقت صدیقیت ہے۔

علما میں اختلاف ہے کہ یقین کسبی ہے یا وہبی۔ ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسبی ہے اور بلحاظ اصلیت وہبی ہے۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا ہوا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین ہیں:

(۱) لوگوں سے میل جول کم ہو۔ (۲) کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے (۳) کسی کے نہ دینے پر اس کی مذمت نہ کرے۔

انہی کا ارشاد بھی ہے، یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شئے میں نظر الی اللہ ہو، ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ ہو، ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے، تو وہ تین ہیں:

مرتبہ اولیٰ میں علم اوامر ونواہی، علم معاد، علم الاسماء والصفات داخل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت وصدق پر وثوق کلی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔ دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رؤیت حاصل کر لیتی ہے، اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔

مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نور ریز ہوتا ہے۔ کلفت یقین جاتی رہتی ہے۔ حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، اسے حق الیقین کہتے ہیں اور یہ درجہ صرف انبیا علیہم السلام کا ہے۔ انہی کی چشم ظاہر بین کے سامنے جملہ اسرار وخفایا منکشف ہوتے ہیں اور انہی پر علوم معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے جیسے دوسروں کے لیے مادی اشیاء کا شہود۔

اب یہ غور کرو کہ حدیث زیر شرح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی پر جسم کی نشوونما ہے اور غذا ہی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔

یقین کو غذا بتلانا ظاہر کر رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسباب مادیات سے کس قدر دور تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرو۔

ایک صحابی جنگ احد میں خوشہ انگور ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے کہ انگور کھا کر اور طاقت جسمانی بڑھا کر شریک معرکہ ہوں گے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شہادت کا ثمرہ جنت علیا ہے یہ سن کر انہوں نے انگوروں کی طرف دیکھا، پھر کہا کہ ان

کے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی۔ میں جنت کے لیے اتنی دیر کیوں کروں۔ یہ کہہ کر انگور پھینک دیئے اور رزمگاہ میں پہنچے اور جوہر شجاعت دکھلاتے ہوئے بزم گاہ رضوان کو جا سدھارے۔

نقیب محمدی عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا حال بھی انہی سے ملتا جلتا ہے۔ دشمن پر حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ ان کا چچیرا بھائی یخنی لے آیا، کہا یہ تھوڑی سی پی لو، طاقت پا کر زیادہ لڑسکو گے پیالہ ہاتھ میں لیا۔ دو تین گھونٹ لے کر برتن پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔ سچ ہے کہ یقین شکوک واوہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے، اس وقت چہرۂ حقیقت بے نقاب ہو جاتا ہے، رؤیت ایمانی کا درجہ بصارت عینی سے بالاتر پہنچ جاتا ہے اور ایسا دیدہ ور شخص مغیبات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائق اصلیہ اور معارف روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

⑬ وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ

صدق میرا ساتھی ہے

جب ایک شخص کے ساتھ اس کے اغراض و مقاصد میں متفق و متحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے۔ لغت میں شفیع بمعنی جفت آتا ہے، کتاب حمید میں ہے: ﴿ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴾ [1]

صدق، ہر شے کی اصلیت اور کمالِ قوت کو کہتے ہیں۔ الفاظ ذیل پر غور کرو:

(۱) عزم صادق، اسی ارادہ کو کہیں گے جو تام وقوی ہو۔

(۲) محبت صادق، اسی محبت کو کہیں گے جو کامل واصلی ہو۔

(۳) خبر صادق، وہی اطلاع ہے جس میں اصلیت کے سب اجزا کامل وقوی ہوں۔

قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے:

﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴾ [2]

''اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچا اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جا اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کر جس کے ساتھ نصرت ہو۔''

اس دعا میں مدخل صدق اور مخرج صدق کا سوال سکھلایا گیا ہے۔

مدخل صدق سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے، جو اللہ کے لیے، اللہ کی جانب اور احکام الٰہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے، اس توجہ میں شائبہ ریب وشک نہیں ہوتا، اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ مدینۃ المنورہ بھی اسی مدخل صدق میں داخل ہے، جس کی برکات وانوار لا منتہیٰ ہیں۔

مخرج صدق سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہواوہوس اور اقتضائے طبع ونفس سے منہ موڑ کر اور امور خاکی سے دامانِ دل

---

[1] ۸۹/ الفجر: ۳۔ [2] ۱۷/ بنی اسرائیل: ۸۰۔

کو جھاڑ پچھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے۔

کوئی حجاب، کوئی رسم، کوئی امید منفعت، کوئی خوف ضرر بندہ کو اس خروج صدق سے روک نہیں سکتا۔ نبی ﷺ کا مکہ چھوڑ دینا، وطن سے دوری، تعلقات سے بے تعلقی، راہ ہجرت کی بادیہ پیمائی اسی مخرج صدق میں داخل ہے۔

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ﴾ 1

''اور جو ایمان لے آئے ان کو بشارت سنایئے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔''

آیت بالا میں قدم صدقٍ کے وجود کی اطلاع اور بشارت دی گئی ہے۔

قدم صدق سے مراد وہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ ہیں، جو فرمان پذیر بندہ نے اپنی حیات فانی میں ادا کیے اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہِ رب العزت میں بھیج دیے گئے۔

تقدیم اعمال تو مومن و کافر مطیع و فاسق سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر قدم صدق کا اطلاق سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔

(۳) سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ہے:

﴿ وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴾ 2

''اور میرا ذکر آیندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔''

یہاں لسان صدق کی دعا فرمائی ہے، لسان صدق سے مراد ثنائے حسن ہے۔ یہ اس بندہ کے لیے بطور جزائے حسن عطا ہوتی ہے جس کے افعال واعمال اور اقوال اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں معیارِ صدق پر پورے اترتے ہیں۔

15 وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ

طاعت کرنا میری عزت ہے

طوع (جس سے طاعت بنا ہے) کے معنی انقیاد امر اور اتباع حکم ہیں، جب کہ مطیع اس حکم کی تعمیل پورے پورے انشراح صدر اور نشاط قلب سے کر رہا ہو۔

حسب، وہ بزرگی جو مال یا دین یا صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ یا سخاوجود کی وجہ سے حاصل ہو۔

حدیث بالا میں صنعت تضاد موجود ہے۔ یعنی عام طور پر لوگ ان اشیاء کو باعث بزرگی و برتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔

لیکن نبی ﷺ نے بندگی وفرماں برداری کو اپنے لیے باعثِ برتری وتفوق قرار دیا ہے بیشک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے گواہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرورِ عالم ﷺ کے عنصر پاک میں خصوصاً اس کا ظہور اور نور نظر آتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ بھی پیش کی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا۔ اسے

---

1 ۱۰/ یونس: ۲۔ 2 ۲۶/ الشعرآء: ۸۴۔

قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا۔ مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا۔ وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے۔ لہٰذا عمر فاروق، اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم جیسے غیرت مندان اسلام نے جو شبانہ روز أَعِزَّ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ کا ورد رکھتے تھے۔ اس شرط کو حمیت مسلمین اور عزت اسلام کے منافی سمجھا۔

جب انہوں نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلائل کی تردید کی اور نہ ان کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا:

((إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيْهِ وَهُوَ نَاصِرِيْ)) [1]

''میں اللہ کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ وہی میرا مددگار بھی ہے۔''

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر زیادہ اطاعت وانقیاد الٰہی کے پابند تھے کہ حمیت وحمایت ظاہری اور وقار عزت عینی، نومسلموں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلمہ اصول بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوق اطاعت اور کمال انقیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسن عمل کا بدل اسی جنس عمل کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارزانی فرمایا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو جملہ عالم وعالمیان پر فرض عین ٹھہرایا۔ فرمایا:

۱: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ﴾ [2]

''جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔''

۲: ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ ﴾ [3]

''اے لوگو! اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا لو گے۔''

⑯ وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ

جہاد میری خصلت ہے

جہاد پوری کوشش سے کوئی کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا۔

خلق، طبیعت، جبلت، پیدائشی خصلت۔

جہاد شرعیہ کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال اور جہاد بالنفس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ﴾ [4]

''اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔''

---

[1] شرح الزرقانی أمر الحدیبیة: ۳/ ۲۱۸۔ [2] ٤/ النساء: ۸۰۔
[3] ۲٤/ النور: ٥٤۔ [4] ٦١/ الصف: ۱۱۔

مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے اور ایثار جانی بھی سخت مشکل۔ بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروانہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں۔ جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو، وہاں پورا اترنا محض اللہ تعالیٰ کے بندوں ہی کا کام ہے بسا اوقات یہی مال و جان انسان کو اس کے فرائض ذاتی و قومی اور واجبات اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں، لیکن اللہ کی راہ کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ [1]

''اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

اس جہاد سے مراد علم الٰہی کی تحصیل، رضائے ربانی کا حصول، تقرب سبحانی کا شوق، مدارج روحی کا ارتقا مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ، بمعنی لغوی اور ایمان و عمل صالحہ بمعنے شرعی بہمہ وجوہ درکار ہیں۔

جہاد کے معنی اعدائے دین کو تحت میں لانا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وسائل مالی و جانی کو مجتمع کر دینا بھی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر نگاہ ڈالو کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم و ارادہ اور نیت و تمنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام و قیام اسی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تھا۔

وہ آسودگی و آرامیدگی جو خاصہ اہل حکومت ہے۔

وہ وہن و ضعف جو لاحق احوال امراء ہے۔

وہ کسل و جمود جو محبوب مترفین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذات گرامی پر نہ تھا۔

جد و جہد، سعی و طلب، ارتقا و ارتفاع، سوز و گداز، حزن و شوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام دربار تھے اور اسی اسوۂ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خویش و تبار سے، زن و اولاد سے جدا، ضیاع و زرع سے دور آرام و آسائش سے نفور ہو کر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے اسی صفت عالیہ کے تحت انہوں نے وطن کو خیر باد کہا اور زیست دنیوی کو حیات دنی قرار دیا۔ وطن سے نکلے اور تمام دنیا کو ہمت بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی موفور کی ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ کا آوازہ بلند ہو گیا۔

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا۔ انفاس کا پاس ہونے لگا۔ حیاتِ ارضی کے بعد حیات روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدت قلیل میں فوائد کثیرہ فتوحات عظیمہ، غنائم وافرہ، نتائج عالیہ حاصل ہو گئے۔ کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مآلِ زندگی سمجھیں اور سعی و طلب کو اپنی جبلت و فطرت بنالیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

---

[1] ۲۲/ الحج:۷۸۔

نہیں، نہیں، دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمح نظر بہت پست ہے اہل ایمان کو اپنی نیت وفعل اور عزم وعمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے، تاکہ انہیں انبیاء وصدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادتِ دارین کا تاج جسے تاج خلافت بھی کہا جاتا ہے ان کے سر پر رکھا جائے۔

⑰ وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

حج عمر میں ایک دفعہ ہے۔ ادائے زکوٰۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے۔ صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔

مگر نماز ایک دن میں پانچ دفعہ پڑھنا فرض ہے، سات برس کے بچے کو نماز پر لگانے اور دس برس کے بچے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے۔ سفر ہو یا مرض، مفلسی ہو یا امیری اسیری ہو یا آزادی، نوکری ہو یا گھر پر فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی، جب تک ہوش وحواس درست ہیں، نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے، نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروز محشر ہوگا۔

عمادِ دین نماز ہے، شوکت اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے۔ مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان، خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر، سب کچھ نماز کے لیے ہے۔ حفاظ قرآن کی عزت، محراب مسجد سے آشکار ہوتی ہے اور علمائے دین کی فضیلت منبر مسجد سے نمودار ہے۔

نماز ہی اجتماع وتنظیم کی سبق آموز ہے اور نماز ہی پابندی اوقات کا خوگر بنانے والی ہے۔ نماز ہی مختلف المزاج افراد کو واحد مرکز پر لاتی ہے اور نماز ہی قوم کے پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز ہی بندہ کے بدن، لباس اور مقام کو پاک وپاکیزہ اور صاف ومجلّٰی رکھنے کا ذریعہ ہے نماز ہی سحر خیزی سکھلاتی ہے اور نماز ہی بیہودہ تھیٹروں، تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے۔ نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے، جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔ نماز ہی ہر انسان کو دربار الٰہی میں حاضر ہو سکنے کا اعزاز عطا کرتی ہے اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی وہم کلامی کا راز کھول دیتی ہے، نماز ہی کمال عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیل انسانیت۔ نماز ہی اخلاق حسنہ کی ہادی ہے اور نماز ہی عادات سیئہ کی سپر ہے۔ نماز ہی مغفرت ورحمت ہے اور نماز ہی نور وبرہان ہے۔ نماز ہی سے رب العالمین کے عالمگیر علم وقدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندان اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پائیدار بنتا ہے، نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں اور نماز ہی سے تجلیات حضور ﷺ کی اشاعت نور ہوتی ہے، جس دین میں نماز نہیں وہ دین، دین ہی نہیں۔ مؤمنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے۔

بزرگان دین سمجھتے تھے کہ چنچل مَن صرف نماز ہی میں سکینہ یاب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں

انابت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے، نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس روح اور سرّ اور اخفی پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو بہ حالت ارتعاب انسان کو ملکوتی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے ازاں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پانچ وقت اللہ کے حضور میں لے جاتا اور بے واسطہ دیگر براہ راست عرض معروض کا موقع عطا کرتا ہے۔ جب نماز کی یہ برکات عامۃ المسلمین کے لیے ہیں۔ تو کچھ شک نہیں رہ جاتا کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہاں کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔

ایک مذنب ذلیل، خائب وخاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ ومجتبیٰ سید الوریٰ، حبیب رب العلیٰ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے؟

البتہ حدیث پاک سے اس قدر مستنبط ہوا کہ نبی ﷺ کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیے، جیسا کہ حضور ﷺ رسالت مآب نے نماز کو قرۃ العین فرمایا ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

باب دوم

خصائص القرآن

قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے، جسے نبی ﷺ نے کلام اللہ بتا کر اپنی زبان مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا لہٰذا سیرت نگار نبوی کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرت نبوی کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اول میں بھی اس مبحث پر چند اوراق پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب اس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند مبحث ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء الحسنی کی طرح ۹۹ تک پہنچ گئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام ''کلام اللہ'' ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام ''القرآن'' ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المشوق الی علوم القرآن ص ۲۴۴'' میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاورہ قَرَأَتِ الحَوضُ سے ماخوذ ہے، جو حوض پانی سے لبالب لبریز ہوتا ہے، اسے قَرَأَتِ الْحَوْضُ کہا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق اصلیہ سے پُر ہے اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔

اب ذیل میں متعدد عنوانات کے ساتھ چند مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔

فصل اول

ضرورتِ قرآن

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اُس زمانہ کی تاریخ اور صفحۂ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔

ایران کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا اور احاطہ انسانیت سے نکل کر سگی ماں بیٹی، بہن سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔

روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بت پرستی میں مبتلا ہو کر اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں بندگان الٰہی کا خون پانی کی طرح بہانا۔ چین کا قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں محو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔

ہند کا فسق و فجور میں پڑ کر زنا و شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد و عورت کی برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو سب شود والوں میں قائم کرنا، دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔

عرب کا بعض صفات بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا، الغرض تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کے دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں، ناکافی ثابت ہو چکی تھیں۔

ان کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آوے پر تو کیا اثر ہوتا کہ خود اسی کی قوم (جس میں اس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ اطاعت میں نہ رہی تھی، اس لیے ضرورت تھی ایک ایسی مہیمن کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کی قابلیت اور بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی۔

ہاں جس طرح سخت گرمی اور حبس کے بعد بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، جس طرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشید عالم افروز طلوع فرماتا ہے۔

اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمت مظلمہ ہی نے قرآن مجید کے نور مبین کی ضرورت کو افراد عالم کے دل و دماغ میں ثابت و محسوس کرا دیا تھا۔

لہٰذا اسی رحمت ربانیہ نے جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسان کامل بنانے میں کار فرما ہے۔ ہماری روحانی ضرورت کے لیے اس نور وہدایت کو نازل فرمایا۔

بدبختی سے ہند میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اسے کلام الٰہی کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت سے انکار ہے۔

یہ کور سواد تسلیم کرتے ہیں کہ اس ﴿ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ﴾ [1] نے اگر آنکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لیے ان گنت رنگتیں بھی بنائی ہیں۔

اگر کان کو شنوائی ملی ہے تو سننے کے لیے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے تو اس کی جولانی کے لیے فرشِ زمین کی ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا ہے تو ذائقہ کے واسطے میٹھے، سلونے، کھٹے، پھیکے کھانے بھی مہیا کیے ہیں۔ یعنی جس قدر حواس ظاہری اور قوائے باطنی جسم انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا۔

مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ روح انسانی کے لیے (جو فطرت انسانی کی خزینہ دار اور اس کی مملکت کی حکمراں ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو، اگر یہ لوگ روح کا انکار کر دیتے تو ان کی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن روح کا اقرار اور رحمت الٰہیہ کی جانب سے اس کے لیے عالم خاص کا انکار قطعاً اسرار فطرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

ضرورت قرآن مجید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔

نیز ان تمام ترقیات کو جو دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزول قرآن مجید اور اشاعت کتاب حمید کے بعد اپنے اپنے عقائد اور اصول میں کی ہیں اور ان تمام اصلاحات کو بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام نے اس ۱۳۵۲ سال کی مدت رسالت محمدیہ میں تعلیم قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کر لی ہیں۔

ان ترقیات و اصلاحات کے ازمنہ ارتقا کی تاریخ معلوم کرنے کے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک منصف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقع معمورۂ عالم کو قرآن مجید کے نزول کی سخت ضرورت و احتیاج تھی۔

فصاحت و بلاغت قرآن

اگر کسی نے فصاحت و بلاغت قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے زبان دانی کامل کی

---

[1] ٢٤/ النور: ٣٥۔

ضرورت ہے۔

اور علم معانی و بیان و بدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

اور پھر فہم سلیم وطبع ہموار کی شرط لابدی ہے۔

اگر یہ آنکھیں، یہ عینک، یہ دوربین کسی کو مل جائے تو وہ بے اختیار بول اٹھے گا کہ قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت طاقت بشری سے بالاتر ہے۔

(ا) جہلائے عرب شیدائی زبان اور فدائی حسن بیان تھے اور اسی وجہ سے وہ اسالیب غریب وقصائد عجیب کے مالک، رجز فاخرہ و اسجاع موجزہ اور خطب بلیغہ کے انشاد پر قادر تھے۔

صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں، خطیبوں اور شاعروں سے منوادیا تھا کہ قرآن کلام بشر نہیں۔

ذرا غور کرو، دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو، جیسے خاتم النبیین، رسول کافۃ للناس، رحمۃ للعالمین، مطاع عالم کے اعلان سے نمایاں ہے اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اسی کو اپنے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو ضلالت وعمایت اور خلود نار وغیرہ کی ذلتوں کے مواعید سے جوش بھی دلایا ہو۔

پھر ایسی حالت میں بھی اسی کے ملک کے رہنے والے، اسی کی زبان کے بولنے والے، اسی زبان کے قادر الکلام اور سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت وخاموش اور متحیر ومدہوش رہ گئے ہوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید کے پیش کرنے والے (فداہ ابی وامی) نے معارضہ کی چھ قسمیں بتلائیں اور ہر ایک قسم کے مقابلہ میں سب کو عاجز و درماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید گو عربی مبین ہے، مگر اس کی فصاحت و بلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

(ب) اب یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ فردوسی و ہومر، سعدی وشیکسپیئر والمیک وملٹن، سحبان، وبیکن نابغہ وسسرو، امرء القیس وخسرو وغیرہ وغیرہ جن کی فصاحت و بلاغت کی بڑی بڑی تعریفیں مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں۔ ان سب کا جوش وخروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد تخیلات وتصورات پر رکھی گئی ہے، جن میں ہر قسم کی تشبیہات واستعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی، جن میں ترک غلو یا پابندی صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔

اگر انہی زبان آوران پر کلام کو کوئی قانون، کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا، اگر حقائق الٰہیات اور رموز فطرت یا اسرار آفرینش پر ان کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی پھیکی، بندش کتنی سست، الفاظ کیسے کھٹیل، طرز ادا کتنا متبذل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکام شریعت اور مواعظ وامثال، اخبار وانذار میں زمان ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر آیات کا القا فرما رہا ہے اور باایں ہمہ کلام کسی جگہ بھی نہ صداقت وروحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے

مرکز سے متزلزل ہوا ہے۔

(ج) اندازہ فصاحت و بلاغت کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ساری دنیا کے مسلمہ و مقتدر فصحا کے میدان کلام اور وادیٔ سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں، سعدی کی نصیحت قعر قلب میں جگہ پا لیتی ہے، لیکن بزم و نشاط کی بساط کا بچھانا اور ناز و اختلاط کے کواڑ کھول دینا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسی کے بیان جنگ کو پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے، لیکن مواعظ و اخلاق کی سڑک پر اس کا خنک قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امرء القیس و عنترہ، ابونواس و ابوالعتاہیہ کا بھی یہی حال ہے۔

جرمنی و فرانس، اٹلی و انگلستان کے اہل قلم (شاعروں، ناول نویسوں، اڈیٹروں) یا زبان آوروں (پروفیسروں، لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے۔

رینالڈ کبھی گبن نہیں بن سکتا اور کارلائل کبھی شیکسپیئر کا روپ نہیں دھار سکتا۔ ہربرٹ سپنسر اور نارتھ بروک کی زبان کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم پڑھو، اسے موجودہ ماہیات و کیفیات کے متعلق کس قدر دلائل ساطعہ و براہین بینہ سے کام لینا پڑا۔

اسے اقوام ماضیہ کے عروج و زوال اور اس کے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی اس نے مذاہب و ادیان اور عقائد و مسلمات انسان پر کتنی تیز روشنی ڈالی۔

اس نے روح و مادہ اور اعمال کی بابت کس قدر اسرار آشکار کیے۔

اس نے تدبیر منزل و سیاست مدن، حقوق افراد و جوب قوم کی نسبت کتنے قوانین و ضوابط ایجاد کیے۔

اور ان سب کی تبیین و وضوح کے سلسلہ میں اسے کس قدر اقسام سخن اور اسالیب کلام پر تکلم کی ضرورت ہوئی، لیکن ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت، معانی کا حسن اسی خصوصیت کے ساتھ جلوہ گستر نو افزا ہے، جیسا کہ اثبات توحید و رد شرک و ابطال باطل و احقاق حق کی فضا میں عطر بیز و روح پرور تھا۔ یہ وہ دقائع کلام ہیں، جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اسی شوق فہم و ذوق وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

(د) فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اشاقت معنی سے، ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس کرتے ہیں۔ ان کے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیب اخلاق، تہذیب نفس، تدبیر منزل، حصانت قوم اور سیاست مدن کا کون سا ضروری مسئلہ ہے، جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اسی سے قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات شریفہ کا اندازہ کرو۔ اور ان علوم و معارف کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں محفوظ کیے گئے ہیں۔

ان آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے یا یہی چند آیات نمونہ بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ لا وَاللّٰهِ۔

اس وقت ہماری مثال اس گل چین کی سی ہے جو ایک گلستان تازہ بہار کی سیر کو نکلتا اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گل شاداب کو زیب سر و سینہ بنالیتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گل چین کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا نزہت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہوگا۔

۱: اصول عبادت

﴿ وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ ❶

''کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔''

۲: شرف انسانیت

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴾ ❷

''ہم نے فرزندان آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔''

۳: اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ وَإِيتَآئِ ذِي ٱلْقُرْبَىٰ ﴾ ❸

''اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔''

۴: نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿ وَيَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ وَٱلْبَغْيِ ﴾ ❹

''اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔''

۵: محرمات

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ ❺

''میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے:

الف: بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوں۔

---

❶ ۳۶/ یٰسٓ:۲۲ ❷ ۱۷/ بنی اسرائیل:۷۰۔

❸ ۱۷/ بنی اسرائیل:۳۶۔ ❹ ۱۶/ النحل:۹۰۔ ❺ ۷/ الاعراف:۳۳۔

ب: گناہ ج۔ بغاوت حق

د: اللہ کے ساتھ شرکت جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

ہ: اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔‘‘

٦: تعاون

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ ❶

’’نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔‘‘

۷: عدم تعاون

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ❷

’’گناہ اور سرکشی کے جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔‘‘

۸: جملہ اعضائے انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴾ ❸

’’شنوائی، بینائی اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔‘‘

۹: وزن اعمال

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ﴾ ❹

’’جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی بدی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔‘‘

۱۰: عدل و رحم

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ ﴾ ❺

’’بدی کا بدلہ تو بالکل ویسا ہی ہے، بعد ازیں جس کسی نے معافی دی اور بھلائی کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ خود دے گا۔‘‘

۱۱: عدل رحم اور معافی

﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ ❻

’’(الف) جو کوئی ظلم سہنے کے بعد اپنا چارہ کار کرتا ہے، اس پر کوئی اخذ نہیں۔

---

❶ ٥/ المائدة:٢۔ ❷ ٥/ المائدة:٢۔ ❸ ١٧/ بني اسرائيل:٣٦۔

❹ ٩٩/ زلزال:٧، ٨۔ ❺ ٤٢/ الشورىٰ:٤٠۔ ❻ ٤٢/ الشورىٰ:٤١، ٤٢، ٤٣۔

(ب) اخذ تو ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے اور ملک میں ناحق بغاوت پھیلاتے ہیں۔
(ج) جو لوگ ظلم وزیادتی پر صبر کرتے اور معافی دیتے ہیں تو یہ کام بڑے شاندار کاموں میں سے ہے۔''

۱۲: عفو عام

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ ﴾ ❶

''لازم ہے کہ معاف کرو۔ لازم ہے کہ درگزر کیا کرو۔ کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دیا کرے۔''

۱۳: دشمن کو دوست بنانے کی ترکیب

﴿ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ ﴾ ❷

''تم بدی کی مدافعت نیکی اور سلوک کے ساتھ کیا کرو، پھر تو عداوت والا شخص تم کو گرم جوش دوست نظر آئے گا۔''

۱۴: حریت دین

﴿ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ ❸

''دین کے معاملہ میں کسی شخص پر کوئی دباؤ نہیں، نیک رفتاری اور کج روی کو الگ الگ کر کے دکھلایا گیا ہے۔''

۱۵: قول بلا عمل

﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ ﴾ ❹

''جب قول ہو اور فعل اسکے ساتھ نہ ہو تو اللہ کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔''

۱۶: اپنے افعال کی پوری پوری ذمہ داری

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ﴾ ❺

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

۱۷: برائی کی اشاعت بھی بری ہے

﴿ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ ﴾ ❻

''برائی کا کھلا ذکر اللہ کو پسند نہیں، ہاں مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔''

۱۸: حلم وتواضع کی تعلیم

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ ﴾ ❼

---

❶ ۲۴/ النور: ۲۲۔ ❷ ۴۱/ حٰم السجدۃ: ۳۴۔ ❸ ۲/ البقرۃ: ۲۵۶۔
❹ ۶۱/ الصف: ۳۔ ❺ ۶/ الانعام: ۱۶۴۔ ❻ ۴/ النساء: ۱۴۸۔ ❼ ۲۵/ الفرقان: ۶۳۔

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں ،اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کوسلام کہتے ہیں۔''

۱۹: ناپسندیدہ عادتیں

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ ❶

''مکار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔''

۲۰: چغلی سے نفرت دلانے والی مثال

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ﴾ ❷

''تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے۔کیا تم مردہ بھائی کی لاش کا گوشت کھانا پسند کر سکتے ہو۔(چغلی کی یہی مثال ہے)۔''

۲۱: نفع رسانی کی ضرورت اور فضیلت

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ ❸

''تم اصل نیکی کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔''

۲۲: اخوت عامہ کی تعلیم

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ ❹

''سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں،یہی پکی بات ہے۔''

۲۳: عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ❺

''دستور کے مطابق جیسے حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔''

۲۴: زن وشوہر کا اتحاد

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ ❻

''عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔''

۲۵: عورت کو جدا نہ کرنے کی نصیحت

﴿ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ ❼

---

❶ ۳۱/ لقمان:۱۸۔ ❷ ۴۹/ الحجرات:۱۲۔ ❸ ۳/ آل عمران:۹۲۔

❹ ۴۹/ الحجرات:۱۰۔ ❺ ۲/ البقرۃ:۲۲۸۔ ❻ ۲/ البقرۃ:۱۸۷۔ ❼ ۳۳/ الاحزاب:۳۷۔

''اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرا کر۔''

۲۶: شکر کا حکم اور فائدہ

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ ❶

''اگر تم شکر کرو گے تو تم کو بڑھاتا رہوں گا۔''

۲۷: امتحان الٰہی کی چیزیں

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ ﴾ ❷

''مال و دولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے۔''

۲۸: کسر نفسی کی تعلیم

﴿ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ ﴾ ❸

''میں نفس کو بری نہیں ٹھہراتا، نفس تو برائی کی طرف بہت اکسایا کرتا ہے۔''

۲۹: جنگ سے بچنے کی تدبیر

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ ❹

''تم دشمنوں کے لیے اپنی پوری قوت سے تیار رہو اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو روکے رکھو گے۔''

۳۰: جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾ ❺

''اللہ، جو تمام تر مخلوقات کا پالنے والا ہے۔ وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔''

۳۱: دین الٰہی کی تعریف

﴿ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ﴾ ❻

''وہ سرشت الٰہی جن پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم و استوار دین ہے۔''

۳۲: دین صحیحہ کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں؟

﴿ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ﴾ ❼

---

❶ ۱۴/ ابراھیم:۷۔ ❷ ۶۴/ التغابن:۱۵۔ ❸ ۱۲/ یوسف:۵۳۔

❹ ۸/ الانفال:۶۰۔ ❺ ۱/ فاتحة:۱۔ ❻ ۳۰/ الروم:۳۰۔ ❼ ۵/ المائدة:۶۔

''اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے، اس کا تو ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک و مطہر بنائے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے کہ تم شکر گزار بنو۔''

۳۳: رب برتر کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے

الف: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ ❶

''تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (جمع کر رکھا ہے)۔''

ب: ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴾ ❷

''وہ تو بہت بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔''

ج: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ❸

''اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کا کارساز ہے اور ان کو سب تاریکیوں سے نکالتا اور نور میں لاتا ہے۔''

۳۴: انسان واحد کی جان کی قیمت

﴿ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ ﴾ ❹

''اگر کسی نے ایک انسان کو بھی مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا کو مستثنیٰ سمجھو) تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک انسان کو بھی ہلاکت سے بچالیا۔ گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچالیا۔''

۳۵: امن شکنی عامہ کی ممانعت

﴿ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ ❺

''اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آ جاؤ۔''

۳۶: اصول مصارف

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ ❻

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں، تب نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں۔''

---

❶ ٦/ الانعام:٥٤۔ ❷ ٨٥/ البروج:١٤۔ ❸ ٢/ البقرة:٢٥٧۔
❹ ٥/ المائدة:٣٢۔ ❺ ٧/ الاعراف:٧٤۔ ❻ ٢٥/ الفرقان:٦٧۔

۳۷: مال ومنال دنیا سے آرام وآسائش بھی اٹھاؤ اور آخرت بھی کماؤ

﴿ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ﴾ ❶

''جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، اس میں آخرت کی بھی طلب کر اور اپنا دنیوی حصہ بھی مت بھول جا اور بھلائی کیا کر، جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے۔''

۳۸: امداد غربا و مساکین

﴿ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ❷

''قرابت والے اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کیا کر۔ یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہتر ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔''

۳۹: قسم کھانے والا انسان بے اعتماد بن جاتا ہے

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ ﴾ ❸

''جو کوئی شخص بہت قسمیں کھاتا اور ذلیل بنتا ہے اس کا اعتبار نہ کر۔''

۴۰: اللہ سے دعا مانگا کرو

﴿ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ ❹

''اللہ ہی سے دعا مانگا کرو، خالص اسی کے ہو کر اور اسی کے فرمانبردار بن کر رہو۔''

۴۱: حمد خالق و مدح مخلوق

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ ﴾ ❺

''حمد کا مالک اللہ ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے سلام (سلامتی) ہے۔''

اس مختصر سے جملہ پر اور تقسیم مدارج پر جتنا زیادہ غور کیا جائے گا، اسی قدر زیادہ حقائق معلوم ہوں گے۔ اسی میں توحید ہے، اسی میں رد شرک، اسی میں برگزیدہ بندگان الٰہ کے مدارج علیا کا بیان۔

۴۲: نظم عالم اور تناسب اجزائے عالم کا بیان

﴿ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ ﴾ ❻

''تو رحمن کی پیدا کردہ اشیاء میں کچھ فرق نہ دیکھے گا، کیا تجھے کوئی نقص بھی نظر آیا۔''

---

❶ ۲۸/ القصص:۷۷۔ ❷ ۳۰/ الروم:۳۸۔ ❸ ۶۸/ القلم:۱۰۔
❹ ۴۰/ غافر:۱۴۔ ❺ ۲۷/ النمل:۵۹۔ ❻ ۶۷/ الملک:۳۔

۴۳: قرآن مجید اور بیت العنکبوت کی مثال

﴿ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ❶

"سب گھروں میں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے اگر لوگوں کو علم ہو۔"

علم کو بیت العنکبوت سے متعلق فرمایا، اس لیے عنکبوت کے گھر میں اہل علم کی لیے بڑے بڑے عجائب ہیں۔ جرمن پروفیسروں کا قول ہے کہ مکڑی کے جالے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان چار تاروں میں ہر ایک تار ایک ہزار تار سے بٹا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی ایک ایک تار میں چار ہزار دھاگے ہوتے ہیں۔ اہل علم غور کریں کہ اس اوہن البیوت بنانے والی مکڑی کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فہم و فراست اور باریک نسج و خیاطت کی صنعت عطا فرمائی ہے۔

۴۴: قرآن مجید اور نحل کی مثال

﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ ❷

"تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔"

شہد کے چھتہ کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین، فوج اور اہل صنعت کی جداگانہ تقسیم، جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلے، بچہ دینے والی رانی کی حکومت، بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ، شہد کے ذخیرے، ذخیروں کی حفاظت کے طریقے۔ شہد بنانے کے لیے ہزار ہا اقسام کے پھولوں میں سے چاشنی کا نکال کر لانا، چھتے کے سب گھروں کا مسدس اور یکساں رقبہ ہونا۔ یہ جملہ امور اس نتیجہ کے مؤید ہیں کہ جب وحی ربانی کسی ذی روح کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اسے کیا کچھ بنا دیتی ہے۔

اور جب قرآن جیسی وحی انسان جیسے ذی عقل و فہم اور ذی نطق و تدبر کے ارتقائے بدنی و روحی کی طرف التفات فرما ہے تو اسے کن کن منازل تک بلند فرما دے گی۔

۴۵: قرآن مجید اور نمل کی تمثیل

﴿ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ ❸

"چیونٹیوں کی رانی نے کہا، اے چیونٹیو! تم اپنی آرام گاہوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں تم کو سلیمان اور اس کے لشکر ریزہ ریزہ نہ کر دیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔"

اللہ اللہ چیونٹیوں کے پاس ایسے مسکن موجود ہیں کہ جب وہ ان میں داخل ہو جائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر بھی ان کو نہ بگاڑ سکے۔

یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کو قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے، جن میں

---

❶ ۲۹/ العنکبوت: ٤١۔ ❷ ١٦/ النحل: ٦٨۔ ❸ ٢٧/ النمل: ١٨۔

سے پہلا سبق وہ اتحاد و اتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم و عامل ہوں۔

دوسرا سبق، ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔

اور تیسرا سبق، کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی نہ کرنا ہے۔

چوتھا سبق، نقصان رسیدہ ہو جانے کی حالت میں بھی اس شخص کو الزام نہ دینا ہے جس کی نیت اور علم میں نقصان رسانی شامل نہ تھی۔

پانچواں سبق، جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو انکو قرآن پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیے۔

چھٹا سبق، آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر قوم کا فرض ہے۔

ساتواں سبق، چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے، اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے اس لیے کسی قوم کا ضعف اس کے فنا کی دلیل نہیں۔

۴۶: قرآن مجید اور ارض و سماء کی اشیاء پر نظر اعتبار کا حکم

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ [1]

''آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں۔''

یہی آیت ہے جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظر اعتبار سے دیکھنا اس کے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقا پر پہنچانے والا ہے۔ افسوس ہم لوگ ایسے احکام کی تعمیل سے کس قدر لا پروا قاصر اور غافل ہیں۔

۴۷: قرآن مجید اور فوائد بحر

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ [2]

''اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا ہے وہ فوائد یہ ہیں۔''

(۱) تازہ بتازہ گوشت، سمندر کی تجارت، ماہی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوام عالم کما رہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں۔

(۲) دُرّ و گوہر، جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے، اس کی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے۔ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بحرین پر اسلامی قبضہ تھا، جسے ہم کھو بیٹھے ہیں۔

(۳) جہاز رانی۔ دنیا پر شہنشاہی کے لیے اولین شرط ہے۔ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیڑہ قائم کیا اور بحری جزائر کریت، مالٹا، طرابلس وغیرہ فتح کیے۔

---

[1] ۱۰/ یونس:۱۰۱۔ [2] ۱۶/ النحل:۱۴۔

موسیٰ بن نصیر اور جنرل طارق نے سپین کو فتح کیا۔ خیر الدین باربروسا نے ترکی سلطنت کا اقتدار سارے یورپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے ہیچ سمجھا اور دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیے گئے۔

(۴) بحری تجارت جس میں بے شمار نفع ہے۔

(۵) مذکورہ بالا تمول اور افراط دولت اور قوت حکومت کے بعد دینی فائدہ یعنی شکر نعمت الٰہی میں مصروفیت اشاعت اسلام، دور دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے۔ عبدالملک اموی کے عہد میں عرب سوداگروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل پر پہنچایا۔ انہوں نے آسام، برما اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا جبکہ شمال مغربی سرحد سے حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپروا تھے۔

فصل دوم

معانی عالیہ ومضامین نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں۔

الف: وسعت

وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے ﴿ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴾ [1]

اسی دعویٰ کے اعتماد پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیہ روح، صفائی قلب اور حصول نجات سے ہو، خواہ اس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم وجدید اکتشافات وتجربہ پر ہو، خواہ وہ اشراقیین کی الٰہیات سے لیا گیا ہو۔ یا الٰہیین کے شوارقات سے کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے، ان شاء اللہ اسی مسئلہ کو وضوح تمام اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلا دیا جائے گا۔

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾ [2]

''یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔''

ب: عمدگی

دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کی ضرور قائل ہیں۔

ایک بت پرست وتثلیث پرست کو بھی اس امر میں ساعی دیکھا جائے گا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔

اب دیکھو کہ یہ مسئلہ (جس کی خوبی پر تمام عالم متفق ہے اور جس کو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملے گا۔

دیگر بیانات کو بیان قرآن کے سامنے وہی نسبت ہوگی جو مٹی میں ملے ہوئے پانی کو آب زلال کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیحہ کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے، جہاں سے ہم چاہیں، اس کی کتاب کو اور جہاں سے وہ چاہے قرآن مجید کو کھول لے، اس مقام سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس بھیج دیئے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ﴿ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ ﴾ [3] (قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے) کے مفہوم میں اگرچہ اس کی طرز بدیع اور الفاظ عالی اور بے مثل ترتیب اور لاثانی اسلوب اور فصاحت وبلاغت کی وہ معجز اور اعجازی شان بھی شامل وداخل ہے جو اس کی عبارت میں نمایاں ودرخشاں ہے لیکن ان سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو ان گراں ارزاں الفاظ کی تہہ میں ایسے ہی موجود ہیں، جیسے حقۂ زریں میں لولوئے شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر متضمن ہے اور جو اس کی خصوصیت خاصہ ہیں، یہ وہ بصائر ہیں، جو دیدۂ کوتاہ بین کے حجاب

---

[1] ٦/ الانعام:٥٩۔ [2] ٢٥/ الفرقان:٣٣۔ [3] ١٧/ بنی اسرائیل:٨٨۔

اٹھا دیتی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے:

﴿ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ ﴾ [1] قرآن کریم یہاں اونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین کے نام لیتا ہے، کیا یہ وہی چیزیں نہیں جن کو ہر ایک بادیہ نشین بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا، جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں، لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت ورفعت اور مکنت وفسحت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی۔

قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت، سکون وحرکت کی آفرینش میں عزیز الحکیم کا غلبہ اور حکمت، لینت وصلابت اجسام میں گوناں گوں فوائد کی فراوانی وکثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے وہ بھیانک صحرا ووادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا ناگوار تھا۔ اب صحیفۂ فطرت کے طالبان علم کے لیے ورق دانش بن گئے۔

ہاں! قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وشنوائی و بینائی اور دانش کے لیے گنجینۂ خرد ہے وہ قوائے مدرکہ اور حواس جارحہ کا رہبر ہے۔

وہ حیات قلب ہے اور نور روح۔ وہ راحت عاشقین ہے اور ہدایت طالبین۔

اقبال ودولت، مکنت فی الارض اور حکومت اس کی خدام ہیں، آرام دل اور اُنس جان قرۃ العین اور ضیائے بصیرت اس کی توابع ہیں۔

علم وحقیقت اور ہدایت وصداقت اس کے علمبردار ہیں۔ قرب وانشراح، رفاہ وصلاح اس کے حاشیہ بوس ہیں۔ نجات اخروی، فوز روحی، رضوان الٰہی وہ خلعت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہ علیا سے عطا ہوتی ہیں۔

کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں، صاحب دل دلوں کے غلاف اتار اتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی وملکوت نوازی ان پر روشن ومبرہن ہو جائے۔

فصل سوم

تاثیر قرآن

عمر رضی اللہ عنہ جیسا شخص جسے آج بھی یورپ جنرل عمر کے نام سے یاد کرتا ہے گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دے، لیکن قرآن کی چند آیات سن کر شمشیر اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور اپنی ہمشیرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر سے ذلیل ومنکسر ہو کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے اور فاروق رضی اللہ عنہ کے خطاب سے عزت پاتا ہے۔

اسعد بن زرارہ مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اول مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو آبادی شہر سے

---

[1] ۸۸/ الغاشیۃ:۱۷ تا ۲۰۔

باہر نکال دے۔ وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر کے اٹھتا ہے۔

ثمامہ بن اثال کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص اور مدینۃ النبی سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی اسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے۔ اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو محقر ہدیہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔

خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ قرآن مبین سن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور جب اس حالت درربودگی سے سنبھالا لیتا ہے تو بول اٹھتا ہے:

وَاللّٰهِ إِنَّ لَهُ لَحَلَاوَةً	بخدا اس میں عجب شیرینی ہے۔
وَإِنَّ عَلَيْهِ لَطَرَاوَةً	اس میں عجب تروتازگی ہے۔
وَإِنَّ أَسْفَلَهُ لَمُغْدِقٌ	اس کی جڑیں سیراب ہیں۔
وَإِنَّ لَأَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ	اور اس کی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں
وَمَا يَقُوْلُ هٰذَا بَشَرٌ۔	بشر تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔

ولید بن مغیرہ قریش میں بوڑھا خرانٹ تھا، اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ قرآن مجید کے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ اس کلام میں عجیب رس ہے۔ یہ تو نورس حلاوت ہے۔

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ چرواہا تھا۔ آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیات قرآنی یاد کر لیا کرتا۔ آخر گھر بار خویش وتبار، مال و مویشی، عم و مادر کو چھوڑ کر خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہو تو ان لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالو، جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے۔

جو لوگ ایک پیسہ پر قتل عمد کو معمولی کھیل سمجھتے تھے وہی دین حقہ کی محبت میں گھر بار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔

جو لوگ مدت العمر ۳۶۰ بتوں کے پجاری رہے تھے، وہ خود توحید کے واعظ بن گئے تھے۔

جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اڑانا، رانڈوں کو جل دینا تھا، وہی اعانت یتامیٰ اور ہمدردی ایامیٰ کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔

وہ خودسر قبائل جنہوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی۔

وہ اب ایسے مطیع و منقاد اور پابند شرع الٰہیہ ہو گئے تھے کہ مقدمات قتل کا قصاص مقدماتِ زنا میں رجم، مقدمات سرقہ میں قطع ید، مقدمات خمر میں اجرائے حد شرعیہ کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے۔ کیا ایسے نظائر کسی متمدن ملک میں موجود ہیں اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قراءت و تلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ زبان آوروں کی گرمی بازار ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ عکاظ کا بازار مندا پڑ گیا تھا اور یہ عالم ہو گیا تھا کہ اگر نشاط طبع منظور ہے تو اس نور مبین کا ورد ہے اور اگر حصول برکت دین مقصود ہے۔ تب کتاب عزیز کا سماع ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل وزبان، طبع ودماغ اور جملہ حواس وقویٰ پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اس کا ایک شخص پر ہے، وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

فصل چہارم

نمونۂ تعلیم

قرآن مجید کی تعلیم وتاثیر کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے وہ صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے حالات پر غور کرے۔ ان کا مصائب پر صبر اور نوائب (حادثات) پر تحمل اور ادائے شکر واحسان کے واقعات کو معلوم کرے۔ کافۂ اہلِ اسلام کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردی عامہ، اخوت، نفع رسانی، خلائق، پاکیزگی، والاہمتی، مہمان نوازی کو دیکھے۔

مسلمانوں کے اصول منزل واصول تمدن واصول حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآن کے تیار کردہ ہیں۔

ایزک ٹیلر نے جو کیپٹن کا درجہ رکھتا تھا اپنی ۱۲ مئی ۱۸۸۷ء والی تقریر میں جو دولورہیمپٹن میں چرچ کانگریس کے سامنے کی تھی، صاف طور پر کہا تھا:

> ''افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا، وہاں سے زنا، قمار بازی، دختر کشی، عہد شکنی، قتل وغارت گری، وہم پرستی، شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں۔ مگر جب اسی ملک کے دوسرے حصہ پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو رذائل بالا میں اور زیادہ راسخ کر دیا۔'' [1]

قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ [2]

''اے ایمان والو! تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو۔''

صہیب رضی اللہ عنہ کا حال پڑھو جو آہن گر تھے۔ قریش نے انہیں ہجرت مدینہ سے روک دیا، وہ اپنا تمام اندوختہ ان ظالموں کو دیکر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ بتلاؤ کہ یہ ایثار ان کو کس نے سکھلایا؟

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر غور کرو، یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا۔ مگر وہ یکتا وتنہا اللہ کی راہ میں تین سو میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں۔ یہ جرأت، یہ قربانی، یہ جذبہ ان میں کہاں سے پیدا ہوا؟

خطاب کا بیٹا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا اور پھر بھی باپ کی سخت ودرشت خوئی سے سہار رہتا تھا اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربع میل پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی معدلت گستری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دین داری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجب غبطہ رہا۔

---

[1] ملخص از اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۷ء۔ [2] ۳/ آل عمران: ۱۱۰۔

غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے بڑے براعظم اس کے زیر نگین تھے۔اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھی۔

خالد بن ولید نے جنگ موتہ میں اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو سلطان روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی، اپنے رضا کاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی۔ سوچو کہ ان لوگوں میں یہ عزیمت، یہ ہمت، یہ استقلال، یہ ثبات، یہ پامردی، یہ شجاعت، یہ قربانی، یہ جاں بازی کیوں کر پیدا ہو گئی تھی۔ اگر فکر صحیح، تلاش صادق سے تجسس کیا جائے تو ان سب ترقیات کا سبب اولی قرآن کریم ہی نکلے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان شیدائیان ایمان کو حاصل ہوا تھا۔

قبولیت قرآن

قبولیت میں تداول بین الناس اور کثرت اشاعت بھی شامل ہے۔

ذرا غور کرو کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں، جسے دن میں پانچ مرتبہ چالیس کروڑ (اب ڈیڑھ ارب) بنی آدم پڑھ لیتے اور سن لیتے ہوں۔

یہ درست ہے کہ یورپ کے تمول نے مطبوعہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھا دی ہے۔لیکن صرف اسی امر کو تداول و اشاعت نہیں کہا جا سکتا۔کیا پنساریوں اور عطاروں کی دکان پر ان کتابوں کو نہیں دیکھا گیا؟

تداول کے معنی ہیں کہ جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہو، اسی میں اس کا استعمال بھی ہوا ہو اور یہ صفت قرآن مجید ہی پر صادق آتی ہے۔

قبولیت کے معنی میں وہ عظمت واحترام بھی شامل ہے جو کتاب کی نسبت دلوں میں مستحکم ہو گیا ہو۔

اصحمہ نجاشی ابھی عیسائی تھا کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسے سورۂ مریم سنائی، اصحمہ اس وقت دربار میں بالائے تخت جلوس فرما تھا،لیکن وہ بے اختیار رو رہا تھا اور آنسو بہا بہا کر اپنے گلزار جنت کی آبیاری کر رہا تھا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ مسجد کو آتے آتے بیمار ہو گئے اور ایسے نڈھال ہو گئے کہ راہ ہی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور پھر گھر پہنچائے گئے۔ لوگ عیادت کرنے آتے تھے، دریافت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔آیت عذاب سن کر حالت اتنی متغیر ہو گئی۔

لبید عامری وہ زبردست شاعر تھا، جس کے اشعار کی نسبت یہ ضرب المثل جاری وساری تھی أُكْتُبُوْهَا عَلَى الْحَنَاجِرِ وَلَوْ بِالْخَنَاجِرِ۔

''ان شعروں کو اپنی اپنی گردنوں پر لکھ لو، خواہ خنجروں کی نوک ہی سے لکھنا پڑے۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وہ ایک بار ملنے کو آئے تو خلیفہ نے مہمان کی دل جوئی کے طور پر فرمایا کچھ اپنے اشعار سناؤ، انہوں نے کہا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر ان کے وظیفہ میں پانچ سو روپیہ سالانہ کی بیشی کر دی۔

ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ ❶ ''نیکی کا اصل درجہ نہیں مل سکتا جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ شے صرف نہ کرو جو تمہیں بہت پیاری ہے۔'' ان کے پاس ایک باغ تھا، پچاس ہزار سالانہ کی آمدنی کا، اسی وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ یہ باغ اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔''

ایسے نظائر جمع کرنے سے صدہا مل سکتے ہیں۔

بڑے بڑے بادشاہوں محمود، صلاح الدین یوسف اور عبدالرحمٰن الداخل اور منصور عباسی جیسے باجبروت تاج وروں کو ان کی خشم گیں حالت یا انتقامی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی تو قرآن کی ایک آیت جسے اہل دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے پڑھ دیتا تھا اور بادشاہ کی حالت یہ ہو جاتی تھی گویا آگ کی چنگاری پر منوں پانی آ پڑا۔ یہی وہ واقعات ہیں، جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب مجید کی عظمت اور فرقان حمید کی عزت دلوں پر کتنی فرماں روا رہی ہے۔

خصوصیات قرآن مجید

ایسی خصوصیات جو اس امام مبین کو صحفِ سابقہ سے متمیز و بالاتر ثابت کرتی ہیں بہت ہیں اس جگہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱: تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا۔

یہ ایسی خصوصیت ہے جو قرآن مجید ہی کو بالخصوص حاصل ہے۔

جو کوئی شخص تورات میں سینکڑوں مقامات پر الفاظ ''بنی اسرائیل کا خدا'' پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ ''رب العالمین'' دیکھے گا اسے تورات کے مقابلہ میں قرآن پاک کی فضیلت بخوبی آشکار ہو جائے گی۔

اپنی اس فضیلت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے:

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا ﴾ ❷

''یہ کتاب تو ذکر ہے اور قرآن مبین ہے، تاکہ ہر ایک اس شخص کو جو زندہ ہے اس کے برے انجام سے باخبر کر دے۔''

عربی میں ''مَنْ'' ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اس لیے مَنْ نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے، اس کے ساتھ ﴿ كَانَ حَيًّا ﴾ ❸ کی صفت لگی ہوئی ہے۔ آیت کی عمومیت اور وسعت کا خود ہی اندازہ کر لو۔ ہر ایک وہ شخص جو ذوی العقول کی فہرست میں آ سکتا ہے۔ ہر ایک وہ شخص جو زندہ کہلاتا ہے یا کہلا سکتا ہے۔ قرآن مجید اسے یاد الٰہی دلانے، قرب سبحانی تک پہنچانے اس کے عواقب امور سے آگاہ کرنے کا کفیل ہے۔ کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے۔

بقول متی مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت وانجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹے اور دیگر اقوام کو کتے بتلایا اور یوں فرمایا ہے۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔ ❹

---

❶ ۳/ آل عمران: ۹۲۔ ❷ ۳۶/ یٰسٓ: ۶۹، ۷۰۔ ❸ ۳۶/ یٰسٓ: ۷۰۔ ❹ متی ۱۵ باب ۲۱ تا ۲۷ درس۔

۲: قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا۔

میں نے تورات وزبور وانجیل نیز دیگر انبیا کی کتب کو جو مجموعہ بائبل میں داخل ہیں پڑھا ہے۔ وید کا کچھ ترجمہ (ترجمہ بحر وسام) دیکھا ہے، اس کی تاریخ ترتیب و تالیف کو معلوم کیا ہے۔ کنفیوشس مقتدائے چین اور بدھا بانی بدھ مت کے اصول و تعلیم کو مختلف کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ زرتشت و جاماسپ کے احکام کو دیکھا ہے۔ یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ میں یک فنی ہیں۔

آسانی کے لیے صرف بائبل پر نظر ڈالو اور دیکھ لو تورات میں اخبار و احکام ہیں، زبور مجموعہ مناجات ہے۔ انجیل میں امثال و مواعظ ہیں۔

اب قرآن مبین کو پڑھو۔

کہ مواعظ و احکام، اخبار و امثال، انذار و بشارت کا مجموعہ ہے۔ اس میں صفات الٰہیہ کا بیان ذات ربانی کا ثبوت، حصول تقرب کا طریق، توحید، توکل و تفویض کا مذکور ایام اللہ کی تفصیل حیات و ممات انسان اور عدم و وجود عالم کا بیان فطرت انسانی کی ساخت و شناخت افعال رحمانی کے اسرار، قدرت ربانی کے نمونے سطوت قہاری کے نتیجے، نصرت الٰہیہ کے کارنامے ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ

نفس فرومایہ کو رزائل بشریہ سے پاک و صاف اور حیات مادی کے تاثرات سے مبرا رکھنے مالک و خالق کے سامنے خاضع و خاشع بنانے، نور یقین کے حصول اور تجرید علائق دنیوی اور تشبہ صفات ملکی کے لیے اس سے بہتر و بالاتر کچھ متصور نہیں ہوسکتا۔

۳: آسمانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علوم اخروی و علوم عقلی کے دو دریائے زخار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مع ہذا یہ معانی عالیہ ایسے ایسے اسلوب بدیع کے ساتھ بیان کیے گئے کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس سے برابر متمتع ہوتا ہے۔

وہی ایک آیت ہے جو اسحق حنین جیسے یہودی فلسفی کو غرقاب حیرت بنا دیتی ہے۔ اور وہی آیت افریقہ کے وحشی کی جیب دل کو گوہر مقصود سے بھر دیتی ہے۔ جس ایک آیت کی تفسیر کرتے کرتے رازی و غزالی نے اعتراف عجز و قصور فہم کیا ہے۔

اسی سے تہامہ کا بدوی اپنی مشکلات کی کشائش کی راہ پا رہا ہے۔

الحق قرآن حکیم سمندر کی طرح عمیق، گہر ریز و نفع رساں ہے اور خس و خاشاکِ شبہات کو اپنی لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے۔

اس کے باوقار الفاظ زبان کو اس کے پراسرار معانی دل کو اپنا کیے بغیر نہیں رہنے دیتے۔ کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سنی ہے، جو اول سے آخر تک پڑھنے والے کے ورد زبان اور نقش دل ہو اور شبانہ روزی تلاوت پر بھی پڑھنے والے کی طبیعت سیر ہونے میں اور اسرار کتاب ختم ہونے میں نہ آئے۔ لا واللہ۔

۴: خصوصیات قرآن قیم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح مشرق سے مغرب تک کے لیے ہدایت نامہ دین و دیانت ہے، اسی طرح وہ شمال سے جنوب تک کے لیے ملکی قانون بھی ہے۔

اس کی تعلیم کسی قوم اور کسی ملک کی زبان کے لیے محدود نہیں۔

اس کے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں۔

وہ یہودیت کی طرح جنت کو نسلِ واحد کی جاگیر نہیں بناتا۔

وہ تقرب الی اللہ کے لیے کل دنیا کو واحد خاندان کا دست نگر نہیں ٹھہراتا۔

وہ عیسائیت کی طرح انسان کو فوق از جبلت احکام کی تعلیم نہیں دیتا۔

وہ ناقابل تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔

وہ دولت مندوں کو آسمانی بادشاہت سے خارج نہیں کرتا۔

وہ پرستاران مالک کے لیے ترویج دتاہل کو قابل نفرت و مذموم نہیں بناتا۔

اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب ترحصوں پر بطور آئین سلطنت کبھی حکومت کامیاب کی ہو۔ اگر کسی کتاب نے جمیع بنی آدم کو رنگت اور قومیت نسل اور ملک کے امتیازات سے بالاتر رکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو، جیسا کہ اس کتاب قیم نے کیا، تو اس کا نام لینا چاہیے۔

۵: قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اس کے مقدس ہادیان و داعیان مذہب اور ان کی تعلیمات صحیحہ کی ستائش کرتا ہے۔

وہ کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔

اس خصوصیت عجیبہ میں کیسی سلامت روی، امن پسندی، معدلت گستری، صداقت پروری آشکار ہے۔

قرآن تو اپنا نام ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ [1] رکھتا ہے اور راست بازوں کی تصدیق کرنا ہی اپنا مقصد اولین بتلاتا ہے۔

۶: خصائص قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ﴿ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴾ [2] ہے اور ان تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکار انسانی حل نہ کر سکے تھے یا جن کو کتب سماویہ نے ملتوی چھوڑ دیا تھا اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔

ایسے مسائل بہت ہیں مثلاً:

مسئلہ عرفان صمدانی، مسئلہ صفات ربانی	مسئلہ وجود و شہود
مسئلہ بقائے روح و ارتقائے روح	ماہیت نجات، کیفیت رضوان
امتیاز خالق و مخلوق	فرق رازق و مرزوق
مسئلہ شفاعت و اعمال	مسئلہ سزا و جزا
مدارج صبر و شکر	منازل توکل و تفویض
ماہیت عبادت و استعانت	روحانیت انس و محبت

[1] ۲/ البقرة:۹۷۔ [2] ۸۶/ الطارق:۱۳۔

حقیقت نصرت الٰہیہ ومعیت ربانیہ	مسئلہ گناہ وحقیقت توبہ
مراتب دعاوقبولیت	رہبانیت وتاہل
طلاق ووراثت	حقوق اولاد، حقوق جار
حقوق والدین، حقوق زوجین	حقوق جسم، حقوق انسانیت
حقوق عمران، فرائض	محارم شفعہ
حقوق قوم، حکومت شخصی وجمہوری	شوریٰ وامارت
ماہیت فسادوفیوض امن	مکنت ارضی اور تمکن دینی
حدودعدل اور فسحت رحم	راعی ورعیت

آئین واستبدادوغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشباہ واماثل میں جو فیصلے دیئے ہیں۔ان کا لطف اس وقت آتا ہے اور انکی اعلیٰ شان اس وقت نظر آتی ہے، جب فیصلے سے پیشتر متخاصمین کے بیانات کو بھی سن لیا جائے۔

اللہ اکبر! کیسی کیسی افراط میں نکلی ہوئی اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جادہ اعتدال پر لایا گیا ہے اور کیسی کیسی سنگلاخ وادیوں اور کج و پر پیچ گھاٹیوں میں سے صراط مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے۔

بے شک یہ اسی قادر مطلق اور حکیم برحق کا کام ہے، جس کا علم ماضی وحال واستقبال پر حاوی ہے اور جس کو انسان کی فطرت کا علم کامل اور تربیت پر کلی اقتدار حاصل ہے۔

۷: اس کتاب ﴿لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ﴾ [1] کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا پیش کرنے والا شخص واحد ہے (ﷺ)

وید کو دیکھو، اس کی ہر ایک شرتی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوئے ہیں، آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہے کہ ان میں سے ایک مذکر نام اس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شرتی اکاس سے ملی اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اترا۔

اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صدہا سال کا تفاوت ہے۔

بائبل کو دیکھو کہ یہ ① موسیٰ ② یشوع ③ مصنف قاضیوں ④ سموایل ⑤ مصنف سلاطین ⑥ مصنف تواریخ ⑦ عزرا ⑧ نحمیا ⑨ مصنف کتاب روت ⑩ مصنف کتاب آستر ⑪ ایوب ⑫ داؤد صاحب زبور ⑬ سلیمان صاحب امثال وغزل الغزلات ⑭ واعظ ⑮ یسعیاہ ⑯ یرمیاہ ⑰ خرقی ایل ⑱ دانی ایل ⑲ ہوسیع ⑳ یوایل ㉑ عاموس ㉒ عبدیاہ ㉓ یونہ ㉔ میکہ ㉕ نحوم ㉖ حبقوق ㉗ ضفیاہ ㉘ حجی ㉙ زکریا ㉚ ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔

علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا مع اعمال، یوحنا، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا شاگردان مسیح علیہ السلام کے علمی کارنامے ہیں۔

---

[1] ۲/ البقرۃ:۲۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم نخستین صرف ایک ہے۔ (ﷺ) اس صحیفہ کا خود اسی کے ذریعہ آغاز اور اسی کے ذریعہ سے اختتام ہو جاتا ہے اور با ایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل، اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں، حالانکہ رگ وید، یجر وید سام وید کا اور اتھر ون وید ان تینوں کا محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں، حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل، اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت اور کاملیت کا اندازہ فہم میں آسکتا ہے، اگرچہ صحیح اندازہ کے لیے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

۸: خصوصیات قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ و مہذب ہے، وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

کتاب حزقی ایل کو پڑھو، جس میں خدا نے بندوں کو اپنی دو جوروں اہولا اور اہولیا کا قصہ سنایا ہے۔ امید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے، مگر غور کرو کہ یہ تمثیلی بیان کیا کسی مرد کو اس کی عورت کی طرف سے حسن ظن باقی رہنے دیتا ہے۔ کیا انسانی کنبہ اس نورانی جوڑے سے بڑھ کر کسی اور نمونہ کی تمنا کر سکتا ہے۔

ہاں! ذرا لفظوں کو دیکھو کتنے گرے ہوئے ہیں۔

الف: غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھوکری اپنے محبوب پر اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہار محبت کرتا ہے۔

ب: عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ یروشلم کو بتلا دیا اور محبوب مسیح کو اگرچہ اس کے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس بیان میں مرد اپنی محبوبہ کو ''اے میری بہن، اے میری زوجہ'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ [1]

کیا اس اسلوب کلام کو زمانہ حال پسند کرتا ہے یا زمانہ گزشتہ میں یہود میں باہمی خطاب کا یہ طریق جاری تھا۔

ج: بائیبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یروشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے۔ پھر یروشلم کو عورت فرض کر کے اس کی برہنگی کے متعلق ایسے ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کی بابت مجھے امید ہے کہ وہ کسی گرجا کے محراب میں لیڈیز جنٹلمین کے سامنے بطور وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہوں گے۔

د: حزقی ایل ۲۳ باب کا ۲۰ درس پڑھو، بہن، بھائی، ماں، بیٹا، باپ، بیٹی کا ذکر نہیں، بلکہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شریف میڈم اپنے شوہر کے سامنے اور کوئی نوبل مین اپنی لیڈی کے سامنے ان الفاظ کو پڑھ سکتا ہے اور لفظوں کا مطلب بتا سکتا ہے۔

الف۔	یجر وید میں ادھیا ۱۹۔	منتر ۷
ب:	ادھیا ۱۹۔	منتر ۸۸
ج:	ادھیا ۲۰۔	منتر ۹
د:	ادھیا ۲۵۔	منتر

---

[1] غزل الغزلات ٤ باب ۹، ۱۰۔

کو کیا کوئی گرو اپنی شاگرد لڑکی کو پابندی شرم وحیا پڑھا سکتا ہے اور ان کا مطلب بتا سکتا ہے۔

قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ حاجت ضروری سے فارغ ہونے کا ذکر کرنا تھا تو فرماتا ہے: ﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾ [1] غائط اس نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں ایسی رفع حاجت کے لیے انسان اوجھل' ہوا کرتا ہے۔ الغرض قرآن مجید کا اس بارے میں درجہ بہت بلند اور بہت روشن ہے۔

فصل پنجم

قرآن مجید کا مصنف

ایک مثل مشہور ہے "سخن شاہ بادشاہ سخن' عربی میں ہے: "کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ" قرآن مجید اس شہنشاہ حقیقی اور ملک الملکوت عالم کا کلام ہے، جس نے کلام کو پیدا کیا اور گوشت کے ٹکڑے کو بولنا، ہڈی کو آواز کا سننا اور عصبات کو ان کا سمجھنا سکھلایا۔ وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد میں سے اس قدر اختلاف السنہ اور تباین لغات پدیدار ہوا۔ بعض عیسائی مصنف جو تحقیق کے پردہ میں تعصب کو چھپائے رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ بتایا کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ

(۱) کیا قرآن جیسی کتاب کا مصنف کہلانا بجائے خود ایک اعلیٰ عزت نہیں ہے، پھر کیا وجہ کہ نبی ﷺ نے ایسی اعلیٰ تصنیف کے مصنف ہونے کی عزت سے خود کو محروم رکھا۔

(۲) کیا قرآن پاک جیسی تصنیف کا مصنف جھوٹ جیسی رذیل صفت سے آلودہ ہوسکتا ہے؟ کیا وہ کتاب جس نے لاکھوں کو صداقت سکھلائی اور جس نے گنتی کے سالوں میں عرب کی کایا پلٹ دی اور وہ کتاب جس نے زندہ، حی القیوم کی ہستی کا اعتقاد دلوں میں قائم کر کے کروڑوں بنی آدم کو حیات جاوید سے بہرہ اندوز کر دیا؟ کیا ایسے دل ایسی زبان سے نکل سکتی ہے جو خود صادق نہ ہو۔

ان دونوں امور پر غور کرو۔ تمام دنیا کے مصنفین کا رویہ ہماری تائید میں ہے اور فلسفہ فطرت انسانیہ اس صداقت کا مصدق ہے۔ اب ہم خود عیسائیوں کی دی ہوئی بائبل پر توجہ کرتے ہیں۔ بائبل سے اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ دنیا میں کلام اللہ بھیجے جانے کی خبر ہزاروں سال پیشتر سے دی گئی تھی۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس احکام عشرہ کی الواح لاتے ہیں، قوم ان الواح پر شک کرتی ہے۔

(۲) قوم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل کا خدا خود ان کی موجودگی میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام برگزیدگان قوم کو طور پر لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے۔ بادل سب کو گھیر لیتے ہیں، ہوائیں تندی و تیزی سے چلنے لگتی ہیں۔ بجلیاں کوندتی ہیں، گرج پر گرج کی صدائیں دلوں کو ہلا دیتی ہیں، بھونچال آتا ہے، پہاڑ کانپ رہا ہے۔

(۴) ان حالات کو دیکھ کر بنی اسرائیل چلا اٹھتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں:

---

[1] ۵/ المائدۃ:۶۔

”اے موسیٰ علیہ السلام تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں، لیکن خدا ہم سے نہ بولے، کہیں ہم مر نہ جائیں۔“ [1] یہ درخواست قبول کر لی گئی اور سب لوگ طور سے اپنی اپنی جان بچا کر خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔

(۵) بنی اسرائیل کی اس کے بعد یہ درخواست ہوتی ہے کہ خدا اپنا کلام موسیٰ علیہ السلام کے منہ میں رکھ دے اور وہ قوم کو سنا دیا کرے۔

(۶) اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نامنظور فرماتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے منہ میں رکھا جائے گا، وہ نبی اللہ اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ وہ نبی جو کچھ خدا سے سنے گا، وہ سب لوگوں سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ نبی میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو اس کا حساب خدا لے گا۔ [استثناء ۱۸ باب ۱۸، ۱۹ درس]

اب براہ مہربانی یہودی و عیسائی ان واقعات بالا کو خیال میں رکھیں اور پھر ہم کو بتائیں۔ سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور وہ کون سا نبی ہے جس کے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا۔ وہ کون سا نبی ہے، جس نے یہ بتلایا ہو کہ ”اس کے منہ میں خدا کا کلام ہے۔“

ہم ان دونوں سے کہتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز کسی ایسے نبی کا نام نہیں بتلا سکیں گے جس نے زبان سے اتنا فقرہ استعمال کیا ہو کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہے۔

کلام اللہ کا سنانا تو امر دیگر ہے۔

یہی بات وہ ہے جو حق پوش اہل کتاب پر رب العالمین کی سب سے بڑی حجت ہوگی اور جس پر یوم الدین کو خدا کی عدالت قائم ہوگی۔

جواب دینے سے پیشتر یسعیاہ کا فقرہ بھی یاد رکھنا چاہیے ”دیکھو امّی کو کتاب دی گئی۔“ یہودیوں، عیسائیوں کو بتلانا ہوگا کہ ”امی صاحب کتاب“ اور کون ہے۔

اے یہود! اے نصرانیو! وہ امی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کا علم ہمیشہ نبی الامی رہا۔ دنیا میں کسی نبی کا لقب یا علم نبی الامی کبھی نہیں ہوا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ ۨ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

فصل ششم

قرآن ذی الذکر کی پیشین گوئیاں

جو لوگ قرآن پاک کو تصنیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتلایا کرتے ہیں یہ وہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی صادق ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

کیا ایسے اشخاص اس امر کی کوئی توجیہ کر سکتے ہیں کہ ان کی حالت مزعومہ کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کیوں کر آنے والی مغیبات کو بیان کرتا اور زمان پیشین (مستقبل) کے متعلق پیشین گوئیوں کا اعلان فرماتا ہے۔

اتمام حجت منکرین اور انشراح صدر مؤمنین کے لیے ان پیش گوئیوں کا ذکر بطور تذکرہ کیا جاتا ہے جو قرآن سے ثابت ہیں

[1] کتاب خروج: ۲۰، ۱۹ کتاب استثناء: ۱۸، ۱۶۔

اور چودہ صدیوں کا عہدِ طویل شہادت دے گا کہ نزول قرآن پاک کے بعد سے آج تک ان میں سے کس طرح وہ پیشین گوئیاں تمام دنیا کے سامنے حرف بہ حرف اور ہو بہو پوری ہوتی رہی ہیں۔

فصل ہفتم

قرآن عظیم کے متعلق سات پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی

قرآن کریم کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا:

﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝۸۸﴾ [1]

''اے رسول ﷺ سب سے کہہ دیجئے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت بھی کریں اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے۔''

الفاظ دعویٰ کی شوکت اور قوت غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

عہد نبوت

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نابغہ، امرء القیس و عنترہ جیسے لوگوں کے لیے یہ دعویٰ کتنا ذلیل کن ہے۔

وہ جو اپنے اپنے کلام کو ہرن کی جھلیوں پر آب زر سے لکھواتے اور بایام حج عام دیوار کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے کیوں اس دعوی کے بطلان پر آمادہ نہ ہوئے وہ ابولہب، ابوجہل، کعب بن اشرف، سلام بن مشکم جیسے قریشی و یہودی جنھوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دھن میں زر و مال اور نفوس اور اولاد کو قربان کر دیا تھا، کیوں ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص جو اُن ہی میں پلا اور بڑھا ہے اور جو وہی زبان بولتا ہے، جو ان سب کی ہے اور پھر وہ ان سب کے پیارے مذہب اور مرغوب رسوم اور پسند کردہ عادات اور ان کے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش دلانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام کو جو اسی کے منہ سے نکلی ہے، بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اس جیسی زبان نہیں بول سکتا اور کوئی شخص بالمثل کلام پیش کر کے اس کی تحدّی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

عہد حاضر

اچھا اس وقت کا ذکر چھوڑو اب زمان حاضرہ پر نگاہ ڈالو۔ شام، بیروت، دمشق و مصر اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار، جرائد اور رسائل اشاعت

---

[1] ۱۷/ بنی اسرائیل: ۸۸۔

پذیر ہیں، وہ آج کیوں اس دعویٰ قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر قطر المحیط، المنجد، اقرب الموارد اور المحیط جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس سورتوں کے برابر ہی نہیں لکھتے۔ وہ کیوں ایک ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی شخص جتنا عربیت کا ماہر اور ادب میں ید طولیٰ رکھنے والا ہے، اس پر اتنا ہی زیادہ رعب کلام قرآنی کا غالب آ جاتا ہے۔

آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، لیکن جس شخص کو قرآن حکیم نے تحدی بنایا۔ اس پر کوئی بھی قلم اٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

معترض عہد نبوی ﷺ کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

لیکن وہ ساڑھے تیرہ صدیوں کے زمانہ کی خاموشی کی بابت کیا توجیہ پیش کر سکتا ہے۔

دوسری پیشگوئی

کہ قرآن ہمیشہ محفوظ رہے گا:

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝﴾ [1]

''ہاں، ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے۔''

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت۔

الف: اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحف سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

(۱) تورات موسیٰ علیہ السلام کا خمیر مایہ وہ دو الواح تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر لکھی لکھائی دی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ جب موسیٰ نے میدان میں آ کر لشکر کو گاؤ سالہ پرستی میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ غیرت ایمانیہ سے بے تاب ہو گئے۔ لوحیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشرہ اور دیگر احکام شریعت موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے۔ (استثناء باب ۲۵) یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جا سکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد تک خیمہ عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو، لیکن سلاطین اول باب ۸ سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق خیمہ عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔

اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان علیہ السلام نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا اور پھر عہد کے صندوق میں اسے رکھوا دیا گیا ہوگا۔ لیکن یہ مسلمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا، اسے بھی بخت نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا

---

[1] ۱۵/ الحجر: ۹۔

ڈالا تھا۔ یہ حادثہ ہائلہ ۵۸۶ ق م میں واقع ہوا۔

داراشاہ ایران کے عہد میں زروبابل وغیرہ سرداران بنی اسرائیل نے ہیکل کواز سر نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی، مگر نہ ملی (دیکھو کتاب عزیر) تب حضرت عزیر نے اپنی یادداشت اور حجی وزکریا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی تورات کہتے ہیں (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکس کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ ۳۰۰ ق م کا ہے۔ پھر ابن توکس چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ ملک مصر پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے سپہ سالار نے اس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوختت کر دیا گیا اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۶۶ ق م کا ہے ایک بوڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ جان بچا کر اپنے وطن شہر مودن کو بھاگ گیا تھا۔ اس کے فرزند مقائیس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی، جو اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہود کے چند فرقے اسی کو آسمانی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعات بالا پر پورا پورا غور کرو۔ اصلی کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر آتی ہے؟

(۲) اب انجیل کی سرگزشت سنو۔ انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔

متی کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (واقع شام) میں لکھی گئی، لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے اس کا ایک ترجمہ یونانی زبان کا ملتا ہے لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا۔

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اول و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا، بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے نہیں۔ [1]

لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے، اس نے مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور اس کے استاد نے بھی مسیح علیہ السلام کی زندگی میں اس کی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کرتا ہے۔ بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ امید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں گے لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورٹن لکھتا ہے۔

جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے ان میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔ [2]

قابل غور یہ بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے، وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔

مرقس شمعون پطرس کا شاگرد ہے، اس نے بھی انطاکیہ ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

یوحنا بن سندائی کی انجیل غالباً بلحاظ سن تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا ہے۔

---

[1] کتاب الاسناد، ص: ۵۳، نسخہ مطبوعہ: ۱۸۳۷ء۔ [2] کتاب الاسناد، ص: ۶۱۔

کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کا شاگرد تھا، لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل بھی مسیح علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتابیں انہی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔ اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقض اور تضاد نہیں ہونا چاہیے لیکن ان میں اتنا تناقض موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلارک، نورٹن اور ہارون صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں۔ تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں۔

پادری فرنچ کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار غلطیاں موجود ہیں۔

چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

(۳) اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ ان کی کتابیں کبھی موجود ہوں گی لیکن کتاب ژند [1] تو زرتشت کے عہد سے بھی پہلے نادر الوجود ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں کہ کتاب ژند کے پچیس باب تھے اور اب صرف انیسواں باب ''دند یدار'' پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اس کا درجہ پاژند نے حاصل کر لیا۔ لیکن سکندر ماکڈونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا ہو گئی۔ سکندر کے بعد تین سو سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا، تب ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی کتاب کا درجہ دیا گیا، لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلایا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔

دساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے صبح و شام کو پڑھے جانے والی دعائیں اس میں درج ہیں۔

استا کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزول قرآن کے بعد لکھی گئی اور اسی کتاب کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ترجمہ ثبت کر دیا گیا۔ ''بنام ایزد بخشائندہ بخشائش گر، مہربان دادگر'' اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم دری زبان میں کر دیا گیا تاکہ اس کی قدامت بہت قدیم ہو جائے۔ ''خرشید شمستائے ہرشندہ ہرششگر زمربان فرد بیدار''

مندرجہ بالا حالات سے پتہ لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا۔ جو آسمانی کہلانے کا مستحق ہو۔

(۴) ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ''وید'' سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔

اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

---

[1] ژند کے معنی وہ سنگ چقماق جس سے آگ نکلتی ہے۔ کتاب کا نام اس لیے ژند ہوا کہ اس کے اندر بھی روشنی موجود ہے۔ اس کی شرح کا نام پاژند ہوا پاژندہ لوہے کی میخ ہے جو چقماق پر آگ لگانے کے لیے ماری جاتی ہے اس کی شرح کا نام اوستا ہوا۔ [تحفۃ ان پارس ص ۲۰]

آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔

سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے۔ اور برہمن بھاگ اپنے حجم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو ۲/۳ حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا ۲/۳ حصہ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں، مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں رگ، یجر، سام کا نام آیا ہے۔ چوتھے وید اتھرو کا نام نہیں آیا۔

سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں، لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں، جن میں قریباً ۳۲ کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔

سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں، مگر نیائے روشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اس کا شاستر چھ شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شس کو شاستر بطور مسلمہ آریہ اور سناتنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے۔ جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آ کاس بانی ہونا بھی وہ قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانہ سے ماقبل کے بتاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو وید سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے ان مختصر سے مختصر فقرات سے ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حفاظتِ الٰہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور اسی لیے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اسی مذہب کے اشخاص نے شک وگمان اور ظنون واوھام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

قدرت الٰہیہ نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی، بلکہ اس زبان اور لغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی، جن میں یہ کتابیں لکھی گئی یا نازل کی گئی تھیں۔

ذرا غور کرو، عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالدی جو مسیح علیہ السلام کی زبان تھی اور دری جو ژند و پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو وید کی زبان تھی۔ اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی براعظم یا کسی ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطور زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان السنہ کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی کر دیا ہے کہ اب انسان کو ان کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو ان زبانوں میں مروج کی گئی تھیں۔

دوم: اس حفاظت الٰہیہ کا اندازہ کرو، جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اس کا زیر وزبر اور حرف حرف توالی وتواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو میں موجود ہے۔

اگر حفاظت الٰہی خود کارفرمانہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ ضرور تھا جس کا پیش کرنے والا ﴿ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِينِكَ ﴾ [1] سے مخاطب ہو۔ آپ تو اپنے داہنے ہاتھ سے خط کھینچنا بھی نہیں جانتے تھے۔ برہان بالا

---

[1] ۲۹/ العنکبوت: ۴۸۔

حفاظت الٰہی کے متعلق قطعی ہے۔

مناسبت مقام سے ہم قرآن مجید کے حروف کے متعلق ایک یادداشت پیش کرتے ہیں۔حروف کا اندراج اس لیے کیا جاتا ہے کہ تعداد سورورکوعات وآیات وغیرہ کے متعلق اعداد وشمار عموماً ہر ایک مصحف پر درج ہوتے ہیں۔

نقشہ شمار حروف تہجی

جتنی بار ہر ایک حرف قرآن مجید میں آیا ہے۔

حرف	تعداد	حرف	تعداد
ا	۴۸۹۹۲	ز	۳۵۸۰
ب	۱۲۲۲۸	س	۵۹۷۶
ت	۲۴۰۴	ش	۲۱۱۵
ث	۳۱۰۵	ص	۲۰۰۸۳
ج	۴۲۳۲	ض	۶۸۲
ح	۴۱۲۰	ط	۱۳۰۷
خ	۲۱۰۵	ظ	۷۸۲
د	۵۹۷۲	ع	۹۲۷۴
ذ	۴۷۳۹	غ	۹۲۱۱
ر	۱۲۶۴۰	ف	۴۴۱۸
ق	۶۶۱۲	ن	۴۴۱۹۰
ک	۱۰۶۲۸	و	۲۵۵۸۹
ل	۳۳۵۲۰	ہ	۱۶۰۷۰
م	۲۶۵۱۵	ی	۲۵۹۰۹ [1]، [2]

امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ اور حفاظت رسم الخط قرآن

اس برہان کے خاتمہ پر تکمیل مدعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی حفاظت قراءت وکتابت قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو انجام دیا۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سات قرآن مجید لکھوائے اور ان کو سات نائبان سلطنت کے پاس اپنے دستخط اور مہر رسالت سے مزین کرکے بھجوایا،اس

---

[1] منقول از دستور العلماء جلد دوم مصنفہ قاضی الفاضل عبدالنبی احمد نگری ۱۲۔

[2] نقشہ میں کل حروف کا مجموعہ نہیں دیا گیا تھا جو کہ جمع کرنے سے ۳۴۶۹۹۸ بنتا ہے۔ع۔ک

سے بھی حفاظت قرآن پاک ہی مدعا تھا، تاکہ رسم الخط میں بھی آیندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے، کاتب وحی کے قلم اور خلیفہ راشد کے دستخط اور مہر رسالت سے مزین شدہ قرآن آیندہ زمانہ کے کاتبین کے واسطے صحت و نقل و مقابلہ کے لیے بے بہا گوہر تھا۔

نقل و طریق وجادہ

آج کل تو جادہ ہی پر نقول کا اعتبار چلتا ہے۔ یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق ہو، جس سے نقل کی گئی ہے، لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے۔ مفقود ہے۔ خلیفہ راشد نے نقل و صحت میں شک و اختلاف مٹانے کے لیے اصل شے قائم کر دی، تاکہ بحالت ضرورت اسی کی جانب رجوع کیا جائے۔ یہ قرآن مجید ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔ دنیا کی اور کسی مقدس کتاب کو یہ درجہ حاصل نہیں۔

اعتراض اور اس کی اصلیت

معترضین اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کی صورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اٹھائیں۔ جھٹ کہہ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تصرف کیا تھا، ان کوتاہ فہم لوگوں کو نہ اس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ممالک اسلام کے باہمی تعلقات کا بھی ان کو علم نہیں۔ اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

نماز اور قراءت

سب جانتے ہیں کہ اسلام میں ۵ نمازیں فرض ہیں، جن میں سے تین میں قرآن مجید بآواز بلند پڑھا جاتا ہے اور چونکہ ہر شخص مجاز ہے کہ جہاں سے وہ چاہے، جتنا چاہے قراءت کرے۔ اس لیے دنیا پر پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صدہا مقامات پر مختلف اجزاء و سور سے قرآن مجید کی قراءت روزانہ کیا کرتے ہیں، ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں سینکڑوں مقتدی سنا کرتے ہیں۔ اقتدا کرنے والوں میں بھی بہت تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے، جن کو خود بھی وہ آیات جو امام نماز میں پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں یہ طریقہ عہد نبوی سے جاری تھا اور ہر شہر ہر قصبہ ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا۔

نسخہ جات قرآنی کی اشاعت

خلافت عثمانی سے پیشتر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں پر پہنچ گئی تھی، اور اس کے نسخے الوف در الوف بستیوں میں موجود تھے اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے حیطۂ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ سب کی زبانوں سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی بیشی کر سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان سے مسائل فقہ میں اختلاف جمہور

ہاں ہم کو وہ مسائل فقہ بھی معلوم ہیں جن میں صحابہ کا اختلاف عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کر سکنا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف کیا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد فقہی پر محکم رہا تو پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے متعلق کوئی خودساز

تبدیلی کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر خاموش رہ جاتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل مصر کی بغاوت

اس سے بھی بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی۔ ان کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنے والا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ ومناصب دینے والا بتلایا ہے اور انہی امور پر اہل مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اس کا اختتام امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا، لیکن ہم کسی مصری اور اس عہد کے کسی اور شدید البغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

خلافتِ مرتضوی اور مصحفِ عثمانی

مولیٰ علی المرتضیٰ ان کے بعد خلیفہ ہوتے ہیں اور اپنی تمام خلافت کے زمانہ میں قرآن کی ترتیب عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے اور نہ اس ترتیب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں، بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اسی قرآن کا ورد فرماتے ہیں۔

رفع مصحف کا واقعہ صفین میں

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ صفین ہوتی ہے۔ اہل شام قرآن مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اس وقت حزب مرتضوی رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اہل شام کے قرآن پر کیا اعتماد ہے؟ حالانکہ فریق برسر جنگ کو اگر ذرہ بھی گنجائش ایسے لفظ کہنے کی مل جاتی تو وہ محارب کی اس تدبیر کو کالعدم کرسکتا تھا، لیکن شامیوں کے پیش کیے ہوئے قرآن ہی کو قرآن ماننا پڑا اور عارضی صلح منعقد ہوگئی۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظتِ قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی، جس پر تمام عالم اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل وعالم، دانا ونادان دوست ودشمن ان کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے اور یہ اتفاق کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظت کتاب حمید کی ہے۔

تیسری پیشگوئی

جمع قراءت قرآن مجید کی بابت:

﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ﴾ [1]

قرآن کا جمع کرنا اور قراءت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے، اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! جس قراءت سے قرآن پڑھا جائے، آپ اس پر کاربند رہیں۔"

قرآن مجید کے احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا، لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا، جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب وتدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعد میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم وتاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب

---

[1] ۷۵/ القیمۃ: ۱۷، ۱۸۔

کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت کر رہی ہے۔اس پیشگوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع و ترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے۔
وہ ٹھیک اسی ترتیب اور قراءت کے موافق ہے جو علم الٰہی اور قراءت سماوی میں ہے۔

یہ وہم کہ افراد امت میں سے کسی ایک کا خیال اس میں کوئی تصرف کر سکا ہے بالکل غلط اور باطل بن جاتا ہے۔

چوتھی پیشگوئی

کہ قرآن مجید حفظ (یاد) رکھا جائے گا:

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ ﴾ [1]

''یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔''

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا، کیوں کہ قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی اس لیے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے پر دلیل ہے، اس پیش گوئی کے مطابق ہر ملک ہر صوبہ ہر ضلع ہر شہر میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے، جو اس صحت اور اتقان اور یقین واثق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں، کہ ان کی قراءت سے مطبوعہ کتابت کی صحت کی جاتی ہے، مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑے گا تو وہ اس کی صحت دوسرے حافظ ہی سے جا کر کرے گا۔

یہ ایسی زبردست پیش گوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاثانی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

پانچویں پیشگوئی

کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ﴾ [2]

''ہم نے قرآن کو یاد کے لیے آسان بنا دیا ہے۔''

پیش گوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا تھا کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اچھوتا ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو از برسنانا شروع کیا، تب دوسروں کو بھی امنگ آنی چاہیے تھی دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے، کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی۔

مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا، نہ یہودی، نہ عیسائی نہ پارسی نہ ہندو اور نہ اور جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو۔ اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

---

[1] ۲۹/ العنکبوت:۴۹۔ [2] ۵٤/ القمر:۱۷۔

غور کرو رب العالمین نے اور کسی کلام کے اندر (خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اتارا گیا تھا) یہ خصوصیت، یہ خاصیت، یہ مابہ الامتیاز رکھا ہی نہیں، اس لیے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والے کو از بر یاد کرنا کیوں کر ہو سکتی تھی اور کیوں کر کوئی شخص حفاظ قرآن کی طرح ایسی صحت، ایسے تیقن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظہ سے سنانے کی جرأت کر سکتا تھا۔ یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت اور یہ ہے فطرت انسانی کی اصل منشا کا راز جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

چھٹی پیشگوئی

کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی اور کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت ترقی پر رہے گی:

﴿ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍۙ ﴾ [1]

''قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے اور پاک صاف صحیفہ اشاعت پاتی ہے۔''

رِقّ، اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کتابت کے لیے خاص طور پر بنائی جاتی ہے، اور باریک، سفید پاکیزہ صحیفہ (بیاض) کو بھی جو لکھنے کے لیے تیار کی جائے۔ (المنجد)

اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب بھی فرمایا اور مسطور بھی اور پھر اُسی کو منشور بھی بتایا۔ کون نہیں جانتا کہ نشر کے معنی میں بسط اور امتداد شامل ہیں اور اُسی کو آج ہم لفظ اشاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ساتویں پیشگوئی

کہ باطل یا بطلان قرآن مجید کے نزول میں یا آیندہ کسی عہد میں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا:

﴿ لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ [2]

''باطل اس کے آگے یا پیچھے سے نہ آئے گا۔ یہ تو (اللہ) حکیم ومحمود کی طرف سے نازل کیا گیا۔''

فلسفہ قدیم (باطل بین یدیہ) اور فلسفہ جدید (باطل من خلفہ) نے بہت زور مارا مگر قرآن حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اس کے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ نہ فلسفہ قدیم نے اس میں سے کچھ گھٹایا نہ فلسفہ جدید نے کچھ بڑھایا۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی کو دخل کی گنجائش ہی نہیں۔

اسلام کے متعلق چار پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی

منکروں کی نفرت وکراہت کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی ہدایت وحقانیت غالب ہوتی رہے گی:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ [3]

''اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ وہ اسے سب دینوں پر

---

[1] ٥٢/ الطور: ٢، ٣۔ [2] ٤١/ حٰم السجدة: ٤٢۔ [3] ٦١/ الصف: ٩۔

غالب کرے، اگرچہ مشرک لوگ کیسا ہی برا مانتے رہیں۔''

جنوبی عرب اور عیسائیت

بعثت نبوی کے وقت عرب کی پولیٹیکل حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب پر سلطنت حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی اقطاع پر روما کی سلطنت کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں عیسائی سلطنتیں تھیں۔ عیسائیت اگرچہ عرب میں ۳۳۰ء میں داخل ہوگئی تھی اور بنوغسان عیسائی بن گئے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ عراق، عرب، بحرین، صحرائے فاران اور دومۃ الجندل پر بھی یہی مذہب حکمران ہوگیا تھا۔ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے کہ ۳۹۵ء سے ۵۱۳ء تک عرب میں اشاعت عیسویت پر بہت ہی زور لگایا گیا تھا۔

لیکن اسلام نے چند ہی سال میں اس پر غلبہ حاصل کرلیا اور یہ جملہ ممالک دین حقہ میں داخل ہوگئے۔

عرب اور یہودیت

یہودی عرب میں اس وقت آئے جب یونانیوں اور سریانیوں نے ان کو اپنے ممالک سے نکال دیا تھا، ان کا مذہب حجاز اور نواحی خیبر اور مدینہ میں پھیل گیا تھا اور اس نے استحکام بھی حاصل کرلیا تھا۔

اسلام کے آتے ہی اس کا بھی چارصد سالہ قبضہ عرب سے بالکل اٹھ گیا۔

مشرقی عرب اور مجوسیت

عرب کے مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اثر تھا اور اس حصہ کا گورنر شاہ ایران کی منظوری وانتخاب سے مقرر ہوا کرتا تھا۔ مشرقی حصہ میں آتش پرستی کی رسوم اور طریقے خوب رواج پا گئے تھے۔ تاریخوں میں ان عربوں کے نام بھی لکھے ہیں جنہوں نے مجوسیت کے اثر میں آکر بیٹی اور بہن کو گھر میں ڈال لیا تھا۔

اسلام کی پاک تعلیم کے سامنے یہ مذہب بھی نہ ٹھہر سکا۔

عرب وسطیٰ اور بت پرستی

حجاز (وسط عرب) میں ابن اللحی شام سے بت لے آیا تھا اور اسلام سے تین صدی پیشتر تمام مشہور مشہور قبائل بت پرست بن گئے تھے۔

عرب اور مذاہب متعددہ: صابی، دہریہ، منکران قیامت، مادہ پرست، اور خود پرست وخوش باش وغیرہ کے نام سے اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب تھے جن کے مقلدین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔

﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ [1]

اسلام کی حقانیت نے ان سب لوگوں کو بھی بطلان سے چھڑایا۔ یہی معنی ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ کے ہیں، جس کا ظہور حضور پرنور نبی ﷺ کے عہد اقدس میں ہی ہوگیا تھا۔

---

[1] ٦١/ الصف:٩۔

دوسری پیشگوئی

اسلام کے متعلق دوسری پیشگوئی کہ وہ تکمیل واتمام کو پہنچے گا۔

﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝﴾ ❶

''اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگر چہ کافر برا مانتے ہیں۔''

وعدہ کی زمین پر موسیٰ علیہ السلام داخل نہ ہوئے

موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پاک پر غور کرو، اگر چہ انکے ہاتھ سے ایسی ایسی آیات باہرات کا ظہور ہوا، جو اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ فرعونِ مصر کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا اور بنی اسرائیل کو سمندر چیر کر اس کی خشک زمین پر سے راستہ دیا۔ من وسلویٰ اتارا، دن میں خاک کے بگولے سے ان کی راہنمائی کی اور رات کو اسی بگولہ کو ستون نار بنا کر کیمپ کو روشن کیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مقصد اصلی جو وعدہ کی زمین میں بنی اسرائیل کو پہنچا دینا تھا۔ وہ ان کی حیات میں مکمل نہ ہوا۔

داؤد علیہ السلام خدا کا گھر نہ بنا سکے

داؤد علیہ السلام کی سیرت پاک کو دیکھو، ان کو بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط پر حکومت بھی ملی۔ انہوں نے جالوت کو بھی خاک و خون میں سلایا۔ انہوں نے سموئیل کو بھی نیچا دیکھایا شہر بنایا، قلعے تیار کیے لیکن اللہ کا گھر بنانے کی ان کو اجازت نہ ملی۔

مسیح علیہ السلام کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا

مسیح علیہ السلام کی سرگزشت کو پڑھو۔ تبلیغ واشاعت کی غرض سے وہ شبانہ روز سفر میں رہے اپنے سہ سالہ ایام تبلیغ میں انہوں نے دو شب کسی ایک مقام پر مشکل سے قیام فرمایا ہوگا، لیکن پھر بھی یوحنا ۱۶ باب میں ان کا اعلان یہی تھا کہ وہ مکمل تعلیم نہیں دے سکے اور ساری صداقت اور سچائی نہیں سکھلا سکے، ان سب حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کا اعلان اور اعلام عام یہ ہے کہ اسلام بالضرور تکمیل واتمام کے مدارج پر پہنچے گا اور نور اسلام اپنے مقاصد میں یقیناً ہی فائز المرام ہوگا۔

مادی دنیا کی انتہائی بلندی سے روحانیت کی آواز

اس آیت کا نزول تو اس وقت ہوا تھا جب مہاجرین وانصار کو اطمینان کے ساتھ روٹی کھانی نہیں ملتی تھی اور نماز بھی دشمن کے حملہ سے بے خطر ہو کر نہیں پڑھی جاتی تھی، آہستہ آہستہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا اور اس مبارک دن کا سورج نکلا جس روز اللہ کے نبی نے عرفات کے میدان میں وہاں کی سب سے بلند پہاڑی (کوہ رحمت) پر چڑھ کر سب سے بڑے مرکب (ناقہ قصویٰ) پر سوار ہو کر یعنی مادی دنیا کی اقصیٰ بلندی کے سر پر پاؤں رکھ کر عالم عالمیان کو اس نوید فرخ سے زندہ جاوید فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ ❷

''آج تمہارا دین تمہارے فائدے کے لیے کامل کر دیا۔ آج میں نے تم سب پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا، آج میں

❶ ٦١/ الصف:٨۔ ❷ ٥/ المائدة:٣۔

بتلاتا ہوں کہ میری خوشنودی یہ ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہو۔''

ناظرین! آپ نے پیشگوئی کو بھی دیکھا اور اس کا اتمام بھی دیکھ لیا۔

تیسری پیشگوئی

تیسری پیشگوئی اسلام کی بابت کہ وہ استحکام میں بڑھتا جائے گا اور اس کا پھیلاؤ روز بروز زیادہ ہوتا جائے گا:

﴿ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍۭ بِإِذْنِ رَبِّهَا ﴾ [1]

''کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت جیسی ہے، جس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں پھیلتی جاتی ہیں، وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت (ہر زمانہ) میں پھل دیا کرتا ہے۔''

ثابت اسم فاعل ہے اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ سماء سمو سے بنایا گیا ہے، رفعت و شوکت بلندی و عزت کے معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔

وہ درخت جس کی جڑیں پاتال کی طرف بڑھتی جائیں، جس سے درخت مضبوط بھی زیادہ ہوتا جائے اور خوراک بھی اسے زیادہ ملتی رہے۔

وہ درخت جس کی نشو و نما جاری رہے جس کی طراوت و تازگی قائم رہے، اس کی شاخیں پھیلا کرتی ہیں فضا میں لہلہایا کرتی ہیں، آسمان کو جایا کرتی ہیں، وہ آسمانی برکتوں اوس، مینہ سے بھی غذا لیتا ہے وہ زمینی برکتوں نہر اور چشموں سے بھی پلتا ہے۔

جمعیت کے اعتبار سے اس کا تنا ایک ہوتا ہے اور پھیلاوٹ کے لحاظ سے اس کی شاخیں کئی۔ یہی مثال اسلام کے کلمہ طیّبہ کی ہے، جہاں اس کا بیج بویا گیا تھا۔ وہاں اسی طرح دائم و قائم ہے اور اس کی شاخیں چین و افریقہ، انگلینڈ و امریکہ تک پھیل گئی ہیں۔

ہندو قوم کی بابت کوئی کہتا ہے کہ وسط ایشیا سے آئی اور کوئی کہتا ہے کہ تبت سے نیچے اتری۔ تبت اور ترکستان و ماوراء النہر میں جا کر دیکھو اور پوچھو کوئی اس دعویٰ کا مصدق بھی موجود ہے؟ ہرگز نہیں معلوم ہوتا جاتا ہے کہ جڑ قائم نہیں۔ یہی حال دنیا کی اکثر اقوام کا ہے۔

بنی اسرائیل کو فلسطین کی زمین وعدہ کے ساتھ دی گئی تھی کہ اگر وہ شریعت کے پیرو رہے تو ابد الآباد کے لیے یہ مملکت اور اس کی حکومت انہی کو حاصل رہے گی، لیکن کیا اب اس کی جڑ اس وعدہ کی سرزمین میں قائم بھی ہے؟

جنگ عظیم (۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) میں ان بے چاروں نے اربوں روپیہ بڑی بڑی سلطنتوں کو قرض دیا کہ وعدہ کی زمین پر قومی گھر بنا دیا جائے لیکن وہاں کے باشندے اب تک ان کے قدم وہاں جمنے نہیں دیتے۔

اگر انگلستان کی کوششیں بارآور بھی ہوتیں، تب بھی یہ مملکت اور سلطنت تو نہ ہوتی جس کا وعدہ ابراہیم و موسیٰ اور داؤد و سلیمان علیہم السلام کے ساتھ تھا، بلکہ یہ تو وہی غلامانہ اطاعت ہوتی، جس کے بدلے میں بخت نصر اور گشتاسب وغیرہ نے بھی یہودیوں کو اس سرزمین پر بسنے کی اجازت دے دی تھی۔ جب کہ وہ بعہد مسیح علیہ السلام رومیوں کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

---

[1] ۱۴/ ابراھیم: ۲۴، ۲۵۔

پارسی قوم کا قومی گھر ایران ہے لیکن اب تو وہاں ان کا کوئی پرسان حال بھی نہیں۔ کیا ان حالات میں یہ اقوام ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ [1] کے الفاظ اپنے اوپر چسپاں کرسکتی ہیں۔ یہودیوں، ہندوؤں، پارسیوں وغیرہ کی قوم جس جمود پر پڑی ہوئی ہے، یا جس ملکی احاطہ میں محدود ہے، وہ ان حالات میں ﴿ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ [2] کا مصداق ہونے کا دعویٰ بھی کرسکتے ہیں؟

ہاں اسلام ہے، جو نہ کسی حویلی کا پیپل ہے، نہ کسی کے صحن خانہ کا نیم ہے، نہ کسی باغیچہ کا پیڑ وہ آسمان کے تمام خلا کو اپنا سمجھتا ہے اور اس میں پھیل رہا ہے۔

ہاں آیت مقررہ پر غور کرو کہ اس میں اسلام کی پانچ خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے۔

(الف) ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾ [3] واضح ہو کہ اسلام کی وحدت تعلیم اور مساوات حقوق بھی منفرد ہے اس لیے اسلام کی بہترین تشبیہ درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنا پر بے شمار شاخیں ڈالیاں اور پتے ہوتے ہیں اور وہ سب غذا ونمو میں اسی تنا سے یکساں مستفیض ہوتے ہیں۔

(ب) اسے طیبہ کہا گیا ہے، جس میں صورت کی خوشنمائی بھی شامل ہے اور جس کا سایہ اور ثمر بھی ہوتا ہے اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی موہنی شکل وصورت سے دلربا رہا ہے اور پاکیزہ تعلیمات سے طیب مانا گیا ہے۔

(ج) ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾

(د) ﴿ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ کی بابت ہم دلیل اول میں لکھ چکے ہیں۔

(ہ) ﴿ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ [4] ہر ایک درخت کے پھل لانے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ کوئی گرما میں، کوئی سرما میں، کوئی بہار میں، کوئی خزاں میں پھل لایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا درخت بتلایا جو ہر وقت پھل لانے والا ہے۔

قیام مکہ کے ایام میں اشاعت

اسلام کے اس ابتدائی زمانہ کو دیکھو، جب نبی ﷺ ابھی مکہ میں قیام فرماتے اور مسلمان اپنی اپنی جانوں اور ایمانوں کے بچاؤ کے لیے مختلف ممالک میں بھاگے پھرتے تھے کہ حبش ویمن میں اسلام نے اس وقت سایہ ڈالا تھا۔

قیام مدینہ میں اشاعت

اس دور ثانی کو دیکھو، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہوئے کہ بحرین وعمان اور دومۃ الجندل اور سرحد شام تک لوگ اسی وقت اسلام کے اثمار شیریں ثابت ہوئے تھے۔

دور صدیقیت میں اشاعت

پھر دور ثالث کو دیکھو، جب آفتاب نبوت ظلِ احتجاب میں آچکا تھا، مخلصین دل شکستہ تھے، منافقین کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ معاہدین نے معاہدات کی شکست کا اعلان کر دیا تھا متخاصمین سرحد عراق وایران پر فوجیں جمع کرنے لگ گئے تھے۔

---

[1] ١٤/ ابراھیم:٢٤۔ [2] ١٤/ ابراھیم:٢٤۔ [3] ١٤/ ابراھیم:٢٤۔ [4] ١٤/ ابراھیم:٢٥۔

خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اعراب آگے بڑھے اور یہ کچے دل کے لوگ نور صداقت سے مستنیر ہو کر ثمر شیریں بن گئے۔

خلافت راشدہ میں اشاعت

دور چہارم میں فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ شامل ہے جب کہ مشرقی سائبیریا سے لے کر مغربی تیونس تک اسلام پہنچ گیا تھا۔

اموی زمانہ میں اسلام نے جبل الطارق کو پھاندا اور سمندر پر سے اچھلا اور سپین کو زیر نگین کیا۔

مغلوں کا اسلام

چھ، سات صدیوں کی اقبال مندی کے بعد مسلمانوں کی دولت و حکومت کو زوال آیا اور دار السلطنت بغداد تباہ ہوا، لیکن انہی دنوں میں وہی مغول تتر جو اس درخت کے کاٹنے کے لیے تیشہ و تبر لے کر بڑھے تھے، اس کی شاخوں سے پیوند ہو گئے اور ثمر شیریں ثابت ہوئے۔

یونانی فلسفہ اور ہندوانی توہمات

الغرض اسلام اپنی مظلومی کے عہد میں بھی بڑھا اور ترقی و آسائش کے ایام میں بھی اس نے ترقی و ازدیاد کی طرف قدم بڑھایا۔ اسلام پر یونانی فلسفہ اور ہندوانی توہمات ایرانی تعیش اور بربری توحش کے بھی حملے ہوئے، مگر وہ پھر بھی ترقی پذیر رہا۔

ہمارے عہد میں فلسفہ جدید اپنی تعلیمات سے اسلام پر گولہ باری کر رہا ہے اور یورپین طاقتوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔

یورپین پالیسی اور فلسفہ جدید

مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ترکی دولت عظمٰی سے گھٹ کر ایک معمولی سلطنت رہ گئی ہے، مراکو اول درجہ کی سلطنت سے باجگذار بن گیا ہے۔

عرب اور عراق کی حکومتیں اغیار کی دست نگر ہیں تنظیم قوم کا سلسلہ پراگندہ ہے۔ تاہم اسلام انگلستان اور جرمنی اور امریکہ پر سایہ ڈال رہا ہے۔ بڑے بڑے کونٹ اور کونٹس لارڈز اور پرنسز اسلام کا پھل ثابت ہو رہے ہیں۔

حالیہ عہد میں اسلامی ترقی

چین اور افریقہ میں دس سال کے اندر مسلمانوں کی تعداد دوچند ہو گئی ہے ان تمام حالتوں پر نگاہ عبرت سے غور کرو اور ﴿ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ [1] کی پیش گوئی اور صداقت کا اندازہ لگاؤ جب مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی کو ایک وقت واحد میں دیکھا جاتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ حکم عالی کی طاقت بخوبی ہویدا ہو جاتی ہے۔

---

[1] ١٤/ ابراھیم:٢٥۔

چوتھی پیشگوئی

چوتھی پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ اپنے دلائل حقانیت سے ترقی کرے گا اور دلائل انفسی و آفاقی ان لوگوں کو اسلام تک لانے میں دلیل راہ بنیں گے:

﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ [1]

''ہم ان کو بہت جلد اپنے نشانات قدرت دکھلائیں گے۔ مظاہر عالم کے اندر بھی اور خود ان کے نفوس میں بھی، جس سے ان لوگوں پر یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ اسلام تو ضرور سچا ہے۔''

یہ ہے وہ چیز جو عرب کو اسلام تک کھینچ لانے کا موجب بنی۔

غور کرو جب نشاناتِ قدرت کی اندرونی و بیرونی شہادت کسی معاملہ کی راست بازی وصداقت پر جمع ہو جائے تو کیا اس وقت کوئی صحیح دماغ ایسی شہادت کا انکار کر سکتا ہے۔

جب چشم و گوش اور عقل و ہوش کے سامنے ایسی براہین ساطعہ موجود ہوں جو حواس ظاہری و باطنی کو بامِ تصدیق پر پہنچا دیتی ہیں، تو پھر ان کا ابطال کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے مخاطبین کے سامنے وہ نشانات و علامات بھی دکھلائے جن کی شہادت خود ان کے ضمیر نے ادا کی اور وہ علامات و دلائل بھی قائم کیے، جن کی تائید زمین و آسمان کے ہر انقلاب و گردش سے ہوئی، تب ان کو حقانیت اسلام کے اقرار میں کوئی چارہ نہ رہا اور وہ پروانہ وار اس شمع تجلی پر ٹوٹ کر گرے اور جان و مال کو اس منبع انوار پر نثار کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آیات تسعہ کا تعلق زیادہ تر آفاق سے تھا۔ فرعونیوں پر حجت الٰہی تو ختم ہوئی مگر وہ ہدایت سے دور دور رہے ہیں۔ آیات قرآنی کا اثر فی الانفس بھی ہے اور فی الآفاق بھی ہے اس لیے حضور ﷺ کے مخاطبین نور حق سے قریب قریب ہوتے گئے اور مستنیر ہوتے ہوتے خود سراپا نور بن گئے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کی یہی تاویل ہے:

پیش گوئی

کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا۔

﴿ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴾ [2]

''ہمارا لشکر ہی برابر غالب آتا رہے گا۔''

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا، اس وقت تک وہ برابر گوناں گوں جور و ستم کا آماج بنے رہے، لیکن جب ان کی مظلومانہ حالت اور مجروحانہ بے بسی پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی اور مسلمانوں کی جمعیت فوجی تنظیم سے منظم ہوگئی، حتیٰ کہ اس لفظ جند کا اطلاق صحیح ہوگیا، اس وقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی، وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت وظفر ان کے علم بردار رہے، عراق و فلسطین، شام و ایران، خراسان و ترکستان، مصر و سوڈان

---

[1] ٤١/ حٰمٓ السجدة:٥٣۔ [2] ٣٧/ الصّٰفّٰت:١٧٣۔

کے واقعات کو پڑھ لو کہ مسلمانوں کو ایک دفعہ بھی شکست نہ ہوئی اور ہر جگہ انہی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیشگوئی کا اعلان وہی مالک فرما سکتا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں اقوام کی ذلت وعزت کی ترازو ہے ہاں وہی مالک جس کا علم عہد مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم عہدِ ماضی پر بھی اس قدر حاوی نہیں ہو سکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُنْدَنَا ہے یعنی الٰہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ الٰہی لشکر صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتح کنوز یا ملکیت خزائن والوں سے بالاتر ہو کیوں کہ جب مقصد بدل جائے گا، تب وہ لشکر جندنا کہلانے کا مستحق نہ ہو گا اور جب وہ جندنا کی صفت سے عاری ہو گیا تو اس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہو جانا اقوام غیر کے سامنے مقہور ہو جانا بھی داخل تعجب نہ رہے گا۔

ان پچھلی صدیوں میں اگر مسلمان غلبہ تام سے محروم ہو گئے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت ''جندنا'' (الٰہی لشکر) سے دور ہو گئے۔ لہٰذا آیات بالا دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمانوں کو کبھی شکست نہ ہو گی جب تک ان کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہو گا۔

(۲) مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہے گا جب کہ ان کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

پیشگوئی

کہ اہل اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہوں گی:

﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ﴾ [1]

''تم کو زمین پر حکومتیں دے گا۔''

یہ آیت عام مسلمانوں کی طرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کی گئی ہے۔

اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ بنو امیہ نے دمشق میں ایک ہزار مہینے تک حکومت کی اور بعد ازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے، اسی پیش گوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر آج تک مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ دمشق میں انقراض دولت امویہ کے بعد عباسیہ نے بغداد میں پورے جاہ وجلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی۔

اسی پیشگوئی کا ظہور تھا کہ عباسیہ کے غلام ترکوں نے ترکستان وخراسان وغیرہ میں حکومت حاصل کی۔ پھر انہی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ میں حکومت حاصل کی اور انہی کی ایک شاخ نے ہندوستان پر نو صدیوں تک سلطنت کی۔

الغرض فراعنہ مصر، اکاسرۂ ایران اور قیاصرہ روما کے ممالک پر اموی، عباسی ترک وکرد اور غلامان وافغانان اور دیگر اقوام کے مسلمانوں کی حکومتیں اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیش گوئی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

---

[1] ۲۷/ النمل: ٦٢۔

پیش گوئی

کہ اہل ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہو جائے گی:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ❶

''جنہوں نے یہاں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی خوبیاں ہیں اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔''

یہ آیات سورۂ نحل کی ہیں، جو مکیہ ہے۔ مکہ معظمہ میں اہل ایمان دنیوی حیثیت سے جس ضیق وتنگی اور عسرت وافلاس میں بسر کیا کرتے تھے، اس کا حال سب کو بخوبی معلوم ہے کسی کے پاس تہ بند ہے تو کرتہ نہیں، کرتہ ہے تو سر بند نہیں کسی کو ایمان لانے کے جرم میں قید کیا جاتا ہے، کسی کو گرم پتھر پر لٹا کر اس کی چھاتی پر دوسرا پتھر رکھا جاتا۔ کسی کے منہ میں لگام ڈالی جاتی اور ہنٹروں سے مار مار کر اسے گھوڑے کی طرح پھرایا جاتا، کسی کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر ننگی پیٹھ لٹا دیا جاتا۔ کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام نے بتلا دیا کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونے والی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کیسے تنعم وترفہ اور عزت وشان پر پہنچ گئے تھے جسے دیکھ دیکھ کر صداقت قرآنی کا اقرار اہل کفار اشرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابوداوٗد میں ہے کہ نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے کنبہ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں قالین بھی ہیں۔ وہ بولے کہ ہم اور قالین؟ فرمایا، تم کو ملیں گے۔ پھر ایک وقت آیا جب ان کے گھر میں سارا فرش قالین کا تھا۔ ❷

مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق تین پیشگوئیاں

۱: ﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ ﴾ ❸

''جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے ملک میں جائے پناہ بھی بہت ملے گی اور کشائش بھی حاصل ہوگی۔''

۲: ﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ ❹

''پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو بدل دیں گے اور انہیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے۔''

۳: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

---

❶ ١٦/ النحل:٣٠۔ ❷ ابوداود، كتاب اللباس، باب في الفرش، حديث:٤١٤٥۔

❸ ٤/ النساء:١٠٠۔ ❹ ٣/ آل عمران:١٩٥۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ﴾ [1]

''جو لوگ ایمان لائے جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں، پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے، ان کے لیے جنت ہے اور وہ ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔''

ہر سہ آیات بالا خاصۃً مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہر دو کے متعلق ہے۔

مہاجرین گھربار، خویش و تبار، املاک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ و رسول کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے، اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کے مطابق بڑی جائیداد کا مالک بنایا، لاکھوں کروڑوں کی تجارت ان کے قبضہ میں آئی۔

جنات اور نعیم مقیم کی بشارت کی قسط اول دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام، ایران و مصر و خراسان و سوڈان کے فاتح سب کے سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید سیف اللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح امین الامت سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہم وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں، جنھوں نے ان ممالک میں نور اسلام پہنچایا اور وہاں کے نعیم مقیم کو اہل ایمان کے لیے عام کر دیا تھا۔

پیشگوئی

کہ تنگدستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ﴾ [2]

''اگر تم کو تنگدستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہد مستقبل میں تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

سَوْفَ مضارع پر جب آتا ہے تو مضارع کو معنی حال سے نکال کر مستقبل بعید کے معنی میں منتقل کر دیتا ہے چنانچہ یہ پیشگوئی انقراض عہد نبوت کے بعد پوری ہوئی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی دولت مندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہوتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف قرشی الزہری رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے ان کے ہاں موجود تھے۔ نقد و اسباب اس کے علاوہ تھا۔ ان کی ایک عورت کو ۳/۸ کے حساب سے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) روپیہ نقد دیا گیا تھا۔

ابو محمد طلحہ بن عبداللہ کے لنگر میں ایک ہزار ورقی کا روزانہ مصارف تھا۔ ورقی ایک سکہ ہے جو ہم وزن دینار ہے۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جو کما کر لایا کرتے۔ حضرت زبیر ان کی کمائی کو خیرات کر دیا کرتے ایک حبہ اپنے

---

[1] ۹/ التوبۃ: ۲۰ تا ۲۲۔ [2] ۹/ التوبۃ: ۲۸۔

پاس نہ رہنے دیتے۔ ❶

پیشگوئی

کہ عرب سے تمام بت ناپید ہو جائیں گے اور بت پرستی معدوم ہو جائے گی:

﴿ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ ﴾ ❷

''اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے باطل کو مٹا دے گا اور حق کی حقانیت کو ثابت کرے گا۔''

باطل سے بت مراد ہیں۔ یہ معنی خود نبی ﷺ نے بتلائے، صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور ﷺ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں بت استادہ تھے نبی ﷺ کے دست مبارک میں چھڑی تھی۔ حضور ﷺ چھڑی کے ساتھ بت کی طرف اشارہ کرتے تھے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تھے:

﴿ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ ❸

''کہہ دے کہ حق آ گیا اور باطل نکل گیا اور باطل نکلنے ہی کی چیز ہے۔''

اس پیشگوئی کا چودھویں صدی تک یہ اثر ہے کہ سارا ملک عرب بتوں کے وجود سے خالی اور بت پرستی سے کلیۃً پاک ہے۔

آیت میں لفظ بِكَلِمَاتِهِ مکرر غور طلب ہے کہ باطل کو محو کرنے اور حق کو ثابت کرنے کا کام کلمات الٰہیہ کا ہے۔ کلام الٰہی کی تاثیر ہی یہ ہے کہ اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا چین و ہند آسام وغیرہ بت پرست ممالک میں ہزارہا بندگان الٰہی کا بت پرستی سے اہل عرب کی طرح بیزار ہو جانا اسی اصول پر تھا جہاں جہاں قرآن حمید کی اشاعت ہوئی، وہاں وہاں بت پرستی معدوم ہو گئی عیسائیوں میں مذہب پراٹسٹنٹ کا ظہور و قیام بھی قرآن مجید ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

پراٹسٹنٹ والے اب تصویر پرستی نہیں کرتے، نہ اپنے گرجاؤں میں مسیح اور مریم اور یوحنا کی تمثیل کو رکھتے ہیں اور نہ ان کے سامنے کورنش و رکوع کرتے ہیں۔

پیشگوئی

کہ مظلوم مہاجرین کو دنیا میں اچھے ٹھکانے اور آخرت میں اجر کبیر ملے گا:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ❹

''جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے ظلم اٹھانے کے بعد ہم ان کو بہتر اور پسندیدہ ٹھکانے اور مقامات پاکیزہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش! دوسرے لوگ بھی اسے جان لیں۔''

کون کون مقدس لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ صدق کے موافق مورد الطاف ربانی ہوئے؟ یہ دیکھنے کے لیے مہاجرین کے

---

❶ كتاب الاسماء نووى: ١/ ١٩٦۔ ❷ ٤٢/ الشورىٰ:٢٤۔

❸ ١٧/ بنى اسرائيل:٨١۔ ❹ ١٦/ النحل:٤١۔

اسمائے مبارکہ پر نظر ڈالو۔ ان کی حالت پڑھو، ان کی دنیوی کامیابی سے ان کے اخروی اجر کبیر کا اندازہ لگاؤ۔ ایک مختصر آیت نے کس طرح سینکڑوں بزرگوں کے انجام کا اعلام فرمادیا ہے۔ یہی ایک آیت قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے پر اور مہاجرین کی دنیا و دین میں کامیابی پر دلیل روشن ہے۔

دنیوی و اُخروی سعادات کا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں بھی ہے:

﴿ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِیْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۝ ﴾ [1]

''کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا: ہاں جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ احسان (نیکی) کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔''

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ مہاجرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کو اسی طرح جمع فرمادیا تھا جس طرح یوسف صدیق علیہ السلام کے لیے جمع فرمایا تھا۔

پیشگوئی

کہ اصحاب رسول ﷺ اور متبعین رسول ﷺ کی ترقی آہستہ آہستہ اور تدریجی ہوگی پھر کمال پر پہنچے گی:

﴿ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ ﴾ [2]

''ان کی مثال کھیتی کی سی ہے جس نے سوئی نکالی، پھر سوئی کو مضبوط کیا، پھر اسے موٹا بنایا۔ پھر وہ اپنی نالی پر کھڑی ہوگئی، وہ کسان کو خوش کرتی ہے
اور کفار انہیں دیکھ دیکھ کر غیظ و غضب میں آ رہے ہیں۔''

آیت بالا میں چھ واقعات اور منازل و مدارج کا ذکر ہے۔

الف: کھیتی کی سوئی کا زمین سے سر نکالنا۔

ب: سوئی کا مضبوط ہونا۔

ہر دو مدارج مکہ معظمہ میں پورے ہوئے۔

ج: سوئی کا موٹا ہونا۔

د: اپنی نالی پر کھڑے ہو جانا۔

یہ ہر دو مراتب مدینہ منورہ میں جا کر پورے ہوئے۔

ہر چہار مدارج ترقی کے بعد دو بیرونی نتائج کا ذکر فرمایا۔

ہ: کسان کا اس کھیتی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا رضوان ہے جس کا اعلان آیت تکمیل میں ہے۔

و: کفار کا انہیں دیکھ کر حسد اور غصہ سے جل مرنا۔ یہ ان سب اشخاص اور اقوام کے متعلق ہے جو مہاجرین کا اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا نہیں دیکھ سکتے۔

---

[1] ۱۲/ یوسف:۹۰۔ [2] ۴۸/ الفتح:۲۹۔

یہ آیت دراصل چھ پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

ہاں اس پیشگوئی کو اس پیش گوئی کے ساتھ بھی ملا کر دیکھو، جس میں اسلام کو شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

پیشگوئی

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

زید بن حارثہ کو جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے عکاظ منڈی سے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید کیا تھا۔ جب طاہرہ خدیجہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد ہوا، تب زید کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مامور کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت پہنایا گیا تو زید بھی اسی پہلے دن ایمان لائے، جس دن خدیجۃ الکبریٰ اور علی اور ابوبکر رضی اللہ عنہم ایمان لائے تھے۔ لہٰذا یہ اول السابقین میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿ إِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ﴾ [1]

''جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے، جس پر اللہ نے بھی انعام کیا ہے اور آپ نے بھی انعام کیا۔''

آیت بالا سے ظاہر ہوا کہ وہ انعام یافتہ الٰہی ہیں۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ انعام یافتہ الٰہی کون کون لوگ ہوتے ہیں:

﴿ فَأُولَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَ ۚ ﴾ [2]

''اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور وہ انبیاء و صدیق اور شہداء و صالحین ہیں۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ جو شہید ہے وہ انعام یافتہ الٰہی ہے اور جو انعام یافتہ الٰہی ہے وہ اگر نبی یا صدیق نہیں تو ضروری ہے کہ وہ شہید ہو یا صالح ہو۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے آیت بالا ان کی شہادت کی خبر دینے والی تھی۔ چنانچہ ۸ھ میں غزوہ موتہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے اور پیش گوئی پوری ہوئی۔

پیشگوئی

غیر اقوام کا مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت میں شاندار کام کرنا۔

﴿ وَإِن تَتَوَلَّوْا۟ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا۟ أَمْثَٰلَكُم ﴾ [3]

''اگر تم منہ پھیرو گے تب اللہ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل دے گا اور وہ منہ پھیرنے والی قوم نہ ہو گی۔''

آیت کا خطاب جیسا کہ قرآن مجید ہی کی عبارت بالا سے واضح ہے، ان لوگوں کی طرف ہے۔ جو جہاد سے منہ چرانے والے تھے، اب دیکھو کہ سوڈان، بربر، افریقہ، اندلس، خراسان، سندھ، ہندوستان میں جہاد کرنے والی قومیں وہ ہیں جن کا ان منافقین کے ساتھ کوئی حسبی نسبی تعلق نہیں۔

کرد، ترک، مغول، خلجی، سوری، غوری اقوام نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو خدمات انجام دیں، وہ سب اسی پیش گوئی کے

[1] ٣٣/ الاحزاب:٣٧۔ [2] ٤/ النساء: ٦٩۔ [3] ٤٧/ محمد:٣٨۔

تحت میں ہیں۔

اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں

پہلی پیشگوئی

خلافت راشدہ کے متعلق جس میں خلافت راشدہ کے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ ایک پیشین گوئی دراصل چھ پیشین گوئیوں کا مجموعہ ہے۔ آیت کریمہ جو چھ پیشین گوئیوں اور ایک وعید پر مشتمل ہے، یہ ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ❶

''وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے ایمان والوں کے ساتھ جنہوں نے عمل بھی اچھے کیے ہیں۔''

۱: ﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ ❷

''کہ اللہ ان کو ضرور الارض کا خلیفہ بنائے گا۔''

۲: ﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ❸

''جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا۔''

۳: ﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ ❹

''اور ان کے دین کو ان کے لیے مکنت، قوت بخشے گا، وہ دین جس کو ان کے لیے اللہ نے پسند کیا ہے۔''

٤: ﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾ ❺

''اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔''

٥: ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ﴾ ❻

''وہ میری ہی عبادت کریں گے ذرا بھی شرک نہ کریں گے۔''

٦: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ❼

''اور جو کوئی اس حالت کے بعد بھی کفر کرے گا وہی فاسق اصلی ہوگا۔''

یہ وعدہ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو تعلیم نبوت کے ترجمان اور عمل صالح کی صفت سے متصف تھے۔

وعدہ میں مندرجہ ذیل چھ پیشین گوئیاں شامل ہیں۔

اول: الارض کی خلافت۔

(الف) خلافت کے لفظ پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قیامِ خلافت کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار انتخاب میں رکھا ہے۔

خلافت آدم کا ذکر تھا، تب بھی یہی فرمایا:

---

❶ ۲٤/ النور:٥٥۔ ❷ ۲٤/ النور:٥٥۔ ❸ ۲٤/ النور:٥٥۔

❹ ۲٤/ النور:٥٥۔ ❺ ۲٤/ النور:٥٥۔ ❻ ۲٤/ النور:٥٥۔ ❼ ۲٤/ النور:٥٥۔

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ ❶

''میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔''

سیدنا داود علیہ السلام کی خلافت کا ذکر ہوا تب بھی یہی فرمایا:

﴿ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ﴾ ❷

''اے داود! ہم نے تجھے الارض کا خلیفہ بنایا ہے۔''

اب مؤمنین صالحین امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ وعدہ ہوا تو بھی یہی فرمایا ﴿ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ﴾ ❸ یعنی اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں رکھا گیا ہے۔

دوم: یہ کہ ان کا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا۔

(ب) آیت کا نزول ۵ ھ ہجری میں ہوا ہے کیونکہ اسی سورۂ نور میں واقعہ افک بھی درج ہے جو باتفاق علمائے سیر ۵ ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس لیے اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس وعدہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کا اسلام یا ولادت نزول آیت ہذا کے بعد ہوئی اور وہ خلافت راشدہ (جس کا تقرر بارگاہ الٰہی سے ہوتا ہے) کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

(ج) الارض کے معنی عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ جب اس کے معنی وعدہ کی زمین ہیں، تب تو اس سے وہی معنی لیے جائیں گے اور جب اس کے معنی مطلق لیے جائیں، تب معنی میں بھی عمومیت ہوگی۔ قرآن مجید میں اس کا اطلاق ہر طرح سے آیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ ❹ الارض سے مراد تمام کرہ زمین ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمانا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ﴾ ❺ میں الارض سے مراد ملک مصر ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے: ﴿ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ❻ اس میں الارض سے مراد وعدہ کی وہ زمین ہوگی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دے دیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ ❼

اب قرآنی پیشین گوئی میں فی الارض کی تعیین میں وعدہ کی زمین بھی مراد ہے اور بتایا گیا ہے فلسطین کی وہ زمین موعودہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو دی تھی جو ہزاروں سال سے اس خانوادہ عالی شان کی ایک شاخ بنو اسرائیل میں چلی آتی تھی۔ اس کا قبضہ اب خلفائے امت محمدیہ ﷺ کو دلا دیا جائے گا۔ ان معنی کے لحاظ سے بھی آیت میں صریح پیشین گوئی موجود ہے۔ کیونکہ نزول قرآن بلکہ حیات نبوی تک کوئی ایسے آثار و قرآئن نمودار نہ تھے کہ مسلمان عرب سے آگے بڑھ کر ارض مقدسہ کے بھی مالک ہو جائیں گے۔

---

❶ ۲/ البقرة:۳۰۔ ❷ ۳۸/ ص:۲۶۔ ❸ ۲۴/ النور:۵۵۔

❹ ۲/ البقرة:۲۵۵۔ ❺ ۱۲/ یوسف:۲۱۔ ❻ ۵/ المائدة:۲۱۔ ❼ ۲۱/ الانبیاء:۱۰۵۔

دشمن (خصوصاً سلطنت روما جوارض مقدسہ کی قابض تھی) یہ تیاریاں کیے ہوئے تھا کہ سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد فوراً یکبارگی عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

مصر اور حبش کے باجگذار بادشاہ بھی اپنے اپنے ممالک سے حملہ آور ہوں اور خود قیصر بھی شام کی طرف سے آگے بڑھے اور اس تدبیر سے تمام عرب پر وقت واحد میں ہی تسلط تام بھی کر لیا جائے اور اس نوخیز مذہب جس نے عیسائیت پر عرب میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اور جس نے اپنے عملی دلائل سے تثلیث کی بنیادوں کو سارے عالم کی نگاہ میں متزلزل کر دیا تھا، کا کام یک لخت ختم و تمام کر دیا جائے۔

دشمنوں کی ان تیاریوں پر قرآن پاک فرما رہا ہے کہ زمین موعود برگزیدہ مومنوں کو ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ ﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ ﴾ ❶ کی تشبیہ کامل طور پر پوری ہوگئی۔

الارض سے مراد عام ممالک بھی اس پیشین گوئی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اسی لیے عراق، فلسطین، شام اور ایشیائے کوچک، مصر و ایران، بحرین و خراسان، مراکو، تیونس، سوڈان وغیرہ الغرض وہ سب ممالک جو حملہ کرنے والے دشمنوں کی سلطنتوں میں داخل تھے۔ سب کے سب خلفا کے قبضہ میں آ گئے۔

دوم: آیت استخلاف میں صرف فتوحات ملکی ہی کا ذکر ہوتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا جس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ صرف برکات دنیوی پر مشتمل تھی۔ مگر غور سے پڑھو کہ آیت تومکنت دین، عزت اسلام شوکت مذہب کا بھی وعدہ کرتی تھی۔

۵: ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ دیتا کہ ﴿ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴾ ❷ میں مذہب غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس لیے اس کے ساتھ ﴿ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ﴾ ❸ کے پاک الفاظ بھی نازل کر دیئے گئے۔ اگر ہم قرآن مجید ہی سے ﴿ ارْتَضَىٰ لَهُمْ ﴾ ❹ کا مشارٌ الیہ معلوم کرنا چاہیں تو آیت تکمیل میں یہ الفاظ ملیں گے: ﴿ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ ❺ اور پھر اسلام کے متعلق یہ اور آیت ملے گی: ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾ ❻

یہ سب آیات اس امر کو استحکام کے ساتھ واضح کر دیتی ہیں کہ خلفا کا دین ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔

سوم: ﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ﴾ ❼

اس آیت میں امن بسیط اور آسائش تام اور رفاہیت کامل کا اظہار ہے جو خلافت خلفائے راشدین میں حاصل ہوا تھا۔ سرور عالم ﷺ کی اس پیشین گوئی کا ظہور بھی جو حضور ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم طائی سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ لے گا کہ ایک عورت صنعاء سے تنہا چل کر حج کرے گی اور راہ میں اسے خوف الٰہی کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اس کا ظہور بھی زمانہ خلافت ہی میں ہوا تھا۔

پس یہ الفاظ پاک اندرونی و بیرونی نظم و نسق پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ الفاظ ماسبق کشور کشائی و گیتی ستائی کے مظہر ہیں۔ دنیا کے کسی فاتح کے زمانہ میں ان دو اوصاف کا جمع ہونا بہت دشوار ہوا ہے سکندر مقدونیہ سے اٹھتا، ایران کو تباہ کرتا۔ مصر کو خاک میں ملاتا۔ بابل کا خاتمہ کرتا ہوا رکا اور دریا پر سے گزرتا ہوا ایشیائے کوچک تک جا پہنچتا ہے۔

---

❶ ٢٤/ النور:٥٥۔ ❷ ١٠٩/ الكافرون:٦۔ ❸ ٢٤/ النور:٥٥۔
❹ ٢٤/ النور:٥٥۔ ❺ ٥/ المائدة:٣۔ ❻ ٣/ آل عمران:١٩۔ ❼ ٢٤/ النور:٥٥۔

تیمور کو دیکھو کہ تاتار سے امنڈتا، ترکستان پر قبضہ جماتا۔ تخت بابل پر جلوہ آرا ہو کر ہندوستان میں نقارہ شاہی بجاتا۔ بغداد کو زیروزبر کر کے سلطان یلدرم کو انگورہ میں اسیر کرتا پھر روس کو مسخر کرتا ہوا تاتار میں جا پہنچتا ہے۔ چین اسی کے عزم سے لرزہ براندام ہے اور منگولیا و کوریا کی سلطنتیں اس کے سامنے خراج پیش کر رہی ہیں۔

لیکن ان دونوں کے ملکی نظم ونسق کو دیکھو تو بالکل ہیچ، صفر کے برابر۔

قرآن پاک کی پیشین گوئی بتلا رہی ہے کہ خلافت ان ہر دو اوصاف عالیہ کی جامع ہوگی۔ اور وہ حکومت کا ایک ایسا نمونہ دنیا میں چھوڑے گی جس کی تقلید کرنے سے آج تک فرانس وامریکہ کی جمہوریت بھی درماندہ وعاجز ہے۔

چہارم: ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ ﴾ [1] کے لفظ نے خلفا کے خلوص طلب اور صدق ارادت اور استحکام علم وعمل پر مہر لگا دی۔ مالک کی جانب سے کسی بندہ کی قبولیت کا اظہار وہ عزت وفخر ہے جو قرآن مجید میں انبیائے کرام ہی کے لیے خاص تھا۔ یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر دیا گیا۔

پنجم: ﴿ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ﴾ [2] فرمانے سے وصف کی تکمیل ہوگئی۔ اوصاف عالیہ کی تقسیم اثبات وسلب پر کی جاتی ہے۔ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ وصف مثبت ہے ﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ [3] صفت سلبی ہے۔ یہاں بھی نفی شرک نے توحید کا کمال، اعتقاد کا رسوخ، ایمان کی سلامتی دوام عمل کو بخوبی واضح کر دیا۔

ششم: شَيْـًٔا کے فرما دینے سے شرک جلی کے ساتھ شرک خفی کی بھی نفی ہوگئی۔ ریا وسمعہ کا شائبہ بھی جاتا رہا اور نور صدق وصفا کا کامل ظہور ہو گیا۔

ہفتم: ان علامات کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ خلفا کی برکتوں کا انکار یا اس پیشینگوئی کا اشتباہ بہت برے انجام تک پہنچا دیتا ہے اور بارگاہ الٰہی سے اسے لعنتی کا خطاب مل جاتا ہے۔

ناظرین غور کریں کہ جس خلافت کی خبر دی گئی اور جس کی فتح مندی، نصرت وامن اور دینداری وصداقت گستری کی بابت پیشین گوئی فرمائی گئی۔ خلافت راشدہ میں ٹھیک اسی طرح ہر ایک بات پوری اتری جس کی شہادت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ، بلکہ اعداء کی تحریروں اور ممالک غیر کی تواریخ سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔

ک: ہم کو آیت پر مکرر غور کرنا ہے۔ کیا اس سے موجودہ خلافت کے خلفا کی تعداد بھی معلوم ہوسکتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہاں ﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ اور ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ [4] وغیرہ الفاظ میں سب جگہ جمع کے صیغے اور جمع کے ضمائر استعمال کیے گئے ہیں اور زبان عرب میں جمع کے لیے کم از کم تین کا ہونا ضروری ہے۔ تین سے زائد تعداد تو اس میں آسکتی ہے۔ مگر تین سے کم تعداد کے لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوگا، جمع کا نہیں لہٰذا مسلمانوں کا یہ مذہب کہ خلافت راشدہ کے والی ابوبکر، عمر، عثمان، وعلی رضی اللہ عنہم چار مقدس ہستیاں ہیں، یا بشمولیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ ہیں، بالکل صحیح ثابت ہے۔

بلاغت قرآنی تو دیکھو کہ ان چاروں یا ان پانچوں پر نزول آیت کے وقت ﴿ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ [5] کی

---

[1] ۲۴/ النور:۵۵۔ [2] ۲۴/ النور:۵۵۔ [3] ۱۱۲/ الاخلاص: ۱تا٤۔ [4] ۲۴/ النور:۵۵۔ [5] ۲۴/ النور:۵۵۔

علامت کامل طور پر منطبق شدہ ہے۔

ہماری اس تمام تر بحث کا مقصد قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرنا تھا جو خلافت راشدہ کے متعلق ہیں۔ خلافت کا آغاز بعد از ارتحال نبوی ﷺ ہوا۔ جب کہ نزول وحی کا باب مسدود ہو چکا تھا۔ اب انہی علامات و امارات و بشارات کے مطابق خلافت کا قیام و استحکام اس مالک الانام کا کام ہے جس نے خود اپنا کلام رسول پاک ﷺ پر اتارا۔ اور جس نے خود اپنے رسول ﷺ کی امت میں سے خلافت کے لیے چند نفوس مزکی کا انتخاب فرمایا جن کا ہر ایک قول و فعل کتاب اللہ کا مصداق اور کتاب اللہ ان کی مصدق تھی۔

ساتویں پیشینگوئی کہ قرآن مجید کے مخاطبین اولیٰ میں ایک فتنہ عام برپا ہوگا

﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ ﴾ [1]

''بچو اس فتنہ سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔''

اس آیت میں ایسے فتنہ عام کی خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب ہی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ بیشک قومیت کے فقدان اور نظم ملی کے اختلال کی آفات میں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ اس مصیبت کا اثر سب پر پڑتا ہے۔

شہادت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، واقعہ جمل، واقعہ صفین، شہادت علی مرتضیٰ، واقعہ ہائلہ کربلا ایسے واقعات ہیں جو اس پیشگوئی کی صحت میں وجود پذیر ہو چکے۔ واقعات بالا میں بڑی تعداد مخاطبین اول قرآن مجید کی تھی اور اسی لیے ضمیر مِنْكُمْ میں کاف خطابیہ استعمال میں لایا گیا ہے۔ اس فتنہ کے وقوع کا امکان اسی خلافت راشدہ کے بعد جو برکات دنیوی اور انوار دینی کی جامع تھی عام وہم و گمان سے بالاتر تھا۔ لیکن رب العالمین کا علم صحیح آنے والے واقعات پر حاوی ہے اور اس کا کلام ایسے واقعات کا ذخیرہ ہے۔ لہٰذا ایسے الفاظ میں خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب پر اس فتنہ کا استعمال ہوگا۔ یہ نہیں بتلایا کہ لوگ فتنہ میں حصہ لیں بلکہ فرمایا کہ احتراز و اجتناب اور تقویٰ اختیار کریں۔ صحیح بخاری کی حدیث عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں بھی اس فتنہ کی اطلاع دی گئی ہے:

((سَتَكُوْنُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ)) [2]

ہمارا مقصود ان دل شکن، روح فرسا واقعات کی تفصیل لکھنا نہیں، بلکہ قرآن پاک کی پیشگوئی کا اندراج کرنا ہے کیونکہ کلام الٰہی میں ان واقعات پر اشارہ موجود تھا اور یہی امر ہے جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر دال ہے۔

مستہزئین مکہ کے خلاف پیش گوئی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] ۸/ الانفال:۲۵۔ [2] ''ایسے ایسے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا ساعی سے بہتر ہوگا۔'' بخاری، کتاب الفتن، باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم، حدیث:۷۰۸۱؛ مسلم، کتاب الفتن، باب نزول الفتن کمواقع القطر، حدیث:۷۲٤۷۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝﴾ [1]

''جو حکم تجھے دیا گیا ہے وہ صاف صاف بیان کرتا رہ، ان مشرکین سے رخ بدل لے استہزاء کرنے والوں سے ہم تجھے کفایت کریں گے۔''

ہم نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اول میں جماعت مستہزئین کا ذکر کیا ہے۔ اس کمیٹی کے مقاصد یہ تھے کہ نبی ﷺ کی ہنسی اڑائیں۔ نقلیں اتاریں، آوازے کسیں، حضور ﷺ کے وعظ میں شور و شغف سے کھنڈت ڈالیں۔ منہ چڑائیں۔ بے حرمتی کریں۔

اس ناپاک کمیٹی کے گندے افعال پر غور کرو، کیا ان موانع کی موجودگی میں کوئی شخص تبلیغ واشاعت کا مہتم بالشان کام سرانجام دے سکتا ہے؟

لیکن آیات بالا میں نبی ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں، وعظ و نصح اور بلاغ و انذار کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیں۔ رہا مستہزئین کا رویہ اور طریق، اس کی بابت پیش گوئی کی جاتی ہے کہ ہم ان کو خود سمجھ لیں گے۔ اس پیش گوئی کے تحت میں مستہزئین کے نام اور ہر ایک کا انجام پیش کر دیا جاتا ہے۔

۱: ابی بن خلف

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم توڑنے والا یہی شخص تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں نے اس رأس الکفر کو خاک و خون میں سلایا اور دارالبوار کو پہنچایا۔

۲: عاص بن وائل

گدھے پر سوار تھا۔ ایک غار کے برابر پہنچا۔ گدھے نے ٹھوکر کھائی تو سر کے بل گھڑے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں ایک سخت زہریلا عقرب موجود تھا۔ اس نے کاٹا، سوجن ہوگئی۔ سڑ سڑ کر مرا۔

۳: نضر بن حارث

مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا جو اس جماعت میں پیش پیش رہتا تھا۔

۴: عتیب

جو اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔

۵: حارث بن زمعہ

جو عتیب کا چچیرا بھائی تھا۔

۶: طعیمہ بن عدی

جو سخت بدزبان تھا۔

---

[1] ۱۵/ الحجر: ۹۴، ۹۵۔

۷: اسود بن مطلب

جو نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا۔ کہتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے چبھوئے جاتے ہیں۔

۸: عاص بن منبہ

پہلے گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا، اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔

۹: منبہ بن حجاج

اندھا ہوا، پھر تڑپتا ہوا مر گیا۔

۱۰: ابوقیس بن ناکہ

جو نبی ﷺ کی ایذا دہی کو اپنی راحت سمجھتا تھا۔

۱۱: امیہ بن خلف

مشہور بدزبان تھا۔

۱۲: ابوجہل

جو رأس الاشرار تھا۔

۱۳: عقبہ بن ابی معیط

جس نے حضور ﷺ کی گردن میں سجدہ کرتے وقت پھندا ڈالا۔

۱۴: حارث بن قیس سہمی

پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا تھا۔ جو اس کے منہ سے نکلا کرتا۔ اسی ذلت سے ہلاک ہوا۔

۱۵: ولید بن مغیرہ

ایک خزاعی سوار کا نیزہ اکحل میں لگا، رگ جان کٹ گئی۔

۱۶: ابولہب

عدسہ و طاعون میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا۔ دوستوں، عزیزوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ کوٹھے پر چڑھ کر اس کے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاشہ ان میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اس کی قبر بنا۔

۱۷: اسود بن یغوث

بادسموم سے چہرہ جھلس گیا۔ گھر آیا تو گھر والوں نے اسے شناخت نہ کیا۔ گھر سے باہر تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر

گیا۔زبان پیاس کے مارے دانتوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔

۱۸: زبیر بن ابی امیہ

وبا کا لقمہ ہوا۔

۱۹: مالک بن ایطلالہ

لہو۔راد ھ کی قے آئی اور فوراً مر گیا۔

۲۰: رکاز بن عبد یزید

بے کسی و نامرادی میں جان دے دی۔

غور کرو کہ پیش گوئی کتنے اشخاص کی ہلاکت پر مشتمل تھی۔اور پھر ہر ایک کا نام کیسی عبرت بخش حالات کے ساتھ پورا ہوا۔

واضح ہو کہ ذات ہمایونی نبی ﷺ کے متعلق دیگر آیات کو مضمون خصائص النبی ﷺ میں درج کیا گیا ہے۔

قریش کے دشمن سرداران کے دوست بن جانے کی پیشگوئی

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً﴾ [1]

''عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان،اور تمہارے دشمنوں کے درمیان (مودت) دوستی قائم کر دے گا۔''

اس کے تحت میں بھی چند مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عَسٰی کا استعمال امر محبوب کی ترجی میں ہوتا ہے۔

(۱) عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ نبی ﷺ کا پھوپھیرا بھائی تھا۔مگر اسلام کا اتنا سخت مخالف کہ حضور ﷺ سے اس نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ اے محمد ﷺ !اگر تو زینہ لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جائے اور میری آنکھوں کے سامنے آسمان سے اترے،تیرے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ تیری نبوت وصداقت کی شہادت بھی دیں،تب بھی میں ایمان نہ لاؤں گا۔

یہی عبداللہ بجذبۂ توفیق ربانی ۸ ھ نبوت میں حاضر دربار ہوتا اور اقرار شہادتین سے معراج ایمان پر فائز ہو جاتا ہے۔ اہل خبرت اندازہ کریں کہ عبداللہ نے ضرور وہ کچھ دیکھا جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنے اور اترنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر تھا۔

(۲) ثمامہ بن اثال نجد کا فرماں روا تھا۔نبی ﷺ کا شہر،حضور ﷺ کا لایا ہوا دین۔حضور ﷺ کا وجود باجود اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت تھے۔وہ مدینہ میں صرف تین دن محبوس رہا۔جس روز آزاد ہوا اسی روز بصدق دل وجان حضور ﷺ کا فریفتہ وشیدا ہو گیا۔قید کیا ہوا کہ محبت کا صید بن گیا۔

(۳) عمرو بن العاص اسلام کی مخالفت میں اتنا چالاک تھا کہ قریش نے دربارِ نجاشی میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا،تاکہ مہاجرین پناہ گزیں حبش کو اکسٹراڈیشن ملزموں کی طرح حاصل کر کے واپس لائے وہی چند سال کے بعد گردن جھکائے۔حیا سے آنکھوں کو

[1] ۶۰/ الممتحنۃ:۷۔

قدموں پر جمائے حاضر ہوتا ہے اور بعد ازاں مبلغ اسلام بن کر جاتا اور ملک عمان کے داخل اسلام ہو جانے کی بشارت لے کر حضور نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا ہے۔ ملک مصر کا فاتح اول بنتا ہے۔

(۴) ابوسفیان صخر بن حرب نے احد، غزوہ سویق، احزاب وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کیے۔ بھاری فوجیں لایا۔ مگر وہی اسلام میں داخل ہو کر فتنہ وارتداد میں ثابت قدم رہ کر فتوحات شام وغیرہ میں نہایت کارگزار ثابت ہوا۔

(۵) ابوسفیان بن حارث نبی ﷺ کا چچیرا بھائی، شاعر، زبان آور، شروع شروع میں اسلام اور مسلمین کی ہجو میں شعر کہا کرتا۔ پھر بہ ہدایت ربانی حاضر ہوتا اور ابوسفیان سید فتیان اہل الجنۃ کے خطاب سے مشرف ہوتا ہے۔

(۶) سہیل بن عمرو صلح حدیبیہ میں بھی کفار کی طرف سے کمشنر معاہدہ تھا جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان ہی کے خطبہ نے بعد از وفات نبوی ﷺ اہل مکہ کو استقامت واستقلال بخشا اور بالآخر شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

(۷) عکرمہ بن ابوجہل شروع میں اسلام کی مخالفت اور کفر کی محافظت میں باپ سے بھی آگے آگے تھا۔ لیکن جب سے نبی ﷺ کے حضور میں آنے کا موقع ملا۔ پکے جاں نثار اور عاشقِ زار بن گئے فتوحات میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے یہی دست و بازو ہوتے اور دو ہزار پر اکیلے بھاری سمجھے جاتے۔

(۸) حکیم بن حزام قرشی اسدی ۶۰ سال کفر میں پورے کیے۔ بدر میں مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا حصہ لیا۔ پھر اسلام لائے اور ۶۰ سال اسلام کی خدمت میں پورے کیے۔ ایک حج کے موقع پر ایک سو اونٹ اور ایک ہزار بکرے قربانی کیے۔ اور ایک سو غلام آزاد کیے۔

(۹) عبد یالیل ثقفی جب نبی ﷺ کوہ طائف پر تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے لڑکوں، غلاموں، اوباشوں کو حضور ﷺ پر پتھر کیچڑ پھینکنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد یہ خود (مع پنج سرداران دیگر) مدینہ میں حاضر ہوتا، ایمان لاتا اور اپنی قوم میں مبلغ بن کر جاتا ہے اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو جاتا ہے۔

(۱۰) بریدہ بن الحصیب اسلمی، کفار قریش کے انعام صد شتر کی خبر پاتا اور ستر سوار ساتھ لے کر نبی ﷺ کو زندہ پکڑ لانے یا ہلاک کرنے کا عزم کر کے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے مگر جب آپ کی آنکھ حضور ﷺ کے چہرۂ پرنور پر پڑتی ہے۔ اور کان میں آواز دلنواز آتی ہے تو اپنی پگڑی کو اپنے نیزہ پر باندھ کر حضور ﷺ کا نشان بردار بن جاتا ہے اور غلامانہ ہمرکاب ہو کر آگے آگے چلتا ہے۔

ایسی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت بالا اپنی پیشگوئی میں کتنی وسیع اور کس قدر سچی ہے۔

سینکڑوں کے جذبات قلب اور ان کے انجام کی اطلاع دینا رب العزت ہی کے کلام کا کام ہے۔

پیش گوئی کہ کفار مکہ جو مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں خود ان کو استحقاقاً داخل کعبہ ہونے کا حق نہ رہے گا

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ

﴿ يَدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآىِٕفِيْنَ ﴾ 1

''جو لوگ اللہ کی مسجدوں میں ذکر الٰہی کیے جانے سے روکتے ہیں اور مسجدوں کی بے رونقی میں سعی کرتے، ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ ان کو حق نہیں کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں۔ مگر ڈرتے ڈرتے۔''

مشرک کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کا اعلان سید الحاج ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۹ ھ میں کیا اور آج تک یہی حکم برابر جاری ہے۔ جو لوگ اسلامی لباس سے ملبس ہو کر وہاں جاتے بھی ہیں، ان کی جان ہر وقت خوف وخطر میں رہتی ہے۔

جملہ کفارِ عرب کے لیے پیش گوئیاں

پہلی پیشگوئی

کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے اور خود رسوا ہوں گے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ 2

''یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہرا سکتے۔ اللہ کافروں کو رسوا کرے گا۔''

یہ آیت اس وقت کی ہے، جب تمام معاہدہ شکن کفار کے نام چار مہینے کا الٹی میٹم دے دیا گیا تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ اکیلے مسلمان اس قدر قبائل واقوام کے نام بیک بارگی الٹی میٹم دے رہے ہیں۔ تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور پیش گوئی دو امور کا انکشاف فرمایا:

(۱) کفار باوجود اپنی قوت وطاقت اور افزونی تعداد وغیرہ کے بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہار کو اپنی ہار بتایا ہے۔ کیونکہ کفار کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ دین الٰہی کی وجہ سے تھی۔ اور للّٰہی بغض کی وجہ سے تھی۔

(۲) کفار کو ایسی شکستیں ہوں گی کہ وہ اس روز ذلیل ہو جائیں گے۔ آج تک وہ عرب میں بڑے بہادر بڑے جنگجو اور انتقام گیر سمجھے جاتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے سامنے آتے ہی ان کی شجاعت و بہادری کا پول کھل جائے (گا) اور وہ سارے ملک میں رسوا و ذلیل ہو جائیں گے۔

قبائل بنو اسد و بنو غسان و بنو غطفان وغیرہ کی حملہ آوروں کا حال مع ان کے انجام کے پڑھو دونوں پیشگوئیوں کا ظہور بخوبی واضح ہو جائے گا۔

دوسری پیشگوئی

مشرکین عرب کے لیے مرعوب کیے جانے اور مسلمانوں پر ان کے حملہ آور نہ ہونے کی پیش گوئی:

﴿ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ ﴾ 3

''ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے ہیں اور شرک وہ چیز

---

1 ۲/ البقرة:۱۱۴۔ 2 ۹/ التوبة:۲۔ 3 ۳/ آل عمران:۱۵۱۔

ہے، جس کی تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔''

مسلمانوں کے ساتھ عہد نبوی ﷺ میں جو مختصر لڑائی جھگڑے ہوئے وہ صرف قریش یا قریش کی معاہد اقوام کی طرف سے تھے۔ جن میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ مندرجہ بالا قبائل ایک ایک، دو دو بار مقابل ہوئے اور جو کوئی قبیلہ مقابلہ میں آیا اسے پھر نبرد آزمائی کی جرأت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ سات سال کے عہد قلیل میں تمام ملک میں امن وامان ہو گیا۔

وہ قبائل جو گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے بدکا دینے پر پچاس پچاس برس تک لڑائی جاری رکھتے تھے اور لڑائی کو معمولی مشغلہ سے بڑھ کر کچھ نہ سمجھتے تھے، مسلمانوں کے سامنے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ کبھی ان کے خلاف نہ اٹھے۔

بلکہ جنگ آور قبائل سے عہد نامے توڑ توڑ کر مسلمانوں کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اسی پیشگوئی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا تھا۔ بیشک ایسے ملک میں جس کے خمیر ہی میں خون ریزی اور غارت گری تھی، یہ علیحدگی، یہ خاموشی صرف قدرت ربانی ہی کا نمونہ تھی۔

اہل مکہ کے خلاف دو پیشگوئیاں

الف: ان کے مصارف ان کے لیے سرمایۂ حسرت بنیں گے۔

ب: اور وہ سب مغلوب ہوں گے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ ﴾ [1]

''کافر اس لیے زر و مال صرف کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ ہاں وہ کچھ عرصہ تک اسی طرح خرچ کیا کریں گے۔ پھر یہ مصارف ان کے لیے موجب حسرت ہوں گے۔ پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے۔''

کفار کے انفاقِ زر کا اندازہ ایک غزوہ احد کے مصارف سے ہو سکتا ہے۔ جس میں پچاس ہزار مثقال طلا اور ایک ہزار اونٹ چندہ میں جمع کیا گیا تھا۔

مزید برآں فوج کو ایک ایک دن کی دعوت ایک ایک سردار کی طرف سے دی جاتی تھی۔ ان تمام کوششوں کا انجام حسرت و ناکامی اور اندوہ و حرمان ہی پر ہوا تھا۔ کیونکہ نہ وہ اسلام کی ترقی کو روک سکے اور نہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو مرتد کر سکے، بلکہ انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رسوم آبائی اور ضلالت قدیم کو تباہ شدہ اور ہلاکت زدہ دیکھ لیا تھا۔

ابولہب کے متعلق پیشگوئی

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ ﴾ [2]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو گیا۔ اس کا مال اور اس کی اولاد اس کے کچھ کام نہ آئی۔ وہ مستقبل قریب میں شعلہ والی آگ کا ایندھن بنے گا۔''

---

[1] ۸/ الانفال: ۳۶۔ [2] ۱۱۱/ اللھب: ۱ تا ۳۔

ابولہب نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ وہ حضور ﷺ کے سب سے پہلے وعظ کوہ صفا والے میں حاضر ہوا تھا۔ جب اس نے سنا کہ نبی ﷺ حیات بعد الموت کے اعتقاد کو تلقین کرتے اور اعمال پر آیندہ نتائج مترتب ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نبی ﷺ کی طرف اشارہ نفرین وتحقیر کر کے کہا تھا:

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا. ❶

''تجھے دن بھر تباہی رہے تو نے ہم کو انہی باتوں کے سنانے کو بلایا تھا۔''

نبی ﷺ تو سراپا عفو اور ہمہ تن شکیب تھے۔ حضور ﷺ نے اس فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر غیرت الٰہیہ سے اپنے حبیب کے خلاف ایسے الفاظ کی برداشت کیونکر ہو سکتی تھی۔ لہٰذا جواب میں خود اسی کے الفاظ اسی پر لوٹا دیئے گئے اور اس کے حسرت ناک انجام کا اعلان بھی بطور پیش گوئی فرما دیا گیا۔ پیش گوئی تین امور پر مشتمل تھی:

(الف) اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف اس کی جملہ تدابیر تباہ ہوں گی۔

(ب) اس کی اولاد اور اس کا مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔

(ج) وہ خود آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابولہب کے چار بیٹے تھے۔ دو بحالت کفر باپ کے سامنے مرے، باپ کو ان سے کوئی فائدہ تو کیا پہنچتا، دونوں کا داغ، دل و جگر کو کباب بنا گیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی مشرف بہ اسلام ہوئے اور باپ کی امیدوں کے خلاف نکلے۔

ابولہب خود طاعون میں ہلاک ہوا۔ اہل عرب طاعون سے سخت خائف تھے، اس کی لاش کو گھر سے نہ اٹھایا گیا بلکہ چھت کھول کر اوپر ہی سے اس قدر مٹی اور پتھر اس کے ناپاک جثہ پر پھینکے گئے کہ وہی اس کی گور بن گئی۔ یہ پیش گوئی جملہ کفار کی آنکھوں کے سامنے پندرہ برس بعد از نزول آیت پوری ہوئی۔

پیشگوئی، کہ ابولہب کی عورت بھی ذلیل موت سے مرے گی

﴿ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۧ ﴾ ❷

''اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے، ہلاک ہوئی، اس کی گردن میں مونج کی رسی ہو گی۔''

اس عورت کو نبی ﷺ سے عداوت شدید تھی۔ خود جنگل میں جاتی، کانٹے اکٹھے کرتی۔ رات کو نبی کریم ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اس کی موت اسی طرح واقع ہوئی، جس طرح کلام الٰہی میں ظاہر کی گئی تھی۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی، تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی، جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسی کا جس سے لکڑیاں بندھی ہوئی تھیں، پھندا گردن میں پڑ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ کی طرف جا لٹکا، جس کے بوجھ سے وہ پھندا پھانسی بن گیا اور یہ ہلاک ہو گئی، اس بدترین موت کی اطلاع کلام الٰہی میں پہلے سے دے دی گئی تھی۔

---

❶ بخاري، كتاب التفسير، سورة الشعراء، باب وانذر عشيرتك الأقربين، حديث: ٤٧٧٠؛ مسلم، كتاب الفتن، باب ذكر ابن صياد، حديث: ٧٣٥٠۔ ❷ ١١١/ اللهب: ٤، ٥۔

منافقین کے متعلق پیشگوئیاں

﴿ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ﴾ ❶

''تمام دنیا میں ان کا کوئی بھی کام بنانے والا یا ان کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔''

اسلام سے پیشتر عرب قبائل کو باہمی جنگوں میں سلطنت فارس یا سلطنت روما کی امداد مل جایا کرتی تھی لیکن جب منافقین کی نسبت اخراج مدینہ کی پیشگوئی فرمادی گئی تو یہ بھی بتادیا گیا کہ اب کوئی سلطنت ان کی ذرا مدد نہ کر سکے گی۔

راہب فالق نے جنگ احد میں شکست کھا کر سلطنت روما سے مسلمانوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ روما کے پادریوں سے بھی امداد حاصل کی۔ لیکن اسے کوئی بھی مدد نہ مل سکی۔

جبلہ بن ایہم غسانی نے مرتد (باردگر عیسائی) بن جانے کے بعد دوبارہ ہرقل کی برسوں حاضر باشی کی۔ مگر مسلمانوں کے خلاف سلطنت سے کوئی امداد نہ لے سکا۔

یہی حال اکثر مخالفین اسلام کا ہوا اور پیشگوئی اپنے الفاظ میں صحیح ثابت ہوئی۔

پیشگوئی کہ منافقوں کو دگنی مار پڑے گی

﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ ❷

''ہم ان کو یکے بعد دیگرے (دہرا) عذاب دیں گے اور بعد ازاں وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

یہ آیت ان مخالفین کے متعلق ہے جو جہاد سے بلاوجہ پیچھے رہ گئے تھے، ان کے لیے عذاب اول یہ تھا کہ ان کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کے لیے بہت سے جھوٹ بنانے پڑے اور وہ قوم وملک کی نگاہ میں جھوٹے اور غدار ثابت ہوئے اور سب کی نظروں سے گر گئے۔ یہ اخلاقی عذاب سخت ہوتا ہے کیونکہ ضمیر انسانی ہر وقت اس کو ستاتا رہتا ہے۔ عذاب دوم اس مال واولاد سے محرومی ہے جن کی محبت میں مبتلا ہو کر وہ تارک جہاد بنے تھے۔

دونوں عذاب انہوں نے اپنی زندگی ہی میں چکھ لیے تھے۔

عذاب الیم جو تیسرا عذاب ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے۔

پیشگوئی کہ منافقین خسران میں رہیں گے

﴿ أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ ❸

''یہ شیطانی لشکر والے ہیں اور شیطان کا لشکر ہی خسران زدہ ہوگا۔''

سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ پیش گوئی ان منافقین کی بابت ہے جو یہود کو پسند کرتے اور ان کے معاہد و دوست بنے ہوئے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ دشمنان الٰہی کے ساتھ تو دد واتحاد شیطانی کام ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ضرور نقصان اٹھائیں گے،

❶ ٩/ التوبة:٧٤۔ ❷ ٩/ التوبة:١٠١۔ ❸ ٥٨/ المجادلة:١٩۔

جنگ احزاب کے بعد منافقین جب نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے، تب یہ پیش گوئی ان پر صادق آئی۔

پیشگوئی ان منافقین کے متعلق جو اہل اسلام میں رَل مِل گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بتلایا کہ منافق کون لوگ ہیں اور کہاں آباد ہیں:

﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ ﴾ [1]

''اہل مدینہ میں سے ایسے بھی ہیں، جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔''

اس اخبار غیب میں مصلحت یہ تھی کہ ازمنہ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو تہمت نفاق نہ دے سکے۔ پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ باشندہ مدینہ ہو، کسی یمنی، تہامی، مکی، حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ اس بین علامت کے بعد یہ فرمایا:

پیش گوئی

﴿ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ [2]

''اللہ تعالیٰ صادقوں کو اور کاذبوں کو الگ الگ کر دکھائے گا۔''

اس پیشگوئی کی تفسیر میں پھر ایک اور آیت میں فرمایا:

پیش گوئی

﴿ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ﴾ [3]

''اگر منافق لوگ اور دل کے روگی اور جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔ اور پھر وہ مدینہ میں تھوڑے عرصہ کے سوا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہیں گے، لعنت زدہ رہیں گے پھر جہاں جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کیے جائیں گے۔''

اس پیش گوئی میں منافقین کا انجام بھی بتلایا گیا اور ان کے انجام کی مدت و ایام کا بھی تعین کیا گیا۔ یہ آیت سورۂ احزاب کی ہے۔ واقعہ احزاب ۵ھ میں ہوا۔ جس میں ابی بن سلول کی پارٹی کے تین سو سے زیادہ منافق زندہ تھے۔ آیت میں بتلایا کہ ان سب کا حیات پاک مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اندر خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مدینہ سے نکال دیئے جائیں گے اور یہاں سے جانے کے بعد ذلت و خواری کے ساتھ قتل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قبل ازاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرامی ترین ولد آدم چشم ظاہر بین کو نظارہ عالم سے بند فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ مدینہ ایسے اشرار سے بالکل پاک ہے۔ یہی راز تھا کہ ۹ھ میں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کی حدیث کو سر منبر روایت فرمایا تھا۔ مدینہ کا نام طیبہ رکھ دیا تھا۔

---

[1] ۹/ التوبة:۱۰۱۔ [2] ۲۹/ العنكبوت:۳۔ [3] ۳۳/ الاحزاب:۶۰، ۶۱۔

پیش گوئی کی دوسری آیت مندرجہ ذیل پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

(۱) ﴿ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ﴾ ❶ ''یعنی اللہ کا رسول ﷺ ان کے خلاف کارروائی کرے گا۔''

(۲) ﴿ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ إِلَّا قَلِيلًا ۞ ﴾ ❷ ''شہر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا زمانہ ان کو بہت کم ملے گا۔''

(۳) ﴿ مَّلْعُونِينَ ۛ ﴾ ❸ ''وہ لعنت زدہ ہوں گے، ہر طرف سے ان پر پھٹکار پڑے گی۔''

(۴) ﴿ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا أُخِذُوا ﴾ ❹ ''مدینہ سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں جائیں گے، پکڑے جائیں گے۔''

(۵) ﴿ وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۞ ﴾ ❺ ''بدترین طریقہ سے قتل کیے جائیں گے۔''

تاریخ اسلام کے ماہر دواقف جانتے ہیں کہ منافقین مدینہ انہی پانچوں پیشگوئیوں کو پورا کرتے ہوئے برے انجام کے ساتھ ختم ہوئے تھے۔

مخلفین جہاد کے متعلق دو پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی

﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوٓا أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۞ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۞ فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَـْٔذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۞ ﴾ ❻

''پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں۔ انہوں نے برا سمجھا کہ اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور یہ بات کہی کہ گرمی میں لڑائی کے لیے نہ جاؤ۔ اے رسول اللہ ﷺ! ان سے کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ سخت تر گرم ہے۔ اگر تم میں سمجھ ہے۔ ان کو چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔ یہ ان کے فعلوں کی جزا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا اور وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہیں گے، تو ان سے کہہ دینا کہ تم میری معیت میں کبھی بھی نہیں نکلو گے اور میری معیت میں کبھی بھی کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کر سکو گے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش تھے۔ اس لیے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔''

اس آیت میں ایسی اقوام کا ذکر کیا۔ جنہوں نے موسم گرما میں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا ترک کر دیا تھا۔ پھر پیشگوئی کے طور پر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر ان میں سے ایک گروہ بارگاہ محمدی ﷺ میں حاضر ہوگا اور آیندہ شریک جہاد ہونے کی اجازت کا خواستگار ہوگا۔

---

❶ ۳۳/ الاحزاب:۶۰۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب:۶۰۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب:۶۱۔
❹ ۳۳/ الاحزاب:۶۱۔ ❺ ۳۳/ الاحزاب:۶۱۔ ❻ ۹/ التوبۃ:۸۱ تا ۸۳۔

اس کے ساتھ قطعی پیش گوئی کے الفاظ میں بتلا دیا کہ اب ان لوگوں کو جہاد ہمرکاب نبوی کا شرف نہ دیا جائے گا۔

اس واقعہ کو سورۃ الفتح میں بھی بیان فرمایا ہے:

﴿ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ ﴾ [1]

''جب تم مغانم کے حاصل کرنے کو چلو گے، تب پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہم کو بھی ساتھ چلنے دیجئے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجئے تم ہمارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتے۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرما دی ہے۔''

ہر دو آیات سے زمانہ نزول آیات کا بخوبی تعین ہو جاتا ہے۔ سورۃ الفتح کا نزول غزدۂ حدیبیہ میں ہوا اور مغانم کثیرہ کا حصول خیبر سے شروع ہوا۔ لہٰذا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر ساتھ جانے سے انکار کیا تھا۔ اور بعد ازاں خیبر وغیرہ میں وہی بزرگ گئے جو حدیبیہ میں تھے اور یہ مخلفین کبھی ہمرکاب نبوی جہاد کرنے کا شرف نہ حاصل کر سکے۔ نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا زمانہ ان آیات سے قریباً پانچ سال بعد کا ہے۔ متعدد اقوام کے ہزاروں اشخاص کی نسبت ایسی پیش گوئی جس کا تعلق آئندہ کے سالہا سال سے ہو۔ رب العالمین ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے۔

دوسری پیشگوئی

﴿ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ [2]

''ان بادیہ نشینوں کو جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دیجئے کہ تم کو آئندہ قریبی زمانہ میں ایک سخت جنگجو قوم کے لیے بلایا جائے گا۔ تم ان سے قتال کرو گے۔ یا وہ فرمانبردار بن جائیں گے۔ اگر تم نے (اس وقت) اطاعت کی، تب تم کو اچھا اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی حکم سے منہ پھیرا جیسے پہلے کر چکے ہو، تب تم کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔''

اس آیت کو ہر دو آیات مندرجہ بالا کے ساتھ ملا کر پھر تدبر کرو۔

(۱) مخلفین کو معیت رسول ﷺ سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔

(۲) مخلفین کو بعد از رسول کریم ﷺ قریبی زمانہ میں دعوت جہاد دیے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی۔

(۳) بطور پیشگوئی مقابل کے دشمن کی صفات جنگ جوئی وغیرہ بھی بتلا دی گئیں۔

(۴) اس جنگ کا انجام قتال یا دشمن کی فرمانبرداری بھی بتلا دیا گیا۔

(۵) اس دعوت کی اطاعت پر اجر حسنہ کا وعدہ۔

---

[1] ٤٨/ الفتح:١٥۔ [2] ٤٨/ الفتح:١٦۔

(۲) دعوت کی عدم تعمیل پر عذاب دردناک کی وعید۔

اب آپ عہد صدیقی پر نگاہ ڈالیں، ان کی اس دعوت عام کے فرمان کو جسے واقدی نے لفظاً لفظاً نقل کیا ہے، پڑھیے اور پھر ان عساکر کے نام معلوم کیجئے۔ جو خدمت صدیقی میں آئے تھے۔ قبائل اور شعوب کے نام پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اقوام تو وہی ہیں جن کو معیت رسول ﷺ میں جہاد کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

پھر آپ دیکھیں گے کہ ان کو روما جیسی سلطنت (ایمپائر) کے مقابلہ میں روانہ کیا جاتا ہے۔ جو نصف دنیا پر حکمران تھی۔ جو اپنی جنگ جوئی اور حرب دانی کا ثبوت ایران جیسی سلطنت کو جو نصف شرقی دنیا کی ایمپائر (دولت بزرگ) تھی، دے چکی تھی۔ جس کی فوجیں باقاعدہ اور منظم تھیں۔ جن کا نظام جنگ سب سے اعلیٰ تھا۔ جنہوں نے اپنی ہی ملکیت کے اندر رہ کر صرف مدافعت کرنی تھی اور ان بادیہ نشینوں نے اپنے ملک سے سینکڑوں میل آگے بڑھ کر جہاں رسد اور ذخائر جنگ کے وسائل بھی مکمل نہ تھے۔ حملہ کرنا تھا۔

نتیجہ وہی ہوا کہ قتال نے دشمن کا خاتمہ کر دیا اور رعایا نے مصالحت سے فائدہ حاصل کیا اور ہزار در ہزار داخل اسلام بھی ہوئے۔

یہ آیت عرب اور شام میں ہونے والے انقلاب اور فتوحاتِ اعراب اور روما کی آئندہ معاشرت و انجام کے متعلق نہایت صاف ہے۔

یہ آیت دعوت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی اطاعت کو اطاعت الٰہی بتلاتی ہے اور عدم اطاعت پر وعید عذاب بتلاتی ہے۔

اجر حسنہ کا لفظ نہ صرف آخرت کے لیے ہے بلکہ دنیا بھی اس میں شامل ہے اور یہ لفظ ایک مستقل پیش گوئی ہے کہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے لشکروں میں شامل ہونے والے تمدن کے بلند ترین ارتقا پر پہنچ جائیں گے اور با ایں ہمہ ان کی امارت بھی خوبیوں والی ہوگی۔

ایسی پیشگوئی کے تمام اجزا کا اس طرح پر پورا ہونا جس کی تصدیق ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہو۔ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

غزوات نبوی میں سے خاص خاص غزوات کے متعلق تین پیشگوئیاں

غزوہ بدر کے متعلق

﴿ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِينَ ۝ ﴾ [1]

''اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک تم کو ملے گا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ حق کو اپنے حکم سے حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

غزوۂ بدر میں ایسے مسلمان شامل تھے جو اچھی طرح سامان جنگ نہ بنا سکے تھے۔ لہٰذا ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی مڈبھیڑ ایسے ہی

---

[1] ۸/ الانفال: ۷۔

دشمن کے ساتھ ہو جو مسلح نہیں، تاکہ مقابلہ برابر کا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کو سامنے لا ڈالا جو آلات سے پورے مسلح تھے۔ لڑائی کے لیے تیار ہو کر آٹھ منزل آگے بڑھ آئے تھے۔ اور انہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ ان کا مقصد مدینہ پر یورش کرنا ہے۔ یہ تعداد میں بھی مسلمانوں سے سہ چند زیادہ تھے۔ بظاہر مقابلہ کسی طرح نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن رب الافواج کا کلام پورا ہوا۔ اہل حق کی فتح ہوئی اور کافروں کو ایسی رسوائی اور ذلت کی شکست ملی کہ کفر کی جڑ کٹ گئی۔

غزوۂ بدر کے متعلق آیت ذیل میں بھی پیش گوئی ہے:

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ ﴾ [1] ''جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیگی۔''

صحیح بخاری میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کفار کو بدر میں شکست فاش ہوئی، تب سمجھ گئے کہ اسی جماعت کی شکست کا اعلان آیت بالا میں فرمایا گیا تھا۔

غزوہ خیبر کی پیشگوئی

جس میں مبایعین بیعت الرضوان کی بھی ایک پیشگوئی شامل ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ ﴾ [2]

''اللہ سب مومنوں سے خوشنود ہوا۔ جب کہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے اللہ نے ان کے دلوں کو جانچ لیا اور ان پر سکینہ ووقار نازل فرمایا اور فتح قریب کو ان کا انعام بنایا۔''

یہ آیت صلح حدیبیہ کی ہے۔ حدیبیہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ جو حق عبادت چار ہزار سال سے تمام دنیا کو بلا روک ٹوک کے حاصل تھا۔ یعنی بیت اللہ میں پہنچ کر عمرہ ادا کرنا، اس سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے۔ جہاں کسی دشمن سے دشمن کو بھی گزند نہ پہنچایا جاتا تھا۔ جہاں باپ اور بیٹے کے قاتل کو بھی کوئی گرفتار نہ کرتا تھا۔ وہاں خلیل الرحمٰن کے بچوں کو جانے سے اور سنت ابراہیمی علیہ السلام کے مطابق عبادت کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ لات ومنات، عزیٰ و ذوالخویصہ کے ماننے والے پتھروں، درختوں، مورتیوں، استھانوں پر ناک رگڑنے والے ستارہ پرست، تثلیث پرست، دہریے، نفس پرست، خود پرست لوگ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے حرم کی سرزمین پر آتے جاتے ہیں۔ لیکن ان اللہ کے بندوں کو جو احرام باندھے ہوئے، ہدی وبُدن (قربانی کے جانور) ساتھ لائے ہوئے ہیں۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ یہی مصائب کچھ کم نہ تھے کہ اتنے میں ابو جندل رضی اللہ عنہ آ جاتا ہے، پاؤں میں زنجیر لگی ہوئی ہے جو گھسٹتی آتی ہے۔ سانس پھولی ہوئی، معلوم ہوا کہ مکہ میں ان کو اس جرم میں قید کیا گیا تھا، کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ اب ان کو بھاگنے کا موقع ملا۔ لشکر اسلام میں پہنچ گئے ہیں۔ اس مظلوم کو حاصل کرنے کے لیے کفار نے کہا کہ وہ باہمی عارضی صلح کرنے پر رضامند ہیں بشرطیکہ ان کا یہ قیدی واپس کر دیا جائے۔

قومی فائدہ پر ایک شخص کی آزادی کو قربان کرنا پڑا۔ نبی ﷺ کے دیدار اور حضور ﷺ کی بشارت سے ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی

---

[1] ٥٤/ القمر: ٤٥۔ [2] ٤٨/ الفتح: ١٨۔

اتنا شاد کام تھا کہ اسے پھر قید میں جانا کچھ گراں معلوم نہ ہوتا تھا۔

الغرض یہاں مسلمانوں کو اس قدر ضبط وصبر اور سکون وقار وحلم کا نمونہ بننا پڑا کہ نزول سکینہ ربانی کے بغیر کوئی شخص ایسی دل شکن وروح فرسا حالتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ایک امتحان تھا۔ اس میں کامیابی کے اور مدینہ پہنچنے کے بعد دو ہفتہ پیچھے حکم ہوا کہ یہی لوگ اور صرف یہی لوگ یہودان خیبر کے مقابلہ کو جائیں وہ جنہوں نے گیارہ قلعے مستحکم کر رکھے ہیں جو منجنیق وغیرہ آلات کا استعمال کرتے ہیں جس سے عرب بالکل ناواقف تھے جنگ خیبر میں انہی مسلمانوں نے جلادت وبسالت، جوانمردی وشجاعت، فنون حرب سے واقفیت، مدافعت وپیش قدمی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے۔ کھلے میدانوں کو اور چوڑی چوڑی خندقوں سے محصور قلعہ جات کو، سنگین دیواروں، مضبوط حصاروں کو انہوں نے اس طرح جیت لیا کہ ان کے سامنے کوئی شے بھی ٹھہر نہ سکی۔

پیش گوئی بالا میں مسلمانوں کی دونوں صفات کا ذکر بتایا گیا ہے اور دنیا کو دکھلایا ہے کہ مسلمانوں نے جو ظلم وآلام اسلام میں برداشت کیے، ان میں لاچار ومعذوری کا اتنا دخل نہ تھا جتنا مسلمانوں کی اس قوت ارادی کا تھا کہ دین حقہ کے مقابلہ میں ہر ایک مصیبت کو شرح خاطر اور کشادہ روئی سے سہہ جانا ہی اشاعت دین کا بہترین ذریعہ ہے ورنہ بڑی سے بڑی قوم، حرب آزما قوم، زرد مال کی قوم، قلعوں والی قوم (یہودی) کی ہستی بھی ان کے سامنے ہیچ تھی۔

جس وقت نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے اور ڈھائی سو میل سفر کرنے اور مکہ کی سرحد پر پہنچ جانے کے بعد صرف پانچ میل درے سے واپس آ گئے تھے۔ تو کفار نے اور سارے عرب نے مسلمانوں پر کیا رائے قائم کی ہوگی۔ یہی رائے ہو سکتی ہے کہ قریش کے سامنے یہ ننگے بھوک بے سروسامان کر ہی کیا سکتے تھے، لیکن جب انہیں لوگوں نے مدینہ سے ۸ منزل پرے جا کر خودسر، امن شکن، مایہ فساد، دشمن امن عامہ، مکاران یہود کو فتح کر لیا تھا۔ تب کس حقیقت کا انکشاف ہوا ہوگا۔

یہی کہ ان لوگوں کا خضوع وخشوع صرف از راہِ تقویٰ ہے۔ ان لوگوں کا عجز ومسکنت صرف بہ تعمیل احکام دین حقہ ہے۔ یہ وہ شیر ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھیڑا جائے، تب تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتے۔ غرض یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اہل ایمان کی دو مختلف صفات کمال کو دکھلا کر پوری ہوئی۔

آیت بالا میں لفظ ﴿ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ ﴾ [1] مزید تدبر طلب ہے۔ سکینہ الٰہی کا فیضان یہ ہے کہ قلب کی حالت کبھی آئندہ بھی متزلزل نہ ہو لہٰذا یہ ایک پیش گوئی ہے کہ بیعت رضوان والے ہی وہ باایمان بزرگ ہیں جن کے ایمان میں کبھی تزلزل واقع نہ ہوگا۔

غزوۂ احزاب کی پیشگوئی

مسلمانوں پر یہ بڑے زور کا حملہ تھا۔ یہودی، قریشی، نجدی کنانی وغیرہ سب ہی قبائل اس حملہ میں شامل ہو گئے تھے اور غضب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی کے اندر رہنے والے یہودی ان حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کی کمزوریوں کی اطلاع اور ان کی تدابیر کی خبر لحہ بہ لحہ دشمنوں کو پہنچا رہے تھے۔ مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے اور کفار کی شوکت وقوت کو دیکھ کر گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اعداء کی فوج مختلف لشکروں کا مجموعہ تھی، ہر ایک لشکر حزب کہلاتا تھا اور

---

[1] ٤٨/ الفتح:١٨۔

مجموعہ کو جند کہتے تھے۔ کفار کو اپنے باہمی اتفاق اور مکمل ساز و سامان پر بڑے بڑے غرور تھے۔ اب کلام اللہ سنو۔

ایک فوج ہے جو بہت سے لشکروں پر مشتمل ہے، اسے اسی جگہ ہزیمت ہوگی۔ فرمایا:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾ ❶

''کیا دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب متفق ہو گئے اور سب چڑھ آئے ہیں، اس لیے فتح و نصرت ہماری ہوگی۔ مگر تم عنقریب دیکھ لو گے کہ تمام جمعیت ہزیمت کھائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''

اسی پیش گوئی کے مطابق ہوا کہ نزول آیات سے پچیس دن بعد محاصرہ رکھنے والے قبائل کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ راتوں رات سب چمپت ہو گئے اور اس واقعہ کے بعد پھر کسی غیر قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر دو پیشگوئیاں

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ ﴾ ❷

آپ نے منافقین کی حالت پر غور کیا جو اپنے بھائیوں کافر اہل کتاب سے کہہ رہے ہیں:

(۱) اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل چلیں گے۔

(۲) ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔

(۳) اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تم کو ضرور مدد دیں گے۔''

اس معاہدہ پر پیشگوئی

﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ ﴾ ❸

''اللہ بتلاتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، اگر یہودی نکالے گئے، تب یہ منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر یہود سے جنگ ہوئی تو منافق یہودیوں کو مدد نہ دیں گے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو نضیر نکالے گئے اور منافقین نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ ان کو مدد دی۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتلا دیا تھا:

﴿ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾ ❹

''اگر منافقین ان یہودیوں کی مدد بھی کریں گے، تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر یہودیوں کو بھی مدد نہ ملے گی۔''

یہودان بنو قریظہ کے موقع پر منافقین نے ان کو مدد بھی دی۔ لیکن پھر ہزبران اسلام کے سامنے سے بھاگنا ہی پڑا۔ اور بالآخر یہودیوں کے ساتھ منافقین کی طاقت و قوت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور پیشگوئی کا یہ آخری حصہ بھی پورا ہو گیا۔

---

❶ ٥٤/ القمر: ٤٤، ٤٥۔ ❷ ٥٩/ الحشر: ١١۔ ❸ ٥٩/ الحشر: ١١، ١٢۔ ❹ ٥٩/ الحشر: ١٢۔

یہودیوں کے کفر کی خبر اور ایسی قوم کے اسلام کی خبر (پیشگوئی) جو کبھی کفر نہ کرے گی

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴾ [1]

''یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوم کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے انکار کریں گے تو ہم نے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے جو کبھی انکار و کفر نہ کرے گی۔''

یہ آیت سورۂ انعام کی ہے اور سورۂ مذکورہ مکیہ ہے۔ جب کہ اسلام نے ابھی مکہ سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ پیشگوئی میں بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ سود خور یہودی ایمان نہ لائیں گے تو کیا ہوا۔ دیکھو وہ بڑے بڑے خودسر قبائل جو حکمرانی و مطلق العنانی میں صدیوں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، وہ ایاد، قضاعہ، ربیعہ مضر سب کے سب تیرے منقاد و مطیع ہونے والے ہیں، وہ:

شہر بن باذام ملک صنعاء۔

منذر بن ساوی ملک البحرین۔

جیفر و عیاذ (فرزندان جلندی) فرمانروایانِ عمان۔

تیری اطاعت میں آنے والے ہیں۔

اصحمہ نجاشی ملک حبشہ۔

اکیدر شاہ دومۃ الجندل۔

تیرے زیر فرمان ہونے والے ہیں۔

وہ ذی الکلاع حمیرا جسے اس کی رعایا سجدہ کیا کرتی تھی اور جس کے جلو میں اس کے ایک ہزار غلام چلا کرتے تھے۔

وہ ذی ظلیم، ذی زود، ذی مران، ذی عمرو، جو شاہان تاجدار تھے اور جن کے خاندانوں میں پشتہا پشت سے تخت و تاج چلا آتا تھا۔

تیری خدمت میں کمر بستہ حاضر ہونے والے ہیں۔

ان شاہان تاجدار کے حالات کو پڑھو، جن کا علاقہ حجاز سے بڑا، جن کی فوج آنحضرت ﷺ کے حاضر باشان بارگاہ سے بہت زیادہ تھی، جو نہ کسی کے رعب میں آنے والے تھے اور جن کو کوئی طمع و حرص مال و منال کی نہ تھی جن کے علاقہ جات میں مبلغین اسلام کے سوا کبھی ایک مجاہد و غازی بھی نہ گیا تھا، کیونکر خود بخود انشراح خاطر اور طوع کلی و رغبت طبعی سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ سب کچھ رب العالمین ہی کی قدرت کے کام تھے کہ ایک یتیم، بیوہ کے بچہ کی ہیبت اس قدر چھا جاتی ہے کہ بادشاہ لرزہ براندام ہیں اور ایک خاک نشین سنگ بر شکم بستہ کی محبت دلوں میں اتنا قیام پکڑ لیتی ہے کہ سب کے سب جان و مال کو فرش راہ پاک کیے ہوئے ہیں۔

آیت میں لفظ ﴿وَكَّلْنَا﴾ پر غور کرو۔ دہری پیشگوئی ہے۔ ادھر ان لوگوں کے دلوں کو منقاد کر دینے کی اور ادھر حضور ﷺ

---

[1] ٦/ الانعام:٨٩۔

فداہ ابی وامی کو یہ نظارہ دکھلا دینے کی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ملک جو خلیج فارس، بحرِ احمر، بحر روم اور کوہستان شام کے درمیان واقع ہے سرتا سر ایک ہی کلمہ کا گویا، ایک ہی ملت کا شیدا، ایک ہی ذات قدسی صفات پر فدا اور ایک ہی دین فقہ پر عمل پیرا ہو گیا تھا۔

دیکھو پیش گوئی میں کتنی وسعت تھی اور کس صداقت کے ساتھ نزول آیات سے دس بارہ سال کے اندر اندر ہی نور گستر ہوئی۔

ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں بیشی وافزونی کی پیشگوئی

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ [1]

''اے ایمان والو! تم میں اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم کو لائے گا، جس سے وہ محبت کرے گا اور جو اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ ایمان والوں کے لیے متواضع اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

آیت میں بطور پیش گوئی بتلایا گیا کہ مسلمانوں میں سے کوئی کوئی مرتد بھی ہو جایا کرے گا۔ پھر بطور پیش گوئی بتلایا کہ ایسے انفرادی نقصان کے وقت اللہ تعالیٰ بڑی قوموں کو گرویدہ اسلام فرما دے گا۔ اللہ کے ساتھ ان کے معاملات محبت وخلوص کے ہوں گے، اہل ایمان سے ان کے تعلقات تواضع وانکساری کے ہوں گے۔

دشمنان دین کے ساتھ وہ غلبہ وفتح وعزت ونصرت کا کرشمہ دکھلائیں گے۔

وہ دنیا کی جھوٹی تعریف یا جھوٹی ہجو سے بالاتر ہوں گے۔ وہ عملاً وفعلاً اللہ کی راہ میں سرفروش وجاں نثار ہوں گے۔

اس آیت کا ابتدائے اسلام سے تا ایں دم ہمیشہ ظہور صدق رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔ نبی ﷺ کے انتقال کے بعد مسیلمہ کذاب اٹھا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ ہو گئے ان کا ارتداد بھی نرالا تھا مسیلمہ اور اس کے اتباع سب کے سب دبی زبان سے نبوت محمدیہ ﷺ کا اقرار کرتے تھے، مگر مسیلمہ کے لیے بھی نبوت ثابت کرتے تھے۔

اسی قوم کے اندر ثمامہ بن اثال الحنفی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اتباع میں ایسے موجود تھے جو مرتدین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور انہوں نے قومیت یا قرابت کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔

اسود عنسی نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فیروز اور ذاذویہ کو جو فارسی النسل اور صاحب فضل وکمال ہیں، کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے اس کی تمام شوکت وقوت کو خاک میں ملا دیا۔

طلیحہ وسجاح نے بھی دعویٰ نبوت کیا اور اسی اطراف کی اقوام وقبائل نے ان کو ایسا سیدھا بنایا کہ بالآخر ارتداد سے توبہ کر کے داخل اطاعت اسلام ہو گئے اور پھر کبھی خدمت اسلام میں کوتاہی نہ کی۔

ملوک بنی امیہ کا ظلم وجور بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل خراسان کو اٹھایا اور انہوں نے ان کی سلطنت کو تہ وبالا کر ڈالا۔ جس کا

---

[1] ٥/ المائدة: ٥٤۔

نتیجہ عباسیوں کا صاحب وسہیم واورنگ ہونا نکلا۔

عباسیوں نے جہاد میں تہاون کیا تو اللہ تعالیٰ نے سلاطین اندلس کو مغرب میں اور آل بویہ وآل سبکتگین کو مشرق میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کھڑا کر دیا۔

تباہی بغداد میں خود مسلمانوں نے کفار کا ساتھ دیا اور ترکان خونخوار کے ہاتھوں اس عروس البلاد کو غارت کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس قوم ترک میں اسلام داخل کر دیا۔

وہ ترک جنہوں نے بغداد کو ایسا تباہ کیا تھا کہ شہر کی گلیاں خون سے رنگین اور دریائے دجلہ قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ تھا۔

یورپ میں جو اسلام کا جھنڈا قائم کرنے والے ثابت ہوئے۔ وہی خادم حرمین شریفین کہلانے کو سلطان بن سلطان کہلانے سے زیادہ فخر کرنے والے ٹھہرے۔

آریہ نے ملکانہ میں شدھی کا رواج دیا اور کچھ مسلمانوں کو مرتد بنایا تو خود انہی میں سے کنور عبدالوہاب خان جیسے اٹھے جنہوں نے ہندو نما لوگوں میں اسلام پہنچایا۔

شمس الاسلام محمد امین و خالد لطیف گابا جیسے ہندو بیرسٹروں اور تعلیم یافتہ لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا اور خود آریہ کے مبلغین نے آگرہ وغیرہ کے علما کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی۔ یورپ میں کنگ جارج کے قریبی بھائی سر جارج ہملٹن نے اظہار اسلام فرمایا اور اس طرح اسلام تخت انگلستان کے قریب تر پہنچ گیا۔

لارڈ ہیڈ لے، محمد پکتھال، خالد شیلڈرجیسے صاحبان علم و فضل حاشیہ برداران اسلام بنے۔ نئی دہلی کے رقبہ میں اگر کوئی پرانی مسجد شہید ہوگئی تو دارالسلطنت فرانس کے شہر پیرس کے وسط میں مسجد جامع تیار بھی ہوگئی اور جرمنی کے شہر میں آٹھ ہزار نمازیوں پر سایہ کرنے والی مسجد بھی رونق افزائے فضا بن گئی، شہر لندن میں بھی مسجد کے لیے زمین حاصل کی جا چکی ہے اور تعمیر شروع ہونے والی ہے۔ (اب تو الحمد للہ سارے یورپ میں مساجد کی کثرت ہے اور شب و روز توحید و رسالت کے ترانے گونجتے ہیں)۔

ملکانہ کے جاہل علاقہ میں چند نفوس نے اسلام چھوڑا تو چین و افریقہ کے ممالک میں کئی کروڑ مسلمانوں کا اضافہ بھی ہوگیا۔ قسطنطنیہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی۔

یہ جملہ برکات و آثار اور ترقی تعداد افزونی شمار کثرت انوار اسی آیت مبارکہ کی پیش گوئی کے تحت میں معدود ہیں اور یہی حالت تا انجام دنیا برابر چلی جائے گی۔ ایک شخص کے مرتد ہونے سے دس داخل اسلام ہوں گے۔

لوگوں کا یہ بھرم بھی جاتا رہے گا کہ اگر ہم لوگ بھی غیروں کو اپنے دھرم میں شامل کر لیا کرتے تو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔

﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ ﴾ [1]

یہودیوں کے متعلق ۹ پیشگوئیاں

(۱) یہودی مسلمانوں کا معمولی اذیت و آزار کے سوا اور کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور اگر مسلمانوں سے لڑائی میں مقابل ہوئے تو

---

[1] ٦١/ الصف:٨۔

پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے:

﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ [1]

یہودی پس پردہ سازشیں کرتے رہے۔ قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ خود جاسوسی کرتے رہے، بغاوت کرنے والوں کو چپکے چپکے روپیہ، پیسے کی امداد اور سلاحات سے اعانت کرتے رہے۔ اس پر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو میدان میں نکل آئے۔

یہ لوگ فنون حرب سے زیادہ واقف تھے۔ سارے عرب میں آلات قلعہ شکن انہی کے پاس تھے۔ منجنیق کا استعمال صرف یہی لوگ جانتے تھے۔ اس لیے عرب کا ہر ایک قبیلہ ان سے دبتا تھا ایسے لوگوں کو شکست فاش کی پیشگوئی ایسی تھی جس کا کفار کو ہرگز یقین نہ تھا۔

لیکن ارباب تاریخ کے سامنے یہودان بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ، خیبر، فدک اور تیماء کے واقعات موجود ہیں۔ ہر ایک کا انجام اسی پیش گوئی کے مطابق ہوا۔

آیت بالا میں تین پیشگوئیاں ہیں:

(الف) ایذا ہی سے بڑھ کر وہ کوئی نقصان مسلمانوں کا نہ کرسکیں گے۔

(ب) مقابلہ میں آئے تو کھلی شکست کھائیں گے۔

(ج) شکست کے بعد کوئی ان کی مدد کو بھی کھڑا نہ ہوگا۔

سینکڑوں میل کے بسنے والے متعدد قبائل پر ایسی زبردست پیشگوئی کا اعلان صرف وہی پروردگار فرما سکتا ہے۔ جو مشارق الارض ومغاربہا کا مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے اسی کو فتح ونصرت عطا فرماتا ہے۔

(۲) یہودی موت کی تمنا نہ کریں گے:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ ﴾ [2]

یہود کا عام دعویٰ یہ تھا کہ ہم فرزندان خدا ہیں اور ہم برگزیدگان اللہ ہیں۔ قرآن نے بتلایا کہ اگر تم کو اس دعویٰ کی صداقت پر خود یقین ہے تو اپنے لیے موت کی دعا مانگو۔

یہ مسلمہ ہے کہ اولیائے ربانی کے لیے حیات دنیوی حجاب ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے تو دوست دوست کے وصال سے شادکام بن جائے۔

عربی میں مثل ہے: اَلْمَوْتُ جَسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ إِلَى الْحَبِيْبِ.

''موت وہ پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔''

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۱۱۔ [2] ۶۲/ الجمعۃ: ۶، ۷۔

کسی ولی کی جانب سے تمنائے موت کے معنی عرضداشت وصال کے ہیں اور ایسی عرض ومعروض کا بار بار پیش کرنا اور ہر بار اس پر اصرار کرنا لوازم محبت وولایت میں سے ہے۔

یہاں یہودیوں سے فرمایا گیا کہ ایک دفعہ ہی موت کی تمنا کا اظہار اپنی زبان سے کرو۔ اس کے بعد بطور پیشگوئی فرمادیا کہ یہودی ایسا کبھی نہ کریں گے اور اس کی وجہ بھی بتادی کہ اگرچہ ایسے ایسے دعاوی کی لاف وگزاف ان لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ مگر اندر سے دل پکڑا ہوا ہے۔ معاصی وسیئات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا ہے۔ دل ودماغ پر افعال شنیعہ کا اتنا قبضہ ہے کہ موت سے نفرت ہے۔ اللہ کے حضور جانے سے طبیعت گریز کرتی ہے۔

یہودی اگر سچے ہوتے تو قرآن کے جھٹلانے اور اپنے دعویٰ کی زبانی صداقت جتلانے کے لیے یا مسلمانوں کو سنانے ہی کو ایک دفعہ کہہ دیتے کہ ''الٰہی موت دے'' لیکن یہ اخبار تو منجانب اللہ ہو چکا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس لیے اتنا لفظ کہتے ہوئے زبان پر قفل پڑ جاتا تھا اور منہ پر مہر لگ جاتی تھی۔ اور ایسے موقعہ پر کافر ومشرک بھی یہودیوں کی۔ ''خرورگل ماندہ'' حالت کو دیکھ کر ہنس دیتے تھے۔

اس پیش گوئی کا مدعا یہ تھا کہ دنیا جہاں کے سامنے یہودیوں کے جھوٹے ادعا (اولیاء وانبیاء اللہ ہونے) کی حقیقت کو ظاہر فرمادیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ اس صاحب جبروت اور ملک الموت کے حضور میں کسی آفریدہ ومخلوق کو بڑا بول بولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

یہودیوں کے متعلق تیسری پیشگوئی

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ [1]

''اور ڈال دی گئی ہے ان پر ذلت، جہاں کہیں بھی وہ جائیں بجز اس کے اللہ کی ذمہ داری سے رہیں۔ یا لوگوں کی ذمہ داری سے رہیں۔''

اس آیت میں بتلایا گیا ہے:

(الف) کہ آئندہ کو یہود دنیا میں ایک آزاد قوم کی شان سے آباد نہ رہ سکیں گے۔

(ب) بتایا گیا ہے کہ وہ ذلت ومسکنت کا نشانہ رہیں گے یعنی ان کی اپنی سلطنت کوئی نہ ہوگی۔

(ج) بتایا گیا ہے کہ یا تو ان کو مسلمانوں کے ماتحت جزیہ گزار ہو کر رہنا پڑے گا۔ اسی کو ﴿ بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ ﴾ میں فرمایا۔ کیونکہ ذمی قوم کو خود اللہ تعالیٰ نے حقوق عطا فرمائے ہیں۔

(د) یا ان کو دیگر اقوام کا ٹیکس گزار اور باج دہ ہو کر رہنا پڑے گا جسے آیت ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ میں فرمایا ہے گویا ایک آیت کے اندر چار پیشگوئیاں ہیں۔

اس آیت کے مابعد زمانہ پر نظر ڈالو، کیا کسی جگہ دنیا کے پردہ پر اس قوم کی آزاد حکومت قائم ہے؟ کیا ان لاکھوں کروڑوں میں ایک بھی شخص ایسا ہے جو غیر قوم کا ٹیکس گزار نہ ہو۔

ہاں ﴿ بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ ﴾ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ترکی، ایران، مراکو، تیونس میں مسلمانوں کے ماتحت بطور جزیہ گزار پائے

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۱۲۔

جاتے ہیں۔

اور ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کا اثر یہ ہے کہ وہ روس وامریکہ، انگلستان وفرانس وغیرہ میں دیگر اقوام کے ماتحت آباد ہیں اور جملہ اقسام کے ٹیکس ادا کرتے ہیں، جنگ عظیم ۱۴ تا ۱۹۱۸ء میں یہودیوں نے کروڑوں اربوں روپیہ (متحدین) کو اس لیے دیا کہ ان کی بھی ایک چھوٹے سے رقبہ پر آزاد سلطنت تسلیم کر لی جائے۔ ہر ایک قوم نے جو سینکڑوں من سونا ان سے لے رہی تھی۔ سمجھ رکھا تھا کہ مفتوحہ علاقہ میں سے ان کی درخواست کو پورا کر دیا جائے گا۔

جب جنگ عظیم ختم ہوگئی اور ایفائے مواثیق کا وقت آیا تو یہودیوں سے کہا گیا، وہ سب فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں اور وہاں کی حکم بردارانہ حکومت ان کو مل سکتی ہے۔

یہ شرط ابھی تک پورے طریق سے پوری نہیں ہوئی اور فلسطین کے سابقہ باشندوں نے ابھی تک یہودیوں کے تفوق کو بھی تسلیم نہیں کیا۔

خیر تفصیلی صورت کو چھوڑ کر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہودیوں کے سامنے کیا چیز پیش کی جاتی ہے؟ حکم بردارانہ حکومت!

اب قرآن مجید کے الفاظ کو غور سے پڑھو کہ ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کا لفظ کتنا وسیع پڑا ہوا ہے ایک کتا کسی امیر کے پاس ہوتا ہے، اسے وہاں دودھ، گوشت وغیرہ سب کچھ ملتا ہے، ہاں گلے میں زنجیر بھی ڈال دی جاتی ہے تو کیا اس کا یہ رتبہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو ایک تہی دست آزاد انسان سے برتر خیال کرنے لگے۔ صرف اس لیے کہ انسان کو ویسی غذا میسر نہیں جیسی مسٹر ڈاگ کو ملتی ہے۔

بعینہ یہی پوزیشن فلسطین میں یہودیوں کی قائم کی گئی ہے مگر ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کی زنجیر ضرور گلے میں پڑی رہے گی اور یہ وہ زبردست پیشگوئی ہے جس کے سامنے تمام یورپ کے وزرائے دول کی ڈپلومیسی بھی عاجز ہے۔

یہودیوں کے باہمی فرقوں کے اندر عداوت ابدی کی پیشگوئی

﴿ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ [1]

''ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کا ڈال دیا۔''

اس وقت یہودیوں میں الگ الگ دو توراتیں ہیں، ایک تورات یونانیہ ہے اور دوسری سامریہ، ایک کتاب کے مقلد دوسری کتاب والے کو قطعی کافر جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بات کے روادار بھی نہیں۔ قرآنی پیش گوئی کے مطابق یہ بغض یہ عداوت تا قیامت اسی طرح قائم رہے گی۔

عیسائیوں کے متعلق تین پیشگوئیاں

عیسائی دنیا میں مال دنیوی سے متمتع رہیں گے

(۱) عیسائیوں کو دنیوی مال ومتاع ملے گا۔ پھر آخرت میں ان کا فیصلہ ہوگا:

---

[1] ٥/ المائدة: ١٤۔

﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ ❶

''ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنالیا ہے۔ اللہ تو اس سے پاک ہے اور وہ تو بے نیاز ہے اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملک ہے۔ تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے؟ یا اللہ کے خلاف بے علمی سے باتیں بناتے ہو، کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ کے خلاف جھوٹ کا افترا کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے، دنیا میں ان کے لیے کچھ حصہ ہے، پھر ان کی بازگشت ہماری جانب ہے۔''

آیت میں صاف پتہ نصاریٰ کا ہے جو مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اور انہی کی بابت "متاع فی الدنیا" فرمایا گیا ہے۔ عام لوگ جب نصاریٰ کی کثرت دولت اور فراوانی زر و مال کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اس سہ تن پرست قوم پر اس قدر افضال والطاف کیوں ہیں۔ مگر آیت ربانی نے بتلا دیا کہ یہ نہ لطف ہے۔ نہ فضل ہے۔ بلکہ "متاع فی الدنیا" جس کے ساتھ "لَا یُفْلِحُوْنَ" لگا ہوا ہے۔ (یعنی فلاح و نجات سے محرومی)

یہ تو ممکن ہے کہ کم بین، کوتاہ نظر لوگ اس دولت مندی کی تمنا کرنے لگیں اور قارون کے دیکھنے والوں کی طرح ﴿ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ ﴾ ❷ کہنے لگیں، لیکن کیا کوئی شخص یہ پسند کرسکتا ہے کہ قارون کی دولت معہ انجام قارون اس کے حصہ میں آئے۔ یقیناً کوئی خردمند ایسا پسند نہ کرے گا۔ لہٰذا ہم اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی باایمان "متاع فی الدنیا" کا مصداق بننا پسند نہ کرے گا، جس کے ساتھ فلاح اور نجات کی نفی لگی ہوئی ہو۔ خیر یہ بحث تو الگ ہے اس وقت بہ اقتضائے مقام یہ لکھنا کافی ہے کہ نصاریٰ کے موجودہ تمول اور تعیش کی پیشگوئی قرآن پاک میں موجود ہے اور یہی امر قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری پیشگوئی، کہ عیسائیوں کے باہمی فرقوں میں ہمیشہ عداوت رہے گی

﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ❸

''ان میں وہ بھی ہیں جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا، انہوں نے بڑا حصہ اس کا فراموش کردیا۔ ہم نے ان میں عداوت اور بغض کو قیامت تک کے لیے بھڑکا دیا۔''

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ، یونی ٹیرن، گیریک چرچ، اشٹین چرچ، انگلش چرچ، امریکن چرچ کے اختلافات اور بغض و عداوت اور تکفیر باہمی کے حالات جس شخص کو معلوم ہیں وہ آیت بالا کی تصدیق بخوبی کرسکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ یہ کلام یقیناً

---

❶ ۱۰/ یونس:٦٨ تا ٧٠۔ ❷ ''جو قارون کو دیا گیا ہے کاش ہمیں بھی وہی مل جاتا۔'' ۲۸/ القصص:٧٩۔

❸ ٥/ المائدۃ:١٤۔

منجانب اللہ ہے۔

تیسری پیشگوئی، کہ نصاریٰ دربارہ مودت اہل اسلام سے زیادہ تر قریب ہیں اور یہود ومشرک زیادہ دور وبعید ہیں

﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ﴾ ❶

''اہل ایمان سے محبت میں قریب تر تُو ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔''

عراق وشام کے عیسائیوں اصحمہ ،نجاشی ، اکیدر، عدی بن حاتم ، ابو مریم غسانی وغیرہ حکمرانان ملک کا مطیع اسلام ہو جانا اسی پیشگوئی کے تحت میں تھا۔ آج بھی انگلستان و جرمنی اور امریکہ میں جس قدر اشاعت اور ترقی اسلام کی ہو رہی ہے اور وہ اسی آیت کے تحت میں ہے۔

سلطنت روما وایران نیز قریش واہل ایمان کے متعلق پیشگوئی جس میں دو پیش گوئیاں شامل ہیں

﴿ الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ﴾ ❷

''روما الارض کے قریب مغلوب ہو گیا ہے اور وہ مغلوبی کے بعد چند ہی سال میں غالب آ جائے گا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شاد ماں ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ وہی تو غلبہ وقدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے۔''

اَلْاَرْضِ سے مراد وعدہ کی زمین فلسطین ہے اور ادنی الارض سے شام وایشیائے کوچک کا علاقہ ہے جہاں روما والوں کو خسرو پرویز نے شکست پر شکست دی تھی اور ان کو ان ممالک سے نیز مصر سے باہر نکال دیا تھا۔ کلام الٰہی میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ نو سال کے اندر اندر روما والے پھر ایران پر غالب آ جائیں گے۔

یہ پیشین گوئی ان دنوں بالکل خلاف قیاس وگمان سمجھی جاتی تھی۔ اتنی بڑی شکست کے بعد ایسی فاتح قوم پر غالب آ جانا اور وہ بھی نو سال کے اندر اندر اہل دنیا کو محال معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا ابی بن خلف نے اسی آیت کو قرآن مجید کے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ اگر وہ صداقت قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں تو شرط لگائیں۔ یہ واقعہ ے نبوت کا ہے۔ صدیق امت نے شرط لگائی، کیونکہ اسلام میں اس وقت تک شرط لگانے کی نہی نہ ہوئی تھی۔

نزول آیات سے سات سال بعد ایسا ہی ہوا۔ روما میں جو خانہ جنگی اور اندرونی بدنظمی ہو رہی تھی۔ وہ جنرل ہرقل کے بادشاہ بن جانے سے جاتی رہی۔ روما والوں نے پھر از سر نو اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس حاصل کر لیا اور مصر وشام وفلسطین وایشیائے کوچک پھر سلطنت قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گئے۔

الفاظ قرآنیہ بشارت در بشارت پر مشتمل تھے۔ یعنی یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مؤمنین کو بھی اسی روز نصرت الٰہی حاصل ہوگی۔ ایسا ہی

---

❶ ٥/ المائدة:٨٢۔ ❷ ٣٠/ الروم: ١ تا ٥۔

ہوا اودھر اہل کتاب نے آتش پرستوں پر فتح حاصل کی اور ادھر بدر کے میدان میں اہل توحید کو اہل شرک پر غلبہ تام حاصل ہوا۔

غور کرنا چاہیے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار قوموں اور چار ملکوں اور دو عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق کھلے لفظوں میں پیش گوئی کرنا اور وہ بھی بہ تعیین سن وسال اور پھر اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہو جانا کیا انسانی علم یا انسانی قدرت کی حدود میں ہے۔

ان پیشگوئیوں سے قرآن حمید کا کلام اللہ ہونا بخوبی ثابت ہوگا۔

فصل

قرآن حمید کا اخبار مستقبلہ کو بیان کرنا ہم نے بطور برہان پیش کیا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کا اخبار ماضیہ کو بیان کرنا بھی ایک زبردست دلیل اس کے کلام اللہ ہونے پر ہے۔

قوم ہود، قوم صالح کا مذکور کسی اسرائیلی صحیفے میں نہیں مگر قرآن پاک نے اسے بیان کیا۔

عاد ارم، عاد اولیٰ کا ذکر بھی صرف قرآن مجید ہی نے سنایا۔ سیل عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا اس کا بیان بھی فرقان حمید ہی میں ہے۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتہ ﴿ وَأَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ۝﴾ [1] قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا۔ ورنہ تورات اس سے خاموش ہے جیسا کہ مصر کی تاریخ میں معجزات موسوی کے وقوع سے ساکت ہے۔

مسیح علیہ السلام اور اس کے کارناموں کا ذکر نہ روما کی ہسٹری میں ہے اور نہ یہود کی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کہ مریم صدیقہ علیہا السلام کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا، عیسائی نہیں مانتے تھے اور نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اس کے لیے کدوکاوش کی تب ان کو بیان قرآن کی صداقت کا علم ہوا۔

خانہ کعبہ کی عمارت کا بطور مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا اہل تاریخ سے پوشیدہ تھا لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلم ہے۔

قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے اور انہوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجت الٰہی ان پر ختم کی۔ تمام مذاہب کے لیے ایک کنز مدفون تھا۔ اور اسی لیے اسرائیل پارسیوں کو جھٹلاتے تھے اور پارسی اسرائیلیوں کو، اور پھر یہ دونوں مل کر اہل ہند کے مکذب تھے اور اہل ہند ان دونوں کی تکذیب کرتے تھے پھر یہ تینوں مل کر مصریوں کو جھوٹا بتاتے تھے اور مصری ان تینوں کا جھوٹا ہونا سچ سمجھتے تھے۔

پھر یہ چاروں مل کر مشرق بعیدہ چین و جاپان کو دروغ گو کہا کرتے تھے اور چین و جاپان ان چاروں کو۔ اسی طرح کذب و دروغ اور بطلان کا سلسلہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے تھا قرآن کریم ہی نے اس راز کا انکشاف کیا اور قوموں کو قوموں سے، ملکوں کو ملکوں سے قریب تر ہونے کا طریق بتایا۔ قرآن عظیم ہی نے اس سلسلہ کے ختم کر دیئے جانے کی اطلاع دی اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت عامہ اور وحدت ملیہ اور اتحاد کلیہ کا سبق پڑھایا۔

قرآن کریم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمانا ہی تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں، ہندوؤں، مصریوں اور چینیوں کے

---

[1] ٢٦/ الشعرآء:٥٩۔

دل اور زبان پر محکم مہر لگ گئی اور اس اعلام کے بعد کسی نے کسی کو آ کاس بانی کا سننے والا۔ سروش یزدانی سے گفتگو کرنے والا، وحی ربانی کا حاصل کرنے والا تسلیم نہیں کیا۔

اور یہی قرآنِ مجید کے کلام اللہ ہونے پر دلائل بینہ سے قوی ترین دلیل ہے۔

اب باب خصائص القرآن کو ختم کیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی صرف ایک آیت اہل فکر و ہوش کے غور و تدبر کے لیے لکھ دی جاتی ہے: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [1] ''لوگ کیوں قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟''

---

[1] ٤٧/ محمد:٢٤۔

باب سوم

خصائص اسلام

فصل نمبر ۱

اسلام ہی دین التوحید ہے

آج دنیا پر صادق ہو گیا ہے کہ ہر ایک مذہب کی صداقت معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔

اب تو مناظرہ کے وقت بت پرست بھی اپنے ٹھاکروں اور دیوتاؤں کو وسائط کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اہل تثلیث اور اہل ثنویہ بھی تثلیث وتثنیہ میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ ویدانت والے بھی ''دوتیا ناستی'' کہنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے، جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔

اسلام ظاہر کرتا ہے کہ جملہ انبیاء ورسل کی دعوت صرف واحد مسئلہ توحید کی طرف تھی:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝ ﴾ [1]

''تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے یہی وحی کی کہ ''میرے سوا اور کوئی معبود نہیں لہٰذا تم سب میری عبادت کرو۔''

فرمایا:

﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۝ ﴾ [2]

''اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہم نے کبھی بھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمٰن کے سوا معبود ٹھہرایا ہے، جس کی عبادت لوگ کیا کریں۔''

اسلام ہی کی تعلیم ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ﴾ [3]

''اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ، آمیزش اور شرک نہ کرو۔''

توحید ہی کا بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ ﴾ [4]

''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو بھی کارساز بنا لیا، کہہ دو کہ کارساز تو صرف اللہ ہی ہے۔''

توحید خالقیت اور توحید قدرت کے متعلق فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا

---

[1] ۲۱/ الانبیاء:۲۵۔ [2] ۴۳/ الزخرف:۴۵۔ [3] ۴/ النساء:۳۶۔ [4] ۴۲/ الشوریٰ:۹۔

يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ ❶

''اللہ کے سوا لوگ جن جن کو پکارتے ہیں وہ ایک مکھی بھی تو نہیں بنا سکیں گے، خواہ وہ سب مل جل کر ہی ایسی کوشش کریں اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے کچھ چھڑا بھی نہیں سکتے یہاں تو طالب و مطلوب دونوں رہ جاتے ہیں، ان لوگوں نے تو اللہ کی قدر و شان کو اسکی قدر و شان کے مطابق جانا ہی نہیں بیشک قدرت والا تو صرف اللہ ہی ہے۔''

آیات بالا پر فکر و تدبر اور غور و تعمق سے مکرر نظر ثانی کرنا واجب ہے کہ الوہیت، ربوبیت، رحمانیت ولایت اور قدرت کے صفات میں اللہ تعالیٰ کا واحد و وحید ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اس ثبوت کے ساتھ ساتھ شرک جلی و خفی کی نفی فرما دی گئی ہے۔

یہ اسلام ہی کی توحید ہے جس کا ثبوت کلام اللہ العزیز سے ملتا ہے اور جس کی تائید علم و عقل اور سمع سے ہر منزل ہر گام پر ہوتی ہے۔

یہ اسلام ہی کی توحید ہے جو فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کے براہین سے مشید ہے اور جس کا مخاطب ہر ایک وہ قلب سلیم ہے جو روحانیت کی زندگی سے مستفیض ہے۔

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں، جس کو پادری لوگ فہم سے بالاتر اور عقل سے بلند تر کہا کرتے ہیں اور جس پر بغیر سمجھنے کے ایمان لانے کو واجب بتایا کرتے ہیں۔ اسلام تو ابتدائے دعوت ہی میں ہر ایک انسان پر اپنی حجت اس طرح قائم فرماتا ہے:

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ ❷

''کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہو جاتے ہیں ہاں آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینہ کے اندر ہیں بے نور ہو جایا کرتے ہیں۔''

آیت بالا میں قلوب اور عقل، اذان اور سمع، ابصار اور عمیٰ کے الفاظ موجود ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ اسلام سمع و بصر کو اور قلب و بصیرت کو مخاطب ٹھہراتا اور انہی براہین پر اثبات توحید کے ایوان کو استوار کرتا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادت، توحید فی الاستعانت، توحید فی العلم، توحید فی القدرت، توحید فی التصرف، توحید فی الذات، توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کیے اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی ﷺ کے ارشاد سے اُن مسائل کو محکم و قوی بنایا۔ آیات ذیل پر پورے غور سے تدبر کرو، تاکہ عنوانات بالا کے متعلق آپ کی معلومات میں وسعت پیدا ہو، ایمان بڑھے اور یقین ترقی پائے۔

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾ ❸

---

❶ ۲۲/ الحج:۷۳، ۷٤۔ ❷ ۲۲/ الحج: ٤٦۔ ❸ ۱/ الفاتحۃ:٥۔

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں۔''

صاحب کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وَتَقْدِيْمُ الْمَفْعُوْلِ لِقَصْدِ الْاِخْتِصَاصِ یعنی لفظ نَعْبُدُ اور لفظ نَسْتَعِيْنُ سے پہلے إِيَّاكَ لانے سے یہ فائدہ نکلا کہ عبودیت اور استعانت کا خاص اللہ ہی کے لیے ہونا ثابت ہو گیا۔

توحید فی الاستعانت کے متعلق سورۂ یوسف میں ہے:

الف: ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ ❶ ''صرف اللہ ہی ہے جس سے استعانت لی جائے۔''

سورۂ انبیاء میں ہے:

ب: ﴿ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ ❷

''ہمارا پروردگار ہی کمال رحمت والا ہے، اسی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔''

حدیث شریف میں ہے:

ج: ((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) ❸

''اے اللہ اپنے ذکر اور شکر کے لیے اور بہتر عبادت ادا کرنے پر میری مدد فرما۔''

توحید علم کے متعلق ملائکہ کا بیان:

د: ﴿ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ ❹

''اے رب تو جملہ عیوب اور نقائص اور ادناس سے پاک ہے ہم کو علم نہیں لیکن اتنا ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان محشر میں جملہ خلائق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا:

ہ: ﴿ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ ❺

''جو میرے دل میں ہے اسے تو جانتا ہے اور جو تیری ذات کے اندر ہے میں اسے نہیں جانتا، تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔''

و: ﴿ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ﴾ ❻

''قیامت کا علم تو اسی کے پاس ہے۔''

ز: ﴿ اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ ❼

''یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے۔''

ح: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ﴾ ❽

''علم غیب اسی کے پاس ہے۔''

---

❶ ١٢/ یوسف:١٨۔ ❷ ٢١/ الانبیاء:١١٢۔ ❸ ابوداود، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث:١٥٢٢۔
❹ ٢/ البقرۃ:٣٢۔ ❺ ٥/ المائدۃ:١١٦۔ ❻ ٤٣/ الزخرف:٨٥۔ ❼ ١١/ ھود:١٤۔ ❽ ٦/ الانعام:٥٩۔

ط: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک اسم ''علیم'' ہے۔

جب یہ غور کیا جائے کہ قرآن مجید میں اس اسم ''علیم'' کا استعمال کون سے دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مقرون ہو کر وارد ہوا ہے تو ترکیب ذیل نظر آئے گی:

علیم قدیر، علیم خبیر، علیم حکیم، واسع علیم، علیم حلیم، الخلاق العلیم، عزیز علیم، فتاح علیم، سمیع علیم، شاکر علیم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کمال علم کے ساتھ قدرت وخبرت، حکمت و وسعت، حلم وخلق، عزت وفتح، سمع وشکر کے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو علم کہ ان صفات کے ساتھ ساتھ ہو، وہ انسان وملک کے علم سے (خواہ وہ انسان وفرشتہ کتنا ہی ذی علم کیوں نہ ہو) بسا ارفع واعلیٰ ہے۔

توحید فی القدرت کی بابت آیات ذیل پڑھو:

﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ ﴾ ❶

''ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔''

﴿ وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا ﴾ ❷

''زمین کو برکت دی اور زمین کے اندر جملہ اقوات کو خاص اندازہ سے رکھا۔''

﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ﴾ ❸

''ہم نے پانی اوپر سے حسب اندازہ نازل کیا۔''

﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ ❹

''اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔''

﴿ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ ❺

''وہ جب چاہے گا تو اپنی قدرت سے سب مردہ جسموں کے گوشت پوست کو جمع فرما دے گا۔''

ان آیات میں دکھلایا گیا ہے کہ ہر شے کو ابتدائً ہستی میں لانا، پھر اس کے لیے قدر وانداز ہ مقرر کرنا پھر اسے معدوم کر دینا، پھر اسے موجود کر دینا، اسی مالک کی قدرت کے اندر ہے آسمان کی برکتوں اور زمین کی طاقتوں پر اسی کی قدرت تسلط رکھتی ہے، مادہ اور روح اسی کی مخلوق اور اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں، فتح وشکست قوموں کا اقبال وادبار، زمانہ کا انقلاب، موسموں کا تغیر، جمادات ونباتات، حیوانات اور انسان وملائک کے خواص ومالیت اور کوائف واحوال سب اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ یہ وہ قدرت ہے کہ انسانوں کا جانا پہچانا قانون قدرت اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ وہ قدرت ہے جسے انسانوں کے تجربات عادات محصور نہیں کر سکتے، اس صفت میں اُس مالک کو یکتائی ووحدت حاصل ہے۔

❶ ٥٤/ القمر:٤٩۔ ❷ ٤١/ حٰمٓ السجدة:١٠۔ ❸ ٢٣/ المؤمنون:١٨۔
❹ ٢/ البقرة:٢٨٤۔ ❺ ٤٢/ الشورىٰ:٢٩۔

توحید فی الذات والصفات کا بیان بھی بہت وسیع ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ﴾ ❶

''اللہ تو میں ہی ہوں، میں ہی معبود ہوں اور کوئی بھی معبود نہیں۔''

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ ❷

''اللہ نے بتایا اور ملائکہ واہل علم نے بھی ظاہر کیا کہ وہی اللہ ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اسی کا عدل و انصاف قائم ہے، اسی کا معبود ہونا برحق ہے دوسرے کا نہیں وہی عزیز وہی حکیم ہے۔''

﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ ﴾ ❸

''اللہ ہے اس کے سوا اور تو کوئی بھی الٰہ نہیں اسی نے محمد ﷺ پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا یہی کتاب اپنے سے پہلی تعلیم کی تصدیق کرتی ہے اس نے قبل ازیں تورات وانجیل کو نازل فرمایا کہ لوگوں کی راہنمائی ہو اسی نے قرآن اتارا۔''

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ ﴾ ❹

''وہی ہے جو انسان کی صورتیں ارحام میں اپنے منشا کے موافق بناتا ہے۔''

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ ﴾ ❺

''یہ کتاب اس اللہ نے اتاری جو قدرت اور علم والا ہے وہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے وہ توبہ قبول فرماتا ہے وہ سخت عذاب اور جود وعطا والا ہے۔''

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ ﴾ ❻

''تمہارے پروردگار کا فرمودہ ہے کہ مجھے پکارو مجھ سے مانگو، میں سنوں گا میں قبول کروں گا۔''

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ ﴾ ❼

''اللہ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے نفس کے لیے بنایا کہ تم اس میں آرام لو اور دن کو آنکھیں روشن کرنے والا بنایا، بیشک اللہ کے فضل واحسان انسان پر بہت ہیں۔''

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ ﴾ ❽

''اے لوگو! یہی اللہ ہے جو تمہاری پرورش کرنے والا ہے۔ وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔''

---

❶ ٢٠/ طٰہٰ:١٤۔ ❷ ٣/ آل عمران:١٨۔ ❸ ٣/ آل عمران:٢، ٣، ٤۔ ❹ ٣/ آل عمران:٦۔
❺ ٤٠/ المؤمن:٢، ٣۔ ❻ ٤٠/ المؤمن:٦٠۔ ❼ ٤٠/ المؤمن:٦١۔ ❽ ٤٠/ المؤمن:٦٢۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ ❶

’’اللہ ہی ہے جس نے تمہارے رہنے کو زمین بنائی اور آسمان کو خیمہ بنایا، اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تم کو خوبرو بنایا، اسی نے تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔لوگو! تمہارا پروردگار یہی تو ہے ہاں! اللہ بڑی برکتوں کا بخشنے والا ہے، وہی سب موجودہ اشیاء کا پالنے والا ہے وہی زندہ ہے وہی سب کا معبود ہے اور کوئی معبود نہیں لہٰذا تم اسی کی عبادت ساری سچائی کے ساتھ بالکل اسی کے بن کر کیا کرو۔خوبی اور کمال اور وصف و جمال کی سب اقسام کا مالک وہی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش فرماتا ہے۔‘‘

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ ﴾ ❷

’’انسان کے حواس ظاہری و باطنی اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور وہ جملہ قویٰ کا ادراک رکھتا ہے۔‘‘

﴿ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ﴾ ❸

’’اس کی مثال جیسی بھی کوئی شے نہیں وہ سمیع ہے اور بصیر ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملک ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور اندازہ کا دیتا ہے وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ ﴾ ❹

’’اللہ کے لیے کہاوتیں اور مثالیں نہ بیان کیا کرو۔‘‘

﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ ﴾ ❺

’’اللہ ہے وہی معبود ہے اور کوئی نہیں، وہی زندہ و پائندہ ہے اونگھ یا نیند کا اس پر اثر نہیں آسمان اور زمین اور ان کی سب چیزیں اسی کی ہیں کون ہے جو اس کے پاس شفاعت اذن کے بغیر کرے وہ سب کی اگلی پچھلی حالتوں کو جانتا ہے مگر مخلوق اس کے علم کا ذرا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔اس کا علم آسمانوں اور زمینوں سے فراخ تر ہے، وہ آسمان اور زمین کی حفاظت سے تھک نہیں جاتا وہ سب سے بالاتر ہے اور سب سے بزرگ تر ہے۔‘‘

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ ❻

---

❶ ٤٠/ المؤمن:٦٤، ٦٥۔ ❷ ٦/ الانعام:١٠٣۔ ❸ ٤٢/ الشوریٰ:١١، ١٢۔

❹ ١٦/ النحل:٧٤۔ ❺ ٢/ البقرة:٢٥٥۔ ❻ ١١٢/ الاخلاص:١، ٤۔

''بتادے کہ وہ اللہ ہے، اللہ ایک ہے اللہ سب کی حاجات کو پورا کرنے والا ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اس کی کفو کا کوئی بھی تو نہیں۔''

ناظرین! میں نے ان آیات کو جمع کر دیا ہے، اگر ان کے معانی اور فوائد پر کچھ تحریر کیا جائے تو اس کے لیے کتاب ضخیم درکار ہے۔تدبر کرنے والے کو پتہ لگ جائے گا کہ جو توحید اسلام سکھلاتا ہے اور قرآن پیش کرتا ہے وہ فلاسفروں کی توحید سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے، جو جوہر وعرض اور قدیم وحادث ہیولیٰ اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرضی اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق اس قدر منفی الفاظ بیان کیے جاتے ہیں کہ یقین اور ایمان کے لیے کوئی مثبت صفت باقی ہی نہیں رہتی۔ نیز اسلامی توحید اس اعتقاد تجسم سے بھی بالاتر ہے، جس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کو ایک مجسم شے بتاتے ہیں اور اس اعتقاد تنزیہ سے بھی اعلیٰ ہے جس میں نفی صفات کو تقدیس کہا جاتا ہے۔ آیات قرآنیہ سے عرفان صحیح حاصل ہوتا ہے اور اسی عرفان سے قلب سلیم نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔ وللہ الحمد

بیان توحید میں اسلام کا یہ اسلوب خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

فصل نمبر ۲

اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے

(۱) مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں جوہر یہ ہے کہ اس میں روحانیت موجود ہو، اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں تو اسے مذہب کہنا غلط ہے، بلکہ وہ ایک سوسائٹی جمعیت ہے دنیا میں جس قدر مذاہب قدیم پائے گئے ہیں۔ان میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ،جس نے روحانیت کی موجودگی کا دعویٰ نہ کیا ہو، عام اس سے کہ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح تھا۔ نیز قطع نظر اس سے کہ روحانیت کا مفہوم بھی درست سمجھا گیا یا نہیں۔

یہ مسلمہ ہے کہ انسان نام ہے روح وجسم کے مجموعہ کا۔ جسم کی ضروریات جسمانی اور مادی اشیاء میں پوری ہو جاتی ہیں، جن اشیاء کو ترفہ اور عیش، آسودگی وآرام، ناز ونعمت اور شادمانی ومسرت کے نام پر اہل دنیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جملہ اشیاء جسمانی ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے جو تلذز (لذت) حاصل ہوتا ہے۔ وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

لہٰذا قابل غور یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی ومسرت کی اشیاء کیا ہیں؟ اور کیونکر حاصل کی جاسکتی ہیں؟ اس عنوان کے تحت ان لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں، جو روح انسانی کے وجود سے منکر اور روحانیت سے قطعاً بے خبر ہیں، کیوں کہ ہمارا مقصود اسلام کو مذاہب عالم کے سامنے پیش کرنا ہے نہ کہ منکرین مذہب کے خیالات کی تنقید۔

(الف) گوتم بدھ نے روحانیات کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں کیا۔ وہ انسان یا روح انسان کے لیے صرف یہی اعلیٰ کمال تصور کرتا ہے کہ انسان دکھ سکھ کی بندشوں سے آزاد ہو جائے ،اس کی تعلیم پر گہرا غور کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سبق اخلاق انسانی کے بیان سے آگے نہیں بڑھا۔

(ب) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں توحید کا بیان موجود ہے اسی قدر جو ابتدائی مراتب ایمان کے لیے ضروری ہے۔ ان کی تعلیم میں ردِ شرک موجود ہے مگر اسی قدر جو شرک اعظم کے رد کے لیے ضروری ہے۔ بعد ازیں روحانیات کا ذکر نہیں کیا گیا، جس کی وجہ افراد امت کی پست فطرتی و دنیا طلبی تھی۔

(ج) داؤد علیہ السلام کی زبور میں باب مناجات کھولا گیا ہے۔ بندہ کو اللہ کے حضور میں تضرع و زاری کا طریق سکھلایا گیا ہے، لیکن ان مناجاتوں میں بھی نصرت اور فتح اور دشمن کی ہلاکت و خسران کو سب سے بڑا مدعا بنایا گیا ہے۔ اور چند مناجاتوں کے سوا باقی سب کی سب اسی رنگ میں رنگین ہیں۔

(د) سیدنا مسیح علیہ السلام نے آسمانی حکومت اور آسمانی بادشاہت کا لفظ سنایا۔ یہ الفاظ یقیناً روحانیت کے مظہر ہیں۔ حضور علیہ السلام نے سادہ دل سے اپنے خالق کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ذکر کیا، یہ خالص روحانیت کا سبق تھا، لیکن افسوس کہ سامعین کے عدم وجدان اور فقدان تحمل و برداشت کی وجہ سے اس نیک استاد کو بھی یہی کہنا پڑا کہ اس مضمون کی تکمیل ''روح الحق'' فرمائے گا۔ [1]

(۲) حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو ''الاحسان'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس مشہور و متواتر حدیث میں جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین نے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس لفظ کے معنی یہ بتلائے گئے ہیں:

((اَلْإِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ)) [2]

''احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پھر اس طرح کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

اس حدیث میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا۔

ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچائے کہ منظورِ نظرِ رحمت بن جائے۔

دوسرا بلند تر مقام یہ ہے کہ اس مقام پر تمکن حاصل کرے کہ انوار عرفان کا ناظر ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیت کا مقصود یہ ہے کہ رابطۂ قلب اور نسبت روح رب العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہو جائے اور اس مقصود کے حصول کا ذریعہ ''بندگی'' ہے۔ اس مقصود کی شرح اور حصول مقصود کی توضیح میں اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں دیگر مذاہب کے بیانات سوواں یا ہزارواں حصہ بھی نہیں سمجھے جا سکتے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ''اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔''

عبودیت

اسلام نے عبودیت کا بیان نہایت وضاحت سے کیا ہے کیوں کہ روحانیت کا محل اسی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔

بتایا کہ عبودیت کے مظہر قلب اور زبان اور جوارح ہیں۔ اب مختصری تفصیل سنو۔

---

[1] یوحنا، ۱۶، ۱۳ تا ۱۶۔ [2] بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان، حدیث: ۵۰؛ مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان ماھو؟ و بیان خصالہ، حدیث: ۹۳، ۹۷۔

الف: واجبات قلب پانچ ہیں۔

(۱) نیت: عادت وعبادت میں فرق کرنا نیت کا کام ہے۔

مراتب عبادت کا تفاوت قائم کرنا نیت کا کام ہے۔

(۲) اخلاص: اخلاص کا مدعا وحدت مطلوب ہے۔

(۳) صدق: اس کا مدعا وحدت طلب ہے۔

(۴) انابت: سعی کامل اور توجہ کامل کے ساتھ رجوع الی اللہ کا نام انابت ہے اور توبہ اسی کا پہلا زینہ ہے۔

(۵) محبت: حبۃ القلب (دانہ دل) کی آبیاری محبت ہی سے کی جاتی ہے اور یہی ایک دانہ پھلتا اور پھولتا ہوا سات سات بلیاں بن جاتا ہے اور ایک بلی میں سو سو دانے بن جاتے ہیں۔

(ب) واجبات زبان پانچ ہیں:

(۱) وحدانیت ورسالت کی شہادت۔

(۲) دوام ذکر

(۳) التزام دعا: کسی مدعائے خاص کے لیے دعا کرنا اور شے ہے اور فرائض عبودیت کی ادائیگی کے لیے دعا کو لازم بنالینا اور شے ہے، یہاں یہی صورت مقصود ہے۔

(۴) تبلیغ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لفظ کے اندر شامل ہیں۔

(۵) تعلیم: ناواقف کو بتانا، نادان کو دانا بنانا، علوم شرعیہ کا پھیلانا۔

(ج) واجبات جوارح کی پانچ قسمیں ان کی تفصیل غور سے دیکھو:

(۱) واجبات سمع: کلام اللہ اور حکم رسول اللہ پر کان لگانا نصیحت اور کلمۂ حق کو غور سے سننا۔

(۲) واجبات بصر: کائنات عالم کو عبرت وخبرت سے دیکھنا، بصارت وبصیرت سے کام لینا۔

(۳) واجبات ذوق: اکل حلال وحرام اور نشیلی چیزوں سے پرہیز۔

(۴) واجبات اعضاء: خضوع وخشوع۔

(۵) واجبات جسم: قلب کی اطاعت کرنا۔ ضمیر پاک کے خلاف کسی عضو سے کام نہ لینا۔ یہ سب پندرہ اقسام ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام عبودیت ہے۔

فنا وبقا

بیان روحانیت کے لیے ''فنا وبقا'' کی شرح بتلانا ضروری تھا۔

حدیث بالا میں جس اولین مقام ((فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے اسی کو اصطلاح صوفیہ میں مقام فنا کہتے ہیں۔

اس لفظ سے فنائے لغوی مراد نہیں، بلکہ فنا سے مراد ماسوا کا زائل کرنا ہے۔ اور انانیت سے غائب ہو کر شہود حق تک پہنچ جانا ہے۔

اسی فنا کے تحت میں توبہ، تذکر، ورع، زہد، اخبات، تبتل، خوف ورجا آ جاتا ہے۔

براہین بالا سے واضح ہے کہ اسلام مسئلہ توحید کے اثبات میں کائنات کے ایک ایک ذرہ کو انسان کے مشاہدہ اور غور و تفکر و تدبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام ذوق سلیم اور وجدان صحیح کی راہ پر علم اور عقل اور تجربہ اور مشاہدہ کی مصابیح کو روشن کرتا ہے اور پھر اس راہ کے سالک کو مندرجہ ذیل منازل کی سیر کراتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴾ ❶

''اور جو ہدایت یاب ہیں اللہ ان کی ہدایت کو بڑھاتا اور انہیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔''

﴿ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ ❷

''ہدایت والوں کو ہدایت میں ترقی پر ترقی دیتا ہے۔''

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ ❸

''ایمان والوں کے ایمان میں افزونی بخشتا ہے۔''

اور بعد ازاں منزل مقصود پر پہنچا کر یہ بشارت عظیمہ پہنچاتا ہے:

﴿ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ ❹

''اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کی طرف رجوع کر خوشی کے ساتھ اور بشارت کے ساتھ۔''

توحید کی ضد شرک ہے۔ ردِ شرک کے دلائل علیحدہ بیان فرمائے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴾ ❺

''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہوتا تو نہ زمین قائم رہتی نہ آسمان قائم رہتا۔''

فرمایا:

﴿ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ﴾ ❻

''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الٰہ بنا لیا ہے، ان سے کہہ دو کہ اس اعتقاد کے ثبوت میں کوئی برہان تو پیش کرو۔''

اسلام ہی بتاتا ہے کہ جملہ رسل کی اولین اور آخرین دعوت یہی کلمہ مبارکہ رہا ہے۔

﴿ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ﴾ ❼

''اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔''

---

❶ ٤٧/ محمد:١٧۔ ❷ ١٩/ مريم:٧٦۔ ❸ ٩/ التوبة:١٢٤۔

❹ ٨٩/ الفجر:٢٧، ٢٨۔ ❺ ٢١/ الانبياء:٢٢۔ ❻ ٢١/ الانبياء:٢٤۔ ❼ ٧/ الاعراف:٦٥۔

یہی وہ کلمہ مقدسہ ہے جو الوہیت رب العالمین کو دل میں قائم کر دیتا ہے اور یہی وہ کلمہ توحید ہے جو دل کو شرک غیر سے پاک و صاف بنا دیتا ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جو اثبات کو بقا عطا کرتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جو نفی کو فنا دکھلاتا ہے۔ اسی آیت کو اعراف میں چار بار، انعام میں دو بار اور آل عمران میں دہرایا گیا ہے۔

بیان توحید کے متعلق فرمایا گیا ہے:

﴿ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ❶

''ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والے ہست کرنے والے اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں۔''

اب کیا اس کے سوا اور کسی کو ولی و کارساز بنانے کی ضرورت رہ جاتی ہے، کیا کسی اور کو بھی دل کا مالک ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے، کیا میں ایسا کروں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

﴿ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ ❷

''ان سے پوچھو کہ اس رب کے سوا جو ہر ایک کی پرورش کرنے والا ہے کیا میں اور کی تلاش اپنا رب بنانے کے لیے کروں۔''

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ ❸

''وہ اللہ جس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں ہے اس کے ساتھ دوسرے کو مت پکارو۔ دیکھو ہر ایک شے موت اور ہلاکت اور فنا والی ہے، صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو موت اور فنا سے برتر ہے۔''

غیر اللہ کو پکارنے والے خواہ عیسیٰ مسیح اور عزیر نبی اور دیگر بزرگان کے پکارنے والے ہوں یا فرضی اور خیالی دیوتاؤں کے پکارنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں مابہ الامتیاز کیا ہے۔

وہ عیسائی جو تسلیم کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو پکڑا گیا، پھانسی پر لٹکایا گیا، قبر میں دفنایا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ مسلمان جو حسین رضی اللہ عنہ کی بابت تسلیم کرتا ہے کہ وہ کربلا کے دشت میں گرسنہ و تشنہ ذبح کیے گئے، ان کے پاک جسم کی ناپاک خبیثوں نے بے حرمتی کی، ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ کرشن مہاراج جس نے اپنی راج دھانی کو اپنی آنکھوں سے لٹتے اور اجڑتے دیکھا جس نے اسی اندوہ و غم میں اپنے آپ کو ہمالہ کی برف کا لقمہ بنایا، وہ بھی معبود نہیں ہو سکتا۔

جو سدھارتھ گوتم جو بدھ (بمعنی بیدار) کے نام سے روشناس ہوا اور جس کی لاش نیپال کی ترائی میں بمقام کسن آرا جلائی گئی اور اس لاش کی راکھ آٹھ مختلف مقامات میں تقسیم کی گئی اور ہر ایک جگہ یادگاری گنبد تیار کیے گئے کبھی بھگوان (لائق عبادت) اور آرہم

❶ ٦/ الانعام: ١٤۔ ❷ ٦/ الانعام: ١٦٤۔ ❸ ٢٨/ القصص: ٨٨۔

(ذات پاک) نہیں ہو سکتا۔ [1]

وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ۲۸ صفر ۱۱ھ ہجرت سے ۱۳ ربیع الاول تک بیمار رہے جنہوں نے ۱۳ کی سہ پہر کو انتقال اور رفیق اعلیٰ سے وصال فرمایا جو ۱۴ کو بعد مغرب لحد منور میں لٹائے گئے، جو شان علیا کے اعتبار سے امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں، علامت تدفین وقبر کی وجہ سے کبھی معبود و مسجود نہیں ہو سکتے، الغرض آیت بالا کے اس نشان واحد نے توحید کو نہایت مستحکم کر دیا ہے۔

رغبت تعظیم اور امر و نواہی، تصفیہ و تہذیب، استقامت، صبر، تفویض، ثقہ، تسلیم، اخلاص، تواضع، فقر و غنا، تاسف و حزن اغتراب، غیبت شامل ہیں۔

اور بقا کے تحت میں حیا، رضا، شکر، صدق، ایثار، فتوت، مروت، انبساط، ادب، انس، ذکر، علم، حکمت، تعظیم، سکینہ، طمانیت، غیرت، شوق، ذوق، شہود، سرور، تمکین، مکاشفہ، حیات بالعلم، حیات بالوجود، بسط، صحو، معرفت، یقین، صدق، تحقیق شامل ہیں۔ [2]

ان مقامات کی تعریف اور احوال کی تفصیل اور نفس وقلب و روح انسانی کے ساتھ ان کے ارتباط اور نتائج ارتباط اور ثمرات نتائج بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور بایں ہمہ علماً وعملاً ان کی ماہیات لفاظی سے برتر اور احوال سے متعلق ہیں۔ اس مجمل ذکر سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جس مذہب میں روحانیت کا اس قدر ذخیرہ وافر موجود ہے اسی کو روحانی مذہب کہلانے کی شان حاصل ہے۔

میں نے دقیق مبحث چھوڑ دیے ہیں اور اس مختصر بیان ہی سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ روحانیت کے بیان میں اسلام ہی کو درجۂ خاص حاصل ہے۔

فصل نمبر ۳

اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْأَعْمَالِ))

''میں بزرگ ترین اخلاق اور نیکوترین اعمال کی تکمیل کے لیے نبی بنایا گیا ہوں۔''

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاق رذیلہ کے منبع چار ہیں:

جہل، ظلم، شہوت، غضب۔

---

[1] بدھ مذہب کا ہر ایک شخص بدھ کی مورتی کے سامنے پھول چڑھاتا ہے اور بدھ کی صفت وثنا میں ایک منتر پالی زبان کا پڑھتا ہے، جس میں قریباً ۱۵ الفظ بدھ کے ثنا کے ہیں۔ بھگوا۔ آرہم بھی انہی الفاظ میں سے ہے۔ [2] فنا و بقا کے تحت میں جن مقامات کا ذکر تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے الفاظ سے یہ اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے مراد صرف لغوی معانی ہیں بلکہ علم الاحسان (تصوف اسلامی) کے یہ وہ مصطلحات ہیں جن کے مفہوم ومعانی سے اس علم کے علماء ماہرین بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اسے ان الفاظ کا ثبوت اور استنباط ہوتا ہے۔

(۱) تاثیرات جہل میں سے ہے کہ اچھی شے کو بری اور بری شے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھلاتا ہے۔

یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۝ ﴾ ❶

''اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔''

(۲) تاثیرات ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔

خوشنودی کے مقام پر خفگی، سخاوت کے مقام پر بخل، بخل کے مقام پر بذل، نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقام انکسار پر تکبر اور مقام وقار پر انکسار، یعنی حقوق کا غلط استعمال اور غلط استعمال پر دعویٰ استحقاق۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۝ ﴾ ❷ حقوق الٰہی کا غصب کرنا اور ان حقوق کا استعمال دوسرے کے لیے جائز سمجھنا بزرگ ترین ظلم ہے۔

(۳) تاثیرات شہوت میں سے ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے۔ حصہ غیر پر حملہ کیا جاتا ہے وقار نفس اور پارسائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے: ((أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ)) ❸ اللہ نے ہر ایک حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔

فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۝ ﴾ ❹

''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت بری سڑک ہے۔''

(۴) تاثیر غضب سے تکبر، کینہ، حسد، بغاوت اور سفاہت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائی جائے حضور ﷺ نے ہر دفعہ اسے یہی جواب دیا: غیظ وغضب سے دور رہو۔

اسلام نے بتایا کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں:

صبر، عفت، شجاعت، عدل۔

(۱) صبر کے نتائج ہیں: برداشت، مصائب، غصہ پی جانا، عدم ایذا دہی، بردباری، خاکساری، گھبراہٹ کا نہ ہونا، حملہ نہ کرنا۔

صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے (۹۰) مقامات پر ہے اور ان مقامات پر صبر کرو۔ سولہ اصناف پر بیان کیا گیا ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔

(۲) عفت کے نتائج: رذائل وقبائح سے اجتناب، قولاً وفعلاً پاکیزگی، عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔

---

❶ ۱۲/ یوسف:۳۳۔ ❷ ۳۱/ لقمان:۱۳۔

❸ مسند احمد:٤/ ۱۸۷، حدیث:۱۷۵۹٦۔ ❹ ۱۷/ بنی اسرائیل:۳۲۔

عفت سے جھوٹ، بخل اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔

(۳) شجاعت کے نتائج ہیں: آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، برترین اخلاق کا جویا رہنا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے دور رہنا، اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا۔ حدیث پاک میں ہے:

((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) ❶

''پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے۔ پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔''

(۴) عدل کے نتائج میں اعتدال اخلاق اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کر لینا۔

عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اسے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اسے کہتے ہیں، جو جبن اور تہور کا وسط ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حلم یہ ہے کہ تکبر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کے بیان میں کس قدر زیادہ حصہ لیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾ ❷

''معافی و درگزر کو عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔''

حدیث پاک میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ)) ❸

''اچھے خلق ہی کا نام ''نیکی'' ہے۔''

صحیحین میں ہے:

((إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا)) ❹

''نیک اور بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔''

ترمذی و ابوداود نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ. وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ)). ❺

''قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خلق ہوگا اس سے بڑھ کر اور کوئی شے

---

❶ بخاري، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث: ٦١١٤۔ ❷ ٧/ الاعراف: ١٩٩۔

❸ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تفسير البر والاثم، حديث: ٦٥١٦۔ ❹ بخاري، كتاب الأدب، باب حسن الخلق، حديث: ٦٠٣٥؛ مسلم، كتاب الفضائل، باب كثرة حيائه، حديث: ٦٠٣٣۔ ❺ ترمذي، ابواب البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث: ٢٠٠٢؛ ابوداود، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: ٤٧٩٩۔

بھاری نہ ہوگی اللہ تعالیٰ ہر ایک بے حیا بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔''

ترمذی میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا وَّإِنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ)). [1]

''قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا، جو اچھے اخلاق والا ہے مگر چبا چبا کر باتیں بنانے والے، خوش کلامی جتانے والے اپنی خوش گپی سے دوسروں کو تھکا دینے والے مجھے ناپسند ہوں گے اور دربار میں دور تر بھی ہوں گے۔''

صحیح ترمذی کی روایت میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ)) [2]

''اچھے خلق والا اس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے جو نفلی عبادت اور نفلی روزے رکھنے والے کا ہوتا ہے۔''

ان احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تکمیل ایمان اور قرب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پسندیدگی مالک کے مدارج کا دارومدار اخلاق حسنہ ہے۔

اخلاق حسنہ کے بیان میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے اور ابنائے جنس سے بھی اور رب العالمین کے ساتھ بھی۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان تہذیب اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

ابنائے جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی کو برداشت کرے، مگر خود انہیں ایذا رسانی کا ارادہ نہ کرے۔

رب العالمین کے ساتھ حسن خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ تیرے اور رب العالمین کے درمیان ہے اسے موجب شکر قرار دے اور احکام یا افعال الٰہی کے بارے میں کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو۔

شیخ الاولیاء، سند الاصفیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: كُنْ مَعَ الْحَقِّ بِلَا خَلْقٍ وَمَعَ الْخَلْقِ بِلَا نَفْسٍ۔ اللہ کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہیے کہ تیرے نفس کا اس میں کچھ حصہ نہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاق حسنہ جن کی تکمیل اسلام نے قولاً و فعلاً فرمائی ہے۔

تھوڑی سی تفصیل اور بھی سن لیجیے۔

(الف) اسلام فقراء و مساکین کا حصہ مالِ زکوٰۃ میں واجب ٹھہراتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اس صفت کی کل آمدنی کا آٹھواں

---

[1] ترمذی، ابواب البر و الصلة، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، حدیث:۲۰۱۸۔

[2] ترمذی، ابواب البر و الصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث:۲۰۰۳۔

حصہ ان کو ضرور مل جانا چاہئے۔

(ب) مالِ غنیمت کے خمس میں سے مساکین و یتامیٰ کا پانچواں حصہ لابدی ہے۔

(ج) آمدنی فے میں بھی کل کا ایک خمس مساکین و یتامیٰ کا حصہ ہے۔

(د) ابنائے سبیل بھی ان ہر سہ ابواب سے حصہ یاب ہوتے ہیں اور اس انتظام سے کل عالمِ اسلام مسافر کے لیے اپنا گھر بن جاتا ہے۔

(ہ) قرض داروں اور قرض کے تحت میں زیر بار لوگوں کی رہائی کا انتظام سلطنت اسلامی پر ڈالا گیا ہے۔

(و) غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ خاص طور پر علیحدہ کیا گیا ہے، اور بعد ازاں اسی صیغہ میں چندہ دہی کو ضروری ولابدی قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی مذہب نے فقراء و مساکین اور یتامیٰ و ایامیٰ اور غلامان و مقروضین کے لیے سلطنت کے بجٹ میں مستقل رقوم درج کرنے کے احکام دیئے ہوں تو ان کی نظیر پیش ہونی چاہئے۔

(الف) اسلام پابندی معاہدات کو نہایت ہی زور کے ساتھ محکم فرماتا ہے اور فریق معاہد کی معاہدہ شکنی کے بعد بھی اگر الٹی میٹم کی نوبت آ جائے تو دشمن کو چار ماہ کی مہلت عطا فرماتا ہے۔

(ب) اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور پر ہی نہیں دیتا ہے، بلکہ جوارح و اعضا کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کرو۔

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ﴾ [1]

''اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے (ابنائے جنس کے مقابلہ میں) فحش بے حیائی کی سب قسموں کو جن کا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو اور شرک جس کی کوئی دلیل نہیں۔''

(خود اپنے مقابلہ میں) گناہ کی جملہ اقسام (سلطنت کے مقابلہ میں) بغاوت سرکشی (اللہ کے مقابلہ میں) بے علمی کے ساتھ باتیں بنانا۔

حکم ثانی سنو:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [2]

''اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک اللہ جن چیزوں کے کرنے سے روکتا ہے وہ یہ ہیں: سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔''

تیسرا حکم:

﴿ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ [3]

---

[1] ۷/ الاعراف:۳۳۔ [2] ۱۶/ النحل:۹۰۔ [3] ۴/ النساء:۳۶۔

''مندرجہ ذیل اشخاص کے ساتھ احسان کیا کرو۔

① والدین۔ ② یتامیٰ۔ ③ مساکین۔ ④ ساتھ لگتا ہمسایہ۔ ⑤ دور کا ہمسایہ۔ ⑥ تمہاری رفاقت میں رہنے والا۔ ⑦ مسافر۔ ⑧ لونڈی، غلام۔''

صحیح بخاری میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ مامون نہیں وہ صاحب ایمان ہی نہیں۔ [1]

صحیح بخاری میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ کو چین نہیں، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے:

((أَلسَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ)). [2]

''بیوہ عورتوں اور مسکین لوگوں کے کام کاج کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے۔''

صحیح بخاری میں بروایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہے:

((أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا)). [3]

''جنت میں میں اور یتیم کی خبر لینے والا ایسے ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں (شہادت اور درمیانی انگلیوں میں ذرا سا فرق دکھلا کر سمجھایا کہ اس طرح)۔''

ابوداود میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا:

((أَلصَّلٰوةُ أَلصَّلٰوةُ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ)). [4]

''نماز، نماز، اور لونڈی غلاموں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝﴾ [5]

''۱: غرور میں آ کر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کیا کرو۔

۲: زمین پر اکڑ کر نہ چل۔

۳: اللہ تو ہر ایک چالباز فخر کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا۔

۴: اپنی رفتار میں میانہ روی رکھ۔

۵: اپنی آواز کو پست و نرم رکھ۔

---

[1] بخاري، كتاب الأدب، باب الاثم من لا يأمن جاره بوائقه، حديث: ٦٠١٦۔ [2] بخاري، كتاب الأدب، باب الساعي على المسكين، حديث: ٦٠٠٧؛ مسلم، كتاب الزهد، باب فضل الاحسان الى الأرملة، حديث: ٧٤٦٨۔

[3] بخاري، كتاب الطلاق، باب اللعان، حديث: ٥٣٠٤۔ [4] ابوداود، كتاب الأدب، باب في حق المملوك، حديث: ٥١٥٦۔ [5] ٣١/ لقمان: ١٨، ١٩۔

۲: دیکھ آوازوں میں سخت ودرشت آواز تو گدھے کی ہے۔"

قوم اور ملک کے متعلق اخلاق:

۱: ﴿ وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ ﴾ ❶

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں۔تب سب مل کر ان دونوں میں صلح کرا دیں۔''

۲: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ ﴾ ❷

''اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے، شاید وہی ان سے اچھی ہو۔ نہ عورتیں عورتوں سے ٹھٹھا کریں، شاید وہی ان سے اچھی ہوں۔تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا برا لقب تجویز کرو۔''

۳: ﴿ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ ﴾ ❸

''بچو بہت گمانوں سے کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔اور کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی چغلی کیا کرو۔''

غیر مذاہب والوں سے سلوک:

۱: ﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ ❹

''جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے ساتھ نہ تو دین کے لیے جنگ کی ہے اور نہ تم کو خارج از وطن کیا، ان سے نیکی کرنے اور صحیح صحیح انصاف کرنے میں تم کو اللہ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے پیار رکھتا ہے۔''

۲: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ ﴾ ❺

''اللہ کا حکم تمہارے لیے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسی کو ادا کرو۔اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔''

ایسے احکام بیسیوں ہیں اور یہ وہ اخلاق ہیں جن پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھلایا اور جن کی تعلیم انہوں نے علماً اور عملاً ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔

اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا دکھلاتے ہیں۔اہل نظر خود آنکھ کھول کر دیکھ لیں۔

---

❶ ۴۹/ الحجرات:۹۔ ❷ ۴۹/ الحجرات:۱۱۔ ❸ ۴۹/ الحجرات:۱۲۔

❹ ۶۰/ الممتحنۃ:۸۔ ❺ ۴/ النساء:۵۸۔

فصل نمبر ۴

اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کر دیا

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔

(۱) آدم نے گناہ کیا اور اسکی تمام نسل اسی گناہ سے آلودہ ہے۔

(۲) خدا کے رحم نے چاہا کہ لوگوں کو گناہ سے پاک ٹھہرائے لیکن خدا کے عدل نے چاہا کہ گناہ کا خمیازہ ضرور اٹھانا ہوگا۔

خدا نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا، وہ لعنتی ٹھہرا، جہنم میں گیا۔ دکھ درد اور عذاب اپنے اوپر برداشت کیے اور وہ گناہگاروں کا کفارہ بنا۔ اس طرح عدل پورا ہو گیا۔ رحمِ خدا نے تب گناہگاروں کو معاف کر دیا۔

اسلام نے ہر دو اصولِ بالا کی صحت فرمائی۔

(الف) گناہ آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ توبہ کی وجہ سے آدم کو معافی مل گئی تھی اور آدم گناہ سے پاک ٹھہرے تھے۔ لہٰذا بنی آدم کو گناہ کا ورثہ ملنا قطعاً غلط ہے۔

۱: ﴿ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴾ ❶

''آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ ان کلمات کی وجہ سے اللہ نے ان پر رجوع کیا، اللہ تو بہت رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

۲: ﴿ ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدٰى ﴾ ❷

''پھر رب نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اس پر توجہ فرمائی اور اسے راہ دکھائی۔''

(ب) عدل و رحم کے متعلق اسلام نے بتلایا کہ بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے سزا دینا سراسر ظلم ہے، اس لیے پاکباز مسیح علیہ السلام کا لعنتی ہو کر جہنم میں جانا بھی غلط ہے۔

علیٰ ہذا گناہگاروں پر رحم کی غرض سے کسی بے گناہ کو عذاب دینا بھی رحم کے قطعاً خلاف ہے۔

۱: حقوق اللہ جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے متعلق مکمل رحم اور پوری رافت و شفقت سے کام لیتا ہے۔

۲: حقوق العباد، بندوں کے حقوق پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیتا ہے۔ اس مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ)) ❸

''شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں مگر قرضہ نہیں۔''

---

❶ ۲/ البقرۃ:۳۷۔ ❷ ۲۰/ طٰہٰ:۱۲۲۔

❸ مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ، حدیث:۴۸۸۳۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر ایک تقسیم کا رحم اور عدل کے تحت میں فیصلہ ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اسلام ہی نے صادر کیا ہے۔

ورنہ موجودہ عیسائیت نے یا آواگون کے چکر میں گھومنے والوں نے تو اس مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابل حل ہی بنادیا تھا۔

کریم اہنسا کا مسئلہ پرمیشر کو رحم سے معرا ٹھہراتا تھا اور کفارہ کا مسئلہ عدل کے منافی تھا۔ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدالِ حقیقی کی سڑک قائم فرما دی۔

فصل نمبر ۵

اسلام ہی علم اور علما کا حامی ہے

موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان یا شرافت علمی کے دلائل بیان کرنا تحصیل لا حاصل ہے کیونکہ اس زمانہ میں تمام عالم کے جملہ ممالک اور اقوام نے علماً و عملاً تسلیم کر لیا ہے کہ علم کے برابر کسی اور صفت انسانی کا درجہ نہیں لیکن جس زمانہ میں اسلام کا آغاز عرب و حجاز میں ہوا۔ اس وقت تمام دنیا فضیلت علمی کے راز سے بالکل جاہل و غافل تھی۔

عرب تو نوشت و خواند سے بھی معرّا و مبرّا تھا۔ اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا، جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی وہ بھی صرف بائیبل کے حروف کے سیکھ لینے تک محدود تھی۔ اس کے ساتھ ترجمہ و تفسیر شامل نہ تھے، یا ان بے سروپا داستانوں کو علم حقیقی کا درجہ دیا گیا تھا جو یہودیوں میں کبھی بطور ناول لکھی گئی تھیں اور پھر ان کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

ہندوستان پر شریمد بھاگوت اور ۱۸ پرانوں کی حکومت تھی، بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہا بھارت اور رامائن کے قصے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے۔

یہی حال چین اور ایران کا تھا، یورپ قطعاً جہالت کدہ تھا۔

اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علما کا مامن و ملجا بنا۔

۲: دیوتاؤں اور فرشتوں کی برتری سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور انسان کو ہمیشہ ان کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

مگر اسلام نے بتایا کہ ابوالبشر تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا بھی مسجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر صفتِ علمیہ میں ان سے بڑھ گیا تھا، وہ بیان جو سورۂ بقرہ میں موجود ہے، اس کا مقصود علم ہی کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے۔

اب آیت ﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ [1] کی تفسیر پر غور کرو کہ وہ کتا جو نجس العین ہے، تعلیم و تعلم کے بعد شکار کرنے میں جارحہ انسانی کا منصب حاصل کر لیتا ہے اور اس کا شکار خود انسان کے شکار کا حکم دیتا ہے۔

---

[1] ٥/ المائدۃ: ٤۔

جب ان دونوں مثالوں پر غور کیا جائے گا کہ اسلام نے تعلیم کی وجہ سے شکاری کتے کو درجہ جارحہ انسانی کے مساوی تسلیم کر لیا اور انسان کا مسجود ہونا بوجہ افزونی علم قرار دیا تو ہر ایک شخص سمجھ سکے گا کہ اسلام کس قدر زیادہ علم کی فضیلت کا مظہر ہے۔

ہاں قرآن پاک میں ہے:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾ ❶

''اللہ درجات بلند فرماتا ہے، ان کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں، اور ان کے جن کو علم ملا ہے۔''

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔

یہ قرآن مجید ہی ہے جس کی وحی کے ابتدائی فقرات میں یہ کلمات طیبات موجود ہیں:

﴿ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ ﴾ ❷

''پڑھ اور تیرا رب تو بڑے کرم والا ہے، اسی نے قلم کے ذریعہ علم کی تعلیم دی ہے، اس نے انسان کو ان علوم کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔''

غور کرو، پڑھنے کی تاکید اور قلم کو نشرِ علوم کا ذریعہ بنانے کا بیان، انسان کا قابل تعلیم ہونا، انسان کا نامعلوم علوم کی تعلیم سے مشرف ہوتے رہنا کیسے اسلوب پاک میں بیان فرمایا گیا، اور قراءت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد کس طرح انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض انبیاء کی دعائیں خاص خاص رنگ میں تھیں۔ مثلاً دعائے نوح علیہ السلام ہے:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ ﴾ ❸

''اے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا اور مؤمن مردوں اور مومن عورتوں کو۔''

دعائے ابراہیم علیہ السلام ہے:

﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ ﴾ ❹

''مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائیں۔''

دعائے سلیمان علیہ السلام:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ ﴾ ❺

''اے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایان نہ ہو۔''

دعائے زکریا علیہ السلام:

---

❶ ۵۸/ المجادلة:۱۱۔ ❷ ۹۶/ العلق:۳تا۵۔ ❸ ۷۱/ نوح :۲۸۔

❹ ۱۴/ ابراھیم :۳۵۔ ❺ ۳۸/ صٓ:۳۵۔

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ ❶

''اے رب مجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما۔''

لیکن سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو خلاصہ موجودات اور سرورِ کائنات ہیں کی دعا سب سے الگ اور سب سے جامع تر تھی۔ وہ دعا یہ ہے:

﴿ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾ ❷

''اے رب! مجھے علم میں افزونی عطا فرما۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کے خطابات اور القاب عالیہ مثلاً خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور انہی کے پہلو بہ پہلو حضور کی توصیف ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے:

﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ ❸

''وہ کتاب اور حکمت کا معلم ہے، وہ ان علوم کا معلم ہے جسے انسان نہ جانتے تھے۔''

ہر دو آیات سے علم کی فضیلت بخوبی نمایاں ہے۔

بیشک اسلام ہی ہے، جس نے علوم کی عام تعلیم دی ہے اور اسلام ہی ہے جس نے ﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ ﴾ ❹ اور انصار و مہاجرین کے علوم کو نو مسلم اور مفتوحہ ممالک میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ نظائر ذیل پر غور کرو۔

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب الصحیح ہیں، اور ان کی کتاب کا صحاح ستہ میں سب سے اول درجہ ہے۔ یہ بخارا کے باشندے ہیں۔ ان کے نسب میں مغیرہ پہلا شخص ہے جو داخل اسلام ہوا۔

امام ہمام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس سے ہیں اور انکے دادا ہی داخل اسلام ہوئے تھے۔

سیبویہ اور بوعلی اور زجاج جو ائمہ لغت ونحو ہیں، عربی النسل نہیں۔

امام اللغہ اسمٰعیل بن محمد جوہری اور استاد مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عرب کے باشندے نہیں۔

ابوالفرج جس کی تصانیف عربی زبان میں خوب مشہور ہیں، مالٹا کا باشندہ ہے۔

ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کا موجد ہے، تیونس میں پیدا ہوا تھا۔

مورخ الشہیر برہان الدین موصل کے ہیں۔

مقریزی بعلبک میں پیدا ہوا تھا۔ امام مسلم صاحب الصحیح اور امام ابوداؤد، صاحب السنن گو نسلاً عرب ہیں، مگر وطن ان کا عرب نہ تھا۔ ان نظائر سے واضح ہے کہ یہ اسلام ہی کی علم نوازی ہے کہ اس نے بدو ظہور سے ہر ایک قوم پر ابواب علم کو کشادہ کر دیا تھا اور اندرون ہندوستان سے لے کر انتہائے سوڈان تک اور بلادِ خراسان سے لے کر سرحد مراکش تک درسِ علمیہ کا افتتاح خیر القرون ہی

❶ ۳/ آل عمران:۳۸۔ ❷ ۳/ آل عمران:۳۸۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۱۵۱۔ ❹ ۹/ التوبۃ:۱۰۰۔

میں ہو گیا تھا۔ انبیا علیہم السلام کو جو شرف و کرامت جملہ مخلوق الٰہی پر حاصل ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ يَاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ ❶

''اے باپ مجھے علم حاصل ہو گیا ہے۔''

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ ﴾ ❷

''داود اور سلیمان کو ہم نے علم عطا فرمایا تھا۔''

﴿ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ ﴾ ❸

''یعقوب علم والا تھا ہم نے اسے علم سکھایا تھا۔''

لوگ طلب علم کی تاکید کے ثبوت میں اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ۔ ❹ پڑھا کرتے ہیں ان الفاظ کا نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہونا تو قطعاً غلط ہے، مگر قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ کا واقعہ موجود ہے۔ یہ اولوالعزم رسول اور صاحب کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ایک دوسرے نبی (خضر) علیہ السلام کے پاس پہنچے تھے اور ﴿ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ ❺ کے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا کہ جو آپ کو معلوم ہے، میں اسے سیکھنے کو آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے ثبوت میں علما کو بھی پیش کیا ہے، جیسا کہ اس مسئلہ کو اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ ❻

''اللہ نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں، ملائکہ اور صاحبان علم کی شہادت بھی یہی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدیہ ﷺ کے ثبوت میں علمائے اہل کتاب کی شہادت کو بھی پیش کیا ہے:

۱: ﴿ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ❼

''کیا ان کے لیے یہی نشانی کافی نہیں کہ علمائے بنی اسرائیل کو اس کا علم ہے۔''

۲: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴾ ❽

''کافر کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں، کہہ دے کہ خدا مجھ میں اور تم میں شہید ہے اور وہ شخص بھی گواہ ہے جس کے پاس تورات و انجیل کا علم ہے۔''

دلائل اسلام جس طرح مبنی بر علم ہیں اسی طرح ان کا مطالبہ بھی ادیان دیگر سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے دعاوی کو بروئے علم

---

❶ ۱۹/ مریم:۴۳۔ ❷ ۲۷/ النمل:۱۵۔ ❸ ۱۲/ یوسف:۶۸۔ ❹ ضعیف الجامع الصغیر، حدیث:۹۰۶۔
❺ ۱۸/ الکھف:۶۶۔ ❻ ۳/ آل عمران:۱۸۔ ❼ ۲۶/ الشعراء:۱۹۷۔ ❽ ۱۳/ الرعد:۴۳۔

ثابت کریں:

۱: ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ ❶

''ان سے پوچھئے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے تو اسے ہمارے لیے پیش تو کرو۔''

۲: ﴿نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ ❷

''اگر تم سچے ہو تو مجھے کسی علم سے یہ بات بتاؤ۔''

کج بحثی کرنے والوں پر بھی اسلام کا یہی اعتراض ہے کہ وہ علم کے بغیر باتیں بناتے ہیں:

۱: ﴿فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ❸

''جس چیز کا علم نہیں اس میں کج بحثی کیوں کرتے ہو؟''

۲: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ ❹

''اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھ کو علم نہیں، بیشک کان، آنکھ، دل (یہ سب) اس کی بابت پوچھے جائیں گے۔''

ان آیات واحکامات کی تعمیل میں علم برداران اسلام یعنی اسلاف کرام نے جو کچھ کیا آج تمام یورپ اس کا شاہد ہے۔

سلطنت عباسیہ بغداد میں اور سلطنت امویہ اندلس میں اور سلطنت فاطمیہ مصر میں جن دنوں قائم تھیں ان میں تنافس باہمی صرف ترقی علم اور حمایت علما کی بابت پایا جاتا ہے ہر ایک کی سعی وکوشش یہ تھی کہ اسی کی سلطنت سب سے بڑھ کر مربی علم وعلما ثابت ہو، سمرقند کی رصدگاہ اندلس کی رصدگاہ کے مقابلہ میں موجود تھی۔

بغداد نے علوم وفنون کو ہند اور چین اور تاتار تک پھیلا دیا تھا تو اندلس نے اٹلی وفرانس اور جرمنی کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔

سلاطین اسلام کے دربار میں یہودی، عیسائی، ہندو، مصری، چینی، یونانی، فلاسفر اسی طرح احترام کے ساتھ پرورش پا رہے تھے جس طرح حجازی، حضرمی، یمنی اور فرزندان مہاجر وانصار۔ علوم منقول اور ادب ونحو کے ساتھ ساتھ علوم ریاضیہ، فلسفہ، ہیئت کا رواج تھا۔

مشرق ومغرب وافریقہ میں مدارس عام کھلے تھے اور ہر ایک مدرسہ کے ساتھ کتب خانے اور دارالقیام بنے ہوئے تھے بغداد میں وزیر نظام الملک کا بنایا ہوا مدرسہ نظامیہ وہ تھا، جس میں چھ ہزار طالب علموں کی خوراک کا انتظام منجانب مدرسہ کیا جاتا تھا، اسی سے دیگر مدارس کا اندازہ لگاؤ۔

اسلام نے علوم کو جس خصوصیت سے خلائق کے سامنے روشناس کیا ہے وہ ایسا طریق ہے جس سے اقوام ماضیہ قطعاً بے علم رہی ہیں۔

اسلام علوم کو دو اقسام پر تقسیم کرتا ہے:

---

❶ ٦/ الانعام:١٤٨۔ ❷ ٦/ الانعام:١٤٣۔ ❸ ٣/ آل عمران:٦٦۔ ❹ ١٧/ بنی اسرائیل:٣٦۔

(الف) جلی، اور اس کے حصول کے تین ذرائع ہیں:

۱: بصر، وہ جملہ علوم جو معائینہ واکتشافات سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲: سمع، وہ جملہ علوم جو استفاضہ پر مبنی ہیں۔

۳: قلب وہ جملہ علوم جو تجارب انسانی کا مجموعہ ہیں۔

(ب) خفی اور اس کے حصول کے بھی تین ذرائع ہیں:

۱: ایمان، جو جز و معلوم سے جز و نا معلوم کا تیقن دلاتا ہے۔

۲: فراست صادقہ، جو حواس عشرہ کے بعد امور مخفی کے راز پر مطلع ہوتی ہے۔

۳: معرفت جس کا آغاز مادیات کے انجام سے ہوتا ہے۔

اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں اور خالصتاً وہبی ہے اسے علم لدنی کہا جاتا ہے۔اور یہ انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔

اس علم کا متعلم مبدائے فیاض کی رحمت خاصہ سے سبق لیتا ہے اور اس کا علم جملہ علوم و براہین کا سلطان ہوتا ہے، اسی علم کے سایہ میں:

عبودیت،

متابعت،

صدق،

کو کمال حاصل ہوتا ہے اور اسی کمال کا نتیجہ نفی دعویٰ ہے۔

اسی علم کا عالم اگر کوئی فعل سرانجام دیتا ہے ﴿ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ﴾ ❶ کو وجہ موجہ قرار دیتا ہے۔اسی علم کا عالم جملہ علوم پر نطق ہمایوں سے کلام کرتا ہے۔اور ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ ❷ کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

فریفتگانِ مادہ اب تک نہ مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں آئی۔

لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور ﴿ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ ❸ بتاتا ہے۔وہ عالم خلق سے بالاتر ایک اور عالمِ امر کے حقائق سے مطلع ہو جاتا ہے اور ان حقائق کی تعلیم سے چشم بصیرت کو روشن بنا دیتا ہے اور غیر محسوس کو معلوم کے دریچہ میں بٹھا دیتا ہے۔

اس تمام مبحث پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی دین العلم ہے اور اسلام ہی حامی العلم ہے۔

تذئیل

اسلام کے حامی العلما ہونے کا مضمون ان نظائر سے مکمل ہو جاتا ہے، جن سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے جن کے

---

❶ ۱۸/ الکھف:۸۲۔ ❷ ۵۳/ النجم:۳، ٤۔ ❸ ۱۷/ بنی اسرائیل:۸۵۔

وجود کے ساتھ دینی شان کا نشان بھی مشہور تھا۔ ان علما کی بھی نگہداشت فرمائی تھی جو غیر مسلم تھے۔

منصور عباسی

علوم القرآن والحدیث کا زبردست عالم تھا اس کے دربار میں جیورجیش بن بختیشوع اور جیسی بن شہلا ثار ہر دو عیسائی یکے بعد دیگرے طبیب خاص کے منصب پر مامور تھے نوبخت اور ابو سہل (ہر دو پارسی) بلند ترین جاہ پر متمکن تھے۔

مہدی کے دربار میں، تیوفیل لینائی (مذہباً صابی) بڑے افسروں میں سے تھا۔

ہارون رشید کے دربار میں بختیشوع اور جبریل (عیسائی) اعلیٰ منصب دار تھے۔

یوحنا بن مانسوریہ سریانی محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر تھا۔

مامون کے دربار میں بطریق یوحنا اور سہل بن سابور (ہر دو عیسائی) اعلیٰ مناصب پر تھے۔

معتصم کا طبیب خاص سلمویہ بن بنان نصرانی طبیب خاص تھا۔

متوکل کے دربار میں، حسنین بن اسحٰق نصرانی کا منصب بالاتر تھا، وہ جتنے اوراق، دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے پیش کرتا تھا ان کے برابر طلائے ناب اسے وزن کر دیا جاتا تھا، ماہانہ مشاہرہ اور سالانہ انعامات اس کے علاوہ ہوتے تھے۔

راضی باللہ کے دربار میں، طیفوری نصرانی، متی بن یونس نطوری (گرجا کا بشپ) بھی تھا۔

معتمد کے دربار میں، ابراہیم وسنان فرزندان ثابت بن مرہ اور ابوالحسن حفید ثبات (مذہباً صابی) بہت معتمد علیہ تھے۔

قسط بعلبکی اور یحیٰی بن عدی بن حمید (ہر دو نصرانی) بھی دربار خلافت میں محسودانہ وقار رکھتے تھے الغرض یہ فہرست بہت لمبی ہے۔

اب تلاش کرو کہ کسی مسیحی سلطنت یا کسی اور غیر مسلم سلطنت وحکومت میں بھی کسی مسلم عالم کی یہ قدر یہ وقعت، یہ عزت کبھی کی گئی ہے۔

ہاں اس کے برعکس ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ ابن رشد مسلم فلاسفر کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے جرم میں ۲۰ مارچ ۱۴۵۲ء میں یہودیوں کو اسپانیا سے خارج کیا گیا (اور فروری ۲۰ ۱۵۰۲ء میں اشبیلیہ اور ماخول کے مسلمانوں کو بھی نشرِ علوم کے جرم میں وطن مالوفہ سے جبراً نکال دیا گیا۔)

نظائرِ بالا سے شاید کسی شخص کا گمان ادھر منتقل ہو جائے کہ یہود و مسلمین کا اخراج غالباً تعصب قومی کی بنیاد پر ہوا ہوگا اور نفس علوم کے ساتھ تعصب وعادات کا اس میں دخل نہ ہوگا۔ لہٰذا ہم امثلہ ذیل پیش کریں گے کہ خود عیسائیوں کے علما کے ساتھ بھی علوم معقول کی اشاعت یا اکتشافات علیہ کے اعلان کے بعد یہی سلوک کیا گیا تھا۔

پروفیسر برونو نے مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا۔ اسے قید کر دیا گیا اور ۱۶۰۰ء میں حبس طویل کے بعد زندہ جلا دیا گیا۔ کرویت ارض کے مسئلہ پر یورپ میں بہت خونریزی ہوئی۔

پروفیسر غالیلی نے کہہ دیا تھا کہ حرکات نجوم بہت باقاعدہ ہیں۔ یہی مقولہ اس کی ہلاکت کا موجب ہوا۔ خاتون ماری مونتا

۱۷۲۱ء میں قسطنطنیہ سے چیچک کا ٹیکہ سیکھ کر یورپ پہنچی تو کنیسہ نے شاہ انگلستان کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ بذریعہ ٹیکہ علاج کیے جانے کے قاعدہ کو حکماً بند کیا جائے۔

امریکہ میں ولادت کے وقت عورت کو مخدر کرنے کا طریقہ نکلا تا کہ وہ احساس تکلیف سے مامون رہے پادریوں نے اسے خدا کے اس حکم کے مخالف سمجھا کہ عورت دکھ سے جنے گی اور اس کے خلاف سخت شورش کی گئی۔

پلاج نے کہہ دیا کہ آدم علیہ السلام سے پیشتر بھی موت (حیوانات وغیرہ کو) آتی تھی، اسے قتل کیا گیا اور اس کے جملہ ہم عقیدہ لوگوں کو واجب القتل قرار دیا گیا۔

ڈی رومینس نے بیان کیا کہ قوسِ قزح، اللہ کی حربی کمان نہیں، بلکہ پانی کے قطرات پر سورج کی شعاعوں کا عکس پڑنے کا نتیجہ ہے۔اس جرم میں وہ قید کیا گیا، قتل کیا گیا، اس کا لاشہ مع اس کی تصانیف کے جلا دیا گیا۔

کتب خانہ اسکندریہ، قیصر جول کے وقت میں جلا دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جو مذہب کے خلاف ہیں، اس کی رہی سہی کتابوں کو بطریق تیوفیل ماموره اسکندریہ نے نذر آتش کیا۔

کتب خانہ غرناطہ، مسلمانوں کی علمی جائیداد کی آٹھ ہزار قلمی کتابیں کردینال اکسیمس نے سوخت کر دیں۔

ان جملہ واقعات و بیانات وتشریحات سے یہ نتیجہ صاف مبرہن ہے کہ اسلام ہی، حامی العلم والعلماء ہے اور یہ صفت اس کے خصائص علیا میں سے ہے۔

فصل نمبر ۶

اسلام ہی دین العمل ہے

سابقہ مضمون میں تحریر ہو چکا ہے کہ اسلام ہی دین العلم ہے، لیکن اگر علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو، تو اس علم کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَّعَمَلًا مُتَقَبَّلًا)) [1]

بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی، یہ سمجھ لیا ہے کہ اسلام عمل کے منافی ہے اس غلطی میں وہ بھی مبتلا ہوئے جو دور دور سے اسلام کو دیکھنے والے ہیں اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوئے جو اسلام کے اندر ہیں۔ اس غلطی کا اولین سبب یہ بھی ہوا کہ توکل کے معنی بھی نہیں سمجھے گئے۔

موجودہ زمانہ سعی وکوشش کا زمانہ ہے جمود اور بے حسی سے نفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی بے حسی اور جمود کا طرفدار ہے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام دین الٰہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام ہی کو سمجھا نہیں گیا اور ہادی اسلام نیز علمبرداران اسلام کی سیرت کا مطالعہ ہی نہیں کیا گیا۔

مسلمانوں پر ہمسایہ اقوام کا سایہ پڑا اور انہوں نے جوگیوں، سنیاسیوں، راہبوں اور پوپوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ زہد کے اعلیٰ

---

[1] ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة، باب مايقال بعد التسليم، حديث:۹۲۵۔

منصب پر ترکِ افعال اور ترکِ عمل ہی سے فائز ہو سکتے ہیں یہ ان کی اپنی سمجھ ہے۔

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے:

۱: ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ❶

''رسول اور اس کے ساتھ والے ایمان داروں نے تو مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے، انہی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔''

۲: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى﴾ ❷

''نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔''

۳: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ ❸

''جو کوئی عمل کرتا ہے اچھے ایمان کے ساتھ اس کی کوشش ضائع نہ ہوگی۔''

٤: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ❹

''ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے موافق درجے ہیں۔''

عمل کی دو اقسام ہیں: عمل برائے دنیا، عمل برائے آخرت اور اسلام نے ہر دو کے لیے ترغیب دی ہے:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ❺

''اے رب! ہم کو دنیا بھی اچھی دے اور آخرت بھی اچھی دے اور ہم کو عذابِ نار سے بھی بچا لے۔''

صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

((اِحْرِصْ عَلٰی مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ)) ❻

''جو چیز تجھے نفع دینے والی ہو اس کی رغبت اور حرص پیدا کر اور اللہ سے مدد چاہا کر اور عاجز ہو کر مت بیٹھ۔''

صحیحین میں بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے کہ سعد بیمار ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو گئے، سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا کہ وہ اپنے مال سے کس قدر صدقہ دے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول ظاہر فرمایا:

((اِنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ)) ❼

''اگر تم اپنے وارثوں کے لیے دولت چھوڑ کر مرے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو بے زر، بے پر چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے مانگتے پھریں۔''

---

❶ ٩/ التوبة:٨٨۔ ❷ ٥٣/ النجم:٣٩، ٤٠۔ ❸ ٢١/ الانبياء ٩٤۔ ❹ ٦/ الانعام:١٣٢۔

❺ ٢/ البقرة:٢٠١۔ ❻ مسلم، كتاب القدر باب الايمان بالقدر، حديث ٦٧٧٤۔ ❼ بخاري، كتاب الجنائز، باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولة، حديث: ١٢٩٥؛ مسلم، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: ٤٢٠٩۔

اس حدیث کے ساتھ قرآن مجید کے احکام توریث کو مدنظر رکھو کہ مال میت کی تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس طرح حصص کا تعین فرما دیا ہے۔

اصول ارث ومواریث

ارث کے اصول نسب اور نکاح اور ولا میں اور فرائض میں سہام کو چھ اوزان نصف (۱/۲)، ربع (۱/۴) ثمن (۱/۸) دوثلث (۲/۳) ایک سدس (۱/۶) پر مقرر فرمایا گیا۔

۱: نصف کے حقدار پانچ ہیں (۱) شوہر، ترکہ زوجہ سے (اگر وہ بے اولاد تھی) (۲) صلبی بیٹی جو تنہا ہو (۳) (یا پوتی) (۴) اور اخت واحدہ (اب وام سے) (۵) یا اخت واحدہ (اب سے) جب کہ اب وام کا فرزند نہ ہو۔

۲: ربع کے حقدار دو ہیں، شوہر (مع ولد زوجہ) زوجہ (بعدم الولد)

۳: ثمن کی حقدار زوجہ (مع ولد)

۴: دوثلث کی حقدار چار ہیں: (۱) دو بیٹیاں یا زائد بر اں یا (۲) پوتیاں (۳) اور بہنیں (مادر پدر سے) (۴) یا بہن منجانب پدر۔

۵: ایک ثلث کے حقدار ۳ ہیں: (۱) ماں (جب کہ میت کا ولد اور اخوۃ واخوات نہ ہوں) (۲) ماں کی اولاد دو یا زائد کا (جس میں ذکر وانث برابر ہوں گے) (۳) دادا میت کے بھائیوں کے ساتھ جب کہ کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو۔

۶: سدس کے حقدار سات ہیں: (۱) باپ (جبکہ میت کا ولد موجود ہو) (۲) ماں (جب کہ میت کا ولد یا پوتا یا بھائی بہن ہوں) (۳) دادا میت کے ساتھ اور بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی صاحبِ فرض بھی شامل ہو (۴) دادی یا دادیاں (۵) ماں کی اولاد (۶) پوتیاں (صلبی بیٹی کے ساتھ) (۷) پھوپھیاں (سگی بہن کے ساتھ)۔

ذرا اس موٹی موٹی تقسیم پر جو علمِ فرائض کے متعلق ہے، غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ اگر اسلام کے نزدیک مال کے لیے محنت ومشقت کرنا اور مال کمانا اور ورثاء کے لیے مال چھوڑ کر مرنا بہتر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ارث کے متعلق اتنے مکمل اور وسیع احکام کبھی صادر نہ فرماتا۔

قرآن مجید میں تو تقسیم حصص بالا کے علاوہ مال کثیر ہونے کی صورت میں ''وصیت'' کا ہونا بھی ضروری بتایا گیا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ [1]

''تم پر لکھ دیا ہے اگر کوئی تم میں سے مال کثیر چھوڑتا ہے تو والدین اور اقرباء کے لیے معروف طور پر وصیت کرے یہ تقویٰ والوں کے لیے ضروری ہے۔''

حفاظت مال کے متعلق ایک اور حکم ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ [2]

''اپنا مال وزر بے عقلوں کے سپرد نہ کرو۔ مال وزر کو تو اللہ نے تمہارے لیے وجہ قیام بنایا ہے۔''

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱۸۰۔ [2] ٤/ النساء:٥۔

بیع وشراء کے احکام اور خرید وفروخت اور تجارت کے لیے جگہ جگہ تعلیم بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ اسلام دین العمل ہے۔ جملہ سیرت نگاروں کو معلوم ہے کہ مہاجرین اولین جو اہلِ مکہ تھے سب تجارت پیشہ تھے اور انصار اولین سب زراعت پیشہ تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجارت وزراعت کی تمثیلوں ہی میں آیات ثواب و جہاد کا بیان فرمایا ہے تجارت وزراعت جس قدر محتاج عمل ہیں، اسے اہلِ خرد خوب جانتے ہیں۔

تاجر صحابہ کی دولت کا اندازہ کرنے کے لیے دو ایک نظائر پر غور کرو:

(الف) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انہوں نے مندرجہ ذیل رقوم صرف کی تھیں۔

۱: ایک دفعہ چار ہزار روپیہ، یہ اس وقت ان کے کل مال کا چہارم تھا۔

۲: دوسری دفعہ چالیس ہزار۔

۳: تیسری دفعہ چالیس ہزار دینار۔

۴: چوتھی بار پانچ سو گھوڑے۔

۵: پانچویں دفعہ پانچ سو ناقہ۔

۶: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ایک باغ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی نذر کیا جو چار لاکھ میں فروخت ہوا۔

۷: فوت ہوتے ہوئے انہوں نے فی سبیل اللہ پچاس ہزار دینار کی وصیت کی۔

۸: نیز وصیت کی کہ ہر ایک بدری صحابی کو چار سو دینار پیش کیے جائیں۔ بوقت تعمیل اصحاب بدر ایک سو شمار ہوئے۔

۹: علاوہ ازیں انہوں نے ایک ہزار گھوڑا فی سبیل اللہ دیا۔

۱۰: نفاذِ وصیت کے بعد زر طلا کی مقدار کثیر موجود پائی گئی جسے کاٹتے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔

۱۱: طلا کے بعد ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے، تین ہزار بکریاں بھی شمار میں آئیں۔

۱۲: ان کی چار بیویاں تھیں۔ ہر ایک کو اسی ہزار نقد دے کر مصالحت کر لی گئی۔

(ب) سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، انہوں نے وصیت کی تھی کہ اول میرا قرض ادا کیا جائے اور پھر ثلث مال صدقہ دیا جائے اور وراثت تقسیم کی جائے۔

قرض شمار کیا گیا تو ۲۲ لاکھ نکلا۔ ان کے پاس نقدی کم تھی، جائیداد زرعی وسکنی بہت تھی۔ گیارہ مکانات مدینہ میں، دو مکانات بصرہ میں، ایک مکان مصر میں تھا، ایک اراضی زرعی کا ٹکڑا جو اکہتر لاکھ میں خرید کیا گیا تھا۔ ان سب کو فروخت کر دیا گیا تو پانچ کروڑ ۲ لاکھ کی رقم حاصل ہوئی قرض ادا کر دیا گیا، وصیت نافذ کی گئی اور پھر چار سال تک بہ موسم حج منادی کی گئی کہ اگر کسی کا قرض زبیر رضی اللہ عنہ پر آتا ہو تو لے لے بعد ازاں مال تقسیم ہوا۔

ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے ایک ہزار غلام تجارت پر لگا رکھے تھے جو ماہواری نفع حاصل ہوتا، اسے خیرات کر

دیتے تھے۔ ❶

میرا مقصود ایسے نظائر کا بالا ستیعاب بیان کرنا نہیں، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے سابقون الاولون کو کیونکر عمل دنیا اور عمل آخرت کا جویا وشیدا بنا دیا تھا۔

کیا اس کے مقابلہ میں بدھ ازم کوئی شرف رکھ سکتا ہے، جس نے گداگری کو رواج دیا یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری رُبع میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا، یا عیسائیت کے پاس اس تعلیم کی کوئی توجیہ موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گزر جانا آسان ہے، مگر دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے۔

تعلیم اسلام نے جن لوگوں کو مکمل بنایا، ان کی صفت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ﴾ ❷

''یہ وہ مردان الٰہی ہیں، جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔''

یہ وہ خوبی ہے جو اسلام ہی میں نمایاں ہے۔ کسی شخص نے اس آیت کا ماحصل اس فقرہ میں ادا کیا ہے ''دست بکار و دل بیار۔'' (پنجابی: ہتھ کار ول تے دل یار ول تے)

یہاں تک عمل کی بحث معیشت اور تمدن کے پہلو سے کی گئی تھی لیکن تقرب اور تدین کے اعتبار سے بھی جو اہتمام اسلام نے اعمالِ صالحہ کے سرانجام دینے میں فرمایا ہے وہ لاثانی ہے۔ ارشادات ذیل پر تدبر کرو:

۱: ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ ﴾ ❸

''نیک کاموں کے سرانجام دینے میں سبقت دکھلا دو۔''

۲: ﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ ﴾ ❹

''اپنے رب کے نام کی یاد قبل از دوپہر بھی کرو اور بعد از دوپہر بھی اور رات کو بھی اسی کے لیے سجدہ ہو، اسی کی حمد وثنا رات کو زیادہ ہو۔''

۳: ﴿ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ ﴾ ❺

''سجدہ کرو اور قُرب حاصل کرو۔''

٤: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ ﴾ ❻

''اے ایمان والو، اللہ کو یاد کیا کرو، بہت یاد کیا کرو۔''

٥: ﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ ﴾ ❼

''اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے منہ موڑ کر اسی کا بن کر عبادت کیا کرو۔''

---

❶ تهذيب الاسماء للنووي: ١/ ١٩٦۔ ❷ ٢٤/ النور: ٣٧۔ ❸ ٢/ البقرة: ١٤٨۔ ❹ ٧٦/ الدهر: ٢٦، ٢٧۔
❺ ٩٦/ العلق: ١٩۔ ❻ ٣٣/ الاحزاب: ٤١۔ ❼ ٧٣/ المزمل: ٨۔

کائنات پر غور کرنا صنعت الٰہی سے دل اور نظر کو روشن کرنا۔ خصوصیات بحر و بر اور تصرفات ارضی و سمائی پر تدبر کرنا بھی اسلام نے عبادت کا جز و اور عبادت کرنے والوں کے لیے بلندی مدارج کا باعث قرار دیا ہے:

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ [1]

۱: ”آسمانوں کی بناوٹ میں اور زمین کی بناوٹ میں۔

۲: رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں۔

۳: ان جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع رسانی کے لیے چلتے ہیں۔

۴: اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے اتارتا اور زمین کو اس سے زندگی بخشتا ہے۔

۵: زمین پر ہر قسم کے چلنے والے، رینگنے والے جانداروں میں۔

۶: ہواؤں کے الگ الگ رخ بدل کر چلنے میں۔

۷: اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان میں حکم سے باندھے ہوئے ہیں۔

بیشک عقل و دل والی قوم کے لیے اللہ کی شان کے بہت سے نشان ہیں۔“

ان احکام سے ثابت ہو گیا کہ اسلام دین العمل ہے، وہ اہل اسلام کو بہبودی و رفاہیت دنیا کے لیے بھی عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور ذخرِ آخرت کے لیے بھی عمل کرنے کا ارشاد فرماتا ہے، یہ احکام الٰہیہ جامعیت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

فصل نمبر ۷

اسلام ہی بانی اخوّت ہے

ایک اخوت وہ ہے، جو دو اشخاص کے درمیان خون کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ اس اخوت کے متعلق کچھ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس اخوت میں ہر ایک بھائی کا حق قانوناً، رواجاً اخلاقاً مسلّم ہوتا ہے اور ہر ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد اور معاونت کا بچپن ہی سے خوگر ہوتا ہے۔

لیکن اس اخوت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا، اور بایں ہمہ اس اخوت میں بھی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں ایسی ملتی ہیں کہ بھائی بھائی کا دشمن رہا اور مدت العمر ان کے تعلقات صاف نہ ہوئے۔ بائبل اور قرآن مجید میں ہابیل و قابیل کا واقعہ موجود ہے کہ قتل انسانی کی ابتدا دو بھائیوں ہی میں پائی گئی۔

ایک اخوت وہ ہے، جو اتحاد عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے اور ہماری مراد اسی اخوت سے ہے۔ نبی ﷺ کے فیضان صحبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر و اعلیٰ ہے، جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش

---

[1] ۲/ البقرۃ:۱٦٤۔

کرنا عبث ہے، زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی۔

مواخات مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی۔ نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخاتِ مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدتِ اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیعِ محبت اور استحکامِ انس و مودت اس کی بنیاد تھی۔

مواخاتِ مکہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
سیدنا امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

مواخاتِ مدینہ

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت اور معاقدت سے قوی دل، قوی بازو بنایا گیا۔ پچاس جوڑے وہ پہلے تھے جو مسجد نبوی میں سبق اتحاد سے مشرف ہوئے

بعد ازاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

حَالَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ فِيْ دَارِنَا مَرَّتَيْنِ أَوْثَلَاثًا. [1]

ہمارے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کو باہمی حلف کے ذریعہ قائم فرمایا۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمادیا ہے:

((تَآخَوْا فِي اللّٰهِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ)) [2]

''اللہ کی راہ میں دو دو کر کے بھائی بھائی بن جاؤ۔''

معلوم ہوتا ہے کہ جو نمونہ رحمۃ للعالمین نے اپنے سامنے قائم فرمادیا تھا، اس پر برابر عمل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا، جب تک مکہ معظمہ فتح نہ ہو گیا اور مکہ سے آنے والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے گرد و غبار وحشت بالکلیہ دب نہ گیا۔

ذیل میں مواخاتِ مدینہ کا بھی ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب الاخاء والحلف، حدیث:٦٠٨٣؛ ابوداود، کتاب الفرائض، باب فی الحلف، حدیث:٢٩٢٦۔

[2] سیرت ابن کثیر، کتاب الموادعة بين المؤمنين، باب مؤاخاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار۔

مہاجرین	انصار
۱: سیدنا ابوبکر صدیق خلیفۃ الرسول ﷺ	حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
۲: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
۳: امیر المومنین عثمان ذوالنورین بن عفان رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ
۴: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امیر المومنین	
۵: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ
۶: ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
۷: طلحہ بن عبداللہ القرشی بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ (احد العشرۃ المبشرۃ)	کعب بن مالک بن ابی ابوکعب الانصاری الخزرجی السلمی رضی اللہ عنہ شاعر النبی ﷺ
۸: سعید بن زید رضی اللہ عنہ	ابی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ
۹: زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	سلمہ بن سلافہ رضی اللہ عنہ
۱۰: سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
۱۱: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ	ابورویم الخثعمی رضی اللہ عنہ
۱۲: جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مقیم حبش)	معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۱۳: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۱۴: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ
۱۵: ابودرداء رضی اللہ عنہ	سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۱۶: عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	عمیر بن حمام بن جموع رضی اللہ عنہ
۱۷: زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	معن بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہ
۱۸: وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی العامری رضی اللہ عنہ	سوید بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ
۱۹: ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ	عبادہ بن الصامت انصاری السالمی رضی اللہ عنہ
۲۰: ذوالشمالین عمیر بن عبد عمیر بن نضلہ الزہری رضی اللہ عنہ	یزید بن حارث بن قیس بن مالک الانصاری البخاری رضی اللہ عنہ
۲۱: عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	عباس بن عبادہ خزاعی ذوعقبتین مہاجر و انصاری رضی اللہ عنہ
۲۲: طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدری رضی اللہ عنہ (ابن عمۃ النبی ﷺ)	منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ

۲۳: ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	عباد بن بشر رضی اللہ عنہ
۲۴: معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ	حتات بن یزید رضی اللہ عنہ

مواخات کا اثر

ہر ایک انصاری اس دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا، اپنا مال وزر، اسباب سامنے لاتا، اراضی سکنی وزرعی دکھلاتا اور نصفا نصف باہمی تقسیم کر لیتا۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو گھر لے گئے۔ تو اس وقت ان کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے، کہا ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجئے، تاکہ میں اسے طلاق دے دوں اور وہ تمہاری ضجیعہ (بیوی) بنے۔

ان دو بھائیوں میں سے جب کوئی مر جاتا تو دوسرا بھائی اس کے ترکہ میں سے حصہ بھی لیتا۔ ترکہ سنبھالنے کا قاعدہ اس وقت ترک کر دیا گیا جب مہاجرین نے اپنے گھر خود بنا لیے اور اپنی جائیدادیں پیدا کر لیں اور انصار کی معاونت مالی سے مستغنی ہو گئے۔

قرآن مجید میں مواخات کا ذکر

قرآن حمید میں اس مواخات کا ذکر چند مقام پر ہے:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ [1]

"اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اسے یاد کرو کہ تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم بفضلِ ربی بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو وہاں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی نشانی تم پر اس طرح واضح کر رہا ہے کہ تم ہدایت یاب بنو۔"

قرآن مجید نے ﴿ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً ﴾ کے الفاظ میں ان تمام لڑائیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بخوبی یاد تھیں اور جن میں وہ خود یا ان کے اقربا و آبا، احباء و ابناء برابر حصہ لیتے رہے تھے یہی جنگ بے آب و گیاہ زمین کو انسانی خون سے سیراب کیا کرتی تھی۔

۱: خاص مکہ شہر میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے جھگڑے۔

۲: قریش اور مضر کی خصومتیں۔

۳: قریش اور حرب الفجار۔

۴: کنانہ اور بنو قیس کی لڑائی۔

---

[1] ۳/ آل عمران:۱۰۳۔

۵: عبد مناف اور اس کے اتحادیوں بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تمیم، بنو الحارث اور بنو عبد الدار اور اس کے اتحادیوں بنو سہم، بنو جمح، بنو مخزوم، بنو عدی کی عداوتیں۔

۶: مکہ سے باہر اور عرب کے اندر ملوک کندہ، ملوک غسان، ملوک حیرہ کی عداوتیں اور ان عداوتوں کی حالت میں سلطنتِ ایران کا عرب کے ایک حصہ پر اور سلطنتِ روما کا عرب کے دوسرے حصہ پر اور حبش کا عرب کے تیسرے حصہ پر قبضہ وغلبہ اور پھر ان سلطنتوں کی باہمی جنگ وجدال اور اس جنگ وجدال کا عربی قبائل پر بہ لحاظ ماتحتی مخالفانہ اثر۔

۷: یثرب کے اوس اور خزرج کی لڑائیاں۔

۸: یہودیان بنو نضیر وبنو قینقاع وبنو قضاعہ اور خیبر وفدک وتیماء کی شرارتیں اور قبائل عرب کو ہمیشہ مصروف جنگ رکھنے کی پالیسی۔

۹: عیسائیان دومۃ الجندل ونجران وبحرین کی ریشہ دوانیاں۔

۱۰: بت پرست قبائل کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں نبرد آزما ہونا۔

۱۱: زنادقہ ودہریہ کے منصوبے اور روباہ بازیاں۔

۱۲: عیسائیوں کے فرقہ ہائے ثلثہ کاتھولیکی، یعقوبی اور پولوسی سے اختلافات شدید اور ان اختلافات کی ترویج میں اہل عرب کو قربانی کا بکرا بنایا جانا، یہ سب وہ امور ہیں جو آیت بالا کے لفظ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً کے تحت میں داخل ہیں۔

بعد ازاں ان سب اختلافات کا اٹھ جانا، نزاعات کا انتزاع جھگڑوں کا خاتمہ، لڑائیوں کا انسداد وجذبات کینہ وانتقام کا محو ہو جانا۔ امن عامہ کا قائم ہو جانا اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک ہی کلمہ زبان پر ایک ہی اعتقاد دل میں ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی مقصود کا منظور ہو جانا، ایک ہی مسجود ومعبود کا مستحق عبادت واستعانت سمجھ لینا۔

بھیڑیوں کا گلہ بان ہو جانا، رہزنوں کا محافظ جان ومال کے لقب سے ملقب ہونا، دشمنان جان کا ایمانی وقلبی اخوان ہو جانا۔

درحقیقت یہ ایسی نعمت عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بطور تذکار احسان ضرور ذکر فرمائے اور اسلام اس خصوصیت کو اپنے شرف اور برتری کی دلیل قرار دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مواخات کی تکمیل کرنے والوں میں سے ہر ایک فریق کی تعریف فرمائی ہے۔ مہاجرین کے حق میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ [1]

”یہ وہ ہیں جو اپنے وطن اور گھر بار، زر ومال سے نکال دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فضل اور رضوان کے جویا ہیں اور اللہ اور رسول کی نصرت کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ تو صادق ہیں۔“

آیات بالا میں ان کی مظلومی اور جبراً وطن سے اخراج اور جائیداد سے محرومی اور بایں ہمہ اُن کا ثابت القلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کا خواہاں اور رضوان الٰہی کا جویا ہونا اور جملہ وسائل معیشت سے محروم ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی نصرت میں استمرار د

---

[1] ۵۹/ الحشر:۸۔

استحکام کے ساتھ لگے رہنا بیان فرمایا، اور پھر حصر کے طور پر فرما دیا کہ یہی لوگ صادق ہیں۔

دوسرے مقام پر کل دنیائے اسلام کو حکم دیا:

﴿ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ ❶

''تم کو صادق لوگوں کی معیت چاہئے۔''

صادقوں کا حصر اور تعین آیات بالا میں کر دیا گیا تھا۔ انصار کے متعلق اسی مقام پر فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ❷

''اور دار الہجرت (مدینہ) کے رہنے والے جو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور جو تھوڑا بہت ان کو دیا جاتا ہے اس کی بابت ان کے سینہ میں خلش نہیں ہوتی۔ وہ بھی ایثار کرتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند بھی ہوتے ہیں، ہاں جو کوئی تنگ دلی سے بچایا گیا وہ تو فلاح والا ہے۔''

ان آیات میں دار الہجرت کا قیام اور قدامت ایمان اور محبت مہاجرین اور عطیات میں کمی بیشی سے استغنا اور تنگی و افلاس میں بھی ایثار پر عمل کرنا انصار کرام کی صفت بتائی گئی۔

ہر دو آیات پر مکرر غور کرو۔

(الف) مہاجرین کا ایثار یہ کہ اللہ اور رسول کے لیے گھر بار، خویش و تبار کو تج دیا۔ اور انصار کا ایثار یہ کہ خود تنگی اٹھائی اور مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کیا۔

(ب) مہاجرین کی فضیلت ایمانی یہ کہ ان کا مقصود رضوان ربانی ہے۔

انصار کی فضیلتِ ایمانی یہ کہ ہجرت سے بھی پیشتر ان میں ایمان (بعد از بیعت عقبہ) پہنچ گیا تھا۔

(ج) مہاجرین کی فضیلت یہ کہ ان کے جملہ افعال اللہ اور رسول کی نصرت کے لئے۔

انصار کی فضیلت یہ کہ انہوں نے مہاجرین کو محبوب بنا لیا اور خود ان کے محبّ ہو گئے۔

(د) مہاجرین کی فضیلت یہ کہ وہ صادق ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ وہ مفلح ہیں۔

یہ ہے وہ اخوت اسلامی، جس کا بانی اسلام ہے۔

یہ ہے وہ محبت ایمانی، جس کی بنیاد نہ منفعت مالی پر ہے اور نہ لذتِ نفسانی پر، یہی وہ اخوت ہے جو اغراض سے بالاتر اور مادیات کے اثر سے بلند تر ہے۔

---

❶ ۹/ التوبۃ:۱۱۹۔

❷ ۵۹/ الحشر:۹۔

ذرا میدانِ احد تک اپنی نگاہِ علمی کو وسیع کرو۔

کہ بادشاہ دوجہاں کی بیوی، چہیتی ملکہ، مؤمنین کی ماں طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پانی کی مشک کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک فرزندِ اسلام کو پانی پلا رہی ہے۔ زخمیوں کے منہ میں قطرہ قطرہ ٹپکا رہی ہے کیا کسی دنیوی بادشاہ کی ملکہ نے بھی کبھی ایسا کام کر دکھلایا ہے۔

ایک صحابی کی سنو! حذیفہ العدوی کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا، پانی ساتھ لے گیا تھا۔ بھائی کے پاس پہنچ گیا، اسے پانی پلانے کو تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی ''آہ'' زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ، وہ اس کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص ہیں رضی اللہ عنہ، انہیں پانی پلانے لگا، تو تیسرے زخمی کی آواز آئی، اس نے کہا پہلے اسے پلاؤ۔ اس کے پاس پہنچا تو وہ جاں بحق ہو چکا تھا، واپس آیا تو ہشام کو پایا کہ جنت کو سدھار گیا۔ واپس آیا اور بھائی کو دیکھا کہ وہ بھی جام طہور کا سرور حاصل کر چکا تھا۔

میدان جنگ اور زخمی اور آخری سانس اور اپنے اپنے نفس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا (جو خون کا بھائی نہیں) بلکہ ایمان کا بھائی ہے۔ یہ احترام، یہ تقدم اسلام کے سوا اور کہاں نظر آ سکتا ہے؟

یہ نہ سمجھو کہ یہ اثر اور ایثار صرف عہد نبوت تک ہی تھا۔

سپین کے خلیفہ کی لونڈی زہرا کا نام آپ نے قصرِ زہرا کے سلسلہ میں سنا ہوگا۔ اس لونڈی نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کا مال اس مسلمان کی رہائی میں صرف کیا جائے جو کسی غیر قوم کی قید میں محبوس ہو۔ وصیت کے مطابق تین سال تک یورپ اور افریقہ اور ایشیا میں تلاش کی گئی کوئی ایسا مسلمان نہ ملا، آخر اس کا روپیہ اس محل کی تعمیر پر اس کی یادگار میں لگا دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ اس قصر کی لاگت ان دنوں میں ۴۵ کروڑ تھی۔

کہتے ہیں کہ فری مین لاج والے لاج کے اندر ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر بلاتے ہیں، ان کی اخوت اور اسلامی اخوت کا مقابلہ کر کے دیکھو، فوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ جس اخوت کو اسلام نے پیش کیا ہے وہ اس کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل نمبر ۸

اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بانیان وہادیان مذاہب کی شخصیات کے متعلق جو اعتقادات قبل از اسلام موجود تھے، ان پر غور کرو۔

یہودیوں کا اعتقاد یعقوب و داؤد و عزیر علیہم السلام کی نسبت کہ ان میں سے ہر ایک خدا کا بیٹا تھا یا پہلوٹا بیٹا تھا۔

عیسائیوں کا اعتقاد مسیح کی نسبت کہ وہ خدا کا پیارا بیٹا اور قادر المطلق اور ثالث ثالوث (الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک) ہے۔

ہندوؤں کا اعتقاد، ۳۲ اوتاروں [1] کی نسبت کہ پرمیشر نے خود مادی جسم قبول کر کے مادی صورت میں جلوہ گری فرمائی تھی۔

مہابھارت کا بیان، کرشن جی مہاراج کی نسبت کہ وہ خود خالق عالم وعالمیان تھے۔

پارسیوں کا اعتقاد زرتشت کی نسبت کہ وہ جہان تیرتا، یعنی عالم ملکوت سے تھا۔

بدھوں کا اعتقاد، مہاتما گوتم بدھ کی نسبت کہ وہ (ارہم) خود ذات پاک تھا۔

سناتن دھرمیوں کا دعویٰ کہ پانچوں پانڈو کواکب نورانی کے فرزند تھے۔

تاتاریوں کا دعویٰ کہ آلتقوا بیگم کے بیٹے نور کے فرزند تھے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی عزت وتوقیر کے بڑھانے میں ایک قابل تعریف کام کیا ہے۔

حالانکہ اس اعتقاد کا لزوم یہ ہے کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمتر اور فروتر ہے کہ یعقوب وداؤد اور عیسیٰ وعزیر علیہم السلام کرشن ورامچند راور زرتشت وبدھ جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جاسکتے، بلکہ یہ درجہ بلند ان ہستیوں کے لیے ہے جو حقیقۃً انسان نہ تھے۔

ایک منصف غور سے بتلائے کہ اس نے اپنے بزرگ کی صفت کرتے ہوئے انسانیت کو کس قدر رذلیل بنا دیا ہے اور چونکہ اس بزرگ سے انسانیت کی نفی حقیقۃً کسی طرح نہیں کی جاسکتی، اس لیے دراصل اس شخص نے ان کی بزرگی کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کو انسان بنا کر پھر ان کا مراتب روحانیت میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا۔

اسلام اسے بالکل غلط قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی انسانی جسم کے اندر خود الوہیت کا حلول تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک کسی برگزیدہ انسان کو ابنائے جنس کی رہبری وہدایت کا شرف بھی حاصل نہ ہو سکے اس غلط اصول کے مفاسد کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہر ایک ظالم وجبار نے بھی اپنے لیے وہی درجہ تجویز کیا تھا۔ جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے ہادی مذہب کے لیے ان کے مذہب والوں نے تجویز کیا تھا، فرعون رعایا کو مخاطب کر کے کہتا تھا: ﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴾ [2] ''میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔'' وہ اپنے دربار والوں سے کہا کرتا تھا:

---

[1] ؟ انش؟ اوتار، سب سے پہلا، جو ۹ دفعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور ایک بار ابھی اس نے جامہ انسانی میں آنا ہے۔ (۲) مچھ اوتار، مچھلی کی شکل میں ملک دکن میں نمایاں ہوا اور اس کے ظہور کے بعد طوفان عظیم آیا اور ۱۷ لاکھ ۲۸ ہزار سال تک زمین زیر آب رہی۔ (۳) کچھ اوتار، جس کی پشت پر کوہ ہندو کی مدھانی رکھی گئی اور سمندر بلوتی گئی اور ۱۴ ☆ نایاب اشیاء کا استخراج ہوا۔

☆ ان ۱۴ چیزوں کے نام یہ ہیں: ۱۔ لچھمن ادتار، دلہن کی شکل میں عشرت عالم کا سامان جمع ہوا۔ ۲۔ کوستۂ دمن نہایت قیمتی ہیرے کی شکل میں جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہوسکا۔ ۳۔ کلب برکھ کی شکل میں اسے پار جاتک بر چھ بھی کہتے ہیں جسے خزاں نہیں آتی جس کی خوشبو سے سارا عالم معطر ہے۔ ۴۔ سرر، شراب۔ ۵۔ دھنتر، طبیب کی شکل میں جس کے داہنے ہاتھ میں جونک اور بائیں ہاتھ میں ہلیلہ بوقت پیدائش موجود تھا۔ ۶۔ چندرماں، ماہتاب۔ ۷۔ کام دہین وہ گئو جس کے تھن سے جو شے چاہتے ہو دودھ سکتے ہو۔ ۸۔ ایراپت، فیل سفید کی شکل میں جس کے چار دانت تھے۔ ۹۔ سنگھ، سفید رنگ کا بحری گھونگا جس کے پاس ہوتا ہے وہی فتح پاتا ہے۔ ۱۰۔ بکھ، زہر ہلاہل۔ ۱۱۔ امرت، آب حیات۔ ۱۲۔ اُش، سات سر والا گھوڑا۔ ۱۳۔ ان بھا، خوبرو۔ ۱۴۔ نیکوخو، عورت۔

[2] ۷۹/ النازعات: ۲۴۔

﴿ يَاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ ﴾ ❶

’’اے سردارانِ دربار، میرے علم میں تو میرے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔‘‘

کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید وتقدیس بیان فرماتے اور فرعون کو بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور خلا و فضا کا مالک ہے تب بھی اسے یقین نہ آتا، جب بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو تمہارے باپ دادوں کا پیدا کرنے والا تھا۔ تب بھی اس کی دیوانگی دور نہ ہوتی جب اسے بتایا جاتا کہ رب العالمین تو وہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کے تمام عالم کا خالق ہے تب بھی اس کی عقل درست نہ ہوتی، جملہ دلائل کو سن سنا کر منہ سے بکتا تو یہ کہ

﴿ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ ﴾ ❷

’’خبردار! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا سمجھا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔‘‘

خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی ایک احمق جبار بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھی حیات وموت کے اختیارات رکھتا ہے۔ یہ احمق سمجھتا تھا کہ کسی شخص کو بلا وجہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دینا موت پر قدرت رکھنا ہے اور کسی واجب القصاص کو چھوڑ دینا اسے حیات بخش دینا ہے۔ ان سب غلط فہمیوں کا سبب واحد یہی ہے کہ انسانیت کو سمجھا ہی نہیں گیا تھا۔

اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت علیا کا علو قائم رہے اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے منتہائے عروج تک پہنچ جائے، تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ مقدسین ومتبوعین بھی انسان ہی ہیں، اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے۔

الف: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾ ❸

ب: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ﴾ ❹

ج: ﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ❺

’’الف: ’’ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن کو رسالت کے ساتھ مامور کیا وہ انسان ہی تھے ہماری وحی ان کو ملتی تھی۔‘‘

(ب) ’’ہم نے ان کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے۔‘‘

(ج) ’’وہ تو باعزت بندے ہیں، بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے اور اللہ کے حکم پر وہ عمل کیا کرتے ہیں۔‘‘

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتلایا کہ وہ کھانے پینے سے مستثنیٰ نہ تھے، نیز ایک وقت پیدا ہوئے اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوئے تھے منصب دار رسالت ہوتے تھے اور دربار الٰہی میں اعزاز واکرام والے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے معاملات کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ان کی زبان اور ان کے جوارح ادب اور حکم کے تحت میں ہوتے حکم کے بغیر ان کی زبان پر ایک حرف تک نہ آتا اور جب حکم مل جاتا تو اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔

---

❶ ۲۸/ القصص:۳۸۔ ❷ ۲۶/ الشعرآء:۲۹۔ ❸ ۲۱/ الانبیاء:۷۔

❹ ۲۱/ الانبیاء:۸۔ ❺ ۲۱/ الانبیاء:۲۶، ۲۷۔

ان آیات میں قوتِ علمیہ اور قوتِ عملیہ کا بھی ذکر ہے اور ان کے مراتب روحانی کا بھی اظہار اور یہی وہ امور ہیں جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونے کے جملہ کائنات سے برتر و ممتاز ہونا ثابت ہے۔

ان بیانات سے انسانیت کا درجہ بلند تر ہوگیا، کیوں کہ انسانیت ہی شائستہ رسالت ٹھہری، انسانیت ہی شرفدار خطابت ہوئی، انسانیت ہی علم الٰہی کے نزول و بروز کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل و تعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔

بے شک اس مسئلہ کا اظہار خصوصیات اسلام میں سے ہے اور انسانیت اس کی مرہون احسان ہے۔

فصل نمبر ۹

اسلام ہی غیر متعصّب دین ہے

اسلام کو بدنام کرنے کے لیے بہت سے جھوٹے الزام اس پر لگائے ہیں اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام دینے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے، مگر انہوں نے ہوشیاری اور عیاری کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے انہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نا اہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

الف: تعصب کے معنی یہ بھی ہیں کہ عطائے حقوق کے وقت کسی کو حق سے زائد دیا جائے اور کسی کو حق سے کم۔

ب: اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔

ج: اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذاہب کو حقِ حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔

د: اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے ہی آپ کو سمجھا جائے اور دوسروں کو ان برکات و انوار سے بالکل دور رکھا جائے۔

بحمد اللہ کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نقائص سے پاک ہے۔ قرآنِ عظیم اور رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو برا بتایا اور اپنے دامن تعلیم کو اس خارزار سے ہمیشہ بلند تر رکھا۔ تعصب کی ہر چہار اقسام کی نفی کا یقین مندرجہ ذیل آیات قرآنی اور معاملاتِ اسلامی سے بخوبی ہو جائے گا:

۱: ﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ [1]

''اے ایمان والو، معاملات کو پورا کیا کرو۔''

۲: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ [2]

''اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرنے لگو۔''

۳: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [3]

''نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ و سرکشی میں مدد نہ دو۔''

۴: ﴿ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

[1] ٥/ المائدۃ:۱۔ [2] ٥/ المائدۃ:۲۔ [3] ٥/ المائدۃ:۲۔

﴿ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ ❶

''اے رسول (ﷺ) کہہ دیجیے، اللہ نے جو کتاب میں اتارا میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کیا کروں۔ ہمارا رب اور تمہارا رب اللہ ہی ہے، ہم کو ہمارے اعمال تم کو تمہارے اعمال، ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ہی ہم کو اکٹھا کرے گا اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔''

۵: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ❷

''اے ایمان والو تم! اللہ کے واسطے قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لے جائے، عدل کیا کرو، عدل ہی خدا ترسی سے قریب تر ہے۔ اللہ سے ڈرو، وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔''

٦: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ ❸

''اے رسول (ﷺ) کہہ دیجیے کہ (اے یہودیو اور عیسائیو) اے کتاب والو! آؤ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کریں جو ہمارے تمہارے لیے مساوی ہے: اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں اللہ کے سوا کوئی انسان کسی کو اپنا رب نہ ٹھہرائے، اگر یہ لوگ اس پیغام سے انکار کریں تب ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہنا ہم تو ان حکموں کے ماننے والے (مسلمان) ہیں۔''

۷: ﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ ❹

''دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں ہدایت اور گمراہی کو تو صاف، الگ الگ واضح کر دیا گیا ہے۔''

ان آیات کے بعد کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب میں ایسی یا اس سے اعلیٰ تعلیم کی موجودگی ثابت کر سکتا ہے۔

ہاں ان آیات کی تعلیم میں رواداری کے جو نمونے بے تعصبی کے جو ثبوت ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور حضور ﷺ کے خلفائے راشدین المہدیین نے اور ملوکِ عظام نے دنیا کے سامنے پیش کیے، وہ سب کتب اسلامیہ میں اب تک موجود ہیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو معاہدہ یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، وہ قابلِ ملاحظہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہودی وہ ہیں جن کے ساتھ نہ کبھی بابل کی بت پرست سلطنت نے اچھا سلوک کیا اور نہ مصر کی حکومت نے ان پر رحم کھایا اور نہ یہودہ کی نسل میں پیدا ہونے والے مسیح کی امت نے ان کو کبھی انسان یا آدمی سمجھ کر ان سے کوئی مراعات کیں۔

نصاریٰ کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ بھی ملاحظہ طلب ہے، ان معاہدات کو رحمۃ للعالمین جلد اول میں پڑھ لیجیے اور انصاف کیجیے کہ ان سے اسلام اور داعی اسلام کی کس قدر بے تعصبی، سیر چشمی اور رواداری ظاہر ہوتی ہے۔

حکمرانان امویہ وعباسیہ واندلسیہ فاطمیہ کی شان وشوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ:١٥۔ ❷ ٥/ المائدۃ:٨۔ ❸ ٣/ آل عمران:٦٤۔ ❹ ٢/ البقرۃ:٢٥٦۔

صدیوں تک آباد رہنا۔ یہودیوں، عیسائیوں کا بلا امتیاز ہر ایک منصب پر فائز ہو جانا ہماری روشن دلیل ہے۔ ہندوستان پر نظر ڈالئے۔ اس وقت اونچی قوموں کے لیے لفظ آریہ نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے۔ مگر آریہ ورت کا جو رقبہ ستیارتھ پرکاش میں محدود کیا گیا ہے، اس میں احاطہ مدراس اور احاطہ بنگال اور شمال مغربی صوبہ شامل نہیں ہو سکتے۔ صوبہ بہار کے اکثر مقامات بھی اس آریہ ورت کے رقبہ سے باہر ہیں۔ اس احاطہ بندی نے کروڑوں انسانوں کو شریف قوم یا آریہ کہلانے سے محروم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی فیاضی دیکھو کہ انہوں نے دریائے انڈو (اٹک) کو قدرتی حد قرار دے کر اس طرف رہنے والوں کو ہندو لقب دیا۔ اس نام کے تحت میں اس ملک کی رہنے والی سب قوموں کا اجتماع ہو گیا اور ان میں جمعیت پیدا ہو گئی اور کسی کو غیر شریف کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا تو انہوں نے لالہ کا خطاب دیا جس کے معنی بڑا بھائی ہیں اور یہ لغت اب تک سرحدی صوبہ میں اس معنی میں خود مسلمانوں میں مروج ہے لالہ موسیٰ ایک مشہور بستی اور مشہور ریلوے اسٹیشن ہے جو ایک بزرگ مسلمان کے نام سے آباد ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کو متعصب کہا جاتا ہے۔ مگر اس کے دربار کے ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے (جس کی بے تعصبی مسلم ہے) زیادہ لمبی ہے۔

اورنگ زیب نے راجپوتانہ کی سی ہندو ریاست کو شامل ملک کر کے محفوظ نہیں بنایا، حالانکہ دکن کی چار اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے جزو سلطنت بنا لیا تھا۔

ستی اور صغرسنی کی شادی کے خلاف بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ دار السلطنت آگرہ اور دار الخلافہ دہلی کے قرب و جوار میں اب تک ہندو صاحبان کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

ہندو راجاؤں کو جو خطابات عطا کیے ہیں، ان کو ملاحظہ کرو، کیسے عظیم الشان ہیں۔ ہر ایک خطاب کے ساتھ نیا علاقہ بھی ضرور ہوتا تھا۔ ذرا اس سلوک کو بھی دیکھیے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت کا درجہ دیا، مگر مسلمانوں نے کبھی ان کو اچھوت نہ بنایا۔ تجارت کو بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ مندروں پاٹ شالاؤں کے لیے جاگیریں دیں، ابھیاگتوں کے لیے لنگر کھولے۔ اپنے سابقہ وطن سے قطع تعلق کر کے ہندوستان ہی کو جینے، مرنے کے لیے پسند کیا، اپنی زبان کو چھوڑ کر یہاں کے باشندوں کی زبان کو اپنی زبان بنایا اور اسی کو محلات اور دربار کی زبان قرار دیا۔

غور کے بعد بتاؤ، بے تعصبی کا ثبوت ان امور سے بڑھ کر کوئی معترض خود بھی اپنے فعل وقول سے پیش کر سکتا ہے؟

بیرونی تجارت عرب اور چینیوں کے ہاتھ میں تھی، جب یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو ان کو خیر مقدم کہا گیا، ان کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کیا گیا۔

سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ رواداری اور بے تعصبی ہی ان کی سلطنت اور اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی۔

میں کہتا ہو کہ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے مگر وہ یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ

اسلام میں تعصب ہے۔

ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر شاید کوئی صاحب غزوات وسرایائے اسلام کا حوالہ دیں اور حروب عرب کو تعصب دینی کی دلیل قرار دیں، لیکن درحقیقت ایسا کرنا تاریخ اور علل واقعات سے ناواقفیت پر مبنی ہوگا۔

ہم نے غزوات وسرایا کا مکمل مضمون اسی کتاب کی جلد دوم میں تحریر کر دیا ہے اور بطور نتیجہ دکھلا دیا ہے کہ نبی ﷺ کے غزوات صرف اسی قوم اور خاندان کے ساتھ ہوئے، جس میں سے خود حضور ﷺ اور سابقون الاولون بھی تھے۔ حضور ﷺ ہی کی قوم نے اسلام کی عداوت ومخالفت میں سارا زور لگایا اور انہی سے لڑائیاں ہوئیں۔ لہٰذا یہ خاندانی جھگڑا کسی طرح تعصبِ دینی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی جنگیں نہ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے تھیں اور نہ دوسرے مذاہب کے لیے موجب اکراہ تھیں۔ رب العالمین نے اسلامی حروب کے متعلق جو وجہ بیان کی ہے۔ وہ قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ [1]

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا اور بعض کے ذریعہ بعض کو نہ ہٹا دیتا، تب صوامع اور بیع اور صلوٰۃ اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں اور اللہ تو اس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔''

صَوَامِعُ: صومعہ کی جمع ہے۔ لغت میں اس عمارت کو کہتے ہیں جو اوپر سے پتلی ہوتی جائے درویشان قوم ترسا کے خلوت خانے اسی شکل کے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے مندروں کی شکل بھی یہی ہے اور اس نام سے معروف ہیں۔

بِيَعٌ: بیعتہ کی جمع۔ عیسائیوں کا گرجا صَلَوَاتٌ یہ عبرانی صلوۃ کا معرب ہے، عبادت گاہ یہودان مَسَاجِدُ معبد مومنین المسلمین۔

آیت بالا ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کر دیں، بدامنی دور کر دیں۔ پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص گرا نہ سکے۔

تاریخ کا ادنیٰ واقف بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے بہ عہد پرویز ایشائے کوچک پر قابض ہونے کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو گرا دیا تھا۔

یہودیوں کے عبادت خانے تو سب کے سب شاہان روما کے ظلم وتعصب کی وجہ سے زمین کے برابر کر دیئے گئے تھے، حتیٰ کہ یروشلم کی زمین کو بھی جس کی عمارت ۸۰ ء میں نیرو شاہ روما نے گرا دی تھی۔ قسطنطین (اولین عیسائی بادشاہ) کی والدہ کے حکم سے کوڑا کرکٹ گرانے کی جگہ بنا دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں، کیوں کہ پارسی وترسائی ونصرانی مسلمانوں

---

[1] ۲۲/ الحج: ۴۰۔

کے خلاف بالاتفاق عداوت پر ڈٹے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اٹھایا اور انہی کے دوش پر معابد عالم کی حفاظت کا بار رکھا اور انہوں نے اس بار کو خوشگوار فرض کے طور پر اٹھایا۔

آیت بالا میں ایک پیشگوئی بھی موجود ہے کہ جب مسلمانوں کی جنگیں اصول بالا کے لیے ہوں گی۔ تب ان کو منجانب اللہ نصرت عطا کی جائے گی اور وہ ہر ایک اس قوم کے مقابلہ میں جو کسی دوسرے مذہب کے معابد کو تباہ کرنے والی ہے، ضرور مظفر و منصور ہوں گے۔

رب العالمین کے اسی کلام صداقت نظام کا اثر اور معجزہ تھا کہ خلافت صدیق، اور فاروق اور ذوالنورین رضی اللہ عنہم میں اسلامی لشکر کو کسی ایک جگہ بھی شکست نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک جگہ ﴿ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝ ﴾ [1] (اللہ ہی کا لشکر غالب آئے گا۔) کا نظارہ نظر آتا رہا اور اس کامیابی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی جنگیں ٹھیک اسی اصول (حفاظت و احترام معابد مذاہبِ عالم) پر تھیں۔

کیا اب بھی کسی کے نزدیک اسلامی جنگیں قابل اعتراض ہو سکتی ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اپنی جانیں قربان اور سینوں کو آماجِ تیر و سنان بنا کر غیر مسلمانوں کے معابد کی حفاظت کی۔ کیا کوئی اور قوم بھی اپنی بے تعصبی کا ثبوت اس طریقہ سے دے سکتی ہے؟

ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اسلامی قبضہ سے پیشتر شام و فلسطین و عراق و مصر میں پیشوایان عیسائیت اور فرمان روایان کلیسا نے عام لوگوں کو اور پھر فرقہ داری کے جنون میں خود عیسائیوں کی جان و مال کو کس قدر غیر محفوظ کر رکھا تھا۔

وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خون ریزی جاری رہی یہ تھے:

1: کیا مسیح ایک جسم اور ایک روح والا تھا؟
۲: کیا مسیح ایک جسم اور دو روح والا تھا؟
۳: اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا۔ تب اس کے جسم میں انسانی روح تھی، یا الوہیت کی روح؟
۴: اگر اس کے اندر انسانی روح تھی، تب اس کی الوہیت کی ابتدا کس طرح سے اور کب سے ہوئی؟
۵ اگر مسیح ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الٰہی) والا تھا، تب کون سی روح غالب تھی۔
۶: کیا کبھی روح الوہیت روح انسانی پر اور کبھی روح انسانی روح الوہیت پر غالب بھی آ جایا کرتی تھی؟
۷: مسیح کا صلیب پر چڑھنا مع روح الوہیت تھا یا بلا روح الوہیت تھا۔
۸: اگر مصلوبی کے وقت روح الوہیت شامل نہ تھی، تو روح انسانی کیونکر گناہگاروں کے گناہوں کی برداشت کی متحمل ہوئی؟
۹: اگر روح الوہیت شامل تھی تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی؟

---

[1] ۳۷/ الصّٰفّٰت: ۱۷۳۔

الغرض ایسی ایسی موشگافیوں نے مسیح کی صاف اور سچی تعلیم کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ نئی نئی بدعات کے ساتھ نئے نئے فرقے بنتے تھے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیح کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خون ریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نے بند کیا۔

ایران پر مزدکیہ اصول کی حکومت تھی اور کسی عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا۔ جب تک وہ اپنے آپ کو قوم کی مشترکہ جائیداد نہ بنا دے۔

پوران دخت ایران دخت جیسے صاحب تخت و تاج حکمرانوں نے اس اصول کی تعمیل نہ کرنی چاہی تو فوراً ان کو تخت کی جگہ تختہ موت دیکھنا پڑا۔

اسلامی قبضہ ہی نے ایران کے جان و مال کو محفوظ کیا اور اسلام ہی کی بے تعصبی ان کی زندگی کا سبب ٹھہری۔ کتاب ستیارتھ پرکاش میں گوشائیں، بیراگی، چیرانگت (آچاری) ویشنو آوک، دام مارگی چوبی مارگ فرقوں کے فحش افعال اور فحش منتروں کا ذکر موجود ہے۔ ایسے فرقوں کا وجود ہنود میں باہمی جنگ وجدال کا موجب تھا۔

ہند میں داخل ہونے والی ہندو قوموں نے یہاں کے مفتوحین کو اچھوت قرار دیا تھا۔ ہزاروں سال سے اسی پر اب تک عمل موجود ہے اور بدھ ازم اور جین مت نے ہندوؤں کی نسلوں اور پشتوں کو تباہ کرنے میں اور شنکر اچارج کے قائم کیے ہوئے مت نے بدھ لوگوں کو ہندوستان سے خارج کرنے میں جو کارنامے اس ملک میں کیے ہیں وہ تعصب کی خونی داستان ہے۔ اسی تعصب اور عناد باہمی کا نتیجہ تھا کہ سارے ہندوستان پر کسی ہندو راجہ کو شاہانہ حکومت حاصل نہ ہوئی اور یہاں کی ہر ایک چھوٹی حکومت دوسری چھوٹی حکومت سے برسر پیکار رہی۔

(اسلام ہی کی بے تعصبی نے ان سب فرقوں کو اور سب حکومتوں کو اور جملہ مذاہب کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم دی۔ اسی تعلیم کو دولتِ برطانیہ نے اسلامی سلطنت سے اپنے چارج میں حاصل کیا ہے) اور ان کو ان سینکڑوں مذاہب پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا نسبتاً بہت آسان ہو گیا، مگر اس کے مقابلہ میں انگلینڈ و ویلز آئرلینڈ و سکاٹ لینڈ پر حکومت کرنا زیادہ دشوار رہا جن میں بہ لحاظِ مذہب صرف دو ہی فرقے پراٹسٹنٹ اور کاتھولیک آباد ہیں۔

تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں تعصب نہیں۔

فصل نمبر ۱۰

اسلام ہی دین المحبت ہے

ذرا غور کرو کہ اسلام معرفتِ الٰہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے۔

۱: وہ ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [1] ہے، ہر ایک شے جو نمودار ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو نشو ونما قبول کر سکتی ہے، جو کسی حرکت

---

[1] ۸۱/ التکویر: ۲۹۔

سے متحرک ہے، اسے وجود بخشنے والا، اس کی ہستی کو قائم رکھنے والا، اس کے خواص کی حفاظت کرنے والا، اس کی ماہیت و کیفیت خاص سے اسے امتیاز بخشنے والا، اس کی ضروریات حیات کو بہم پہنچانے والا وہی ہے، جو اسلام کا اللہ ہے۔

۲: وہ رحمٰن ہے۔ یہ لفظ لغوی حیثیت سے لفظ رحمت سے مبالغہ کے لیے وضع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ کمال رحمت والا ہے۔

سلسلہ وحی کا قیام برکات سماوی کا نزول، انوار عرفان کا انعکاس اسی رحمت کا نتیجہ ہے۔ ارض و سماء اور خلا و فضا کا قیام اسی رحمان کے حکم سے ہے۔ چرند و پرند کی بقا اسی رحمٰن کے عطیہ سے ہے۔

رَحْمٰن وہی ہے، جو ہر ایک درماندہ کی توانائی ہے، ہر ایک پسماندہ کی ہدایت ہے، اسی کی استعانت ہمیں اس کی رحمت تک لے جاتی ہے، اسی کی رحمت قعر فرش سے انتہائے عرش تک قادر و متصرف ہے۔

۳: وہ رحیم ہے رحم سے رحیم۔ لغوی حیثیت سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس وزن کے الفاظ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے معنی دوام پر حاوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسم پاک رحیم ظاہر کرتا ہے کہ رحم ہمارے مالک کی ان صفات کاملہ میں سے ہے، جن کو ذات پاک کے ساتھ لزوم و دوام حاصل ہے۔

حدیث ترمذی میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا:

أَلَيْسَ اللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنَ الْأُمِّ بِوَلَدِهَا. ❶

''کیا اللہ کا پیار اپنے بندوں کے ساتھ اس پیار سے زیادہ نہیں جو ماں کو اپنے بچہ سے ہوتا ہے۔''

فرمایا: یہ بالکل درست ہے۔

ایک حدیث میں ہے: ((إِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ)) ❷

خواجہ حالی پانی پتی أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ ❸ نے اسی کا ترجمہ اپنی مقبول عام و خاص مسدس میں فرمایا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ)). ❹

''جو کوئی خود رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہ کیا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میراث میں ذوی الارحام (ماں کی طرف کے رشتہ داروں کو بھی) حصہ دار

---

❶ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب مایوحی من رحمة الله یوم القیامة، حدیث: ٤٢٩٧۔

❷ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الناس، حدیث: ١٩٢٤۔

❸ خواجہ الطاف حسین حالی انصاری کی وفات پر راقم نے یہ قطعۂ تاریخ تحریر کیا تھا:

سال وفات مظہر حق حالیؔ بزرگ سلمان سروش غیب بمن گفت یاد دار
چوں سیزدہ زیادہ دوم میکنی شمار سہ بار نویس و بیک باریک نگار
۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ

❹ بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث: ٦٠١٣۔

ٹھہرایا ہے اور اسی کے رحم نے اس حکم کی اشاعت اپنے نبی کی زبان سے کر دی ہے۔
الرَّحِمُ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ رحم تو رحمٰن سے نکلا ہے جو کوئی اپنے ہاں کی قرابت رحم کو نہیں جوڑتا وہ رحمٰن سے اپنا تعلق توڑتا ہے۔
۴: وہ جَبَّارٌ ہے، اسمائے حسنیٰ میں جبار کے معنی وہ نہیں جو عوام نے سمجھے اور جبر کو ظلم و ستم کا مترادف خیال کیا، بلکہ جبار کے معنی ہیں۔ ''شکستہ دلوں کی شکستگی کو دور کرنے والا۔ دکھیاؤں کے درد دکھ کو توڑ دینے والا۔''
۵: قَهَّارٌ ہے، یہاں بھی قہر بمعنی غیظ و غضب نہیں، بلکہ قہر کے معنی حکومت ہیں۔
﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ [1] وہ اپنے بندوں پر حکمران ہے۔
۶: وہ بَرٌّ ہے، بہترین سلوک کرنے والا، احسان فرمانے والا ہے۔
۷: وہ مُجِيْبٌ ہے، بندوں کی دعا و پرارتھنا کو قبول فرماتا ہے۔
۸: وہ رَقِيْبٌ ہے، بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔
۹: وہ تَوَّابٌ ہے، گناہگاروں کی معذرت قبول فرماتا، تازہ القاب سے ان کو خوشی بخشتا ہے۔
۱۰: وہ وَهَّابٌ ہے۔ بے اندازہ نعمتوں کا عطا فرمانے والا۔
۱۱: وہ مُقِيْتٌ ہے، روزی رساں۔
۱۲: وہ نُوْرٌ ہے، آسمانوں اور زمین کی ضو و ضیا اسی سے ہے۔ شمس و قمر کو روشنی اسی سے ملی ہے۔ آنکھوں کو بینائی اسی نے دی ہے۔ مؤمن کے دل کا چراغ اسی کے نور سے روشن ہے۔
۱۳: وہ فَتَّاحٌ ہے، انسان سے مصیبتوں کو دور کرتا ہے، اس کی مشکلات کو حل فرماتا ہے۔
۱۴: وہ رَؤُوْفٌ ہے، گہرا پیار کرنے والا، دل نواز، بندہ پرور۔
۱۵: وہ حَيٌّ ہے، زندہ اور حیات آفرین اور حیات بخش۔
۱۶: وہ قَيُّوْمٌ ہے، پائندہ اور قیام بخشندہ۔
۱۷: وہ عَفُوٌّ ہے، بار بار معاف فرماتا ہے، معاف کر دینے کو پسند کرتا ہے۔
۱۸: وہ وَلِيٌّ ہے، ولاء و محبت اس کی ذات میں ہے۔
۱۹: وہ هَادِيْ ہے، سالکان راہ کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔
۲۰: وہ مُغْنِيْ ہے، غنا بخشنے والا، بندہ کو دوسرے بندہ کی احتیاج سے نجات دینے والا۔
۲۱: وہ مُعْطِيْ ہے، اس کا عطا و نوال بے پایاں ہے۔
۲۲: وہ كَرِيْمٌ ہے، دیتا ہے اور معاوضہ کی اسے ضرورت نہیں۔
۲۳: وہ رَزَّاقٌ ہے، جسم اور روح کے قیام کے لیے جیسی خوراک بحر و بر کے رہنے والوں کی ہو اور تحت الثریٰ میں سانس لینے

---
[1] ٦/ الانعام: ١٨، ٦١۔

والوں کو ہر ایک کے مناسب غذا عطا فرماتا ہے۔

:۲۴ وہ غَفُوْرٌ ہے، گناہ وخطا کو چھپا دیتا ہے، دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسمائے حسنٰی کا شمار ۹۹ (1) ہے۔ ہم نے اس جگہ ۲۴ نام ایسے پیش کر دیئے ہیں، جن میں محبت اور

آثار محبت کا جلوہ موجود ہے، اس سے آگے۔

:۲۵ وہ وَدُوْدٌ ہے، ود زبان عرب میں محبت کی قسم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔ ایک آیت ہے، جس میں رحمت اور ود دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ فرمایا:

﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ ﴾ (2)

''رحمٰن ان کے لیے ود کو مہیا فرمائے گا۔''

ایک دوسری آیت میں غفران اور وداد کو جمع فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ ﴾ (3)

بعد ازاں دیکھو کہ حب اور اس کے مشتقات کا بھی اللہ و رسول کے کلام میں بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے ایک ہی مختصر جملہ میں بندوں کی محبت کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کی محبت کا بندوں کیساتھ ہونا ثابت فرما دیا ہے۔

﴿ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾ (4)

''سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

بعد ازاں صراحت مقصود کے لیے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ محبتِ الٰہی کی شائستگی کیسے بندوں کو حاصل ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (5) ''اللہ احسان کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ (6) ''عدل وانصاف کرنیوالوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (7) ''تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾ (8) ''رجوع الی اللہ کرنیوالوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (9) ''صبر کرنیوالوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ﴾ (10) ''پاک صاف رہنے والوں، طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

ان آیات سے یہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ اوصاف احسان اور توبہ اور عدل وقسط، تقویٰ اور صبر اور طہارت کا اپنے اندر جمع کر لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

---

(1) جن پر میں نے ایک مستقل کتاب ''شرح اسماء اللہ الحسنی'' لکھی ہے اور مسلمان کمپنی سوہدرہ کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

(2) ۱۹/ مریم:۹۶۔ (3) ۸۵/ البروج:۱۴۔ (4) ۵/ المائدۃ:۵۴۔ (5) ۲/ البقرۃ:۱۹۵۔

(6) ۵/ المائدۃ:۴۲۔ (7) ۹/ التوبۃ:۷۔ (8) ۲/ البقرۃ:۲۲۲۔ (9) ۳/ آل عمران:۱۴۶۔ (10) ۹/ التوبۃ:۱۰۸۔

چند آیات مبارکہ میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ کون لوگ ہیں، جن کو محبتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ ﴾ [1] ''برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ [2] ''حدودِ الٰہی کو توڑنے والے قانون شرعی کا احترام نہ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴾ [3] ''اللہ تعالیٰ حیلہ باز، اترانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ [4] ''اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴾ [5] ''خیانت کرنیوالے، احسان کو ملیا میٹ کرنیوالے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴾ [6] ''شیخی باز، اِترانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [7] ''فساد اٹھانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [8] ''کافر اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ [9] ''اسراف کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [10] ''ظلم کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

کہ برائی کی اشاعت کرنا آئین شکنی، حیلہ بازی، عیاری، خیانت، ناشکری، احسان فراموشی، اترانا، غرور، فساد انگیزی کفر، اسراف، ظلم وہ اخلاقِ ذمیمہ ہیں جن کے ارتکاب سے انسان محبتِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

محبت کا اتنا مکمل بیان ثابت کرتا ہے کہ اسلام دین المحبت ہے۔

اب سیدنا و مولانا نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنو:

۱: ((لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا)) [11]

''جب تک ایمان نہیں تب تک جنت میں داخلہ نہ ہوگا اور جب تک آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں۔''

۲: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى)) [12]

---

[1] ٤/ النساء:١٤٨۔ [2] ٢/ البقرة:١٩٠۔ [3] ٤/ النساء:٣٦۔ [4] ٨/ الانفال:٥٨۔ [5] ٢٢/ الحج:٣٨۔

[6] ٢٨/ القصص:٧٦۔ [7] ٢٨/ القصص:٧٧۔ [8] ٣٠/ الروم:٤٥۔ [9] ٧/ الاعراف:٣١۔ [10] ٤٢/ الشوریٰ:٤٠۔

[11] مسلم، كتاب الايمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة الاالمؤمنون، حديث:١٩٤؛ ابوداود، كتاب الأدب، باب افشاء السلام، حديث: ٥١٩٣؛ ترمذی، ابواب الاستئذان، باب ما جاء فی افشاء السلام، حديث:٢٦٨٨۔ [12] بخاری، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث:٦٠١١؛ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، حديث:٦٥٨٦

''آپس کی محبت، آپس کے پیار وآپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جو چند اعضا سے مرکب ہوتا ہے پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے تب سارے جسم کے سارے اعضا بے خوابی وتپ و بے تابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔''

غور کرو، یہاں تواد، تراحم اور تعاطف تین الفاظ کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ تواد بتلاتا ہے کہ خیر اندیشی وخیر طلبی کا وہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اپنے اغراض ومقاصد کو دوست کی غرض ومقصد پر قربان کرنا آسان ہو۔

تراحم ظاہر کرتا ہے کہ دوست کی مصیبت کا احساس تمہارے دل میں ہو۔

تعاطف یہ کہ ایک دکھ میں ہے تو اس کا درد دوسرے کو ہے۔ ایک کا کام اٹکا ہوا ہے تو دوسرا اس کی تدبیر میں لگا ہوا ہے۔

۳: ((إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَأُنَاسًا مَّاهُمْ بِأَنْبِيَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ: ((هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ! إِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَّإِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَّا يَخَافُوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ [1]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بندگان خدا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید، لیکن ان کا درجہ جو اللہ کے ہاں ہے اس کی وجہ سے نبی اور شہید بھی ان کو چاہت کی نظروں سے دیکھیں گے۔'' لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ وہ کون ہیں؟ فرمایا: ''یہ وہ محبت کرنے والے ہیں جن کی باہمی محبت صرف للّٰہیت پر ہے قرابت یا مال وزر کی داد وستد پر نہیں ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۔ جب سارے لوگ غم واندوہ میں ہوں گے مگر ان کو غم نہ ہوگا نہ حزن۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ [2] تلاوت فرمائی۔''

اس حدیث پر غور کرو کہ ولایت ربانی کو باہمی محبت ایمانی کا ثمرہ فرمایا گیا ہے اور اس محبت کا ثمرہ وہ قرب وہ تمکین ہے جو بروز حشر ان کو حاصل ہوگی۔

٤: ((إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ لِجَلَالِيْ، أَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّيْ)) [3]

''اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا کدھر ہیں وہ جن کی باہمی محبت صرف میرے لیے تھی۔ میں آج ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔''

---

[1] ابوداود، كتاب البيوع، باب في الرهن، حديث: ٣٥٢٧۔ عن عمر الفاروق۔

[2] ١٠/ يونس: ٦٢۔ [3] مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الحب في الله، حديث: ٦٥٤٨؛ مؤطا مالك، كتاب الشعر، باب ماجاء في المتحابين في الله۔

ہر شخص جانتا ہے کہ والدین کا سایہ کیسے ناز و تنعم کا موجب ہوتا ہے اور کسی مہربان حکمران کا سایہ کتنے اقبال و دولت کا ضامن ہوتا ہے، اسی پر الٰہی سایہ کی وقعت وقدر ومنزلت کا قیاس کرلو۔ اگر چہ ہم ان نعمتوں کا قیاس کر ہی نہیں سکتے، جن کو نہ آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کان نے سنا ہے اور نہ دل آج تک اس کی ماہیت کو سمجھ سکا ہے:

۵: ((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ)). ❶

نبی ﷺ نے بتایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان اشخاص کے لیے واجب اور ضروری ہوگئی ہے ا: جن کی محبت میرے لیے ہے ۲: جن کا آپس میں مل بیٹھنا میرے لیے ہے ۳: جو میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں ۴: جو میرے لیے بذل وصرف کرتے ہیں۔''

محبت کے آثار وموجبات بھی نبی ﷺ ہی نے بیان فرما دیے۔ فرمایا:

۱: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُوْنُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ)) ❷

''مسلم، مسلم کا بھائی ہے وہ نہ اسے رسوا کرے، نہ جھٹلائے، نہ ظلم کرے۔''

۲: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْآةُ أَخِيْهِ فَإِنْ رَاٰى أَذًى فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ)) ❸

''تم ایک دوسرے کے لیے مثل آئینہ ہو، اگر اپنے بھائی میں کوئی تکلیف دہ بات دیکھو تو اسے دور کردو۔''

۳: ((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❹

''جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بچایا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔''

٤: ((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ)) ❺

''جو کوئی شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی تکلیف کو اس سے دور کرے گا جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، اللہ دنیا وآخرت کے معاملات آسان فرمائے گا، جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی اللہ اس کے عیوب پر دنیا وآخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ بندہ کی مدد فرماتا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔''

---

❶ مؤطا مالك، كتاب الشعر، باب ماجاء في المتحابين في الله عن ابی ادريس الخولانی عن معاذ بن جبل۔

❷ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم، حديث:١٩٢٧۔

❸ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم، حديث: ١٩٢٩۔

❹ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الذب عن عرض المسلم، حديث:١٩٣١۔

❺ مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، حديث:٦٨٥٣؛ ابوداود، كتاب الأدب، باب فی المعرفة للمسلم، حديث:٤٩٤٦؛ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الستر علی المسلمين، حديث:١٩٣٠۔

میں اس بیان کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ لفظ محبت کو عربی زبان نے معنی محبت کے لیے تجویز کرنے سے پیشتر مندرجہ ذیل محاورات کو پیش نظر رکھا ہے حَبَّبَ الْمَاءُ پانی نتھر گیا۔ حَبَّ الْبَعِيْرُ اونٹ زانو جما کر بیٹھ گیا۔ حباب، بلندی سے ملی ہوئی پاکیزگی، حب وہ دانہ جو رزق انسانی بنتا ہے اور مایۂ حیات بشر سمجھا جاتا ہے۔ جب حروف ح و ب کا اجتماع صفائی و پاکیزگی، بلندی و استقرا اور سبب حیات کے معنی میں مسلم ہو گیا، تب اسے اقوی الحرکات یعنی ضمہ سے اور زیادہ قوی بنایا اور لفظ حب کو مادہ محبت قرار دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اسلام کے سوا محبت کی ایسی تعلیم موجود ہے تو وہ بھی وضاحت سے بیان کر دے، ورنہ کم از کم الفاظ پریم یا لو کی ترکیب لغوی ہی کے اندر اتنے دقیق معانی کا ہونا جو ہم نے لفظ حب کے اندر واضح کیے ہیں، ثابت کرے، الغرض نتیجہ صاف ہے کہ اسلام ہی دین المحبت ہے اور وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے محبوب قلوب اور مطلوب جمہور رہا ہے۔

فصل نمبر ۱۱

اسلام ہی مساوات کا بانی ہے

مساوات کے معنی یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے اور ایک غدار بمقابلہ ایک وفادار کے اور ایک نا قابل و نا کارہ بمقابلہ ایک فرض شناس کے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

ایسا کرنا تو حقوقِ انسانیت اور حقوقِ اخلاق کو تباہ کر دینا ہے، ہاں مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

برطانیہ کے شاہی جھنڈے میں انگلینڈ، ویلز، سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ شامل ہیں، لیکن کسی آئرش کو پرائم منسٹر ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔

انگلستان کی آبادی میں بلحاظ مذہب دو بڑی قومیں ہیں۔ پراٹسٹنٹ اور کیتھولک، مگر آج تک کسی کیتھولکی کو پرائم منسٹری پر ممتاز نہیں کیا گیا۔

ہندوستان کے کسی گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ کنگ امپیرز کے حقوق کی حفاظت کے لیے خاص مراعات قوانین عدالت سے بالکل علیحدہ تھیں۔

انتخاب ممبران پارلیمنٹ وغیرہ میں ٹیکس دہندگان کے حقوق ان سے زائد ہیں جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو مالِ تجارت بھیجے جانے کے قواعد اور محاصل کی شرح بالکل الگ الگ تھے۔

پھر حقوق کے اندر تفاوت، خود ایک ہی مذہب کے ماننے والوں میں بھی نمایاں ہے، دیسی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجا اور قبرستان الگ الگ ہیں، علیٰ ہذا افسروں اور ماتحتوں کے کلب اور سوسائیٹیاں بالکل جدا جدا ہیں۔

پوپ ہمیشہ یورپین ہی منتخب ہوا۔ بیس صدیوں میں اس ملک سے جو خداوند مسیح کا زاد بوم ہے کوئی دیسی پوپ نہیں بنایا گیا۔

لارڈ بشپ آف کنٹربری بھی ہندوستان یا کسی دوسری کالونی کا باشندہ نہیں مقرر ہوا۔

ہندوستان یا کالونی یا انگلستان میں کبھی کوئی کمانڈر انچیف ایشیائی اقوام سے نہیں لیا گیا۔

اسلام نے انہی امور پر نظرِ غور ڈالی ہے اور عدمِ مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کو خواہ وہ کسی ملک اور قوم کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا ہے۔

۱: برامکہ آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہی کا خاندان ہارون رشید کی وزارت عظمیٰ پر تمکن تام رکھتا تھا۔

۲: رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد زردار و بے زر کو اسلام میں حاصل ہے۔

۳: یہی حق عورتوں کو حاصل ہے۔

۴: عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ جس کی پیروی سپہ سالار پر فرض ہے۔ سلطنتِ بغداد، سلطنتِ ہندوستان، سلطنتِ مصر میں اہل السنّت بادشاہوں کے وزرائے اعظم اور گورنران صوبہ جات اہل شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں۔

۵: تجارت میں عرب اور غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی اعانت خاص بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

۶: مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و گدا کا فرق نہیں کیا گیا۔

۷: ثبوت مساوات میں عمر فاروق کے سفر شام کا قصہ زبان زد مشہور تر ہے کہ اونٹ پر غلام اور خلیفہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے کیونکہ پچھلی نشست پر ان کا زادِ راہ، ستو (غلام و خلیفہ کے لئے) اور کھجور کی گٹھلیاں اونٹ کے لیے لدی ہوئی تھیں۔ جس وقت آخری منزل پر اسلامی کیمپ میں خلیفہ کے داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج معہ سپہ سالار اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے استادہ تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا تزک و احتشام دیکھنے کو جوق در جوق جمع ہو گئے تھے۔ اس وقت ان تماشائیوں نے دیکھا کہ گرد راہ سے ایک اونٹ نمایاں ہوا اور سب افسر اسی طرف کو آگے بڑھے۔ افسروں کا اس کے خیر مقدم میں آگے بڑھنا غیر مسلم تماشائیوں کے لیے نہایت تعجب خیز تھا۔ ان میں سے ایک نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کہ کیا آپ کا خلیفہ یہی ہے جو اس اونٹ پر سوار ہے۔ غازی نے نہایت متانت سے جواب دیا نہیں، وہ نہیں ہمارا خلیفہ امیر المؤمنین تو وہ ہے جو اس اونٹ کی مہار پکڑے پا پیادہ آ رہا ہے، سوار تو ان کا غلام ہے۔

اس سے بڑھ کر زیادہ صحیح اور زیادہ تر شاندار یہ واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ ایک شتر تین تین کس کے لیے مقرر ہوا تھا۔ دو سوار ہو جاتے، ایک شخص پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی ﷺ کی سواری میں علی مرتضیٰ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ جب نبی ﷺ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور ﷺ پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوتے۔

دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا، وہ حضور ﷺ پر جان و مال کو فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف و عزت جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیوں کر گوارا کرتے تھے کہ حضور ﷺ پیدل چل رہے ہوں اور دوسرے لوگ (جن کی نوبت تھی) اونٹوں پر سوار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس موقعہ پر سب کو سبق مساوات کی تعلیم دے رہا تھا اور اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ کا نورانی نظارہ جلوہ آ رہا تھا، اگر حضور ﷺ ہی کی یہ تعلیم نہ ہوتی تو فاروق اور غلام والی کہانی بھی اوراق تاریخ میں نظر نہ آتی۔

ب: سب سے زیادہ مساوات کا سخت امتحان تزویج کی اس صورت میں ہوتا ہے جب حسب و نسب میں مفتخر و معزز شخص کو اپنی بیٹی

کا پیوند ایسے مرد سے کرنا پڑے جو اوصاف بالا میں اس سے کمتر ہو، مگر اسلام میں ایسے نمونے بکثرت ہیں۔ زینب بنت جحش قرشیہ نبی کریم ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاحِ اول زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جن کو اہلِ مکہ زرخرید غلام جانتے تھے اور جن کو بازارِ عکاظ سے خرید کر لانے والا حکیم بن حزام ابھی موجود تھا۔ (یہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خواہرزادہ ہیں۔)

فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قرشیہ حضرت ابوحذیفہ کی برادرزادی ہیں اور قریش کی مشہورترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں، ان کا نکاح ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ دو مثالیں تو قریشی عورتوں کی ہیں۔

اب اہل مدینہ کی بھی سنو۔ انصار بھی اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ سردار ہاشم بن عبدمناف قرشی کی شان بلند کا سارے عرب کو اعتراف تھا۔ انہوں نے یثرب میں لیلیٰ سے نکاح کی درخواست کی تو اس مغرور قبیلہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی، اس تکبر والے قبیلہ کا حال اسلام میں یہ تھا کہ ایک روز بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں، حبشی بھی ہوں، بے زر و مال ہوں، اور با ایں ہمہ نکاح کا خواستگار بھی ہوں، کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے ان کے اسی قدر کہنے پر بیسیوں لوگوں کی درخواست تھی کہ بلال ان کے ہاں اپنا پیوند منظور کریں۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اہل دنیا کی نگاہ میں غلام تھے، مگر اسلام نے اس کی شان کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ زینب بنت حنظلہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھی۔ یہ زینب اس بڑے خاندان کی خاتون تھی کہ شہزادہ امراء القیس اس کے جدِ امجد کا مداح شاعر تھا۔ اب اسی کی پوتی اسامہ رضی اللہ عنہا کی کفش برداری پر نازاں ہے۔

امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ان کے زمانِ خلافت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار میں گئے غلام سے فرمایا: میں نے بھی کپڑے بنوانے ہیں اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم بزاز کی دکان پر میرے لیے اور اپنے لیے پارچات پسند کرو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کیے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لئے، کچھ سستے کپڑے پسند کیے اپنے لیے وہ خرید کر لے گئے۔ جب درزی کو دینے لگے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے لیے اور قیمتی پارچات کی بابت فرمایا کہ یہ غلام کے لیے قطع کر دو۔ غلام بولا کہ آپ آقا ہیں اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کو اچھا لباس چاہیے فرمایا میں بڈھا ہوں تم جوان ہو تم کو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ ایک بار انہوں نے غلام سے جھگڑتے ہوئے غصہ میں کہہ دیا، او حبشن کے بچے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بس بس کسی بیضاء (سفید پوست والی) کے فرزند کو کسی سوداء (سیاہ پوست والی) کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو عمل سے ہے۔'' [1]

ایک دوسرے موقع کا ذکر ہے کہ انہوں نے غلام کو مارا۔ نبی ﷺ موقع پر آ گئے، فرمایا: ''ابوذر! جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے۔'' ابوذر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جوتے سمیت میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری یہ نخوت نکل جائے۔

---

[1] مسلم، کتاب الأیمان، باب اطعام المملوك مما یأکل، حدیث: ٤٣١٣۔

جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے، ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے۔ نبی ﷺ نے اس پتلی چھڑی سے جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اس کے پہلو میں چوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے تو اس سے ایذا ہوئی، میں تو بدلہ لوں گا۔ فرمایا: میں موجود ہوں۔ وہ بولا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہ تھا، حضور ﷺ کرتہ اٹھالیں۔ حضور ﷺ نے کرتہ اٹھالیا تو اس نے بڑھ کر جسدِ نورانی کو چوم لیا۔ عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں۔

اس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی، اسلامی تعلیم کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کیوں کر ایک ادنیٰ امتی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جسد مبارک کو آمادہ آزار و گزند بنانے پر بہ طیب خاطر رضامند نظر آتے ہیں۔ یہی مساوات حقیقی ہے۔

اس مساوات کی حمایت وحفاظت کے لیے علمبرداران اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کے لیے رضامند ہو جاتے تھے مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے جبلہ بن ایہم سلطنت غسان کا شہزادہ تھا۔ عیسائیت چھوڑ کر عہد فاروقی میں داخل اسلام ہوا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس کی عزت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طواف کعبہ کر رہا تھا۔ اس کے شاہانہ چوغہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا۔ پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آ رہا تھا۔ اس کا پاؤں دامنِ چوغہ پر پڑ گیا، جب اس نے لوٹ کر دیکھا تو اسے ایک بادیہ نشین گنوار نظر آیا جو مستانہ ولا ابالانہ حالت میں مصروف طواف ہے اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شہزادہ کو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔ لوٹ کر ایک تھپڑ اس کے رخسار پر لگا دیا۔ بدوی نے امیر المومنین کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ شہزادہ بلایا گیا اور جب طلب ہوا، شہزادے نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمران ہوں اور یہ ایک فرومایہ شخص ہے۔ اگر میں نے ایک طمانچہ اس کے لگا بھی دیا تو کیا۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں، یا تو اسے رضامند کرو۔ ورنہ بدلہ دینا پڑے گا۔ اس نے کہا کہ ایک دن کی مہلت دی جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ جبلہ شباشب بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ اس کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا نقص تھا تو یہ تھا کہ شہزادہ اور گنوار کی وقعت برابر برابر ہے۔ مگر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اس وصف پر مفتخر تھے کہ عدالت میں ایک ذرہ خاک راہ اور ایک کوکب حکومت دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ناظرین کتاب ان واقعات صحیحہ کو ایک کہانی کے طور پر پڑھ جائیں، مگر ان واقعات کی قدر و منزلت اس وقت معلوم ہوگی جب دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے گی اور طلب و تجسس بے حساب کے بعد بھی اس کی نظیر ان کو نہ مل سکے گی۔

اسلام میں ایسے نظائر بے شمار ہیں، میں صرف ایک اور واقعہ لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

فاروق اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے، دوستانہ سلسلۂ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا، کہا علی رضی اللہ عنہ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا، ابو الحسن رضی اللہ عنہ سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے دیکھا گیا کہ اس وقت ان کے چہرے پر بل تھے۔ دعویٰ سنایا گیا، فیصلہ کر دیا گیا، مدعی جھوٹا تھا، وہ چلا گیا تو پھر وہی جلسہ مصادقت جم گیا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰ نے فرمایا، ضرور پوچھو، کہا جب آپ کو سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا۔ اس وقت آپ چیں بہ جبیں کیوں تھے۔ کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہونے کو برا سمجھا تھا۔ فرمایا نہیں نہیں یہ بات نہیں، آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابو

الحسن رضی اللہ عنہ کہہ کر کھڑا ہونے کو کہا تھا، کنیت سے پکارنا نشان عزت ہے میرا خیال ادھر گیا کہ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھے کہ عدالت کو مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے اور اسی لیے مدعی کے مقابلہ میں اسے بالفاظ عزت مخاطب کیا گیا ہے، اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بلند ترین طبقہ کے ہیں جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو مفتوح رعایا نے استغاثہ کیا کہ ان کے ایک بت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے۔ فوجی افسر نے کہا اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میری فوج کے کسی شخص کا یہ فعل قیام امن کے بعد اور دیدہ دانستہ تھا تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ تم میری بھی ایک آنکھ پھوڑ ڈالو۔

یہ فیصلہ سن کر سب لوگ شانتی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ان واقعات کے بعد میرا حق ہے کہ میں بہ آواز بلند پکاروں اور دنیا کو بتاؤں کہ مساوات اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل نمبر ۱۲

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا

انجیل متی میں مسیح علیہ السلام کا مشہور قول یہ ہے، جو چیز قیصر کی ہے، قیصر کو دو۔۲۲:۲۱

مسیح علیہ السلام نے حکومت کا یہی نمونہ سکھایا ہے اور رعایا کا کوئی حق مالگزاری کی ادائی کے سوا معین نہیں فرمایا۔

یجر وید اور سام وید کو پڑھ جایئے، اس میں راجا ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور اسی کے اختیارات کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں حوالہ جات شخصی حکومت کو مستحکم بنانے والے ہیں، نوعی یا جمہوری حکومت کا ان کتابوں میں ذرا نشان بھی نہیں ملتا۔ اسلام نے صاف طور پر حکم دیا ہے:

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ ❶ ''ان کے امور سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے۔''

ہر چہار خلفائے راشدین مہدیین کا جس طرح انتخاب ہوا، ہر ایک کے انتخاب کے وقت جیسی تقاریر آزادانہ ہوئیں۔ انصار یا قریش میں خلافت ہونے پر جو بحثیں ہوئیں خود قریش کے اندر راجح و مرجوح اور اس کی وجوہات کی بحثیں ہر ایک کا اپنی اپنی تائید میں دلائل یا آراء کا پیش کرنا آزادی کے ساتھ سب کچھ ہوا۔ آراؤں کا شمار ہوا اور بہترین اشخاص میں سے جس کی نسبت آراء کا غلبہ ہوا، اسی کو اہتمام سیاست سپرد ہوا۔ خلیفہ کے کام کو باقاعدہ رکھنے کے لیے مہاجرین و انصار اولین کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے دیگر مسلموں کی دوسری کونسل مقرر کی گئی۔ خلیفہ اپنی رائے سے کوئی جدید محصول نہیں لگا سکتا تھا، جو محصول لگایا جاتا اس پر کونسلوں میں مباحثے ہوتے تھے۔

ذمہ دار افسروں کے تقرر کے وقت کسی جنگ کے آغاز یا ختم کرنے کے متعلق مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لشکر اسلام کو روانہ کرنا، عراق و شام و مصر پر اقدام خالد و ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کی سپہ سالاری ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جانشینی پر عام مشورہ لیا گیا تھا۔

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ:۳۸۔

خلیفہ کا بحیثیت خلیفہ کسی مفتوحہ ملک میں سفر کرنا کونسل کی منظوری کا محتاج تھا۔ مثلاً فاروق رضی اللہ عنہ کا جنگ ایران اور جنگ روم میں خود جانے پر متعلقہ کونسل سے منظوری لینا۔

خلیفہ کو مقررہ وظیفہ ملتا تھا اور وظیفہ سابقہ خدمات یا قدامت اسلام پر مبنی ہوتا تھا۔ خدمات خلافت کے سرانجام دینے پر کوئی خاص معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ فاروق رضی اللہ عنہ صرف بدریوں کا وظیفہ لیتے تھے۔ خلیفہ کو اپنی پالیسی (اصول حکمرانی) کا اظہار کرنا پڑتا تھا (صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما کے پہلے خطبات ملاحظہ کیجئے)۔

خلیفہ عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے افعال و اعمال کا جواب دہ سمجھا جاتا تھا اور بارہا اسے جوابدہی کرنی پڑی (فاروق و مرتضی رضی اللہ عنہما) کی بابت ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے، لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ نو صدیوں کے بعد کی ہے۔

آج دنیا اس نوعی و جمہوری طرز حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے۔ اسلام کا یہ احسان جملہ اقوام پر ہے۔

(۲) شوریٰ سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ [1]

''امور سلطنت میں آپ لوگوں سے مشورہ کر لیا کیجئے۔''

وہ نبی جو متبوع کل اور سید عالم، صاحب الکتاب، صاحب الشرع ہے جس کا کوئی حکم اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسے مشورہ کا حکم دیا گیا، تاکہ کوئی شخص بھی (تقدس اور کمال کی بنیاد پر) اس حکم سے مستثنیٰ نہ سمجھا جائے۔ عہدِ نبوت کے چند واقعات کا حوالہ درج ذیل ہے۔

(۱) حدیبیہ سے مکہ کے لیے سفیر کا معاملہ مشاورت میں لایا گیا اور مشاورت پر طے ہوا۔

(۲) میدان احد کو جنگ کے لیے انتخاب کرنے کا معاملہ مشاورت میں لایا گیا اور اسی اصول پر طے ہوا، رئیس المنافقین اُبی کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اس کی رائے کی بمقابلہ کثرت آراء کوئی وقعت نہ کی گئی۔

(۳) جنگ آوران احزاب کی پیش کردہ شرائط کو سرداران انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا اور انہی کی رائے پر فیصلہ ہوا۔

(۴) طائف سے محاصرہ اٹھائے جانے کو سردارانِ فوج کے سامنے پیش کیا گیا اور تب ہی یہ محاصرہ اٹھایا گیا، جب وہ اس پر متفق ہو گئے۔

(۵) اسیرانِ بدر سے سلوک کا معاملہ مشاورت میں لایا گیا اور مشاورت کے بعد ہی طے ہوا۔

(۶) عدالت کا اعلیٰ محکمہ (قاضی القضاۃ) بالکل آزاد اور خود مختار ہوتا تھا۔ اس پر سلطنت کا رعب یا سلطان کا ذاتی دباؤ کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۵۹۔

آج آئینی حکومت کے جملہ بادشاہ اور حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں اور انہی اصولوں کو سلطنت وحکمرانی کا بہترین طریق تسلیم کیا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ اسلام کی خصوصیات سے ہے کہ اس نے جملہ اقوامِ عالم کو اس اصول سے روشناس کیا اور اس اصول کی برکات سے متمتع بنایا۔

فصل نمبر ۱۳

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے

عموماً دنیا میں تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ ان کے دائرہ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔

(۱) نسل (۲) زبان (۳) رنگت

بلحاظ نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں (چھتری، دیش، شودر، چنڈال لوگوں پر رہے ہیں) یا جو حقوق بنی اسرائیلیوں میں بنی لاوی کے لیے خاص ہیں یا جو حقوقِ سلطنت اولاد یعقوب علیہ السلام میں بنی یہوداہ کے لیے مختص رہے ہیں۔

عرب میں قریش کو دیگر قبائل پر جو تفوق رہا ہے وہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔

(۲) ہر ایک زبان کو اپنی حکومت کی تائید سے جو برتری دنیا میں بمقابلہ السنہ دیگر رہی ہے، سنسکرت کا غلبہ پراکرت اور تامل وغیرہ زبانوں پر عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لیٹن کا غلبہ یورپ کی اور زبانوں پر، انگریزی کا اس وقت غلبہ ان سب زبانوں پر جو برطانوی جھنڈے کے تلے آباد ہیں۔ فارسی کا غلبہ اس وقت کا جب ہندوستان و کابل و خراسان و ترکستان میں یہی زبان حکمرانوں کی زبان تھی۔ عربی زبان کی فوقیت دنیا کی سب زبانوں پر اس وقت جبکہ عرب اپنے مقابلہ میں سب کو عجمی (گونگے) کہا کرتے تھے، اپنے اپنے ادوار میں رہا ہے اور اسی اتحادِ زبان یا اختلافِ زبان پر حقوقِ انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔

(۳) سرخ رنگ یا زرد رنگ یا مسی رنگ یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ انسانوں کے حقوق و مناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں اور ہر ایک حکمران قوم نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو سلوک کیے ہیں، تاریخ عالم ان واقعات پر اب تک لہو کے آنسو بہا رہی ہے۔

اسلام نے جو اللہ احد کا واحد دین ہے۔ ان ہر سہ امتیازات کی دیواروں کو مٹایا، پست و بلند کو ہموار سطح پر کھڑا کیا اور دنیا کے سب ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کے لیے صرف دین واحد کو پیش کیا۔

(۱) امتیازِ نسل کے متعلق فرمایا:

﴿ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ﴾ [1]

''انسان اولین بشر کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔''

پھر یہ بھی فرمایا کہ ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ [2] ''سب انسانوں میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔''

---

[1] ۳۲/ السجدۃ: ۷، ۸۔ [2] ۴۹/ الحجرات: ۱۳۔

(۲) و (۳) زبان اور رنگ کا فیصلہ بھی فرما دیا اور فیصلہ بھی کیسا عجیب ﴿ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ﴾ [1] بھانت بھانت کی بولیاں (زبانیں) اور جدا جدا رنگ، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نشان ہیں لیجیے۔ اب تو کسی کو بھی اپنی زبان اور رنگ کے متعلق کچھ جھگڑا نہ رہے گا۔

ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلاف نسل ہے، نہ اختلاف زبان ہے۔ نہ اختلاف رنگ ہے بلکہ اس کی بنیاد اللہ شناسی پر ہے اور ہر شخص کو اس بارے میں بخوبی آزادی ہے کہ وہ قرب و رضوان الٰہی کے جس دروازے سے چاہے اس سے داخل ہو جائے۔ یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

فصل نمبر ۱۴

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے

زرتشت بزرگوار جہاں پیدا ہوئے تھے اور جہاں سے انہوں نے پند و انذار شروع کیا تھا۔ بدھ گوتم جہاں پیدا ہوئے تھے جہاں انہوں نے سخت ریاضات برداشت کی تھیں، جہاں انہوں نے اپنے اصول پر پہلی تقریر کی تھی۔

وہ وادی اور میدان جہاں رشیوں نے وید کی شرتیوں کے درشن پائے تھے، وہ مصر اور مصر سے فلسطین تک کی راہ اور خود فلسطین جس سے موسیٰ اور یوشع بن نون کے معجزات و فتوحات کا تعلق ہے جو داؤد و سلیمان علیہما السلام کے مستقر خلافت تھے، جہاں اسباط اثنا عشر نے حکومت کی تھی۔

وہ پہاڑ اور دشت جہاں پارس ناتھ جی کی سنگھتیں بیٹھیں۔

غرض مذاہب قدیمہ کے جملہ معدن و مخزن آج اغیار کی حکومت میں ہیں اور ان مقامات پر یا تو ان مذاہب کا اصلی نشان بالکل نابود اور بے نشان ہو چکا ہے اور یا دیگر مذاہب اور دیگر اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور حقوق تمدن میں ان کے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے، اور اس اصلی مذہب کو اس جگہ کوئی خاص تفوق اور امتیاز قطعاً حاصل نہیں۔

اصطخر اور بلخ، نیپال کی ترائی اور بنارس آریہ ورت پنجاب و یوپی کا حصہ کثیر آبو، الموڑہ جگن ناتھ جی اور ست نرائن، گنگا و جمنا وغیرہ وغیرہ سب پر نظر ڈال جاؤ، تا کہ ہمارے خیال کی صحت و وقعت بخوبی واضح ہو جائے۔

اس عبرت آموز سبق کو یاد رکھتے ہوئے پوری پوری واقفیت اور خبرت کے ساتھ آپ حجاز کو بھی دیکھیں کہ ہر ایک وہ مقام جس کو کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت ہادی اسلام کے ساتھ ہے، آج تک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے اور آغاز اسلام سے لے کر آج تک ملک کے اس تاریخی مقام پر کبھی کسی غیر مذہب کا قبضہ و تسلط نہیں ہوا۔

قبضہ غیر کا اثر لازمی طور پر اور نامعلوم طریق سے ہر ایک ملک کی زبان اور رسوم اور مآثر اور مذہب پر ہوا کرتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے کہ پارسیوں کے پاس ان کے پاک نوشتے موجود نہیں رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر سکندر مقدونی کا قبضہ ایران پر نہ ہوا ہوتا اور طوائف الملوکی نیز خانہ جنگی نے ایران کو ویران نہ کر دیا ہوتا، تو اردشیر بابکان جیسا دانش آموز بادشاہ اپنے نوشتوں کی

[1] ۳۰/ الروم: ۲۲۔

فراہمی سے تین صدی قبل از اسلام، مایوس نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مصر پر کلیا پیٹرا کے عہد میں سلطنت روما کا قبضہ نہ ہوا ہوتا تو مصر قدیم کے کتب خانہ جات کبھی تباہ نہ ہوتے۔

اور اگر بت پرست سلطنت روما کے بعد عیسائی سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو گیا ہوتا تو اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ ہرگز ہرگز بطریق آتش تعصب سے خاکستر نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مہاتما بدھ نے زبان سنسکرت کی تعلیم کی روک کے متعلق تاکیدی احکام جاری نہ کیے ہوتے اور راجہ اشوک اور اس کے جانشینوں نے سختی کے ساتھ سنسکرت اُپدیشوں اور کتابوں کو فنا کرنے میں طاقت صرف نہ کی ہوتی تو آج دنیا پر سے وید کی اصلی زبان مفقود نہ ہو جاتی۔

اور اگر قدیم رشیوں کے نوشتوں کو گم یا مسخ کرنے کے متعلق کوئی زبردست کارروائی اس مرنجان مرنج اصول والوں نے نہ کی ہوتی، تو آج ہندو دھرم کی کتابوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ مہا بھارت جیسی کتاب میں بیس ہزار اشلوک غیر اصلی ہیں اور منوسمرتی جیسی کتاب میں بھی موضوعات اس طرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ شمولیت موضوعات کے علم کے بعد بھی فاضل پنڈتوں اور رشی دیانند جیسے شائقین کو بھی یہ بتانا بالکل محال ہو گیا ہے کہ کون کون سی عبارت وضعی و غیر اصلی ہے۔

ان نقصانات کی طرف اشارہ ہم نے ضمناً اس دلیل کے تحت میں کیا ہے کہ کسی ملک پر قبضۂ اغیار کے تسلط کے اثرات کیا کیا ہوتے ہیں۔

اسلام کو دیکھئے کہ مکہ و مدینہ اور اس کے حوالی و اطراف اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک ﷺ کے قدم اقدس پہنچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، وہاں کی وہی زبان ہے جو پیارے مکی مدنی ﷺ کی تھی، وہاں کا وہی تمدن ہے جو مقدس رسول ﷺ کا تھا۔ وہی کتاب ہے جو نبی الامی کی تھی۔

قرآن مجید میں اسلام کو اس شجرۂ طیبہ سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کی جڑ قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوئی ہوں۔

ہر ایک دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ﴿ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ [1] کی صورت و حالت آج تک اسلام ہی پر صادق و ثابت ہے اور یہ امر بھی خصائص اسلام میں سے ہے۔

اس آیت کی کچھ تفسیر اسی کتاب کے باب خصائص قرآن مجید میں دوسری جگہ درج ہے۔

فصل نمبر ۱۵

اسلام ہی دین تمدن ہے

فطرتِ انسانی کا راز جاننے والا، حاجاتِ انسانی کے انجاح کی راہ بتانے والا تسلیم کرے گا کہ انسان مدنی الطبع ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مختلف ادیان نے کیوں کر مدنیت کو روحانیت کا مد مقابل بنایا، اور تمدن کو روحانیت کا دشمن

---

[1] ١٤/ ابراھیم: ٢٤۔

ٹھہرایا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ گوتم اپنی نوجوان بیوی اور نوزائیدہ بچہ کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا اور جنگلوں میں رہ کر سخت سے سخت ریاضتوں کا متحمل بنتا ہے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اس بیدار دل نے انسان کا مدنی الطبع ہونا معلوم کر لیا تھا۔

جب ہم وید بیاس جی کو آبادی سے نفور اور مادر و پدر سے دور رہتا ہوا دیکھتے ہیں تو کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انہوں نے واجبات تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا جب ہم انجیل میں وہ مقابلہ پڑھتے ہیں جس میں خدا کی راہ میں خصّی بننے کا ذکر ہے تو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ انہوں نے آدم وحوا کے جوڑے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

جب ہم روما کے آسمانی گرجا کے سایہ میں لاکھوں منک اور نن کو فرائض نسلی سے بیزار دیکھتے ہیں تو کیا تصور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے خدا کے حکم ''انسان اپنی بیوی سے جوڑے گا'' کی صحیح تعمیل کی ہے۔

جب آریہ ورت کے جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں، کوہستان کی چوٹیوں پر ایسی گرہستیوں کو دیکھتے ہیں، جن کی عمر کے آخری حصہ میں منوسمرتی نے گھروں سے باہر رہنے کا حکم دیا ہے اور جو اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے غیر معین اور غیر معلوم وسائل پر بھروسہ رکھنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔ جو ضعیفی اور پیری اور لاچاری و مجبوری کی عمر میں اپنا کوئی رفیق وغم گسار قریب نہیں پاتے ہو تو کیا اقرار دے سکتے ہیں کہ اس حکم کے وقت تمدن کی حقیقت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

جب ہم رشیوں، جوگیوں، سنیاسیوں، منیوں، بیراگیوں کے گروہوں کو بستیوں سے پرے پرے دھونی لگائے جٹیں لٹکائے، آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا یقین کر سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اعلیٰ معیار ہے۔

جب ہم سینکڑوں لڑکیوں (دیوداسیوں) کو ایک پتھر کی مورت کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسلِ انسانی کی تدبیر کو اس مقدس لباس میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ تو کیا باور کر سکتے ہیں کہ ان مقنّنین نے آبادی عالم کا سب سے بڑا گر دریافت کر لیا تھا۔

میرے دوستو! یہ سب کرشمے ایسی تعلیم کے ہیں جس نے نہ انسان کو سمجھا اور نہ طبع انسانی کا فلسفہ معلوم کیا اور نہ اس پر عمل کرنے کو کچھ اہمیت دی۔

ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دور کر دیتا ہے۔ جملہ ظنون کو خاک نشین بنا دیتا ہے۔ تمام ناروا ستم اور جور و جفا دور کر دیتا ہے، جو مدنیت اور انسانیت کو ترقی کے محل میں سوار کر دیتا ہے، جو بجلی کی منفی و مثبت طاقتوں کو مجتمع کر کے تمدن کا گھر صاف وسفید روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام بتلاتا ہے: ﴿ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا ﴾ [1] ترک تمدن محض بدعت ہے۔

عورتوں کے حقوق

اسلام ہی عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دیتا ہے اور ان کے مساویانہ حقوق کو بحال کرتا ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ ﴾ [2]

''عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔''

---

[1] ۵۷/ الحدید:۲۷۔ [2] ۲/ البقرۃ:۲۲۸۔

بچوں کے حقوق

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ ❶

''تنگدستی کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔''

والدین کے حقوق

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ ❷

''ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔''

حکومت کے حقوق

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ ❸

''اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور اپنے امیروں کی فرمانبرداری کرو۔''

اقسام تعاون

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ ❹

''نیکی اور خداترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

عدمِ تعاون کی اقسام

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ❺

''گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔''

ایفائے معاہدات کا حکم

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ ❻

''اے ایمان والو! سب قراردادوں کو پورا کیا کرو۔''

عداوت قومی کے پائے جانے کی حالت میں بھی عدل کا لزوم اور بے انصافی کی نہی

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ❼

''کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو اس خیال پر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم ان سے عدل نہ کرو، ہاں عدل ہی کرو ایسا کرنا ہی خداترسی کے لیے قریب تر ہے اور تم کو حکم ہے کہ خداترسی پر قائم رہو۔''

معاہد غیر مسلم اور مسلم معاہد میں غیر مسلم کی رعایت اور نیوٹرل رہنے کی ہدایت

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ

---

❶ ۱۷/ بنی اسرائیل:۳۱۔ ❷ ۱۷/ بنی اسرائیل:۲۳۔ ❸ ٤/ النساء:۵۹۔

❹ ۵/ المائدۃ:۲۔ ❺ ۵/ المائدۃ:۲۔ ❻ ۵/ المائدۃ:۱۔ ❼ ۵/ المائدۃ:۸۔

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ﴾ ❶

''جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ جنہوں نے ان لوگوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

﴿ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا ﴾ ❷

''جو لوگ ایمان تو لائے ہیں، مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی، تم کو ان کی ولایت کچھ بھی نہیں۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر آئیں۔''

یہ دونوں ایک دوسرے گروہ کی ولایت کا حق رکھتے ہیں۔

فساد اور بے امنی کی برائی

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴾ ❸ ''اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ ﴾ ❹ ''دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔''

خلافت راشدہ کی علامت

﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ﴾ ❺

''خوف جاتا رہے گا اور امن اس کی جگہ سنبھال لے گا۔''

حقوق کی ادائیگی کی تاکید

﴿ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ ﴾ ❻

''قرابت داروں اور مساکین کا حق ادا کیا کرو۔''

عباد الرحمٰن کی صفات حسنہ حقوق تمدن کے متعلق

الف: ﴿ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِيۡنَ يَمۡشُوۡنَ عَلَى الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴾ ❼

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی کے ساتھ رہتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔''

ب: ﴿ وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ يُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ يَقۡتُرُوۡا وَكَانَ بَيۡنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ ❽

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی اور تنگ دلی نہیں کرتے، بلکہ درمیانی راہ پر قائم

---

❶ ٨/ الانفال:٧٢۔ ❷ ٨/ الانفال:٧٢۔ ❸ ٢/ البقرۃ:٢٠٥۔ ❹ ٢٨/ القصص:٧٧۔
❺ ٢٤/ النور:٥٥۔ ❻ ٣٠/ الروم:٣٨۔ ❼ ٢٥/ الفرقان:٦٣۔ ❽ ٢٥/ الفرقان:٦٧۔

رہتے ہیں۔"

ج: ﴿ وَلَا يَزْنُونَ ﴾ ❶

"رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔"

د: ﴿ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ﴾ ❷

"رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔"

سچی شہادت کے ادا کرنے کی فرضیت

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ﴾ ❸

"اے ایمان والو! انصاف پر قیام کرنے والے اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمہاری وہ شہادت خود تمہارے خلاف یا، تمہارے والدین اور نہایت قریبیوں کے خلاف ہو۔"

اخفائے شہادت کی حرمت

﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ﴾ ❹

"شہادت کو مت چھپاؤ، جو کوئی گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل بھی گنہگار ہو جاتا ہے، یہ ضمیر کو گندہ کرتا ہے۔"

ان احکام پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے فوائد تمدن اور حفاظت تمدن اور قیام تمدن کے لیے کیسے اصولی احکام دیئے ہیں اور یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے روحانیت کے ساتھ ساتھ مدنیات کی تعلیم پر بھی پورا زور دیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم اللہ کا سچا بندہ، اہل دین کا کامل ہمدرد، والدین کا سعادت مند فرزند، تمدن کا پورا محافظ، اچھا شہری، وفادار، راست گو، صلح پسند فساد کا دشمن، نسل انسانی کا دوست دار ہو۔

فصل نمبر ۱۶

اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض بھی حاصل کیے

اسلام رحمۃ للعالمین ﷺ کا سکھلایا ہوا دین ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے احکام جملہ عوالم واقوام کے لیے رحمت ہوں، اگر نبی ﷺ کے احکام مختص بہ مسلمین ہوتے تو ان سے دیگر اقوام کا استفادہ دشوار تھا۔

لیکن تاریخ عالم کو اٹھا کر دیکھو کہ جب سے اسلام نے اپنی تعلیم کو عام کیا اور دشمن و دوست کے سامنے یہ دستر خوان نعمت بچھا کر سب کو صدائے عام سے پکارا، اسی وقت سے ان اقوام نے بھی جو آج تک اسلام سے دور دور رہنے کی دعویدار ہیں، اسلام سے متواتر فیوض حاصل کیے۔

---

❶ ۲۵/ الفرقان:۶۸۔ ❷ ۲۵/ الفرقان:۷۲۔ ❸ ٤/ النساء:۱۳۵۔ ❹ ۲/ البقرۃ:۲۸۳۔

پارسی عہد قدیم سے یزدان کو خالق نور، اور اہرمن کو خالقِ ظلمات تسلیم کرتے تھے اور وہ یزدان کی طرح کسی دوسرے کو اس کے برابر کا خالق تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔

یزدان و اہرمن کی فوجیں ہمیشہ نبرد آزما رہتیں، جیسا کہ آریہ ورت میں بھی دیوتاؤں اور راکھشوں میں ہمیشہ جنگ اور جدال جاری رہتا تھا، لیکن آج ان ہر دو مقامات میں یزدان کی برتری اہرمن پر اور دیوتا کی برتری راکھشس پر تسلیم کی جاتی ہے۔

پارسیوں میں غیر معین وقت سے محرمات ابدیہ کی حد و ٹوٹ چکی تھیں۔ شہنشاہ ایران داراب کا باپ بہمن تھا اور یہی بہمن بن اسفندیار اس کا نانا بھی تھا، کیونکہ داراب کی ماں ''ہما'' دختر بہمن ہے۔

نہ دربار ایران نے اس انوکھے رشتہ کو وارث تاج و تخت تسلیم کرنے میں چوں و چرا کی اور نہ رعایائے ایران نے اس پر کچھ تعجب کا اظہار کیا، بلکہ بہمن کے مرجانے پر اس کا تاج اس کی بیٹی ہما کے شکم پر رکھ دیا گیا اور دنیا میں اس آنے والے مولود کو خوشی خوشی بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

دارا ابن دوراب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کے آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روشنک بنت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنا لے۔ قابل غور ہے کہ ''جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا'' کے الفاظ دارا نے زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کیے تھے، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہی ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع و زبان سے اٹھا دیا تھا۔

ایران میں مزدکیہ مذہب اسی لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرماتِ ابدیہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔

مزدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

پنڈت دیانند سرستی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔

کانشی جی جیسی پوتر جگہ میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی گھیر امشہور ہے موجود ہے اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ نکلتے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم و حیا کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شبد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع النظر مؤرخ بتلائے کہ کیا اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان ذلتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی

راہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے ایمفی تھیٹروں کے دل ہلا دینے والے نظارے سنگ دلی اور گرگ طبعی کے پورے مجسمے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے، خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر فیوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں نبی لاوی نے نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں جو حقوق اپنے لیے خاص ٹھہرا لیے تھے۔

پطرس اعظم کے جانشین پوپ روما نے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے جن کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے سرگ ونرگ میں مردہ کی جان دھکیل دینے کی جس شکتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے سامریہ کی نبی لاوی سے علیحدگی پروٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے بیزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت اسلام سے پیشتر کا تھا؟ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس آزادی حاصل کرنے سے پیشتر اسلام کے علمی اور عملی کارنامے ان کی آنکھوں اور دلوں کے سامنے نہ تھے؟

ان حقائق پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام نے یورپ اور ایشیا میں ترقی اذہان اور آزادی احساس اور تمیز نفع وضرر کے فیوض بالواسطہ سب کو پہنچائے ہیں۔

سو بیویوں والے بادشاہ کو اکلوتا کہنے والے یہودی، ایک ہزار خواتین والے بادشاہ کو خدا جیسا دل رکھنے والا بتانے والے اسرائیلی، سولہ ہزار سکھیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والے کرشن، جیو کو سولہ سنگار والہ اوتار کہنے والے ہندو، نشانہ بازی میں جیتی ہوئی دروپدی، ایک عورت کو پانچ پانڈوؤں کی جائز بیوی بتانے والے آریہ ورتی غور کریں کہ آج تعدد زوجات کے متعلق ان کے خیالات کس قدر ہموار ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص اس کی وجہ عیسائیت کی تعلیم کو یا عیسائیوں کے عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں عیسائیت کی تعلیم تعدد ازواج کے بارے میں خاموش ہے اور ان کا عملی نمونہ اس آئینی قانون کا نتیجہ ہے جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور ٹھنڈے خون والے یورپ نژاد کے لیے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ میں تلاش کرو کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت پیشتر قرآن مجید کے ترجمے یورپ کی چند زبانوں میں اشاعت ہو چکے تھے اور قرآن مجید کے الفاظ فَوَاحِدَةً ہر ایک سمجھ والے کے دل میں ایسی قانون سازی کی تحریک پیدا کر رہے تھے۔

ان نظائر سے تمدن کو اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام نے جملہ اقوام کو بالواسطہ کس قدر برکات عطا کی ہیں۔ شراب سے بھرے جام جم پر فخر کرنے والے اور ساغر ہوش ربا کو جام جہاں نما بتانے والے ایرانی۔

دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ میں مد چڑھانے والے آریہ ورتی۔

مسیح علیہ السلام کے اولین کارنامہ پانی کے مٹکوں کو خم ہائے شراب بنا دینے کا واقعہ فخر ومباہات کے ساتھ سنانے والے عیسائی۔

سادہ پانی کے استعمال سے منع کرنے والے اور پانی میں تھوڑی سی شراب کو التزاماً شامل کرنے والے پولوسی۔

میدان ہائے جنگ کو بادۂ آتشین سے گرمانے والے اطالین اور عرب اور افریقی۔

کلوپٹیرا کے ایک پیگ پر فرائض سپہ سالاری کو چھوڑ دینے والے رومی۔

کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں جو حرمت شراب کی صورت میں اس نے جملہ اقوام وادیان پر عام کیا نہیں ہرگز نہیں۔ اسلام ہی نے شراب کو ''ام الخبائث'' کا لقب دیا۔ اسلام ہی نے اسے روحانیت کا دشمن بنایا۔ اسلام ہی نے اسے شرارت انگیز عداوت خیز بتایا اسلام ہی نے اسے شیطان ابلیس اور راکھسش (اہرمن) کا عمل بتایا۔

جنگ عظیم ۱۴ تا ۱۹۱۸ء میں انگلستان اور روس اور امریکہ کو یکے بعد دیگرے مجبوراً اسے ترک کرنا پڑا، کیا یہ سب اسلام کے بالواسطہ فیوض نہیں۔

بھارت اعظم کی اولاد میں مہاراجگی کو خاص کرنے والے اور اسی دھن میں کورو چھیتر کی خوں آشام زمین پر سارے ہندوستان کو کاٹ کر رکھ دینے والے (آریہ ورتی)۔

کیانِ ایران کو شایانِ خسروی بتانے والے اور اسی لیے تاتار اور یونان اور بابل کی حکومتوں کو فنا کرنے والے۔ (پارسی)

خاندان ''چو'' کو فرزندانِ آسمانی کہنے والے اور دنیا کو ایک ثلث رعایا اور ان کے دیوتاؤں سے بھی اوپر ہو کر سیاہ وسفید کرنے والے (چینی)۔

یورپ پر تفوق اور غلبہ کا استحقاق جتانے والے اور خاندان کو نوع انسانی پر فرماں دہی کا چارٹر رکھنے والے (فرنچ)۔

غور کریں کہ اسلام کے حکم ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ [1] اور ﴿ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ [2] نے دنیا کو کس آئینی حکومت کا جمال دکھایا۔ ان کو تحفظ نوعی وجنسی اور تعاون افرادی وقومی سے آگاہ بنایا۔

کہتے ہیں کہ انگلستان کی پارلیمنٹ دنیا کی سب پارلیمنٹوں سے قدیم تر ہے اور اسی لیے وہ ''اماں پارلیمنٹ'' کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ درست، لیکن کیا اس کی قدامت قرآن مجید کے اس حکم محکم سے بھی قدیم تر ہے؟

اور اگر نہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہرگز نہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی تمام جمہوری اور آئینی حکومتیں اسلام ہی کے فیض سے مستفیض اور اسی کے خوان کرام کی نمک خوار ہیں۔

برہما، بشن، مہیش کا ترسول بلند کرنے والے (آریہ ورتی)

خدا، عقل کل ونفس کلی کی حکومت ماننے والے (افلاطونی)

باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس کہنے والے (انگلش چرچ)

---

[1] ۳/ آل عمران:۱۵۹۔ [2] ۴۲/ الشوریٰ:۳۸۔

باپ خدا، بیٹا خدا، جان (لحیسی) ماننے والے (رشین چرچ)

باپ خدا، بیٹا خدا، مریم کو اقانیم کہنے والے (قدیم یونانی)

پرماتما، آتما اور پرانو کو قدیم جاننے والے (آریہ)

دنیا پر موجود تھے اور اپنی اپنی تثلیث کے پھیلانے میں منہمک تھے۔ آج یہ سب لوگ مسئلہ توحید کی برتری کے اقراری ہیں اور عقیدہ توحید پر فخر کرتے ہیں اور اپنی اپنی تثلیث کو بھی سلوک طریق الی التوحید بتانے میں دلائل اور براہین سے کام لے رہے ہیں۔ مسلمان اپنے ان نوعی بھائیوں کی ان ترقیات کو خوشی اور اطمینان سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے انصاف وحق پسندی پر امید لگائے ہوئے ہیں کہ یہ سب لوگ ضرور ایک دن اسلام کے اس فیضان بالواسطہ کا اقرار کریں گے اور اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد وہ اسلام کے فیوض و برکات وانوار سے بلاواسطہ مستفیض ہونے کے لیے تنگ خیالات کے کمرہ کے دروازوں کو کھول دیں گے۔ ان کے دل اپنے اندر کشائش اور انبساط اور ان کی روح اپنے لیے سرور و نشاط پائے گی اور وہ سب اسلام کے رایۂ بلند کے نیچے مجتمع ہو جائیں گے اور اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف بھی کرنے لگیں گے۔

فصل نمبر ۱۷

اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لیے عام بنایا

بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وحی ربانی کا شرف اسباط یعقوب علیہ السلام کے لیے خاص ہے دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ شرف عطا نہیں ہوا۔

ایران والوں کا دعویٰ ہے کہ سروش آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک پہنچائی گئی اور زرتشت و جاماسپ ہی کے خانوادے اس بزرگی کے تاجدار ہوئے اور سب ملک اس عزت سے دور دور ہیں۔

آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ آکاس بانی نے صرف گنگا وجمنا کی وادیوں میں رہنے والوں کو درشن دیئے اور دنیا کی سب اقوام اس سے محروم ہیں۔

چین والوں کا دعویٰ ہے کہ اسی ملک کے رہنے والے فرزند آسمانی ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور کسی کو اس مشرق اقصیٰ کی روشنی حاصل نہیں۔

یہ دعاوی ہر چند کہ شاندار ہیں اور کسی ایک قوم کی عظمت کو نمایاں کرنے میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں لیکن ان دعووں کا نتیجہ کل دنیا کے مقابلہ میں کیا تھا۔

نتیجہ اول یہ ہوا کہ ایک قوم نے اپنے سامنے دوسری قوم کو جھٹلایا اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی بطلان بتایا۔

جب اسرائیلی صرف بنی اسرائیل کے لیے وحی ربانی کو خاص بتلاتا ہے تو وہ دنیا کے مذاہب کو کاذب ٹھہراتا ہے۔

اور جب کوئی پارسی نژاد ایرج ہی کے اس دعوے کا مظہر ہے تو وہ کل عالم کو (جس میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں) دروغ گو

ظاہر کرتا ہے۔

اور جب کوئی آریہ ورتی وسناتن دھرمی اپنی بات کو دھراتا ہے تو جہاں وجہانیاں کو (جس میں اسرائیل وپارسی بھی شامل ہیں) است کہتا ہے۔

اور جب کوئی چینی کانفیوشس کی تعلیم کو آسمانی کہہ کر دیگر ابنائے جنس کو اس شرف سے مہجور تجویز کرتا ہے تو وہ ہر ایک ملک کو جس کے اندر (ہندوستانی، ایرانی کلدانی واسرائیلی بھی شامل ہیں) سیاہ وتاریک بتاتا ہے۔ لہٰذا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی دوسرے مذہب نے تصدیق بھی کی ہو اور کوئی قوم ایسی محفوظ نہیں رہتی جسے دوسری اقوام کی زبان نے صادق کہا ہو۔

اور جب ہر ایک قوم نے جملہ اقوام کو داغ لگایا تو اب اس کا بھی کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ خود بچ سکے۔ ان لوگوں نے ساری فضا میں کوئلہ پھیلا دیا اور پھر یہ تصور کر لیا کہ اس سے اوروں ہی کے دامن آلودہ ہوں گے۔

ان مشہور مذاہب نے اپنے ان دعاوی کے بعد پھر اپنے رقبہ کو اور زیادہ تنگ تر کرنا شروع کیا۔

اسرائیلیوں نے کاہن ہونے کا منصب صرف اولادِ ہارون کے لیے خاص کر دیا اور سناتن دھرمیوں نے یہود وہر دوار وکانشی کے پانڈوں کو سرگ ونرگ کا خرانچی بنا دیا۔ رومن کیتھولک نے سلطنت آسمانی کی کنجیاں پوپ کے ہاتھ میں دے دیں، کیونکہ وہ اس گرجا کا صدر نشین ہے جسے پطرس نے تیار کیا تھا اور پطرس وہ ہے جسے آسمانی بادشاہت کا کلی اختیار مسیح نے دے دیا تھا۔

نتیجہ دوم یہ ہوا کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہو گئی اور ہر ایک نے اپنا اپنا چولہا چوکا الگ الگ کر لیا۔ محبت انسانی گم ہو گئی اور قومیں قوموں سے ہمیشہ کے لیے جدا جدا ہو گئیں۔

نتیجہ سوم یہ ہوا کہ ملکی خصوصیات اور قومی رسومات ہر ایک جگہ دینی اصول میں شامل ہو گئیں اور آہستہ آہستہ ان رسومات کے سامنے دینی اصول کمزور وضعیف اور بے نشان وگم ہو گئے۔

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دور کیا، اسلام ہی نے ان جملہ اقوام کے سامنے ایک جدید علمی اکتشاف کیا کہ ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ [1] ''یعنی ہر ایک بستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا برے افعال کے برے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے۔''

اے اسرائیلیو! تم کیوں ہندوؤں کے بزرگوں کی تحقیر کرتے ہو اور اے ہندوؤ! تم کیوں اسرئیلیوں کے انبیا کی تکذیب کرتے ہو؟ اے ایرانیو! تمہارا کیا حق ہے کہ اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے دعاوی کا بطلان کرو؟ اے چینیو! تمہارا کیا منصب ہے کہ ان تمام شاندار اقوام کے علم اور تہذیب اور تمدن سے آنکھیں موند کر سورج کی روشنی کو جھٹلاؤ؟

اب مل جاؤ اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو اور ہر ایک ملک کے پیشوا وہادی وداعی کی تعظیم کرتے ہوئے اس ناموس قدرت کو بھی دیکھو، جس نے تمام عالم کو متحد ومتفق کرنے کے لیے بحرِ روم کے متصل ایک مقام کو منتخب کیا، جہاں سے متمدن دنیا کی ہر جگہ میں تبلیغ آسمانی کی جا سکتی تھی اور جہاں ٹھہر کر بحر وبر کے وسائل آمد ورفت سے بخوبی کام لیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ۳۵/ الفاطر: ۲۴۔

قدرت نے اس تحریک کی پانچ ہزار سال سے بنیاد قائم کی اور ایک ایسی قوم کو تیار کیا جس نے بے آب و گیاہ میدانوں میں رہ کر جس نے آباد و شاداب قطعات سے الگ ہو کر جس نے نفائسِ مادی سے صرف سدِ رمق پر اکتفا کر کے حفاظت معبد کو اپنا مقصود بنایا اور اسی کی دربانی کو اپنے لیے افتخار شاہی سمجھا حتیٰ کہ وہی سید عالم ﷺ پہنچ گیا اور وہی سرور کائنات ظاہر ہو گیا جس نے اختلاف کو ائتلاف سے اور نفاق و افتراق کو اتفاق سے بدل دیا، وہ کیسا زمانہ تھا اس وقت کی دو بڑی قوموں کی یہ حالت زار ربانی الفاظ میں یوں ظاہر کی گئی ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ﴾ ❶

''یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں۔''

﴿ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ ﴾ ❷

''نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود تو کسی چیز (بنیاد پر نہیں ہیں) وہ کتاب بھی پڑھا کرتے ہیں۔''

آیت ﴿ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ ﴾ کا تعلق نصاریٰ سے بھی ہو سکتا ہے، جو یہودیوں کی کتاب کو عہد نامۂ قدیم اور ہولی بائیبل کہہ کر تسلیم کرتے ہیں اور باایں ہمہ یہودیوں کی بابت یہ مبالغہ ہے کہ ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ نیز اس کا تعلق یہودیوں سے بھی جو انجیل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ توریت موسیٰ کی مصدق ہے اور باایں ہمہ انجیل سے انکاری بھی ہیں۔

بہر حال ہر دو فریق وفد نجران اور علمائے یثرب (یہود) نے ان فقرات کو دہرایا اور اپنی اپنی تنگ مزاجی اور لاعلمی کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنا پڑا۔

الٰہی فیصلہ یہ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ ❸

''اے رسول تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے۔ اسے پہنچا دیجیے، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تم کو ان لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! اے عیسائیو! اے اہل کتاب ہونے کے مدعیو! تم دونوں کچھ بھی (کسی بنیاد پر بھی) نہیں ہو۔ جب تک تورات اور انجیل پر اور اس کتاب پر جو تمہارے رب نے تمہارے لیے نازل کی قائم نہیں ہو جاؤ گے۔''

ہاں! ان میں سے بہت کی حالت یہ ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے احکام سے وہ کفر اور سرکشی میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں۔ ان کافروں کے گروہ پر آپ افسوس بھی نہ کریں۔

---

❶ ۲/ البقرۃ:۱۱۳۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱۱۳۔ ❸ ۵/ المائدۃ:۶۷، ۶۸۔

یہود و نصاریٰ کی تعداد اس وقت مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی۔ دو اور سو کی نسبت اس وقت ان میں ہوگی۔ یہود زر و مال والے تھے۔ تجارت والے تھے سارے عرب پر ان کا اقتدار تھا مسلمان اور بت پرست سب ان کے مقروض تھے۔

نصاریٰ فوج طاقت اور حکومت والے تھے۔ ہر دو کے خلاف ایک ایسا متفقہ فیصلہ سنانا جو ان کی دینی حیثیت کو بالکل لاشے بنا دینے والا تھا، آسان نہ تھا۔ لہٰذا آیات کے شروع میں نبی ﷺ کو خاص طور پر آمادہ کیا گیا اور بطور پیشگوئی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس فیصلہ کے بعد خواہ یہود کتنا ہی تڑائیں اور نصاریٰ کتنا ہی بھنائیں، مگر وہ آپ کو کسی طرح کا گزند نہ پہنچا سکیں گے، عصمت الٰہی ہمیشہ آپ کو ان کے آزار سے بچائے گی۔

فیصلہ یہ ہے کہ یہود کو نصاریٰ کے بالمقابل اپنا تعصب اور نصاریٰ کو یہود کے بالمقابل اپنا کینہ و انتقام چھوڑ دینا چاہیے اور ہر دو کو توراۃ و انجیل کا اتباع کرنا چاہئے۔

جو دلیل نصاریٰ کے ہاتھ میں یہودیوں کو دین مسیحی کی دعوت دینے کی بابت ہے وہ اس لیے صحیح ہے کہ نصاریٰ ان کی کتاب اور ان کے نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

لہٰذا یہی دلیل مسلمانوں کے ہاتھ میں بمقابلہ نصاریٰ و یہود (ہر دو) حاصل ہے، کیونکہ مسلمان دونوں کتابوں اور کتاب لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

نصاریٰ یہود کے سامنے مسیح علیہ السلام کی بابت پیش گوئیاں توراۃ سے نکالتے ہیں اور انہیں ملزم ٹھہراتے ہیں اسی طرح مسلمان، یہود اور نصاریٰ دونوں کے سامنے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں بائبل سے پیش کرتے ہیں اور ہر دو حجت الٰہی کا اتمام کرتے ہیں۔

اب خلاصہ معلوم ہو گیا کہ جب یہود اس لیے مغضوب ہیں کہ انہوں نے تعلیم مسیح علیہ السلام سے انکار کیا، جب کہ مسیح تعلیم تورات کو تسلیم کرتے ہیں تو نصاریٰ بھی اس لیے ضالّ ہیں کہ وہ شریعت موسوی کے منکر ہیں، جس کی تصدیق مسیح نے فرمائی ہے۔ اندریں حالات یہ دونوں اس لیے بے بنیاد اور لاشے ہیں کہ وہ اس کتاب اور نبی کے منکر ہیں۔ جس کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچویں کتاب کے ۱۸ باب کی آیت ۱۵ تا ۱۸ میں موجود ہے۔ نیز جس کی خبر انجیل یوحنا باب ۱۶ کی آیات ۱۱ تا ۱۶ میں موجود ہے۔

الغرض یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام جہان کا معبود صرف ایک اللہ کو بتاتا ہے اور تمام جہاں کا پروردگار، صرف ایک رب کو ظاہر کرتا ہے۔

اور تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین اسلام کو پیش کر کے جملہ اقوام و ادیان اور ممالک کو اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا یکساں حصہ قرار دیتا ہے۔

وہ کسی بزرگ کا مکذب نہیں، وہ کسی سابقہ مذہب کا مبطل نہیں ہے، بلکہ سب کو سب کے مقبولہ اصول کے تحت میں لا کر متحد بنانے والا اور ربوبیت خالقیہ کی طرح سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کا منوانے والا ہے۔

مبارک ہے اسلام جس نے جملہ اقوام کو متحد و موافق بنانے کے لیے سب کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور مبارک ہیں، وہ قومیں جنہوں نے مقدس داعی کے الفاظ پر لبیک کہہ کر محبت عالم کو اپنا مسلک بنایا۔

فصل نمبر ۱۸

اسلام ہی دین البر (نیکی کا مذہب) ہے

قدیم یونان اور جدید یورپ کے فلاسفروں نے مذہب انسانی پر غور وخوض کرنے کے بعد بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مذہب صحیحہ کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے:

(۱) نیکی (۲) صداقت (۳) حسن

مجھے اپنے عنوان کی مناسبت سے صرف نیکی کی بابت اس مقام پر تحریر کرنا ہے۔قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ ﴾ ❶

''یہ ہی نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو نیکی تو ان لوگوں کی ہے: جو اللہ پر اور قیامت پر، ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیا پر یقین رکھتے ہیں۔ جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی قریبیوں کو، تیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو آزادی غلاموں میں اپنا مال دیتے ہیں۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ زکوۃ ادا کیا کرتے ہیں۔ عہد کر کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور تنگ دستی و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں۔ یہی تو صادق لوگ ہیں اور یہی تو متقی ہیں۔''

﴿ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ ❷

''غیر مذہب والوں سے بھی نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ ﴾ ❸

''نیکی تو خدا ترسی میں ہے۔''

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ ﴾ ❹

''نیکی اور خدا ترسی کے کام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔''

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ﴾ ❺

''ہم نے سب نبیوں کے پاس نیکیوں کے کرنے کا حکم بھیجا۔''

---

❶ ۲/ البقرۃ :۱۷۷۔ ❷ ۶۰/ الممتحنۃ:۸۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۱۸۹۔

❹ ۵/ المائدۃ:۲۔ ❺ ۲۱/ الانبیاء:۷۳۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ ﴾ ❶

''جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت ڈرتے ہوئے رکھتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کا نہیں بناتے جو اللہ کے دیئے ہوئے مال سے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے یہ ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف جلد جلد جانے والے ہیں اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کرلیں گے۔''

نبی کریم ﷺ نے انواع البر (نیکیوں کی اقسام) کے متعلق جو احکام دیئے ہیں وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہیں:

(۱) عظمتِ الٰہی کا احساس اور اس احساس کے بعد تعظیم ملے ہوئے ادب کا اثر دل پر محسوس کرنا۔

(۲) احساناتِ الٰہی کی یادداشت، اور اس یادداشت سے حیرت کا طاری ہونا اور طیران حیرانیت سے اثراتِ حیوانی کا کمزور پڑ جانا۔

(۳) اقارب اور ہمسایہ، ایامیٰ دیتامیٰ، اہل قریہ اہل وطن کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

خندہ روئی سے ملنا، راہ میں سے کانٹے یا ٹھوکر کا ہٹا دینا، کنویں سے پانی نکال کر دینا، بھولے ہوئے کو رستہ بتا دینا، تاریکی کے وقت روشنی دکھا دینا، بوجھ اٹھوا دینا۔

دوسرے کو عزت کے ساتھ بلانا، نرم کلامی سے بات کرنا یہ سب نیکیوں میں شمار کیے گئے ہیں باپ کا اپنے بچے کو تعلیم دلانا صدقہ سے بہتر بتایا ہے۔ ❷

اپنے کنبہ سے بھلائی، نیکی کرنے والے کو بھلا اور بہتر بتایا گیا ہے۔ ❸

بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے والے کو مستحق جنت بتایا گیا ہے۔ ❹

ایک بلی کو عذاب دینے والی کے لیے دوزخ کا (صحیحین عن ابن عمر) اور ایک کتے کو پانی پلانے والے کے لیے مغفرت کا اعلام فرمایا گیا ہے۔ ❺

اور بالآخر ((فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ)) ❻ کے ارشاد سے اس عنوان کو مکمل کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ہر ایک جاندار جو تازہ جگر اپنے اندر رکھتا ہے (یعنی زندہ ہے) کے ساتھ بھلائی کرنا موجب اجر ہے۔''

ان احکام سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دین البر ہے۔

---

❶ ۲۳/ المؤمنون:۵۷، ۶۱۔ ❷ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی أدب الولد، حدیث:۱۹۵۱۔

❸ ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل أزواج النبی ﷺ، حدیث:۳۸۹۵۔

❹ ابوداود، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتامی، حدیث:۵۱۴۷۔ ❺ بخاری، کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء، حدیث:۲۳۶۴؛ مسلم، کتاب السلام، باب تحریم قتل الهرة، حدیث:۵۸۵۲۔

❻ ابوداود، کتاب الجهاد، باب مایؤمر به من القیام علی الدواب، حدیث:۲۵۵۰۔

فصل نمبر ۱۹

اسلام دین التقویٰ (پارسائی کا مذہب) ہے

(۱) پارسائی کو برباد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے۔ مگر پولوس نے (اتمطاؤس ۳۲/۵ میں) یہ حکم دیا ہے کہ: "آگے کو تو صرف پانی نہ پیا کر، بلکہ ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی سی مے (شراب) پی۔"

شراب پینے کا حکم اور سادہ پانی پینے کی نہی کا یورپ اور امریکہ پر کیا اثر ہوا کہ لفظ تھوڑی کی قید بالکل نہ رہی اور شراب ان تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوئی جسے قرآن پاک نے اور ارشادات نبوی نے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

(۲) محکمہ حفظانِ صحت نے پولوس کی وجہ علت کا بھی غلط اور باطل ہونا ثابت کر دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ شراب کا برا اثر معدہ، جگر، دل، دماغ اور شش پر بدترین نتائج پیدا کرتا ہے، اعصابی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ جنگ عظیم ۱۴۔۱۹۱۸ء میں فوجیوں کی جسمانی طاقت بحال کرنے اور بڑھانے کے لیے شراب کی قطعاً ممانعت کی گئی تھی۔ اپنی فوج کے لیے کنگ جارج نے نمونہ بننا پسند کیا اور زارِ روس نے ان کی پیروی کی۔ امریکہ نے شراب کی ساخت ملک میں بند کر دی اور خرید و فروخت پر بھی سخت بندشیں عائد کیں۔ علم اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ عالمان اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر و فاقہ کا سبب اور تباہی مال کا باعث شراب ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ جرائم سنگین قتل، زنا بالجبر، راہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بدمستی شراب کی حالت میں ہوتا ہے۔

(۳) ہندوؤں میں بھی دیوی اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے شراب کا چڑھاوا دیا جاتا ہے پھر جو چیز دیوی اور دیوتا کے خوش کرنے کا سبب ہو، اسے پجاری اور سیوک کیوں استعمال نہ کریں بعض ہندو اقوام نے شراب میں تقدس پیدا کرنے کے لیے اس کا نام "گنگا جل" رکھ دیا۔

اسلام ہی وہ پہلا اور تنہا مذہب ہے، جس نے شراب کو رجس بتلایا۔ عمل الشیطان کہا اور ام الخبائث اسی کا نام رکھا۔

ایسے نشہ کی مقدار قلیل کو بھی جو مقدارِ کثیر میں پہنچ کر نشہ آور ہو، حرام بتایا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اسلام پارسائی کا مذہب ہے۔

اسلام میں زنا حرام ہے اور اس کی حرمت کو مضبوط و محکم کرنے کے لیے جو حکم دیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ ﴾ [1] "زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔"

اسی حکم سے ان اسباب اور وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے، جو زنا تک لے جانے والے ہیں۔ مردوں عورتوں کا اختلاط اور ہنسی و مذاق، ایک ہی مکان کے اندر غیر محرم مرد و زن کی بود و باش دلربائی اور حسن نمائی کے طریقے نظر بازی وغیرہ۔

اس حرمت کو مضبوط کرنے کے لیے ﴿ وَسَآءَ سَبِيلًا ﴾ [2] بھی فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ جو کوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کے لیے ایک سڑک بناتا ہے وہ جس سڑک پر چل کر دوسروں کے پاس پہنچتا ہے۔ اسی سڑک پر چل کر دوسرے اس کے گھر آ جاتے ہیں،

---

[1] ۱۷/ بنی اسرائیل: ۳۲۔ [2] ٤/ النساء: ۲۲۔

حکم دیا گیا:

﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ ﴾ ❶

''کسی عورت کا کوئی مرد آشنا نہ ہونا چاہیے۔''

﴿ وَلَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ ﴾ ❷

''اور کسی مرد کی کوئی عورت آشنا نہ ہونی چاہیے۔''

اس پارسائی کو قائم رکھنے کے لیے تدبیر بھی بتائی اور اس کی تعمیل بھی فرض ٹھہرائی:

﴿ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ﴾ ❸

''مومن مردوں سے کہہ دیجیے گا کہ نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

﴿ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَیَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ ﴾ ❹

''مومن عورتوں کو کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی کریں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھیں۔''

اس حکم کے بعد یہ بھی فرما دیا:

﴿ قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ ❺

''فحش کی کھلی چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام کر دیا ہے۔''

حکم بالا کی رو سے تو فواحش حرام ہوئے۔ لیکن ابتدائی مراتب میں جب کہ فحش کے اقدام کی تیاریاں ہوتی ہیں اسے اسلام نے لفظ ''اثمؐ'' سے تعبیر کیا ہے اور اس کی بابت بھی یہ حکم دیا ہے:

﴿ وَذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ ﴾ ❻

''گناہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ بھی بالکل چھوڑ دیا کرو۔''

تعجب ہوتا ہے کہ شراب پینے والے مردوں، عورتوں کو فحش آمیز کھلی آزادی دینے والے عبادت گاہوں میں جا کر بھی آتشِ رخسار کے حسن سے آنکھیں سینکنے والے نمائش حسن کے پیرایہ میں ننگی تصویر کھنچوانے والے اور مخلوط غسل خانوں میں نہانے والے کھلے پنگھٹوں پر ننگے اشنان کرنے والے اسلام کی پارسائی کا اعتراف نہ کریں۔ شاید اس لیے کہ ایسا اعتراف خود اپنی عریانی کے اعتراف کا مترادف ہے۔

اگر اسلام کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ نفسانی جذبات کو ابھار ابھار کر اپنی تعداد کو بڑھائے تو وہ شراب کی حرمت کا کبھی حکم نہ دیتا اور ایسا حکم نہ دیتا جو اس کے لیے کچھ موجب اعتراض بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ جو چیز جملہ ممالک میں مستعمل اور جملہ مذاہب میں روا تھی۔ اس پر خموشی کبھی موجب اعتراض نہ ہو سکتی تھی اور زنا کی روک تھام کے لیے ایسی سخت قیود عائد نہ کرنا اور ان قیود کے عائد نہ کرنے سے ان

---

❶ ٤/ النساء:٢٥۔ ❷ ٥/ المائدۃ:٥۔ ❸ ٢٤/ النور:٣٠۔

❹ ٢٤/ النور:٣١۔ ❺ ٧/ الاعراف:٣٣۔ ❻ ٦/ الانعام:١٢٠۔

قوموں کا جو کورٹ شپ کو جائز سمجھتی ہیں یا جو اولاد لینے کی غرض سے بیاہتا عورت کو، اور اولاد دینے کی غرض سے بیاہتا مرد کو عارضی جوڑ بنا لینے کی اجازت دیتی ہیں، کچھ اعتراض بھی نہ ہوتا لیکن اسلام نے عفت و پارسائی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے اور وہ فی الحقیقت پارسائی کا مذہب ہے۔

معترضین کے پاس اس کے خلاف دلیل صرف یہ ہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورت کو بھی بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے۔

مگر غور تو کرو کہ داؤد علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا (زبور۔۱) کہنے والے اور اسکی سو بیویوں اور سلیمان علیہ السلام کو خدا کا سادل والا بتانے والے اس کی ایک ہزار بیویوں پر، ابراہیم علیہ السلام کو خلیل الرحمٰن ماننے والے اس کی بیویوں اور لونڈیوں پر، کرشن جی مہاراج کو اوتار ماننے والے ان کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ سکھیوں پر، اور ان کو ریفارمر اعظم ماننے والے زمانہ حال کے لیڈر ان کی آٹھ مہارانیوں پر کوئی اعتراض زبان سے نہیں نکالتے، تو پھر ان کا کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر ایک سے زیادہ بیوی کرنے پر اعتراض کریں ہم نے جن محترم ہستیوں کے نام لئے، ان کے مذہب میں ایک سے زائد بیوی کرنے کے لیے کوئی ایسی شرط موجود نہیں، جس کا فقدان ان کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے روک بن سکے۔ مگر اسلام میں شرط عدل موجود ہے۔

اور اس شرط کے فقدان پر (بلکہ صرف فقدان پر ہی نہیں) احتمال فقدان کی حالت پر بھی فَوَاحِدَةً کا ارشاد موجود ہے، کیا کوئی مذہب ہے، جو اپنی کتاب میں فَوَاحِدَةً کا ہم معنی لفظ نکال کر دکھا دے؟ کوئی مذہب ہے جو مسیح علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام یا کرشن و رام چندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات فَوَاحِدَةً کے ہم معنی ثابت کر دے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تب اس کو اقرار کرنا چاہیے کہ یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے اور ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو فخر ہے وہ بھی قرآن مجید ہی کے ایک حکم کا خلاصہ اور ناقص خلاصہ ہے۔

فصل نمبر ۲۰

اسلام دین الصدق (سچائی کا مذہب) ہے

صدق کی تعریف علمائے اسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

(۱) عمل اور علم کی موافقت باہمی کا نام صدق ہے۔

(۲) دل اور زبان کی مطابقت کا نام صدق ہے۔

(۳) سر و علانیہ کے مساوی ہونے کا نام صدق ہے۔

(۴) اس راست بازی کو جس میں تباہی کا اندیشہ ہے، اس کذب سے بہتر سمجھنا جس میں رہائی کا گمان ہے، صدق کہتے ہیں۔

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی
بہ زاں کہ دروغت دہد از بند رہائی

مندرجہ ذیل آیات واحادیث پاک پر غور کرو:

الف: صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے:

﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ﴾ 1

''اللہ نے تو سچ فرمایا ہے۔''

ب: صدق اللہ اور اس کے رسول پاک کے اوصاف میں سے ہے:

﴿ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ 2

''اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔''

ج: مریم صدیقہ علیہا السلام کا درجہ بدرجہ صدق برتر و بلند تھا:

﴿ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا ﴾ 3

''اس نے اللہ کے فرمودہ کو سچ سمجھا۔''

د: اصحاب نبویہ کا درجہ بوجہ صدق ہے:

﴿ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ 4

''یہ وہ جواں مرد ہیں کہ انہوں نے جو اللہ سے عہد کیے ہیں وہی سچے کر دکھلائے۔''

ہ: نبی ﷺ کی بزرگی صدق کی تعلیم اور صدق کی تصدیق میں ہے:

﴿ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ ﴾ 5

''نبی وہ ہے جو صدق لے کر آیا اور اس کی تصدیق بھی کی۔''

و: صدق کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مؤطا و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں موجود ہے:

((إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِیْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِیْ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِیْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِیْ إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا)) 6

''صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے، انسان سچ بولنے لگتا ہے اور سچ کو عادت بناتا ہے، حتی کہ اللہ کے ہاں بھی صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھلاتا ہے اور گناہ دوزخ کی راہ دکھاتے ہیں، انسان جھوٹ بولنے لگتا ہے اور جھوٹ کو عادت بنالیتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ہاں بھی جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

---

1 ٣/ آل عمران:٩٥۔ 2 ٣٣/ الاحزاب:٢٢۔ 3 ٦٦/ التحریم:١٢۔

4 ٣٣/ الاحزاب:٢٣۔ 5 ٣٩/ الزمر:٣٣۔ 6 بخاری، کتاب الأدب، باب قول اللّٰه تعالیٰ: یایها الذین امنوا اتقوا اللّٰه وکونوا مع الصادقین، حدیث:٦٠٩٤؛ مسلم، کتاب البر والصلة، باب قبح الکذب وحسن الصدق حدیث: ٦٦٣٩؛ ابوداود، کتاب الأدب، باب التشدید فی الکذب، حدیث:٤٩٨٩؛ ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الصدق، حدیث:١٩٧١؛ مؤطا مالك، کتاب الکلام، باب ماجاء فی الصدق۔

ز: سنن نسائی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے کہ ابوالحوراء نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی ﷺ سے کون سی بات سیکھی۔ فرمایا: میں نے سیکھا اور یاد رکھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

((دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ الطُّمَانِيَةُ وَالْكِذْبَ رِيبَةٌ)) [1]

''جو چیز شک پیدا کرے اسے چھوڑ دے اور جس میں کوئی شک نہ ہو وہ لے لے کیونکہ ''صدق'' تو طمانیت کا نام ہے اور ''کذب'' شک کو کہتے ہیں۔''

ح: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

﴿ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ [2]

''اہل صدق کا ساتھ دو۔''

ط: عربی زبان میں صدق کے مدارج علیا کے مطابق اس مصدر سے فاعل کے تین صیغے آتے ہیں۔ صادق، صدوق، صدیق اور صدیق وہ برترین درجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام پر بھی اس خطاب کا استعمال ہوا۔

ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ﴿ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴾ [3] اور یوسف علیہ السلام کو بھی صدیق کے لقب سے روشناس کیا گیا۔

سیدہ مریم بتول علیہا السلام کو بھی سورۂ مائدہ میں ﴿ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ﴾ [4] فرمایا گیا اور پھر سورۂ نساء و سورۂ حدید میں امت محمدیہ کے افراد ممتاز کے لیے صدیقیت کا درجہ تجویز کیا گیا۔

﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ﴾ [5]

''یہی لوگ تو صدیق اور شہید ہیں اور اپنے رب کے پاس ہیں ان کے لیے اجر بھی ہے اور نور بھی۔''

ان حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ صدق کے شان بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے۔

اور اس بیان سے عہد حاضرہ کے فلاسفروں کا وہ مطالبہ پورا ہوتا جاتا ہے کہ دین طبیعی کے لیے صدیق کا ہونا شرط ہے۔ الحمد للہ کہ اسلام اپنی خصوصیت کا اظہار چودہ صدیوں سے کر رہا ہے۔

فصل نمبر ۲۱

اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے

لوگوں نے صرف عورتوں کے خط و خال و ناز و انداز کا نام حسن رکھ چھوڑا ہے، لیکن یہ صرف کوتاہ نظری ہے اور صرف ایام شباب کا محدود مذاق ہے۔

---

[1] نسائی، كتاب الأشربة، باب الحث على ترك الشبهات، حديث: ٥٧١٤؛ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب: اعقلها وتوكل، حديث: ٢٥١٨۔ [2] ٩/ التوبة: ١١٩۔ [3] ١٩/ مریم: ٤١۔ [4] ٥/ المائدة: ٧٥۔ [5] ٥٧/ الحديد: ١٩۔

بااین ہمہ دنیا کے مختلف ممالک کے باشندے ہیں جن کے مذاق اس بارے میں بھی اس قدر مختلف ہیں کہ حسن نسائی کی متفق علیہ تعریف بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

روس کے شمال میں صرف شفاف آسمان جیسی نیلی آنکھیں غایت حسن سمجھی جاتی ہیں، اہل عرب ازرق چشم کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں۔

یورپ میں سنہری بالوں کی تعریف کی جاتی ہے اور ایشیا میں سیاہ ترین چوٹی کو حسن سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کو سفید رنگت پر ناز ہے، مگر حبشیوں کے نزدیک سیاہ رنگ کے سوا اور کسی کو حسین کہلانے کا حق ہی نہیں۔

جب ہم نے اس مضمون کا عنوان ''دین الحسن والجمال'' ثبت کیا تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام بھی حسن نسائی کا سراپا نگار ہے، غلط اور قطعاً غلط ہے۔

ہاں اسلام حسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے اور جمال کو بہترین صنع ربانی قرار دیتا ہے، اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سرتاپا حسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شئے آئینہ دار جمال ہے۔

انسانی حسن و جمال

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴾ ❶

''ہم نے انسان (مرد وزن) کو سب سے زیادہ خوشنما ڈھانچے پر پیدا کیا۔''

لفظ تقویم میں اندرونی و بیرونی ساخت دونوں شامل ہیں۔ عالمانِ علم تشریح جانتے ہیں کہ انسانی دماغ، انسانی قلب وجگر، احشا و اعصاب کو دیگر حیوانات کے مقابلہ میں کس قدر برتری حاصل ہے اس کے دانت، اور معدہ میں کیونکر نباتاتی غذا اور حیوانی غذا کھانے والے حیوانات کی صفات جمع ہیں۔

صورت کی خوشنمائی

﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ ❷

''اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا۔''

عام اصناف انسان کو وہ زنگی ہو یا فرنگی دیگر حیوانات پر صفائی بشرہ ولینتِ جلد۔ استقامت قد اور خوشنمائی خد کے بارے میں جو خصوصیت حاصل ہے۔ اس کا بیان ﴿ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ میں آ جاتا ہے۔

بیوی کی صفات

﴿ لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ ❸

''تاکہ اس سے آرام پاؤ اور آپس کی محبت اور پیار بھی تم کو عطا کیا۔''

بیوی کا شوہر کے لیے سکون قلب ہونا اور شوہر و زن میں باہمی محبت، باہمی کشمکش کا پایا جانا دونوں کی خوبی کا باعث ہے۔

---

❶ ۹۵/ التین:٤۔ ❷ ٦٤/ التغابن:٣۔ ❸ ٣٠/ الروم:٢١۔

﴿ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴾ ❶

''شوہروں سے پیار کرنے والیاں اور ہم مذاق۔''

یہی وہ بڑی خوبی ہے جو صنف نسواں کو ممتاز کرتی ہے۔

جمالِ مواشی وانعام

﴿ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴾ ❷

''مویشی جب صبح کو نکلتے ہیں اور شام کو چراگاہ سے واپس آتے ہیں تو ان میں تمہارا جمال ہے۔''

دودھ دینے والے، قلبہ رانی کرنے والے، پانی کھینچنے والے جانوروں کو لوگ دیکھتے ہیں گاؤں سے باہر عموماً صبح وشام حیوان جمع ہو جاتے ہیں اور ان کے مالک انسانی بھی، اچھے جانوروں کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مالک کا چہرہ یہ تعریفیں سن سن کر روشن ہو جاتا ہے۔ آیت میں اسی جانب اور اسی حالت کی جانب اشارہ ہے۔

سواری کے جانور بھی زینت ہی ہیں

﴿ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ﴾ ❸

''گھوڑے، خچریں، گدھے، بار برداری اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور سب زینت بھی ہیں۔''

ان جانوروں کا بار برداری اور سواری کا کام دینا تو عام طور پر مسلم ہی ہے، لیکن اسلام نے زینت کا لفظ ایزاد کرنے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہر شے کی خوبصورتی پر بھی توجہ دلاتا اور اس کی قدر کرنا سکھلاتا ہے۔

جملہ اشیائے ارضی میں زینت و جمال کا ہونا

﴿ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ ❹

''جتنی چیزیں بھی زمین پر ہیں۔ ہم نے ان کو زمین کی زینت بنایا ہے، تاکہ انسانوں کا امتحان لیں کہ ان میں سے کون کون اچھے اعمال والا ہے۔''

ہر شے کا زمین کے لیے زینت و جمال ہونا اسلام ہی کی نگاہ نے معلوم کیا ہے۔ زمین پر بچھا ہوا سبزہ زمین کے لیے اپنی خوشنمائی سے زینت ہے اور آسمان کی طرف بلند ہونے والے درخت ان کی جھومنے والی ڈالیاں ان کی سایہ گستر شاخیں اپنے طور پر زمین کی رونق بن رہی ہیں۔ شوخ وشنگ رکھنے والے پھول بھانت بھانت کا مزہ دینے والے پھل، عجیب وغریب اشکال کے اوراق، مختلف تاثیرات رکھنے والے پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید خیمے کھڑے کرنے والی برف اور میدانوں کی چٹیل زمین پر نرم نرم فرش بچھانے والی ریت، آبشاریں، غاریں، مرغزار اور جنگل، وادی وہامون آبادیاں اور ویرانے اپنی اپنی حالت اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تمام کرۂ ارضی کے حسن کو بڑھانے والے جمال کو ترقی دینے والے ہیں۔

یہ سب زمین کا سنگار ہیں۔ یہ سب زمین کی زینت اور زیور ہیں۔ ان کی خوبصورتی کو دکھلانے والا یہی دین اسلام ہے جو

---

❶ ٥٦/ الواقعة:٣٧۔ ❷ ١٦/ النحل:٦۔ ❸ ١٦/ النحل:٨۔ ❹ ١٨/ الكهف: ٧۔

دین الحسن والجمال ہے۔

آیت بالا میں صنعت ربانی کے حسن جمال کے بیان کے بعد ایک تقابل بھی موجود ہے اور وہ بندہ کا حسن عمل ہے۔

وہ قدرت ربانیہ جس نے خود انسان کو صاحب الجمال پیدا کیا، جس نے ہر شے کو حسن وزینت کا خزینہ دار بنایا، کیا اس کا یہ حق نہیں کہ وہ انسان سے بھی احسن اعمال کی توقع کرے؟ ہاں ضرور ہے۔

اگر کوئی شخص قصر سلطانی میں داخل ہوتا ہے، وہاں کی بیش بہا اور قیمتی اشیاء کا ملاحظہ کرتا ہے وہاں کی اعلیٰ زیبائش وآرائش کو دیکھتا ہے تو اس شخص سے اس کی قوت ضمیر سے یہی امید ہوسکتی ہے کہ وہ وہاں جا کر نہ نقصان کرے گا، نہ چیزوں کو بگاڑے گا، نہ خس و خاشاک پھیلائے گا۔ یہی وہ توقع ہے جو انسان سے اس داوری گاہ عالم میں کی گئی ہے۔

جب خود انسان بہترین جمال والا ہے اور جس کون ومکان میں رہتا ہے وہ بھی سراپا حسن و جمال ہے تو پھر انسان کا احسن اعمال کو پیش نہ کرنا اور دنیاوی حسنہ واخروی حسنہ کا طالب نہ ہونا اس کی عقل وفہم سے بہت ہی بعید ہے۔

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین تر ہونا

﴿ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴾ [1]

''ہر شے کو اس کی اپنی خلقت، اپنی بناوٹ میں، بہت خوشنما اور بہت خوب بنایا ہے۔''

ہزاروں قسم کے پرندے ہیں، ہزاروں قسم کے پھول ہیں، ہزاروں قسم کے درخت ہیں، ہر قسم کے جاندار زمین کے اندر رہنے والے، پیٹ کے بل چلنے والے، پاؤں پر دوڑنے والے، سمندروں کے اندر رہنے والے موجود ہیں۔ اپنے اپنے رنگ، اپنی اپنی وضع اپنے اپنے خواص، اپنی اپنی آواز اپنے اپنے افعال میں اس قدر حسین وجمیل، خوش منظر اور زیبا پیکر واقع ہوئے ہیں کہ چشم انتخاب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

أَلْفُ أَلْفِ سَلَامٌ وَتَحِيَّةٌ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

تَمَّت بِالْخَيْر

---

[1] ٣٢/ السجدة:٧۔

تخریج شدہ ایڈیشن
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
محسنِ انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی حامل ایک جامع کتاب
اس میں ولادت مبارکہ، آپ کی جہادی زندگی اور اسلام سے پہلے عرب کی تاریخ
کے بارے میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے، نیز سیرت نگاری کے فن پر مشتمل
بہترین مقدمہ اس حصے کا خاصہ ہے۔
تالیف
علامہ شبلی نعمانی
علامہ سید سلیمان ندوی
مکتبہ اسلامیہ

التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح

الإمام زين الدين أبي العباس
أحمد بن عبد اللطيف الزبيدي
(ت/ ٨٩٣ھ)

ترجمہ
مولانا محمد داؤد راز

تقدیم ونظر ثانی
شیخ الحدیث ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد

تخریج
فضیلۃ الشیخ احمد زهوة
فضیلۃ الشیخ احمد عناية

وما ارسلنک الا
رحمۃ للعلمین